حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

بترتیب جدید

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بانی جامعہ دار العلوم کراچی و مفتی اعظم پاکستان

مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴

امداد الفتاویٰ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہٗ

بترتیبِ جدید

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جلد اوّل

مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴

باہتمام : محمد قاسم گلگتی
طبع جدید : شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ ...... جولائی 2010ء
فون : 5042280 - 5049455
ای میل : mdukhi@gmail.com

ملنے کے پتے

مکتبہ دارالعلوم احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی ﴿ ناشر ﴾

- ادارۃ المعارف احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- مکتبہ معارف القرآن احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
- دارالاشاعت اردو بازار کراچی
- بیت الکتب گلشن اقبال نزد اشرف المدارس کراچی

فہرست مضامین

﴿امدادالفتاویٰ جلد اوّل﴾

مضمون	صفحہ

کتاب الطہارۃ

مضمون | صفحہ

فصل في الغسل

مضمون | صفحہ

باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز بہ

فصل فی البیر

مضمون | صفحہ

فصل فی الآسار (پس خوردہ)

فصل فی التیمم

باب المسح علی الخفین وغیرھما

باب الحیض والنفاس والاستحاضة

مضمون	صفحہ

نجاست کے احکام اور پاکی کا طریقہ

مضمون	صفحہ

فصل فی الاستنجاء

مسائل منثورہ متعلقہ بکتاب الطہارت

کتاب الصلوۃ (اوقات نماز)

---

(۱) اس مسئلہ کے متعلق مزید تحقیق اس کتاب کے ضمیمہ صفحہ..... پر ملاحظہ فرماویں ۱۲ ش

مضمون	صفحہ

باب الآذان و الاقامة

مضمون | صفحہ

باب شروط الصلوة و صفتها

باب القراءة

مضمون	صفحہ

الفتویٰ المتعلقه بالضأفيه كلام فى مواضع

مضمون	صفحہ

رساله ضياء الشمس في اداء الهمس

ضمیمۂ جمال القرآن نوشتہ قاری محمد یامین صاحب

رسالة التدقيق الجلي في تحقيق النون الخفي

مضمون صفحہ

باب الامامۃ والجماعۃ

مضمون	صفحہ

مضمون — صفحہ

باب مایفسد الصلوۃ وما یکرہ فیہا

مضمون	صفحہ

مضمون | صفحہ

نماز وتر

باب النوافل

مضمون	صفحہ

تراویح

مضمون | صفحہ

باب ادراک الفریضۃ وقضاء الفوائت

لاحق اور مسبوق کے احکام

مضمون | صفحہ

سجدۂ سہو کے احکام

مضمون | صفحہ

صلوة المريض

سجدۂ تلاوت

مضمون — صفحہ

صلوۃ المسافر

مضمون	صفحہ

صلوٰۃ الجمعۃ والعیدین

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

نماز استسقاء

باب الجنائز

مضمون | صفحہ

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

مسائل منثورہ متعلقہ کتاب الصلوٰۃ

امداد الفتاویٰ

کے مصنّف

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

کی

مختصر سوانح حیات

از

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ العالی

ترجمة المؤلف

یعنی مختصر سوانح حیات حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ مصنف امدادالفتاویٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم الامّت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ۔ اُن یگانہ روزگار ہستیوں میں سے ہیں جن کی نظیریں ہر زمانہ کی تاریخ میں گنی چنی ہوا کرتی ہیں۔ آپ کی سیرت و سوانح پر قلم اُٹھانا بھی کسی کے لئے کوئی آسان کام نہ تھا۔ خصوصاً جبکہ حضرت قدس سرہٗ نے اپنے غایت احتیاط وتقویٰ اور مریدین ومعتقدین کے غلو کے خطرہ سے بچنے کے لئے یہ وصیت شائع فرمادی تھی کہ میری سوانح عمری نہ لکھی جائے لیکن اس وصیت کی تعمیل کے نتیجہ میں بلاشبہ مسلمان ایک بڑی خیر و برکت اور بہت سی اہم مفید چیزوں سے محروم رہ جاتے، اسی لئے خدام نے خود حضرتؒ سے درخواست کی کہ اگر آپ کے سامنے کوئی صاحب احتیاط کے ساتھ آپ کی سیرت لکھیں اور آپ خود اس پر نظر فرما کر غلو اور نامناسب چیزوں کی اصلاح فرمادیں تو وصیت کا منشا بھی پورا ہو جائے گا اور سوانح سے جو فائدہ مسلمانوں کو عموماً، اور معتقدین کو خصوصاً پہونچ سکتا ہے۔ اس کا راستہ بھی مسدود نہ ہوگا۔

حضرتؒ کو غایت تواضع کی وجہ سے جیسے یہ پسند نہ تھا کہ آپ کی سوانح شائع ہو اسی طرح افادۂ خلق کی حرص بھی بہت تھی جو وراثت نبوت سے حصہ میں آئی تھی اس لئے اس کی اجازت دیدی۔ اور حضرت کے خلیفۂ خاص خواجہ عزیزالحسن صاحب مجذوب مرحوم پر اس کی تصنیف کا قرعۂ فال نکلا۔ آپ نے اشرف السوانح نام کی تین ضخیم جلدوں میں یہ سیرت مکمل تحریر فرمائی اور زمانہ تصنیف میں حضرت کی نظر و اصلاح کا سلسلہ جاری رہا۔ چوتھی جلد تکملۃ السوانح کے نام سے وفات کے بعد شائع کی گئی۔

اس طرح یہ نہایت مفید معلومات اور ارشادات کا خزانہ چار جلدوں میں مکمل ہوگیا۔ اس

کے بعد متعدد حضرات نے اس کی تلخیص و اختصار بھی اپنے طرز پر لکھا۔ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ؒ پر متعدد حضرات نے حضرت کا مختصر ترجمہ لکھنے کے لئے فرمایا مگر موصوف نے بوجہ ہجوم مشاغل مجھے اس کام کے لئے مامور فرمایا کہ اشرف السوانح میں سے مختصر حالات کا انتخاب لکھ کر پیش کردوں۔ تعمیل حکم اور تحصیل سعادت کے لئے سطور ذیل لکھ کر پیش کردی اور آپ کے ملاحظہ کے بعد شائع ہو رہی ہے۔ واللہ الموفق والمعین۔

محمد تقی ابن مولانا مفتی محمد شفیع ؒ

دارالعلوم کراچی

نسب اشرف...... ولادت اور بچپن

۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ بروز چہار شنبہ کو صبح صادق کے ساتھ ساتھ ایک اور حقیقی صبح طلوع ہوئی اور حضرت حکیم الامتؒ جلوہ افروز ہوئے۔ اس سال کا مادۂ تاریخ'' کرم عظیم ۱۲۸۰'' بھی خوب نکلا جو ہر لحاظ سے کرم عظیم اور بالکل واقع کے مطابق ہے۔

آپ کی عمر ابھی چودہ مہینہ ہی کی تھی آپ کے چھوٹے بھائی اکبر علی مرحوم کی ولادت ہوئی۔ اس لئے آپ کو دودھ پلانے کے لئے اناّ رکھی گئی۔ اور اس کے بعد اسی کے دودھ سے آپ کی پرورش ہوئی۔ ابھی آپ اپنی عمر کے صرف پانچ منزلیں طے کر پائے تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا اس کے بعد آپ اپنی تائی صاحبہ کے پاس رہنے لگے۔ آپ کے والد کو آپ سے والدہ سے بھی زیادہ محبت تھی جس کی وجہ سے آپ نے ان کو بہت ناز ونعم میں پالا۔ اور تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھا۔ اور اس انداز سے تربیت کی کہ حضرتؒ خود فرماتے ہیں۔

'' تراویح میں ختم قرآن کی جو مٹھائی مسجدوں میں تقسیم ہوئی اس میں کبھی شریک نہ ہونے دیا بلکہ اس روز خود بازار سے مٹھائی منگوا کر اس سے زیادہ کھلا دیتے اور کہتے کہ مسجدوں میں مٹھائی کی نیت سے جانا بے غیرتی کی بات ہے، اس خوبی کے ساتھ ہم لوگوں کو حرص سے بچاتے اور غیرت سکھاتے تھے''۔ (اشرف السوانح ص ۱۹ ج ۱)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت خود ہی کچھ ایسی واقع ہوئی تھی کہ کبھی عام لڑکوں کے ساتھ نہیں کھیلے، نماز کا بچپن ہی سے اتنا شوق تھا کہ بعض کھیلوں میں بھی نماز ہی کی نقل اتارتے اور کبھی بازار کی طرف جانا ہوتا اور کوئی مسجد راستے میں پڑتی تو اس کے منبر پر جا چڑھتے اور خطبہ کی طرح پڑھ پڑھا کر واپس آ جاتے۔ اس کے علاوہ بچپن کی وہ شوخیاں جو عہد طفولیت کے ساتھ خاصہ ء لازمہ سمجھی جاتی ہیں وہ بھی حضرتؒ کے اندر معدوم نہ تھیں بلکہ حضرتؒ خود فرمایا کرتے تھے۔

'' حالانکہ میں بچپن میں بہت شوخیاں کیا کرتا تھا مگر آج کل کے لڑکوں جیسی گندی شرارتیں نہ ہوتی تھیں۔ اس لئے سب کو بجائے ناگوار ہونے کے بھلی معلوم ہوتی تھیں''۔

(اشرف السوانح ص ۲۰ ج ۱)

بارہ(۱۲) تیرہ(۱۳) برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے۔ لیکن اسی عمر سے آپ کو مولانا فتح محمدؒ کے فیض صحبت کی وجہ سے ''ملک نیم شب'' کی غیر فانی لذتوں کا ادراک ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ پچھلی رات سے اٹھ بیٹھتے اور تہجد و وظائف میں مشغول ہو جاتے۔ تائی صاحبہ اس سے بہت کڑھتیں اور سمجھاتیں کہ بیٹا تم ابھی تہجد کے مکلف نہیں ہو۔ لیکن ۔

زانکہ کہ یافتم خبراز ملک نیم شب　　　من ملک نیم روز بدانگے نمی خرم

حضرتؒ میں اس عمل کا اتنا ذوق پیدا ہو گیا تھا کہ وہ سنی ان سنی کر دیتے اور باز نہ آتے۔

لطافت طبع کا یہ عالم تھا کہ کسی کا ننگا پیٹ نہ دیکھ سکتے تھے۔ اگر دیکھ لیتے تو فوراً قے ہو جاتی لڑکے پریشان کرنے کی غرض سے پیٹ کھول کر دکھلاتے اور آپ قے کرتے کرتے پریشان ہو جاتے بدبو کا تو ذکر ہی کیا۔ تیز خوشبو بھی برداشت نہ ہوتی تھی۔

حصول علم

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم میرٹھ میں حافظ حسین علی صاحب مرحوم سے حفظ کیا۔ عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا فتح محمد صاحبؒ سے تھانہ بھون آ کر پڑھیں۔ اور اپنے ماموں سے فارسی کی انتہائی کتب ابوالفضل وغیرہ اس طرح پڑھیں کہ آپ کو فارسی میں پوری دستگاہ حاصل ہو گئی۔ طالب علمی ہی کے زمانہ میں جبکہ آپ کی عمر ابھی صرف اٹھارہ سال کی تھی آپ کو مرض خارش لاحق ہوا تو وطن تشریف لائے اور بطور مشغلہ اشعار پر مشتمل'' مثنوی زیر و بم، تصنیف فرمائی۔ جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی تصنیف ہے۔

ذی قعدہ ۱۲۹۵ھ کے اواخر میں آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۰۱ھ کے شروع میں جبکہ آپ کی عمر صرف انیس یا بیس سال تھی اور چودھویں ہجری کا آغاز ہو رہا تھا آپ تحصیل علوم کی تکمیل کر کے افادۂ خلق کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ زمانۂ طالب علمی میں طلباء حتیٰ کہ اعزہ تک سے الگ تھلگ رہتے۔ البتہ اسباق کے مطالعہ سے ذرا فرصت ملتی تو اپنے استاذ خاص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کی خدمت میں جا بیٹھتے حتیٰ کہ آپ مدرسے سے باہر اپنے رشتہ داروں سے بھی ملنے نہ جاتے تھے جن کا قیام دیوبند میں تھا۔ اور اکثر حضرتؒ سے تقاضا کرتے رہتے تھے۔ کہ تم مدرسہ میں کیوں کھانا کھاتے ہو۔ یہاں کھا لیا کرو۔ لیکن آپ نے اس کو منظور نہ فرمایا۔ آخر بہت اصرار پر اپنے والد صاحب کو لکھا کہ کیا کیا جائے۔

توانہوں نے ایک ڈانٹ کا خط بھیجا کہ تم وہاں رشتہ داریاں جتلانے گئے ہو یا طالب علمی کرنے۔ تب آپ نے بالکل سرے سے میل جول ہی ترک فرما دیا۔

حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ جب طلباء کا امتحان لینے اور دستار بندی کے لئے تشریف لائے تو حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے اس ہونہار شاگرد کی ذہانت وذکاوت کی بطور خاص تعریف کی۔ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ نے آپ سے مشکل مشکل سوالات کئے اور ان کے صحیح جوابات سن کر مسرور ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ بحیثیت طالب علم بھی حضرت والاؒ اپنے ہم سبقوں میں سب سے زیادہ ممتاز تھے۔ اس زمانہ میں بھی حاضر جوابی ذہانت وفطانت اور منطق ومعقول میں کمال مہارت کا یہ عالم تھا کہ دیوبند میں جہاں کوئی غیر مذہب والا مناظرہ کرنے آتا۔ حضرتؒ فوراً پہنچ جاتے اور اس کو مغلوب کر دیتے۔ آپ کے استاذ مولانا سید احمد صاحب دہلوی نے سکندر نامہ میں امتحان لیا۔ اور ایک شعر کا مطلب پوچھا تو چونکہ استاد کا بتایا ہوا مطلب محفوظ نہ تھا۔ آپ نے اپنی طرف سے ایک مطلب بیان کیا۔ مولانا نے دریافت کیا کہ اور کوئی بھی مطلب ہوسکتا ہے۔ حضرت والاؒ نے دوسرا مطلب بیان کر دیا۔ پھر دریافت فرمایا کہ اور کوئی بھی مطلب ہوسکتا ہے تو حضرتؒ نے تیسرا مطلب بیان کر دیا۔ مولانا نے فرمایا کہ ان میں سے ایک مطلب بھی صحیح نہیں مگر تمہاری ذہانت پر نمبر دیتا ہوں۔

اس ذہانت اور استعداد کے باوجود اس پر فخر ومباہات تو کجا۔ تواضع کا یہ عالم تھا کہ خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت والا کی دستار بندی حضرت مولانا گنگوہیؒ کے مقدس ہاتھوں سے ۱۳۰۱ھ میں ہوئی۔ اس سال دیوبند میں بڑا شاندار جلسۂ دستار بندی ہوا تھا۔ حضرت والا نے جب سنا دستار بندی ہونے والی ہے تو اپنے ہم سبقوں کو لے کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی خدمت میں پہونچے اور عرض کیا کہ حضرت ہم نے سنا ہے کہ ہم لوگوں کی دستار بندی کی جائے گی۔ اور سند فراغ دی جائے گی۔ حالانکہ ہم اس قابل ہرگز نہیں لہٰذا اس تجویز کو منسوخ فرما دیا جائے ورنہ مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی کہ ایسے نالائقوں کو سند دی گئی۔ یہ سن کر مولاناؒ کو جوش آ گیا اور فرمایا کہ تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے یہاں چونکہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں اس لئے ان کے سامنے تمہیں اپنی ہستی کچھ نظر نہیں آتی اور ایسا ہی ہونا چاہئے۔ باہر جاؤ گے تو تب تمہیں اپنی قدر معلوم ہوگی۔ جہاں جاؤ گے بس تم ہی تم ہوگے باقی سب میدان صاف ہے اطمینان رکھو
(اشرف السوانح ص ۱۳۱ ج ۱)

چنانچہ آئندہ پیش آنے والے حالات نے ثابت کر دیا کہ حضرت مولاناؒ کی یہ مبصرانہ پیشنگوئی کس قدر صحیح اور واقعی تھی۔

اساتذہ کرام

اس کی بڑی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ حضرتؒ کو اساتذہ بھی ایسے ملے تھے کہ ''این خانہ ہمہ آفتاب ست'' کے مصداق ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر آفتاب و ماہتاب تھا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس سرہ، حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ حضرت مولانا شیخ محمد تھانویؒ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ ان میں سے ہر ایک علم کا بہتا ہوا دریا اور آسمان علم و عمل پر ایک درخشندہ ستارہ تھا۔

درس و تدریس

تکمیل تعلیم کے بعد اس کا وقت اور ضرورت تھی کہ آپؒ نے دارالعلوم کی مبارک فضا میں رہ کر جو فیض حاصل کیا تھا اس کو عام کیا جائے۔ تو قدرت نے اس کے اسباب مہیا فرما دئے۔ کانپور میں سب سے قدیم مدرسہ ''فیض عام'' تھا جس کے صدر مدرس جناب مولانا احمد حسن صاحبؒ تھے جو اپنے زمانے کے مشاہیر علماء میں سے تھے وہ کسی سبب کی بناء پر مستعفی ہو کر چلے گئے اور علیحدہ دارالعلوم قائم کر لیا۔ ان کے تبحر علمی کے پیش نظر کسی کو ان کی مسند پر بیٹھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا کچھ علم نہ تھا۔ لہٰذا جب وہاں سے ایک مدرس کی طلبی ہوئی تو بارشاد اساتذہ کرام اور باجازت والد ماجد بے تامل تشریف لے گئے اور درس دینا شروع کر دیا۔ تنخواہ پچیس (۲۵) روپیہ ماہوار ہوئی۔ جو اگر چہ اس زمانے کے لحاظ سے کچھ ایسی کم نہ تھی لیکن حضرتؒ کے کمالات اور والد ماجد کے تمول کے پیش نظر کچھ بھی نہ تھی۔ لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بھی بہت سمجھا کیونکہ فرماتے تھے کہ میں جب کبھی طالب علمی میں تدریس کے بارے میں سوچتا تھا تو دس روپیہ سے زیادہ تنخواہ پر نظر نہ جاتی تھی نہ دس سے زیادہ کا خود کو مستحق سمجھتا تھا۔ گو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس وقت بالکل نوجوان اور سبزہ آغاز تھے لیکن کانپور پہونچکر وہاں کے جملہ مدرسین وغیرہ میں بہت جلد شہرت ہوگئی اور عمومی طور سے ہر دلعزیز ہو گئے۔ یہاں تک کہ مولانا احمد حسن صاحبؒ بھی محبت و وقعت سے پیش آنے لگے ابھی یہاں کام کرتے ہوئے تین چار مہینہ ہی گذر پائے تھے کہ آپ کی غیر معمولی قابلیت کے پیش نظر منتظمین مدرسہ نے چاہا کہ حضرت اپنے مواعظ میں مدرسہ کی امداد کے لئے چندہ کی تحریک بھی کیا کریں اسے حضرت تھانویؒ نے غیرت دینی کے خلاف سمجھا۔ اس لئے آپ نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اراکین

مدرسہ نے اس کی آپس میں بیٹھ کر کچھ شکایت کی تو اس کی اطلاع حضرتؒ کو بھی ہوگئی اس پر آپ نے ارشاد فرمایا یہ میرا کام نہیں بلکہ خود اراکین مدرسہ کا کام ہے میرا کام تو فقط پڑھانا ہے مگر اراکین مدرسہ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اور وہ اس کا چرچا کرنے لگے تب آپ کو یہ بات سخت ناگوار گذری اور آپ نے وہاں سے استعفیٰ دیدیا اور واپسی وطن کا قصد فرمالیا۔ روانگی سے قبل آپ مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کی زیارت کی غرض سے گنج مرادآباد تشریف لے گئے کہ مبادا پھر اس طرف آنا نہ ہوا اگرچہ ہر ناشناس اراکین نے حضرت تھانوی جیسا گوہر بے بہا ہاتھ سے کھودیا تھا۔ مگر اہل شہر آپ سے اس درجہ متاثر تھے کہ ان سے یہ صدمہ مفارقت برداشت نہ ہوسکا اور انہوں نے آپ کو واپس لانے کی تجاویز سوچنی شروع کردیں۔ معززین شہر میں سے عبدالرحمٰن خاں صاحب اور حاجی کفایت اللہ صاحب کو آپ سے بے انتہا عقیدت تھی۔ چنانچہ انہوں نے کانپور کے محلّہ پٹکاپور کی جامع مسجد میں جدید مدرسہ کھولنے کا فیصلہ کیا۔ اور تنخواہ اپنے پاس سے ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ جب آپ گنج مرادآباد سے واپس کانپور تشریف لائے تو ان دونوں نے آپ کو باصرار روک لیا اور آپ نے بھی اخلاص کے پیش نظر وہاں درس دینا منظور فرمالیا۔ اور اس کا نام خود ''جامع العلوم'' تجویز فرمایا۔ آپ کے تدریس کا انداز کچھ ایسا دل نشین تھا کہ بات ذہن میں اترتی ہی چلی جاتی تھی جو کوئی طالب علم دو چار سبق پڑھ لیتا پھر دوسرے سے اس کی تشفی نہ ہوتی۔ آپ مشکل سے مشکل مسئلہ کو چٹکیوں میں حل فرمادیتے اور طلباء کے اذہان میں بٹھلادیتے آخر اسی انداز میں مسلسل ۱۴ سال درس دیا۔ اور مواعظ، افتاء اور تصانیف کا سلسلہ بھی اس کے ساتھ جاری رہا اور آخر کار صفر ۱۳۱۵ھ کے آخر میں اپنے پیر و مرشد حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ کے مشورہ سے کانپور سے قطع تعلق کرکے اپنے وطن تھانہ بھون میں قیام پذیر ہوئے حضرت حاجی صاحبؒ اس پرمسرت کا اظہار کرتے ہوئے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے امید ہے کہ آپ سے خلائق کثیر کو فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا۔ اور آپ ہمارے مدرسہ و مسجد کو از سرنو آباد کریں۔ میں ہر وقت آپ کے حائل میں دعا کرتا ہوں اور خیال رہتا ہے''۔ (اشرف السوانح ص ۹۷ ج ۱ بحوالہ مکتوبات امدادیہ نمبر ۳۶)

اس چودہ سالہ عرصہ میں آپ کے دریا کے علم سے ہزاروں افراد سیراب ہوئے جن میں سے حضرت مولانا اسحاق بردوانی۔ مولانا رشید کانپوری۔ مولانا احمد علی فتح پوری۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی۔ مولانا صادق الیقین کرسوی۔ مولانا شاہ لطف الرسول بارہ بنکی۔ مولانا

حکیم محمد مصطفیٰ بجنوریؒ مولانا فضل حق بارہ بنکی کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

استفادۂ باطنی

عقل پرستوں اور ماہرین تعلیم ونفسیات پر تو اب یہ راز منکشف ہوا کہ صرف کتابوں اور ان کے پڑھنے پڑھانے سے ذہنیتیں تبدیل نہیں ہوا کرتیں تاوقتیکہ اس غرض کے لئے ایک مخصوص ماحول یا تربیت گاہیں پیدا نہ کی جائیں، جن میں کچھ عرصہ کے لئے طلباء یکسورہ کر مشترک زاویہ نگاہ کے تحت زندگی بسر کرنا سیکھیں۔لیکن شمع نبوت کے پروانے اس راز کو روز اول ہی سے پا گئے تھے چنانچہ وہ اپنا زیادہ تر وقت مجلس نبوی میں گذارتے۔اور اسلامی تعلیمات کی عملی تربیت حاصل کرتے۔اصحاب صفہ کی زندگی اس کی بہترین مثال ہے۔اسی لئے شروع ہی سے بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے اور اس سے فیض یاب ہونے کا طریقہ اسلاف میں برسرکار رہا ہے۔کیونکہ علم ومعرفت کے جو اسرار اس سے حاصل ہو سکتے ہیں۔وہ اوراق سے ممکن نہیں۔اکبر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے۔

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں   آدمی آدمی بناتے ہیں

چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی صحبت اہل اللہ سے نہایت دلچسپی اور اس کی طرف کمال ذوق وشوق تھا۔آپ سلف صالحین کے حالات وتذکرہ جات بھی بڑے جھوم جھوم کر سناتے اور فرمایا کرتے تھے اور یہ حضرات اہل سکر تھے ان کے تذکروں میں بھی یہ اثر ہے کہ سکر کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔یہ حضرات عشاق تھے ممکن نہیں کہ ان کے حالات پڑھے جائیں اور قلب میں شبت الٰہی پیدا نہ ہو۔ (اشرف السوانح ص۱۰۹ ج۱)

حضرتؒ اپنے زمانے کے تمام بزرگان دین سے ملے ہیں۔اور ہر ایک سے دعا توجہ اور لطف وعنایت کے ذریعہ استفادہ کیا ہے۔چنانچہ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہٗ کے حلقۂ توجہ میں شریک رہے فرماتے ہیں کہ:۔

اس قدر اثر محسوس ہوتا تھا کہ بالکل پاک صاف ہو گیا ہوں۔

اسی طرح آپ شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ اور شاہ ابو حامد صاحب بھوپالیؒ (جو سلسلۂ نقشبندیہ کے بڑے درجہ کے بزرگ تھے) کی زیارت سے بھی مشرف رہے۔

صوفی شاہ سلیمان صاحب لاجپوریؒ حضرت شیخ مولانا فتح محمد صاحب تھانویؒ مولانا محمد

یعقوب صاحب نانوتویؒ۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ۔

ان سب حضرات سے شرف ملاقات اور استفادہ اس انداز میں ہوا کہ ان میں سے ہر ایک آپ کی ذہانت۔قابلیت اور عملی بلندمقامی کا معترف تھا۔

بیعت

ایک مرتبہ حضرتؒ طالب علمی کے دور سے گذر رہے تھے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ دیوبند تشریف لائے تو حضرتؒ اشتیاق سے مصافحہ کے لئے آگے بڑھے شوق نے بے قابو کر دیا تھا۔ پاؤں بے اختیار پھسل پڑا حضرت گنگوہیؒ نے تھام لیا گو بیعت اور اس کی حقیقت سے نا آشنا تھے مگر کشش اس درجہ بڑھی کی بیعت کی درخواست پیش کر دی۔ حضرت گنگوہیؒ نے دوران طالب علمی میں اس کو مناسب نہ سمجھا اور انکار فرما دیا لیکن خاطر اشرف میں یہ خیال بصورت حسرت و یاس پرورش پاتا رہا اور جب ۱۲۹۹ھ میں حضرت گنگوہیؒ عازم حج ہوئے خود انہی کے ذریعہ شیخ العرب والعجم حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عریضہ گذراتا کہ ''آپ مولانا سے فرما دیں کہ مجھے بیعت کر لیں'' نہ جانے دونوں عارفین میں کیا راز و نیاز رہا۔ بظاہر یہی ہوا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے مکہ معظّمہ سے تھانہ بھون کے اس درشہواء کو بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ مولانا تھانویؒ ابھی طالب علم ہی تھے کہ حضرتؒ نے آپ کے والد ماجد کو کہلا بھیجا کہ تم حج کو آؤ تو اپنے بڑے لڑکے کو ساتھ لیتے آنا۔

چنانچہ شوال ۱۳۰۱ھ میں جبکہ مجدد الملت طالب علمی کی زندگی ختم فرما کر کان پور میں مدرس وتدریس میں مصروف تھے سفر حج کے سامان مہیا ہو گئے۔ اور آپ اپنے والد کے ساتھ سفر حج پر روانہ ہوئے۔ مکہ معظّمہ بصد اشتیاق پہونچے اور شیخ قدس سرہ' کو مسرور فر ہادست بدست نعمت بیعت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت شیخؒ نے چھ مہینے کے لئے روکنا چاہا مگر والد کو مفارقت گوارا نہ ہوئی۔ اس لئے آپ نے اطاعت والد کو مقدم سمجھتے ہوئے جانے کی اجازت دیدی۔ لیکن ہندوستان پہونچکر بھی حضرت کو چین نہ آیا اور یہ الفاظ مبارک ان کے کانوں میں گونجتے رہے کہ:۔

''میاں اشرف علی تم میرے پاس چھ مہینے رہ جاؤ''۔ چنانچہ ۱۳۱۰ھ میں آپ نے دوبارہ عزم فرمایا اور مکہ معظّمہ تشریف لے جا کر صحبت خاص کی، اس نعمت بے بہا سے مشرف

ہوئے جو عرصہ سے مرشد و مسترشد کے دلوں میں ایک تمنا بنکر پرورش پا رہی تھی۔ (۱)

اور حضرت حاجی صاحبؒ کی قوت افاضہ اور ادہر حضرت والاؒ کی قابلیت استفادہ میں تھوڑے ہی دنوں میں باہم اس درجہ مناسبت پیدا ہوگئی کہ حضرت حاجی صاحبؒ یہ فرمانے لگے کہ تم میرے پورے پورے طریق پر ہو۔ غرض اس طرح ۱۳۱۱ھ میں حضرت والاؒ حضرت حاجی صاحبؒ کے رنگ میں پوری پوری طرح رنگ کر اور باطنی دولتوں سے بہرہ ور ہوکر پھر وطن لوٹ آئے۔

مسندِ ارشاد

خدمت مرشد سے واپس آ کر حضرتؒ کچھ روز تو کان پور میں تدریس کے کام میں مشغول رہے۔ اور پھر ۱۳۱۵ھ میں ان تفصیلات کے تحت جو اوپر مذکور ہوئیں) مستقل طور پر تھانہ بھون میں بارشادِ مرشد قیام فرمالیا۔ اور یہیں سے کہ آپ کے مقصد زندگی کا وہ اہم دور شروع ہوا۔

چنانچہ حضرت والاؒ نے تھانہ بھون کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر دولت اور ثروت اور تمام دنیوی آرائشوں کو ترک کر کے بھی وہ بادشاہت کی جو کسی کے حصہ میں کم آتی ہے۔ ہندوستان بلکہ ہر چہار جانب سے لوگ پروانہ وار آئے اور اس شمع ضیاء پاش سے اپنی اپنی بساط کے موافق روشنی حاصل کر کے لے گئے۔

تشنہ گانان عشق کی آمدورفت کا یہ عالم تھا کہ قصبہ تھانہ بھون کے لئے ایک مستقل ریلوے اسٹیشن بنانا پڑا۔ اور خانقاہ امدادیہ کی اس ''دکان معرفت'' پر اس قدر ہجوم ہوا جو شاید حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور شیخ احمد سرہندیؒ کے بعد اپنی نظیر آپ تھا۔

علالت ورحلت

رشد وہدایت کا وہ آفتاب جو ۱۲۸۰ھ میں تھانہ بھون کے مطلع سے نمودار ہوا اور ۱۳۰۱ھ سے ہندوستان کے طول وعرض میں شریعت وطریقت کے انوار پھیلاتا رہا آخر کار ۱۳۶۲ھ میں ہمیشہ کے لئے نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

سانحہء ارتحال سے تقریباً پانچ سال قبل ہی سے معدہ وجگر کی متعدد بیماریاں چلی جاتی تھیں۔ مختلف اعضاء متورم ہو چکے تھے۔ ہر چند علاج معالجہ کے باوجود بھوک تقریباً بند ہوگئی۔ نحیف اور ناتواں اور صاحب فراش ہوگئے۔ اکثر غنودگی کی کیفیت طاری رہنے لگی۔ لیکن جب بھی ہوش آتا اپنے عارفانہ کلمات اور خطوط کے جوابات اسی انداز سے ادا فرماتے۔ انہی

---

(۱) اس سلسلہ کے تمام تر تفصیلی واقعات کے لئے ملاحظہ ہو اشرف السوانح ج (۱) ص ۱۶۳ تا آخر ۱۲ محمد تقی

باتوں کو دیکھ کر یہ عقدہ کھلا کہ یہ غنودگی کے دورے نہ تھے بلکہ "ربودگی" کی کیفیات تھیں ورنہ کسی کی عقل مان سکتی ہے کہ اس اس درجہ غنودگی یا نیم بے ہوشی کے بعد جب آنکھ کھولیں تو زبان اور گفتگو میں غنودگی کا کوئی اثر ہونے کے بجائے حکیمانہ اور عارفانہ ارشادات شروع ہو جائیں۔

بالآخر مرض موت کے دن گذرتے گئے اور دوشنبہ ۱۵؍رجب ۱۳۶۲ھ کی صبح ہی سے مسلسل اسہال ہونے لگے۔ اسی روز نماز مغرب کے بعد غشی طاری ہوئی تو سوا گھنٹہ تک ہوش نہ آیا۔ سانس تیزی اور آواز سے چلتا رہا۔ جب سانس اوپر آتا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کی شہادت کی انگلی کے بیچ میں ہتھیلی کی پشت سے ایک ایسی تیز روشنی نکلتی تھی کہ جلتے ہوئے برقی قمقمے ماند پڑ جاتے۔ کیا عجب کہ اس نور حقیقی کی مرئی شکل ہو جوان مبارک انگلیوں کے ذریعہ تصانیف کی شکل میں ظاہر ہوا اور بساط فکر وعمل کو منور کر گیا۔ بالآخر ۱۶؍و ۱۷؍رجب ۱۳۶۲ھ اور ۱۹، ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی رات میں خداوند حکیم وقدوس نے اپنی اس مقدس اور بیش بہا امانت کو واپس لے لیا۔ جو ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ میں اہل دنیا کو عطا ہوئی تھی۔ فاناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔

مقدس آثار علمیہ وعملیہ

حضرت مجدد الملتؒ کے دینی وعلمی فیوض وبرکات اس قدر مختلف الانواع ہیں کہ ان کا احاطہ ایک مختصر مضمون میں مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ آپ کی تصانیف ہی کو لے لیجئے جن کی مجموعی تعداد آٹھ سو کے قریب بنتی ہے ان میں بعض بعض تو بہت ہی چھوٹے رسائل ہیں۔ جنہیں مقالات کہنا بہتر ہوگا (لیکن درحقیقت یہ مقالات بھی اپنے جلو میں اس قدر جامعیت لئے ہوئے ہیں جو ضخیم تصانیف میں بھی مشکل ہی سے ملتی ہے) اور بعض کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ ان تصانیف کے موضوعات کو دیکھا جائے تو وقتی ضرورت کا کوئی موضوع بھی ایسا سامنے نہیں آتا جن پر آپ کی تصانیف مشتمل نہ ہوں۔ آپ اپنی تصانیف میں ہمیشہ اس چیز کا خیال رکھتے کہ جس طبقے کے لئے کتاب لکھی جارہی ہے انداز بیان بھی اسی کے مناسب ہو یہی وجہ ہے کہ علمی مسائل سے متعلق رسالوں اور عوام کے لئے لکھی گئی کتابوں کی زبان اور طرز بیان میں بین فرق نظر آتا ہے۔ اس کا اندازہ عوامی اور سہل کتابوں میں آپ کی مقبول عام اور نہایت عظیم النفع تالیف "بہشتی زیور" اور دوسری طرف علمی تصانیف میں بیان القرآن اور امداد الفتاویٰ کو دیکھ کر ہو سکتا ہے۔

مواعظ وملفوظات جن میں سے اکثر بحمد اللہ شائع ہو کر منظر عام پر آ چکا ہے ان کی چاشنی وہ لوگ محسوس کر سکتے ہیں جنہوں نے اس سلسلہ کی کچھ کتابیں پڑھ لی ہوں ہر وعظ میں مختلف الانواع

علوم کا ایک سمندر ہے جو ہر چہار طرف ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دیتا ہے۔

خلفائے مجازین

ان کتابوں میں علمی خزانوں کے علاوہ آپ نے علم وعمل کے ایسے مجسم خزانے بھی چھوڑے جنہوں نے آپ کی خواہش کے مطابق آپ کے بعد بھی چشمۂ فیض کو جاری رکھا اور ہزار ہا افراد کو سیراب کیا۔ آپ نے اس خیال کے پیش نظر کہ:۔

''دین کے جتنے کام میں نے جاری کئے ہوئے ہیں وہ میرے بعد بھی بدستور چلتے رہیں۔ اور کسی کو میرے نہ ہونے کا اس بناء پر افسوس نہ ہو کہ دین کا کام اب کون کرے گا''۔

اپنے مسترشدین میں سے پرکھ کر ایسے موتیوں کو منتخب فرمایا کہ جو آپ کے بعد بھی آپ کے خلفاء کی حیثیت سے دینی وعلمی کاموں میں مشغول رہیں اور بوقت ضرورت دوسرے افراد کو بیعت بھی کرلیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی زندگی ہی میں بہت سے بیعت کے خواہش مند لوگوں کو ان خلفاء کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا۔ آپ خلفاء مجازین کی پوری فہرست ان کے مکمل پتے کے ساتھ اپنے پاس محفوظ رکھتے اور وقتاً فوقتاً ان کو شائع بھی فرماتے رہتے۔

ان خلفاء مجازین کی طویل فہرست میں سے حضرت مولانا عبدالغنی صاحب بھولپور ضلع اعظم گڑھ۔ اور حضرت الشیخ مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری (مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور) مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (مہتمم دارالعلوم کراچی) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مولانا وصی اللہ صاحب (اعظم گڑھ) حضرت مولانا اظہر علی صاحب مہتمم جامعہ امدادیہ کشور گنج (مشرقی پاکستان) حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندہری (مہتمم خیر المدارس ملتان) مولانا عبدالباری صاحب ندوی۔ (سلمہم اللہ تعالیٰ ونفع بہم) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ جو برصغیر ہندو پاک میں اپنے فیوض علمیہ وعملیہ سے عالم کو سیراب کررہے ہیں۔ اسی طرح خلد آشیاں مجازین میں سے جو اپنے مرشد کی خدمت میں پہونچ چکے ہیں حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب'' (صاحب اشرف السوانح) حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہٰ آبادی۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ حضرت مولانا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری قدس اللہ اسرارہم کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔

تصوف اور اس کی حقیقت

یہاں پر ایک اور چیز کو واضح کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ عام طور پر عوام بلکہ

خواص میں بھی تصوف کے بارہ میں چند بڑی بنیادی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔حضرت تھانویؒ نے ان کو اپنی تصانیف ومواعظ میں جابجا دور فرمایا ہے۔

(۱) ایک غلط فہمی تو یہ ہے کہ تصوف کے احکام اور اس کی تعلیمات کتاب وسنت سے ماخوذ ہونے کے بجائے زیادہ تر اجنبی اور بیرونی اثرات سے متاثر ہیں۔اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے حضرتؒ نے اس کی اصل اور صحیح تعلیمات کو کتاب وسنت سے جمع کر کے پیش کرنے کا اہتمام بلیغ فرمایا ہے۔آپ نے ایک مستقل کتاب مسائل السلوک من کلام ملک الملوک تصنیف فرمائی جس میں قرآن کریم سے مسائل تصوف کو ثابت فرمایا اور دوسری کتاب ''التشرف بمعرفة احادیث التصوف'' تصنیف فرمائی جو چار جلدوں میں شائع ہو چکی ہے جس میں آپ نے وہ تمام احادیث جمع فرما دی ہیں جو تصوف سے متعلق ہیں۔

(۲) دوسری غلط فہمی خود نفس تصوف کے مفہوم ہی میں واقع ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ تصوف شریعت سے بالکل جدا چیز ہے جو تصوف کو اختیار کرے اس کے لئے شریعت کے احکام کی پابندی ضروری نہیں ہے حالانکہ یہ بڑی زبردست بنیادی غلطی ہے اس کو بھی حضرت نے اپنے مواعظ اور تالیفات میں جابجا واضح فرمایا ہے ایک جگہ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک اثر درویشوں پر یہ ہوا کہ شریعت اور طریقت کو جدا جدا سمجھے اور حقیقت کو اصلی مقصود اور شریعت کو انتظامی قانون اعتقاد کر لیا۔علماء سے نفور ہو گئے واردات واحوال کو منتہیٰ معراج خیال کیا خیالات کو مکاشفات اور مکاشفات کو فوق الیقینیات یقین کیا نہ اسکی میزان شرع میں وزن کرنے کی ضرورت نہ علماء سے پیش کرنے کی حاجت (تعلیم الدین ص ۵) غالی صوفی کہتے ہیں ''قرآن وحدیث میں تو ظاہری احکام ہیں تصوف علم باطن ہے ان کے نزدیک نعوذ باللہ قرآن وحدیث ہی کی ضرورت نہیں (شریعت وطریقت ص ۲۶)

نظام الاوقات ومعمولات

حضرت تھانویؒ کی سوانح میں ان کے تنظیم کار کا باب ایک ایسا باب ہے جو نہایت سبق آموز ہے حضرت مجدد الملتؒ کے صرف علمی وعملی کارناموں کو پڑھنے والا بسا اوقات یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ ایک ایسی شخصیت جس کو شب وروز اس درجہ کی مصروفیات لاحق ہوں وہ صرف انہی مشغولیات کا ہو کر رہ گیا ہوگا نہ اس کو گھر والوں کے پاس بیٹھ کر ان کے احوال سننے کا موقع ملتا ہوگا نہ وہ کسی سے خوش طبعی کے ساتھ گفتگو کے قابل ہوگا لیکن آپ کے معمولات کو دیکھنے سے

آپ کی اس کرامت کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان تمام مصروفیات کے باوجود آپ نہ صرف عام امت کے لئے اتنا عظیم الشان تبلیغی کام کرتے تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ گھر والوں کے حقوق کی ادائیگی کا پورا پورا اہتمام فرماتے تھے اور حقوق کی ادائیگی کا مطلب صرف یہی نہیں کہ ان کے نفقہ کا انتظام کر دیں بلکہ ان کے پاس بیٹھتے ان کے احوال سنتے اور اپنے کہتے۔

آپ ہمیشہ نماز خود ہی پڑھایا کرتے تھے کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ بار بار امام بدلنے سے جماعت کے نظم میں فرق آ جاتا ہے۔ نماز فجر سے فارغ ہو کر سب سے پہلے خانقاہ میں مقیم طالبین و سالکین کا جو گروہ ذکر و شغل میں مصروف ہوتا ان کے کام کی طرف متوجہ ہوتے۔ یہ لوگ اپنے اپنے باطنی حالات لکھ لکھ کر سہ دری میں لگے ہوئے لیٹر بکس میں ڈالتے۔ بعد نماز فجر حضرتؒ خود اپنے ہاتھ سے اسے کھولتے ایک ایک پرچہ پڑھ کر ہر ایک کے مناسب اس پر جواب لکھ کر پرچوں کو منبر پر رکھوا دیتے۔ مگر اس سلسلہ میں لوگوں کو یہ تاکید تھی کہ ان کو اوپر نیچے نہ رکھا جائے بلکہ علیحدہ ہی رہنے دیا جائے۔ تاکہ ہر شخص نظر ڈالتے ہی اپنا پرچہ پہچان کر اٹھالے تلاش کی زحمت نہ ہو۔ اس سے فارغ ہو کر قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے۔ اکثر چھوٹی حائل ہاتھ میں لیکر ہوا خوری کے لئے آبادی سے باہر نکل جاتے۔ چاشت سے لے کر دوپہر کے قریب تک پہلے تو یہ معمول تھا کہ اس میں اپنی تصنیف تالیف کا کام کیا کرتے تھے۔ پھر آخر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کیلئے ایک مجلس منعقد ہوتی اس میں عموماً خواص ہی ہوا کرتے بڑا مجمع کبھی نہ ہوتا۔

گیارہ بجے سہارنپور کی طرف سے گاڑی آتی۔ زیادہ ڈاک اسی سے آیا کرتی تھی اس لئے گاڑی کی آواز سن کر کبھی گھڑی دیکھ کر ذرا چند منٹ بعد اٹھنے کا قصد فرماتے اور حاضرین سے بڑے ملتجیانہ انداز میں یہ کہہ کر اجازت چاہتے کہ "ذرا گھر ہو آؤں" پھر ڈاک دیکھنے کھانا کھانے اور تھوڑی دیر ستانے کے لئے زنانخانہ میں تشریف لے جاتے جو وہاں سے دو فرلانگ کے فاصلہ پر تھا۔

پھر دو سوا دو گھنٹے کے بعد جب ظہر کی اذان ہوتی تو آپ واپس تشریف لاتے۔ نماز سے فارغ ہو کر سہ دری میں آ بیٹھتے۔ اسی وقت سے مجلس عام شروع ہو جاتی جو عصر کی اذان کے وقت برخاست ہوتی۔ نماز عصر کے بعد آپ واپس گھر تشریف لے جاتے اور مغرب کی نماز کے لئے پھر خانقاہ میں تشریف لاتے۔ اگر کسی کو کوئی خاص بات کرنی ہوتی یا کسی کو بیعت کرنا ہوتا تو مغرب کے بعد ان کو موقع دیا جاتا۔ ورنہ گھر میں اپنے انفرادی امور انجام دیتے مثلاً تصنیف و تالیف وغیرہ۔ مندرجہ بالا معمولات روزمرہ کچھ ایسے لگے بندھے تھے جیسے آفتاب کا طلوع و غروب اس

میں بھی فرق نہیں آتا تھا یہ ہے حضرتؒ کی سوانح حیات کا نہایت مجمل خاکہ جس میں بہت سی چیزیں عادات طریق معاشرت حسن سلوک اور لطافت وظرافت سے متعلق باقی ہیں جن کی گنجائش نہیں رہی۔ اور دوسری مفصل کتابیں اس موضوع پر لکھی جاچکی ہیں۔ اس لئے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

بندہ محمد تقی ابن مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ
دارالعلوم کراچی
محرم الحرام ۱۳۷۹ھ

مقدمہ امدادالفتاویٰ طبع جدید مبوّب

از مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امدادالفتاویٰ کے مقدمہ میں دو چیزوں کا بیان مناسب ومفید معلوم ہوتا تھا، اول فقہ اور فتاویٰ کی حقیقت وضرورت اور مختصر تاریخ اور اس میں عہد صحابہ سے آج تک اختلافات کے وجوہ واسباب، ائمہ اربعہ اور ان کے مذاہب کی کیفیت اور ان کے درجات، پھر درصورت اختلاف ترجیح وفیصلہ کس طرح ہو، علماء ارباب فتویٰ کس طرح کسی فتویٰ کو اختیار کریں اور موجودہ علماء اہل فتویٰ کے اختلاف کی صورت میں عوام کیا صورت اختیار کریں، دوسری چیز میں امدادالفتاویٰ کی خصوصیات، اس کے متعلقہ مباحث، لیکن اول الذکر مباحث طویل الذیل اور نہایت مہم مباحث پر مشتمل ہے، اور اس وقت بوجہ ضعف وامراض ان مباحث کی تکمیل دشوار تھی، اس لئے سردست امر دوم کے بیان پر اقتصار کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں تو ان شاء اللہ امر اول کو جداگانہ مقدمہ میں مستقل کتاب کی صورت میں شائع کردیا جائیگا کہ وہ درحقیقت ایک مستقل کتاب ہی کی حیثیت رکھے گا۔ واللہ الموفق والمعین۔

سیدی وسندی مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہ' کو اللہ تعالیٰ نے احیاء سنت اور تجدید دین کی جن خدمتوں کے لئے پیدا فرمایا تھا، ان کا ایک اہم شعبہ تصنیف وتالیف اور مواعظ وملفوظات کا سلسلہ ہے، جس کی عظمت وکثرت آخری صدیوں میں اپنی نظیر نہیں رکھتی آپ کی تصانیف میں اول سے آخر تک ایک چیز کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ یہ تصانیف محض علمی مشغلہ کے طور پر تصنیف برائے تصنیف نہیں، بلکہ امت کی پیش آنے والی ضروریات پر گہری نظر اور قلبی تأثر کے نتائج اور ہر دکھتی ہوئی رگ کا علاج ہیں۔

پھر تصانیف کے وسیع وعریض دائرہ میں علوم اسلامیہ میں سے کوئی علم وفن نہیں چھوٹا جس

میں آپ کی تصنیف نہ ہو، خصوصاً تفسیر قرآن، تصوف اور فقہ آپ کے مخصوص فن تھے جن میں آپ کی اکثر تصانیف دائر ہیں۔ ان تینوں فنون میں آپ کے مجددانہ مآثر میں مقبولیت عامہ اور توفیق ایزدی اور قبول الٰہی کے آثار مشاہد ہوتے ہیں، زیر نظر تصنیف ''امدادالفتاویٰ'' کا تعلق فن فقہ اور فتویٰ سے ہے جو اس صدی کا ایک مخصوص مجددانہ کارنامہ ہے، جس سے اس زمانے کے عوام ہی نہیں بلکہ علماء اور ارباب فتویٰ بھی بے نیاز نہیں ہوسکتے۔

فتویٰ جس طرح علماء اسلامیہ کی روح اور عمل کرنے والے کے لئے قریب کا تحقیقاتی دفتر ہے اسی طرح اس کی ذمہ داری اور اہمیت نہایت شدید ہے، اس میں محض کتابیں پڑھ لینا یا پڑھا دینا یا فنی حذاقت وذہانت بالکل ناکافی ہیں جب تک کہ کسی ماہر محقق، متقی، اہل فتویٰ کی صحبت میں ایک زمانہ دراز تک رہ کر اس فن کے اصول اور پھر ذوق صحیح حاصل نہ ہوں، کیوں کہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں نئے نئے حوادث ومسائل پیش آنے کے سبب ہر زمانہ کے مفتی کو کچھ نہ کچھ اجتہاد ناگزیر ہے، جس کا مدار ذوق سلیم اور اصول صحیحہ کے اتباع پر ہے، اسی لئے علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ایسے شخص کے لئے فتویٰ دینا ناجائز لکھا ہے جس نے کسی ماہر محقق اہل فتویٰ سے اس کام کو نہ سیکھا ہو، خواہ اس کی علمی استعداد اور قوت مطالعہ وذہانت کتنی ہی بلند ہو اور ان سب چیزوں کے ساتھ تقویٰ اس کی اہم شرط ہے۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ کو اس آخری دور میں سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے اپنے دین کی یہ اہم خدمت لینا تھی، اس کے اسباب وشرائط آپ میں ایسے جمع فرمادیئے ہیں کہ کم کسی کو نصیب ہوسکتے ہیں، خداداد ذہانت وحذاقت، ہر فن کی مکمل قابلیت اساتذۂ ماہرین پھر خاص فتویٰ سیکھنے کے لئے اول استاذ الکل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کی پانچ سالہ صحبت ومعیت پھر ابوحنیفہ عصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں مراجعت واستفادہ، یہاں تک کہ ۱۲۹۶ھ سے ۱۳۰۱ھ تک آپ کے کل فتاویٰ حضرت مولانا موصوف کی اصلاح وتصدیق سے مزین ہیں، اور ۱۳۰۱ھ سے ۱۳۲۳ھ تک اکثر مہمات فتاویٰ میں حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے مشورے اور اصلاحات شامل ہیں، اور ان سب چیزوں کے ساتھ کمال تقویٰ وتواضع، جس کے آثار آپ کے تمام فتاویٰ اور تحقیقات علمیہ میں مشاہد ہیں۔

امدادالفتاویٰ کی خصوصیات

(۱) جب کوئی مسئلہ آپ کے سامنے آتا تھا، کتنا ہی سہل اور صاف ہو فتویٰ لکھنے سے پہلے

اس کو بار بار بغور ملاحظہ فرماتے پھر جہاں تک ممکن ہوتا فقہاء کے فتاویٰ میں اس کا صریح جزئیہ تلاش فرما کر اس سے جواب تحریر فرماتے تھے۔

(۲) جس مسئلہ میں کوئی صریح جزئیہ ہاتھ نہ آیا وہاں اصول وقواعد سے مسئلہ کا جواب تحریر فرماتے اور آخر میں عموماً اس پر تنبیہ فرماتے تھے کہ یہ جواب قواعد واصول سے لکھا گیا ہے، صریح جزئیہ فقہاء کے فتاویٰ میں نہیں ملا، اس لئے دوسرے علماء سے بھی مراجعت کر لی جائے اور وہ اختلاف فرمائیں تو مجھے بھی مطلع کر دیا جائے۔

(۳) جب تک آپ کے اساتذہ موجود تھے اس وقت تک تو اپنے تمام فتاویٰ اور تصانیف میں ان سے طالب علمانہ استفادہ کا سلسلہ جاری ہی رہا۔ احقر نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وہ زمانہ پایا ہے جب اساتذہ ومشائخ کا قرن ختم ہو چکا تھا ہمعصروں کی تعداد بھی بہت مختصر تھی زیادہ تر علماء وقت شاگرد یا شاگرد اِن شاگرد کی فہرست میں تھے، اپنی خداداد مہارت وحذاقت کے باوجود تقویٰ اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اس وقت بھی اہم مسائل میں نہ صرف ہمعصروں سے بلکہ شاگردوں سے بھی مشورہ اور مذاکرہ کئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں فرماتے تھے، اور علماء کو برابر وصیت فرماتے تھے کہ ہمیشہ علماء کے مشورہ کا پابند رہنا چاہئے جس شخص کے ضابطہ کے بڑے نہ رہیں۔ اس کو چاہیے کہ اپنے چھوٹوں سے مشورہ کا التزام کرے۔

(۴) عمر بھر یہ بھی معمول رہا کہ کوئی مسئلہ اپنے عمل اور اپنی ذات کے متعلق پیش آیا تو کبھی اپنے فتویٰ پر خود عمل نہیں کیا، بلکہ دوسرے ارباب فتویٰ سے فتویٰ لے کر عمل فرماتے تھے، یہاں تک کہ بہت سے سوالات اس ناکارۂ خلائق کے پاس بھیج کر جواب حاصل فرمایا اور اسی پر عمل فرمایا۔

(۵) فتویٰ میں اتنی کاوش وتحقیق اور احتیاط کے باوجود اپنے سب حاضرین مجلس اور عام علماء کو یہ تاکید رہتی تھی کہ میرے کسی فتویٰ سے کسی کو اختلاف ہو تو مجھے اس پر ضرور متنبہ کیا جائے اور اگر کبھی کسی بچہ نے بھی کسی تحریر پر کوئی اعتراض کیا تو اس کو اس طرح سنتے تھے جیسے کسی پیاسے کو پانی مل جائے۔ مکرر غور وتحقیق کے بعد رائے بدلی تو فوراً اس کا علاج ماہوار رسالہ "النور" میں شائع ہوتا تھا، پھر یہ سلسلہ مستقل طور سے بنام ترجیح الراجح امدادالفتاویٰ کی ہر جلد کے ساتھ شامل کر کے شائع کیا جاتا تھا۔

(۶) نئے مسائل جو آلات جدیدہ کی ایجاد یا معاملات جدیدہ کے رواج سے پیدا ہوتے

تھے ان میں مسئلہ کے ہر پہلو پر گہری نظر مکمل تحقیق اور اس کے ساتھ ابتلائے عام اورعوام کی سہولت کو سامنے رکھنا آپ کا مخصوص طرز تھا معمول یہ تھا کہ معاملات میں جہاں تک اصول فقہیہ کے دائرہ میں رہتے ہوئے عوام کو کوئی گنجائش یا سہولت دی جاسکتی ہے وہ ضرور دی جائے خصوصاً ایسے معاملات میں جن میں ابتلاء اور اضطرار عام ہوان میں اگرکسی ضعیف روایت یا مذاہب ائمہ اربعہ میں سے کسی دوسرے مذہب میں گنجائش کا پہلو نکلتا تو اسی کو اختیار فرماتے تھے، لیکن ایسے مسائل میں دو چیزوں کی پابندی سختی کے ساتھ فرماتے تھے کہ ایک یہ کہ اضطرار عام ہو بھی محض عوام کی سہل انکاری اور سستی نہ ہو دوسرے یہ کہ جس مذہب سے مسئلہ میں کوئی سہولت کی صورت لی جائے اس مذہب کی مکمل تحقیق اور مسئلہ کے ہر پہلو اور شرائط کی تفصیل اسی مذہب کے علماء اہل فتویٰ کے ذریعہ حاصل ہو جائے، محض اپنے مطالعہ پر اکتفاء اس معاملہ میں جائز نہ سمجھتے تھے۔

ہندوستان میں قاضی شرعی اور قانون شرعی نہ ہونے کے سبب نکاح، طلاق کے مسائل میں شوہروں کے مظالم اورعورتوں کے مصائب کی کثرت ہوئی، یہاں تک کہ پنجاب میں مسلم عورتوں کے ارتداد کی شہرت ہوئی تو حضرت قدس سرہٗ پر اس کا بڑا اثر تھا، ضرورت شدیدہ کا احساس فرما کر ان مسائل کی مکمل تحقیق مذاہب اربعہ سے کرنے کا عزم فرمالیا، اور اس ناکارۂ خلائق اور مولانا مفتی محمد عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ساتھ لگا کر ان مسائل کی تحقیق اپنی اور دوسرے مذاہب کی کتابوں سے مکمل فرمائی، پھر حرمین شریفین کے علماء مالکیہ سے رجوع فرمایا اور مسلسل خط و کتابت رہی، پھر ہندوستان کے علماء سے مشورہ اور مراجعت فرمائی، تقریباً پانچ سال اس کاوش و تحقیق میں صرف فرما کر مسائل مذکورہ پر مستقل کتاب ''الحیلة الناجزہ للحلیة العاجزة'' تصنیف فرمائی جو شائع ہو چکی ہے۔

(۷) ایسے مہم اور جدید مسائل کو حضرت قدس سرہٗ نے بنام ''حوادث الفتاویٰ'' ایک مستقل کتاب بھی بنادیا ہے، جس کے اجزاء امدادالفتاویٰ کی ہر جلد کے ساتھ شائع ہوتے رہے، اس طرح امدادالفتاویٰ کے ساتھ ترجیح الراجح اور حوادث الفتاویٰ دو مستقل کتابیں بھی ہو گئیں۔

(۸) امدادالفتاویٰ کی پہلی اشاعت ربیع الاول ۱۳۲۷ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے ہوئی، اس کے مقدمہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنے فتاویٰ کے تین حصے قرار دیئے ہیں، پہلا حصہ جو استاد الکل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کے امر سے ان کی خدمت میں رہتے ہوئے لکھا گیا، اور سب کا سب ان کی نظر و اصلاح اور تصدیق سے

مزین ہوا یہ ۱۲۹۶ھ سے ۱۳۰۱ھ کے فتاویٰ ہیں اکثر فتاویٰ کے آخر میں تاریخ لکھی ہوئی ہے۔

دوسرا حصہ وہ ہے جو ۱۳۰۱ھ سے ۱۳۱۵ھ کے اوائل تک کا ہے، جو بزمانۂ قیام کانپور لکھے گئے۔

تیسرا حصہ وہ ہے جو ۱۳۱۰ھ سے ۱۳۲۵ھ تک کا ہے، جن میں کثرت کے ساتھ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے مراجعت کا موقع ملا اور ان کی نظر و اصلاح شامل ہوئی، یہ مجموعہ حسب دستور فقہاء چار جلدوں میں ابواب فقہیہ پر مرتب کر کے شائع کیا گیا، اس وقت تک نظر ثانی کرنے یا دوسرے حضرات کے توجہ دلانے سے فتاویٰ میں جو رد و بدل ہوا، اس کو انہی جلدوں کے شروع میں بعنوان تصحیح امداد الفتاویٰ شامل کر دیا گیا ہے، اسوقت تک ترجیح کا مستقل سلسلہ شروع نہیں کیا گیا تھا، نیز حوادث الفتاویٰ کا مستقل عنوان بھی ان مرتب جلدوں میں نہیں رہا۔

۱۳۲۶ھ کے بعد سے امداد الفتاویٰ کی اشاعت بعنوان تتمہ ہائے امداد الفتاویٰ ہوئی اور پہلا تتمہ ۱۳۲۶ھ سے ۱۳۳۰ھ تک کے فتاویٰ پر مشتمل ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا، اس کے بعد ۱۳۳۱ھ و ۱۳۳۲ھ کے فتاویٰ کا مجموعہ بنام تتمہ ثانیہ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ میں دہلی سے شائع ہوا، ان دونوں تتموں میں بھی ترجیح الراجح کا عنوان مستقل شروع نہیں ہوا، بلکہ جس قدر اصلاحات فتاویٰ میں عمل میں آئی ان کو آخر میں بعنوان اصلاح تسامح درج کر دیا گیا، البتہ حوادث الفتاویٰ کا مستقل سلسلہ تتمہ ثانیہ سے شروع ہو گیا۔

اس کے بعد ۱۳۳۳ھ کے فتاویٰ بنام تتمہ ثالثہ امداد الفتاویٰ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ میں اور ۱۳۳۴ھ کے فتاویٰ بنام تتمہ رابعہ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ میں مطبع قیومی کانپور سے شائع ہوئے ان دونوں تتموں کے ساتھ حوادث الفتاویٰ کا سلسلہ بھی بدستور سابق شائع ہوا، اور ترجیح الراجح کا نیا سلسلہ جاری ہوا، اس کے بعد کچھ عرصہ سلسلۂ اشاعت بند رہا، اور ۱۳۳۵ھ سے ۱۳۴۷ھ تک کے فتاویٰ کا ایک ہی مجموعہ بنام تتمہ خامسہ تھانہ بھون سے ۱۳۴۷ھ میں شائع ہوا، اس تتمہ خامسہ میں بھی بدستور سابق حوادث الفتاویٰ اور ترجیح الراجح کے دو مستقل سلسلے شامل رہے، اس کے بعد تتمہ سادسہ کا نمبر تھا، لیکن اس کی اشاعت کچھ عوارض کے سبب کتابی صورت میں ملتوی ہو کر ماہوار رسالہ النور میں ہوتی رہی اور ۱۶؍رجب ۱۳۶۲ھ کو جب کہ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کی وفات ہوئی تو فتاویٰ کا بڑا حصہ ''النور'' میں شائع ہو چکا تھا، کچھ فتاویٰ ایسے بھی تھے جو قلمی رجسٹر میں محفوظ تھے۔

(۹) یہ مختصر روئیداد ہے اس عظیم الشان علمی کارنامہ کی جو بنام امدادالفتاویٰ حضرت اقدس کی باقیات صالحات میں امت کے لئے بطور شمع ہدایت باقی رہا، اس روئیداد میں آپ کو معلوم ہو چکا کہ تبویب و ترتیب صرف ابتدائی چار جلدوں میں تھی، بقیہ جلدیں جو بنام تتمات شائع ہوئیں ان میں کوئی ترتیب نہ تھی، پھر اصلاح و ترجیح کا سلسلہ جو آخر عمر شریف تک جاری رہا، اس کے اجزاء و مباحث پوری جلدوں میں منتشر تھے ایک مسئلہ کی مکمل بحث دیکھنے کے لئے کتاب کی پوری جلدیں ساتھ رکھنا اور ان کے پورے صفحات تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی تھی، جو عوام کیا خواص علماء کے لئے بھی آسان نہ تھا، پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت اتفاقاً شائع شدہ جلدوں میں سے بھی کئی جلدیں نایاب ہوگئی تھیں، اس عظیم الشان علمی ذخیرہ کے اس طرح منتشر اور غیر مرتب ہونے کا احقر پر بہت اثر تھا، دل چاہتا تھا کہ کسی طرح یہ ذخیرہ اچھی ترتیب و تبویب کے ساتھ جلد مکمل طور پر کتابی صورت میں آجائے، مگر کام ہر حیثیت سے بڑا تھا علمی خدمت کے اعتبار سے بھی اس کی تبویب و ترتیب آسان نہ تھی، اور طباعت و اشاعت کے لئے تو اتنے سرمایہ کی ضرورت تھی کہ اس کا بحالت موجودہ انتظام متصور نہ تھا، یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے چند بزرگوں اور دوستوں کی تعاون کے ساتھ ایک ادارہ بنام اشرف العلوم دیوبند میں قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائی، جس کا مقصد حضرت کی تصانیف کی اشاعت ہی قرار دیا، یہ سلسلہ شروع ہوا تو فتاویٰ کی اشاعت کا داعیہ پھر قوی ہوا اور بنام خدا تعالیٰ اس کی تبویب کا کام برادر عزیز مولانا ظہور احمد صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند کے سپرد کیا، اور ان کے ساتھ خود بھی لگا رہا، سال بھر کی محنت شاقہ سے بحمد اللہ اس تمام ذخیرہ کی تبویب مکمل ہوگئی، اس تبویب میں امور ذیل کا التزام کیا گیا،

(**الف**) ایک مسئلہ کے متعلق حضرتؒ کے جتنے فتاوی مختلف ادوار عمر میں مختلف جلدوں میں شائع ہوئے ان سب کو یکجا کر دیا گیا، (**ب**) جس مسئلہ کے متعلق تصحیح امدادالفتاویٰ ضمیمہ ابتدائی چار جلد میں یا اصلاح تسامح ضمیمہ تتمہ اولیٰ و ثانیہ میں یا ترجیح الراجح ضمیمہ بقیہ تتمات میں کوئی بحث تھی وہ سب بحثیں اسی مسئلہ کے ساتھ جمع کر دی گئیں اور جس مسئلہ میں حضرتؒ نے رجوع اصلاح فرمائی اس کی بدلی ہوئی صورت کو اصل کتاب میں لکھ دیا گیا، اور جو پہلی صورت تھی اس کو بھی حاشیہ میں باقی رکھا گیا، (**ج**) ہر مسئلہ کے ساتھ اس کی طبع قدیم کی جلد اور صفحہ کا حوالہ بھی لکھ دیا گیا تا کہ اشتباہ کے مواقع پر اصل کی طرف مراجعت سہل ہو، (**د**) جن مسائل میں متعدد فتاویٰ بظاہر متعارض نظر آئے اور ترجیح الراجح وغیرہ میں بھی اس پر کوئی کلام نہیں ملا ان کی

تطبیق یا ترجیح کے لئے حاشیہ میں توضیح کردی گئی (ہ) جن مسائل میں کوئی اغلاق وابہام تھا ان پر حواشی لکھ کر وضاحت کردی گئی (و) ترتیب میں قدیم طرز کے ابواب فقہیہ کے ساتھ اہم مسائل کے لئے جدید عنوانات اور فصول بھی قائم کی گئیں (ز) فتاویٰ کے ترتیبی نمبر ہر جلد کے علیحدہ علیحدہ لکھ دیئے گئے۔

(۱۰) تبویب وترتیب کے بعد فتاویٰ کی کتابت شروع کرادی گئی، مگر اسی زمانہ میں ہندوستان وپاکستان کی تقسیم اور اس کے ساتھ قیامت خیز ہنگامے پیش آئے، اور پورے مشترکہ ہندوستان میں ایک انقلاب عظیم آیا، خاندان کے افراد منتشر ہوگئے، یہ ناکارۂ خلائق بھی بعض بزرگوں اور دوستوں کے اصرار سے پاکستان آنے پر مجبور ہوا،

ادارہ اشرف العلوم اور اپنے ذاتی کتب خانہ اور اکثر عیال کو دیوبند چھوڑ کر ۲؍جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ یکم مئی ۱۹۴۸ء کو کراچی کے لئے روانہ ہوگیا، کراچی پہنچ کر کچھ تو یہاں کے مشاغل جن کے لئے مجھے بلایا گیا تھا، اور کچھ افراد خاندان کو جمع کرنے اور کتب خانہ کو یہاں منتقل کرنے کی فکروں میں ڈیڑھ دوسال گذر گئے، نہ کسی تصنیف کی ہمت رہی نہ کسی کتاب کی اشاعت کا تصور، اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ امدادالفتاویٰ کی تبویب کا مسودہ اور لکھی ہوئی کاپیاں ساتھ آگئی تھیں، جن کی اشاعت اب بنام خدا تعالیٰ شروع کی گئی ہے، پہلی جلد آپ کے زیرنظر اور دوسری زیرطبع ہے، باقی چار پانچ جلدیں اور ہوں گی، اگر اسباب میسر آئے تو ان شاءاللہ تعالیٰ وہ بھی جلد سامنے آجائیں گی، میری دلی تمنا یہ ہے کہ میری زندگی میں یہ کتاب مکمل شائع ہوجائے۔

وماذلك على الله بعزيز، وهو الموفق والمعين۔

بندہ محمد شفیع عفااللہ عنہ

مقیم کراچی نمبر ۱

۲۷؍محرم ۱۳۷۱ھ ۲۸؍اکتوبر ۱۹۵۱ء

☆☆☆

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ ط

چوں آیت موصوفہ دال ست

بروجوب سوال فی

الدین از اہل الذکر بالمطابقت و بروجوب بذمۂ ایشاں و بروجوب عمل براں
جواب کہ من حیث الذکر باشد بالالتزام وکفی بہ تنویہا بشان الاستفتاء والافتاء نیز
بودنش از اعظم مداردین از اجلی بدیہیات بلکہ مشاہدات ست بناء علیہ شطرے از
جوابات بربعضے سوالات مسمی بہ

اِمدادالفتاویٰ

معروف بفتاویٰ اشرفیہ

مبوب جلد اوّل

کہ منقسم بر چند جلد ست وایں جلد اول از ان ست کہ مشتمل بر تصحیح الاغلاط متعلق بخو دست

از افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

مع تبویب وترتیب جدید

از احقر الخدام محمد شفیع سابق خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند وحال صدر دارالعلوم کراچی

مکتبہ دارالعلوم کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ از حضرت مصنف قدس سرہٗ

بعد الحمد لاهله والصّلوٰة علی اهلها یہ مجموعہ ہے بعض فتاویٰ کا جو احقر نے وقتاً فوقتاً مختلف سوالات پر لکھے ہیں جس کے باعتبار احوال کی وبیشی نظر اس احقر کے تین حصے جدا جدا تھے۔

ایک وہ جو زمانہ طالب علمی دیوبند میں بامر استاذی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ لکھے گئے تھے اور جن پر قریب قریب کل کے حضرت مولانا قدس سرہ کی تصحیح بھی تھی۔ اور یہ زمانہ ۱۳۰۱ھ تک کا ہے۔ دوسرے وہ جو زمانہ مدرسی کانپور میں لکھے تھے جس وقت کہ کسی محقق کی صحبت نہ تھی اور عوام کی حالت کا تجربہ بھی کم تھا اور یہ وقت ۱۳۱۵ھ کے اوائل تک کا ہے۔ تیسرے وہ جو زمانہ قیام وطن میں لکھے ہیں جبکہ گاہ گاہ شرف صحبت مقدام المحققین حجۃ اللہ علی العالمین حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ سے مشرف ہوا تھا اور عوام کی حالت کا تجربہ بھی اضافہ بڑھ گیا تھا ہر چند کہ ان تینوں حصوں کی شان کا باہم ممتاز ہونا مقتضی اس کو تھا کہ جدا ہی جدا رہتے مگر چونکہ اس کی ترتیب بحسب حوادث تھی ابواب ابواب پر وہ مرتب نہ ہوئے اور رغبت عام وسہولت تام تبویب میں دیکھی گئی۔ اس لئے اشاعت کے وقت اس کو باباً باباً مرتب کرنا مناسب معلوم ہوا اور ترتیب زمان اکثر جگہ خود تاریخ اور سنہ سے معلوم ہو جاوے گی جو اکثر جوابوں کے اخیر میں مرقوم ہے۔ اور تنگی نظر یا قلت تجربہ سے جن مضامین میں کچھ کمی تھی اس کا تدارک ترتیب کے وقت نظر ثانی کر کے بقدر ضرورت کر دیا گیا اور سہولت کے لئے اس کی چار جلدیں کر دی گئیں۔ پہلی جلد میں یہ مضامین ہیں:۔

طہارت۔ صلوٰۃ۔ تجوید وقرأت۔ جنائز۔ زکوٰۃ وصدقہ۔ صوم۔ اعتکاف۔ حج۔

دوسری جلد میں یہ مضامین ہیں:۔

نکاح۔ رضاعت۔ طلاق۔ حضانت۔ نفقہ۔ حدود۔ ایمان۔ نذور۔ وقف۔ ذبائح۔ اضحیہ۔ حظر واباحت۔

تیسری جلد میں یہ مضامین ہیں :۔

بیع۔ ربوا۔ کفالت۔ حوالہ۔ ودیعت۔ عاریت۔ اجارہ۔ دعویٰ۔ قضاء۔ شہادت۔ غصب شفعہ۔ رہن۔ ہبہ۔ شرکت قسمت۔ مزارعت۔ لقطہ۔ وصیت۔ فرائض۔ مسائل شتی۔ مسائل طاعون

چوتھی جلد میں یہ مضامین ہیں :۔

ما یتعلق بالتفسیر۔ ما یتعلق بالحدیث۔ سلوک۔ رؤیا۔ بدعات۔ تقلید۔ عقائد وکلام۔ مناظرۂ فرق باطلہ۔ البحث علی الفلسفۃ الجدیدۃ۔ رسالہ خطاب الندوہ مع مکاتیب کالج علی گڑھ، بعض تحریرات مولانا خلیل احمد صاحب مناسبہ مقام۔ اس مجموعہ کے متعلق یہ امور قابل تذکرہ ہیں۔

۱...... یہ مجموعہ ۱۳۲۵ھ کے ختم تک کے مسائل کا ہے اور ابتدائے ۱۳۲۶ھ سے مستقلاً جمع کئے جارہے ہیں ان کی نسبت جو حق تعالیٰ کو منظور ہو۔

۲...... اس مدت مذکورہ میں جتنے مسائل لکھے گئے ہیں یہ سب کا مجموعہ نہیں ہے بعض کسی وجہ سے نقل نہیں ہو سکے بعضے غیر ضروری سمجھ کر قصداً نقل نہیں کئے گئے۔ اور ایسے بھی بکثرت ہیں بالخصوص زمانہ قیام کانپور کے جوابات تو قریب کل کے مدرسہ جامع العلوم ہی میں محفوظ ہیں۔

۳...... اس کے قبل اس کے بعض اجزاء بلا ترتیب ابواب دو حصے کر کے شائع ہو چکے ہیں جو فتاویٰ اشرفیہ حصہ اول وحصہ دوم کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ دونوں حصے بھی اس مجموعہ میں موجود ہیں مگر ان کے مضامین اس میں بوجہ تبویب کے منتشر ہو گئے ہیں۔

۴...... چونکہ پہلے نام سے جو کہ بعض دوستوں نے رکھدیا تھا لینے کے وقت بھی اور سننے کے وقت بھی مجھ کو خجلت ہوتی ہے اس لئے اس مجموعہ کا نام اپنے مرشد علیہ الرحمۃ کے اسم مبارک پر **امدادالفتاویٰ** جس کا لغوی معنی کے اعتبار سے بھی مناسب ہونا ظاہر ہے رکھتا ہوں اور چونکہ اس کے دو حصے اور نام سے شائع ہو چکے ہیں جن کے بعد اسی نام کے آئندہ حصوں کا لوگوں کا انتظار تھا محض اس پتہ لگنے کی مصلحت سے کہ اس کوئی کتاب نہ سمجھیں اس جدید نام کے ساتھ بقاعدہ ترجیح العقل علی الطبع لفظ معروف بہ **فتاویٰ اشرفیہ** اضافہ کئے جانے کو گوارا کرتا ہوں اور یہ گوارائی اس وقت تک محدود ہے جب تک اس جدید نام کی شہرت نہ ہوجاوے اور بعد شیوع کے اس کے مابعد حصوں کے لئے جن کی ابتداء ۱۳۲۶ھ کے مسائل سے ہو سکتی ہے لوح پر صرف نام ہی لکھے جانے پر اکتفاء کرنے کو پسند کرتا ہوں۔

۵...... چونکہ احقر کو فرصت بہت کم ہوتی ہے ہر مسئلہ کو اس کے مناسب باب میں وضع اور نقل کرنے کا کام بعض احباب سے لینا پڑا جس میں بعض مسائل بعض ایسے ابواب میں موضوع ہو گئے کہ بہ نسبت ان کے دوسرے ابواب سے زیادہ الصق واوفق تھے اور چونکہ مبیضہ درست ہونے کے بعد اس کی اطلاع ہوئی اب اس کے تغیر وتبدل میں حرج عظیم تھا کتابت کا بھی وقت کا بھی صرف کا بھی اس لئے بحالہ چھوڑ دیا گیا اور بعض بعض جگہ جہاں خیال آ گیا حاشیہ میں الصفحۃ مذکورہ کی طرف اشارہ بھی کر دیا کہ طبع مکرر میں کام آ سکے۔

۶...... اگر کسی مسئلہ میں غلطی ہو مؤلف کو اطلاع کر دی جاوے نیز علماء محققین کی مدد سے اصلاح کا بھی اختیار ہے اور اگر کوئی مضمون اکابر کی تحقیقات کے خلاف ہو تو ترجیح اکابر کے قول کو سمجھی جاوے (الّا نادراً ما شاء اللّٰه) یا اگر اسی کے دو مسئلوں میں تعارض پایا جاوے تو متاخر التاریخ کو کہ اجوبہ کے ختم پر اکثر مقامات میں تاریخ پائی جاوے گی راجح سمجھا جاوے اور جہاں تاریخ نہ ہو علماء سے مراجعت کی جاوے۔

۷...... جو مضمون کسی عامی کی قوت فہم سے خارج ہو اس کے مطالعہ کو ترک کر دیں اور اگر فہم سے خارج نہ ہو مگر کسی عارض سے اغلاق رہ جاوے علماء سے حل کر لیں۔ اپنی رائے پر اس کے حل کرنے میں اعتماد نہ کریں۔

سب کے آخر میں سب منتفعین وناظرین سے دعاء حسن قبول وحسن توفیق وحسن خاتمہ کی چاہتا ہوں۔

زبره ...... اشرف علی التهانوی

لمنتصف ربیع الاول ۱۳۲۷ھ من الهجرة

☆☆☆

کتاب الطهارة

فصل فی الوضوء ونواقضہ

عورتوں کے لئے مسواک کا حکم

سوال (۱) بہشتی زیور میں وضو میں مسواک کا مسنون ہونا بھی لکھا ہے حالانکہ فقہاء عورتوں کے لئے علک کو قائم مقام مسواک کے لکھتے ہیں۔ لیکن تخصیص رجال کی کوئی دلیل پائی نہیں جاتی۔ احادیث میں ترغیب وفضیلت تمام بیان کی گئی ہے رائے عالی سے مطلع فرمایا جاوے۔

الجواب۔ میرے نزدیک مسنونیت مسواک کی عام ہے۔ لاطلاق الدلیل رہا اقامت علک کا مقام مسواک میں میرے نزدیک معنی اس کے جواز اقامۃ ہے نہ وجوب اقامۃ جو مستلزم ہے نفی مشروعیت مسواک کو لعدم دلیل الوجوب۔ فقط (امداد ص ۱ ج ۱)

داڑھی کے مسح کرنے اور دھونے کا حکم

سوال (۲) شرح وقایہ میں ہے۔ فعند ابی حنیفة اما اللحیة ربعها فرض۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ آیا داڑھی کا مسح بھی فرض ہے یا کہ فقط سر کا مسح فرض ہے داڑھی کا مسح سنت؟

الجواب۔ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر داڑھی ایسی ہو جس کے اندر جلد وجہ کی نظر آتی ہو وہاں تو اس جلد کا بھی دھونا فرض ہے اور اگر جلد مستور ہو تو جس قدر حد وجہ اور دائرۂ وجہ سے نیچے لٹکی ہو اس کا مسح سنت ہے اور جو دائرہ وحد وجہ کے اندر ہو کہ اگر اس بال کو پکڑ کر کھینچا جاوے تو وجہ سے باہر نہ رہے تو اس میں کئی روایتیں ہیں۔ ایک روایت وہ بھی ہے جو شرح وقایہ میں ہے لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ سب کا دھونا فرض ہے۔ هكذا فی الدر المختار ورد المحتار فقط

۱۷ محرم ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۹ ج ۱)

سوال (۳) وضو میں بصورت گھنے ہونے بال داڑھی کے جلد میں جہاں سے بال جمتے ہیں پانی پہنچانا چاہیے یا صرف بالوں پر مسح کر لینا چاہیے اور مسح بالوں کے لئے نیا پانی لینا چاہیے یا

کہ جو پانی منہ دھونے کے واسطے لیا ہے اسی پانی سے منہ پر ڈالنے کے بعد مسح کر لینا چاہیے؟

الجواب۔ جو کھال بالوں میں سے نظر آتی ہو اس کا دھونا تو فرض ہے اور جو نظر نہ آتی ہو مثلاً داڑھی گھنی ہو اس میں تفصیل یہ ہے کہ جو داڑھی چہرہ کی حد کے اندر ہے اس کا دھونا فرض ہے اور جو لٹکی ہے اس کا دھونا فرض نہیں بلکہ اولیٰ ہے۔

فی الدرالمختاروغسل جمیع اللحیة فرض یعنی عملیاًایضاً علی المذهب الصحیح المفتی به المرجوع الیه وما عدا هذه الروایة مرجوع عنه کما فی البدائع ثم لاخلاف ان المسترسل لا یجب غسله ولا مسحه بل یسن وان الخفیفة التی تری بشرتها یجب غسل ما تحتها کذا فی النهر۔

۷ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ (تتمہ خامسہ صفحہ ۸۳)

وضو کے بعد (اِنَّا اَنزَلْنَا) پڑھنا

سوال (۴) آپ نے بہشتی زیور کے حصہ اول میں لکھا ہے بعد وضو اِنَّا اَنزَلْنَاهُ اور دعا پڑھنا چاہیے۔ اور ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس کے ثابت ہونے کی حدیث موضوع ہے اور پڑھنا اس کا خلاف سنت ہے آیا ہم کس کے قول کو تسلیم کریں اور آپ نے کسی صحیح روایت سے لکھا ہو تو جواب دیں۔

الجواب۔ منیۃ المصلی میں اِنَّا اَنزَلْنَاهُ پڑھنے کو لکھا ہے اور شبہ کا جواب [1] یہ ہے کہ یہ

---

(۱) حضرت مولانا مدظلہم العالی کا جواب مبنی بر تسلیم صحت بیان سائل ہے ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ نہ ملا علی قاری نے اس حدیث کو موضوع کہا اور نہ اس پر عمل کو خلاف سنت بتلایا جیسا کہ جناب مولانا عبدالحی صاحب کی کتاب سعایہ سے یہ امر واضح ہے چنانچہ انہوں نے لکھا ہے۔ وفی المصنوع فی معرفة الموضوع لعلی القاری حدیث من قرأ فی الفجر بالم نشرح والم ترلم یرمد قال السخاوی لا اصل له وکذا قرأة انا انزلناه عقیب الوضوء لا اصل له وهو مفوت سنة واراد السخاوی انه لا اصل له فی المرفوع والا فقد ذکره ابو اللیث السمرقندی وهو امام جلیل واما قوله وهو مفوت سنة ای سنة الوضؤ ولیس له سنة مستقلة کما حققه الغزالی و انما یستحب ان یصلی بعدکل وضؤ ولم یشترط احد فوریة ما بعده و ینافی قرأة سورة وغیرها اهـ سعایه ص ۱۸۳ جلد اوّل ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے موضوع کہنے کی نسبت علی قاری کی طرف بالکل غلط ہے بلکہ سخاوی نے اس کی نسبت ایک تو لا اصل لہ کہا تھا (موضوع انہوں نے بھی نہ کہا تھا) پس علی قاری نے ان کے قول کی توجیہ کی اور دوسرے انہوں نے اس کو مفوت سنہ کہا تھا (خلاف سنت نہ کہا تھا) علی قاری نے اس کا جواب دیا پس وہ قرأة اِنَّا اَنزَلْنَا کی حامی ہوئی نہ کہ مانع اس سے سائل کے بیان کی غلطی معلوم ہوگئی اب سنو کہ سعایہ میں ہے فی الحلیة سئل عن احادیث ذکرها ابو اللیث فی مقدمة فی فضل قرأة سورة القدر بعد الوضؤ لشیخنا الحافظ ابن حجر العسقلانی فاجاب بانه لم یثبت منها شیئی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم لا من قوله ولا من فعله والعلمأ یتساهلون فی ذکرالحدیث الضعیف والعمل به فی فضائل الاعمال اهـ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

نہیں لکھا کہ اس کا پڑھنا سنت یا ثواب ہے اور ملا علی قاری اگر خلاف سنت کہتے ہیں تو جب کہ اس کو کوئی سنت سمجھے ورنہ کچھ حرج نہیں پس تعارض نہ رہا۔

في ردالمحتار تحت قوله واما الموضوع فلا يجوز العمل به بحال واما لو كان داخلا في اصل عام فلا مانع عنه لالجعله حديثا بل لدخوله تحت الاصل العام اه

(ج ۱ ص ۱۳۳ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ) (امداد اول ص ۱۲)

جنازہ کے وضو سے نماز پنجگانہ کا حکم

سوال (۵) جنازہ کی نماز کے واسطے وضو کیا اس وضو سے نماز فرض پڑھ سکتا ہے۔ اگر نہیں پڑھ سکتا تو کس وجہ سے؟ بینوا توجروا

الجواب۔ پڑھ سکتا ہے۔ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۱ ص ۱۴)

صرف داہنے ہاتھ سے وضو کرنے کا حکم

سوال (۶) فقط داہنے ہاتھ سے بلا عذر وضو تمام کرے جائز ہے یا مکروہ؟

الجواب۔ اس کی کراہت کی نہ کوئی روایت نظر سے گزری نہ درایت اس کی موجب معلوم ہوتی ہے بلکہ بعضے اعضاء تو دونوں ہاتھ سے دھل بھی نہیں سکتے جیسے یدین الی المرفقین اور بعضے

(گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ) اس سے معلوم ہوا کہ حدیث قرأۃ سورۃ قدر ضعیف ہے نہ کہ موضوع اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سخاوی کے قول لا اصل لہ سے اس کا موضوع ہونا نہیں ظاہر ہوتا ہے جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب سمجھ کر شرح منیہ میں ہے۔
ومن الآداب ان يقرأ بعد الفراغ من الوضوء سورة إِنَّا أَنزَلْنَاه مرة اومرتين اوثلاثا كذاتوارث عن السلف وروى في ذلك اثار لاباس بها في الفضائل اھ اور سعایہ میں ہے۔ وفي المقدمة الغزنويه في فروع الحنفية ان من المستحبات ان يقرأبعد الوضؤ سورة إِنَّا أَنزَلْنَاه ثلث مرات لقوله عليه الصلوٰة والسلام من قرأ إِنَّا أَنزَلْنَاه على اثر الوضؤ مرة كتب الله له عبادة خمسين سنة قيام ليلهاصيام نهارها ومن قرأ ها مرتين اعطاه الله مايعطى الخليل والكليم والحبيب ومن قرأ ثلث مرات يفتح الله ثمانية ابواب الجنة فيدخلها من اى باب شاء بلاحساب و عذاب وروى ايضاً من قرأ إِنَّا أَنزَلْنَاه على اثر الوضوء مرة كتبه الله من الصديقين و من قرأها مرتين كتبه الله من الشهداء ومن قرأها ثلث مرات يحشره الله تعالى مع الانبياء انتهى ان تمام تصیحات کے مجموعہ سے اتنا ضرور ثابت ہے کہ قرأۃ سورۃ انا انزلنا بعد الوضوء اولیٰ ہے اور اس میں اجر کی توقع ہے گو ثواب مذکور فی الاحادیث المذکورہ کا اعتقاد جائز نہیں کیونکہ یہ امر بلا نقل صاحب وحی کے معلوم نہیں ہو سکتا اور صاحب وحی سے اس کا ثبوت نہیں ہے پس بہشتی زیور پر کچھ شبہ نہ رہا۔ واللہ اعلم

(تصحيح الاغلاط ص ۳)

اعضاء میں تعسر ہے جیسے رجلین اور روایت بھی اکتفاء کے جواز کی مؤید ہے۔ **فی الدر المختار فی الآداب غسل رجلیه بیساره فی ردالمحتار عن شرح الشیخ اسمعیل قال یفرغ الماء بیمینه علی رجلیه و یغسلهما بیساره اھ۔** ۲۵؍محرم ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲)

شبہ خروج قطرہ وریح ناقض ہے یا نہیں

سوال (۷) زید کو گاہ گاہ قطرہ بعد وضو خارج یا داخل نماز میں آجاتا ہے اور گاہے خروج ریح کا شبہ ہوتا ہے ذکر میں سے اور کبھی بعد شبہ ووہم خروج قطرہ دیکھا گیا کچھ بھی محسوس نہیں ہوا آپ ما بہ الفرق والا امتیاز سمجھا دیں کہ کیسے یقین کیا جائے کہ قطرہ آیا یا ریح ذکر میں سے نکلی جس کی وجہ سے نیت نہ توڑی جاوے کیونکہ قطرہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور ریح جو ذکر سے نکلے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا اور یہ وہم وشبہ بھی نہ ہوا کرے فقط۔

الجواب۔ محض شبہ سے نیت نہ توڑی جاوے نماز پڑھکر فوراً دیکھ لیا جاوے اور دیکھنے سے جو ثابت ہو اس کے موافق عمل کیا جائے۔ فقط　　۳؍ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۸)

زخم کے منھ سے پیپ وغیرہ کا نکلنا

سوال (۸) زید کے ایک پھنسی ہے جو ہر وقت بہتی ہے اور اس کے اوپر پھایا لگا ہوا ہے وہ پیپ اس پھائے میں رہتی ہے باہر نہیں نکلتی اس صورت میں وضو رہے گا یا نہیں؟

الجواب۔ اگر زخم کے منھ سے پیپ باہر آجاتی ہو اگرچہ پھایا کے اندر رہتی ہو وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن جس کا زخم ہر وقت بہتا ہو بوجہ معذور ہونے کے اس کا وضو نہ ٹوٹے گا۔
۲۹؍جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۳۲)

معذور کے لئے وضو باقی رہنے کا حکم اور یہ کہ وہ اسی وضو سے ادا وقضا نماز پڑھ سکتا ہے

سوال (۹) زید کو قضا نمازیں بہت سی رہی ہوئی پڑھنی ہیں اور اس کا وضو نہیں ٹھیرتا ہے اس کو وضو ٹوٹ جانے کا مرض ہے اب وہ ایک ہی وضو سے پانچ چار نمازیں اکٹھا پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ جب تک ایک وقت کسی نماز کا باقی ہے اس کا وضو رہے گا اس میں جتنی قضا نمازیں چاہے پڑھے۔　　۲۹؍جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۳۳)

عطر کا پھایہ کان میں سے بوقت غسل نکالنا

سوال (۱۰) کان میں اگر عطر کا پھایا ہو تو مسح کرتے وقت وہ پھایا نکال کر کان میں انگلی پھرانی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب۔ في الدرالمختار سنن الوضوء واذنيه معافى ردالمحتار اى باطنهما بباطن السبابتين وظاهرهما بباطن الابهامين قهستاني۔ وفي الدرالمختار مستحبات الوضوء وادخال خنصره المبلولة صماخ اذنيه عند مسحهما۔ اس سے معلوم ہوا کہ، اگر پھایا کان کے نرمہ میں رکھا ہو تو مسح کے وقت اس کا نکالنا سنت ہے! اور اگر سوراخ میں رکھا ہو تو اس کا نکالنا مستحب ہے۔ ۹ر شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ٦٣)

بوقت معذوری بائیں ہاتھ سے وضو میں کام لینا

سوال (۱۱) ایک شخص کا ہاتھ ایسا ہے کہ جس سے تمام کام کر سکتا ہے مگر ہاتھ منھ تک نہیں پہنچتا۔ ایک ہاتھ یعنی بائیں ہاتھ سے منھ دھوتا ہے کان کا مسح بائیں طرف تو کر لیتا ہے کیا داہنے کان کا مسح بھی بائیں ہاتھ سے کر لیوے یا صرف بائیں کان کا مسح بلحاظ سنت ضروری ہوگا داہنے کا ساقط ہو جائے گا؟ بینوا توجروا

الجواب۔ ہاں داہنے کا بھی بائیں ہاتھ سے کر لے۔ ٦ر ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص۹۹)

میل اور مٹی جو ناخنوں میں ہو وضو اور غسل کے صحت سے مانع نہیں

سوال (۱۲) ناخن کے اندر جو میل جم جاتا ہے وہ نہ چھڑانے سے وضو ہو جاتا ہے یا نہ اسی طرح برسات کے دن چلنے پھرنے میں پیر کے ناخن کے اندر کیچڑ جاتا ہے وضو کے وقت خلال سے چھڑانا پڑے گا یا نہیں؟

الجواب۔ ولا يمنع الطهارة ونيم وحناء ودرن ووسخ وكذا دهن ودسومة وتراب وطين ولو في ظفر مطلقاً اى قرويا او مدنيا في الاصح درمختار بحث الغسل۔ اس سے معلوم ہوا کہ بدون چھڑائے وضو ہو جاوے گا چھڑانے کی ضرورت نہیں فقط۔

یکم محرم روز جمعہ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۵)

کتھ یا کسی اور دوا سے بہنے والا خون اگر مستور ہو جاوے تو اس کا اعتبار نہیں

سوال (۱۳) اگر اسی دانہ یا چوٹ پر چونا لگا دیا جاوے یا کتھا لگا دیا جاوے کہ پانی خون نظر نہ پڑے اور پھر وضو کر کے نماز پڑھ لی جاوے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدرالمختار لو مسح الدم کلما خرج ولو ترکہ لسال نقض والا لا فی ردالمحتار وکذا اذا وضع علیہ قطنة او شیئاً اٰخرحتی ینشف ثم وضعہ ثانیاً وثالثاً فانہ یجمع جمیع مانشف الخ ج ۱ ص ۱۴۰۔ اس سے معلوم ہوا کہ نظر نہ پڑنا کافی نہیں اگر وہ بند نہیں ہوا نکلتا رہا کتھ چونہ وغیرہ کے سبب نظر نہیں پڑا تو اس کا حکم بہنے کے مثل ہے۔ ۴ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۲۳)

صرف چوتھائی سر کے مسح کی عادت ڈالنا مکروہ ہے اور نماز بھی مکروہ

سوال (۱۴) جو شخص وضو میں ہمیشہ صرف چوتھائی سر کے مسح پر اکتفا کرتا ہے اور کبھی سارے سر کا مسح نہیں کرتا تو اس کے وضو کے اندر کچھ نقصان ہے کہ نہیں اور اگر ہے تو یہ نقصان نماز تک پہونچے گا کہ صرف وضو ہی تک رہے گا؟

الجواب۔ ترک سنت ہے اس کی نماز تک یہ اثر ہوگا کہ اس کی صحت اختلافی ہو جائے گی دوسرے اس سنت کے ترک سے طہارت میں نقصان رہے گا جس سے بعض جزئیات میں امامت کو مکروہ کہا ہے۔ کمافی ردالمحتار ولعدم امکان الطهارة ایضاً فی المفلوج والا قطع والمجبوب الخ ص ۵۸۷ ج ۱۔ واللہ اعلم۔ ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۴۵)

سر کے مسح کے لئے نیا پانی لینا

سوال (۱۵) بحالت وضو کہنیوں تک ہاتھ دھونے کے بعد وہی پانی سر کے مسح کے واسطے کافی ہے یا علحدہ اور پانی لے کر سر کا مسح کرنا چاہیے؟

الجواب۔ اس میں اختلاف ہے۔ کما فی الدرالمختار۔ اوبلل باق بعد غسل علی المشهور فی ردالمحتار قولہ علی المشهور مقابلہ قول الحاکم بالمنع الی قولہ لم یجز الا بماء جدید لانہ قد تطهر بہ مرة اھ واقرہ فی النهر ج ۱ ص ۱۰۲

۲ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۹۵)

زخم کے پھایہ کے اندر جو پیپ ہو وہ ناقض وضو ہے یا نہیں۔تعارض کا جواب

سوال (۱۶) نمبر ۲ تتمۂ ثانیہ امدادالفتاویٰ ص ۴۲ میں ارقام ہے۔

سوال۔ زید کے ایک پھنسی ہے جو ہر وقت بہتی ہے اور اس کے اوپر پھایہ لگا ہوا ہے وہ پیپ اس پھایہ میں رہتی ہے باہر نہیں نکلتی اب اس صورت میں وضو رہے گا یا نہیں؟

جواب۔ اگر زخم کے منہ سے پیپ باہر آ جاتی ہے اگر چہ پھائے کے اندر رہتی ہو وضو ٹوٹ جاتا ہے الخ حضرتا ذیل کی عبارات سے تو اس صورت میں وضو کا ٹوٹنا نہیں ثابت ہوتا ہے۔ عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ میں ہے اگر جراحت ہو اس کو باندھا پس بندھن تر ہوا اگر تری باہر رخ کو پھوٹ آئے تو وضو ٹوٹا ورنہ نہیں تاتارخانیہ دوسری جگہ عین الہدایہ باب نواقض وضو میں ہے اگر زخم کو باندھا پس بندش کے اوپر تری پھوٹے تو وضو ٹوٹ گیا الخ اور فتاویٰ ہندیہ ترجمہ عالمگیریہ باب المسح علی الخفین میں ہے اگر کسی نے زخم کو باندھا اور وہ بندھن تر ہو گیا اور وہ تری باہر تک آ گئی تو وضو ٹوٹ گیا ورنہ نہیں ٹوٹا غرض معروض یہ ہے کہ اگر کوئی فصد کھلوائے اور اس پر پٹی باندھے پس اگر اس زخم سے خون نکلا لیکن پٹی سے باہر نہ نکلا تو وضو ٹوٹا یا نہیں۔ اور حضور والا کے فتوے اور مذکورہ عبارات کا آپس میں تعارض ہے یا نہ اصلاح فرماویں اور کیا حق ہے۔

الجواب۔ یہ عبارات پٹی باندھنے کے باب میں ہیں جن میں یہ احتمال ہی نہیں کہ زخم سے رطوبت نکلے اور باہر ظاہر نہ ہو اور تتمۂ کا جواب پھایہ کے باب میں ہے جس میں یہ احتمال ہے کہ زخم سے رطوبت نکلے اور باہر ظاہر نہ ہو۔

چوکڑی مار کر بیٹھنے کی حالت میں اگر سو جائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا

سوال (۱۷) چارزانو بیٹھنے میں نیند اگر آ جائے تو وضو تو نہ جائے گا اور اس وضو سے ذکر یا نماز پڑھنی جائز ہو گی؟

الجواب۔ فی العالمگیریۃ نواقض الوضو وان نام متربعا لا ینقض الوضوء اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں وضو نہ ٹوٹے گا۔ ۶/شوال ۱۳۳۶ھ (تتمۂ خامسہ ص ۶۶)

سوال (۱۸) چارزانو بیٹھے بیٹھے اگر چند منٹ کو نیند آ جاوے تو وضو باقی رہتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ باقی رہتا ہے۔ فی العالمگیریة عن الخلاصة وان نام متربعا

لاينقض الوضوء وكذا لو نام متوركا بان يبسط قدميه من جانب و يلصق اليتيه بالارض اھ۔ ۵؍رجب ۱۳۴۲ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۶۹)

قبر کے اوپر وضو کرنے کا حکم

سوال (۱۹) ایک مسجد میں صحن مسجد سے علیحدہ ایک قبر پختہ بنی ہوئی ہے اور اس وقت اس قبر کا محض چونہ سے نشان بنا ہوا ہے باقی فرش کے ہموار ہے اس قبر کے آگے بلندی کے ساتھ دیوار ہے اور یہ دیوار فاصلہ سے ہے اور وضو کے لئے ہے پس زید اگر روبقبلہ ہو کر اس دیوار پر بیٹھ کر وضو کرتا ہے تو قدرے قلیل وضو کے پانی کی اس قبر کے نشان کی طرف چھینٹیں اڑ کر جاتی ہیں تو اس حالت میں زید کا وضو کرنا اس جگہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ عن عائشة رضي الله عنها ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كسر عظم الميت ككسره حياً رواه مالك وابوداؤد وابن ماجة (مشكوٰة) اٰخر الفصل الثاني من باب دفن الميت قال الطيبي اشارة الى انه لايهان الميت كما لا يهان الحي (حاشيه) وعن عمرو بن حزم قال راٰني النبي صلى الله عليه وسلم متكئًا على قبر فقال لاتؤذ صاحب هذا القبر اولايؤذه رواه احمد (مشكوٰة) قال الحافظ في الفتح اى لاتهنه الخ (حاشيه تنقيح الرواة)

ان روایات اور ان کی درایات سے مفہوم ہوا کہ جو معاملہ کسی کے ساتھ حیات میں موذی اور مکروہ ہے بعد ممات بھی وہی حکم ہے اور ظاہر ہے کہ اگر کسی زندہ شخص کے پاس بیٹھ کر اس طرح وضو کریں کہ اس پر چھینٹیں پڑیں تو وہ اس سے متاذی ہوگا اور موجب اہانت سمجھے گا پس قبر کو بھی اس سے بچانا ضروری ہے۔ البتہ اگر نشان بھی نہ رہے تب کچھ حرج نہیں۔ ۶؍ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ (تتمۂ خامسہ ص ۱۹۲)

مسح گردن کا حکم

سوال (۲۰) جب مسح کرتے وقت سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے ہاتھ کو گردن کی طرف لے جاتے وقت بھی گردن کا مسح کر لیا جاوے یعنی ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کے جو گردن کی طرف کھینچا تمام سر پر پھرا کر کے ساتھ ہی گردن پر اسی وقت پھیر لیا جائے جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث مدهما الى القفا کا مفہوم معلوم ہوتا ہے اسی طرح مسح کرنا بہتر ہے یا ہاتھوں کی پشت سے گردن کا مسح کرنا مستحب ہے حدیث مذکور کا مفہوم و مطلب صحیح کیا ہے۔

الجواب۔ اس سے مستحب ادانہ ہوگا۔ ایک تو ترتیب نہ رہی دوسرے ظہر ید سے نہ ہوا اور بظہر ید کی قید کتب فقہ درمختار وغیرہ میں مصرح ہے اور حدیث کا مطلب ظاہر ہے کہ اس میں مسح قفا آیا ہے جو کہ راس کا جزو ہے اور رقبہ اس سے خارج ہے۔ پس اس کو مسح رقبہ سے کچھ مس نہیں اور اگر اس کا عموم فرض کرلیا جاوے تو بلوغ قذال یا مدالی القفا بمعنی الرقبہ سے یہ لازم نہیں آیا کہ یہ قصداً تھا بلکہ استیعاب راس میں اس کا بھی مس ہوگیا اور اگر مس کو قصداً مان لیا جاوے تو ممکن ہے کہ بیان جواز پر محمول کرلیا جاوے اس سے مستحب کا ادا ہوجانا لازم نہیں آتا۔

۸؍رجب ۱۳۴۲ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۷۱)

سوال (۲۱) دیر باز است کہ مسح گردن در وضو نمے کنم زیرکہ در زاد المعاد لابن القیم و مکتوبات شریف مجدد الف ثانی بدعت نوشتہ اند و در قاضی خان بلفظ قیل نیز موجود است اکنوں منتظر حکم عالی ہستم در بارہ خود چہ کنم ہرچہ صادر شود بجا آورم۔

الجواب۔ اکثر بر استحباب اند ترک نہ کنند۔ ۸؍ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۲۱۲)

وضو میں اعوذ باللہ یا بسم اللہ پڑھنے کا حکم

سوال (۲۲) بہشتی زیور میں تحریر ہے کہ وضو کرتے وقت بسم اللہ پڑھے اور اکثر رواج ہے کہ بسم اللہ کے ساتھ اعوذ باللہ بھی پڑھ لیتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وضو کرنے میں اعوذ باللہ پڑھنا بدعت ہے صحیح حکم شرعی سے آگاہی بخشی جاوے۔

الجواب۔ فی ردالمحتار وقیل الافضل بسم الله الرحمن الرحیم بعد التعوذ وفی المجتبی یجمع بینھما اھ عن الفتح و فی شرح الھدایة للعینی المروی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم بسم الله والحمدلله رواه الطبرانی فی الصغیر عن ابی ھریرة باسناد حسن اھ اس سے معلوم ہوا کہ ایک قول یہ بھی کہ اعوذ باللہ و بسم اللہ کا جمع کرنا افضل ہے تو مذہب میں جس کو افضل کہا جاوے وہ بدعت کیسے ہوگا البتہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کا اتباع زیادہ برکت کا عمل ہے۔ ۱۰؍جمادی الاول ۱۳۴۳ھ (تتمۂ خامسہ ص ۳۶۱)

بچہ کو دودھ پلانا ناقض وضو نہیں

سوال (۲۳) عورت دودھ والی وضو سے ہو اور وہ اپنے لڑکے کو دودھ پلادے یا دودھ اس کا آپ سے جاری ہو یا وہ نماز میں ہووے اور لڑکا دودھ پیوے دودھ نکلے یا نہ نکلے اس

کی نماز کے واسطے اور وضو کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب۔ دودھ سے وضو نہیں ٹوٹتا لیکن اگر نماز میں ہو اور بچہ دودھ پی لے اور دودھ نکل بھی آوے تو نماز جاتی رہے گی اور اگر دودھ نہ نکلے تو نماز نہ جاوے گی فی ردالمحتار عن التاتارخانية مص صبی ثدیها و خرج اللبن تفسد صلوٰتها

ج ۱ ص ۶۵۳ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۵ محرم ۱۳۲۴ھ (امدادالفتاویٰ ج۱ ص۶۹)

بغیر پیر دھوئے ہوئے وضو درست ہے یا نہیں

سوال (۲۴) یہ چند مسئلے جو بندہ نے دریافت کئے ہیں ان سے آگاہی بخشیے گا وہ یہ ہیں:۔

نمبر ۱۔ بغیر پیر دھوئے وضو ہو جاتا ہے یا نہیں۔

نمبر ۲۔ بوٹ کے اوپر مسح درست ہے یا نہیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نجس جگہ بھی استعمال کیا جاتا ہے مثلاً ٹٹی (پائخانہ) وغیرہ میں پہن کر جانا۔

نمبر ۳۔ اونی موزہ کے اوپر بھی مسح درست ہے یا نہیں جو کہ دبیز ہو۔

نمبر ۴۔ بوٹ جوتا کے اوپر مسح کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ پر ہر وقت پٹی اور بوٹ مع موزہ کے پہننے کا حکم ہے اور اتنی فرصت نہیں ہے کہ اس کو کھولا جاوے اور پیر دھو لئے جاویں۔

نمبر ۵۔ یہ ملک بی برفستان ہے اور بہت ٹھنڈا ہے ہر وقت پیر دھونے سے تکلیف بھی ہوتی اور بغیر دھوئے بھی سوزش ہو جاتی ہے۔

نمبر ۶۔ اور یہ مسافری کا وقت ہے اس میں گرم پانی کا بھی انتظام نہیں ہے۔

نمبر ۷۔ اتنا ضرور ہوتا ہے کہ صبح کو پیر دھو لئے جاتے ہیں اور باقی وقت میں مسح کر لیا جاتا ہے۔

نمبر ۸۔ پاکی اور ناپاکی کی احتیاط بھی بہت کم ہوتی ہے صرف حکم خدا سمجھ کر نماز کو ادا کر لیا جاتا ہے۔

الجواب۔ نمبر ۱۔ اگر ایسا موزہ پہنے ہوئے نہ ہو جس پر مسح درست ہوتا ہے تو پاؤں کا دھونا فرض ہے بغیر پاؤں دھوئے وضو درست نہ ہوگا البتہ اگر موزہ نہ ہو اور دھونا مضر ہو اور گرم پانی کا انتظام نہ ہو سکے یا گرم پانی سے بھی مضر ہو تو مسح یعنی بھیگا ہوا ہاتھ پھیر لینا بھی کافی ہے۔

فی الدرالمختار و کذا یسقط غسله فیمسحه ولو علی جبیرة والا سقط اصلافی

ردالمحتار و كذا يسقط غسله اى غسل الرأس من الجنابة ج ۱ ص ۲٦۸

نمبر ۲۔ بوٹ پر مسح درست ہے جبکہ ٹخنے سے اوپر ہو اور اس میں سے قدم نظر نہ آوے۔

في الدرالمختار فيجوز على الذربول في ردالمحتار ويجوز على الجاروق الى قوله والظاهرانه الخف الذى يلبسه الاتراك في زماننا ج ۱ ص ۲٦۹

اور اگر بوٹ نجس ہو جاوے تو وہ زمین پر خوب رگڑ دینے سے یا کسی لکڑی یا ٹھیکری وغیرہ کے ساتھ کھرچ دینے سے پاک ہو جاتا ہے۔

في الدرالمختار يطهر خف ونحوه كنعل تنجس بذى جرم هو كل مايرى بعد الجفاف ولومن غيرها كخمروبول اصابه تراب به يفتي بذلك يزول به اثرها والا فيغسل في ردالمحتار قوله بذلك اى بان يمسحه على الارض مسحاقويا (ط) و مثل الدلك الحك والحت على ما في الجامع الصغيرو في المغرب الحت القشر باليد او العود ج ۱ ص ۲۱۹.

نمبر (۳) دبازت کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ اس کو بدون باندھے ہوئے اور بدون جوتے کے پہن کر تین چار میل چل سکیں اور وہ نہ گرے نہ پھٹے۔

في الدرالمختار او جوربين ولومن غزل او شعر الثخينين بحيث يمشي فرسخاويثبت على الساق بنفسه الخ في ردالمحتار بنفسه اى من غير شد ج ۱ ص ۲۷۷.

نمبر (۴) اوپر نمبر ۲ میں مذکور ہو چکا۔

نمبر (۵) اوپر نمبر ا میں گزر چکا۔

نمبر (۶) اوپر نمبر ا میں گزرا ہے۔

نمبر (۷) چونکہ یہ مدت مسح سے زائد نہیں ہے اس لئے جائز ہے مگر یہ مسح بوٹ کے اوپر کرنا چاہئے بشرطیکہ پیر دھو کر بوٹ پہنا ہے وہ مسح کے وقت اتارا نہ گیا ہو اور اگر بوٹ اتار دیا اور وضو بھی ٹوٹ گیا تو پھر بوٹ پر مسح جائز ہوگا اسی طرح بدون بوٹ کے پاؤں پر مسح درست نہ ہوگا بدون اس کے کہ دھونا مضر ہو تفصیل نمبر ا میں گزری ہے۔

نمبر (۸) بوٹ کے پاک ہونے کا طریقہ[1] نمبر ۲ میں بیان کر دیا گیا ہے۔

۲۱ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۱۶۰)

---

(۱) البتہ اگر اس پر پیشاب کی چھینٹ لگ جاوے وہ بدون دھوئے ہوئے پاک نہ ہوگا کما مر ایضاً فی نمبر ۲۔ ۱۲ منہ

فصل فی الغسل

عورت کے لئے غسل میں بالوں کی جڑیں تر ہوجانا کافی ہیں

سوال (۲۵) جس وقت نہانا فرض ہوا اس وقت عورت کے بال کھلے ہوئے تھے پھر گوندھ لئے اس صورت میں تو نہاتے وقت جڑوں کا تر کرنا کافی نہ ہوگا اور چوٹی کھول کر نہانا واجب ہوگا۔ نیز حیض سے نہاتے وقت بھی اصولِ شعر کا تر کر لینا اور بالوں کا بھگونا بھی غالباً کافی ہے۔ غسل جنابت میں اور اس میں غالباً کوئی فرق نہیں۔

الجواب۔ فی الہدایہ۔ ولیس علی المرء ۃ ان تنقض ضفائرھا فی الغسل اذا بلغ الماء اصول الشعر۔ اس سے دو امر معلوم ہوئے ایک یہ کہ غسل کے وقت اگر بال مضفور رہوں تو کھولنا واجب نہیں خواہ حدث کے وقت مضفور رہوں یا نہ ہوں۔ دوسرے مطلق غسل کا یہ حکم ہے خواہ وہ غسل جنابت ہو یا غسل حیض ہو فقط واللہ اعلم (امداد ج ۱ ص ۲)

غسل کے وقت عورت کو شرمگاہ کے ظاہری حصہ کا دھونا کافی ہے

سوال (۲۶) وقت غسل کے عورت کو اپنی اندام نہانی کو بذریعہ انگشت تین مرتبہ پاک کرنا فرض ہے یا سنت اور بغیر اس طرح پاک کئے غسل جائز سمجھا جا سکتا ہے یا نہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر غسل کرنے سے پہلے اندام نہانی کو بذریعہ انگشت تین مرتبہ پاک نہ کیا جائے گا غسل سے ناپاکی دور نہ ہوگی۔ ان کا یہ فرمانا صحیح ہے یا غلط۔

الجواب۔ نہ فرض ہے نہ سنت اور اس کا ضروری کہنا غلط ہے۔ **فی الدر المختار ولا تدخل اصبعھا فی قبلھا بہ یفتیٰ واللہ اعلم۔** ۱۶؍شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۱ ص ۳)

بدن پر زخم ہوں تو غسل کرے یا تیمم

سوال (۲۷) اگر کسی کے نصف اسفل میں یا صرف ذکر پر قروح ہوں اور پانی پڑنا نقصان کرے تو کیونکر نہاوے بدن پر پانی ڈالنے سے ضرر وہاں پر بھی پہونچے گا۔ کیا اس کو تیمم کی

اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب۔اس صورت میں تیمّم ناجائز ہے[1] (امداداوّل ص ۵)

غسل بیٹھ کر کرے یا کھڑے ہوکر

سوال (۲۸) غسل اناث وذکور کا قیاماً وقعوداً یکساں حکم ہے یا متخالف حدیث سے حضور

---

(۱) اصل امدادالفتاویٰ میں یہ مسئلہ اس طرح تھا۔الجواب۔اس صورت میں چونکہ اکثر بدن کا غسل متعذر[1] ہے لہٰذا تیمّم جائز ہے۔ فی الدرالمختار لو اکثرہ مجروحاً بعکسہ یغسل الصحیح ویمسح الجریح فی ردالمحتار قولہ بعکسہ وھو مالو کان اکثر الاعضاء صحیحاً یغسل الخ اذاکان یمکنہ غسل الصحیح بدون اصابۃ لجریح والا تیمم حلیۃ فلو کانت الجراجۃ یظھرہ مثلا واذا صب الماء سال علیھا یکون مافوقھا فی حکمھا فیضم الیھا کما بحثہ الشرنبلالی فی الامدادو قال لم ارہ وماذکرناہ صریح فیہ اھ واللہ اعلم ۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۳۲۲ھ

(۱) اوراس کے حاشیہ میں یہ عبارت تھی۔وجہ تعذر کی یہ ہے کہ اس صورت میں سرکو بلاتکلف دھوسکتا ہے اس لئے کل کا دھونا متعذر نہ ہوالیکن سرسے نیچے اگر اعلیٰ بدن دھونا ہے تواس سے اسفل پر پانی پہونچتا ہے جوکہ مضر ہے اس لئے اکثر میں متعذر رہوا البتہ تکلیف شدید کیا جاوے تولیٹ کرممکن ہے مگر ایسے تکلف کا شرع میں وجوب نہیں اوراگر دوسرا کسی قدر سہولت سے نصف اعلیٰ کو غسل دے سکتا ہے مگر قادر بقدرت غیر قادر نہیں۔یہ احقر کی تحقیق ہے لیکن اگر دوسرے علماء سے بھی تحقیق کرلیا جاوے تو بہتر ہے۔۱۲منہ عفی عنہ

پھر ملحقات تتمۂ اولیٰ میں اس مسئلہ کے متعلق لکھا گیا(مسئلہ نمبر ۲ جلداول فتاویٰ امدادیہ ص ۵۔

خلاصہ سوال از تیمّم مجروح نصف اسفل۔یا صرف ذکر پر قروح ہوں۔

خلاصہ جواب۔در ہردوصورت تیمّم جائزست۔

تسامح سوال چونکہ از دوحالت بود (۱) مجروح نصف اسفل (۲) یا صرف قروح ذکر در جواب تفصیل فرمودند ے۔ وراعضاء غسل اکثر درمساحت مرادست دنی الغسل مساحۃ ۱۲

درمختار ظاہر است اگر برذکر قروح باشند بدن اسفل از اں بخوشی بلاحرج مغسول می شودودریں حالت غسل سر نیز بلاحرج میشود پس درمساحت بدن صحیح زیادہ شدپس تیمّم جائز نشد ودرصورت قروح نصف اسفل اگر باعانت خادم وزوجہ وغیرہا غسل ممکن باشد بموجب ظاہر مذہب غسل نماید وقدرت بقدرت غیر معتبرست بقول مفتی بہ حاصل مافیہ انہ ان وجد خادما ای من تلزمہ طاعتہ کعبدہ وولدہ واجیرہ لا یتیمم اتفاقاً وان وجدغیرہ ممن لو استعان بہ اعانہ ولو زوجتہ فظاھر المذھب انہ لا یتیمم ایضاً بلا خلاف۔ ۱۲

وردالمحتارص ۲۴ وحال منہیہ کہ انجاست نیز معلوم شد ولنعم ما قال فیھا،اگر دوسرے علماء سے بھی تحقیق کرلیا جاوے تو بہتر ہے ۱۲

اوراسی تسامح کی بناپر تصحیح الاغلاط مطبوعہ مجتبائی دہلی میں اصل مسئلہ اس عبارت سے بدل دیا گیا جواس وقت متن میں لی گئی ہے۔

محمد شفیع عفی عنہ دیوبندی

اقدس ﷺ اور حضرت عائشہؓ کا بیٹھ کر غسل فرمانا معلوم ہوتا ہے۔

الجواب۔ یکساں حکم ہے یعنی جائز دونوں ہیں اور قعود باعتبار اس کے کہ استر ہے افضل ہوگا مفسرین نے انی شئتم میں من قیام وقعود سے تعمیم کی ہے تو حالت غسل تو اس سے اہون ہے۔

۵؍محرم ۱۳۲۳ھ (امدج ۱ص ۷)

دانتوں کے اندر اگر منجن وغیرہ گھس جاوے تو غسل کا حکم

سوال (۲۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زاک یعنی پھٹکری ۲ تولہ کتھ ۲ تولہ نیلا تھوتھ ۶ ماشہ کا منجن بنایا گیا اور امراض دنداں کو بہت مفید ہے لیکن مسّی کی طرح سیاہ ہو جاتے ہیں۔ آیا یہ سیاہی مثل دھڑی۔ مسّی کے مخل وضو وغسل ہوگی۔

الجواب۔ جو چیز مانع وصول آب نہ ہو وہ مخل طہارت نہیں اسی طرح جو مانع ہو مگر ضرورت ہو وہ بھی مخل نہیں۔

فی الدرالمختار ولایمنع الطھارۃ ونیم وحناء ولو جرمه به یفتی فی ردالمحتار قوله به یفتی صرح به فی المنھیة عن الذخیرۃ فی مسئلة الحناء والطین والدرن معللا بالضرورۃ وفی الدرالمختار ولاطعام بین اسنانه او فی سنه المجوف به یفتیٰ وقیل ان صلبا منع وھوالا صح فی ردالمحتار صرح به شرح المنیة وقال لا متناع نفوذ الماء مع عدم الضرورۃ والحرج اھ

پس اگر یہ سیاہی مانع وصول آب نہیں جیسا کہ غالب ہے تب تو ظاہر ہی ہے کہ مخل غسل نہیں اور اگر مانع ہونے کا بھی احتمال ہو تب بھی ضرورت ہے لہٰذا عفو ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

۱۱؍جمادی الاولی ۱۳۳۳ھ (امدادج ۱ ص ۷)

سوال (۳۰) نزلہ کی وجہ سے دانتوں میں درد رہتا ہے اور دانتوں میں فرق ہوگیا ہے اگر کوئی دوا ایسی استعمال کرے کہ درمیان دانتوں کے جم جاوے اور ایسی جم جاوے کہ مثل مسوڑوں کے ہو جاوے اور دانتوں کے درمیان میں پھر کوئی فرق اور کشادگی نہ رہے تو اس دوا کا استعمال جائز ہے یا نہیں۔ اور غسل جنابت میں کوئی حرج تو نہ ہوگا۔

الجواب۔ اگر اس دوا کے ازالہ میں حرج اور دشواری ہو تو اس کے نیچے پانی پہنچانا ضروری نہیں اور وہ مانع غسل نہیں۔ یؤیدہ جزئیات کثیرۃ مذکورۃ فی الدرالمختار بحث الغسل۔

۲؍شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۶)

سوال (۳۱) جولوگ پان کھانے کے عادی ہیں علیٰ ہذا جوعورتیں مسّی کثرت سے لگاتی ہیں ان کے دانتوں میں چونہ مسّی کی تہ جم جاتی ہے جو آسانی سے چھوٹ نہیں سکتی پس سوال یہ ہے کہ غسل جنابت کرتے وقت (چونکہ اس کے نیچے تک پانی نہیں پہنچ سکتا تاوقتیکہ اس کو چھڑایا نہ جاوے اور جس کا چھڑانا بلاکسی تیز شے کے کھرچے ہوئے ممکن نہیں) اس تہ کو چھڑانا ضروری ہے بلا اس کے چھڑائے غسل درست ہوگا یا نہیں۔ بہشتی زیور حصہ اول مطبوعہ ساڈھورہ غسل کے بیان کے آخری صفحہ پر یہ مسئلہ درج ہے (**مسئلہ**) اگر مسّی کی دھڑی جمائی ہے تو اس کو چھڑا کر کلی کرے نہیں تو غسل نہ ہوگا؟ یہ مسئلہ درست ہے یا نہیں اگر ہے تو اسی پر چونہ کی تہ کو بھی قیاس کیا جائے یا نہیں۔

الجواب۔ یہ مسئلہ درست ہے مگر اس میں ایک قید ہے وہ یہ کہ آسانی سے چھڑانا ممکن ہو۔ ورنہ اگر چھڑانے میں دشواری ہو تو پھر بدون چھڑائے درست ہے۔

في الدرالمختار ولا يمنع الطهارة ونيم اى خرأ ذباب وبرغوث لم يصل الماء تحته وحناء ولوجرمة وبه يفتي۔في ردالمحتارصرح به في المنيه عن الذخيرة في مسئلة الحناء والطين والدرن معللا بالضرورة الٰى قوله فالاظهر التعليل بالضرورة ج۱ ص۱۵٦)

پس چونہ میں یہی تفصیل ہے کہ اگر آسانی سے چونہ کو نکال سکیں تو نکالنا واجب ہے ورنہ معاف ہے۔　　۱۹ر صفر ۱۳۴۳ھ　(تتمۂ خامسہ ص ۳۲۳)

غسل کے بعد منی نکلنے کا حکم

سوال (۳۲) میں ۱۲ بجے دن کے خواب راحت میں تھا کہ یکایک میری آنکھ کھلی دیکھا مجھے حاجت غسل ہے۔ غسل کرکے ظہر کی نماز پڑھائی پھر جس وقت پیشاب کیا تو منی آئی مجھے وسوسہ آیا کہ میں نے جماعت باجنابت پڑھائی ہے اب میں نہایت پریشان ہوں۔

الجواب۔ في ردالمحتار وكذا لوخرج منه بقية المنى بعد الغسل قبل النوم اوالبول اوالمشي الكثير (نهر) اى لا بعده لان النوم والبول والمشي يقطع مادة الزائل عن مكانه بشهوة فيكون الثاني زائلا عن مكانه بلاشهوة فلا يجب الغسل اتفاقا زيلعي.

اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں جب احتلام کے بعد [1] پیشاب کر لیا گیا ہے پھر بعد غسل جو دھات نکلے اس سے دوبارہ غسل واجب نہیں ہوا پہلا ہی غسل صحیح ہے اور نماز وغیرہ سب درست رہی کچھ وسوسہ اور اندیشہ نہ کیا جاوے۔ (یکم ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ج ۱ ص ۹)

سوال (۳۳) کوئی شخص اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا اور وہ پیشاب وغیرہ بھی کر لے اور پھر غسل خوب کیا جب نماز شروع کرنے لگا جب مذی یا منی کا قطرہ آ گیا اب وہ پھر غسل کرے یا نہیں۔

الجواب۔ اگر اس وقت عضو منتشر نہ ہو تو دوبارہ غسل واجب نہیں اور اگر منتشر ہو اور شہوت بھی ہو تو غسل واجب ہوگا۔

فی الخانیة خرج منی بعد البول وذکره منتشر لزمه الغسل قال فی البحر و محمله ان وجد الشهوة وهو تقیید قولهم بعدم الغسل بخروجه بعد البول فی ردالمحتار ای فیقال ان عدم وجوب الغسل بخروجه بعد البول اتفاقا اذا لم یکن ذکره منتشرا فلو منتشرا لوجب لانه انزال جدید وجد معه الدفق والشهوة اقول وکذا یقید عدم وجوبه بعد النوم والمشی الکثیر ج ۱ ص ۱٦٦.

۲۷ رشعبان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۶۵)

نیند سے بیدار ہونے والے پر غسل کے واجب یا غیر واجب ہونے کی تفصیل

سوال (۳۴) بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خواب بالکل یاد نہیں رہتا اور کپڑے پر دھبہ پایا جاتا ہے اس وقت میں نہانا فرض ہے یا نہیں اور کس طرح امتحان کیا جاوے کہ وہ منی ہے یا مذی یا ودی۔ ان تینوں کی پوری کیفیت تحریر فرمایئے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آنکھ کھل جاتی ہے اور رطوبت خارجہ اس وقت پائی جاتی ہے لیکن اس زور سے خارج ہوتی معلوم نہیں ہوتی جس

---

(۱) احقر مجیب کے ذہن میں ترتیب غلط یاد رہی کہ پیشاب کے بعد غسل کیا ہے حالانکہ سوال میں ہے کہ غسل کے بعد پیشاب کیا ہے اس لئے جواب اس طرز سے دیا گیا تھا اب موافق سوال کے جواب یہ ہے کہ وہ نماز تو ہوگئی کیونکہ خروج بعد میں ہوا ہے۔ رہا غسل کے بعد جو منی آئی ہے اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مشی کثیر کا اس کے قبل اتفاق ہوا ہے تو دوبارہ غسل واجب نہیں ورنہ واجب ہے۔ سائل اس سوال کے معلوم نہیں اگر سائل اس مسئلہ کو دیکھے تو صحیح جواب سمجھ کر یاد کریں اگر قاعدے سے دوبارہ غسل واجب ہوا ہو تو جتنی نمازیں اس کے بعد پڑھی ہوں اعادہ کریں اور جو پڑھائی ہوں یاد کر کے پڑھنے والوں کو اطلاع کر دیں جو یاد نہ آوے معاف ہے پھر بھی ایک آدھ بار مجمع میں اعلان کر دیں اور یہ اعادہ اس وقت تک کی نمازوں کا ہوگا جب تک اس کے بعد فرض یا سنت غسل نہ کیا ہو اور اس کے بعد کی نمازوں کا اعادہ نہیں ۱۲ منہ

زور سے منی خارج ہوتی ہے۔

الجواب۔ اگر دھبہ ہوتب تو غسل نہیں اگر چہ خواب یاد ہواور اگر تری وغیرہ پائی جاوے تو اس میں چودہ (۱۴) صورتیں ہیں۔ کیونکہ یا تو منی کا یقین ہے یا مذی کا یقین ہے یا ودی کا یقین ہے۔ یا منی و مذی میں شک ہے یا مذی اور ودی میں شک ہے یا منی اور مذی اور ودی میں شک ہے۔ یہ سات احتمال ہیں اور ہر ایک میں دو احتمال ہیں خواب کا یاد ہونا اور یاد نہ ہونا پس یہ سب چودہ صورتیں ہوگئیں ان میں سے چار صورتوں میں غسل نہیں ہے ایک یہ کہ مذی کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو۔ دوسری تیسری یہ کہ ودی کا یقین ہو اور خواب یاد ہو یا نہ۔ چوتھی یہ کہ مذی اور ودی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو اور باقی دس صورتوں میں غسل واجب ہے کہ کذا فی الدرالمختار وردالمختار۔ اور منی اور مذی اور ودی کی حقیقتوں کا تغایر تو مشہور و معلوم ہے مگر کوئی ایسی علامت یقینی نہیں جس سے تعیین ہو جاوے ورنہ شک کی صورتیں محتمل نہ ہوتیں۔ ۱۴؍محرم ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۶)

سوال (۳۵) نمبر (۱) اگر کوئی شخص خواب سے بیدار ہوا اور اپنے فرش یا ران پر تری پائی اور اس کو یقین ہے کہ یہ مذی ہے تو ایسی صورت میں (اگر خواب یاد نہ ہو) اس پر غسل واجب ہے یا نہیں اور اگر خواب بھی یاد ہو اور اس تری کی بابت یقین مذی کا ہو تو کیا حکم ہے؟

نمبر (۲) اگر کوئی شخص بیدار ہوا اور...... کے سوراخ پر تری پائی اور انتشار قبل از نوم موجود نہ تھا پس اگر خواب یاد نہ ہو اور اس تری کے بابت اس کو یقین مذی کا ہو تو غسل واجب ہے یا نہیں؟

نمبر (۳) اگر کوئی شخص بیدار ہوا اور اس وقت اس نے سوراخ پر یا کہیں اور تری نہیں پائی بعد کچھ تھوڑی دیر کے حالت بیداری میں کچھ تری معلوم ہوئی تو اس کی نسبت کیا حکم ہے خواب یا انتشار یاد ہونے یا نہ ہونے کی صورت میں اگر حکم مسئلہ میں فرق پڑتا ہو تو تحریر فرما دیویں اگر کسی شخص پر یہ حالت قریب قریب ہر روز ہو جاتی ہو تو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

نمبر (۴) مذی اور ودی کی خاص علامات کیا ہیں؟

نمبر (۵) اگر مسئلہ مندرجہ سوال (۱) اور (۲) کے حکم میں کچھ فرق ہو تو اس کی کیا علت ہے۔

الجواب عن الکل۔ اس میں بہت سی صورتیں نکل سکتی ہیں جن میں سے صرف چار صورتوں میں تو غسل نہیں ہے باقی سب میں غسل ہے۔ وہ چار صورتیں غسل نہ ہونے کی یہ ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ مذی کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

(۲) دوسری یہ کہ ودی کا یقین ہو اور خواب یاد ہو۔
(۳) تیسری یہ کہ ودی کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو۔
(۴) چوتھی یہ کہ مذی اور ودی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

کذ فی الدرالمختار وردالمحتار اور منی اور مذی اور ودی کی حقیقتیں تو متغائر یقینی ہیں مگر اس کی ایسی علامت یقینی نہیں جس سے تعیین متیقن ہو جاوے ورنہ شک کی صورتیں نہ نکلتیں۔ اور بیداری میں اگر خروج ہو تو یہ دیکھ لے کہ دفق اور شہوت اگر ہے تو غسل واجب ہے ورنہ نہیں۔ اس قاعدہ کلیہ سے امید ہے کہ سائل صاحب کو اپنے سب سوالوں کا جواب معلوم ہو گیا ہوگا لیکن اگر کوئی مقام مخفی رہ گیا ہو مکرر سوال کر لیں۔ اب صرف دو امر پر متنبہ کرنا باقی رہا ایک یہ کہ مدار حکم انتشار و عدم انتشار پر نہیں صرف انتشار ایک قرینہ ہے مذی ہونے کا جبکہ خواب یاد نہ ہو سو قرینہ اسی میں منحصر نہیں مذی کے یقین میں یہ سب قرینے آ گئے۔ دوسرا امر استفسار نمبر (۵) کے متعلق ہے وہ یہ کہ نمبر (۱) کے دو جزو ہیں ایک جزو مذی کا یقینی ہونا اور اور خواب یاد نہ ہونا۔ دوسرا جزو مذی کا یقینی ہونا اور خواب یاد ہونا اور نمبر (۲) بعینہٖ نمبر (۱) کا پہلا جزو ہے۔ پس استفسار نمبر (۵) میں جو سوال نمبر (۱) و سوال نمبر (۲) میں فرق پوچھا گیا ہے سائل کی مراد اگر سوال نمبر (۱) کا جزو اوّل ہے سو وہ اور نمبر (۲) تو بالکل متحد ہیں فرق پوچھنے کے کوئی معنی نہیں اور اگر مراد سوال نمبر (۱) کا جزو ثانی ہے تو وجہ فرق ظاہر ہے کہ ایک میں خواب یاد نہیں اور ایک میں خواب یاد ہے جو قرینہ ظاہرہ ہے منی کا اور اگر کچھ اور مقصود ہے تو ظاہر کیا جاوے۔

۱۱؍رجب ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۵۳)

شب عرفہ میں غسل کا حکم

سوال (۳۶) غسل بشب عرفہ غایۃ الاوطار میں مستحب لکھا ہے۔ پس یہ حکم مِنا میں حاجیوں کو ہے یا ہر کس کو ؟

الجواب۔ فی ردالمحتار وعرفة ای فی لیلتها تاترخانیه و قهستانی و ظاهر الاطلاق شموله للحاج وغیره ج ۱ ص ۱۷۵۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر کسی کے لئے ہے۔

۱۵؍ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۸)

نابالغ لڑکی سے صحبت کی گئی تو اِس پر غسل واجب نہیں شراب سے جو سرکہ بنالیا جاوے وہ پاک ہے

سوال (۷ ۳) انچہ در شرح وقایہ وہدایہ نوشتہ کہ آں پوستہائے غیر ماکول اللحم از دباغت پاک شونداز ذکات نیز پاک می شوندپس برایں پاکی ایں چہ مہاذکات دلیلے از خبر یا اثر ہست۔ اگر ہست تکلیف نوشتش گوارافرمودہ ممنون سازندوہم چنیں دلیلے از خبرواثر بخوردن وپاکی آں سرکہ کہ ازشراب حاصل شدہ باشددلیلے از خبرواثر برعدم وجوب غسل صغیرۂ موطوۂ۔

الجواب۔ فی الهداية ثم مايطهر جلده بالدباغ يطهر بالذكاة قال العينی روى الدار قطني عن ابن عباس لمامربشاة ميمونة فقال هلا استمتعتم بجلدها قالوا يارسول الله ﷺ انها ميتة قال ان دباغها ذكاتها في حق الجلد فعلمنا ان الذكاة هي الاصل في الطهارة وان الدباغ قائم مقامها عند عدمها ولان الذكاة ابلغ من الدباغ لانها انزع للدماء والرطوبات قبل التشرب والفساد بالموت.

في العيني على الهداية الخامس ام سلمة رضى الله تعالیٰ عنها اخرج حديثها الدار قطني انها كانت لها شاة تحتلبها ففقدها النبی ﷺ فقال ما فعلت الشاة قالوا ماتت قال افلا انتفعتم باهابها فقلنا ميتة فقال ﷺ ان دباغها يحل كما يحل خل الخمر وفيه قال البيهقي في المعرفة رواه المغيرة بن زياد عن ابی الزبير عن جابر عن النبی ﷺ انه قال خير خلكم خل خمركم اهـ قلت والتشبيه في الحديث الاول دليل على جواز التخلل والتخليل كمايجوزلانتفاع بالاهاب بعد الدباغ سواء كان اضطرار يا اواختياريا فتفقه و تنبه.

قال رسول الله ﷺ رفع القلم عن ثلثة عن النائم حتیٰ يستيقظ وعن الصبی حتی يحتلم وعن المجنون حتی يفيق فدل علی كون الصغيرة لايجب عليها شيئی من الاحكام والغسل من جملة الاحكام فلا يجب نعم تؤمر بالغسل تخلقا واعتيادا او قد صرح به الفقهاء فلا يرد حديث مرو اصبيانكم بالصلوٰة الخ

۳۰؍شوال ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۹۰)

ودی کا حکم

سوال (۳۸) میں نے کتاب میں دیکھا ہے کہ جب یقین ودی نکلنے کا ہو اور خواب یاد ہو تو غسل واجب نہیں ہے اب اس مسئلہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ودی بعد پیشاب کے نکلتی ہے اگر صحیح ہے تو خواب سے بیدار ہونے کی حالت میں جبکہ ابھی بستر کو نہ چھوڑا ہو ودی ہرگز نہیں نکل سکتی تو پھر یہ کہنا کہ خواب یاد ہونے کی حالت میں تری کی بابت ودی کا یقین ہوتے ہوئے غسل واجب نہیں ہے غلط ہوگا۔

الجواب۔ کتابوں میں جو لکھا ہے کہ ودی بعد پیشاب کے نکلتی ہے اس سے نہ تو یہ لازم آتا ہے کہ بدون پیشاب کے نہیں نکلتی اور نہ یہ لازم ہے کہ پیشاب کے بعد فوراً نکلتی ہو لیکن کبھی بدون پیشاب کے بھی نکلتی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ سونے کے قبل جو پیشاب کیا تھا اس کے بعد ذرا فصل سے سونے میں نکلی ہو پس کچھ اشکال نہ رہا اور علامہ شامیؒ نے خزانہ سے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے ان الودی مایخرج بعد الاغتسال من الجماع و بعد البول وھو شیئی لزج جلدا ص ۱۷۱ پس ایک جواب اس سے بھی نکل آیا۔ ۸ رمحرم ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۱۲)

نیند سے بیدار ہونے کے کچھ دیر بعد رطوبت کا دیکھنا

سوال (۳۹) اگر کوئی شخص بیدار ہوا اور اس کو خواب یاد ہے پس حالت بیداری میں اس کے بستر سے اٹھنے سے پہلے بیدار ہونے کے دو یا تین منٹ بعد اس کو تری معلوم ہوئی جس کو نہ وہ مذی سمجھتا ہے تو اس پر یہ خیال کر کے کہ شاید یہ منی رک گئی ہو جواب نکلی ہے غسل واجب ہوگا یا اس کو خیال نہیں کرنا چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ دفق و شہوت کے ساتھ نکلی ہے یا کس طرح؟

الجواب۔ جزئیہ تو دیکھا نہیں مگر قواعد سے غسل واجب ہونا چاہیئے کیونکہ خواب کا یاد ہونا علامت اس کی ہے کہ یہ یا منی ہے یا مذی اور دونوں کا احتمال خروج موجب غسل ہے اور دفق و شہوت کی شرط ہونے کا یہ مطلب ہے کہ انفصال عن المقر کے وقت شہوت ہو گو خروج کے وقت نہ ہو اور اگر کوئی عارض مانع نہ ہو تو دفق بھی ہو اور یہاں ممکن ہے کہ انفصال کے وقت شہوت ہو اور دفعۃً آنکھ کھلنے سے رک گئی ہو مگر احتیاطاً یہ مسئلہ کہیں اور بھی پوچھ لیا جاوے۔

۸ رمحرم ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۱۲)

زخم پر کسی دوا کا چپک جانا غسل کے وقت اس کا حکم

سوال (۴۰) اگر کسی دانہ یا چوٹ پر چونا لگا دیا گیا تھا اور وہ چونا اس حصۂ جسم یا کھال پر چپک گیا تھا اور خشک ہو گیا تھا کہ آسانی سے چھوٹ بھی نہ سکتا تھا ایسی حالت میں غسل جنابت کیا گیا اور بعد ادائے غسل نماز پڑھی گئی اب نماز کے کچھ دیر بعد وہ چونا چھڑانے سے چھوٹ گیا تو کیا اس حصۂ کھال یا جسم پر پانی پہنچانا اور نماز کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدرالمختار والمسح یبطله سقوطها عن برء والا لافان سقطت فی الصلوٰة استأنفها ولذا الحکم لو سقط الدواء اوبرأ موضعها ولم تسقط مجتبیٰ و ینبغی تقییده بما اذالم یضر ازالتها فان ضره فلایجزفی ردالمحتار قوله فان ضره ای ازالتها لشدة لصوقهابه و نحوه بحر ج۱ص ۱۳۹۰ اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں نماز کا اعادہ ضروری نہیں البتہ اس موضع کو پھر تر کرے کیونکہ نیچے سے جلد اچھی تھی صرف چونا چھڑانے کی دشواری کے سبب اس وقت دھونا معاف ہو گیا تھا۔

۴ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۲۳)

معذور کے لئے آخر وقت میں نماز ادا کرنے کا حکم

سوال (۴۱) اگر نماز مغرب کے قریب کہیں چوٹ لگ جائے یا کوئی چھوٹا دانہ ٹوٹ جائے اور دونوں حالتوں میں خون نکل آئے اور خون بند نہ ہو بلکہ ذرا ذرا سا پانی ایسا پانی نکلتا رہے۔ ایسی حالت میں مغرب کا وقت نہایت مختصر ہوتا ہے نماز کس طرح ادا کی جائے۔

الجواب۔فی ردالمحتار فی احکام المعذور ولو عرض بعد دخول وقت فرض انتظر الیٰ اٰخره فان لم ینقطع یتوضأ ویصلی ثم ان انقطع فی اثناء الوقت الثانی یعید تلك الصلوٰة وان استوعب الوقت الثانی لا یعیدلثبوت العذر ح من وقت العروض اھ اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں آخر وقت میں نماز پڑھے پھر اگر عشاء کے وقت وہ بند ہو گیا اور ختم وقت عشاء تک بند رہا تو مغرب کی نماز پھر لوٹا دے۔

۲ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تتمہ ص ۲۲)

وجوب غسل کے لئے دفق منی شرط نہیں

سوال (۴۲) ایک شخص کی منی بہت ہی رقیق ہے اور اپنی بیوی سے تفریح کے وقت اس کی منی بدون جست کے خارج ہوتی ہے تو کیا یہ شخص بغیر غسل کے اپنی نمازیں پڑھ سکتا ہے یا کہ نہیں؟

الجواب۔ غسل واجب ہے فی الدرالمختار و فرض الغسل عند خروج منی منفصل عن مقره بشهوة ای لذة ولم يذكر الدفق ليشمل من المرأة ولانه ليس بشرط عندهما خلافاً للثانی ص ۱۶۵ و ص ۱۶۶ ج ۱　۱۸ر ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۱۲۲)

بوقت غسل کان کے سوراخ میں پانی پہنچانے کا حکم

سوال (۴۳) ایک جوان عمر عزیز کا کان بچپن میں چھدا تھا غسل کرتے وقت وہ سوراخ میں بھیگی ہوئی سینک ڈال لیا کرتے تھے۔ اب اس قصد سے کہ سوارخ رفتہ رفتہ بند ہو جائے انہوں نے سینک ڈالنی چھوڑ دی ہے البتہ پانی کی دھار اہتمام سے ڈال لیتے ہیں وہ دریافت کرتے ہیں کہ آیا یہ کافی ہے۔

الجواب۔في الدرالمختار ولولم يكن بثقب اذنه قرط فدخل الماء فيه ای الثقب عند مروره علی اذنه اجزأه كسرة واذن دخلهما الماء والا يدخل ادخله ولو باصبعه ولا يتكلف بخشب وغيرها والمعتبر غلبة ظنه بالوصول فی ردالمحتار قوله ولا يتكلف ای بعد الامرار كما قدمناه عن شرح المنية اھ اس روایت سے معلوم ہوا کہ دھار ڈال لینا کافی ہے اور اگر دھار ڈالتے وقت انگلی سے بھی ذرا مل لیا کریں زیادہ احتیاط ہے زیادہ وہم نہ کریں۔

۲۱ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ (النور ص ۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۴ھ)

غسل خانہ میں بات چیت کرنے کا حکم

سوال (۴۴) اغلاط العوام فی باب الاحکام میں نمبر ۸۳ پر یہ مسئلہ ہے غسل خانہ و پاخانہ میں بات کرنے کو عوام ناجائز سمجھتے ہیں سو اس کی کچھ اصل نہیں البتہ بلاضرورت باتیں نہ کرے اور مشکوٰۃ المصابیح میں آداب خلاء کی فصل ثانی میں یہ حدیث ہے۔

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ لا یخرج الرجلان یضربان الغائط کاشفین عن عورتھما یتحدثان فان اللہ یمقت علی ذلک رواہ احمد و ابوداؤد وابن ماجۃ۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کشف عورت میں بات چیت کرنے سے اللہ تعالیٰ غصہ ہوتے ہیں اور غسل خانہ بالخصوص پاخانہ میں کشف عورت لازمی ہے۔

الجواب۔ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ دونوں اس طرح برہنہ ہوں کہ ایک دوسرے کو برہنہ دیکھتے ہوں ورنہ رجلان کی کیا تخصیص تھی۔ الرجل یضرب الغائط کاشفا عن عورتہ یتحدث عبارت ہوتی واذ لیس فلیس۔ ۹/ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ (تتمۂ خامسہ ص ۵۳۴)

بحالت جنابت بال کٹوانا مکروہ ہے۔

سوال (۴۵) بحالت جنابت خط بنوانا بال کتروانے اور ناخن ترشوانے جائز ہیں یا نہیں اور یہ قول کہ ایسی حالت میں غسل سے پہلے بالوں یا ناخن کے جدا کرنے سے بال اور ناخن جنبی رہیں گے اور قیامت کو مستغیث ہوں گے کہ ہم کو جنبی چھوڑا گیا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی رسالۃ ھدایۃ النور لمولانا سعداللہؒ درمطالب المومنین می آرد ستردن وتراشیدن موئے وگرفتن ناخنہائے درحالت جنابت کراہت ست اھ اس سے امر مسئول عنہ کی کراہت معلوم ہوئی باقی اس کے متعلق جو قول نقل کیا گیا ہے کہیں نظر سے نہیں گزرا اور ظاہراً صحیح بھی نہیں۔ (تتمۂ ثالثہ ص ۱۶)

باب الماء الذی یجوز بہ الوضؤ ومالایجوز بہ

مسقّف حوض کے پانی سے وضوء جائز ہے

سوال (۴۶) ایک حوض دہ دردہ بنا ہوا ہے اس پر چھت پاٹ دی ہے لوہے کے پڑوں سے۔ جب حوض خوب بھرتا ہے تب پڑوں کے کنارے پانی میں نوانچہ ڈوبتے ہیں حرکت دینے سے پڑوں کے پیچھے کا پانی ہلتا نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ پانی سب ملا ہوا ہے نیچے سے اوپر تک پڑیاں نوانچہ ڈوبنے سے پانچ حصہ بن جاتے ہیں یہ بات صحیح ہے مگر یہ مانع نہیں ہے۔ بہت

اختلاف ہو رہا ہے، بعض وضو نہیں کرتے ہیں۔ بعض بناتے ہیں۔ مفصل جواب معہ حوالہ کتب بیان فرمائیں اللہ تعالیٰ جزاء خیر عنایت کریں۔ آمین۔

الجواب۔ فی الدر المختار ولو جمد مائه فثقب ان الماء منفصلا عن الجمد جاز لانه كالمسقف وان متصلا لالانه كالقصعة فی ردالمحتار قوله وان متصلاً لای لا یجوز الوضوء منه وهو قول نصیر والا سکاف وقال ابن المبارك وابو حفص الكبیر لابأس به وهذا اوسع والاول احوط الیٰ قوله وفی الحلیة ان هذا مبنی علی نجاسة الماء المستعمل ج ۱ ص ۲۰۰ قلت والمفتی به طهارة الماء المستعمل فلم یبق خلاف فافهم بنابر روایت وتقریر بالا اس حوض سے وضو بلاتکلف جائز ہے اگر چہ پانی نہ ہلتا ہو۔ ۲۷ شوال ۴۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۵)

جس چیز کی نجاست معلوم نہ ہو اس کا پانی میں گرنا پانی کو ناپاک نہیں کرتا

سوال (۴۷) یہاں چاہات میں آج کل ایک سرخ رنگ کی دوا ڈالی جارہی ہے جس سے تمام چاہ کا پانی نہایت سرخ رنگ کا ہوجاتا ہے اور وہی سرخ پانی وضو نہانے کھانے پینے غرضیکہ ہر استعمال میں آتا ہے اور اس دوا کی ماہیت سے یہاں بجز ڈاکٹروں کے اور کوئی واقف نہیں ہے جس کے متعلق نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں علاوہ رنگین ہونے کے کوئی ناجائز شئے تو ایسی نہیں ہے جس کا استعمال شرعاً ممنوع ہو لہذا میں امید کرتا ہوں کہ براہ عنایت اس امر سے مطلع فرمایا جاوں کہ آیا اس پانی کے استعمال میں کوئی شرعاً حرج تو نہیں ہے۔

الجواب۔ جب اس دوا میں کسی نجس چیز کا ہونا معلوم اور ثابت نہیں تو بقاعدہ الاصل فی الاشیاء الطھارۃ اس کو طاہر سمجھنا چاہیے اس لئے اُس پانی کا استعمال جائز ہوگا۔
۱۳ رمضان ۱۳۳۱ھ (حوادث صفحہ ۱۱۹۔۱۲۰)

پانی خوشبودار ہوکر آب مطلق ہونے سے نہیں نکلتا

سوال (۴۸) ایک مسئلہ دریافت طلب ہے کہ عرق وعطر کی کشید گی کے لئے دیگ بھپکے جو لگاتے ہیں تو وہ گگرا جس میں عرق یا عطر کشید ہوکے آتا ہے ٹھنڈے پانی میں ڈوبا رکھا جاتا ہے تا کہ اس میں آکے بخارات پانی یا روغن کی صورت میں جمع رہیں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ پانی خوب تیز گرم ہوجاتا ہے جس کے بعد بدل دیا جاتا ہے اس پانی میں گا ہے کسی قدر خوشبو بھی اس

شئے کی پیدا ہو جاتی ہے جو دیگ وبھپکہ میں ہوتی ہے آیا یہ پانی مستعمل سمجھا جائے گا اور اس سے غسل و وضو درست نہ ہوگا یا غیر مستعمل اور اس کو غسل و وضو کے کام میں لانا درست ہوگا کیوڑہ۔ گلاب ملے ہوئے پانی سے غسل و وضو جائز ہے یا ناجائز۔ جب کہ پانی میں خوب اچھی طرح خوشبو ہو۔ علی ہذا کسی کم صاف کیئے ہوئے ظرف میں پانی گرم ہو اس میں چکنائی معلوم ہونے لگی اس سے بھی وضو و غسل واجب ہوگا یا ناجائز۔

الجواب۔ ان سب اقسام سے وضو و غسل درست ہے یہ سب ماء مطلق ہے۔

۲۷ر محرم ۱۳۳۲ھ (حوادث اول ۲ صفحہ ۱۲۸)

فصل فی البِیر

کنوئیں کے نل میں نجاست گر جانے کا حکم

سوال (۴۹) آج کل یہ آہنی نل جو کنوئیں کا کام دیتے ہیں ایجاد ہوئے ہیں اگر ان کے اندر کوئی شخص پیشاب وغیرہ ڈال دے تو آیا یہ ناپاک ہو جاتے ہیں یا نہیں اور پہلی شق پر ان کے پاک کرنے کی کیا صورت ہے؟

الجواب۔ فی الدرالمختار ینزح کل مائها الذی کان فیها وقت الوقوع بعد اخراجه الااذا تعذر الٰی قوله وان تعذر نزح کلها فیقدر مافیها وقت ابتداء النزح قاله الحلبی ۲۱۸ تا ۲۲۰۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ نجاست کا واقع ہونا کنوئیں میں اس کو نجس کر دیتا ہے سو اس میں بھی جب نجاست گر یگی ناپاک ہو جاوے گا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وقوع نجاست کے وقت جس قدر پانی ہو اس قدر نکال دینے سے وہ پاک ہو جاوے گا اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ نل کے نیچے زمین میں سے پانی کی آمد ہوتی ہے تو کیا وہ ناپاک نہ ہوگا بات یہ ہے کہ وہ پانی ایسا ہے جیسا متعارف کنوؤں میں بھی علاوہ بھرے ہوئے پانی کے ابلنے والا پانی ہوتا ہے مگر چونکہ وہ فی البیر نہیں ہے اس کا اعتبار نہیں اسی طرح جو پانی بالفعل اس آہنی کنوئیں کے اندر نہ ہو گو بطور آمد کے نیچے سے بذریعہ مسامات ارض کے اس کے اندر آجاتا ہو وہ معتبر نہیں البتہ اگر تجربہ سے یہ ثابت ہو

جاوے کہ اس نل کی جڑ میں پانی مجتمع رہتا ہے تو اس کو نجس کہیں گے اور تخمینہ سے جب اس قدر نکل جاوے کنواں پاک ہو جاویگا۔ اور عبارت مذکورہ سے ایک اور بات ثابت ہوئی کہ اگر اس آہنی کنوے میں ایسی نجس گر جاوے جو نکل نہ سکے تو اس کا نکالنا معاف ہے پھر اس میں دوصورتیں ہیں یا تو وہ چیز ذی نجاست ہے جیسے ناپاک لکڑی یا ناپاک کپڑا یا عین نجاست ہے جیسے مردار کی بوٹی۔ صورت اولیٰ میں بلا انتظار معاف ہے صرف پانی نکالنے سے پاک ہو جاوے گا اور صورت ثانیہ میں اتنی مدّت تک انتظار کریں کہ گمان غالب ہو کہ وہ مٹی ہو پھر پانی نکالدیں۔

فی الدرالمختار بعد قوله الا اذاتعذر كخشبة او خرقة متنجسة فی ردالمحتار واشار بقوله متنجسة الٰی انه لابدمن اخراج عين النجاسة ميتة وخنزيراھ ج قلت فلو تعذر ايضاً ففی القهستانی عن الجواهر وقع عصفور فيها فعجزا عن اخراجه فما دام فيها فنجسة فتترك مدة يعلم انه استحال وصارحمأة و قيل مدة ستة اشهر اھ جلد ا ص ۲۱۹ (حوادث خامس ص ۳ و ٤)

سوال (۵۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے مکان میں کنواں نل موجود ہے اور گڈریے مکان کے قریب آباد ہیں وہ ہمارے نل پر آکر گوبر وغیرہ کے خراب ہاتھوں سے ہینڈل پکڑ کر پانی بھرتے ہیں۔ ناپاک بوند پانی کے کنویں کے اندر چلی جاتی ہے جس سے اندیشہ پانی کے ناپاک ہو جانے کا ہے اب فرمائیے کہ کہ پانی بھرنے دیں یا نہیں؟

الجواب۔ برتنے دینے کا تو مالک کو اختیار ہے۔ باقی اگر ناپاک ہو جاویگا تو جتنا پانی اس وقت نل میں موجود ہے اس کے نکال دینے سے پاک ہو جاوے گا۔

۲۲؍ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ (حوادث الفتاویٰ خامس ص ٤٦)

سانپ جس میں خون ہو اس سے کنواں ناپاک ہو جائے گا

سوال (۵۱) چاہ میں سانپ کا بچہ سوا ہاتھ کا لانبا اور ایک انگل کو موٹا گر کر سڑ گیا لیکن جدا نہیں ہوا آیا اس کے نکالنے سے پانی پاک ہے یا ناپاک اور اگر پانی ناپاک ہو تو سارا پانی نکالنا ہے۔ جو حکم حضور عالی سے پایا جاوے وہ عمل میں لایا جاوے۔

الجواب۔ فی الدر المختار اوماتت فيها حيوان دموی غيرمائی لمامر وانتفخ اوتمعط او تفسخ ينزح كل مائها الذی كان فيها وقت الوقوع بعد اخراجه اھ مختصراً فی ردالمحتار تحت قوله وانتفخ ولا فرق بين الصغير

والكبير كالفأرة والآدمي والفيل لانه تنفصل بلته وهي نجسة مائعة فصارت كقطرة خمر الخ ج ۱ ص ۲۱۸

اس سے ثابت ہوا کہ یہ کنواں ناپاک ہوگیا اگر خشکی کا سانپ ہو پس انداز ہ کر کے دیکھا جاوے کہ اس میں کتنے سوڈول پانی ہے اتنا نکال دیا جائے اگر چہ ٹوٹے نہیں پاک ہو جاوے گا البتہ اگر تجربہ سے یہ تحقیق ہو جاوے کہ ایسے سانپ میں بہنے والا خون نہیں ہوتا تو اس سے کنواں ناپاک نہ ہوگا۔

في الدرالمختار فيفسد (اى الضفدع البرى) في الاصح كحية برية ان لهادم والا لااهـ قوله كحية برية اما المائية فلا يفسد مطلقاً اهـ ج۱ص۱۹۰ اسی طرح اگر وہ سانپ پانی کا ہو تب بھی کنواں ناپاک نہ ہوگا۔ لماموۡ ۲رذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۸)

کوّے کی بیٹ سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا

سوال (۵۲) مسئلہ کوّا یعنی زاغ کی بیٹ کنوئیں میں گر جائے یا زاغ خود گرے پانی پینا کیسا ہے۔

الجواب۔ في الدرالمختار وخرء كل طير لايذرق في الهواء كبط اهلي ودجاج اماما يذرق فيه فان ماكولا فطاهر والا فمخفف ثم قال فيه ثم الخفة انما تظهر في غيرالماء فليحفظ في ردالمحتار واستثنىٰ الحلبى خرء طير لايؤكل بالنسبة الى البئر فانه لاينجسها لتعذر صونها عنه كما تقدم في البير ج ۱ ص ۳۳۰ و ص ۳۳۱

اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں کنواں پاک ہے۔

سواء كان الغراب ماكولا او غير ماكول على الاختلاف في زماننا (تتمۂ ثانیہ ص ۱۸)

کنواں بیت الخلاء سے کتنی دور رہنا چاہئے

سوال (۵۳) پائخانہ سنڈ اس جو گڑھا اس قدر نہیں کھودا گیا ہو کہ پانی نکل آیا ہو اور اس سے بفاصلہ چار ہاتھ کے کنواں پختہ ہو تو اس کنوئیں کا پانی استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب۔ اس فاصلہ کی شرعاً کوئی حد نہیں۔ زمین کی نرمی و سختی کے تفاوت سے حکم متفاوت ہو جاتا ہے۔ فاصلہ اس قدر ہونا چاہیے کہ نجاست کا اثر کنوئیں کے پانی میں نہ آوے۔ کذا فی ردالمحتار۔ ج ۱ ص ۲۲۸۔ ۱۴رشعبان ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۱۰)

سوال (۵۴) ایک بیت الخلاء زمین دوز مثل کنواں ستائیس ہاتھ عمیق ہے اس میں دن رات پائخانہ بول و براز روزمرہ لوگ گھر کے کرتے ہیں اور پانی اس زمین میں جس میں پائخانہ ہے قریب ۳۵ ہاتھ کے نکلتا ہے اب سوال یہ ہے کہ اسی بیت الخلاء زمین دوز کے قریب چاہ بنانا چاہتے ہیں کتنی دور فاصلہ پر یعنی کتنے ہاتھ دور چاہ بنایا جاوے تو جائز عندالشرع شریف ہے۔

الجواب۔ اس میں کئی قول ہیں۔ ایک یہ کہ پانچ ہاتھ کا فصل ہو، ایک قول یہ ہے کہ سات ہاتھ کا ہو مگر راجح یہ ہے کہ اتنا فصل ہو جو رنگ یا بو یا مزہ کے پہونچنے سے مانع ہو اور یہ زمین کی نرمی و سختی کے تفاوت سے متفاوت ہوتا ہے اور اندازہ معین کرنے والوں کے اقوال کو بھی اسی پر مبنی کہا جاوے گا انہوں نے اپنی اپنی زمین کے اعتبار سے اندازہ بتلایا تو اس پر سب اقوال باہم متطابق ہو جاویں گے اور اس کا معیار اہل تجربہ کا قول ہے۔

هذا كله في ردالمحتار تحت قول الدرالمختار البعدبين البير والبالوعة بقدرمالا يظهر للنجس اثر اه فصل في البير قبيل مسائل السور۔ ج ۱۔ ص ۲۸۸

۲۶ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۳۹ و ۸)

سوال (۵۵) بیت الخلاء اور کنوئیں کے درمیان میں کس قدر فصل ہونا چاہیے جس سے نجاست کا اثر کنوئیں تک نہ پہنچ سکے عندالشرع کوئی فصل مقرر ہے یا نہیں۔ جواب سے مشرف فرماویں۔ یہاں ضلع سورت میں اکثر بیت الخلاء کنوئیں دار ہوتے ہیں۔

الجواب۔ في الدرالمختار قبيل احكام السور فرع البعد بين البير والبالوعة بقدر مالا يظهر للنجس اثروفي ردالمحتار اختلف في مقدار الحد المانع من وصول نجاسة البالوعة الى البير ففي رواية خمسة اذرع و في رواية سبعة وقال الحلوانی المعتبر الطعم اواللون اوالريح لم يتغير جازوالا لا ولوكان عشرة اذرع وفي الخلاصة والخانية والتعويل عليه وصححه في المحيط بحر والحاصل انه يختلف بحسب رخاوة الارض وصلابتها ومن قدره اعتبر حال ارضه (ج۱ ص ۲۲۸)

اس عبارت سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

۱...... جنہوں نے اس فصل کی مقدار معین کی ہے انہوں نے اپنی زمینوں کی حالت دیکھ کر معین کی ہے ہر جگہ اس پر حکم نہیں کر سکتے۔

۲...... صحیح یہی ہے کہ اس کی مقدار معین نہیں بلکہ مدار اس پر ہے کہ نجاست کا کوئی اثر رنگ یا بو یا مزہ پانی میں ظاہر نہ ہو اور زمین کی نرمی سختی کے تفاوت سے اس کی حالت مختلف ہوگی۔
۱۸ رشوال ۴۵ھ (تتمۂ خامسہ ص ۵۳۳)

سوال (۵۶) کنواں اور پاخانہ میں کتنا فاصلہ ہونا چاہیے کنواں اور پاخانہ گہرائی میں برابر ہوتے ہیں اور زمین ہمارے یہاں کی نیچے سے زرد اور سخت ہے۔

الجواب۔في الدرالمختار البعد بين البئر والبالوعة بقدر مالا يظهر للنجس اثر في ردالمحتار اختلف في مقدار البعد المانع من وصول نجاسة البالوعة الى البير ففي رواية خمسة اذرع وفي رواية سبعة وقال الحلواني المعتبر الطعم او اللون اوالريح فان لم يتغير جاز والا لا ولوكان عشرة اذرع وفي الخلاصة والخانية والتعويل عليه و صححه في المحيط بحر والحاصل انه مختلف بحسب رخاوة الارض وصلابتها ومن قدره اعتبر حال ارضه (قبيل احكام السور) اس سے معلوم ہوا کہ فاصلہ کی کوئی مقدار معین نہیں اتنا فاصلہ ہونا چاہیے جس میں نجاست کا رنگ یا بو یا مزہ پانی میں نہ پہنچے۔ ۱۰ رشوال ۲۹ھ (النور جمادی الاخریٰ ۵۰ھ)

چیل اور گدھ کی بیٹ گرنے سے کنوئیں کا حکم

سوال (۵۷) چیل اور گدھ کی پیخال اگر کنوئیں میں گر جاوے تو کنواں پاک رہا یا ناپاک۔

الجواب۔ في الدرالمختار ولا نزح بخرء حمام وعصفور وكذا سباع طير في الاصح لتعذر صونها عنه في ردالمحتار ومفاد التعليل انه نجس معفوعنه ج: ۱ ص: ۲۲۷۔ وفي الدرالمختار و خرء كل طير لا يزرق في الهواء كبط اهلي ودجاج اماما يذرق فيه فان ماكولا فطاهر والا فمخفف في ردالمحتار اى عندهما الخ ص ۲۳۰۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جو پرندہ حرام اڑتا ہوا پیخال کر دیتا ہو اس سے کنواں ناپاک نہ ہونے کا قول بضرورت اختیار کیا گیا ہے۔ ۱۳ رصفر ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۹)

گوبر اور لید کنوئیں میں گر جانے کا حکم

سوال (۵۸) چلتے یعنی ہرٹ یا چرس والے کنوئیں میں گوبر گرتا رہتا ہے پانی پاک ہے یا ناپاک بچنا ضروری ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی ردالمحتار مسائل البیر وفی التاترخانیة ولم یذکر محمدؒ فی الاصل روث الحمار والخثی (ای البقر والفیل) واختلفوا فیه فقیل ینجس ولو قلیلا او یابسا وقیل لو یابسا فلا واکثر هم علیٰ انه لو فیه ضرورة وبلوی لاینجس والا نجس اھ۔ جلد اول ص ۲۲۷۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اس سے بچنا مشکل ہو تو قلیل عفو ہے۔ (۱) (امداد ج ا ص ۱۳) ۱۴ محرم ۱۳۳۵ھ

سوال (۵۹) زید کہتا ہے کہ گوبر یا لید بقدر دو لینڈی بکری یا اونٹ کے برابر گوبر خشک ہو یا تر کوئیں میں گر جاوے اور وہ ریزہ ریزہ ہو جاوے تو پانی پاک رہتا ہے نجس نہیں ہوتا ہے دلیل بحوالہ فتاویٰ قاضی خاں مطبع نول کشور ص ۶ و عن محمد التبنة والتبنتان (۲) عفو یہی دلیل سے کہتا ہے کہ پانی پاک رہتا ہے اور بکر کہتا ہے کہ گوبر تر ہو یا لینڈی تر ہو کہ کم ہووے یا زیادہ کنوئیں میں گر جاوے تو سب پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور یہ نجاست یعنی گوبر غلیظ ہے جیسا کہ ......(۳) میں ہے۔

والارواث والاخثاء فکلها نجس نجاسة غلیظةً عند ابی حنیفة رحمة الله علیه اور فتاویٰ قاضی خاں مطبع نول کشور ص ۶ والروث واخثاء البقر بمنزلة البول۔ اس مسئلہ میں جیسا کہ آپ کے نزدیک تحقیق ہو ارسال فرماویں۔

الجواب۔فی الدرالمختار حیث عدّالنجاسة الغلیظه وروث وخثی افادبهما نجاسة خرء کل حیوان غیر الطیور وقالا مخففة الیٰ قوله و طهرهما محمد

---

(۱) **اصلاح** اس جواب پر بھی بحث کی گئی ہے جو کہ ص ۳۳۲ ملحقات تتمۂ اولیٰ امدادالفتاویٰ میں مذکور ہے اور اس حصہ کے تتمۂ اولیٰ ص ۳ میں حضرت مولانا نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قلیل سے مراد مقدار ضروری ہے اور اس کی مقدار مبتلیٰ بہ کی رائے پر ہے پس اس عبارت کے معنی یہ ہوئے کہ اگر وقوع نجاست سے بچنا مشکل ہے تو مقدار ضروری معاف ہے اور ضرورت کی مقدار رائے مبتلیٰ بہ پر ہے۔ واللہ اعلم۔ (یہ اضافہ تصحیح الاغلاط ص ۴ سے کیا گیا) محمد شفیع عفی عنہ۔

(۲) تبن کہتے ہیں بھوسہ کے تنکے کو خدا جانے سائل نے کیا سمجھ کر استدلال کیا ہے ۱۲ منہ۔

(۳) نام کتاب کا نہیں پڑھا گیا ۱۲ منہ

اٰخر اللبلوی وفی ردالمحتار ان الروث للفرس والبغل والحمار والخثی وبکسر للبقر والفیل و فیه عن النکت للعلامة قاسم ان قول الامام بالتغلیظ رجحه فی المبسوط وغیره وفیه عن التاترخانیة ولم یذکر محمد فی الاصل روث الحمار والخثی واختلفوا فیه فقیل ینجس ولو قلیلا او یابسا وقیل لو یابسا فلا واکثرهم علی انه لوفیه ضرورة و بلویٰ لا ینجس والا نجس اھ روایات بالا سے یہ امور مستفاد ہوئے۔

۱......لید اور گوبر میں علماء کا اختلاف ہے۔

۲......راجح امام صاحب کا قول ہے کہ وہ نجس غلیظ ہے۔

۳......کنوئیں میں اگر قلیل گر جاوے(۱) تو اگر اس کنوئیں کی حفاظت اس سے ممکن ہے تو وہ ناپاک ہو جاوے گا اور اگر حفاظت نہیں ہو سکتی تو ناپاک نہ ہوگا۔ یکم صفر ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۲)

اصلاح تسامح متعلقہ مسئلہ نمبر ۵۸ و ۵۹ مندرجہ ملحقات تتمۂ اولیٰ امدادالفتاویٰ ص ۳۳۴

خلاصہ سوال۔ کنوئیں میں جو ہرٹ دار ہو گوبر گرتا ہے پاک ہے یا نہ۔

خلاصہ جواب۔ اگر اس سے بچنا مشکل ہو تو قلیل عفو ہے۔

اصلاح تسامح۔ سوال سائل ازاں بیرست کہ بذریعہ بقر روز وشب جاری ست وروث آن ہمیشہ در بیری افتد چنانچہ دریں دیار واقع ست بسیار روث ملطخ بمع بول بقر وآب بیر در بیری افتد نہایت بلوی عام ست و پرہیز نہایت مشکل ست برائے سہولت امور مسلمین جواب ایں طور ضروری بود اگر بلوی عام ست و پرہیز مشکل و بیر جاری ست عفوست بعینہ سند ایں آن عبارت ست کہ در جواب خود مجیب مدظلہ تحریر فرمودند واکثر هم علی انه لو فیه ضررورة وبلوی لا ینجس والا نجس ۱۲ ردالمحتار۔ معلوم نیست کہ لفظ قلیل از کدام عبارت استخراج فرمودند ہرگاہ بضرورت بلوی نجس نماند قلیل وکثیر برابر شد در حکم و دیگر سند ایں مسئلہ روایت ذیل ست۔

وعن زفر روث مایوکل لحمه طاهر وفی المبتغیٰ الارواث کلها نجسة الارواية عن محمد انها طاهرة للبلوی فی هذة الرواية توسعة لارباب الدواب فقلما یسلمون عن التلطخ بالارواث والاخثاء فتحفظ هذه الرواية اھ کلام

---

(۱) اور قلیل کی مقدار امام صاحب کے نزدیک رائے مبتلیٰ بہ پر ہے ۱۲ منہ

المبتغي واذا قلنا بذلك ههنا لايبعد لان الضرورة داعية الٰى ذلك كما افتوا بقول محمد بطهارة الماء المستعمل للضرورة و نحو ذلك (الٰى ان قال) وقد قال في شرح المنية المعلوم من قواعد ائمتنا التسهيل في مواضع الضرورة و البلوىٰ العامة كما في مسئلة آبارا لفلوات و نحوها اهـ اى كالعفو عن نجاسة المعذور عن طين الشارع (الٰى ان قال) من ان المشقة تجلب التيسير ومن انه اذا ضاق الا مر اتسع والله تعالٰى اعلم ۱۲ ردالمحتار ص ۱۹۵ ج ۱)

نجس جوتے کا کنوئیں میں گرنا

سوال (۶۰) اگر جوتی کنوئیں میں گرگئی اور وہ اب نہیں نکلتی تو کیا کرنا چاہیے اور اگر نکل گئی تو کس قدر پانی نکالنا چاہیے۔

الجواب۔ في الدرالمختار ينزح كلٰ مائها بعد اخراجه الااذا تعذر كخشبة اوخرقة متنجسة۔ اگر نکل سکے تو نکالنے کے بعد اور اگر نہ نکل سکے تو بدون اس کے نکالے ہوئے کل پانی نکالا جاوے اور اگر جوتی پاک تھی تو کوئی حرج نہیں۔ فقط ۱۱/ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۳ ج ۱)

سوال (۶۱) میرا جعفر ضلع روالپنڈی میں لب نالہ بارانی نشیب جگہ میں ایک کنواں ہے جس سے گاؤں کے لوگ پانی بھرا کرتے ہیں۔ ایک روز ایک راہ گزر لڑکی نو دس سالہ پانی پینے کے لئے کنوئیں پر گئی اتفاقاً اس کے ایک پیر کی سلیپر جو ایک قسم کی جوتی ہے کنوئیں میں گر پڑی اس کی پلیدی کی کسی کو خبر نہیں کہ آیا وہ سلیپر پاک تھی یا پلید ہاں تین عورتیں اس وقت کنوئیں پر موجود تھیں ان کا بیان ہے کہ جو سلیپر دوسرے پیر میں تھی اس کے اوپر کا پنچہ صاف تھا بس اس قدر بیان ہے۔ اب التماس یہ ہے کہ یہ کنواں بحکم اليقين لا يزول الابااليقين اپنی طہارت قدیمہ کے بموجب پاک و طاہر رہے گا جیسا کہ فقہاء کرام نے بلا تیقن نجاست نزح کل ماء یا بعض ماء کا حکم نہیں دیا ہے یا محض احتمال و شک نجاست پر نجاست چاہ کا حکم دیا جاوے گا۔ مہربانی فرما کر اس کا جواب بادلائل مرحمت کیا جاوے۔

الجواب۔ في ردالمحتار عن البحرو قيدنابالعلم لانهم قالوا في البقر و نحوه يخرُج حيا لايجب نزح شيئ وان كان الظاهر اشتمال بولها على افخاذها لكن يحتمل طهارتها بان سقطت عقب دخولها ماء كثيرا مع ان الاصل الطهارة اهـ ومثله في الفتح ج ا ص ۲۱۹ روایت ہذا صریح ہے اس چاہ کے

طاہر ہونے میں فقط کتبہ محمد اشرف علی　　۱۶/صفر ۱۳۲۸ھ　(تتمۂ اولیٰ فتاویٰ امدادیہ ص ۴)

تین سو (۳۰۰) ڈول بقول امام محمد نکالنے کی تحقیق

سوال (۶۲) طہارت بیر میں امام محمد صاحبؒ کا قول تین سو ڈول کا جو منقول ہے وہ معلول بعلت ثابت ہوتا ہے کہ ان کے دیار میں اسی قدر پانی کنوؤں میں ہوتا تھا اب ہمارے دیار کے لوگ خواہ بدہمتی سے یا بے سامانی سے کل پانی کے اخراج میں بہت نالاں ہیں سو دریافت طلب یہ امر ہے کہ جو کنوے ایسے ہیں کہ جن کا پانی بدقت تمام یا بہ سہولت کل نکل سکتا ہے ان کے طہارت کا حکم بھی تین سو ڈول پر دیدینا ثابت ہے یا نہیں پھر اگر امام محمد صاحب کے قول کی حجت لی جائے تو اس علت پر نظر کیوں نہیں ہوتی جو ان کو ملحوظ تھی۔

الجواب۔ واقعہ میں علی الاطلاق تین سو ڈول کا فتویٰ مسلک ضعیف ہے راجح یہی ہے کہ علت پر نظر کی جاوے (شامی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کل پانی نکل سکے تو کل نکالا جاوے اور اگر کل نہ نکل سکے تو اب تقدیر کی ضرورت ہوگی اور تقدیر میں اختلاف ہے بعض نے قول عدلین کا اختیار کیا ہے۔ اور بعض نے بوجہ تیسیر کے تین سو ڈول پر فتویٰ دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن کنوؤں کے متعلق سائل سوال کرتا ہے یہ تقدیر ان سے متعلق نہیں ہے اور نہ اس پر کسی کا فتویٰ ہے۔ پس قول مذکور محل تامل ہے فقط واللہ اعلم۔ یکم ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ

نوٹ...... یہ اضافہ تصحیح الاغلاط سے کیا گیا ہے جو امدادالفتاویٰ جلد اول میں ہے ۱۲ منہ

فصل فی الآسَار

لعاب دہن لگا کر انگلی سے قرآن مجید کی ورق گردانی کا حکم

سوال (۶۳) بوقت تلاوت قرآن مجید زبان کے لعاب یعنی تھوک انگشت میں لگا کر قرآن مجید کے ورق کو اُلٹاتے ہیں یا اسی طرح الٹانا بشرع جائز ہے یا نہیں آیا حرام یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی۔ بینوا مع الدلیل فتوجروا۔

الجواب۔ مسئلہ فقہیہ سورا لآدمی طاهر سے لعاب دہن کی طہارت ظاہر ہے اور تقبیل

حجر اسود کی مسنونیت سے اس لعاب کے لگنے کا خلاف ادب نہ ہونا بھی ظاہر ہے جو کہ تقبیل میں محتمل ہے اس سے اس طرح ورق گردانی مصحف کا جواز یقینی ہے۔ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۵)

فصل فی التیمم

مسجد کی زمین پر تیمّم کرنے کا حکم

سوال (۶۴) مسجد کی زمین میں تیمّم درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اس وقت روایت نہیں ملی مگر کہیں دیکھا ہے کہ مکروہ ہے۔ (تتمۂ اولیٰ ص ۶)

جوازِ تیمّم کے لئے پانی سے کتنی دوری شرط ہے

سوال (۶۵) اگر شکار وغیرہ میں ایسی جگہ کہ جہاں پانی تلاش کرنے سے تو بہم پہونچ سکتا ہے لیکن تلاش کرنے میں نماز کے قضا ہو جانے کا اندیشہ ہے تو ایسے وقت میں تیمّم کر سکتا ہے یا نہیں اگر تیمّم نہیں کر سکتا تو کیا کرے۔

الجواب۔ اگر پانی ایک میل شرعی کے اندر ہو جو کہ میل انگریزی سے کچھ زیادہ ہوتا ہے تو تیمّم جائز نہیں۔ اگرچہ [1] نماز قضا ہو جائے پانی تلاش کر کے وضو کرے اور نماز قضا پڑھے۔
۱۳ صفر ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۶)

جو قفل میں قید ہو اس کے لئے تیمّم کا حکم

سوال (۶۶) ایک مسئلہ یہ دریافت طلب ہے کہ مثلاً کوئی اپنے مکان کے اندر ہے اور غلطی سے ملازم باہر سے قفل بند کر کے چلا گیا اب مالک مکان اندر ہے اور نماز کا وقت آ گیا اور مکان میں پانی موجود نہیں ہے اور حتی الوسع مالک مکان نے کوشش کی کہ کسی کو آواز دیکر پانی لے مگر نہ ملا اور وقت نماز کا نکلا جاتا ہے آیا وہ تیمّم سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں اور اگر پڑھ سکتا ہے تو بعد

---

(۱) اولیٰ یہ ہے کہ احتیاطاً اس وقت تیمّم کر کے نماز پڑھ لے اور پھر پانی ملنے کے بعد وضو کر کے اعادہ کر لے۔ کما فی ردالمحتار ان الا حوط ان تیمم و یصلی ثم یعید انتہٰی وقال بعد ذلک وھذا قول متوسط بین القولین وفیہ الخروج عن العہدۃ بیقین فلذا أقرہ الشارح (الی قولہ) فینبغی العمل بہ احتیاطاً (شامی مصری ص ۱۸۰ ج ۱) ۱۲ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

پانی ملنے کے وہ اس تیمم والی نماز کو قضا کرے یا نہیں۔

الجواب۔ پڑھ سکتا ہےاور قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ اعادہ کرے۔لانه محبوس من جهة العبد۔
۱۲؍ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص ۲۶)

سرد ملکوں میں تیمم کرنے کا حکم

سوال (۶۷) اس جگہ برف باراں باری بشدت ہوتی ہے سردی بھی بکثرت ہوتی ہے۔ ہوا نہایت تند چلتی ہے وضو کرنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے حتی کہ دست و پا اکڑ کر چند ساعت بالکل معطل رہتے ہیں۔اس حالت میں تیمم یا مسح سے نماز جائز ہوگی یا نہیں۔

الجواب۔في الدرالمختار باب التيمم اوبرد يهلك الجنب او يمرضه ولوفي المصر اذالم تكن له اجرة حمام ولامايدفئه في ردالمحتار قيد بالجنب لان المحدث لا يجوز له التيمم خلافا لبعض المشايخ الٰى قوله وكانه لعدم تحقق ذلك في الوضوء عادة وفيه ايضا نعم مفاد التعليل بعدم تحقق الضرر في الوضوء عادة انه لو تحقق جاز فيه (ايضاً اتفاقاً اھ.

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر کہیں شاذ و نادر ایسی صورت ہو کہ وضو کرنے سے ہلاکت یا مرض کا غالب اندیشہ ہو اور گرم پانی کرنے کا بھی سامان نہ ہو۔ نہ ایسا کوئی کپڑا ہو کہ اس میں لپٹ کر بدن گرم کرلیں۔ایسی صورت میں تیمم جائز ہے۔ ورنہ جائز نہیں۔اور پاؤں دھونے کا بدل مسح خفین ہوسکتا ہے۔ ۱۳؍ذیقعدہ ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۱ ص ۶)

ریل میں تیمم جنابت کی شرط

سوال (۶۸) ریل وغیرہ کے سفر میں کہیں ضرورت غسل کی ہو جاوے اور پانی بقدر غسل نہ ملے اور وضو وغیرہ جس میں ہو سکے اتنا ملتا ہو تو غسل کا تیمم کر کے نماز ادا کرسکتا ہے یا نہیں۔ اسٹیشن پر اگر چہ پانی ہر جگہ بکثرت مل سکتا ہے لیکن غسل کرنا اس کو ریل میں مشکل ہے تو تیمم کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ غسل اسٹیشن پر مشکل نہیں لنگی باندھ کر پلیٹ فارم پر بیٹھ کر سقہ کو پیسے دے کر کہدے کہ مشک سے پانی چھوڑ دے اور اس کے قبل ٹانگیں وغیرہ ریل کے پائخانہ یا غسل خانہ میں جا کر پاک کرے یا برتن میں پانی لیکر یا اگر نل میں پانی موجود ہو تو اس سے اس پائخانہ یا غسل

خانہ میں بھی غسل ممکن ہے۔ ہمت کی ضرورت ہے ایسی حالت میں تیمم درست نہیں۔
۱۳ رصفر ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۹)

بَابُ المَسح علی الخفّینُ وغیرهمَا

جُرابوں اور سوتی موزوں پرمسح کا حکم

سوال (۶۹) اُونی یا سوتی موزہ پر مسح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ **في الدرالمختار اوجور بيه ولومن غزل او شعر الثخينين بحيث يمشي فرسخا و يثبت على الساق بنفسه ولا يرى ما تحته ولا يشف اهـ** اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر اونی یا سوتی موزوں میں یہ چند شرائط ہوں تو ان پر مسح جائز ہے۔

۱...... گاڑھے اور موٹے ایسے ہوں کہ صرف اس کو پہن کر تین میل یعنی بارہ ہزار قدم چلیں تو وہ پھٹیں نہیں۔

۲...... دوسرے یہ کہ اگر اس کو پہن کر پنڈلی پر نہ باندھیں تو گرے نہیں۔

۳...... تیسرے اس میں سے پانی نہ چھنے۔

۴...... چوتھے اس کے اندر سے کوئی چیز نظر نہ آوے۔ یعنی اگر آنکھ لگا کر اس میں سے دیکھے تو کچھ نہ دکھائی دے۔ ۱۳ رذی قعدہ ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۵ ج ۱)

سوال (۷۰) کتب فقہ میں سے مسح جوربین پر بمذہب صاحبین رحمہما اللہ ثابت ہے مگر اس میں شرط ثخینین کی لکھی ہے اس کی حد تک سمجھ کام نہیں کرتی ہے کہ ثخینین کی تعریف کہاں تک ہے قدوری میں تو یہ لکھا ہے کہ **يشغان الماء** اور حاشیہ پر جوہرہ نیرہ کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ **مالا يرى ماتحتهما من خلاله** اور شرح وقایہ میں **يستمسكان على الساق بلا شد** لکھا ہے۔

ان کتابوں کی رو سے پورا اطمینان قلب کو نہیں ہوتا ہے اس وجہ سے خدمت عالی میں عرض ہے کہ آیا یہ جورب یعنی موزہ مروجہ جن کو ہم لوگ سردی اور گرمی کے موسم میں خواہ اونی یا سوتی جن میں ڈبل بھی ہوتے ہیں اور ہلکے بھی ہوتے ہیں ان پر مسح جائز ہے یا نہیں۔ میرے ایک عزیز

جن کو علم دینیات میں دخل ہے مگر تقلید سے نسبت نہیں ہے انہوں نے مجھ کو ہدایت کی ہے کہ تم
بلا دریغ ان موزوں پر مسح کیا کرو ان پر مسح احادیث اور کتب فقہ سے پورے طور پر ثابت ہے اس
وجہ سے اس کی تحقیق کرنے کی ضرورت پڑی کیونکہ تمام علماء کی زبانی یہ ہی شروع سے اس وقت
تک سننے میں آیا ہے کہ ربڑ کے موزوں پر مسح ہوسکتا ہے اور جراب کے متعلق مدعی یہ کہتا ہے کہ
یستمسکان علی الساق کے معنی یہ ہیں کہ پنڈلی کا موزہ رُکا رہے۔ کعب کھلنے نہ پاوے اور
مشہور یہ ہے کہ پنڈلی پر کھڑا رہے اور ایک فرسخ دو فرسخ چلنے سے بھی موزہ یعنی جراب گر نہ
جائے۔

الجواب۔ درمختار میں مجموعہ ان سب قیود کو شرط ٹھہراتا ہے اور ان سب شروط کے تحقق کی
جو علت ہے یعنی اس کا معنی خف میں ہونا یہ دلیل ہے اس کی کہ لایستمسکان کے معنی یہی ہے کہ گر نہ
جاوے اور حدیث میں جو آیا ہے وہ مجمل و مبہم ہے کیونکہ وہ واقعہ کی حکایت ہے اور حکایت فعل کو
عموم نہیں ہوتا لہٰذا دوسرے دلائل کی طرف رجوع کیا جاوے گا چونکہ ہماری متعارف جرابیں اس
شان کی نہیں ہوتیں لہٰذا ان پر مسح جائز نہیں فقط ۲۵ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۵ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۷)

سوال (۷۱) مفتیان شرع متین کا کیا ارشاد ہے۔ زید و عمر باہم مناظر ہیں۔ زید کہتا ہے
کہ کھال کے موزوں کے سوا مسح ہرگز درست نہیں۔ ہاں اگر جرابیں پشم کی ہوں یا ڈبل زین کی
ہوں اور ایسی مضبوط بنی ہوئی ہوں جس میں گرد و غبار نفوذ نہ کرسکتا ہو اور صلابت ایسی ہو کہ اگر
زمین پر رکھی جاویں تو کھڑی رہیں ان پر مسح درست ہے بحوالہ کتب فقہ ارشاد ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ زید کا قول صحیح ہے۔ عینی نے شرح ہدایہ میں اس پر فتویٰ نقل کیا ہے۔
۲۶ ر ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۰۴)

انگریزی بوٹ جو پورے پاؤں کو چھپالے اس پر مسح کا حکم

سوال (۷۲) فل بوٹ یعنی اس بوٹ پر جس میں ٹخنے چھپے رہتے ہیں مسح جائز ہے یا
نہیں۔

الجواب۔ فی الدرالمختار باب المسح علی الخفین شرط مسحه ثلثة
امور الاول كونه ساتر محل فرض الغسل القدم مع الكعب اویكون نقصانه
اقل من الخرق المانع فيجوز علی الزربول لو مشدودا الا ان يظهر قدر ثلثة
اصابع والثانی كونه مشغولاً بالرجل والثالث كونه مما يمكن متابعة المشی

المعتاد فيه فرسخا فاكثر آه في ردالمحتار قوله مشدودا لان شده بمنزلة الخياطة وهو مستمسك بنفسه بعد الشد كالخف المخيط بعضه ببعض فافهم و في البحرعن المعراج ويجوز على الجاروق المشقوق على ظهرالقدم وله ازرار يشدها عليه تسده لانه كغير المشقوق وان ظهر من ظهرالقدم شيئى فهو كخرق الخف قلت و الظاهر انه الخف الذى يلبسه الاتراك في زماننا اهـ

چونکہ اس بوٹ میں تینوں شرطیں جواز مسح کی پائی جاتی ہیں جو روایت بالا میں مذکور ہیں اسلئے مسح اس پر جائز ہے البتہ بوجہ اس کے کہ بجائے جوتہ کے مستعمل ہوتا ہے اس لئے یا بوجہ نجس ہونے کے اور یا بوجہ سوءادب کے بلاضرورت اس سے نماز نہ پڑھنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

یوم الاضحیٰ ۲۲؁ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶ ج ۱)

سوال (۷۳) اگر وضو بھی ساقط ہوگیا تو اس پر جوتے پر مسح کرسکتا ہے یا نہیں جوتہ ایسا ہے جس کے اندر ہوا گرد وغبار نہیں پہونچ سکتا۔

الجواب۔ في الدرالمختار شرط مسحه كون ۔ ساتر القدم مع الكعب اويكون نقصانه اقل من المانع فيجوز على الزربول لومشدوداً الاان يظهر قدر ثلاثة اصابع في ردالمحتار لان شده بمنزلة الخياطة وهو مستمسك بنفسه بعد الشد كالخف المخيط بعضه ببعض فافهم وفي البحرعن المعراج ويجوز على الجاروق المشقوق على ظهر القدم وله ازرار يشدها عليه تسده لانه كغير المشقوق وان ظهر من ظهر القدم شيئ فهو كحروق الخف اهـ والظاهر انه الخف الذى يلبسه الاتراك في زماننا ج ۱ ص ۲۲۹.

اس سے معلوم ہوا کہ جوتہ مذکور پر مسح بھی جائز ہے بشرطیکہ چلنے میں اندر سے پاؤں یا جراب نظر نہ آوے اور اگر نظر آوے تو پھر سوال میں ظاہر کرنا چاہیے کہ کتنا نظر آتا ہے۔ (تتمۂ اولیٰ ص ۸)

جرّاب سوتی کے اوپر چمڑے کا موزہ پہن کر اس پر مسح

سوال (۷۴) کیا چرمی موزوں کے اندر جن پر مسح درست ہے آیا جراب پہننا درست ہے یا نہیں اور ان چرمی موزوں کے اندر جراب پہننے کی صورت میں مسح درست ہے یا نہیں جواب باصواب سے مطلع فرمایا جاوے۔

الجواب۔ في الدرالمختار اوجرموقيه ولو فوق خف اولفافة ولا اعتبار

بما فی فتاویٰ الشادی لانه رجل مجهول لا یقلد فیما خالف المنقول. فی ردالمحتار ثم الذی فی هذه الفتاویٰ هو نقله عنها فی شرح المجمع من التفصیل وهو ان مایلبس من الکرباس المجرد تحت الخف یمنع المسح علی الخف لکونه فاصلا وقطعة کرباس تلف علی الرجل لاتمنع لانه غیر مقصود باللبس وقد اطال فی رده فی شرح المنیة والدرروالبحر لتمسك جماعة به من فقهاء الروم قال وقد اعتنی یعقوب باشا بتحقیق هذه المسئلة فی کراسة مبینا للجوازلما سأله السلطان سلیم خان اهـ.

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ سوال میں مسح درست ہے۔ ۱۰ ج ا ۱۳۲۳ھ (تتمۂ خامسہ ص ۳۶۲)

بَابُ الْحَیضْ وَالنِفَاس والاِستحَاضه

جمے ہوئے خون کے بعد جوخون آوے اس کا حکم

سوال (۷۵) بعد سقوط علقہ ومضغہ جودم آوے گا وہ دم نفاس ہوگا یانہیں؟

الجواب۔نہیں ۔فی الدرالمختار والنفاس دم یخرج عقب ولد او أکثرہ ولو منقطعاً عضواً لا اقله. فقط۔(امداد ص ۱ ج ۱)

اسقاط حمل کے بعد حیض یا استحاضہ کا حکم

سوال (۷۶) اگرحمل گرنے کے بعد کوئی عضو ظاہر نہ ہوتا ہو بلکہ نرا خون ہی خون ہو یا محض گوشت کا لوتھڑا ہوتو وہ خون جو بعد اسقاط کے دیکھا ہے وہ حیض ہے یا استحاضہ۔

الجواب۔ فی الدرالمختار وسقط ظهر بعض خلقه کید اورجل اوا صبع او ظفر او شعر ولد حکما فتصیر به نفساء الٰی قوله فان لم یظهر له شیئی فلیس بشیئ والمرائی حیض ان دام ثلاثا وتقدمه طهرتام والا استحاضة اهـ. فی ردالمحتار قوله و تقدمه ای وجد قبله بعد حیضها السابق لیصیر فاصلا بین الحیضتین الخ قوله والاستحاضة ای ان لم یدم ثلثا وتقدمه طهرتام اودام

ولم يتقدمه طهر تامه اولم يدم ثلثا ولا تقدمه طهرتام ح

پس صورت مسئولہ میں نفاس تو نہیں پھر اگر یہ خون تین دن تک رہا اور اس کے قبل طہر کی مدت پوری ہوئی تھی تو حیض ہے ورنہ استحاضہ۔ ۵؍رجب ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۵۰)

اسقاط حمل کے احکام متعلقہ نفاس ونماز روزہ وغیرہ

سوال (۷۷) دوماہ کا اسقاط ہوگیا مضغہ گوشت جس میں نشانات صورت نمودار تھے گرااس کا کیا حکم ہے۔ دفن کرنا اور کفن لازم ہے یانہیں اور اس صورت میں جوخون قبل اسقاط یا بعد اسقاط جاری ہووہ نفاس میں داخل ہے یانہیں۔ نماز روزہ سے ایسی حالت میں کنارہ کش ہونا واجب ہے یانہیں۔ کیونکہ پوری ولادت نہیں ہے۔

الجواب۔ في الدرالمختار باب الحيض في احكام النفاس وسقط ظهر بعض خلقه كيدٍ او رجل اواصبع او ظفر او شعر ولا يستبين خلقه الا بعد مائة و عشرين يوماً ولد حكما فتصير المرأة به نفساء الٰى قوله فان لم يظهرله شيئ فليس بشيئي والمرئى حيض ان دام ثلثا وتقدمه طهرتام والا استحاضة وفيه باب صلوٰة الجنازة والا اى وان لم يستهل غسل وسمى عندالثانى وهو الاصح فيفتي به على خلاف ظاهر الرواية اكراما لبنى ادمؑ كما فى ملتقى البحار وفى النهرعن الظهيرية وان استبان بعض خلقه غسل وحشرهو المختار وادرج فى خرقة و دفن ولم يصل عليه اهـ فى ردالمحتار مواخذاعلى تقديره بمائة و عشرين يوماً ما نصه ولكن يشكل على ذلك قول البحران المشاهد ظهور خلقه قبل هذه المدة الٰى قوله ايضاهو موافق لما ذكره الاطباء الخ وفيه علىٰ قوله والا يستهل مانصه شمل ماتم خلقه ولا خلاف فى غسله ومالم يتم وفيه خلاف والمختار انه يغسل ويلف فى خرقة ولا يصلى عليه اهـ۔

راویت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی جزاجزاء بدن انسانی سے مثل ہاتھ یا پاؤں یا انگلی یا ناخن یا بال وغیرہ نمودار ہوگیا ہے تو وہ شرعاً بچہ ہے اور اس کے بعد جوخون آیا وہ نفاس ہے اس لئے نماز ساقط ہوجائے گی اور روزہ دوسرے ایام میں قضا کرے گی اور اس صورت میں اس کو غسل بھی دیا جاوے گا۔ اور اگر کوئی چیز ظاہر نہیں ہوئی تو وہ بچہ نہیں ہے نہ اس کے لئے غسل وکفن ہے نہ قاعدہ کے موافق دفن ہے البتہ چونکہ جزوآدمی ہے اس لئے زمین میں ویسے ہی دبادینا

چاہیے اور اس صورت میں وہ خون نفاس بھی نہیں ہے بلکہ دیکھنا چاہیے کہ اس سے قبل حیض آئے ہوئے کتنا زمانہ ہوا اور یہ خون کے روز آتا ہے۔ اگر حیض آئے ہوئے پندرہ روز یا زیادہ ہو گئے ہوں اور یہ خون کم از کم تین روز آئے تو حیض ہے اور ایک شرط بھی کم ہو جاوے تو استحاضہ ہے جس میں نماز روزہ سب صحیح ہے واللہ اعلم۔ ۲۹ رذی الحجہ ۱۳۲۱ھ (امدادص ۳ج ۱)

سوال (۷۸) اگر حمل گرنے کے بعد کوئی عضو ظاہر نہ ہوتا ہو بلکہ نرا خون ہی خون ہو یا محض گوشت کا لوتھڑا ہو تو وہ خون جو بعد اسقاط کے دیکھا ہے وہ حیض ہے یا استحاضہ بتلا دیجئے۔

الجواب۔ جب کوئی عضو ظاہر نہیں ہوا تو یہ خون نفاس تو نہیں ہے اب دیکھنا چاہیے اگر یہ تین دن سے کم میں موقوف نہ ہوا اور اس خون آنے سے پہلی مدت طہر بحالت طہر گزری ہو تو یہ حیض ہے ورنہ استحاضہ۔

فی الدرالمختار فان لم یظهرله شیئ فلیس بشیئ والمرائی حیض ان دام ثلاثا و تقدمه طهرتام و الاستحاضة اهـ باب الحیض والنفاس ۔۹ رذیقعدہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۰)

جس عورت کے پہلا بچہ پیدا ہوا اس کے پاک ہونے میں چالیس روز کا انتظار نہیں

سوال (۷۹) جس عورت کے اول مرتبہ بچہ پیدا ہوا ہے اور اس کو چار روز خون نفاس کا آکر بند ہو گیا اور ایک شب و روز بند رہا تو دوسرے روز شوہر کو اس سے وطی جائز ہے یا نہیں کیونکہ اول بچہ ہے عادت کا حال معلوم نہیں ہو سکتا۔ یا اول بچہ جس عورت کے ہو اس کا انتظار چالیس روز کرنا شوہر کو ضروری ہے اگر نہیں ہے تو کتنے دن خون آنے کے بعد وطی کرے احتمال ہے کہ پھر آوے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار وان لعادتها الیٰ قوله حتی تغتسل او یمضی فی ردالمحتار تحت قوله وان لعادتها ما نصه و كذا لو كانت مبتدأة درر چونکہ حیض و نفاس کا حکم اس امر میں یکساں ہے روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ صورۃ مسئولہ میں وطی جائز ہے۔
۱۶ رمحرم ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲)

ایام عادت بھولنے والی حائضہ کا حکم

سوال (۸۰) ایک عورت کو دس دن سے زیادہ خون آیا اور اس کو اپنی پہلی عادت بالکل یاد نہیں کہ پہلے مہینے میں کتنے دن آیا تھا تو اب اس عورت کو کتنے روز نماز قضا کرنی چاہیے۔

الجواب۔ وہ تحری یعنی اٹکل کرے یعنی یاد کرے کہ کتنے دن ماہ سابق میں حیض آیا تھا جتنے دن غالب گمان سے حیض یاد آوے اتنے دنوں اپنے کو حائضہ سمجھے اوراس کی نمازیں قضا نہ کرے اور جتنے دن غالب گمان سے طہر یاد آوے اسی قدر طاہر سمجھے اوران کی نمازیں قضا کرے اور جس میں دونوں جانب برابر ہوں احتیاط پر عمل کرے یعنی ان کی بھی نمازیں قضا کرلے اور آئندہ ماہ میں بھی اگر عادت مظنونہ سے بڑھنے لگے تو بھی نمازوں کے اوقات میں اٹکل پر عمل کرے یعنی نماز وغیرہ نہ پڑھے اور جو وقت طہر کا معلوم ہواس میں غسل کر کے نماز وغیرہ پڑھے اور جس میں کوئی امر غالب ظن سے سمجھ میں نہ آوے اس میں احتیاط پر عمل کرے یعنی جس وقت یہ شبہ ہو کہ میں حائضہ ہوں یعنی ابھی حیض میرا منقطع نہیں ہوا یا طاہرہ ہوں یعنی حیض سابق میرا منقطع ہوگیا تو غسل کر کے نماز پڑھے اوراس صورت میں احتیاط یہ بھی ہے کہ اگلے وقت میں بھی غسل کر کے وقتیہ سے پہلے اس کا اعادہ کرے پھر وقتیہ پڑھے اور جس وقت یہ شبہ ہو کہ میں طاہرہ ہوں یعنی طہارت سابقہ میری مستمر ہے حیض شروع نہیں ہوا یا حائضہ ہوں یعنی حیض شروع ہوگیا تو وضو کر کے نماز پڑھے۔ کذا یفهم من الدر المختار وردالمحتار حیث قال وحاصله انها تتحری الخ.　　　۸؍جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۶)

اس عورت کا حکم جس کا خون تین روز سے کم میں منقطع ہوجاوے

سوال (۸۱) جس عورت کو اکثر ایسی عادت ہو کہ تین دن رات سے پہلے خون بند ہوجاتا ہو کیا وہ شروع میں دو تین روزے قضا نہ کرے انتظار میں احتیاطاً روزہ رکھے اگر تین دن رات پورے ہوگئے تب تو حیض سمجھ کر روزہ شمار نہ کرے اور پھر ان کی قضا رکھے اگر تین رات دن سے کم میں بند ہوگیا تو استحاضہ کر کے سمجھ لے کہ روزہ کوئی نہیں گیا اس میں کیا ہونا چاہیے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار (ای بالبروز) تترك الصلاة ولو مبتدأة فی الاصح لان الا صل الصحة والحیض دم صحة شمنی ردالمحتار ج۱ ص ۲۹۲.
اسی طرح یہاں بوجہ عادت کے غالب اور ظاہر دم مرض ہے پس اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ یہ عورت نماز روزہ نہ چھوڑے جیسا سوال میں تجویز کیا گیا ہے۔　۱۷؍رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۶۶)

حکم اس خون کا جو اقل طہر سے پہلے شروع ہو کر اقل طہر کے بعد تک جاری رہے

سوال (۸۲) اگر کسی کو نو روز یا دس روز ماہواری کی عادت ہو اور بیس روز پاک رہنے کی

عادت ہو اور اس کو دوسری تاریخ ماہواری شروع ہو اور دس تاریخ کو پاک ہو جاوے اور پاک ہونے کے نو روز کے بعد پھر آ جاوے جس کو آج چھٹا روز ہے اس زمانہ میں نماز روزہ سب بدستور کیا جس طرح بہشتی زیور میں ہے کہ ہر نماز کے واسطے تازہ وضو کر لیا کرے اب یہ پوچھنا ہے کہ اب پاکی کے زمانہ کو پندرہ روز ہو گئے تو اب کل سے ماہواری کا زمانہ شمار کیا جاوے گا یا عادت کے موافق بیس روز پاک رہے گی اور بیس روز کے بعد ماہواری کا زمانہ شروع ہوگا اور اگر کل سے پاکی کا زمانہ نہیں ہے تو اس حالت میں اعتکاف درست ہے یا نہیں یعنی قرآن اور نماز نہ پڑھے صرف تسبیح وغیرہ پڑھتی رہے۔

الجواب۔ في ردالمحتار ان وقع (اى الا ستمرار) في المعتادة فطهرها وحيضها ما اعتادت في جميع الأحكام ان كان طهرها اقل من ستة اشهر والا فترد الى ستة اشهر الاساعة وحيضها بحاله ج۱ ص ۲۹٤ يراد بالاستمرار ظهور الدم في غير زمان الحيض فيحكم في المسئول عنها بالاستمرار لان المدة التي ظهر فيها الدم ليس بزمان حيض لانه لم ينقض اذذاك اقل زمان الطهرولا يراد بالاستمرار عدم الانقطاع ابدالا نه ح يتعذر الحكم عليهاابدا مادامت حية هف و يصدق على هذه ايضاً ان طهرها اقل من ستة اشهر فيحكم عليها بردها الى عادتها.

حاصل یہ کہ اس کے خون کو استحاضہ کا خون کہیں گے اور عادت کے موافق بیس روز تک پاک کہیں گے۔　　۲۸ رمضان ۱۳۳۳ھ　(تتمۂ ثالثہ ص ۸۶)

طہر پندرہ روز سے کم نہیں ہوتا اگرچہ کمی قلیل بھی ہو

سوال (۸۳) کتب فقہ میں لکھا ہے کہ کمتر مدت طہر کی پندرہ روز کامل گزرنا ہے اور کسی عورت کا حیض یا نفاس مثلاً رمضان کی پہلی تاریخ ظہر کے بعد موقوف ہو اور پندرہ تاریخ مہینہ مذکور کے عین دوپہر کے وقت پھر خون دیکھا آیا ایک پہر یا ایک ساعت یا دو ساعت کم کا اعتبار کر کے طہر کا حکم ہوگا یا نہیں۔

الجواب۔ طہر نہ ہوگا کیونکہ پندرہ یوم ولیلہ سے کم ہے۔

في الدرالمختار باب الحيض والناقص عن اقله الخ في ردالمحتار قوله والناقص الخ اى ولو بيسير قال القهستاني فلورأت الدم حين طلع نصف

قرص الشمس وانقطع فی الیوم الرابع حین طلع ربعه کان استحاضة الی إن یطلع نصفه فحینئذ یکون حیضا والمعتادة بخمسة مثلا اذارأت الدم حین طلع نصفه وانقطع فی الحادی عشر حین طلع ثلثاه فالزائد علی الخمسة استحاضة لانه زاد علی العشرة بقدر السدس اهـ ای سدس القرص ج۱ ص۲۹۳ .

۲۶رذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیۃ امدادالفتاویٰ ص۱۰۲)

حائضہ کو دعائیں اور وظائف پڑھنے کا حکم

سوال (۸۴) بعض مستورات کا سوال ہے کہ جناب کی تالیف کتاب قربات عند اللہ وصلوات الرسول ﷺ ومناجات مقبول ایام حیض میں بھی اس کی منزل پڑھی جاوے یا نہ اس لئے کہ آیات قرآن مجید واحادیث رسول اللہ ﷺ کی اس میں مسطور ہیں

الجواب۔ فی الدرالمختار۔احکام الجنب ویحرم به تلاوة القرآن ولو دون اٰیة علی المختار بقصدهٖ فلو قصد الدعاء اوالثناء او افتتاح امراو التعلیم ولقن کلمة کلمة فی الأصح اهـ فی ردالمحتار قوله علی المختار ای من قولین مصححین ۔ثانیهما انه لایحرم مادون اٰیة ورجحه ابن الهمام بانه لایعد قارئا بما دون اٰیة فی حق جواز الصلوٰة فکذا ههنا واعترضه فی البحر تبعا للحیلة بان الاحادیث لم تفصل بین القلیل والکثیر والتعلیل فی مقابلة النص مردود اهـ قلت رای اشرف علی) بانه لیس تعلیلا بل تفسیر للحدیث الناهی کحدیث ابن عمر عن النبی ﷺ تقرء الحائض ولا الجنب شیئا من القرآن اخرجه الترمذی فان النهی تعلق بالقرآن ومادون اٰیة لایسمی قرانا والنصوص واردة علی محاویات اهل اللسان فهوایضاً عمل بالحدیث ثم ذکر فی الدرالمختار فی أحکام الحیض و قراء ة قرآن بقصدهٖ الخ فی ردالمحتار قوله بقصده فلو قرأت الفاتحة علیٖ وجه الدعاء او شیئا من الأیات التی فیها معنی الدعاء ولم تردالقراء ة لاباس به کما قدمنا ہ عن العیون لأ بی اللیث (قلت وهو مانقل فی أحکام الجنب و نصه) قال فی العیون لابی اللیث قرأ الفاتحة علی وجه الدعاءِ او شیئا من الأیات التی فیها معنی الدعاء ولم یرد القراء ة لا باس به و فی الغایة انه المختار واختاره الحلوانی لکن قال الهند وانی لا افتی

به وان روی عن الإمام الخ ان روایات سے چندامور مستفاد ہوئے۔

امر اوّل ۔جنب اور حائض کوقرآن پڑھنا جائزنہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں اسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ایک آیت تامہ کا پڑھنا جائزنہیں۔

امر ثانی ۔احادیث کا پڑھنا جائز ہے اس میں بھی اختلاف نہیں۔

امر ثالث ۔آیت سے کم پڑھنا بعض کے نزدیک جائزنہیں۔

امر رابع ۔اگرقرآن بقصد تلاوت نہ پڑھا جاوے بلکہ بقصد دعا پڑھا جاوے......جبکہ اس میں دعا کے معنی ہوں تو اکثر کے نزدیک جائز ہے بعض نے اس پرفتویٰ نہیں دیا۔

امر خامس۔ چونکہ مفاہیم روایات فقہیہ کے حجت ہیں لہٰذا یہی روایات جواز قرأت احادیث پرخصوص احادیث دعا پردال ہیں اس تقریر سے سوال کا مفصل جواب حاصل ہوگیا۔ یہ تو نفس احکام کا بیان تھا جوضروری تھا جس کے دلائل بیان کرنا عمل کیلئے ضروری نہیں لیکن اہل علم کے نشاط کے لئے ان کے دلائل کی طرف مختصراً اشارہ کرتا ہوں۔ امر اول کی دلیل عبارت مذکورہ میں مذکور ہے یعنی لا تقرء الحائض ولا الجنب الخ و فی الباب احادیث کثیرة غیر ما ذکر۔

امر اوّل کے جزءثانی کی دلیل بھی یہی احادیث ہیں کیونکہ اس پرقرأت قرآن صادق آتی ہے۔امر ثانی کی دلیل بھی یہی احادیث ہیں کیونکہ اس پرقرأت قرآن صادق نہیں آتی۔ نیز بجز بخاری ونسائی کے سب اصحاب صحاح نے حدیث ذکر کی ہے۔ کان صلی الله علیه وسلم یذکر الله فی کل احیانه کذا فی احیاء السنن۔ ظاہر ہے کہ یہ حدیث کوبھی عام ہے بلکہ قرآن کوبھی لیکن چونکہ قرأت قرآن سے نہی وارد ہے وہ اس سے مخصوص ہوگئی اور قرأت حدیث اس عموم میں داخل رہی نیز خودحضور اقدس ﷺ ایسے حالات میں کلام فرماتے تھے اور آپ کا ہرکلام حدیث ہے پس قرأت حدیث کا جواز دلیل فعلی سے بھی ثابت ہوگیا۔

امر ثالث ۔مانع کی دلیل یہی احادیث ہیں منطوقاً اس بناء پر کہ قرأت لغتہ اس کوبھی عام ہے اور مبیح کی دلیل بھی یہی احادیث ہیں مفہوماً اس بناء پر کہ یہ عرف اور محاورے میں قرأت نہیں۔امر رابع اکثر کی دلیل یہ حدیث ہوسکتی ہے۔

عن عائشةؓ کان رسول الله ﷺ اذ اکان جنباً واراد ان یاکل او ینام توضأ وضوء ه للصلوة رواه مسلم وعن عائشةؓ ان النبی ﷺ کان اذا ارادان یطعم

وهو جنب غسل كفيه ومضمض فاه ثم طعم رواه الدارقطني وقال صحيح كذا في احيأ السنن۔

اور دوسری احادیث سے ابتدأ کل میں بسم اللہ اور فراغ عن الاکل پر الحمد للہ کہنا منقول ہے اور وضوشرعی بھی رافع جنابت نہیں اور وضولغوی تو وضو ہی نہیں تو جنابت کی حالت میں بسم اللہ اور الحمد للہ کہنا ثابت ہوا۔ اور بسم اللہ کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت اور دلائل مطلق ہیں تسمیہ تامہ اور غیر تامہ کو اور الحمد للہ ایک قول پر کہ قرآن آیت غیر تامہ کو بھی عام ہے قرآن ہے مگر چونکہ اس تسمیہ وحمدلہ سے مقصود تلاوت نہ تھی بلکہ افتتاح واختتام وتبرک مقصود تھا اس لئے جائز رکھا گیا پس امر رابع میں اکثر کا قول ثابت ہوگیا۔ اور بعض کا قول معلوم ہوتا ہے کہ محض تنزہ احتیاط پر مبنی ہے کہ لوگ حدود سے تجاوز نہ کرنے لگیں پس بطور سد ذرائع کے جواز پر فتویٰ نہیں دیا ورنہ تسمیہ وحمدلہ کو وہ بھی ناجائز نہیں کہتے کیونکہ اس وقت اس کے قرآن ہونے کا خطور بھی نہیں ہوتا تو اس میں تجاوز عن الحدود کا احتمال نہ تھا۔

امر خامس کے لئے امر ثانی کی تقریر کافی ہے فرع چونکہ جنب اور حائض کے احکام میں کچھ فرق نہیں اس لئے یہ احکام اور دلائل دونوں کے لئے مشترک ہیں اصل سوال کا خلاصہ جواب یہ ہے کہ قربات عنداللہ کی ادعیہ قرآنیہ وحدیثیہ کا حائضہ کو پڑھنا جائز ہے صرف ادعیہ قرآنیہ میں یہ قید ہوگی کہ دعا کی نیت سے پڑھے۔ قرآن کی نیت سے نہ پڑھے اور جہاں اس احتیاط کی علماً وعملاً توقع نہ ہو وہاں احوط واورع منع ہی ہے اور عجب نہیں فقیہ ہندوانی ؒ نے ایسے ہی عوام کے لئے منع فرمادیا ہو۔

فائدہ ...... اس تحریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ سب اہل فتویٰ کا قصد اتباع حدیث کا ہے گو وجہ استدلال میں اختلاف ہوگیا۔ واللہ اعلم۔ اشرف علی ۱۴؍شعبان ۱۳۵۶ھ (النور رمضان ۱۳۵۷ھ)

بابُ الانجاس و تطهیرها

مردار کی کھال دباغت کے بعد پاک ہے اور ہڈی وغیرہ کے احکام

سوال (۸۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین در بارۂ پاک ہونے چرم اس

حیوان کے جو بقضائے اپنے فوت ہوا اور قوم چمار اس کا گوشت حرام اپنے تصرف میں لاتے اور چرم کو اس کے دباغت دے کر جفت پاپوش وغیرہ تیار کرتے ہیں جملہ مسلمانان اہلسنت و جماعت میں یہ امر رواج یافتہ ہے کہ بعد وضو کے پاؤں دھو کر اس میں رکھتے ہیں۔ اس صورت میں پاؤں اس کا اور لباس مصلی کا پاک رہا یا نجس ہوا۔ اور دباغت دادہ کافر چرم اصل مردار کیونکر پاک ہوا۔

الجواب۔ سوائے خنزیر کے کہ وہ نجس العین ہے اور سوائے انسان کے کہ وہ مکرم ومحترم ہے اور سب جانوروں کا چرم دباغت سے پاک ہو جاتا ہے اگرچہ وہ جانور مردار ہو۔

وکل اهاب دبغ فقد طهر وجازت الصلوة فيه والوضوء منه الاجلد الخنزير والادمی لقوله عليه السلام ايما اهاب دبغ فقد طهرهدايه جلد اول ص ٢٤ عن ميمونة قال اهدى لمولاة لناشاة من الصدقة فما تت فمربها النبی ﷺ فقال ألا دبغتم اهابها فاستمتعتم به فقالوا يارسوال الله ﷺ انها ميتة قال انما حرم اكلها ابوداؤد جلد ثانی ص٢١٣ اور بہت حدیثیں اس مضمون کی ہیں **من شاء فليرجع الی كتب الحديث** پس جب چرم مدبوغ پاک ہوا تو اس میں ڈالنے سے بھیگا پاؤں ناپاک نہیں ہوتا۔ (امداد ص۱ ج۱)

سوال (٨٦) شیر اور گرگ اور کتا وغیرہ جو جانور کہ مردار ہیں ان کی کھال اور استخوان اور چربی وغیرہ کو استعمال میں مسلمان لوگ لا سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر لا سکتے ہیں تو کس طریقہ سے؟

الجواب۔ مردار جانوروں کی کھال سوائے آدمی وخنزیر کے دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اس کا استعمال جائز ہے اور ہڈی اور پٹھ اور سینگ اور بال اور اون سب پاک ہیں۔ انتفاع ان سے جائز ہے اور چربی مردار کی ناپاک ہے اس کا کسی طرح استعمال نہ چاہیے۔

ولا بيع جلود الميتة قبل ان تدبغ ولا باس ببيعها والا نتفاع بها بعد الدباغ ولا باس ببيع عظام الميتة و عصبها وصو فها وقرنها و شعرها ووبرها والانتفاع بذلك كله ١٢ هدايه ج ١ ص ٢٧ وكذلك الزيت اذا وقع فيه ودك الميت فان كان الزيت غالباً جازبيعه وان كان الودك غالباً لم يجزوالمراد من الانتفاع حال غلبة الحلال الا نتفاع فی غير الابدان واما فی الابدان فلا يجوز الانتفاع به كذا فی المحيط ١٢ عالمگيری ج٣ ص ١٣١ .فقيل يا رسول الله ارأيت شحوم الميتته فانه يطلى بها السفن ويدهن بها الجلود ويستصبح

بها الناس فقال لا هو حرام ۱۲ ۔ابوداؤد ج ۲ ص ۷ ۱۳ فقط ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۱۰ھ (امداد ص ۱۵ ج ۱)

داد سے جو رطوبت نکلتی ہے اس کے پاک ناپاک ہونے کی تحقیق اور جس کپڑے پر یہ رطوبت لگی ہو اس سے نماز پڑھنے کا حکم

سوال (۸۷) داد کے کھجلانے سے جو پانی نکلتا ہے وہ ناپاک ہے یا نہیں پانی سے داغ پڑ جائیں تو نماز جائز ہوگی یا نہیں۔

الجواب۔ فی ردالمحتار عن المجتبی الدم والقیح والصدیدوماء الجرح والنفطة وماء البشرة والثدی والعین والاذن لعلة سوأ علی الاصح اس سے معلوم ہوا کہ یہ پانی ناقض ہے اور درمختار میں ہے۔ وکذا اکل ماخرج منه موجبا لوضوء او غسل مغلظ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ پانی نجس ہے اور نجس مغلظ اس لئے ان داغوں کا دھونا واجب ہے[1] ہے اور نجس مغلظ ایک درہم تک عفو ہے اس لئے وہ داغ اگر پھیلاؤ میں ایک روپیہ سے زائد نہ ہو نماز ہو جاوے گی۔ ۱۷ رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۰ ج ۱)

تر کپڑے کو کسی نجس زمین یا نجس کپڑے میں لپیٹنا

سوال (۸۸) اگر ایک کپڑا پاک کر کے نچوڑا اور وہ کپڑا تر پاک شدہ کسی ناپاک کپڑے یا بوریئے پر یا زمین پر رکھا جاوے تو وہ تر کپڑا پاک کیا ہوا ناپاک ہو گیا یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدرالمختار لف طاهر فی نجس مبتل بماء ان بحیث لو عصرقطر تنجس والا لاولولف فی مبتل بنحوبول ان ظهر نداوته اواثره تنجس والا لا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ ناپاک کپڑا بوریا وغیرہ اگر عین کسی نجاست سے ناپاک ہوا ہے تو اس کے اثر کے آ جانے سے یہ پاک کپڑا ناپاک ہو جاوے گا ورنہ نہیں۔ اور اگر وہ عین نجاست سے ناپاک نہیں ہوا بلکہ ناپاک پانی وغیرہ سے ناپاک ہوا تھا تو اگر یہ کپڑا نچوڑنے سے نچڑ سکتا ہے تو ناپاک ہو گیا ورنہ نہیں۔ ۲ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ٦ ج ۱)

---

(۱) یہ اس صورت میں ہے کہ زخم سے نکل کر پانی بہہ گیا اور وہ کپڑے کو لگ گیا اور اگر پانی، پیپ وغیرہ صرف زخم کے منہ پر رہی اور کپڑا اس کو بار بار لگتا رہا یہاں تک کہ کپڑے پر پھیل گیا یہ ناپاک نہیں نہ اس کا دھونا واجب ہے ۱۲ محمد شفیع

اصلاح از تصحیح الاغلاط

چونکہ سوال میں مبتل پاک ہے اور غیر مبتل نجس اور مقصود سائل یہ ہے کہ اگر مبتل طاہر غیر مبتل نجس پر رکھ دیا جاوے تو وہ پاک رہے گا یا ناپاک ہو جاوے گا اور جواب میں جو روایت فقہیہ نقل کی گئی ہے وہ اس کا عکس ہے یعنی مبتل نجس ہے اور غیر مبتل طاہر۔ پس روایت مذکورہ جواب میں نص نہ ہوگی۔ نیز عنوان جواب بظاہر سوال کے مطابق نہیں ہے۔ نیز جو کپڑا ناپاک پانی سے نجس ہو وہ نجس بخو بول میں داخل ہے مگر جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو نجس مبتل بالماء میں داخل کیا گیا ہے ان وجوہ سے تغیر عبارت ضروری معلوم ہوتی ہے اور تقریر جواب یوں ہونی چاہیے۔ اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر بوریا وغیرہ پانی سے بالکل تر نہیں ہوا تو کپڑا پاک ہے اور اگر تر ہو گیا ہے تو اگر اتنا تر ہو گیا ہے کہ اس سے کپڑے میں اتنی تری آ گئی ہے کہ وہ نچوڑ نے سے نچڑ سکتا ہے تب تو ناپاک ہے ورنہ پاک کیونکہ اس وقت بوریا وغیرہ نجس مبتل بالماء ہے جس کا حکم یہ ہے۔

بحيث ان عصر تنجس والا لا ۔ لیکن اس تقریر پر بھی یہ جواب مخدوش ہے کیونکہ شرح منیہ ص ۱۷۲ میں ہے۔ **وكذا (اى لا يتنجس) لو نشر الثوب المبلول الطاهر على مكان يابس نجس فابتل منه لكن لم يظهر عين النجاسة فى الثوب وكذا ان نام على فراش نجس فعرق وابتل الفراش من غيره فانه ان لم يصب بلل الفراش بعد ابتلا له بعرق جسده لا يتنجس جسده وكذا اذا غسل رجليه و مشى على لبدنجس فابتل اللبد لايتنجس رجله وكذا ان مشى على ارض نجسة بعد ماغسل رجليه فابتلت الارض من بلل رجليه واسودوجه الارض اى بالنسبة الى اللون الاول لكن لم يظهر اثرا لبلل المتصل بالارض فى رجليه لم يتنجس رجله وجازت صلوته بدون اعادة غسلها لعدم ظهور عين النجاسة فى جميع ذلك الخ.**

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی طاہر مبلول نجس یابس سے متصل ہو تو جب تک مبلول کی تری نجس سے مل کر نجس نہ ہو جاوے اور نجس ہو کر شے طاہر سے دوبارہ متعلق نہ ہو جاوے اس وقت تک شے طاہر نجس نہیں ہوتی اور جب ایسا ہو جاوے تو نجس ہو جاتی ہے خواہ بعد عصر متقاطر ہو یا نہ ہو اور جواب مذکور میں اشتراط تقاطر مذکور ہے اسلئے جواب مذکور صحیح نہ ہوگا۔ پس

روایت درمختار کو چھوڑ کر روایات شرح منیہ سے استدلال کرنا چاہیے اور تقریر جواب یہ ہونی چاہیے کہ اگر بوریا وغیرہ خشک ہیں جیسا کہ ظاہر سوال سے مفہوم ہوتا ہے تب یہ جواب ہے کہ اگر بوریا وغیرہ کپڑے سے تر نہیں ہوا تب تو پاک ہے اور اگر تر ہوگیا ہے تو اگر اتنا تر ہوگیا ہے کہ اس کی تری کپڑے میں نہیں لگی تب بھی پاک ہے اور اگر اتنا تر ہوگیا ہے کہ اس کی تری کپڑے میں لگ گئی ہے تب ناپاک ہے اور اگر بوریا وغیرہ بھی تر ہے تو بہرحال ناپاک ہے هذا ماعندی ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ہاتھی کی سونڈ سے جو پانی نکلے اس کا حکم

سوال (۸۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہاتھی پر جو لوگ سوار ہوتے ہیں تو ہاتھی چلتے میں گرمی کے سبب سے سونڈ کے ذریعہ سے پیٹ کا پانی نکال کر اپنے بدن پر چھڑکا کرتا ہے یہ اس کی عادت ہے آیا وہ پانی پاک ہے یا ناپاک ۔ کیونکہ سوار ہونے والوں کے کپڑوں پر کم وبیش ضرور پڑتا ہے ۔ فقط۔

الجواب ۔ ناپاک ہے ۔ **فی العالمگیریة ۔ لعاب الفیل نجس کلعاب الفهد والاسد اذا اصاب الثوب بخرطومه ینجسه کذا فی فتاویٰ قاضی خان اھ ص ۲۹ مطبع مصطفائی ۔ واللہ اعلم وعلمه اتم۔** ۷/رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد ج ۱ ص ۸)

مچھلی کا پتہ نجس ہے

سوال (۹۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ پتہ (زہرہ) مچھلی کا پاک ہے یا ناپاک ۔ پتہ کا حکم فقہ میں مثل پیشاب کے لکھا ہے مگر مچھلی کے پیشاب کے وجود ہی میں شبہ ہے اور اگر ہو بھی تو بوجہ جانور آبی کے غالباً ناپاک نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ مچھلی کا پتہ اگر پاک اجزاء میں شامل کر کے تیل نکالا جاوے تو بوجہ قلب ماہیت ودفع اجزاء نجسہ (مثل خاکستر عقرب وسرطان) جائز ہے یا نہیں۔

الجواب ۔ نمبر (۱) ۔ ناپاک ہے[1] **فی الدرالمختار کره تحریماً من الشاة سبع الحیاء والخصیة والغدة والمثانة والمرارة والدم المسفوح والذکر فی ردالمحتار**

(۱) اس مسئلہ کی مزید تحقیق اس کے بعد تتمۂ مسئلہ نمبر ۹۰ کے عنوان سے آرہی ہے اس کو دیکھا جائے ۱۲ محمد شفیع۔

ذکر الشاۃ اتفاقی لان الحکم لا یختلف فی غیرھا من الماکولات اھ۔

نمبر (۲)۔ جائز نہیں ہے یہ قلب ماہیت نہیں بلکہ ایک خاص ترکیب سے اس کے اجزاء کا لینا یا مرکب ہونے کے بعد مجموعہ نجس کا روغن لینا ہے بخلاف خاکستر کے کہ وہ بالکل ایک نئی چیز بعد استحالہ کے حادث ہوئی ہے اور یہ امر نہایت ظاہر ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ر رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۸ ج ۱)

(تتمۂ مسئلہ نمبر (۹۰) از تتمۂ اولیٰ ص ۳۳۱)

خلاصہ سوال (۱) از پاکی و ناپاکی زہرہ ماہی (۲) جواز روغن برآوردہ ازاں)

خلاصہ جواب۔ از ہردو سوال ناپاک۔

تسامح...... پاکی ناپاکی چیز دیگرست وحلت وحرمت امر دیگرست چنانچہ حیوان مائی المولد مثل سنگ پشت وضفدع پاک اند کہ اگر در آب ریزہ ریزہ گداختہ شوند آب ناپاک نگردد وضو جائز است مگر بسبب حرمت اوشان اکل وشرب حرام ست فلو تفتت فیہ نحو ضفدع جاز الوضوء بہ لا شربہ لحرمۃ لحمہ ۱۲ الدرالمختار ص ۱۹۱ پس بالتسلیم از ثبوت حرمت زہرہ ماہی ناپاکی آں ثابت نمی شود کما لایخفی اگر گفتہ شود کہ مراد سائل از پاکی ناپاکی حلت حرمت ست لہذا مولانا غرض او فہمیدہ جواب دادند می گویم برمفتی برآں محیط نیست خصوصاً در جواب مفتی صاحب نیز لفظ ناپاک گفتہ است اگر ایں چنیں بودے تعبیر بحرام یا مکروہ فرمودندے (تتمۂ اول ص ۳۳۱)

روئی کے پاک کرنے کا طریقہ

سوال (۹۱) شامی صفحہ ۲۲۱ جلد اول میں متنجس کی کئی قسمیں کی ہیں (۱) جس میں نجاست جذب نہیں ہوتی۔ (۲) کم جذب ہوتی ہے۔ (۳) بہت جذب ہوتی ہے قسم ثالث کی دو قسم ہیں (نمبر ۱) نچوڑنا ممکن ہے۔ (نمبر ۲) نچوڑنا ممکن نہیں اگر بہت جذب ہوتی ہو اور نچوڑنا ممکن نہ ہو تو محمدؒ کے نزدیک طہارت کا کوئی طریق نہیں اور ابو یوسفؒ کے نزدیک طاہر ہو جاتی ہے کہ تین بار دھو کر خشک کرے جیسے نئے گھڑے وغیرہ۔ سوال یہ ہے کہ روئی کس میں داخل ہے اور اس کی طہارت کا کیا طریق ہے اور یہ کہنا ممکن ہے کہ یہ نچوڑی نہیں جا سکتی اور جذب کثیر کرتی ہے۔

الجواب۔ روئی ظاہراً قسم ثالث سے معلوم ہوتی ہے بمنزلہ ثوب وغیرہ کے اور نچوڑ نا ممکن بھی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ ۱۲ر ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (امداد ص ۸ ج ۱)

ہاتھ ناپاک ہونے کی صورت میں مٹکے وغیرہ سے پانی نکالنے کی صورت

سوال (۹۲) بڑے برتن میں پانی موجود ہے لیکن اس میں سے نکالنے کی کوئی چیز نہیں ہے اور ہاتھ اس کا نجس ہے تو ایسی صورت میں کس طرح وضو کرے اور نماز پڑھے نماز کا وقت جاتا ہے آیا تیمم کرے اور نماز پڑھ لیوے یا کہ قضا کرے۔

الجواب۔ اگر دوسرا شخص موجود ہو اس سے کہہ کر پانی نکلوا کر ہاتھ دھو لے ورنہ اگر رومال اس میں ڈال کر باہر نکال کر جو پانی اس سے ٹپکے اس سے ایک ہاتھ دھو سکے تو اس طرح کرے یا اگر اس میں منہ جا سکے تو کلی لیکر اس سے ہاتھوں کو دھو لے۔ اگر یہ کچھ بھی ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھے اور اس کا اعادہ نہ کرے۔ في الدرالمختار ص ۲۱۲ ولو لم يمكنه الاعتراف بشيئي ويداه نجستان تيمم وصلى ولم يعد اور صورتیں ردالمحتار میں مذکور ہیں۔ ۱۷ محرم ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۹ ج ۱)

جو کپڑا چوتھائی سے زیادہ نجس ہو اس میں نماز کا حکم

سوال (۹۳) اگر کسی کا کپڑا نجس چوتھائی سے زیادہ ہے اور پانی وغیرہ نہیں پاتا کہ دھووے ایسی صورت میں نماز جائز ہے اگر جائز ہے تو اعادہ نماز کا بعد کو کرے کہ نہ کرے۔

الجواب۔ اگر اس کے پاس اور کوئی طاہر نہیں ہے تو اسی میں نماز پڑھے اور اعادہ نہ کرے۔ في الدرالمختار شروط الصلوة ولو كان ربعه (۱) طاهرا صلى فيه حتما اذالربع كالكل اھ　۱۷ محرم ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۹ ج ۱)

---

(۱) هذا الجواب مبنى على ماهو الظاهر من السؤال من كون النجس من الثوب اقل من النصف ووجه الا ستدلال ان الطاهر منه على هذا التقدير اكثر من الربع لامحالة فتجب فيه الصلوة بالاولى وان كان المراد بكون النجس اكثر من الربع اعم فالجواب انه ان كان الطاهر منه بقدر الربع فتجب فيه الصلوة حتما والا فان كان اقل من ربعه طاهرا ندب الصلوة فيه وان كان الكل نجسا فان كانت نجاسة عارضة بنحو بول وغيره ندب صلوته فيه ايضاً وان كانت اصلية يصلى عريانا حتما كما يظهر من الدرالمختار والشامى ۱۲

(نوٹ) یہ تغیر تصحیح الاغلاط ص ۳ سے کیا گیا ہے۔

ولایتی رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے کا حکم

سوال (۹۴) فقہاء نے اشیاءنجس کو بہت جگہ استہلاک کی وجہ سے طاہر سمجھا ہے جیسے صابون اور کہگل میں اگر بھوسہ سڑ گیا ہو اور گوبری حتیٰ کہ درمختار میں تو یہاں تک لکھدیا ہے کہ پانی اور مٹی میں جو چیز طاہر ہوگی مرکب اسی کے تابع ہوگا۔ اگرچہ صاحب فتح نے اس کے خلاف کو ترجیح دی ہے لیکن بہرحال مسئلہ قابل گنجائش ہے۔ پس آجکل ولایتی رنگوں میں کہ علی الاغلب اسپرٹ شامل ہوتا ہے اگر گنجائش نکالی جائے تو کیسا ہے؟ گوبری سے بڑھ کر اس کی حالت نہیں اور عموم بلوے اس کو مقتضی ہے کہ ولایتی کپڑے جس قدر آتے ہیں سب انہی رنگوں میں رنگے ہوتے ہیں سب کا دھوکر استعمال کرنا علی الخصوص جاڑے کی پکی چھینٹوں کا استعمال مشکل ہے خصوصاً امام صاحبؒ کے مذہب پر گنجائش بھی ہے کیونکہ اسپرٹ خمر عنبی سے نہیں بنائی جاتی ہے اور امام محمدؒ کا مذہب اگرچہ مفتی بہ ہے لیکن اس وجہ سے اس پر فتویٰ دیا گیا ہے کہ لوگ پرہیز کریں اسلیئے شرباً تو یہ صحیح ہے اور استعمالاً محل بحث ہے۔ احادیث سے بھی حرمت ثابت ہے نہ کہ نجاست باقی عموم بلوے کی یہ حالت ہے کہ پرہیز مشکل ہے حتیٰ کی چمڑہ جو جلدوں میں لگایا جاتا ہے کہ قرآن مجید تک اس سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

الجواب۔ فقہا کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ انقلاب حقیقت مطہر ہے لیکن انقلاب وصف مطہر نہیں ردالمحتار ج ۱ ص ۳۲۵ سو اس کو انقلاب حقیقت کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ **بل هو كالدبس لانه عصير جمد بالطبخ ردالمحتار** ص مذکور اور اُن کے صفحہ ۳۳۵ میں ہے۔ **مایستقطر من دردی الخمر وهوالمسمى بالعرقى فى ولاية الروم نجس حرام كسائر اصناف الخمر اھ** پس اسپریٹ کا حال تو اس سے معلوم ہوا۔ اب رہا مرکب سو درمختار کے اس جزئیہ میں تو بہت کلام ہے اور صحیح نجاست ہی ہے۔ رہی ضرورت سو جب ہے کہ تحرز نہ ہو سکے اور یہ مفقود ہے ردالمحتار ص ۳۳۴ میں ہے **لو اصابه بلا قصد الخ** یا کوئی ضروری شیئے بدوں اس کے نہ بن سکے ردالمحتار ص ۳۶۱ میں ہے **بخلاف السرقين اذا جعل فى الطين للتطيين لاينجس لان فيه ضرورة لا نه لايتهيأ الابه حلية البتہ** یہ بات کہ یہ اشربہ منہیہ سے نہیں بنتی محل گنجائش ہے اگر ثابت ہو جاوے تحقیق کیا جاوے۔

یکم ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امدادالفتاویٰ ص ۱۰ ج ۱)

سوال متعلق جواب مذکور (۹۵) اسپرٹ کی نسبت ڈاکٹروں اور ڈاکٹری کتابوں سے

جہاں تک تحقیق ہوا یہی ہے کہ گڑ یا جو کی شراب سے بنائی جاتی ہے۔ نیز اس میں عموم بلوے گوبری سے بدرجہا زائد ہے ادنیٰ امر یہ ہے کہ ہر تعلیم یافتہ کی جیب میں کچھ نہ کچھ کاغذ وخطوط ہوتے ہیں جو عموماً انگریزی روشنائی سے لکھے ہوتے ہیں اور ڈاک خانہ شہر کا نام لکھتا ہے وہ تو عموماً انگریزی روشنائی ہوتی ہے بلکہ دیسی روشنائی بھی ولایتی کاجل سے تیار کی جاتی ہے جس کا حال مثل دیگر رنگوں کے ہے کتابیں جو پریس میں چھپتی ہیں اب عموماً ولایتی روشنائی سے چھاپی جاتی ہیں اور اب جہاں تک علم ہے کوئی مطبع والا دیسی روشنائی سے کتاب نہیں چھاپتا۔ ان تمام سے احتیاط نہایت ہی دشوار ہے یوں تو گوبری سے بھی احتیاط ممکن ہے۔ مکان میں پختہ پلاستر یا کچا کرا کے اس کی طرف برابر توجہ رکھنا ممکن ہے گوبری کا فائدہ صرف یہ ہے کہ کہگل کے بعد شقاق کو روکتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس شقاق میں مٹی بھردی جاوے اس کی نسبت درمختار میں ہے **لانہ لا یتھیأ الا بہ** اور ظاہر ہے کہ آجکل رنگ بغیر ولایتی پڑیا کے متعسّر ہیں غرض کہ ابتلاء گوبری سے بدرجہا زائد ہے اور ضرورت اس سے کسی طرح کم نہیں نجس بھوسہ کی نسبت فقہا نے تصریح کردی ہے کہ جب سڑ کر کہگل میں مل جاوے تو انقلاب حقیقت سمجھا جاوے گا اس سے بھی اس کی حالت کم نہیں ہے اس پر اگر نظر کی جاوے ممکن ہے۔ غرضکہ ہر صورت میں اس کی نسبت آسانی معلوم ہوتی ہے۔

الجواب۔ انقلاب حقیقت تو اب تک میرے جی کو نہیں لگا البتہ ضرورت وعموم بلوائے واقعی معلوم ہوتا ہے اور اشربۂ منہیہ سے نہ بننے کا محل گنجائش ہونا یہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امداد ص ۱۱ ج ۱)

ناپاک رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے کا حکم

سوال (۹۶) نیل میں اگر پلید جامہ کو غوطہ دیا جاوے اس کے بعد پاک جامہ کو غوطہ دیا جاوے وہ پاک کس طرح ہوسکتا ہے فقط تین بار دھونے سے یا زیادہ۔

الجواب۔ اتنا دھوئے کہ پانی غیر رنگین نکلنے لگے۔ (تتمۂ خامسہ ص ۲۴۷)

دودھ، گھی کے پاک کرنے کا طریقہ

سوال (۹۷) ترکیب الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ دودھ یا روغن اگر ناپاک ہوجاوے تو اس میں تین حصے پانی ملا کر آگ پر پکانا شروع کرے جب سب پانی جل جاوے صرف دودھ وروغن رہ جاوے تو پاک ہوگیا درست ہے اس کو استعمال کرے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار و یطهر لبن و عسل ودبس ودهن یغلی ثلاثا وفی ردالمحتار عن الدرولو تنجس العسل فتطهیر ان یصب فیه ماء بقدره فیغلی حتی یعود الی مکانه و الدهن یصب علیه الماء فیغلی فیعلوا الدهن الماء فیرفع بشیئی هکذا ثلث مرات اھ و هذا عند ابی یوسف خلافا لمحمد وهو اوسع وعلیه الفتوی ج ۱ ص ۳۴۵ روایت ہذا سے معلوم ہوا کہ اس طریق سے پاک ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۷ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۳ ج ۱)

ایک شخص کا پاک کیا ہوا کپڑا دوسرا شخص استعمال کرسکتا ہے

سوال (۹۸) کپڑے نجس کی طہارت کے لئے فقہاء نے نچوڑنا اس قدر شرط لکھا ہے کہ طاقت اس سے زائد کی نہ ہوحتیٰ کی اس سے زائد طاقت والے کے لئے طاہر نہ ہوگا۔ یہ مسئلہ بہت مشکل ہے لازم آتا ہے کہ ایک کے دھوئے ہوئے کپڑے سے دوسرا نماز نہ پڑھ سکے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار و یطهر محل غیرهاأی غیر مرئیة بغلبة ظن غاسل لو مکلفاً والا فمستعمل طهارة محلها الی قوله طهر بالنسبة الیه دون ذلك الغیر فی ردالمحتار لان کل احد مکلف بقدرته ووسعه ولا یکلف ان یطلب من هوا قوی لیعصر ثوبه.

مجموعہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اگر مستعمل کو غلبۂ ظن زوال نجاست ہو تو اس کے حق میں بھی پاک ہے اور اگر نہ ہو مگر غاسل نے اپنی قوت پوری خرچ کی تھی تو غاسل کے حق میں پاک ہے مستعمل کے حق (۱) میں پاک نہیں ہے اور چونکہ یہ صورت قلیل ہے لہٰذا کوئی مشکل لازم نہیں آتی واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۶ رجب ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۴ ج ۱)

---

(۱) ردمختار کی پوری عبارت یہ ہے لان کل احد مکلف بقدرته ووسعه ولا یکلف ان یطلب من هواقوی لیعصر ثوبه شرح المنیه قال فی البحر خصوصاً علی قول ابی حنفیة ان قدرة الغیر غیر معتبرة وعلیه الفتوی اھ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ قدرت غیر کا اصلا اعتبار نہیں۔ نہ غاسل کے حق میں اور نہ مستعمل کے حق میں کما یدل علیه قوله خصوصاً اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مفتی بہ قول امام ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ جب کوئی غاسل مکلف اپنی پوری قوت سے نچوڑ دے گا تو وہ علی الاطلاق پاک ہوجاوے گا۔ واللہ اعلم۔ (تصحیح الاغلاط ص ۵)

کتے کے جھوٹے برتن کے پاک کرنے طریقہ

سوال (۹۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین ومفتیان شرع مبین کہ جھوٹا برتن کتے کا تین مرتبہ دھوڈالنے سے پاک ہوجاتا ہے۔ بموجب کتب فقہ کے چنانچہ ایک سند اس کی یہ بھی ہے کہ ابن عدی نے کامل میں ابوہریرہؓ سے مرفوع روایت کی ہے کہ جس وقت کتا کسی کے برتن میں منھ ڈالدے پس چاہیے کہ اس کو خالی کرے اور تین بار دھوڈالے پس مطلب سائل یہ ہے کہ ظروف دھات ومس و چاندی وغیرہ ظروف گلی وظروف لکڑی وظروف چینی یہ سب اقسام کے برتن تین مرتبہ دھوڈالنے میں داخل ہیں اور پاک ہوجاتے ہیں یا نہیں یا کچھ فرق وتفصیل ان میں ہے۔ بینوا توجروا

الجواب۔ جس برتن میں نجاست جذب نہ ہووہ تو صرف تین بار دھونے سے پاک ہوجاتا ہے اور جس میں جذب ہوتا ہو جیسا مٹی کا نیا برتن اور مانند اس کے وہ بقول مفتیٰ بہ تین بار دھونے اور ہر بار خشک کرنے سے پاک ہوجاتا ہے۔ اور خشک کرنے سے مراد یہ ہے کہ پانی ٹپکنا موقوف ہوجاوے۔ وقدر بتثليث جفاف اى انقطاع تقاطرفي غيره اى غير منعصر مما يتشرب النجاسة والا بقلعها درمختار وان علم شربه كالخذف الجديد والجلد المدبوغ بدهن نجس والحنطة المنتفخة بالنجس فعند محمد لا يطهرابداً وعند ابى يوسف ينقطع فى الماء ثلثا ويجفف كل مرة والاوّل اقيس والثانى اوسع اهـ وبه يفتى درر ۱۲ شامى جلد اول ص ۲۲۱ والله اعلم

۲۴ رشوال ۱۳۰۴ھ (امدادالفتاویٰ ص ۱۵ ج ۱)

روئی دار کپڑے کے پاک کرنے کا طریقہ اور چھوٹے بچوں کے پیشاب کا حکم

سوال (۱۰۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ گدے ورضائی میں نجاست غلیظ پڑ جاوے تو روئی نکال کر پاک کرنا شرط ہے یا کیا اور صبی وصبیہ کے پیشاب میں مابین مدت رضاعت طہارت مثل پیشاب بالغین کے کرنا چاہیے یا کچھ فرق ہے۔

الجواب۔ روئی نکالنا شرط نہیں بلکہ مع روئی تین بار دھوڈالنا کافی ہے اور نچوڑنا کچھ ضرور نہیں اگر دشوار ہو بلکہ تین بار پانی بہادینا اور ہر بار تقاطر موقوف ہوجانا کافی ہے اور اگر نچوڑنا دشوار نہ ہوتو تینوں بار نچوڑنا چاہیے۔

وقدر بغسل و عصر ثلاثاً فیما ینعصر و بتثلیث جفاف ای انقطاع تقاطر فی غیرہ ای غیر منعصر درمختار قولہ ای غیر منعصر ای بان تعذر عصرہ کالخزف اولعسر کالبساط افادہ فی شرح المنیۃ ردالمحتار ۔ جوابِ سوال ثانی۔
صبیہ اور صبی کا پیشاب نجاست غلیظ ہے اگر چہ دودھ پیتا ہو۔(وبول غیرماکول ولو من صغیر لم یطعم درمختار)اور احادیث نضح بول غلام کے محمول ہیں ترک تکلیف شدید نہ طہارت پر یا نجاست خفیفہ پر کمانی محلّہ واللہ اعلم　(امداد ص۱۶)

غیر ماکول اللحم کے دودھ کا حکم

سوال (۱۰۲) جانور غیر ماکول اللحم کا دودھ نجس یا نجاست غلیظہ ہے یا پاک ہے ۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ بجز خنزیر کے اور سب جانوروں کا دودھ پاک ہے گو حلال نہ ہو پس حرام جانور کا دودھ پینا حلال نہ ہوگا۔(کذا فی الدر المختار قبیل فصل البیر)۔
فقط ۵ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ　(تتمۂ اولیٰ ص ۳)

از ترجیح الراجح حصہ چہارم ص (۷۹)

(تتمۂ اولیٰ ص ۳) بجز خنزیر کے سب جانورں کا دودھ پاک ہے الخ اگر چہ مسئلہ مختلف فیہ است مگر ترجیح صریح بقول ناپاک است۔
ولبن المیتۃ وانفحتھا عند ابی حنیفۃؒ وقالا نجسۃ وھو الاظھر الخ۔ ۱۲ نفع المفتی از مواھب الرحمن جزئیات مذہب برناپاکی صریح اند۔ لبن الاتان نجس فی ظاھر الروایۃ۱۲ نفع۔ بیض مالا یوکل لحمہ اذا انکسر علی ثوب انسان فقیل نجس اعتبارا للحم مالا یوکل لبنہ۱۲ نفع ۔(ترجیح صاحب الدرالمختار ماخوذ از تقدم ملتقی غیر صریح است وقول شامی) وانہ لا خلاف فی اللبن الخ (غیرمسلم)۔ قال فی التحریر المختار حاشیۃ شامی قولہ وانہ لاخلاف فی اللبن الخ۔ نص علی الخلاف فی البحر فی اللبن کالانفحۃ ۱۲ خصوصاً در پاکی وناپاکی احتیاط درحکم ناپاکی ست۔

از ترجیح خامس ص ۱۵۰ درتحقیق طہارت ونجاست حیوانات غیر ماکول اللحم

سوال (۱۰۲) تتمۂ ثانیہ امدادالفتاویٰ ص ۳ پر یہ لکھا ہے کہ بجز خنزیر کے اور سب

جانوروں کا دودھ پاک ہے۔ اور اس مضمون کو درمختار سے نقل فرمایا ہے درمختار کی عبارت میں اس مضمون کی تصریح نہیں ہے گوموہم اس معنی کوضرور ہے لیکن مراقی الفلاح کی عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ غیر ماکول اللحم جانوروں کا دودھ نجس ہے۔ چنانچہ ص۱۹ مراقی مع طحطاوی پر ہے **لتولد لعابها من لحمها وهو نجس كلبنها** اس لئے خدمت عالی میں گزارش ہے کہ غیر ماکول اللحم جانوروں کا دودھ نجس ہے یا نہیں۔

الجواب۔صریح مقدم ہے ضمنی پر لہٰذا نجاست کو ترجیح ہوگی۔　۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۳ھ

مرداراور حرام جانور کو تیل میں جلانے سے تیل ناپاک ہوگا یا نہیں؟

سوال (۱۰۳)　کسی تیل میں ایک مردار جانور مثلاً چوہا، چھچھوندر، نیولا وغیرہ جلا کر خاک کر دیا گیا ہے تو اس تیل کی بیع وشراء خرید وفروخت کرنی اور اس کی مالش کر کے اس سے بغیر دھوئے نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ **في الدرالمختار و نجيز بيع الدهن المتنجس والا نتفاع به في غير الاكل بخلاف الودك في ردالمحتار قوله في غير الاكل كالا ستصباح والدباغة و غيرهما ابن ملك ج ٤ ص ١٨٦۔**

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس تیل کی خرید وفروخت درست ہے اور بضرورت مالش بھی درست ہے مگر بغیر دھوئے نماز درست نہیں۔　۲۷ر رجب ۱۳۲۷ھ　(تتمۂ اولیٰ امدادالفتاویٰ ص ۳)

(از ترجیح الراجح حصہ رابع ص ۹۷

تتمۂ جلد اص ۳۰ عنوان مسئلہ مردارحرام جانور کے تیل میں جلانے سے تیل ناپاک نہیں ہوتا ۱۲

الصواب۔ ہوتا ہے چنانچہ درص ۶ مصرح است

گرگٹ خون والے کوتیل میں جلانے سے اس تیل کا حکم

سوال (۱۰۴) ایک گرگٹ خون والا مع آنت وغیرہ کے تیل کنجد میں خوب جلا کر کوئلہ کر لیا جاوے تو وہ تیل پاک ہے یا نہیں۔

الجواب۔نہیں۔　(تتمۂ اولیٰ ص ۶)

حلال جانور کے جلے ہوئے تیل کا حکم

سوال (۱۰۵) جو جانور حلال ہو اس کو مع آنت وغیرہ کے اگر ایسا کرے تو تیل پاک رہے گا یا نہیں؟

الجواب۔ نہیں۔ (تتمۂ اولیٰ ص ٦)

حکم رطوبت فرج

سوال (۱۰٦) اکثر عورات کو رحم سے سفید رطوبت ہمیشہ جاری رہتی ہے کیا وہ پاک ہے یا ناپاک اور نماز بحالت اخراج جائز ہے یا نہ بحالت اخراج وضو ساقط تو نہیں ہو جاتی ہے۔

الجواب۔ یہاں تین موقع ہیں اور ہر جگہ کی رطوبت کا حکم جدا۔ ایک موقع فرج خارج کا ہے اس کی رطوبت درحقیقت پسینہ ہے اور وہ ظاہر ہے اور ایک موقع فرج داخل کا باطن یعنی اس سے آگے ہے یعنی رحم اس کی رطوبت مذی یا مثل مذی ہے اور وہ نجس ہے اور ایک موقع فرج داخل اس کی رطوبت میں تردد ہے کہ وہ پسینہ ہے یا مذی اس لئے اس کی نجاست میں اختلاف ہے اور احتیاط اس کے نجس کہنے میں ہے۔

وان كان الاقوى دليلا هو الطهارة لان هذا المحل ليس بمعدن للنجاسة ولا الرطوبة هذامن الرحم وانما هى ابخرة محتبسة صارت ماء بالاحتقان فهى كالعرق و من ثم ابيح الوطى فى هذا المحل والالم يبح لكونه موضع الاذى كحالة الحيض۔

پس رطوبت مذکورۂ سوال قسم دوم ہے اور اسلئے نجس ہے البتہ اگر محقق ہو جاوے کہ قسم اول ہے تو طاہر ہے یا قسم سوم ہے تو احتیاطاً نجس ہے اور جو نجس ہے ناقض وضو ہے البتہ اگر ہر وقت جاری رہے اس کا حکم معذور کا سا ہے۔

فى الدرالمختار برطوبة الفرج فيكون مفرعاً على قولهما بنجاستها اماعنده فهى طاهرة كسائر رطوبة البدن جوهره فى ردالمحتار قوله برطوبة الفرج الخارج فطاهرة اتفاقاً اه وفى منهاج الإمام النووى رطوبة الفرج ليس بنجسة فى الأصح قال ابن حجرة فى شرحه وهى ماء ابيض مترددبين الأبيض والعرق يخرج من باطن الفرج الذى لا يجب غسله بخلاف مايخرج مما يجب غسله

فانه طاهر قطعاً ومن وراء باطن الفرج فانه نجس قطعاً لكل خارج من الباطن كالماء الخارج فی الولد اوقبيله اهـ ج۱ ص ۳۲۲ وما قالوا من طهارة رطوبة الولد الخارج من الرحم فالمراد ماعلى بدنه وهو كالدم الذی على اللحم مع ان الدم السائل نجس فكذلك رطوبة الرحم نجسة ورطوبة الولد طاهرة فافهم۔ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۳)

سوال (۱۰۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ عورتوں کے رحم سے جو رطوبت رستی ہے وہ ناقص وضو ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدرالمختار ای برطوبة الفرج فيكون مفرعا على قولهما بنجاستها اما عنده فهی طاهرة كسائر رطوبات البدن جوهره فی ردالمحتار قوله برطوبة الفرج ای الداخل بدليل قوله اولج واما رطوبة الفرج الخارج فطاهرة اتفاقاً اهـ وفی منهاج الإمام النووی رطوبة الفرج ليست بنجسة فی الأصح قال ابن حجر فی شرحه وهی ماء ابيض متردد بين المذی والعرق يخرج من باطن الفرج الذی لايجب غسله بخلاف مايخرج مما يجب غسله فانه طاهر قطعاومن وراء باطن الفرج فانه نجس قطعاككل خارج من الباطن كالماء الخارج مع الوالداو قبيله اهـ ج۱ ص ۳۲۲.

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہاں تین موقع ہیں۔

نمبر (۱) فرج خارج جس کا دھونا غسل میں فرض ہے اس کی رطوبت پاک ہو۔

نمبر (۲) فرج داخل جس کا دھونا غسل میں فرض نہیں ہے اس کی رطوبت میں اختلاف ہے اور احتیاط نجاست میں ہے۔

نمبر (۳) نہ فرج داخل نہ فرج خارج بلکہ فرج داخل سے بھی متجاوز اس کی رطوبت نجس ہے۔
۱۶ ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹۴)

سوال (۱۰۸) بعض عورتوں کو جو سفیدی اکثر وقت آتی رہتی ہے۔ یہ پاک ہے یا ناپاک اور اس سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔فی الدرالمختار رطوبة الفرج طاهرة خلافاً لهما فی ردالمحتار تحت قوله رطوبة الفرج طاهرة مانصه ولذا نقل فی التاترخانية ان رطوبة

الولد عند الولادة طاهرة وكذا السخلة اذا خرجت من امها وكذا البيضة فلا يتنجس بها الثوب ولا الماء اذا وقعت فيه لكن يكره التوضى به للاختلاف وكذا الانفحة هو المختار الخ ج۱ ص ۳٦۱).

اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن امام صاحب کا مذہب ہونے کے سبب بھی اور اس زمانہ میں ضرورت ہونے کے سبب بھی ترجیح اسی کو ہے کہ وہ پاک ہے اور اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ ۱۶ر شوال ۲۴ھ (تتمۂ رابعہ ص ۵۷)

(از ترجیح خامس ص ۳۰ در تحقیق و تفصیل رطوبت فرج)

امدادالفتاویٰ حصہ ۴ کے مسئلہ مرقومہ تاریخ ۱۶ر شوال ۱۳۲۴ھ میں جو کہ رسالہ الامداد بابت محرم ۱۳۳۵ھ میں شائع ہوا ایک جواب طہارت رطوبت فرج کے متعلق لکھا گیا ہے اس پر ایک دوست صاحب علم کا خط ذیل آیا ایک دوسرا مسئلہ جس میں جمہور کی ظاہراً مخالفت لازم آتی ہے اس پر غور کر کے اشاعت اصلاح ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس پرچہء مذکورہ کے صفحہ (۳۴) میں جو سوال سفیدی خارج از فرج کا ہے اس سے مراد وہ سفیدی ہے جو مرض سیلان الرحم میں خارج ہوتی ہے جیسا کہ مردوں کو مرض جریان میں ہوتا ہے جسے اصطلاح اطباء وفقہاء میں ودی کہتے ہیں یہ بالاتفاق نجس اور وضو شکن ہے اور درمختار کی جو عبارت آپ نے اس مسئلہ کے جواب میں نقل فرمائی ہے (ص ۳۵) پر اس میں وہ رطوبت مراد ہے جو فرج پر ہر وقت موجود رہتی ہے جیسے کہ انسان کے لب پر اور اسی طرح سخلہ وجلد ولد پر جو رطوبت موجود رہتی ہے وہ پاک ہے۔ فتغایرا۔

جواب اس کا یہاں سے لکھا گیا

في شرح الأسباب والعلامات بحث سيلان الرحم انه قد يعرض النساء ان يسيل من ارحامهن دائماً رطوبات وربما عرض لهن سيلان المنى كما يعرض للرجال وتلك الرطوبات اما يكون تولدها فى الرحم نفسه اذا ضعف القوة الغاذية التى فيها واما فضول تصل اليها من جميع البدن على جهة الاستفراغ والتنقية و فيه ويستدل على المنى بلونه فى البياض وقوامه فى يسير الغلظ وعدم العفونة الى قوله فلذلك يكون (اى المنى السائل) خاليا من العفونة بخلاف الرطوبات الفضلية التى تصرفت فيها الحرارة الغريبة الى

قوله واما سيلان المنى فقد ذكرا اقاسه وفيه قبل ذلك فى تعريف الودى وهو رطوبة لزجة تسيل فى مجرى البول عند ارادته (اى البول) الى قوله وهى اذا كثرت غلظت وسالت بعد البول ايضاً وفيه اما سيلان المنى وخروجه من غير ارادة اى من غير مزاولة جماع فيكون اما لكثرة المنى لقلة الجماع وكثرة تناول مولدات المنى واما لحدة المنى وحراقته واماالاسترخاء اوعية المنى وبرد مزاجها وضعف قوتها الماسكة واما لتشنج و تمددٍ يعرض لعضل اوعية المنى واما لضعف الكلية و ذربان شحمها فى شدة الشهوة اوكثرة الجماع واماالفكر فى الجماع اوسماع من حديثه اهـ ملخصاً وفى ردالمحتار على قول الدرالمختاران رطوبة الفرج طاهرة عنده اهـ مانصه اى الداخل اما الخارج فرطوبته طاهرة باتفاق الى قوله فرطوبته كرطوبة الفم والانف والعرق الخارج من البدن ص ۱۷۲ ج ۱

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

نمبر(۱) جو رطوبت اکثر اوقات رحم سے سائل ہوتی ہے جس کو اصل سائل نے پوچھا ہے چنانچہ سوال میں اکثر کا لفظ مصرح ہے وہ ودی نہیں ہے جیسا کہ ودی کی تعریف مذکور فی العبارۃ الطبیۃ المذکورہ سے معلوم ہوئی ہے۔

نمبر(۲) وہ رطوبت منی بھی نہیں ہے کہ سیلان منی ایسے اسباب سے ہے جو گاہ گاہ عارض ہوتے ہیں چنانچہ اس کے اسباب مذکورہ فی العبارۃ الطبیۃ المذکورۃ سے معلوم ہوا اور اس رطوبت مسئولہ کا سیلان اکثر ہوتا ہے۔

نمبر(۳) پس جب نہ وہ ودی ہے نہ منی اور ہے رطوبت سائلہ پس یہ وہ ہے جس کو اس عبارت میں ذکر کیا گیا ہے قد يعرض للنساء ان يسيل من ارحامهن دائماً رطوبات اور دائما سے مراد وہی ہے جس کو اصل سائل نے بعنوان اکثر تعبیر کیا ہے چنانچہ ظاہر ہے اور یہ رطوبت وہ بھی نہیں ہے جس کو سائل ثانی نے انسان کے لب سے تشبیہ دی ہے کیونکہ یہ تو بالاتفاق طاہر ہے چنانچہ عبارۃ فقہیہ مذکورہ میں مصرح ہے تو اس کو محل اختلاف کیسے کہہ سکتے ہیں پس یہ نہ جب ودی ہے جیسا سائل متاخر کو شبہ ہوا اور نہ منی ہے اور مذی کا نہ ہونا ظاہر ہے تو اس کے نجس ہونے کے لئے ودی و منی کا نجس ہونا تو کافی ہے نہیں کوئی دوسری دلیل مستقل چاہیے اور نہ وہ

رطوبت ہے جو رطوبت فم کے حکم میں ہے جو کہ بالاتفاق طاہر ہے پس اسی رطوبت مغائرہ للودی والمنی والمذی والتشبیہۃ باللعاب میں امام صاحب وصاحبین مختلف ہیں اور بوجہ ابتلاء کے اصل جواب ، میں قول بالطہارۃ پرفتویٰ دیا گیا جس پر سائل ثانی نے اس کے ودی ہونے کی بناء پر شبہ کیا پس جب تقریر بالا میں اس بناء کا منہدم ہونا ثابت ہوگیا تو شبہ کا منعدم ہونا بھی ظاہر ہوگیا۔

(تنبیہ) اصل جواب کے وقت بوجہ طب نہ جاننے کے احقر کا ذہن اس تفصیل سے خالی تھا بعد ورود سوال ثانی کے تردد ہوا تو ایک مہمان دوست کے پتہ دینے پر شرح اسباب کی طرف رجوع کیا تو یہ تحقیق بالا ذہن میں آئی چونکہ عدم مہارت طب کا نقص اب بھی مجھ میں باقی ہے دوسرے علماء سے جواب پر نظر کرالی جاوے جو صحیح جواب معلوم ہو اس پر عمل کیا جاوے۔

۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

از ترجیح خامس ص ۸۸ درتحقیق انتقاض وضو برطوبۃ فرج برتقدیر طہارت او

ایک لفافہ آیا جس میں میرے ایک جواب کی نقل اور دوسرا جواب اس کے خلاف مرقوم تھا وہ ذیل میں ہے۔

سوال۔ بعض عورتوں کو جو سفیدی اکثر وقت آتی رہتی ہے یہ پاک ہے یا ناپاک ہے اور اس سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدرالمختار رطوبة الفرج طاهرة خلافاً لهما فی ردالمحتار تحت قوله رطوبة الفرج طاهرة مانصه ولذا نقل فی التاترخانية ان رطوبة الولدعند الولاد طاهرة وكذا السخلة اذا خرجت من امها وكذا البيضة فلا ينجس لها الثوب ولا الماء اذا وقعت فيه لكن يكره التوضى به للاختلاف وكذا الانفحة هو المختار الخ ج۱ ص ۳۶۱۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن امام صاحب کا مذہب ہونے کے سبب بھی اور اس زمانہ میں ضرورت ہونے کے سبب بھی ترجیح اسی کو ہے کہ وہ پاک ہے اور اس سے وضو بھی نہیں ٹوٹتا۔

سوال۔ ماقولكم دام فضلكم فی رطوبة الفرج الداخل هل هی طاهرة ام لا وعلى الاول فلوخرجت من الداخل هل ينتقض بها الوضوء ام لا۔

الجواب۔ رطوبة الفرج الداخل طاهرة عندالإمام لكن ينتقض بها الوضوء لو خرجت منه فى الوقاية وناقضه اى الوضوء ماخرج من السبيلين او من غيره ان كان نجسا فى شرح الوقاية قوله ان كان نجسا متعلق بقوله او من غيره فى عمدة الرعاية لا بقوله ماخرج من السبيلين فان الخارج من السبيلين ناقض من غيرتقييد و فى البحرالرائق شرح كنزالدقائق تحت قوله لاخروج دودة من جرح بعد كلام ان الدودة حيوان وهو طاهر فى الاصل والشيئى الطاهر اذا خرج من السبيلين نقض الوضوء كالريح بخلاف غير السبيلين كالدمع والعرق وفى منية المصلى وشرحه الكبيرى ان كانت اى المرأة احتشت اى الكرسف فى الفرج الخارج فابتل داخل الحشوانتقض وضوء ها سواء نقد البلل الى خارج الحشو اولم ينفذ للتيقن بالخروج من الفرج الداخل وهو المعتبر فى الانتقاض لان الفرج الخارج بمنزلة القلفة فكما ينتقض بما يخرج من قصبة الذكر الى القلفه كذلك بما يخرج من الفرج الداخل الى الفرج الخارج وان لم يخرج من الخارج واما اذا احتشت فى الفرج الداخل فح ان نفذ البلل الى خارجه اى الحشوانتقض الوضوء والا اى وان لم ينفذ الى خارج فلا ينتقض كما فى حشوالإحليل الخ ومن هٰهنا وضح الجواب والله تعالى اعلم بالصواب۔

یہاں مولوی حبیب احمد صاحب نے میرے استفسار پر اس کا یہ جواب لکھا

جناب والا کا فتویٰ عدم انتقاض رطوبۃ الفرج برتقدیر طہارت رطوبۃ مذکورہ بالکل صحیح ہے اور مولوی محمد امین صاحب کا جواب صحیح نہیں ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس طرح خروج من غیر السبیلین کی صورت میں انتقاض طہارت کے لئے نجاست خارج ضروری ہے یوں ہی خروج من السبیلین کی صورت میں بھی ضروری ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ریح قبل غیر مفضاۃ کے غیر ناقض ہونے کے متعلق شرح منیہ میں لکھا ہے۔

الذى عول عليه قاضى خان وغيره ان الخلاف انما هو فى الخارجة من قبل المفضاة ولاخلاف فى عدم النقض فى غيرها لانها غير منبعثة عن محل

النجاسة كذا فى الهداية وهو يشير الى ان الريح نفسها ليست بنجسة وانما ينجس لمرورها على محل النجاسة۔ اس سے معلوم ہوا کہ خارج من السبیلین کے لئے بھی نجس ہونا ضروری ہے خواہ بنفسہ ہو كالبول والغائط يالغيره هو كالريح المستتبع للنجاسة وعلل صاحب مراقى الفلاح عدم الانتقاض بريح القبل بقوله لانه اختلاج لا ريح وان كان ريح افلا نجاسة فيه و ريح الدبرناقضة لمرورها بالنجاسة كذا فى السعاية اورسعایہ میں ہے علل فى البدائع كون الدودة ناقضة بالنجاسة لتولدها من النجاسة وذكر الا سبيجدنى ان فيه طريقتين احد انهما ما ذكرنا و ثانيتهما ان الناقض ما عليها واختاره الزيلغى كذا فى السعاية یہ روایات نص ہیں اشتراط نجاست پر نیز سعایہ میں ہے ان كانت خارجة (اى الدودة) من قبل المرأة ففيه اختلاف المشايخ فالذين قالوا بنقض الريح الخارجة من القبل قالوا بنقضها ومن لم يقل به لم يقل به والخارجة من الذكر ناقضة كذا فى الذخيرة والخلاصة و فى التاترخانية الدورة اذا خرجت من قبل المرأة فعلى الاقاويل التى ذكرنا اه سعايه اس سے بھی ضرورت اشراط ثابت ہے اور شرح مینہ میں ہے۔ وكذا الدودة والحصاة اذا خرج من احد هذين الموضعين اى الدبر والقبل فعليه الوضوء لاستتباع الرطوبة وهى حدث فى السبيلين وان قلت بخلاف الريح۔ اس سے بھی اشتراط ثابت ہے۔ لانه قال لاستتباع الرطوبة اذلوكان الخروج مطلقاً ناقضا لم يحتج الى التعليل المذكور۔ عنا يه میں ہے۔ ان قلت الكلية (اى ماخرج من السبيلين ناقض) منتقضة بالريح الخارجة من الذكر والقبل فان الوضوء لا ينتقض به فى اصح الروايتين اجيب بانه مخصوص من العموم لان الريح لا تنبعث من الذكر وانما اختلاج والقبل محل الوطى وليس فيه نجاسةٌ يتنجس الريح بالمرور عليها وهو فى نفسه طاهر عند المصنف انتهٰى ان تمام تصیصات سے ثابت ہے کہ سبیلین میں بھی غیر سبیلین کی طرح خروج نجس شرط ہے جب یہ معلوم ہوگیا تو بر تقدیر رطوبت فرج کے طاہر ہونے کے انتقاض وضو کوئی معنی نہیں رکھتا رہی وہ روایت جو مولوی صاحب نے غنیۃ سے پیش کی ہے سو اس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مبنی ہے قول نجاست رطوبت پر كما يدل عليه دليله المذكور بقوله لاستتباع رطوبة۔ پس اس سے استدلال نہیں ہوسکتا اور البحرالرائق کی جو عبارت ہے

الشیئی الطاهر اذا خرج من السبیلین نقض الوضوء کالریح۔ اس عبارت میں طاہر سے مراد طاہر لذاتہ نجس لغیرہ ہے نہ کہ طاہر مطلقاً۔ چنانچہ عبارات مذکورہ سے ظاہر ہے نیز درمختار میں ہے وخروج غیر نجس مثل ریح اور شامی نے اس کے تحت میں لکھا ہے فانها تنقض لانها منبعثةعن محلالنجاسة لا لان عینها نجسة لان الصحیح ان عینها طاهرة یہ عبارت ہمارے بیان پر دلالت واضحہ رکھتی ہے۔

رہی شرح وقایہ کی عبارت سو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں نجس سے نجس لذاتہ کالبول والغائط مراد ہے اور چونکہ اس صورت میں ریح خارج ہوتی تھی اس واسطے شارح نے کہا کہ ان کان نجسا او من غیرہ سے متعلق ہے تا کہ اس میں ریح داخل ہوجاوے جو کہ طاهر لذاته اور نجس لغیره ہوتی ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ شارح نے کہا ہے والروایة النجس بفتح الجیم وهو عن النجاسة۔ نیز شارح نے لادودة خرجت من جرح کی شرح میں لکھا ہے لانها طاهرة[1] وما علیها من النجاسة قلیلة[2] واما الخارجة من الدبر فتنقض لان خروج القلیل منه ناقض اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خروج طاہر من السبیلین ناقض نہیں ہے ورنہ ان کو چاہئے تھا کہ وہ لان خروج القلیل منه ناقض کے بجائے لان خروجها ناقض مطلقاً کہتے کما لا یخفی علی من له ذوق سلیم ومعرفة باسالیب الکلام پس اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خروج طاہر بھی ناقض ہے بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے وفی عمدة الرعایة صحح صاحب الهدایة والمنیة والمحیط وغیرهم عدم نقضها (ای الریح الخارجة من القبل) قائلین انها اختلاج لاریح وان کانت ریحافلا نجاسة اس عبارت سے بھی اشتراط نجاست ظاہر ہے اور مولوی عبدالحی صاحب نے جو عمدة الرعایة میں فرمایا ہے قوله ان کانت ای الخارج من غیر السبیلین ناقض من غیر تقیید اس کا مطلب یہ ہے کہ من غیر تقیید بهذا القید ای کونه عین النجاسة اور مطلق تقیید کی نفی مقصود نہیں ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ انہوں نے شارح کے قول متعلق بقولہ اور من غیرہ کے تحت میں لکھا ہے لا بقوله ماخرج من السبیلین والایلزم ان لایکون ریح الدبر ناقضة لانها لیست بنجسة بنفسها اور وجہ دلالت یہ ہے کہ اگر ان کے نزدیک مصنف کا قول ان کان نجساً لعینه و لغیره دونوں کو

(۱) فلا تنقض بنفسها ۱۲ منه

(۲) فلا تنقض بغیرها فثبت عدم النقض مطلقا ۱۲ منه

شامل ہوتا باوجود یہ کہ وہ تصریح شارح کے خلاف ہے کیونکہ اس نے اس کو بفتح جیم ضبط کیا ہے اور اس کے معنی عین نجاست بتلائے ہیں تو اس سے برتقدیر اس کے ماخرج من السبیلین کے متعلق ہونے کے ریح دبر کا غیر ناقض ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ گو وہ بنفسہ نجس نہیں ہے مگر بغیرہ نجس ہے۔ وحینئذ بطل قوله الا یلزم ان لایکون ریح الدبر ناقضة وایضا لبطل تعلیله بقوله لانها لیست بنجسة بنفسها لان عدم کونه نجسة بنفسها لایستلزم عدم نفضه لجواز نقضه بالنجاسة المکسبة العرضیة اور اگر بالفرض شارح وقایہ صاحب البحر الرائق کا یہی مسلک ہو کہ خروج من السبیلین مطلقاً ناقض ہے تو یہ دیگر فقہاء پر حجت نہیں ہے جو کہ نجاست کی شرط لگاتے ہیں۔ فلا اعتراض بقولهما فثبت المدعی باحسن وجه وللّٰه الحمد تم الجواب الثالث۔ اب ناظرین علماء سے اس کی تنقید کر لیں۔

از ترجیح خامس ص ۱۳۶ در تفصیل اجمال موہم متعلق رطوبت فرج

سوال۔ بسلسلۂ تتمۂ رابعہ امدادالفتاویٰ پرچہ الامداد ماہ محرم ۱۳۳۵ھ میں شروع صفحہ ۳۵ پر جو جواب ۱۶ رشوال ۱۳۳۴ھ کا لکھا ہوا درج ہے وہ مطابق سوال نہیں ہے کیونکہ سوال کیا گیا ہے سفیدی خارج من الفرج سے اور جواب میں جو دلائل قائم کئے گئے ہیں وہ ہیں رطوبت فرج کے۔ سفیدی تو بسبب سیلان رحم کے فرج سے آتی ہے جیسا کہ مردوں کے جریان منی کی وجہ سے سفیدی آتی ہے اور رطوبت مذکورہ فی الجواب وہ رطوبت ہے جو مثل رطوبت شفتین کے جلد فرج پر ہر وقت موجود رہتی ہے یہ معنی رطوبت کے میں نے مولانا محمود حسن صاحب مرحوم سے سنا ہے۔ امید کرتا ہوں کہ اس مسئلہ پر نظر ثانی فرما کر اس کی اصلاح شائع فرما دیں۔ آئندہ جو رائے عالی ہو۔

الجواب۔ واقعی میں طب نہ جاننے کے سبب اس رطوبت کو سائل من الرحم نہیں سمجھا جو کہ نجس بھی ہے اور ناقض وضو بھی میں مطلق سمجھ گیا پھر اس مطلق میں غیر سائل من الرحم سمجھ گیا جو کہ امام صاحب کے نزدیک طاہر ہے اور غیر ناقض وضو اور یہ بھی غلطی ہے مطلق سمجھنے کی صورت میں اس تفصیل کی ضرورت تھی جو کہ تتمۂ اولیٰ امدادالفتاویٰ کے صفحہ ۳ پر ایک ایسے ہی سوال کے جواب مرقوم ۱۲ ررمضان ۱۳۲۷ھ میں مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں تین موقع ہیں اور ہر موقع کی رطوبت کا جدا حکم ہے فرج خارج کی رطوبت طاہر ہے اور فرج داخل کے باطن یعنی رحم کی رطوبت کا جدا حکم ہے فرج خارج کی رطوبت طاہر ہے اور فرج داخل کے باطن یعنی رحم

کی رطوبت نجس ہے اور خود فرج داخل کی رطوبت مختلف فیہ ہے امام صاحب کے نزدیک طاہر صاحبین کے نزدیک نجس اور اس مقام پر روایات بھی مذکور ہیں۔ پس ناظرین کو چاہئے کہ اس مجمل کو اس تفصیل پر محمول کرلیں گو وہ مفصل تاریخ میں مقدم ہے مگر اس موخر کو ناسخ نہ سمجھیں۔

۴؍ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ

مینڈک کا پیشاب

سوال (۱۰۹) بول غوک پاک است یا نہ اگر ناپاک کدام ناپاک۔

الجواب۔ فی الدرالمختار فی النجاسة الغليظة وبول غیر ماکول۔ پس بنابریں قاعدہ بول غوک نجس غلیظ است البتہ درغو کے کہ درآب می ماند حکم نجاست نکرہ شود للضرورۃ کما فی الدرالمختار مسائل البير ولا نزح في بول فارة على الاصح في ردالمحتار ولعلهم رجحوا القول بالعفو للضرورة۔

۹؍جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۵)

مینڈک کی پاکی پر شبہ اور اس کا جواب

سوال (۱۱۰) آپ نے بہشتی زیور میں لکھا ہے۔ ''دریائی جانور سوائے مچھلی کے سب حرام ہیں۔'' بہشتی گوہر میں لکھا ہے ''دریائی مینڈک کی چربی پاک ہے'' اگر پاک ہے تو کھانا چاہئے یا استعمال میں اور کھانے میں کچھ فرق ہے اس سے مطلع فرمایئے گا۔

الجواب۔ پاک ہونے کے لئے حلال ہونا لازم نہیں، اس لئے کھانا درست نہیں۔

(تتمۂ خامسہ ص ۳۲۰)

جوتا رگڑنے سے پاک ہوجاتا ہے

سوال (۱۱۱) ایک شخص بوٹ جوتہ استعمالی ٹخنوں سے اوپر تک کا باوضو پہن کر شکار میں گیا راستہ میں اس کی تلے پر نجاست گارہ گوبر وغیرہ لگ گئی جب وقت نماز کا ہوا جوتے کے اتارنے میں بہت دقت معلوم ہوئی کہ پٹیاں کھولے اور موزہ اتار کر جوتہ اتارے اس وجہ سے اس نے جوتے کی تلے کو گھاس پر رگڑ کر خوب صاف کرلیا اور جوتہ پہنے ہوئے نماز ادا کی تو اس کی نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدرالمختار و یطهر خف و نحوه کنعل تنجس بذی جرم هو کل مایری بعد الجفاف ولو من غیرها کخمرو بول اصابه تراب به یفتی بذلك یزول به اثرها۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورۃ مسئولہ میں جوتہ پاک ہوجاوے گا۔
۱۳/ صفر ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۸)

چوہے کی مینگنی گھی میں پک جائے تو اس کا حکم

سوال (۱۱۲) پانچ سیر گھی میں ایک مینگنی چوہے کی جوش ہوگئی جس وقت چھانا تو وہ معلوم ہوئی وہ گھی پاک رہا یانہیں۔

الجواب۔فی ردالمحتار وان خرأها (ای الفارة) لا یفسد مالم یظهر اثره ج۱ ص ۲۲۷ اس سے معلوم ہوا کہ وہ گھی پاک ہے۔ ۱۲/شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۶۰)

اعضائے انسانی اشیاء غیر منعصرہ میں داخل نہیں

سوال (۱۱۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ قاعدہ شرعی یہ ہے کہ جو چیز ناپاک نچڑ نہیں سکتی ہے تو وہ جب پاک ہوتی ہے کہ جب اس کا قطرہ قطرہ ٹپک جاوے تو اب سوال یہ ہے کہ آیا ہاتھ پیرانسان کے اسی قاعدۂ ماسبق میں داخل ہیں یانہیں اگر داخل ہیں تو کوئی شخص بھی ایسانہیں کرتا ہے یعنی قطرہ قطرہ نہیں ٹپکنے دیتا ہے اور ویسے ہی پے در پے تین دفعہ دھوکر لوٹے وغیرہ کو ہاتھ لگا دیتا ہے تو آیا لوٹے وغیرہ ناپاک ہوجاتے ہیں یانہیں اور اگر داخل نہیں تو کیا قاعدہ ہے۔اگر نچوڑنے کا قاعدہ ہے تو کوئی شخص بھی نہیں نچوڑتا تو کسی کی بھی نماز وغیرہ نہ ہونا چاہیے۔جناب تحریر فرمادیں کہ اعضاء انسان میں پاک کرنے کا کیا قاعدہ ہے۔بینوا توجروا

الجواب۔فی الدرالمختار وقدر بتثلیث جفاف ای انقطاع تقاطر فی غیره ای غیر منعصر یتشرب النجاسة والا فبقلعها فی ردالمحتار قوله والا فبقلعها الی قوله و مثله یتشرب فیه شیئی قلیل کا لبدن والنعل ج۱ ص ۳٤۳۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں قاعدہ یہ نہیں۔ ۲٤/ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۷۷)

حرام جانوروں کا چمڑا ذبح کرنے سے پاک ہوجاتا ہے

یہ مسئلہ فصل فی الغسل میں فتاویٰ ہذا کے صفحہ ۲۳ پر پورا لکھا جاچکا ہے۔

دھوپ میں سوکھا ہوا چمڑا تر ہوجانے سے ناپاک نہیں ہوتا

سوال (۱۱۴) اونٹ کے مردار اور کچے چمڑے کے گھی رکھنے کے لئے برتن (کوڑیاں) بنائی جاتی ہیں ایسے برتن میں رکھا ہوا گھی کھایا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ دباغت سے وہ پاک ہوجاتا ہے اور دباغت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ بالکل خشک ہوجاوے اور اس میں ذرا رطوبت باقی نہ رہے پھر وہ تر ہونے سے بھی ناپاک نہیں ہوتا کذا فی ردالمحتار فقط　　۲۶/ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ　(تتمۂ ثانیہ صفحہ ۲۰۳)

جونک نجس نہیں

سوال (۱۱۵) خشک جونک گھی یا تیل میں ملا کر اگر کسی عضو پر لگائے تو بغیر دھوئے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ جائز ہے کیونکہ وہ حرام ہے نجس نہیں بوجہ دموی نہ ہونے کے۔

۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ　(حوادث الفتاویٰ ص ۱۲۵ ج ۱ و ۲)

نجس رنگ سے رنگی ہوئی گھڑیا کا پاک کرنا

سوال (۱۱۶) پانی کے گھڑے دیہات میں ہندو کمہار چھاپ کر بناتے ہیں اور خنزیر کے بالوں کی کونچی سے چھپائی ہوتی ہے آگ میں دینے سے پہلے چھپائی ہوتی ہے اس میں پانی کا استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز۔

الجواب۔ وہ رنگ ناپاک ہوجاتا ہے اس لئے جب تک وہ رنگ باقی رہے وہ سطح برتن کا ناپاک ہے البتہ اگر اس کو خوب مل کر دھوویں تو پاک ہوجاوے گا مگر اتنا دھوویں کہ پانی صاف نکلنے لگے۔　　۲۷/رجب ۱۳۳۲ھ　(حوادث ص ۱۴۵ ج ۱ و ۲)

منی اور مذی جو رقیق ہو اس کا رگڑ دینا طہارت کے لئے کافی نہیں

سوال (۱۱۷) منی جو اس زمانہ میں ضعف طبائع کے سبب رقیق ہوتی ہے اگر کپڑے پر لگ کر سوکھ جائے تو فرک سے پاک ہوجائے گی یا غسل کی ضرورت ہے اور مذی اگر کپڑے کو لگ جاوے تو فرک کافی ہے یا غسل لازم ہے۔

الجواب۔ في ردالمحتار والنص ورد في مني الرجل و مني المرأة ليس مثله لرقته و غلظ مني الرجل والفرك انما يؤثر في زوال المفروك و تقليله و ذلك فيما له جرم والرقيق المائع لا يحصل من فركه هذا الغرض فيدخل مني المرأة اذا كان غليظا و يخرج مني الرجل اذاكان رقيقا لعارض ج۱ ص ۳۳۲ وفيه قال شمس الائمة الحلواني مسئلة المني مشكلة لان كل فحل يمذی ثم يمني الا ان يقال انه مغلوب بالمني مستهلك فيه فيجعل تبعاً اهـ ج ۱ ص ۳۲۱۔

روایت اولیٰ سے معلوم ہوا کہ منی رقیق فرک سے پاک نہ ہوگی۔ اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ مذی کا مطلقاً دھونا واجب ہے۔ والا لم يكن لهذا الإيراد و الجواب معنى
۸ رصفر ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۱۶)

مٹکا جس پر گوبر لگایا گیا ہو آگ میں چلنے کے بعد پاک ہے

سوال (۱۱۸) ایک اور بات قابل دریافت ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی مٹکے کی تلے کو بوجہ دراریں ہو جانے کے مٹی اور گوبر سے لیپ کر جس سے وہ دراریں بند ہو جاویں گرم کیا جاوے تو اس پانی سے وضو وغسل جائز ہے یانہیں۔

الجواب۔ چونکہ کچھ پانی اس نجاست تک پہونچے گا اور باقی پانی اس سے متصل ہوگا۔ سب ناپاک ہو جاوے گا لیکن جب وہ گوبر دو چار بار آگ جلانے سے جل جاوے تو انقلاب ماہیت سے وہ پاک ہوگیا پھر پانی بھی پاک رہے گا جلنے کے قبل اس میں پانی گرم کر کے گرا تے جاویں اور جلنے کے بعد اس مٹکے کو پاک کر کے پھر استعمال میں لاویں۔
۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۲۹)

شہد میں چوہا مر گیا تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ

سوال (۱۱۹) ایک مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ بندہ کے یہاں ایک شہد کے پیپہ میں جس میں بائیس سیر شہد تھا چوہا گر کر مر گیا پھولا پھٹا نہیں شہد میں بدبو تک بھی نہیں آئی اس کے پاک ہونے کی کوئی صورت ہے یانہیں۔ ایک صاحب کی تجویز ہے کہ پانی ہموزن ملا کر تین دفعہ پکا کر پانی جلاویں تو پاک ہوسکتا ہے جیسے گھی کو لکھا ہے اگر پاک نہ ہو سکے تو چماروں بھنگیوں کے

ہاتھ اس کو بیچ دینا درست ہے یا نہیں جبکہ وہ مردار کھانے کے عادی ہیں۔ یا آب کاری والوں کے ہاتھ بیچ لینا درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اگر شہد سیال ہے تو سب ناپاک ہوگیا پانی ڈال کر جوش دینا اور اس کا جلا دینا بعض کے نزدیک مطہر ہے اس طرح طاہر کر کے کفار کے ہاتھ فروخت کر دیا جاوے اور نجس کا فروخت کرنا بھی درست نہیں۔ ۶/شعبان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۵۹)

کتے نے دانتوں سے کپڑا اپھاڑ دیا تو وہ پاک ہے یا ناپاک

سوال (۱۲۰) زید کے گھر میں کتے ہیں حفاظت کے لئے جو کپڑا چارپائی کے نیچے لٹکتا ہے کتے اس کو نوچ ڈالتے ہیں ایک روز صبح زید نے مسجد میں جماعت کی نماز پڑھائی۔ چادر اوڑھ کر بعد نماز معلوم ہوا کہ چادر نوچی ہوئی ہے جس سے قیاس کیا کہ کتوں نے رات میں نوچی ہے چادر میں کتوں کا لعاب ضرور لگا ہوگا کتوں کو نوچتے ہوئے دیکھا نہیں۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ نماز زید کی اور مقتدیوں کی ہوگئی یا لوٹائی جائے۔

الجواب۔ یہ تو ذرا بعید ہے کہ کپڑا کسی اور سبب سے پھٹ گیا ہو اور یہ بھی بعید ہے کہ لعاب نہ لگا ہو مگر یہ بعید نہیں کہ کہ لعاب قدر درہم سے کم لگا ہو خصوص جب کپڑا تھوڑی دور میں سے نچا ہوا ہو اور قدر قلیل مانع صلوٰۃ نہیں اور جب تک کثیر کی کوئی دلیل نہ ہو قلیل ہی پر محمول کیا جاوے گا اس لئے نماز درست ہو جاوے گی۔ ۱۶/ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۱۰۰)

چوہا جس کو ذبح نہ کیا ہو اس کی چربی ناپاک ہے

سوال (۱۲۱) میرے پیر میں چوہے کی چربی ملنے کو لوگ بتاتے ہیں تو کیا یہ نجس ہے نماز ایسی حالت میں درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی اصلاح الطب عن العالمگیریة الجلد الاول فصل مایجوز به التوضی ماطهر جلده بالدباغ طهر جلده بالزكوة وكذلك جميع اجزائه يطهر بالذكوة سوى الدم اهـ۔

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ اگر چوہا بلا ذبح اور کسی طریقہ سے مر جاوے تو اس کی چربی نجس رہے گی اور اس سے نماز درست نہ ہوگی البتہ اگر ضرورت شدید ہو ایسے وقت استعمال کرے کہ نماز کے وقت دھو سکے۔ ۳/ محرم ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص ۱۰)

ابتلائے عام کے وقت کپڑوں کی طہارت میں توسع وگنجائش کے احکام

سوال (۱۲۲) یہاں سرکار کی طرف سے دھوبیوں کو کپڑے دھونے کے واسطے سرکاری حوض چھوٹے چھوٹے بنوادیئے گئے ہیں ان میں وہ لوگ کپڑے دھوتے ہیں پانی ان حوضوں میں کنویں سے بھرا جاتا ہے بہت سے کپڑے یکبارگی ان حوضوں میں دھونے کو ڈالے جاتے ہیں اس میں پاک اور ناپاک سب ہوتے ہیں ایسے حوض کے دھوئے ہوئے کپڑے پاک ہوں گے یا ناپاک اور ان پر نماز ہوجاوےگی یا نہیں۔ دھوبی کا بیان ہے کہ وہ تین مرتبہ پانی بدل کر دھوتا ہے مگر اس سے اطمینان نہیں ہوتا اس کے علاوہ ہندو دھوبی بھی دھوتے ہیں جن کو پاک کرنے کا طریقہ بھی معلوم نہیں۔ ندی یہاں سے تین کوس پر ہے اس وجہ سے بہت کم دھوبی وہاں کپڑے دھونے جاتے ہیں۔ حوض کی پیمائش اتنی ہوتی ہے کہ ان کا شمار قلتین میں ہوسکتا ہے جو کہ شاید امام اعظمؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

الجواب۔ یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے سخت ضرورت میں جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے دوسرے امام کے قول لے لینا جائز ہے اس لئے جو شخص دوسرے طریقہ سے نہ دھلوا سکے اس کے لئے پاکی کا حکم کیا جاوے گا۔ ۲۲ر جمادی الاخریٰ ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص ۴۵)

آنحضرت ﷺ کے فضلات پاک تھے یا نہیں

سوال (۱۲۳) حضور اقدس ﷺ کا جنگ احد میں بعض صحابہ کا خون زخم کا چوسنا اور اس کا ذائقہ حاصل کرنا اور حضور ﷺ کا بول لیجانا روایت معتبرہ سے ثابت ہے درحالیکہ یہ دونوں چیزیں نجس العین ہیں پس اس واقعہ کی تاویل کیا ہے ارشاد فرمایا جاوے۔

الجواب۔ روایت کی تو میں نے تنقید نہیں کی لیکن اگر یہ ثابت بھی ہو تو علماء نے حضور اقدس ﷺ کے ان رطوبات کو طاہر کہا ہے علامہ شامی نے اس کی تحقیق کی ہے پس کچھ بھی اشکال نہیں اور اس کی کوئی دلیل میں نے کسی کے کلام میں منقول نہیں دیکھی لیکن اسی وقت میرے ذہن میں آئی ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ نے ان شاربین پر نکیر نہیں فرمایا اور آپ کا نکیر نہ فرمانا حجۃ شرعیہ بالاجماع ہے۔ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۳۸)

سوال (۱۲۴) ایک واعظ صاحب یہاں تشریف لائے تھے انہوں نے حسب ذیل روایات بیان کیں جن کے متعلق یہاں اکثر اصحاب اختلاف کرتے ہیں حضور براہ کرم برائے

اطمینان اہل اسلام ان روایات کے متعلق تحریرفرمادیں کہ وہ صحیح ہیں یا غلط اور اگر تکلیف نہ ہو تو کسی کتاب کا حوالہ بھی تحریرفرمادیں۔

روایات

نمبر (۱) انبیاء علیہم السلام کا بول و براز پاک ہوتا ہے اور خصوصاً ہمارے رسول اکرم ﷺ کے فضلات بالکل پاک تھے کیونکہ آپ سراپا نور تھے۔

نمبر (۲) انبیاء علیہم السلام کے بول و براز کو زمین فوراً ہضم کر جاتی ہے۔

الجواب۔ خواہ مخواہ انہوں نے ایسی باتیں بیان کر کے مسلمانوں کو پریشان کیا جو نہ عقائد ضروریہ میں سے ہیں نہ احکام میں سے بیان کرنے کی چیز عقائد و احکام ہیں نہ کہ ایسی روایات جن پر دوسری اقوام بھی ہنسیں ایسی روایات بعض غیر معتبر کتابوں میں آئی ہیں جن کی نہ تصدیق واجب ہے کیونکہ سند صحیح نہیں اور نہ تکذیب واجب ہے اس لئے کہ فی نفسہ ممکن ہیں اسلئے ایسے امور میں مشغول ہی نہ ہونا چاہئے نہ تصدیقاً نہ تکذیباً اور ایسے واعظوں کا واعظ ہی کیوں سنا جاتا ہے اور ان سے مطالبہ سند کا کیوں نہ کیا گیا اسی جلسہ میں حقیقت کھل جاتی۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ (النور رمضان ۱۳۵۰ھ ص ۱۰)

اس کے بعد اسکے متعلق دوسرا خط آیا جو ذیل میں منقول ہے

السوال۔ جناب ماسٹر محمد شریف خاں صاحب نے حال میں ایک استفتاء خدمت عالی میں پیش کیا جو ہمرشتہ عریضہ ہذا ہے جواب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ روایات مذکورہ ضعیف ہیں اور ان کی کوئی سند نہیں حسب اتفاق ایک صاحب کو نشر الطیب میں انہیں روایات کو دیکھنے کا اتفاق پیش آ گیا انہوں نے نشر الطیب کے صفحات ۱۳۵ و ۱۳۶ مجھ کو دکھلائے اب وہ فتویٰ اور یہ تحریر متضاد معلوم ہوتی ہیں۔ نشر الطیب میں روایت بقول حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کی گئی ہے جواب جلد عطا فرمائیے تاکہ تسکین ہو۔ ۲۲ / اگست ۱۹۳۱ء

الجواب۔ ضعیف بلا سند نہیں ہوتی بلکہ سند ضعیف ہوتی ہے جو عقائد میں حجت نہیں فضائل میں کھپ جاتی ہے میں نے تحریر سابق میں یہی لکھا ہے کہ سند صحیح نہیں تو دونوں تحریروں میں تضاد نہیں کیونکہ ضعیف کی نفی نہیں کی اور اس ضعف سند ہی سے ایسی کتابوں کو غیر معتبر بتلایا تھا کیونکہ معتبر صحیح کو کہتے ہیں باقی یہ کہ پھر کتاب میں کیوں لکھا سو کتاب تو فضائل میں ہے عقائد و احکام

میں نہیں اگر شاذ و نادر ایسی بھی کوئی روایت لکھی جائے کھپت ہو جاتی ہے بخلاف وعظ کے کہ وہ عقائد و احکام کی تعلیم کیلئے ہوتا ہے اس میں ایسے مضامین نہیں کھپتے دوسرے وعظ سننے والے اکثر کم فہم ہوتے ہیں اور کتاب پڑھنے والے اکثر فہیم۔ ۸ ربیع الثانی ۵۰ھ

اضافہ۔ بعد تحریر جواب ہذا شرح الشفا لملا علی القاری میں یہ بحث نظر سے گزری انہوں نے فصل نظافۃ جسم نبوی میں اس پر بہت مبسوط لکھا ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ بعض روایات کا تو ثبوت مقدوح ہے اور بعض کی دلالت اور بعض روایات میں شارحین کا یہ قول مذکور ہے شربته و انا لا اعلم یا لا اشعر اور ایک روایت میں حضور ﷺ کا اس کے متعلق نہی فرمانا مذکور ہے اور وہ یہ ہے۔

روی ابن عبد البران سالم بن ابی الحجاج حجمه صلی الله علیه وسلم ثم ازدرد ای ابتلع فقال اما علمت ان الدم کله حرام و فی روایة لا تعد فان الدم کله حرام۔ پس مسئلہ بالکل منقح ہو گیا کہ طہارت کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ (النور شوال ۵۰ھ ص ۷)

تفصیل در حکم اسپرٹ

سوال (۱۲۵) انگریزی دوا جو پینے کی ہوتی ہے اس میں عموماً اسپرٹ ملائی جاتی ہے (یہ قسم ہے اعلیٰ درجہ کے شراب کی یعنی شراب کا ست ہے) تو جب اس امر کا یقین ہو چکا اور مسلم ہے تو انگریزی (ہسپتال) کی دوا پینا جائز ہے یا ناجائز۔

الجواب۔ اسپرٹ اگر عنب و زبیب و رطب و تمر سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے للاختلاف ورنہ گنجائش نہیں للاتفاق۔ ۲۱ محرم ۱۳۳۴ھ (حوادث رابع ص ۶۲)

خفاش کا بول اور بیٹ پاک ہے

سوال (۱۲۶) چمگادڑ کا پیشاب اور بیٹ پاک ہے یا نہیں؟

الجواب۔ خفاش کا بول اور بیٹ پاک ہے۔

فی الدرالمختار وبول غیر ماکول ولو من صغیر لم یطعم الا بول الخفاش و خرأه فطاهر و فی ردالمحتار عن البدائع و غیره لیس بنجس لتعذر صیانة الثوب والأوانی عنها ثم بعد اسطر کان الاولی ان یقول فمعفو عنه اهـ باب الأنجاس۔

۱۴ جمادی الثانی ۱۳۴۹ھ (النور ص ۱۸ رمضان ۴۹ھ)

کورے کپڑے کی نجاست طہارت کی تحقیق

سوال (۱۲۷) کورا کپڑا ابزاز کے یہاں بغیر دھلائے جائز ہے یانہیں؟

الجواب ۔ في الدر المختار ثياب الفسقة واهل الذمة طاهرة جلد اص ۳۶۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ کورا بدرجہ اولیٰ پاک ہے۔ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۷۹ ج ۲)

سوال (۱۲۸) آئے دن یہاں اخباروں میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کو مسئلہ شرعی سے تعلق ہے جب سے میں نے اس مضمون کو پڑھا ہے دل میں خلش ہوگئی ہے اس لئے اپنے اطمینان کے لئے گوش گزار کرتا ہوں وہ یہ کہ حکومت بمبئی کی جانب سے تردید کی گئی ہے کہ ہندوستان میں ولائتی پارچہ کے متعلق جو یہ خبر مشہور کی گئی ہے کہ اس کو جلاء دینے کے لئے سور اور گائے کی چربی کا استعمال ہوتا ہے یہ غلط ہے اس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اسلئے یہ چربی استعمال نہیں کی جاتی بلکہ دوسرے جانوروں کی چربی استعمال کی جاتی ہے اس مضمون سے سور اور گائے کی چربی کے استعمال کی تردید تو ہوتی ہے مگر چربی کا استعمال ثابت ہے، یورپ میں ذبیحہ کا طریقہ رائج نہیں ۔اس صورت میں کسی مردار جانور کی چربی بھی نجس ٹھہری اور اس سے جلا دیا ہوا پارچہ پہن کر نماز جائز ہوگی یانہیں براہ کرم مطلع فرماویں دیگر یہ کہ اکثر مردوں کو ولائتی کپڑے ہی کا کفن دیا جاتا ہے اگر دراصل چربی کے استعمال سے کپڑا نجس ہوجاتا ہے تو یہ کس قدر افسوس کی بات ہے۔ ۲۵ شوال ۱۳۵۰ھ۔

الجواب ۔ چونکہ مسئلہ باب طہارت ونجاست سے ہے اسلئے قاعدہ شرعیہ سے ایسی روایت جب تک اس کا تواتر ثابت نہ ہوجائے خواہ تواتر بالذات ہو خواہ لعارض قرائن حافہ ہو یا اگر متواتر نہ ہوتو جب تک سند متصل مسلمان راویوں کی ثابت نہ ہوجاوے حجت نہیں نیز اس کی تحقیق بھی ضروری ہے کہ خالص چربی کا استعمال کیا جاتا ہے یا کسی کے ساتھ ترکیب دے کر اور دوسری صورت میں آیا اس ترکیب سے چربی کا استحالہ ہوجاتا ہے جیسے صابون میں نجس تیل کا استحالہ ہو جاتا ہے یا استحالہ نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی کو پھر بھی شبہ ہوتو دھوکر استعمال کرلیا جائے۔

۲۹ رشوال ۱۳۵۰ھ (النور جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ ص ۷)

سوال (۱۲۹) زید کہتا ہے کہ ولائتی جدید کپڑے میں بدون غسل نماز جائز نہیں ہے کیونکہ جس وقت ہندوستان میں یہ خبر شہرت پذیر ہوئی تھی کہ اس کی دھلائی میں اور استری میں سور کی چربی ملائی جاتی ہے اس وقت کارخانوں کے منتظمین اور شریک داروں کی طرف سے اعلان ہوا

تھا کہ ہم چربی سور کی نہیں ملاتے کیونکہ وہ گراں چیز ہے گائے کی چربی ملاتے ہیں لیکن یہ معلوم ہے کہ وہاں مشین کے ذریعہ سے ذبح ہوتے ہیں اور ذابحین غیر مسلم بھی ہیں اس لئے مردار کی چربی کا استعمال اس کے اندر ضرور ہوتا ہے لہذا وہ کپڑے ناپاک ہوئے۔

كما في بدائع الصنائع ص ٨١ ج اول و قالوافي الديباج الذى ينسجه اهل فارس انه لا يجوز الصلوٰة فيه لانهم يستعملون فيه البول عند النسج يزعمون انه يزيد في بريقه ثم لا يغسلون لان الغسل يفسده فان صح انهم يفعلون ذلك فلا شك انه لا تجوز الصلوٰة معه اهـ عمرو کہتا ہے کہ **اليقين لايزول بالشك** ۔کپڑے جدید اہل الذمہ کا ہمیشہ قرون اولی سے استعمال چلا آرہا ہے لہذا اس کو طہارت کا حکم دیا جاوے **كما في بدائع الصنائع ص ٨١ ج ١ ولاباس بلبس ثياب اهل الذمة والصلوٰة فيها الا الإ زار والسراويل فانه تكره الصلوٰة فيهما و تجوز اما الجواز فلان الاصل في الثياب هو الطهارة فلا تثبت النجاسة بالشك ولان التوارث جار فيما بين المسلمين بالصلوٰة في الثياب المغنومة من الكفرة قبل الغسل** ۔ اور طہارت و نجاست دیانات سے ہے۔

اور دیانات میں فاسق اور کافر کی خبر معتبر نہیں ہے اس لئے جب تک مسلم عادل اس کی خبر نہ دے کپڑے کو نجس نہیں کہہ سکتے۔ پس سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں کس کا قول صحیح قابل عمل ہے۔ زید عمرو دونوں حضور کے فیصلہ کو ماننے کے لئے تیار ہیں۔ بہ سبب اعتقاد کے بے چون وچرا مان لیں گے۔

الجواب۔ زید کی دلیل میں فان صح خود دلیل کا جواب ہے باقی عمرو کی دلیل میں ایک شق کی کمی ہے اگر یہ خبر متواتر ہو صورۃً یا معنیً تو متواتر میں اسلام اور عدالت شرط نہیں۔ اب مدار حکم کا اس خبر کی شان پر رہا سو اس کی تحقیق سائل بھی کر سکتے ہیں۔

۱۹ر صفر ۱۳۵۱ھ　(النور شوال ۱۳۵۱ھ ص ۷)

(تتمہ) اور اگر اس چربی کا استحالہ ہو جاتا ہے تو فقہاء نے ایسے صابون کی طہارت کی تصریح فرمائی ہے۔

مرغی کو ذبح کر کے آلائش صاف کئے بدون پانی میں جوش دیدیا تو وہ ناپاک ہے بحوالہ شامی

سوال (۱۳۰) بہشتی گوہر ص ۹ مطبوعہ گورکھپور میں تحریر ہے۔ "مرغی یا کوئی پرند پیٹ

چاک کرنے اور اس کی آلائش نکالنے سے پہلے پانی میں جوش دی جائے جیسا کہ آج کل انگریزوں اور ان کی ہم منش ہندوستانیوں کا دستور ہے تو وہ کسی طرح پاک نہیں ہوسکتی'' انتہیٰ اب دریافت طلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ کس کتاب کے کس باب سے نقل کیا گیا ہے۔ میں نے شامی کی ''کتاب الطہارت'' ''کتاب الذبائح'' پوری اور اکثر حصہ الحظر والاباحۃ کا دیکھا ہے۔ مجھ کو یہ جزئیہ کہیں نہیں ملتا مجھ کو اس مسئلہ میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ دوسروں کو تسکین دینے کی ضرورت ہے۔

ثانیاً۔ معروض ہے کہ وہ پرند صورت مسئولہ میں مکروہ تحریمی ہوگا یا حرام اس اطراف میں دستور ہے کہ مرغی کو ذبح کر کے سرد ہونے کی بعد آگ پر جھلس لیتے ہیں۔ اس صورت میں اس مرغی کا کیا حکم ہے۔ پہلی صورت میں بغیر چاک کئے تو تلوث کی وجہ سے ناپاک رہی۔ اور اس صورت میں تلوث بظاہر نہیں ہے اگر اس کا پیٹ چاک کر کے جھلسا جائے تو پھر کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی امید ہے کہ ان تمام باتوں کا جواب مع حوالہ کتاب بقید ص و باب روانہ فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب۔ بہشتی گوہر میں تو اس وقت دیکھ نہیں سکا مگر شامی میں وہ جزئیہ مل گیا۔ اس کی عبارت نقل کرتا ہوں۔

فی الدرالمختار وکذا دجاجة ملقاة حالة علی الماء للنتف قبل شقها فتح۔ فی ردالمحتار قوله و کذا دجاجة قال فی الفتح انها لا تطهر ابدالکن علی قول ابی یوسفؒ تطهر والعلة والله اعلم تشربها النجاسة بواسطة الغلیان اھ ص ۲۴۵ مطبوعه مصر ۱۲۹۹ قبیل فصل الا ستنجاء۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور منع کو اس لئے ترجیح ہے کہ اس کی نظیر مذکور فیما یستقبل متصلا میں عدم طہارت کو مفتی بہ کہا ہے۔ اور اس کو امام صاحب کا قول بتلایا ہے اور مانعین جب اس کو نجس کہتے ہیں تو حرام بھی کہیں گے۔ باقی جھلسنا اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے نجس کا اثر زائل ہو جاوے تو ظاہر ہو جاوے گا ورنہ نہیں۔

فی ردالمحتار تحت قوله و نارکما لواحرق موضع الدم من رأس الشاة (بحر) وله نظائر تاتی قریباً ولا تظن ان کل مادخلته النار یطهر کما بلغنی عن بعض الناس انه توهم ذلك بل المراد ان ماستحالت به النجاسة بالنار او زال اثرهابها یطهر ولذا قید ذلك فی المنیة بقوله فی مواضع اھ۔

۷ رذی قعدہ ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۱۴)

فصل فی الاستنجاء

جواز استقبال واستدبار بوقت آبدست

سوال (۱۳۱) بول اور براز قبلہ کی طرف منھ اور پشت کر کے ممنوع ہے اور استنجاء کرنا یعنی آبدست لینا قبلہ کی طرف منھ یا پشت کر کے کیسا ہے۔

الجواب۔ چونکہ کوئی دلیل نہی کی نہیں اس لئے جائز ہے۔

(مگر نہ کرنا موجب ثواب ہے۔ کما فی المنیۃ ان ترکہ ادب الخ شامی ص ۳۵۳ ج اول۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کو ان مسائل میں درج کیا گیا ہے جن کے متعلق مشائخ پر بعض علماء نے تنبیہ فرمائی ہے۔ دیکھو ملحقات تتمۂ اولیٰ امدادالفتاویٰ ص ۳۳۰)

نوٹ...... یہ اضافہ تصحیح الاغلاط ص ا سے کیا گیا ہے۔ ۱۵رشوال ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۳ ج ۱)

از ملحقات تتمۂ اولیٰ ص (۳۳۰)

خلاصۂ سوال۔ از روئے بقبلہ بوقت استنجاء

خلاصۂ جواب۔ جائز ہے۔

تسامح۔ شان کعبہ وقبلہ را مدنظر داشتہ کہ عین مقصود اہل اسلام است ضروری بود کہ جواب ایں طور دادند۔

الجواب۔ ترک ادب است نباید کرد فلو للاستقبال لم یکرہ ۱۲ الدرالمختار قولہ (لم یکرہ) ای تحریما فی المنیۃ ان ترکہ ادب ولما مر فی الغسل ان من ادابہ ان لایستقبل القبلۃ لانہ غالبا یکون مع کشف العورۃ ولقولھم یکرہ مدالرجلین الی القبلۃ فی النوم وغیرہ عمداً و کذا فی حال مواقعتہ اھلہ ۱۲ ردالمحتار ص ۳۵۳۔

جواز استقبال شمس بوقت بول بحال مستور شدن شمس درابر

سوال (۱۴۲) اگر آفتاب ابر کی آڑ میں ہو اور دکھائی نہ دیتا ہو تو اس طرف کو منھ کر کے پیشاب کرے یا نہیں۔

الجواب۔ **فی ردالمحتار والذی یظهران المراد استقبال عینهمامطلقالا جهتهما ولاضوء هما وانه لوکان ساترا یمنع عن العین ولو سحابا فلاکراهة وان الکراهة اذالم یکن فی کبد السماء ج ۱ ص ۳۵۴ باب الاستنجاء** اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں ادھر منھ کر کے پیشاب کرنا درست ہے۔

۲۴؍ جمادی الاخریٰ ۲۲ھ (امداد ص ۵ ج ۱)

حکم یاد آمدن استنجاء درنماز

سوال (۱۴۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ امام کو اندر نماز بعد تحریم یاد آیا کہ استنجاء ڈھیلے سے کیا پانی نہیں لیا تو اب کیا کرے۔

الجواب۔ اگر نجاست مخرج سے متجاوز نہیں ہوئی تو استنجاء پانی سے سنت ہے اور اگر متجاوز ہوگئی تو اگر قدر درہم سے زائد نہیں ہوئی تو دھونا واجب ہے اور اگر زائد ہوگئی تو دھونا فرض ہے۔ اور اگر نماز میں یاد آیا تو صورت اخیرہ میں نماز باطل ہو جائے گی۔ اور دوسری صورت میں مکروہ تحریمی ہوگی۔ اور پہلی [۱] میں مکروہ تنزیہی۔

والغسل سنة و یجب ان جاوز المخرج نجس درمختار و فی موضع اٰخرمنه وعفی عن قدردرهم وان کره تحریما فیجب غسله وما دونه تنزیها فلیسن وفوقه مبطل فیفرض اه والله اعلم (امداد ص ۱۴ ج ۱)

عدم جواز استنجاء بکاغذ جاذب

سوال (۱۴۴) جاذب کاغذ سے روشنائی خشک کی جاتی ہے یہی کام اب تک خشک مٹی

(۱) پس صورت اخیرہ میں نماز توڑ دے اور دوسری میں پوری کر کے اعادہ کر لے اور پہلی میں اعادہ بھی ضروری نہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ جاذب کاغذ سے استنجاء کا عدم جواز اس صورت میں ہے جب کہ وہ آلات علم و کتابت میں سے ہو یا معتد بہ قیمت رکھتا ہو اس سے معلوم ہوا وہ کاغذ جو آج کل خاص استنجاء ہی کے لئے بنایا جاتا ہے اور ایک مرتبہ کے استعمال میں جتنا خرچ ہوتا ہے اس کی کوئی معتد بہ قیمت نہیں ہوئی اس میں استنجاء میں مضائقہ نہیں البتہ مٹی سے استنجاء بوجہ سنت ہونے کے افضل ہے۔ بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔ ۱۶؍ صفر ۱۳۸۲

سے بھی لیا جاتا ہے۔ خشک مٹی سے استنجاء جائز ہے۔ کیا جاذب کاغذ سے بھی استنجاء جائز ہے۔ سفر میں بھی آرام دے سکتا ہے کاغذ اس کو برائے نام کہتے ہیں وہ لکھنے کے کام میں نہیں لایا جاتا ہے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار ذکرہ تحریماً الٰی قوله و شیئ محترم فی ردالمحتار واما الشیئ المحترم فلما ثبت فی الصحیحین من النھی عن اضاعة المال قوله و شیئ محترم ای ماله احترام واعتبار شرعا فیدخل فیه کل متقوم الا الماء کما قدمنا ہ والظاھرانه یصدق بما یساوی فلسالکراھة اتلافه کما مرثم قال و یدخل ایضاً الورق قال فی السراج قیل انه ورق الکتابة و قیل ورق الشجرو ایھما کان فانه مکروہ اھ واقرہ فی البحر وغیرہ و انظر ماالعلة فی ورق الشجر ولعلھا کونه علفا للدواب الخ ثم قال واذا کانت العلة فی الابیض کونه اٰلة للکتابة کما ذکرناہ یوخذ منھا عدم الکراھیة فیما لا یصلح لھا اذا کان قالعا للنجاسة غیر متقوم کما قد مناہ من جوازہ بالخرق البوالی وھل اذا کان متقوما ثم قطع منه قطعة لاقیمة لھا بعد القطع یکرہ الاستنجاء بھا ام لا الظاھر الثانی انه لم یستنج بمتقوم نعم قطعه لذلك الظاھر کراھیة لو بلاعذر بان وجد غیرہ لان نفس القطع اتلاف جلد ۱ ص ۳۵۱ و ۳۵۲۔

ان روایات سے معلوم ومفہوم ہوا کہ بعض کاغذات سے بوجہ آلۂ علم وکتابت ہونے کے اور بعض سے بوجہ ان کے قیمتی چیز ہونے کے کہ ادنیٰ اس کا ایک پیسہ ہے استنجاء کرنا جہاں کلوخ وغیرہ میسر ہوں مکروہ تحریمی ہے بوجہ اضاعت مال کے اور اگر چہ وہ ٹکڑا اتنی قیمت کا نہ ہو مگر اتنی قیمت والی چیز میں سے کسی حصہ کا قطع کرنا اس کا اتلاف ہے اس لئے اس کا بھی یہی حکم ہے بہر حال صورت مسئولہ نادرست ہے اور مٹی پر قیاس اسلئے جائز نہیں کہ نہ وہ آلات علم سے ہے اور نہ وہ متقوم ہے۔ ۶ ؍ جمادی الاولی ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالث ص ۱۳۶)

جواز جواب سلام درحالت استنجاء

سوال (۱۳۵) استنجاء خشک کرنے میں سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ جائز ہے مگر استنجاء ایسے موقع پر خشک کرنا کہ گزرنے والوں کا مواجہہ ہو خلاف انسانیت ہے۔ ۱۹ ؍ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (حوادث خامس ص ۳۷)

تحقیق سلام بوقت استنجاء

سوال (۱۳۶) استبراء کرتے وقت سلام کا جواب دینا یا خود کرنا چاہئے یا نہیں۔ حدیث شریف میں تو اذا یبول کا لفظ آیا ہے پھر لوگ استنجاء کرتے وقت سلام کا جواب کیوں نہیں دیتے ہیں آیا یہ ان کی غلط فہمی ہے یا کچھ اصل بھی ہے۔ علاوہ بریں حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ حائضہ بھی سلام کرتیں اور سلام کا جواب دیتی تھیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقاطر مانع تحیہ نہیں۔

الجواب۔ **في الدرالمختار اول باب مفسدات الصلوٰة سلامك مكروه علي من ستسمع الي قوله فهذاختام و الزيادة تنفع۔**

ان ابیات میں مواضع کراہت سلام کو شمار کیا گیا ہے۔ مگر اس میں یہ حالت معدود نہیں اور تامل سے اور بھی کوئی دلیل منع کی نہیں معلوم ہوتی۔ پس ظاہراً یہ بلا سند محض رسم پڑگئی ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال متعلق جواب بالا

بخدمت جناب مولانا صاحب دام شرفہ بعد از سلام نیاز واضح آنکہ علماء ایں تحریر شمار اطعن زنی می کنند می گویند گناہ است چنیں کار کردن کہ بر استبرا سلام داون لہذا درخدمت عالی ہمت نوشتہ می آید باید کہ بدیدن نیاز نامہ ہذا جواب ایں تحریر از کتب معتبرہ فقہ وحدیث تحریر نمودہ عنایت فرمایند کہ لیسے عین احسان متصور خواہد شد۔

الجواب۔ عن السوال الاخیرہ درجواب من دلیل از حدیث وفقہ موجود است اکنوں از چیز استفسار است وکدام چیز راانتظار است۔ ۹ رج ۲ ۱۳۴۳ھ (ترجیح خامس ص ۵۴)

استنجاء بعد البول بکلوخ

سوال (۱۳۷) مذہب اہل تسنن میں چھوٹے اور بڑے استنجے کی صفائی اول ڈھیلوں سے کیوں ہوتی ہے۔ آیا یہ طریقہ معمولی ہے یا کسی حدیث کے موافق ہے مہربانی فرما کر اس کے متعلق جو آپ کی رائے ہو اس سے مطلع فرمائیے۔

الجواب۔ **في نيرالاوطار باب وجوب الاستنجاء بالحجر اوالماء عن عائشةؓ ان رسول الله ﷺ قال اذا ذهب احدكم الي الغائط فليستطب بثلثة احجار فانها تجزئ عنه رواه احمد والنسائي وابوداؤد والدر قطي وقال اسناد**

صحیح حسن قال المصنف وھو دلیل لمن قال بکفایة الاحجاروعدم وجوب الاستنجاء بالماء ص ۸۸ ج ۱۔

اس حدیث سے جب بعض احوال میں صرف کلوخ لینے پر اکتفا کرنے کا جواز ثابت ہوا اورظاہر ہے کہ اس صورت میں جب پانی نہ لیا اورموضع پیشاب کا بھی نجس ہوا ہی تھا جس کا پاک کرنا دلائل شرعیہ سے واجب ہے کقولہ علیہ السلام استنزھو امن البول تو بجز کلوخ اس کے پاک کرنے کی کیا صورت ہے اس سے چھوٹا استنجاء کلوخ سے صاف ثابت ہوا اور بڑا استنجاء تو اصل غرض ہی ہے کلوخ لینے سے پس دونوں مدعا ثابت ہوگئے اور اس کے بعد پانی لینے کی اولویت دوسری احادیث میں منصوص ہے۔ ۲۷ر رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۷۱)

سوال (۱۳۸) بعد بول ڈھیلا لینے کے متعلق حدیث سے حضرت والا نے استنباط فرمایا ہے وہ کون سی حدیث ہے۔ دریافت کرنے کو جی چاہتا ہے اگرچہ بعد قضائے حاجت حضور ﷺ کا باہر تشریف لاکر استنجاء کرنا اس سے تو ڈھیلا لینے کا استنباط ہوسکتا ہے مگر اس سے اصرح مطلوب ہے ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے۔

ابوبکر عن یسار بن نمیر کان عمر اذا بال مسح ذکرہ بحائط او بحجرو لم یمسه ماء قلت اجمع علی ذلك علماء اھل السنة ولیس فیه حدیث مرفوع وانما ھو مذھب عمر قیاسا علی الاستنجاء من الغائط اطبق علی تقلیدہ العلماء۔

الجواب۔ مجھ کو یاد نہیں استنباط کے متعلق میں نے کسی جگہ لکھا ہے شاید اس مقام کی عبارت سے زیادہ یاد آجاتا۔ بعض اوقات استنزھوا من البول سے تقریر کیا کرتا ہوں کہ استنزاہ کی یہ بھی ایک صورت ہے وصحح الحدیث ابن خزیمہ وغیرہ کذا فی فتح الباری اس عموم کے اعتبار سے اس کو مرفوع کہہ سکتے ہیں اورمرفوعیۃ میں اس سے اصرح مجمع الزوائد میں یہ حدیث ہے۔

عن عمر بن الخطاب انه بال فمسح ذکرہ بالتراب ثم التفت الینا فقال ھکذا علمنا رواہ الطبرانی فی الاوسط و فیه روح بن الجناح وھو ضعیف اھ علمنا۔

رفع میں صریح ہے رہا روح الجناح کا ضعف سو بعض نے اس کی توثیق بھی کی ہے کما فی التھذیب والمیزان تو حدیث حسن ہوئی تو ممکن ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر سے یہ زیادت نہ گزری ہو یا ضعف کے سبب اس کا اعتبار نہ کیا ہو مگر اس ضعف کا درجہ معلوم ہوگیا اس لئے صالح للاحتجاج ہے۔ خصوص بلا تعارض دوسری مؤیدات کے ہوتے ہوئے واللہ اعلم والروایات کلھا من احیاء السنن واستدراکہ۔ ۱۶ر جمادی الاخریٰ ۵۳ھ (النور ص ۱۰ جمادی الاخریٰ ۵۴ھ)

پیشاب کرنے کے وقت کوئی مستقل دعا نہیں بلکہ بول و براز دونوں کے لئے ایک ہی دعا ہے

سوال (۱۳۹) پاخانہ جانے کی جس طرح دعا ہے پیشاب کے وقت کی بھی کوئی دعا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ مستقل نہیں وہی دعا مشترک ہے لاطلاق اللفظ واشتراکھما فی اکثر الاحکام الفقھیة کما فی الدرالمختار احکام الاستنجاء۔

۱۳ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۲۰۵)

مسائل منثورہ متعلقہ بکتاب الطھارت.

تحقیق مس بلا وضوء پلیٹ حاکی قرآن را

سوال (۱۴۰) فونوگراف جو ایک آلہ نقل الصوت ہے اس میں تقاریر نغمات موسیقی اور قراء سے رکوعات قرآن مجید کی آوازیں ایک خاص ایجاد سے بند کی جاتی ہیں اور پھر وہی اصوات تنہائی میں مجالس میں تماشا گاہوں میں آلہ مذکور کو رکھ کر سنتے ہیں اس طرح قرآن مجید کی آواز کا اس میں بند کرنا اور پھر فونوگراف سے سننا درست ہے یا نہیں۔ اور فونوگراف باجا ہے یا کیا ہے اور کلام مقدس کی اس قسم کی آواز قرآن ہوگی یا کیا کہیں گے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں والقرآن فی المصاحف مکتوب و فی القلوب محفوظ و علی الالسن مقرو یہ تعریف آواز مذکور پر نفی میں صادق آئے گی یا اثبات میں بھی یہ امر بھی قابل گزارش ہے کہ جس آلہ سے اس کے پلیٹ پر صوت بھری جاتی ہے اس سے اس کی پلیٹ پر کچھ خطوط دوائر کے طور پر بن جاتے ہیں اور جب اس کا مشین چلایا جاتا ہے تو اس کا ایک پرزہ جس کے آخر میں ہیرے کی کنی لگی ہوتی ہے وہ کنی اس دوائر پر گشت کرتی ہے اور اس سے صوت پیدا ہوتی ہے وہ خطوط آپس میں کچھ ممتاز نہیں معلوم ہوتے بلکہ ہر پلیٹ پر خطوط یکساں سے معلوم ہوتے ہیں ممکن ہے کہ فی الواقع کچھ تمایز ہو لیکن محسوس نہیں ہوتا چلانے والے کو یاد رکھنا پڑتا ہے کہ اس ہیت پر فلاں چیز منقش ہے اور اس پر دوسری چیز پس ان نقوش کا کیا حکم ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ چونکہ یہ آلہ لہو ہے نہ تذکر اس لئے بھرنا اور سننا خلاف ادب قرآنی ہے لیکن اگر کوئی بھر دے تو اس پلیٹ کا بغیر وضو کے چھونا جائز ہے یا نہیں اور تعریف قرآن کی اس پر صادق ہے یا

نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ آلہ خود باجا نہیں ہے بلکہ محض نقل صوت کرتا ہے اگر باجا بھرا جائے تو باجے کی آواز نکلتی ہے ورنہ جو بھرا جائے اس لئے مطلقاً باجہ نہیں کہا جا سکتا۔ بہر حال امید ہے کہ اس کی نسبت حضرت اقدس اپنی رائے تحریر فرمائیں گے۔

الجواب۔ ان نقوش میں جب تک پڑھے جانے کی صلاحیت ثابت نہ ہو حروف مکتوبہ کے حکم میں نہیں اسلئے ان کا مس کرنا محدث وجنب کو جائز ہے جیسا دماغ میں ارتسام الفاظ قرآنیہ کا ہوتا ہے اور اس دماغ کا مس کرنا جائز ہے البتہ اگر وہ پڑھے جانے لگیں تو اس وقت دلالت وضعیہ غیر لفظیہ کی وجہ سے ان کا حکم حروف مکتوبہ کا دیا جائے گا یہ حکم تو نقوش کا ہے اور جو آواز اس سے نکلتی ہے وہ تلاوت نہیں ہے بلکہ نقل اور عکس تلاوت کا ہے مشابہ صوت طیر اور صدا کے پس اس کا حکم بھی تلاوت کا سا نہ ہوگا اور آپ کی یہ رائے صحیح ہے کہ اس کا حکم باجہ کا سا نہیں ہے بلکہ تابع ہوگا محکی عنہ کے جواز و عدم میں لیکن چونکہ مقصود اس سے تلہی ہے اس عارض کی وجہ سے قرآن بھرنا اس میں جائز نہ ہوگا اس طرح سننا بھی واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

۲۷ رشوال ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۸۳ ج ۲ حوادث ص ۸۱ ج ۱ و ۲)

تفسیر وترجمہ کا بے وضو مس کرنا

سوال (۱۴۱) اردو کلام مجید کا مس بے وضو جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ مکروہ ہے۔ کذا فی ردالمحتار تحت قول الدر المختار والتفسیر کمصحف قبیل باب المیاہ (تتمۂ اولی ص ۱۰)

سوال (۱۴۲) کتب تفسیر میں جس موقع پر آیت مکتوب ہے اس موقع کو بغیر وضو مس کرنا مکروہ ہے یا محرم۔

الجواب۔ فی غنیۃ المستملی و یکرہ ایضاً للمحدث و نحوہ مس تفسیر القراٰن و کتب الفقہ و کذا آکتب السنن الٰی قولہ والاصح انہ لا یکرہ عند ابی حنیفۃؒ ص ۵۷ اس سے معلوم ہوا کہ جب غیر قرآن کی عبارت غالب ہو اس کا مس مطلقاً کما ھو الظاھر امام صاحب کے نزدیک درست ہے و فی الاخذبہ سھولۃ۔

۱۷ رصفر ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۱۹)

حکم مس قربات عنداللہ بلاوضوء و ہر کتابے کہ آیات قرآنیہ درو باشد

سوال (۱۴۳) قربات عنداللہ وصلوات الرسول جو آپ کا مؤلفہ ہے چونکہ اوّل منزل اس کی اکثر آیات قرآن شریف ہے اس لئے عرض ہے کہ اس کو بے وضومس کرنا جنبی اور حائضہ کومس کرنا اور پڑھنا جائز ہے یا نہ۔

الجواب۔ خاص اس حصہ کو بے وضومس کرنا جائز نہیں۔ اور جنب وحائضہ کے پڑھنے میں یہ تفصیل ہے کہ بہ نیت قرآن کے پڑھنا جائز نہیں بہ نیت دعا کے پڑھنا جائز ہے۔
۶/ ذی قعدہ ۱۳۲۱ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۴۵)

سوال (۱۴۴) آپ کے مواعظ میں اکثر قرآن مجید کی آیات ہیں اور میں اکثر وقت فرصت کے مواعظ دیکھا کرتا ہوں مگر قرآن مجید بغیر وضو چھونا جائز نہیں ہے مواعظ کی بابت کیا حکم ہے۔ بلاوضو پڑھنا چھونا اس کتاب کو جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ في الدرالمختاروقدجوز اصحابنا مس كتب التفسير للمحدث ولم يفصلوا بين كون الاكثر تفسيراً و قرانا ولو قيل به اعتبارا للغالب لكان حسنا الخ في ردالمحتار عن السراج عن الايضاح ان كتب التفسير لا يجوز من موضع القرآن منها وله ان يمس غيره و كذا كتب الفقه اذا كان فيها شيئ من القرآن بخلاف المصحف فان الكل فيه تبع للقرآن اهـ الٰى قوله قال و مافي السراج اوفق بالقواعداهـ ج ص ١٨٢۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ چونکہ مواعظ نہ تفسیر کی کتابیں ہیں نہ ان میں قرآن کی آیات دوسری عبارات پر غالب ہیں لہٰذا ان کا مس بلاوضو جائز ہے اسی طرح پڑھنا بدرجہ اولیٰ البتہ جس مقام پر آیت لکھی ہوئی ہے خاص اس مقام کو بلاوضو مس نہ کرے۔ ۸/ رجب ۱۳۴۲ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۷۱)

جواب شبہ بر استدلال بر حرمت مسِ مصحف بدون طہارت

سوال (۱۴۵) استدلوا على عدم جواز مس القرآن المجيد للمحدث لقوله تعالى لايمسه الا المطهرون والحال انه محتمل التفاسير كما ذكروا في التفاسير فاذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال واما حديث لايمس القرآن الاطاهر فهو ضعيف لا يحتج به و كذلك حديث لايمس المصحف الاعلى

طهارة كما جزم بذلك فيهما النووی ؒ وابن كثيرؒ على ان بعضهم قال ان المراد بالطاهر المومن اوالطاهر من النجاسة الحقيقية والمروی عن ابن عباس والشعبی والضحاك وداؤد جواز مس المصحف للمحدث والجمهور اتفقوا على عدم جواز مس المصحف للجنب ولكن لم يعرف للجمهور دليل۔

الجواب۔ اليس اتفاق الجمهور علامة لكون الحديث له اصل قوی وان طرء عليه الضعف لعارض السند وان اشتقتم الى التفصيل فعليكم بالرجوع الى احياء السنن۔ ۱۳ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ (تتمۂ خامسہ ص ۸۳)

حکم نوشتن آیات قرآنیہ بلا وضو بطوریکہ مس کاغذ نہ شود

سوال (۱۴۶) بلا وضو جو کلام مجید کی کوئی آیت بھی نہ لکھے تو ایک مولوی صاحب نے یہ بتایا کہ اگر بلا وضو کوئی آیت قرآنی لکھنے کی ضرورت ہو تو اس کاغذ کو ہاتھ نہ لگے جس پر آیت قرآنی لکھے تو یہ صحیح ہے یا غلط۔

الجواب۔ اختلاف ہے۔ اس کی بھی گنجائش ہے۔

و فی الدرالمختار ولا تكره كتابة قرأن والصحيفة واللوح على الارض عندالثانی خلا فالمحمد وينبغی ان يقال ان وضع على الصحيفة وما يحول بينها وبين يده يوخذ بقول الثانی والافبقول الثالث قاله الحلبیؒ ج۱ ص ۱۸۰۔

۲۸ رجب ۱۳۳۲ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۷۷)

☆☆☆

کتابُ الصَّلٰوۃ

بَابُ المواقیت

حکم نماز وغیرہ میان عصر ومغرب

سوال (۱۴۷) اس مسئلہ میں علماء دین کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ درمیان عصر ومغرب سجدۂ تلاوت ونماز جنازہ وقضاء فرض یا اور کوئی نماز کسی طرح کی ادا کرنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ درمیان عصر ومغرب قبل تغیر شمس سجدۂ تلاوت ونماز جنازہ وقضاء فرض ووتر جائز ہے اور نوافل وسنن ممنوع ہیں اور وقت تغیر شمس کے یہ سب چیزیں (۱) ممنوع ہیں۔
تسعة اوقات یکرہ فیها النوافل وما فی معناها الاالفرائض هکذا فی النهایة والکفایة فیجوز فیها قضاء الفائتة وصلوٰة الجنازة و سجدة التلاوة کذا فی فتاویٰ قاضی خان (قال بعد اسطر) منها مابعد صلوة العصر قبل التغیر هکذا فی النهایة والکفایة ۱۲ عالمگیری جلد اول ص ۵۱ ثلث ساعات لایجوز فیها المکتوبة ولا صلوٰة الجنازة ولاسجدة التلاوة اذا طلعت الشمس حتی ترتفع و عند الانتصاب الی ان تزول وعند احمرارها الیٰ ان تغیب عالمگیری جلد اول والله اعلم (امداد ص ۱۷ ج ۱)

بیان وقت عشاء

سوال (۱۴۸) کس قدر حصہ رات کا گزرنے سے وقت نماز عشاء شروع ہوتا ہے۔

الجواب۔ غروب (۲) سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد عشاء کا وقت آجاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۷/ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۴ ج ۱)

---

(۱) لیکن اسی روز کی عصر کی نماز پڑھ لینا چاہیے ۱۲ منہ

(۲) اس فتوے میں غیبوبت شفق ابیض کا اعتبار کیا گیا ہے اور بہشتی زیور میں غروب شفق احمر کا پس وجہ تطبیق یہ ہے کہ بہشتی زیور میں حکم تحقیقی کا بیان ہے اور یہاں حکم احتیاطی کا لیکن اس میں شبہ یہ ہے کہ اس سے عشاء میں تو احتیاط ہوگی لیکن مغرب میں احتیاط نہ رہی اس لئے عبارت میں یوں تغییر ہونی چاہیے۔ عشاء کا اتفاقی وقت ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ہوتا ہے اس لئے عشاء کی نماز واذان ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد مناسب ہے۔ یہ مضمون تصحیح الاغلاط ص ۹ سے لکھا گیا۔

وقت عصر

سوال (۱۴۹) کس قدر حصہ دن کا گزرنے سے وقت نماز عصر شروع ہوتا ہے۔

الجواب۔ عصر کے متعلق کسی خاص حصہ دن کی نہ مجھ کو تحقیق ہے نہ تجربہ ہے اتنی پہچان معلوم ہے کہ ٹھیک دوپہر کے وقت ایک لکڑی ہموار زمین میں کھڑی کر کے اس کا سایہ ناپ لیں وہ مقدار سایہ کی اور اس لکڑی سے دو حصہ اور سایہ جب ہو جاوے عصر کا وقت آ گیا۔ ہر موسم میں یہ قاعدہ کلیہ ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۳؍ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۴ ج ۱)

سوال (۱۵۰) مثلین کے بعد جو نماز عصر بمذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ادا کرتے ہیں ازروئے روایات اور فقہ کے یہ قوی قول ہے یا ایک مثل کی روایت اور جو امام ایک مثل پر نماز عصر ادا کرتا ہے اور اس کے پیچھے بعضے مقتدی اس کے ہم خیال ہیں کہ وہ ایک مثل پر نماز عصر کو جائز سمجھتے ہیں اور بعضے مقتدی کا عقیدہ اور تحقیق مثلین کی ہے اور وہ اس کے پیچھے بوجہ نادانستگی وقت یا بوجہ فساد نہ ہونے کے پڑھتے ہیں ان .... کی نماز عصر ادا ہوگی یا اعادہ فرض ہوگا اور یہ نفل ہوں گی اور ایسا امام ایسے دو قسم کے لوگوں کی مسجد میں امامت کرنے سے گنہگار تو نہیں ہوگا یا مقتدی اس کو امامت سے علیحدہ کر کے دوسرا امام کہ جو مثلین کے بعد نماز عصر پڑھایا کرے مقرر کریں تا کہ یقیناً سب کی نماز ہو جاوے یہ کرنا ان کے یا متولی مسجد کے ذمہ ضروری ہوگا اور ایسا انتظام نہ کرنے سے گنہ گار ہوگا یا نہیں بدلائل و بحوالہ کتب معتبرہ حدیث وفقہ ارقام فرمائیں۔

الجواب۔ متون کی روایت مثلین کی ہے اور اصل مذہب متون ہی میں ہوتا ہے۔ کما ھو مقرر ومصرح اور گو بعض نے مثل درمختار وغیرہ کے ایک مثل کو ترجیح دی ہے مگر محققین نے اس ترجیح کو نہیں مانا چنانچہ علامہ شامی نے ردالمحتار میں اس پر کلام مبسوط کیا ہے ج ۱ ص ۲۷۱ میں اور نیز براءۃ ذمہ یقینی بھی اسی میں ہے پس یہی احوط بھی ہوا اور عصر ایک مثل پر پڑھنے سے اس کی صحت اختلافی ہوگی اس لئے فساد یا وجوب اعادہ کا یقینی حکم تو نہیں کر سکتے اسی طرح اس امام پر حکم عاصی ہونے کا یقیناً نہیں لگا سکتے اسی طرح اسکے وجوب عزل کا بذمہ متولی یا جماعت کے یقینی حکم نہیں کر سکتے کہ اختلافیات میں بخصوص جبکہ ایک ہی مذہب کے اقوال مختلفہ ہوں اور دونوں جانب میں اکابر ہوں۔ ایسے احکام کا قطع مشکل ہے البتہ ایسی عصر کے اعادہ کا اولیٰ ہونا۔ اسی طرح ایسے امام کے لئے تاخیر کا امر کرنا اور درصورت عدم امتثال دوسرے امام کا معین کر دینا یہ سب احکام درجہ احوط و افضل میں ضرور ہیں۔ چنانچہ ردالمحتار کی یہ روایت اس کی مؤید صریح ہے۔

وانظر هل اذالزم من تاخيره العصر الى المثلين قوة الجماعة يكون الاولىٰ التاخير ام لاوالظاهر الاول بل يلزم لمن اعتقد رجحان قول الامام تامل ثم رأيت فى اٰخر شرح المنية ناقلاً عن بعض الفتاوىٰ انه لو كان امام محلته يصلى العشاء قبل غياب الشفق الابيض فالافضل ان يصليها وحده بعد البياض ج۱ص ۳۷۲ ۔ والله اعلم　　۳ محرم ۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص۲۵)

توضیح وقت کراہت عصر

سوال (۱۵۱) احقر جب دورہ حدیث میں تھا اس وقت موسم جاڑہ میں ترمذی شریف بعد عصر ہوتی تھی اس وقت حضرت استاذ نا مولانا صاحب مدظلہ العالی کو کئی روز یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عصر کی نماز میں تاخیر ہو جاتی ہے بسا اوقات خیال ہوتا ہے کہ حد اصفرار کو پہنچ گیا۔ اس وجہ سے میں اکثر...... کی مسجد میں عصر پڑھتا ہوں وہاں...... کی مسجد سے قبل نماز ہوتی ہے حضرت والا جس وقت...... کی مسجد میں نماز ہوتی تھی بعد فراغ صلوٰۃ کم وبیش ایک گھنٹہ یا کچھ زیادہ دن رہتا تھا۔ اس سے شبہ ہوتا تھا کہ اب اصفرار کیسے ہوگا۔ مگر یہ سمجھ کر کہ...... صاحب کو پہچان زیادہ ہے عصر کی نماز غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے پڑھ لیتا تھا اگر تاخیر ہو جاتی تو ایک بے چینی ہوتی تھی (اور چونکہ یہاں پر جب نمازی آ جاتے ہیں جماعت ہو جاتی ہے۔ کوئی وقت گھڑی کے حساب سے مقرر نہیں ہے) اور اگر مصلی سب نہ آئے ہوں یا دو چار آدمی وضو سے رہ گئے ہوں ان کا انتظار نہ کئے نماز شروع کر دیتا تھا اس خیال سے کہ کبھی وقت اصفرار نہ آ جائے اور نماز مکروہ تحریمی نہ ہو جائے۔ اب ایک صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا قدس سرہ سے سنا کہ وقت اصفرار قبیل غروب ہوتا ہے جب ٹکیۂ آفتاب پر اچھی طرح نظر کر سکے۔ اب اس سے تردد ہو گیا اب حضرت والا ارشاد فرماویں کہ جب دن چھوٹا ہوتا ہے جیسے آج کل کے دن ہیں اس وقت غروب سے کتنا پہلے وقت اصفرار شروع ہوتا ہے گھڑی کے حساب سے تخمینہ کر کے بتلاویں تاکہ اس پر عمل کرے۔

الجواب۔ فى الدرالمختار مالم يتغير ذكاء بان لا تحار العين فيها على الاصح فى ردالمحتار صححه فى الهداية وغيرها و فى الظهيرية ان امكنه اطالة النظر فقد تغيرت وعليه الفتوىٰ و فى النصاب غيره وبه ناخذ وهو قول ائمتنا الثلاثة و مشائخ بلخ وغيرهم كذافى الفتاوىٰ الصوفية اهـ و فى المسئلة اقوال اخرايضاً۔

اس عبارت میں تغیر کی جو حد ہے کہ آفتاب کی طرف دیکھنے سے یا دیر تک دیکھنے سے چشم

خیرہ نہ ہو وہ ایک امر محسوس ہے اس میں گھنٹہ گھڑی پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس تغیر کے قبل عصر سے فارغ ہو جانا چاہیے۔ ۹۔ ج ۲ ۱۳۴۳ھ (تتمۂ خامسہ ص ۳۶۵)

طریق معرفت وقت ظہر وعصر ومغرب

سوال (۱۵۲) یہاں ظہر عصر کے درمیان اور مغرب اور عشاء کے درمیان وقت تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ اس وقت ہے جبکہ سورج کی بلندی اور مغرب کے بعد روشنی کا خیال کیا جائے۔ ورنہ گھڑی کے اتباع سے تو کوئی مشکل نہیں۔ مثلاً دوپہر کے وقت سورج کی اونچائی افق سے ایک نیزہ برابر ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دن غروب ہونے میں ایک گھنٹہ بھر رہ گیا ہے۔ آج کل پونے چار بجے سورج غروب ہوتا ہے۔ ایک دو بجے کے وقت جس کو ظہر کا وقت سمجھنا چاہیے سورج اتنا نیچا معلوم ہوتا ہے جیسے عصر کا آخر وقت ہو تو ایسی حالت میں اگر ظہر اور عصر میں فاصلہ کرنا ضروری ہے تو ظہر کس وقت پڑھی جائے اور عصر کتنی دیر اس کے بعد۔

الجواب۔ اس کے لئے ایک دن یا دو دن تھوڑا وقت صرف کرنا پڑے گا گھڑی بھی اسی کے بعد رہبری کے لئے کافی ہو سکتی ہے وہ کام یہ ہے کہ کسی دن جب فرصت ہو اور دھوپ ہو دوپہر سے پہلے بالشت دو بالشت کی برابر زمین کی سطح ہموار کر کے اس پر ایک خط مستقیم جنوباً شمالاً کھینچ دیا جائے۔ قطب نما جو کہ شمالی سمت کو بتلاتا ہے یہ اس کے لئے کافی ہو جاوے گا۔ اس کے بعد اس خط کے جنوبی نقطہ پر ایک باریک اور سیدھی لکڑی یا سینک یا لوہے کا تار سیدھا کھڑا کر دیا جاوے چونکہ دوپہر سے پہلے کا وقت ہوگا۔ سایہ اس لکڑی کا عین خط پر نہ ہوگا بلکہ اس خط سے مغرب کی طرف قدرے مائل ہوگا۔ پھر وقتاً فوقتاً خط کی طرف آنا شروع ہوگا۔ حتیٰ کہ بالکل اس خط پر منطبق ہو جاوے گا۔ اس وقت اس سایہ کے منتہا پر ایک نشان بنا کر اس سایہ کو کسی اور لکڑی وغیرہ سے ناپ لیا جاوے اور اس پیمانہ کو محفوظ رکھا جاوے یہ وقت عین دوپہر کا ہے۔ اس کے بعد وہ سایہ مشرق کی طرف مائل ہونے لگے گا یہ ظہر کا اول وقت ہے۔ پھر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اس لکڑی کا جس کا سایہ ناپا تھا اس سطح پر سیدھا کھڑا کر کے دیکھتے رہیں اور جتنا سایہ عین دوپہر کے وقت تھا جس کا پیمانہ آپ کے پاس محفوظ ہے اس پیمانہ کی برابر سایہ چھوڑ کر بقیہ سایہ کو دیکھئے خود اس سایہ دار لکڑی کی برابر ہو گیا یا نہیں۔ اگر نہ ہوا ہو پھر تھوڑی دیر میں دیکھئے جب برابر ہو جاوے یہ عصر کا اول وقت ہے امام شافعی اور صاحبین کے نزدیک۔ اور جب اس پیمانہ کے برابر سایہ چھوڑ کر اس سایہ دار لکڑی سے دوگنا سایہ ہو جاوے وہ اول وقت عصر کا ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے

نزدیک۔ اور آپ کو گنجائش ہے۔ خواہ امام شافعی کے وقت میں عصر پڑھ لیں۔ خواہ امام ابوحنیفہ کے وقت میں جس وقت فرصت اور موقع ملے۔ اور ان اوقات مذکورہ میں اپنی گھڑی میں وقت دیکھتے رہیے۔ پھر اسی کے مطابق گھڑی دیکھ کر نمازیں ادا کرتے رہیے۔ پھر ایک مہینے کے بعد اسی طرح سایہ دیکھ لیا جاوے کچھ تفاوت ہو جاوے گا۔ اس کو بقید ماہ شمسی ضبط کرتے رہیے۔ آپ کے پاس ایک مفید اور کارآمد جنتری ہو جاوے گی۔ یہ عصر کے وقت کی شناخت اور ضبط کا طریقہ ہے۔ (تتمۂ خامسہ ص ۴۱۹)

طریق معرفت وقت مغرب

سوال (۱۵۳) جب بادل نہ ہوں تو سورج غروب ہونے کے بعد بہت تھوڑی دیر تک ایک صاف روشنی یعنی (اُجالا) رہتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سورج ابھی غروب ہوا ہے سنا ہے کہ گرمیوں میں تو یہاں سورج غروب ہونے کے بعد گھنٹوں تک ایسا اجالا رہتا ہے جیسے دن ہو تو آیا اس حالت میں مغرب کی نماز کا وقت اس حد تک رہے گا جب تک دھندلے کے آثار ظاہر نہ ہوں سورج غروب ہونے کے بعد کسی حد معین تک وقت شمار کیا جائے گا۔ اور عشاء کا وقت کس لحاظ سے شمار ہوگا سورج کے غروب ہونے کے بعد گھنٹوں کے خیال سے یا اُجالے کے زائل ہونے کے بعد۔

الجواب۔ اول یہ سمجھئے کہ غروب آفتاب اور ابتداء وقت عشاء میں اتنا فصل ہوتا ہے جتنا طلوع صبح صادق اور طلوع آفتاب میں۔ اب میں صبح صادق کا قاعدہ بتلاتا ہوں۔ اس کو بھی دیکھنا پڑے گا۔ قاعدۃً اکثر یہ ہے کہ قمری مہینہ کی ۲۶ رشب کو طلوع قمر کے ساتھ صبح صادق ہوتی ہے۔ اسی طرح ۱۲ رشب کو غروب کے ساتھ صبح صادق ہوتی ہے۔ ان دوشبوں میں سے جس شب میں دل چاہے صبح صادق کا وقت دیکھ کر گھڑی سے طلوع شمس تک کا فاصلہ دیکھ لیجئے اتنا ہی فاصلہ اس روز غروب شمس اور ابتداء وقت عشاء میں ہوگا اس کو بھی ہر مہینہ دیکھ کر ضبط کر لیجئے۔ اور اس قاعدہ سے جو اوقات منضبط ہوں ان میں تھوڑی سی احتیاط کر لیجئے۔ یعنی عصر بھی اور عشاء بھی عین اول وقت سے دس پندرہ منٹ بعد میں پڑھ لیا کیجئے اور روزہ میں اسی قدر پہلے سحری چھوڑ دیجئے۔ اور بارھویں اور چھبیسوں شب سے مراد وہ ہے جس کی صبح کو بارہویں اور چھبیسویں تاریخ ہوتی ہے۔ میں نے بہت آسان کر کے لکھدیا ہے۔ پھر بھی ذرا غور سے پڑھ لیجئے۔ (تتمۂ خامسہ ص ۴۲۰)

پابندی اوقات مقررہ قوم برائے نماز یا ضبط او بہ گھڑی وغیرہ

سوال (۱۵۴)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مساجد میں نماز کے واسطے وقت کا مقرر کرنا اور اس وقت مقررہ پر نماز کا پڑھنا یا پڑھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ عن ابی ہریرة قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اشتد الحرفابردوا بالصلوٰۃ رواہ البخاری وعن رافع بن خدیج قال کنا نصلی العصر مع رسول اللہ ﷺ ثم تنحر الجزور فتقسم عشرقسم ثم تطبخ فناکل لحما نضیجا قبل مغیب الشمس متفق علیہ و عن رافع بن خدیج قال کنا نصلی المغرب مع رسول اللہ ﷺ فینصرف احدنا وانہ لیبصر مواقع نبلہ متفق علیہ وعن النعمان بن بشیرؓ قال انا اعلم بوقت ھٰذا الصلوٰۃ العشاء الاخرۃ کان رسول اللہ ﷺ یصلیھا لسقوط القمر لثالثة رواہ ابوداؤد والدارمی وعن رافع بن خدیج قال قال رسول اللہ ﷺ اسفروابالفجر فانہ اعظم للاجر رواہ الترمذی وعن ابی سعید قال صلینا مع رسول اللہ ﷺ الحدیث وفیہ قال ﷺ ولو لا ضعف الضعیف وسقم السقیم لأخرت ھٰذہ الصلوٰۃ رواہ ابوداؤد والنسائی وعن ام سلمة قالت کان رسول اللہ ﷺ اشد تعجیلا للظھر منکم وانتم اشد تعجیلا للعصر منہ رواہ احمد والترمذی وعن انس قال کان رسول اللہ ﷺ اذاکان الحرابرد بالصلوۃ واذا کان البرد عجل رواہ النسائی وعن ابن مسعود قال کان قدر صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ الظھر فی الصیف ثلثة اقدام الیٰ خمسة اقدام و فی الشتاء خمسة اقدام الیٰ سبعة اقدام رواہ ابوداؤد والنسائی۔

ان روایات سے چند امور مستفاد ہوئے۔ اول باوجود وسیع ہونے اوقات صلوٰۃ کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اکثر اوقات معینہ پر نماز پڑھنے کا تھا اور اس کے خلاف کسی عارض سے ہوتا تھا۔ دوم مدار تعیین فضل وقت اور مقتدیوں کے حال کی رعایت تھا۔ سوم صحابہ میں بھی اسی طرح تعیین معمول یہ تھی پس اب جو مساجد میں تعیین ہوتی ہے اس کا محصل یہی ہے جو روایات مذکورہ سے مستفاد ہوا۔ رہا گھنٹہ گھڑی یعنی انضباط اوقات سے کام لینا سو وہ خود مقصود نہیں بلکہ مقصود اوقات مخصوصہ ہیں اور وہ محض شناخت اوقات کا ایک آلہ ہے جو سہولت کے لئے معتبر سمجھا جاتا ہے جیسا کہ بعض اوقات تحری قلب کو معیار قرار دیتے ہیں اصل میں گھنٹہ

گھڑی تحری قلب میں معین ومعاون ہے۔پس یہ طریقہ متعارف بلاتکلف وبلاتردد جائز بلکہ مستحسن وموافق سنت ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔　۲۹ صفر ۱۳۲۴ھ　(امداد ص ۷۰ ج ۱)

حکم التزام اوقات صلوٰۃ بر گھڑی

سوال (۱۵۵) آج کل بعض مساجد میں گھڑی گھنٹے کی ایسی پابندی کی جاتی ہے کہ جہاں وقت مقرر کردہ ہوا اگر نمازی وضوء کررہے ہوں نماز شروع کردی جاتی ہے اور ان کا انتظار نہیں کیا جاتا اور اگر دو نمازی بھی آجاتے ہیں تو وقت مقررہ ہوتے ہی امام کو کھڑا کردیتے ہیں بغیر اور نمازیوں کے آیا ایسی پابندی التزام مالایلزم میں داخل ہے یا نہیں اور دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہے یا نہیں کیونکہ احادیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نمازی اگر کچھ سویرے آجاتے تھے تو نماز بھی سویرے ہوجاتی تھی اور اگر دیر میں آتے تو دیر سے۔

الجواب۔ یہ انتظام بمصلحت سہولت نمازیوں کے ہے اور غیر ممنوع ہے۔انتظام ممنوع وہ ہے جو دین بکسر دال یا دین بفتح دال کے طور پر ہو۔اور حدیث کا محمل وہ موقع ہے جہاں عدم انتظام میں حرج نہ ہو فقط۔　۲۳؍جمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ　(حوادث رابعہ ص ۷۲)

سوال (۱۵۶) (الف) گھڑی کے اعتبار پر اذان ہونی چاہیے یا علامات سماویہ پر۔سائل بالا۔

الجواب۔ اصل تو علامات سماویہ ہی ہیں لیکن اگر گھڑی کا مطابق اس کے ساتھ متیقن یا مظنون ہو تو گھڑی پر عمل بھی جائز ہے۔ کطبل السحور۔ ۴؍جمادی الاولیٰ ۱۳۴۹ھ (النور شعبان ۱۳۴۹ھ)

شناخت اوقات نماز گھڑی کے ذریعہ

سوال (۱۵۶) (ب) دیکھا جاتا ہے کہ شناخت اوقات نماز کے لئے آج کل گھڑی کا رکھنا اکثر لوگوں نے لازمی کرلیا ہے۔گھڑی رکھنا کیسا ہے۔اور احکامات شرعی میں سے گھڑی کا رکھنا کس حکم میں داخل ہے۔

الجواب۔ فی نفسہ مباح اور معین طاعت بننے کی نیت سے موجب اجر بشرطیکہ اور کوئی امر مانع نہ ہو جیسے کیس کا چاندی یا سونے کا ہونا۔

حد جواز صلوٰۃ بعد الطلوع وقبل الغروب

سوال (۱۵۷) طلوع آفتاب سے کتنے منٹ کے بعد وقت مکروہ نکل جاتا ہے اور نماز

اشراق جائز ہو جاتی ہے۔غروب سے کتنے منٹ پہلے کراہت شروع ہو جاتی ہے۔یہاں کےعوام کے لئے تعدادمنٹ معلوم ہونے کی ضرورت ہے۔

الجواب۔ **في الدرالمختار وكره تحريماً الىٰ قوله مع شروق في ردالمحتار وما دامت العين لاتمارفيها فهي في حكم الشروق كما تقدم في الغروب انه الاصح كما في البحر (ح) اقول ينبغي تصحيح مانقلوه عن الاصل للامام محمدؒ من انه مالم ترتفع الشمس قدررمح فهي في حكم الطلوع لان اصحاب المتون مشواعليه في صلوٰة العيد الخ ج١ ص ٣٨٤ وفيه قدررمح هو اثنا عشر شبراً ج١ ص ٨٧٠۔**

اس سے دوقول ثابت ہوئے اول ایسر ہے ثانی احوط ہے۔ ۲/رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۸۵)

وقت تکبیر اولیٰ

سوال (۱۵۸) تکبیراولیٰ کا ثواب کب تک حاصل ہوتا ہے۔یعنی تکبیراولیٰ میں شریک نہیں ہوا بلکہ فاتحہ یا ختم سورہ قبل رکوع کے شریک ہوا تو ثواب تکبیراولیٰ کا ملے گا یا نہیں۔

الجواب۔اس میں کئی قول ہیں۔ایک تو مقارنت تکبیرامام کے یعنی دونوں ساتھ کہیں۔ دوسرے قبل فراغ ثناءامام کے تیسرے اگر مقتدی موجود تھا تو تین آیت پڑھنے سے پہلے اوراگر بعد میں آیا تو سات آیت پڑھنے سے پہلے چوتھے الحمد ختم کرنے سے پہلے پانچویں پہلی رکعت میں شریک ہوجانے سے پہلے۔

وتظهر فائدة الخلاف في وقت ادراك فضيلة تكبيرة الافتتاح فعنده بالمقارنة و عند هما اذا كبر في وقت الثناء وقيل بالشروع قبل قراءة ثلث آيات لو كان المقتدى حاضراوقيل سبع لوغائبا وقيل بادراك الركعة الاولىٰ وهذا اوسع وهو الصحيح اهـ وقيل بادراك الفاتحة وهو المختار خلاصه ۱۲ شامي والله اعلم۔ (امداد ص۲۱ ج۱)

حکم تاخیر کردن درنماز مغرب بماہ رمضان

سوال (۱۵۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں پر مسجد میں روزہ افطاری کے لئے کھانا لایا جاتا ہے اورلوگ صحن میں اور برآمدہ میں افطاری کے لئے بیٹھتے ہیں۔ مغرب کی اذان کے ساتھ روزہ افطار کر کے کھانے لگتے ہیں جس میں اکثر لوگ تو نیچے بیٹھ کر

روزہ افطار کرتے ہیں اور کتنے حضرات چھت پر روزہ افطار کرتے ہیں۔ اذان ہونے کے بعد دس منٹ کا وقفہ کر کے جماعت نماز کے لئے کھڑی ہوتی ہے جس میں ہر مصلی اطمینان سے افطاری سے فارغ ہوکر جماعت میں شامل ہوجاتا ہے مگر چھت والے حضرات جماعت میں شامل نہیں ہوتے اور بیٹھے کھاتے رہتے ہیں۔ بیڑی پیتے ہیں۔ پان کھاتے ہیں۔ جب نیچے جماعت تمام ہوتی ہے تب یہ حضرات چھت پر دوسری جماعت کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ چھت والے حضرات کا جماعت اولیٰ میں شامل نہ ہونا اور دیر تک کھاتے رہنا اور پھر دوسری جماعت کرنا یہ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں۔ اگر نہیں جائز ہے تو ایسا کرنے والوں کے لئے کیا حکم ہے۔

الجواب۔ **في الدر المختار كتاب الصلوٰة و (يستحب) تعجيل مغرب مطلقا وتاخيره قدر ركعتين يكره تنزيهاً في ردالمحتار تحت هذا القول ان مافي القنية من استنثناء التاخير القليل محمول هي مادون الركعتين وان الزائد على القليل الى اشتباك النجوم مكروه تنزيها وما بعده تحريما الا بعذر قال في شرح المنية والذى اقتضته الاخبار كراهة التاخير الى ظهور النجوم وما قبله مسكوت عنه فهو على الإباحة وان كان المستحب التعجيل اهـ و نحوه ماقدمناه عن الحلية ج۱ ص ۳۸۲۔**

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تاخیر مغرب کے تین درجہ ہیں (۱) **ایک** درجہ تو دو رکعت سے کم یہ کسی کے نزدیک مکروہ نہیں۔ (۲) **دوسرا** درجہ بقدر دو رکعت کے یا اس سے زائد قبل ظہور نجوم تک یہ درمختار کی روایت پر مکروہ تنزیہی ہے اور شارح منیہ کی تحقیق پر مباح مگر خلاف مستحب اور (۳) **تیسرا** درجہ جس میں نجوم ظاہر ہوجاویں یہ مکروہ تحریمی ہے تو دس منٹ سے زائد تاخیر کرنا امر مکروہ بھی نہ ہو جیسا کہ بعض روایات کا مقتضیٰ ہے تاہم ترک مستحب تو ضرور ہے اور ترک مستحب پر بلا ضرورت دوام کرنا ایسا فعل ہے کہ بعض فقہاء نے اس پر مکروہ تنزیہی کا اطلاق کیا ہے چنانچہ ردالمحتار کی عبارت مذکورہ کے بعد ہی یہ عبارت ہے۔ **انه الى ماقبل ذلك مكروه تنزيهاًلترك المستحب هو التعجيل** اور یہ ترک مستحب اس وقت تک رہے گا جب جماعت تاخیر کرے اور اگر جماعت وقت مستحب میں کھڑی ہوجائے تو تخلف عن الجماعت بلا عذر قوی قریب حرام کے ہے اور اس قدر اشتغال اکل وشرب اور اس کے توابع میں اعذار ترک جماعت سے نہیں پس ان لوگوں کا یہ فعل یقیناً شرعاً ناجائز ہے۔

۹ رشوال ۱۳۳۷ھ (تتمۂ خامسہ ص ۹۵)

بابُ الاذان والاقامۃ

حکم حاضر شدن نمازیاں برجرس نہ براذان

سوال (۱۶۰) توقیرآواز اذان چہ قدرست مصلیاں چند بمقابلہ جرس سرکاری ہیچ توقیراذان کہ نقارہ حاکم حقیقی ست نمی کنند تاجرس سرکاری کہ مقرر شدہ است آواز ندہد بمسجد برائے صلوٰۃ نمی آیند چہ حکم مابین ست مشرح مطلع فرمایند واجرتوقیر کردن وتادیب غیرتوقیر کردن چہ قدر است بینواتوجروا۔

الجواب۔ برجرس آمدن وبراذان نیامدن اگر بنا برتوقیر جرس وعدم توقیراذان بودے ہر آئینہ امرے بس قبیح وشنیع بودلیکن جائے چنیں دیدہ وشنیدہ نشد بلکہ دراصل مدارنماز بروقت است واز جملہ معرفات وقت جرس ہم است چوں معرفات وآلات دیگر مثل مقیاس کہ دردائرہ ہندیہ منتصب می باشد وفقہاء نیز اعتبارش کردہ اندپس ہرکہ برجرس می آیدنہ بایں حیثیت کہ مقصودش خصوصیت جرس ست بلکہ بایں حیثیت کہ آواز معرفات وقت ست وبرمسلمانان بدگمانی کردن خود بےتوقیری اسلام است کہ از بےتوقیری اذان اشداست۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔
۹رشوال ۱۳۲۳ھ (امدادص ۶۶ ج۱ (حوادث ص ۶۹ ج۱و۲)

حکم رفع یدین دردعائے اذان

سوال (۱۶۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفقہاء شرع متین اس مسئلہ میں کہ دعاء مانگنا ہاتھ اٹھا کر بعداذان کے کیسا ہے۔

الجواب۔ بالتخصیص دعائے اذان میں ہاتھ اٹھانا تونہیں دیکھا گیا مگر مطلقاً دعا میں ہاتھ اٹھانا احادیث قولیہ فعلیہ مرفوعہ وموقوفہ کثیرہ شہیرہ سے ثابت ہے۔

من غیر تخصیص بدعاء دون دعاء پس دعائے اذان میں بھی ہاتھ اٹھانا سنت (۱)

---

(۱) یہ مطلب نہیں کہ افضل ہوگا بلکہ یہ مطلب ہے کہ سنت کے خلاف نہ ہوگا باقی ظاہراً افضل عدم رفع معلوم ہوتا ہے لعدم النقل ۱۲ منہ (یہ بیان اس کے معارض ہے جوکہ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کے الامداد میں بسلسلہ ترجیح الراجح بجواب سوال متعلق بدعا بعد صلوٰۃ العیدین لکھا گیا ہے غور کرلیا جاوے) یہ اضافہ تصحیح الاغلاط ص ۱۷ سے کیا گیا۔

ہوگا۔لاطلاق الدلائل وعن انس قال کان رسول اللہ ﷺ یرفع یدیه فی الدعاء حتیٰ یری بیاض إبطیه وعن السائب بن یزید عن ابیه ان النبی ﷺ کان اذا دعا فرفع یدیه فمسح وجهه بیدیه رواهما البیهقی وعن عکرمة عن ابن عباس قال المسئلة ان ترفع یدیك حذومنکبیك او نحوها الحدیث رواه ابوداؤد کلها فی المشکوة کتاب الدعوات و وراء ها احادیث متکاثرة متوافرة فی هذا الباب یفضی ذکرها الی الاطناب۔ ۲۷ رذی الحجہ ۱۳۰۶ھ (امداد ص ۹۸ ج ۱)

سوال (۱۶۲) حضور نے امدادالفتاویٰ جلد اول مطبوعہ ص ۹۸ کے منہیہ میں لکھا ہے کہ اذان کے بعد دعا کے وقت عدم رفع ید افضل ہے حالانکہ کسی حدیث سے عدم رفع ید بوقت دعائے اذان ثابت نہیں ہے نہ قولاً نہ فعلاً اور اگر یہ کہا جائے کہ اذان کی دعاء والی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ اٹھانے کا ثبوت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اظہار دعائے مسنونہ وفضیلت دعاء بتانا مقصود ہے نہ کیفیت جیسا کہ ترجمۃ الباب اور الفاظ حدیث سے ظاہر ہے۔ اور کیفیت دعا میں مستقل حدیثیں موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا بطریقہ شرع مستحب و افضل ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ ص ۸۴ باب من کان لایرفع یدیه فی القنوت میں ہے عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ اذا دعوت اللہ فادع بباطن کفیك ولا تدع بظهورهما فاذا فرغت فامسح بهماوجهك بس جبکہ قولی مطلق سے مطلق رفع ید کی فضیلت ثابت ہے تو اگر کسی حدیث فعلی سے عدم رفع ید عندالاذان کی فضیلت ٹھہرائی جائے تو اصول فقہ کے دو قاعدوں سے خلاف لازم آئے گا۔ پہلا قاعدہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جس فعل کی جہت معلوم ہو اس فعل میں اسی جہت کے ساتھ اقتداء کی جائے اور جس کی جہت نہ معلوم ہو اس کو اباحت پر محمول کریں گے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ عدم رفع ید کی جہت غیر معلوم ہے لہذا احدیث فعلی سے عدم رفع ید کا مستحب و افضل ہونا ثابت ہوا۔ پہلے قاعدہ کی عبارت نہیں نکل سکی اسلئے اس کو نقل نہیں کرتے اور دوسرے قاعدہ کی یہ عبارت ہے۔

فی نورالانوار ص ۲۱۳ مبحث افعال النبی ﷺ والمصنف ترك هذا کله وبین ماهو المختار عنده فقال والصحیح عند نا ان علمنا من افعاله صلی اللّٰه علیه وسلم واقعاً علی جهة من الوجوب اوالندب أو الإباحة تقتدی به فی إیقاعه علی تلك الجهة حتی یقوم دلیل الخصوص فماکان واجباً علیه یکون واجبا علینا وما کان مندوباعلیه یکون مند وبا علینا وما کان مباحاً علیه یکون مباحاً

لناو مالم نعلم علی ایة جهة فعله قلنا فعله علی أدنی منازل افعاله وهو الإباحة۔

اب اس صورت میں عدم رفع یدکو افضل سمجھا جائے یا رفع یدکو امید ہے کہ جواب سے خاکسار کے شک کو رفع فرمائیں گے۔

الجواب۔ مجھ کو تتبع روایات کی فرصت نہیں اس لئے درایت سے جو سمجھا ہوں اس کو نقل کرتا ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ کسی محقق سے تنقید کرالی جاوے اگر کسی دلیل سے اس کا خطا ہونا معلوم ہو مجھ کو بھی اطلاع کردی جاوے میں یہ سمجھا ہوا کہ دعائیں دو قسم کی ہیں ایک وقتی حاجت مانگنا بدوں توظیف الفاظ کے احادیث رفع یدین اس کے متعلق ہیں دوسری ادعیہ موظفہ خواہ جوامع ہوں خواہ موقت ہوں احادیث رفع اس کے متعلق نہیں الا ماورد فیه بالخصوص اول میں رفع ید افضل ہے اور عدم رفع مباح دوسری میں عدم رفع افضل ہے اور رفع مباح اور ہر دعا میں رفع کو افضل کہنا بہت مستبعد ہے بعض میں تو نفی رفع کی قریب قریب مصرح ہے مثلاً منکوحہ کی اول خلوت میں یا اشتراء رقیق یا دابہ میں وارد ہے۔ فلیاخذ بناصیتها ولیقل اللهم انی اسألک الخ اخذ ناصیه ظاہر ہے کہ رفع کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا یا مثلاً جماع کے وقت اللهم جنبنا الشیطان الخ اسوقت رفع ید کیسے ہوگا یا مثلاً انزال کیوقت اللهم لا تجعل الشیطان الخ۔ علی هذا واللہ اعلم۔　　۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (النور ص ۸ شعبان ۱۳۴۹ھ)

مواقع مشروعیت اذان

سوال (۱۶۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ کون کون سے مقام و واقعات آندھی وغیرہ میں اذان سنت ہے اور کہاں کہاں بدعت ہے۔

الجواب۔ ان مواقع میں اذان سنت ہے۔ (۱) فرض نماز (۲) بچہ کے کان میں وقت ولادت (۳) آگ لگنے کے وقت (۴) جنگ کفار کے وقت (۵) مسافر کے پیچھے (۶) جب شیاطین ظاہر ہوکر ڈرائیں (۷) غم کے وقت (۸) غضب کے وقت (۹) جب مسافر راہ بھول جائے (۱۰) جب کسی کو مرگی آوے (۱۱) جب کسی آدمی یا جانور کی بدخلقی ظاہر ہو اس کو صاحب ردالمحتار نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور بعض بزرگوں کا عمل وقت عموم امراض وخوف غرق کے بھی دیکھا ہے لیکن کوئی روایت (۱) نہیں دیکھی اور آندھی کے وقت تو اذان دیکھی سنی نہیں گئی البتہ فقہاء نے نماز اس وقت لکھی ہے اور دیگر اوقات میں بھی لکھی ہے۔ (۱) کسوف اور (۲) خسوف (۳) آندھی (۴)

---

(۱) اس لئے نہ چاہیے بالخصوص جبکہ عوام کا اعتقاد اس میں حد فساد تک پہنچا ہوا ہے۔ ۱۲ منہ

تاریکی دن کو (۵) روشنی شدیدرات کو (۶) خوف غنیم (۷) زلزلہ (۸) بجلی (۹) برف (۱۰) بارش جو تھمتی نہ ہو (۱۱) عموم امراض (۱۲) استسقاء اس کو صاحب درمختار نے ذکر کیا ہے اور تعمیم کی ہے کہ جو آیات اللہ موجب تخویف ہوں اس وقت نماز پڑھنا چاہیے ویؤیدہ قولہ علیہ السلام اذا رأیتم من هذه الأفزاع شيئا فافزعوا الى الصلوٰة والله اعلم (امداد ص ۹۸ ج ۱)

حکم التفات وقت گفتن حی علی الصلوٰۃ وحی الفلاح دراذان واقامت ودراذان مولود

سوال (۱۶۴) اذان میں حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح میں رخ یمین وشمال کرتے ہیں تو اقامت میں یا جو بچہ کے کان میں اذان کہتے ہیں ان میں بھی منہ پھیرنا چاہیے یا نہیں۔

الجواب۔ التفات یمین ویسار جیسا اذان میں مسنون ہے ویسا ہی اقامت میں اور ایسے ہی بچہ کے کان میں ویلتفت فيه وكذا فيها مطلقا وقيل ان المحل متسعاً يمينا ويسارا فقط فلا يستدبر القبلة بصلاة وفلاح ولو وحده او لمولود لأنه سنة الاذان مطلقاً درمختار باشامي ج ۱ ص ۲۵۹ مورخہ ۱۳/جمادی الاول ۱۳۰۲ھ (امداد ص ۱۰۵ ج ۱)

کراہت بیع باذان اول جمعہ وقت تعدد اذان

سوال (۱۶۵) جمعہ کے روز جس وقت اذان خطبہ کہی جاوے اس وقت تو بیع وفروخت منع ہے آیا کل شہر پر حکم یکساں ہے یا مختلف کیونکہ اذان کسی مسجد میں پیشتر ہوتی ہے کسی میں بعد کو ہر محلہ کی مسجد کے موافق حکم علٰحدہ علٰحدہ ہے یا کل شہر کے لئے حکم یکساں ہے۔

الجواب۔ جو بیع مخل سعی ہو وقت اذان اول جمعہ کے مکروہ ہے اور اگر چند اذان کہی جاوے تو اظہر یہ ہے کہ اذان اول کے ساتھ کراہت ثابت ہوجائیگی۔ اگر چہ اس کی روایت صریحہ احقر نے نہیں دیکھی لیکن تعدد اذان میں اجابت اذان اول کو لکھا ہے۔ اس قیاس پر وجوب سعی وکراہت بیع بھی اذان اول پر چاہیے خواہ مسجد محلہ میں ہو غیر میں ولو تكرر اجاب الاول درمختار قوله اجاب الاول سواء كان مؤذن مسجده او غيره شامي ج ۱ ص ۳۶۶۔ اور اس حکم میں سب اہل شہر یکساں ہیں البتہ جن پر جمعہ واجب نہیں وہ مستثنیٰ ہیں ان کو بیع جائز ہے۔ وكره البيع عند الاذان الاول وقد خص منه من لا جمعة عليه درمختار باشامی ج ۱ ص ۳۰۲۔

۱۳/ جمادی الاول ۱۳۰۳ھ (امداد ص ۱۰۶ ج ۱)

اذان کے جواب دینے کا حکم سب پر ہے

سوال (۱۶۶) اذان جس وقت ہو اور کسی جگہ دس پانچ آدمی بیٹھے ہوں تو ایک کا جواب دینا سب کی جانب سے کافی ہوگا یا نہیں۔

الجواب۔ نہیں۔ **لعدم دلیل علیہ۔** (تتمۂ اولیٰ ص ۳۴ ج ۱)

اذان کے جواب کا استحباب

سوال (۱۶۷) جو آدمی مسجد میں ہوں ان پر جواب اذان کا واجب ہے یا مستحب۔

الجواب۔ مستحب ہے۔ **فی الدر المختار ولو بمسجد لانہ اجاب بالحضور الخ ورجح الاستحباب فی ردالمحتار۔** (تتمۂ اولی ص ۳۴ ج ۱)

حکم اجابت اذان بوقت شنیدن اذان چند بار

سوال (۱۶۸) چند روز ہوئے ایک عریضہ خدمت شریف میں روانہ کیا تھا اور اس کا ایک سوال یہ بھی تھا جو حسب ذیل معہ جواب بعینہ اسی عبارت میں مذکور ہے۔ (سوال) ایک وقت میں اذان کا جواب ایک ہی دفعہ دینا واجب ہے یا جتنی دفعہ سنے اتنی ہی دفعہ واجب (جواب) خود واجب ہونے کی کیا دلیل۔ اب عرض یہ ہے کہ مجھ میں اتنی بصارت و طاقت نہیں جو حضور کے سامنے کوئی دلیل پیش کروں لیکن بہشتی گوہر کی عبارت نقل کی جاتی ہے بعد ملاحظہ سوال کا جواب برائے کرم اس طرح عنایت فرمایئے جس سے تشفی کامل ہو جاوے۔ عبارت بہشتی گوہر حسب ذیل ہے۔ بہشتی زیور کا گیارھواں حصہ اذان واقامت کے احکام ص ۲۴ میں مسئلہ جو شخص اذان سنے مرد ہو یا عورت طاہر ہو یا جنب اس پر اذان کا جواب دینا واجب ہے۔

الجواب۔ اجابت واجبہ میں اختلاف ہے کہ بالقدم ہے یا باللسان بہشتی گوہر کا فتویٰ قول ثانی پر مبنی ہے اور دلیل سے راجح قول اول ہے (الشامی) اور اس صورت میں اجابت باللسان مستحب ہوگی۔ پھر اگر کئی اذانیں سنے تو درمختار میں صرف اذان اول کی اجابت کو اختیار کیا ہے خواہ واجب ہو یا مستحب ہو اور شامی کی رائے سب کی اجابت کی ہے۔ **کما فصّلہ تحت قول الدرالمختار ولو تکرر اجاب الاول جلد ۱ ص ۴۱۲**

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۵۸)

سامعین اذان پرسلام کاجواب واجب نہیں

سوال (۱۶۹) سامعین اذان کوخواہ وہ جواب اذان دے رہے ہوں یا سکوت میں ہوں کسی آئندہ شخص کے سلام کا جواب دیناواجب ہے یانہیں اور کسی شخص کوایسے مواقع پرسلام کرنا چاہئے یانہیں۔

الجواب۔ ایسے وقت میں سلام نہ چاہئے اور اگرسلام کہا ہوتو جواذان کا جواب دے رہا ہے اس پرتو اس سلام کا جواب دیناواجب نہیں اور جوساکت ہے ظاہر یہ ہے کہ اس پربھی واجب نہیں۔ **لان سماع الذکر کالذکر کمافی الدرالمختار مصل وتال ذاکرومحدث خطیب ومن یصغی الیھم ویسمع فقط** (تتمۃ اولی ص ۳۷)

مسجد کی بائیں جانب اذان دینے کارواج کیسا ہے

سوال (۱۷۰) علی العموم یہ جورواج ہے کہ منبر جس پر جمعہ کا خطبہ پڑھا جاتا ہے وہ مسجد میں داہنی جانب بنایا جاتا ہے اس کا ثبوت احادیث سے ہے یا محض رواج ہے اگر بائیں جانب منبر بنا کر خطبہ پڑھا جاوے تو درست ہے یا نہیں اور اذان کی نسبت کیا حکم ہے اس کا رواج پنجہ وقتہ مسجد کے بائیں جانب پڑھنے کا ہے اس کا ثبوت احادیث سے کیا ہے۔

الجواب۔ کوئی اصل یادنہیں۔ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۱)

حکم اذان دادن یک کس دردومسجد بوقت واحد

سوال (۱۷۱) اگر کوئی مؤذن یا امام بلا کسی طمع کے کئی مسجدوں میں ایک وقت کی اذان کہے تو کیسا ہے۔

الجواب۔ **فی الدرالمختار باب الاذان یکرہ لہ ان یؤذن فی مسجدین فی ردالمحتار لانہ اذا صلی فی المسجد الاوّل یکون متنفلابالاذان فی المسجد الثانی والتنفل فی الاذان غیرمشروع ولان الاذان للمکتوبۃ وھو فی المسجد الثانی یصلے النافلۃ فلا ینبغی ان یدعو الناس الی المکتوبۃ وھو لایساعدھم فیھا اھ۔ بدائع ج۱ ص ۴۱۵۔** ۲۶ محرم ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۱۰)

اوقات نماز آنجا کہ غروب یاطلوع نہ شود

سوال (۱۷۲) حضرت میں نے یہاں آکر سنا ہے کہ نورو سے جو کہ قطب شمالی کے

قریب ہے ایک ملک ہے یہاں پر جاڑوں کے موسم میں اور گرمیوں کے موسم میں دو مہینے ایسے ہوتے ہیں کہ دو مہینے تک دن ہی دن رہتا ہے اور دو مہینے تک رات ہی رات۔ تو اس صورت میں حضرت نماز کیسے پڑھنا چاہئے۔

الجواب۔ (من الاحقر) کیا ان دو مہینوں میں غروب ہی نہیں ہوتا یا طلوع ہی نہیں ہوتا یا تھوڑی دیر کے لئے ہوتا ہے۔ ہر ایک کا جدا جدا حکم ہے۔

اس کے جواب میں ذیل کا خط آیا

دوسرے سوال کے متعلق یہ عرض ہے کہ دو مہینے تک تو غروب ہی نہیں ہوتا برابر دن رہتا ہے اور سال بھر میں دو مہینے ایسے ہوتے ہیں کہ سورج نکلتا ہی نہیں یہ مجھے یہاں پر آ کر معلوم ہوا ہے۔ میرے پاس یہاں پر کوئی بڑا جغرافیہ نہیں تاکہ میں فوراً اس کر پڑھ کر معلوم کر لیتا یہاں پر اکثر لوگ مذہب کے متعلق سوال کرتے رہتے ہیں تو خیال ہے کہ اگر کسی نے پوچھ لیا کہ ایسے ملک میں جہاں پر سورج نکلتا ہی نہیں یا نکلتا تو ہے غروب ہی نہیں ہوتا تو پھر کیسے نماز پڑھو گے تو میرے پاس اس کا کوئی صحت بخش جواب نہ ہوگا۔ سائل بالا۔

الجواب۔ (من المولوی عبدالکریمؒ) جس موسم میں دن یا رات بہت ہی بڑی ہو جاوے اس وقت یہ حکم ہے کہ اس علاقہ سے قریب ترین علاقہ (جس میں معمولی طور پر غروب ہوتا ہو) اس کے اوقات معلوم کئے جاویں اور نماز روزہ سب اسی حساب سے رکھیں۔ مورخہ ۹؍ جمادی الآخر ۵۰ھ

اس کا حاصل (من الاحقر) یہ ہے کہ جس مقام میں دو مہینہ کی رات اور دو مہینہ کا دن ہوتا ہے یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کے اطراف کے مقامات میں جو مقامات ایسے ہیں کہ ان ہی دنوں میں وہاں مجموعہ رات دن کا چوبیس گھنٹہ کا ہوتا ہے ان مقامات میں کونسا مقام بہ نسبت دوسرے مقامات کے اس مقام مذکورہ بالا طویل النہار وطویل اللیل کے نسبتاً قریب تر ہے اس معمولی طلوع وغروب والے مقام کے حساب سے اس طویل النہار واللیل کا حساب ہوگا یعنی معمولی مقام میں نماز فجر کے جتنے گھنٹے بعد ظہر کی نماز ہوتی ہے اتنے ہی گھنٹوں بعد اس طویل النہار واللیل مقام میں ظہر پڑھیں گے اسی طرح اور نمازیں بھی اسی حساب سے اس طویل رات یا طویل دن میں دو مہینے کی نمازیں گھنٹوں کے حساب سے پڑھیں گے جس طرح وہاں کے باشندے اپنے اور معاملات نوکری چاکری مزدوری میں اسی قسم کا حساب کرتے ہوں گے یعنی اس طویل دن میں مزدور لوگ ایک دن کی مزدوری نہ لیتے ہوں گے بلکہ دو ماہ کی لیتے ہوں گے اسی طرح اس طویل

شب میں کارخانہ والے لوگ نوکروں کو تعطیل دینے میں ایک شب شمار نہ کرتے ہوں گے بس ایسے ہی حساب نمازوں کا سمجھ لیا جاوے اسی طرح روزہ وافطار گھنٹوں کے حساب سے ہوگا اور یہ قول ہے بعض علماء کا۔ اور میرے نزدیک اس میں سخت دشواری ہے اس لئے دوسرے بعض علماء کے قول کو ترجیح دیتا ہوں یعنی جس موسم میں جتنا بڑا دن اور رات ہو اس دن رات کے مجموعہ میں پانچ ہی نمازیں فرض ہیں یعنی صبح صادق اور طلوع شمس کے درمیان فجر کی نماز پھر دن ڈھلے ظہر وعلیٰ ہذا البقیہ نمازیں۔ اور روزہ ایسے طویل دن میں اداء فرض نہیں بلکہ معمولی دنوں میں قضا رکھا جاوے گا۔ نصف جمادی الاولیٰ ۱۳۰۵ھ

نوٹ نمبر (۱)۔ آئندہ کی اعانت فی الجواب کے لئے مسائل سے حسب ذیل تنقیحات کی گئیں جواب کا انتظار ہے۔ (۱) وہاں کے باشندے اپنے حسابات و معاملات میں ایسے لیل و نہار شمار کرتے ہیں یا دو مہینے کے لیل و نہار۔ (۲) اگر متعدد لیل و نہار شمار کرتے ہیں تو اس کا معیار کیا ہے جس سے منضبط کیا جاتا ہے اور جس کی بناء پر تاریکی کے بعض حصص کو نہار اور روشنی کے بعض حصص کو لیل قرار دیا جاتا ہے (۳) اسی کی فرع یہ ہے کہ وہاں ایک سال بارہ مہینہ کا سمجھا جاتا ہے یا کم کا اسی طرح ہر مہینہ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱ کا شمار ہوتا ہے یا بعض مہینہ کم کا۔

نوٹ نمبر (۲)۔ جواب ہذا کے متعلق ایک نقشہ وہاں کے طلوع وغروب کا ایک ماہر فن سے مرتب کرا کر ملحق کر دیا گیا۔ اشرف علی

طلوع وغروب وشفق وصبح صادق ۔ عرض بلد ۵۵ درجہ ۵۳ دقیقہ،
طول بلد ۴ درجہ ۲۳ دقیقہ مشرق ۔ رین فیرو واقع اسکاٹ لینڈ
(از محمد مظہر تھانوی مقیم بھوپال)
(بحساب وقت ریلوے برطانیہ اعظم (اسٹینڈرڈ ٹائم)

	صبح صادق		طلوع		غروب		شفق		
	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	
جنوری ۱	۶	۲۸	۸	۵۰	۱۵	۵۶	۱۸	۱۷	
۱۱	۶	۲۶	۸	۵۴	۱۶	۱۰	۱۸	۲۸	
جنوری ۲۱	۶	۱۹	۸	۳۳	۱۶	۲۸	۱۸	۵۴	
۳۱	۶	۷	۸	۱۷	۱۶	۴۹	۱۹	۰	
فروری ۱۰	۵	۵۰	۷	۵۷	۱۷	۱۱	۱۹	۱۹	
۲۰	۵	۳۰	۷	۳۴	۱۷	۳۳	۱۹	۳۸	
مارچ ۲	۵	۲	۷	۷	۱۷	۵۵	۱۹	۵۹	
۱۲	۴	۴۹	۷	۴۴	۱۸	۱۶	۲۰	۲۱	
۲۱	۴	۹	۶	۱۷	۱۸	۲۶	۲۰	۴۶	
اپریل ۱	۳	۳۶	۵	۵۱	۱۸	۵۶	۲۱	۱۳	
۱۱	۳	۰	۵	۲۵	۱۹	۱۵	۲۱	۴۵	
۲۱	۲	۱۷	۵	۰	۱۹	۳۷	۲۲	۲۴	
مئی ۱	۱	۱۹	۴	۳۶	۱۹	۵۰	۲۳	۲۳	
۱۱			۴	۱۴	۲۰	۱۷			ان دنوں میں
۲۱			۳	۵۶	۲۰	۲۶			تمام رات شفق
۳۱			۳	۴۲	۲۰	۵۲			رہتی ہے
جون ۱۰			۳	۳۳	۲۱	۴			//

	صبح صادق		طلوع		غروب		شفق		
	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	
جون ۲۰			۳	۳۱	۲۱	۱۰			ان دنوں میں
۳۰			۳	۳۵	۲۱	۲۶			تمام رات
جولائی ۱۰			۳	۴۴	۲۱	۳			شفق رہتی ہے
۲۰			۳	۵۹	۲۰	۵۰			//
۳۰			۴	۱۲	۲۰	۳۳			//
اگست ۹			۴	۳۵	۲۰	۱۲			//
۱۹	۱	۲۲	۴	۵۵	۱۹	۴۹	۲۲	۴۲	
۲۹	۲	۴۱	۴	۱۹	۱۹	۲۵	۲۱	۵۵	
ستمبر ۸	۳	۱۴	۵	۳۴	۱۸	۵۹	۲۱	۱۶	
۱۸	۳	۴۲	۵	۵۴	۱۸	۳۲	۲۰	۴۲	
۲۸	۴	۶	۶	۱۳	۱۸	۵	۲۰	۱۱	
اکتوبر ۸	۴	۲۸	۶	۳۳	۱۸	۳۹	۱۹	۵۳	
۱۸	۴	۴۹	۶	۵۴	۱۷	۱۴	۱۹	۱۷	
۲۸	۵	۱۹	۷	۱۵	۱۶	۵۰	۱۹	۱۵	
نومبر ۷	۵	۲۸	۷	۳۶	۱۶	۲۹	۱۸	۳۷	
۱۷	۵	۴۴	۸	۵۷	۱۶	۱۰	۱۸	۲۲	
۲۷	۶	۰	۸	۱۶	۱۶	۵۶	۱۸	۱۲	
دسمبر ۷	۶	۱۳	۸	۲۱	۱۵	۴۷	۱۸	۷	
۱۷	۶	۲۳	۸	۴۴	۱۵	۴۵	۱۸	۷	
۲۷	۶	۲۸	۸	۵۰	۱۵	۵۰	۱۸	۱۲	
۳۱	۶	۲۸	۸	۵۰	۱۵	۵۵	۱۸	۱۷	

اوپر کے اعداد وشمار شاہی رصدگاہ واقع گرینیچھ کے شائع کردہ ناٹی گل المنک کی امداد سے تیار کئے گئے ہیں۔

ضمیمئہ نقشہ

از ترتیب دہندہ نقشہ ہذا بذریعہ کارڈ جس کی یہ عبارت ہے کہ طلوع سے غروب تک کا وقت نصف کرنے سے زوال دریافت ہوسکتا ہے اور مقدار شفق سے ایک ربع کم مقدار کے قریب جب غروب میں وقت رہے تو عصر کا وقت شروع ہوگا۔ اھ۔ اشرف علی

(النورص ۳ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ تا النورص ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ)

سوال ذیل مقام رین فیرو اسکاٹ لینڈ ملک انگلستان سے آیا

بیان فصل درنماز مغرب وعشاء درمقامے کہ علم غروب شمس وطلوع صبح صادق درآنجا دشوار است

سوال (۱۷۳) یہاں پر سورج آج کل ۵ بجے کے قریب نکلتا ہے اور ۹ بجے رات کو غروب ہوتا ہے۔ مغرب کی نماز ۹ بجے پڑھتا ہوں اور عشاء ساڑھے دس بجے پڑھتا ہوں لیکن کچھ دنوں میں سورج ساڑھے چار بجے کے قریب نکل آیا کرے گا اور غروب پونے دس بجے ہوگا اس کے متعلق گزارش ہے کہ اس صورت میں عشاء اور مغرب کے درمیان کتنا فصل کم سے کم ہونا چاہیے۔

الجواب۔ (من الاحقر) قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ صبح صادق سے طلوع شمس تک جتنا فصل ہوتا ہے اتنا ہی غروب سے وقت عشاء تک سو اگر پہلا فصل معلوم ہو سکے تو اتنا ہی دوسرا سمجھا جاوے اور اگر معلوم نہ ہو سکے تو یہی پرچہ پھر واپس کیا جاوے میں اس کی فن دانوں سے تحقیق کر کے اطلاع دوں گا۔

اس کے بعد دوسرا خط آیا

سوال۔ آنجناب کے حکم کے بموجب پرچہ واپس کرر ہا ہوں۔ صبح صادق کا معلوم ہونا مشکل ہے کیونکہ یہاں پر روشنی مثل صبح صادق کے رات کے کبھی ایک بجے تک رہتی ہے اور اس طرف پھر تین بجے کے قریب شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں پر اوقات بہت جلد جلد بدلتے رہتے ہیں پچھلے دنوں جون کے مہینہ میں سورج کے نکلنے کا وقت چار بجے تک آ گیا تھا اور غروب رات دس بجے ہوتا تھا لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اب طلوع کا وقت چھ بجے ہے اور غروب کا وقت

ساڑھے آٹھ بجے ہوگیا یہ معلوم ہوا ہے کہ دن بدن بڑھتا ہی جائے گا اور یہاں تک پہونچ جائیگا کہ طلوع دن کے نو بجے ہوگا اور غروب تین بجے دن کے پیشتر اس کے کہ یہ صورت ہو حضرت اس صورت میں نماز کے اوقات کس طرح پر قائم کئے جائیں اور اگر رمضان شریف اس زمانہ میں آیا تو روزے اور سحری کے کیا اوقات ہونے چاہئیں۔ (سائل بالا)

الجواب۔ (من المولوی عبدالکریم) صبح صادق کی شناخت یہ ہے کہ ایک روشنی مشرق میں لمبی شروع ہوتی ہے یعنی طلوع آفتاب کی جگہ ایک اونچا ستون سا ہوتا ہے یہ صبح کاذب ہے بعد ازاں یہ روشنی تقریباً غائب ہوکر دوبارہ ایک روشنی عرض آسمان میں یعنی شمالاً جنوباً پھیلتی ہے اس کی ابتداء سے قبل سحری موقوف کردینا لازم ہے۔ اور اس کے پھیل جانے پر پھر فجر کی نماز کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور اسی مذکورہ روشنی کے پھیلنے سے پیشتر اسی طرح ایسی سفید روشنی جب تک غروب کے بعد رہے وہ شفق ہے اس وقت تک عشاء کی نماز نہ پڑھی جاوے۔ جب یہ روشنی غائب ہوجائے عشاء پڑھ لی جاوے سحری کھا کر روزہ شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب پر افطار کرنا چاہئے خواہ دن چھوٹا ہو یا بڑا اس کا کوئی اعتبار نہیں (البتہ بہت بڑا ہو تو اس کا حکم دوسرا ہے جو سوال نمبر ۱۷۲ کے جواب میں مذکورہ ہے۔) حاصل (من الاحقر) یہ ہے کہ صبح صادق کا معلوم ہونا مشکل نہیں اسی طرح غروب کے بعد کی سفید روشنی شفق کی معلوم ہونا مشکل نہیں کیونکہ اس کی خاص پہچان یہ ہے یعنی رات کی تاریکی تو ممتاز چیز ہے تو جو روشنی مشرق یا مغرب میں اس کے خلاف ہوگی وہ بھی ممتاز ہے سو یہ روشنی جب تک مغرب کی جانب رہے وہ مغرب کا وقت ہے اور جب یہ غائب ہوجاوے وہ عشاء کا وقت ہے اور ایسی ہی روشنی جب تک مشرق میں نمودار نہ ہو وہ رات ہے اور جب مشرق میں نمودار ہو جاوے وہ صبح صادق ہوگئی نماز کا وقت ہوگیا۔

(النور شوال ۵۰؁ھ ص ۱۰ و النور ص ۳ ذی قعدہ ۵۰؁ھ)

نوٹ۔ سوال نمبر ۱۷۲ و ۱۷۳ ایک ہی سائل کے ہیں جو مقام رین فیرو اسکاٹ لینڈ ملک انگلستان سے آئے۔

جواب اقامت فقط مقتدی پر ہے یا سب پر

سوال (۱۷۴) جواب اقامت کا مقتدی اور امام اور فارغ الصلوٰۃ سب دیں یا فقط مقتدی۔

الجواب۔ امام اور مقتدی سب دیں (۱)۔ اور فارغ عن الصلوٰۃ بھی جواب دے۔

في الدرالمختار ولو تكرر أجاب الاول وفي ردالمحتار ويظهر لي إجابة الكل بالقول لتعدد السبب وهو السماع كما اعتمده بعض الشافعية اهـ قلت دل على سببية السماع فاذا وجد السماع وجد الإجابة أيّا من كان والله تعالى اعلم۔

ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۲۴ ج ۱)

حکم فصل دراذان ونماز مغرب

سوال (۱۷۵) عرض خدمت عالی میں یہ ہے کہ جب حاضر خدمت ہوا تھا۔ میں نے ایک مسئلہ جناب سے دریافت کیا تھا مگر اس وقت بوجہ تنگی وقت شافی جواب حاصل نہ کر سکا آپ نے فرمایا بھی تھا کہ مسئلہ دیکھ کر بتاؤ سو اس وقت میں نہ دیکھ سکا بعد میں یہاں آ کر وہ مسئلہ ہدایہ اولین میں دیکھا اور وہ مسئلہ یہ ہے۔ میں نے دریافت کیا تھا کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حضرت کے یہاں مغرب کی نماز میں بعد اذان کے کافی دیر ہوتی ہے نیز مجھ کو بھی کئی مرتبہ یہ خیال ہوا تھا مگر دریافت کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ امام اعظم صاحبؒ کا قول وفعل دونوں اسی پر تھا کہ وہ بعد اذان مغرب فوراً اقامت کرتے تھے اور یہ ہدایہ اولین باب الاذان میں ذکر کیا گیا ہے۔ (صفحہ ۷۲ مطبوعہ علیمی دہلی) اور وہ عبارت یوں ہے۔ ويجلس بين الأذان والإقامة إلافي المغرب وهذا عندابي حنيفة اور صفحہ ۷۴ پر (یعقوب) سے روایت ہے جو یوں ہے۔ قال يعقوب رأيت ابا حنيفة يؤذن في المغرب ويقيم ولا يجلس بين الاذان والإقامة۔ اور اس سے زائد صریح (باب المواقیت) میں بیان کیا ہے اور وہ قول امام شافعیؒ کا ہے (صفحہ ۶۴ باب المواقیت ہدایہ اولین مطبع علیمی دہلی) عبارت یہ ہے۔ وقال الشافعيؒ مقدار

---

(۱) في الجواب بحث من وجوه اما الاول فلان الرواية المنقولة متعلقة بالاذان والسائل يستفتي عن حكم الإقامة وجوابه انه استدلال بالنظير على النظير لان الإقامة في الجواب مثل الاذان وهو ظاهر واما الثاني فلان سببية السماع في غيرالفارغين مسلم واما الفارغون فلا۔ لانه دعاء لغير الفارغين لاللكل فيكون الجواب عليهم لاعلى الكل وجوابه ان شرعية الجواب لمراعاة حسن الأدب مع داعي الله وهو لايختص لغير الفارغين ويؤيد ماقلنا ماقال العلامة الشامي في رد المحتار حيث قال هل يجيب اذان غيرالصلوٰة كالاذان للمولودلم اره لائمتنا والظاهر نعم ولذا يلتفت في حيعلته كمامر هو ظاهر الحديث الا ان يقال ان ال فيه للعهداهـ مافيه اقول فإن كان للجنس اوالا ستغراق فظاهر وان كان للعهد فلايضر في مانحن فيه لانه يشمل ح كل اذان للصلوٰة وفيه المدعى (یہ عبارت حاشیہ تصحیح الاغلاط ص ا سے لکھی گئی)

مایصلی ثلث رکعات لان جرائیل علیہ السلام ام فی یومین فی وقت واحد صرف صاحبینؒ خلاف ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ جلسہ خفیفہ ہونا چاہئے جیسے کہ خطبتین میں کیا جاتا ہے اس کوبھی باب الاذان میں ذکر کیا ہے اب جو کچھ اس کا حاصل ہو اس سے متنبہ فرمائیں میں اس کا جواب اپنے دل میں یوں دیا کرتا تھا کہ شاید یہ مسئلہ کہیں ہو کہ جب امام ایک مسجد میں مقرر ہو اور اس کو کسی وجہ سے مجبوری ہو یا آنے میں دیر ہو تو اس کا انتظار کرنا چاہئے مگر اس سے تشفی نہ ہوتی تھی۔ سو میں نے اس اشکال کو رفع کرنے کے لئے جناب سے استفسار کیا امید ہے کہ آپ کے جواب سے کافی تشفی ہوجاوےگی۔

الجواب۔ روایات مندرجہ سوال سے صرف عمل ثابت ہوتا ہے اس سے زائد تاخیر کی کراہت ثابت نہیں ہوتی سو عمل استحباب پر بھی مبنی ہوسکتا ہے اور مقصود بالبحث کراہت ہے۔ سو درمختار ورد المحتار میں اس سے بھی تعرض ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تاخیر مادون الرکعتین میں تو کراہت نہیں اور اس سے زائد اشتباک نجوم کے قبیل تک شرح المنیہ کی تحقیق پر مباح اور بعض اقوال پر مکروہ تنزیہی اور اشتباک کے بعد تحریمی۔ روایات یہ ہیں۔

فی الدرالمختار والمستحب الیٰ قوله و تعجیل مغرب مطلقاً وتاخیره قدر رکعتین یکره تنزیها۔ فی ردالمحتار افادان المراد بالتعجیل ان لا یفصل بین الاذان والإقامة بغیر جلسة اوسکتةعلی الخلاف وان مافی القنیة من استثناء التاخیر القلیل محمول علی مادون الرکعتین وان الزائد علی القلیل الی اشتباك النجوم مکروه تنزیهاً و بعده تحریماً الا بعذر کما مرقال فی شرح المنیة والذی اقتضته الأخبار کراهة التاخیر الی ظهورالنجوم وماقبله مسکوت عنه فهوعلی الإباحة وان کان المستحب التعجیل اهـ ونحوه ما قدمناه عن الحلیة۔

اور عذر میں کراہت بھی نہیں اور یہاں انتظار امام میں تاخیر دو رکعت سے کم ہوتی ہے وہ بھی احیاناً نہ استمراراً واعتیاداً۔ اور اگر مادون سے قدرے زائد بھی فرض کی جاوے تو ایک تحقیق پر مباح ہے اور قول کراہت تنزیہی پر عذر نافی کراہت ہے۔ اور عذر کی مثال فقہاء نے اکل وسفر سے دی ہے اور حصر کی کوئی دلیل نہیں اور امام کے لئے وضو اور قوم کے لئے انتظار امام راتب خصوص اگر وہ حاضر ہو اکل سے قوی عذر ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۰ محرم ۱۳۵۳ھ (النور ص ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ)

حکم قیام بر حی علی الفلاح وقت اقامت

سوال (۱۷۶) کان پور کی بعض مساجد میں کچھ عرصہ سے تکبیر کے وقت موذن کے علاوہ سب آدمی بیٹھ جاتے ہیں اور جس وقت موذن حی علی الصلوٰۃ کہتا ہے اس وقت سب لوگ کھڑے ہوتے ہیں اور شرح وقایہ کی اس عبارت کا حوالہ دیتے ہیں۔ (ویقوم الامام والقوم عند حی علی الصلوٰۃ ویشرع عند قد قامت الصلوٰۃ) ص ۱۵۵ سطر ۱۲۔ اور جو شخص پہلے سے ہی کھڑا ہو جاوے اس کو بری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس مسئلہ میں جناب کی کیا رائے ہے اور اس مسئلہ پر عمل کرنے والے کو بدعتی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور عمل نہ کرنے والے کو وہابی کہتے ہیں۔ فقط

الجواب۔ شرح وقایہ کہ عبارت مبہم ہے کیونکہ اس میں اس عمل کا درجہ بیان نہیں کیا گیا اور دوسری بعض کتابوں میں مفسر ہے۔ اس لئے مبہم کو مفسر کی طرف راجع کریں گے۔ چنانچہ درمختار میں قبیل فصل صفۃ الصلوٰۃ یہ عبارت ہے۔

ولها اداب تركها لايوجب إساءة ولا عتاباً كترك سنة الزوائد لكن فعله افضل الیٰ قوله والقيام لإمام وموتم حين قيل حي على الفلاح الخ ثم قال وشروع الإمام الصلوٰة مذقيل قدمامت الصلوٰة ولو اخرحتى اتمهالاباس به اجمالاً وهو قول الثاني والثلاثة وهو (اى التاخير) اعدل المذاهب كما في شرح المجمع لمصنفه وفي القهستاني معز ياللخلاصة انه الأصح اهـ في ردالمحتار قوله انه الاصح لان فيه محافظه على فضيلة متابعة الموذن واعانة له على الشروع مع الإمام اهـ

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

(۱) یہ عمل آداب سے ہے جس کا ترک موجب اساءت یا عتاب نہیں تو اس کے تارک پر نکیر کرنا تجاوز عن الحدود ہے جو کہ بدعت کی فرد ہے پس اس کا عامل اگر تارک پر نکیر نہ کرے عامل بالادب ہے اور اگر نکیر کرے مبتدع ہے۔

(۲) منجملہ آداب کے قد قامت الصلوٰۃ کے کہنے کے وقت امام کا نماز شروع کر دینا ہے مگر باوجود اس کے ایک عارض سے تاخیر کو اعدل واصح کہا ہے جو مستلزم ہے افضل ہونے کو اور وہ عارض شروع مع الامام پر موذن کی اعانت ہے ایسے ہی اس میں بھی ایک عارض سے کہ وہ عامۂ ناس کے

اعتبار کی وجہ سے مثل لازم کے ہو گیا ہے گنجائش ہے کہ قبل اقامت کے قیام کو افضل کہا جاوے اور وہ عارض تسویہ ہے صفوف کا جو نہایت مؤکد ہے اس لئے کہ عامہ ء ناس کے عدم اہتمام وقلت مبالات کی وجہ سے مشاہد ہے کہ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے سے امام کی تحریمہ کے وقت تک صفوف کا تسویہ نہیں ہوسکتا بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ پہلے سے کھڑے ہو جانے پر بھی اگر تسویہ صفوف کا انتظار کیا جاوے تو اقامت اور تحریمہ امام میں فصل کی ضرورت ہوتی ہے۔

۲۰ رصفر ۱۳۵۰ھ (النور ص ۵ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ)

سوال (۱۷۷) اذا دخل الرجل عند الإقامة يكره الانتظار قائماً ولكن يقعدثم يقوم اذابلغ المؤذن حی علی الفلاح يفهم منه كراهة القيام ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون (طحطاوى على مراقى الفلاح) طحطاوی کے علاوہ عالمگیری۔ شامی البحر الرائق شرع وقایہ۔ ملتقی الابحر۔ مجمع الانہر مظاہر حق وغیرہ کتب میں تصریح ہے کہ ہمارے ائمہء ثلاثہ کے نزدیک حی علی الصلوٰۃ یاحی علی الفلاح (علی اختلاف الاقوال) پر کھڑا ہونا چاہیے اور قدقامت الصلوٰۃ پر نماز شروع کر دینی چاہئے لیکن مراقی الفلاح میں تصریح ہے کہ اگر اقامت ختم ہو جانے کے بعد نماز شروع کی لاباس به فی قولهم جميعاً لیکن اقامت کے شروع میں کھڑے ہونے کی کہیں گنجائش نہیں ملی بلکہ کراہت ثابت ہوتی ہے اکابر کا تعامل دیکھ کر شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ممکن ہے کوئی امر مانع تعامل ہو جس پر احقر کی نظر نہیں پہونچی اس لئے مؤدبانہ عرض ہے کہ ان سوالات کا جواب عنایت فرمایا جائے۔

(۱) ابتداء اقامت میں کھڑا ہونا مکروہ ہے یا نہیں۔

(۲) اگر مکروہ نہیں ہے تو افضل ابتداء اقامت میں کھڑا ہونا ہے یاحی علی الصلوٰۃ پر۔

(۳) اگر حی علی الصلوۃ پر کھڑا ہونا افضل ہے تو جمعہ کے روز خطبہ سے فارغ ہو کر امام منبر پر بیٹھا رہے یا مصلے پر یہاں تک کہ موذن حی علی الصلوٰۃ پر پہنچے۔

الجواب۔ مقدمة الروايات يفسر بعضها بعضاً۔ اسکے بعد سمجھنا چاہئے کہ حی علی الصلوٰۃ وحی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو درمختار قبیل فصل صفة الصلوة میں منجملہ آداب کے کہا ہے اور آداب کی صفت میں تصریح کی ہے۔ تركها لايوجب إساءة ولا عتاباً لكن فعله افضل الخ اس سے معلوم ہوا کہ یکرہ له الانتظار میں یکرہ سے مراد ترک افضل ہے۔ اس کے بعد منجملہ ایسے آداب کے شروع امام فی الصلوۃ اذا قیل قد قامت الصلوٰۃ کو شمار کر

کے کہا ہے۔ولو اخر حتی اتمها لاباس به إجماعاً اس کے بعد اس تاخیر کو اعدل المذاہب اور اصح کہا ہے اور اصح ہونے کی دلیل ردالمحتار میں یہ بیان کی ہے لان فيه محافظة علی فضيلة متابعة المؤذن وإعانة له علی الشروع مع الامام اس قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک ادب کے ترک کو یعنی تاخیر شروع امام کو عارض محافظت واعانت کی وجہ سے ترجیح دی ہے اسی طرح دوسرے ادب یعنی قیام عند حی علی الصلوٰۃ کے ترک کو یعنی تقدیم قیام علی الحیعلتین کو عارض تسویہ صفوف کی وجہ سے راجح کہا جاوے گا اور یہ عارض تسویہ نہایت مؤکد ہے اور عامۂ الناس کے عدم اہتمام وقلت مبالات کی وجہ سے مشاہد ہے کہ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے سے امام کی تحریمہ کے وقت تک صفوف کا تسویہ نہیں ہوسکتا بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ پہلے سے کھڑے ہوجانے پر بھی اگر تسویہء صفوف کا انتظار کیا جاوے تو اقامت اور تحریمۂ امام میں فصل کی ضرورت ہوتی ہے پس اس عارض مؤکد کے لئے اس ادب کو ترک کردیں گے اس سے سب سوالوں کا جواب معلوم ہوگیا۔

اطلاع۔ایک ایسا ہی جواب ۲۰رصفر ۱۳۵۰ھ میں لکھا گیا ہے۔

۲۳رصفر ۱۳۵۱ھ (النور ص۸ شوال ۱۳۵۱ھ)

حکم قیام بر حی علی الفلاح

سوال (۱۷۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ جماعت کی نماز کے واسطے سب مقتدی اور امام کو قدقامت الصلوة کے بعد کھڑا ہونا چاہئے۔اگر قدقامت الصلوة کہنے سے کھڑے ہو گئے تو گنہ گار رہوں گے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص وضو کررہا ہو اور اقامت شروع ہوگئی اور وضو کرنے والا وضو سے فارغ ایسے وقت ہوا کہ ابھی مکبر لفظ قدقامت الصلوة پر نہیں پہنچا تو وہ شخص بھی پہلے بیٹھ کر پھر نماز میں شریک ہو۔اب سوال یہ کہ قدقامت الصلوة کے بعد نماز کے واسطے کھڑا ہونا واجب ہے یا سنت یا مستحب۔اور قدقامت الصلوة کہنے سے پہلے کھڑے ہونے سے امام یا مقتدی گنہ گار رہوں گے یا نہیں فقط بینوا توا جروا۔

الجواب۔اس میں بہت سے اقوال ہیں مگر سب میں وسعت ہے کسی نے کسی قول کے اختیار کرنے والے کو گنہ گار نہیں کہا۔نہ گناہ کی کوئی دلیل ہے۔اعلاء السنن حصہ چہارم باب وقت قيام الامام والمامومين للصلوة میں سب اقوال مع ادلہ جو کہ آثار ہیں لکھے ہیں اور

بعض فقہاء ثقات نے ان سب اقوال پر توقیت کا محمل یہ کہا ہے کہ اس سے تاخیر نہ کرے یہ مراد نہیں کہ اس سے تقدیم نہ کرے۔ چنانچہ کتاب مذکور میں ہے۔ وقال العلامة الطحطاوی والظاهر انه احترازعن التاخير لاالتقدم حتى لو قام اول الإقامة لاباس وجازاه جیسا کہ ایک ایسے ہی جزئیہ میں وہی شروع الامام فی الصلوٰۃ مذ قیل قد قامت الصلوٰۃ تصریح ہے۔ ولو اخرحتى اتمهالاباس به إجماعا (كذا في الدرالمختار قبيل فصل بيان تاليف الصلوة اورترمذی کا اپنی سنن باب الجنائز میں یہ فیصلہ ہے۔ الفقهاء هم اعلم بمعاني الأحاديث اھ۔کتبہ اشرف علی ۱۸/ رجب ۱۳۵۶ھ (النور ص ۷ شعبان ۱۳۵۷ھ)

حکم تعدد اذان فجر در رمضان بوقت سحر و صبح صادق

سوال (۱۷۹) سحری کے لئے اذان کہنا پھر صبح کو اذان کہنا جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کیا اس پر قرون ثلاثہ میں عملدرآمد رہا۔ ہمارے فقہاء اس کو مواقع اذان سے نہیں لکھتے تو کیا ہمارے یہاں مکروہ ہے۔

الجواب۔ قال مالك في الموطا اخرماجاء في النداء بالصلوٰة مانصه لم تزل الصبح ينادى بها قبل الفجر الخ و في الجزء الثاني من عمدة القارى باب اذان الأعمى في بيان اذان ابن ام مكتوم وبلال في وقت الصبح تحت قوله اصبحت قال عياض والأنه العمل المنقول في سائر الحول بالمدينة اھ.

ان نقول سے معلوم ہوا کہ سحر کے وقت اذان کہنا خیر القرون میں معمول تھا۔ آگے یہ دوسری بحث ہے کہ اس پر اکتفا کیا جاوے یا نہیں اس میں اختلاف مشہور ہے لیکن یہ اختلاف نفس عمل کی نقل میں مخل و قادح نہیں۔

قال محمد في الموطا باب مايحرم الطعام على الصائم تحت حديث ان بلالاً ينادى بليلٍ فكلوا واشربوا حتىٰ ينادى ابن ام مكتوم و بطريق اٰخر وكان ابن ام مكتوم لاينادى حتى يقال له قد اصبحت مانصه كان بلال ينادى في شهر رمضان لسحور الناس وفي عمدة القارى باب الاذان قبل الفجر تحت قوله وطأطأ مانصه فيه ان الاذان الذى كان يؤذن به بلال کان لرجع القائم وإيقاظ النائم وبه قال ابو حنيفة.

ان نقول سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ اس اذان کو مکروہ نہیں فرماتے۔ چنانچہ محمدؒ کا

کراہت کا نقل نہ کرنا اور عینی کا به قال ابو حنیفه کہنا اس کی صاف دلیل ہے۔ باقی فقہاء کا نہ لکھنا اس وجہ سے ہوسکتا ہے کہ یہ مقاصد میں سے نہیں۔ لیکن فقہاء کراہت کا بھی حکم نہیں کرتے۔ پس مذہب میں مخیّر فیہ رہا۔ لیکن قواعد سے اس کو مقید کیا جائے گا عدم تشویش کے ساتھ واللہ اعلم۔

۱۰ ر ذیقعدہ ۵۵ھ (النورص ۲ ا ذیقعدہ ۵۶ھ)

باب شروط الصلوٰۃ و صفتہا

فرضیت قیام وقت تحریمہ

سوال (۱۸۰) مدرک جس وقت کہ امام رکوع میں ہے بعد تکبیر تحریمہ فوراً رکوع میں چلا جاوے یا ثنا پڑھ کر یا بقدر ادائے ثنا قیام کرکے رکوع میں جاوے اگر مدرک کو یہ بھی خوف ہے کہ بقدر ادائے ثنا قیام کرنے پر رکوع نہیں پاسکتا تو کیا کرے یعنی یہ قیام فرض ہے یا صرف سنت مستحب۔

الجواب۔ في الدر المختار اول باب صفة الصلوٰة من فرائضها التي لاتصح بدونها التحريمة قائما وفيه في فصل يليه ويشترط كونه قائما فلووجد الإمام راكعا فكبر منحنيا ان الى القيام اقرب صح ولغت نية تكبيرة الركوع وفي هذاالفصل وهو مخير بين قراء ة الفاتحة وتسبيح ثلاثاو سكوت قدرها و في النهاية قدر تسبيحة و في ردالمحتار قوله قدرتسبيحة قال شيخنا وهو اليق بالأصول حليه اى لان ركن القيام يحصل بها لما مران الركنية تتعلق بالادنى و فيه في مفسدات الصلوٰة و يفسدها اداء ركن وهو قدر ثلث تسبيحات مع كشف العورة اھ ۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ میں قیام فرض ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ادنیٰ مقدار رکن کی ایک تسبیح یا تین تسبیح کی قدر ہے پس اس شخص کو تکبیر تحریمہ کھڑے ہوکر کہنا چاہیے اور اتنی دیر کھڑا رہے [۱] کہ ایک بار یا تین بار سبحان اللہ کہہ سکے پھر رکوع میں جاوے اور ثنا پڑھنا یا

(۱) تکبیر تحریمہ کھڑے ہوکر ادا کرنے کے بعد تین یا ایک تسبیح کے برابر کھڑا رہنے کی ضرورت مسبوق کے لئے کسی روایت فقہی سے ثابت نہیں اس کے سوال نمبر ۱۸۱ کے جواب میں جو کچھ حضرتؒ نے تحریر فرمایا ہے وہ اس پر شاہد ہے اور اس میں بحوالہ شامی یہ الفاظ بھی منقول ہیں لو كبر قائماً فركع ولم يقف صح یعنی اگر صرف تکبیر تحریمہ بحالت قیام ادا کرکے رکوع میں چلا گیا اور مزید کچھ قیام نہیں کیا تو نماز صحیح ہوگی۔ اس لئے اس جگہ جو نماز نہ ہونے کا حکم فرمایا ہے اس میں کچھ تسامح ہوا ہے صحیح یہ ہے کہ نماز ہوجاتی ہے۔ ۱۲ محمد شفیع عفاء اللہ عنہ۔

ثنا کے قدر کھڑا رہنا ضروری نہیں البتہ یہ جو عادت ہے کہ اللہ اکبر کے ساتھ اول ہی سے رکوع میں پہونچ جاتے ہیں ان لوگوں کی نماز نہیں ہوتی۔ ۱۷؍ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۷ ج ۱)

حکم تکبیر تحریمہ بدون قیام قبل از رکوع

سوال (۱۸۱) جناب کی کتاب بہشتی گوہر حصہ یازدہم بہشتی زیور ص ۲۷ (بیان تکبیر تحریمہ) میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ (امام جب رکوع میں ہو تو جو لوگ بغیر قیام تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے رکوع میں داخل ہو جاتے ہیں تو ان کی نماز نہیں ہوتی) حالانکہ شامی میں ہے کہ یہ قیام عارضی کافی ہو جاتا ہے نماز اس سے بھی جائز ہو سکتی ہے اگر چہ ایسا فعل اچھا نہیں۔ آپ شامی کو ملاحظہ فرماویں۔

الجواب۔ شامی میں ہے فلو ادرك الإمام راكعافكبر منحنيا لم تصح تحريمته (ج ۱ ص ۴۷) اور اسی میں ہے فلو كبرقائماً فركع و لم يقف صح لان ما اتى به من القيام الى ان يبلغ الركوع يكفيه قنيه في ردالمحتار قوله فركع اى و قرأ في هويه قدر الفرض اوكان اخرس او مقتديا او اخر القرء ة (ج ۱ ص ۴۶۳) بہشتی گوہر کی یہ عبارت ہے۔ آتے ہی جھک جاتے ہیں اور اسی حالت میں تکبیر تحریمہ کہتے ہیں۔ الخ یہ عبارت شامی کی پہلی فکبر منحنیا کا صریح ترجمہ ہے شاید سائل کو درمختار کی دوسری عبارت ولم یقف سے شبہ ہو گیا ہو سو یہ وقوف بعد التحريمة للقرء ة ہے گو عارض کے سبب قراءت نہ ہو چنانچہ اس قول پر شامی کا قول وقرأ في هويه الخ صریح دلیل ہے تو اس سے قیام للتحریمہ کا انتفاء ضرورت لازم نہیں آتا چنانچہ درمختار میں اس لم یقف کے قبل فكبر قائما اس قیام کی ضرورت کو ثابت کر رہا ہے۔ ۱۰ شوال ۱۳۴۶ھ (تتمۂ خامسہ ص ۵۹۵)

حکم گفتن کلمہ (اقتدیت بالقرآن) در نیت صلوٰۃ

سوال (۱۸۲) یہ نیت امام کی جائز ہے یا ناجائز۔ نویت ان اصلی للّٰہ تعالی رکعتی صلوٰة الفجرفرض الله تعالى انا امام لمن حضرو لمن لم يحضر اقتديت بالقرآن متوجها الىٰ جهة الكعبة الشريفة الله اكبر یعنی اقتدا کیا قرآن پر اور پڑھا نماز پیچھے رسول اللہ ﷺ کے آیا یہ نیت جائز ہے یا نہیں اور یہ نیت امام کے لئے ضروری ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اس شخص سے دریافت کیا جاوے کہ قرآن کے ساتھ اقتدا کرنے سے اور رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے سے کیا مراد ہے اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ بالمعنی المتعارف قرآن کا یا رسول اللہ ﷺ کا اقتداء کر رہا ہوں اور یہ دونوں مجھ کو نماز پڑھا رہے ہیں تب تو اس کا فساد اور بطلان ظاہر ہے قرآن تو امام بن ہی نہیں سکتا اور رسول اللہ ﷺ بالفعل اس کو نماز نہیں پڑھا رہے ہیں پس اس صورت میں خود اس شخص ہی کی نماز نہ ہوگی۔ **لان الانفراد فی موضع الاقتداء مفسد کعکسه ص۶۴۳ شامي ولانه نوى الاقتداء بمعدوم وهو لايجوز شامي ص ۴۴۳**۔ جب اس کی نماز نہ ہوگی تو اوروں کی بھی اس کے پیچھے نہ ہوگی اور اگر اس شخص کا یہ مطلب ہے کہ میں حسب تعلیم رسول اللہ ﷺ وحسب امر قرآن نماز پڑھتا ہوں تو یہ مطلب صحیح ہے لیکن اس کو نماز کی اقتداء کہنا یہ ایک اصطلاح مخترع ہے اس صورت میں نماز ہو جائے گی لیکن ایسے الفاظ سے خواہ مخواہ شورش ہوتی ہے چھوڑ دینا ان کا واجب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۷۳ ج ۱)

حکم تلفظ بالنیۃ در صلوٰۃ و تحقیق قول مجدد صاحب

سوال (۱۸۳) بہشتی زیور حصہ دوم ص ۱۰۸ فصل نماز کی شرطوں کے بیان میں مسئلہ ذیل درج ہے۔

مسئلہ ...... اگر زبان سے نیت کہنا چاہے تو اتنا کہنا کافی ہے نیت کرتی ہوں میں آج کی ظہر کے فرض کی اللہ اکبر الخ اس سے معلوم ہوا کہ زبان سے اگر نیت کرے تو کچھ حرج نہیں مگر مکتوبات مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ میں تحریر ہے۔ جلد اول مکتوب صد و ہشتاد و ششم نقل بلفظہٖ وہمچنیں است انچہ علماء در نیت نماز مستحسن داشتہ اند کہ باوجود ارادۂ قلب بہ برزبان نیز باید گفت وحالانکہ از اں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ثابت نشدہ است نہ بروایت صحیح ونہ روایت ضعیف ونہ از اصحاب کرام و تابعین عظام کہ بزبان نیت کردہ باشند بلکہ چوں اقامت می گفتند تکبیر تحریمہ میفر مودند پس نیت بزبان بدعت باشد وایں بدعت را حسنہ گفتہ اند وایں فقیر میداند کہ ایں چہ جائے رفع سنت کہ رفع فرض می نماید چہ در تجویز آں اکثر مردم بزبان اکتفا می نمایند واز غفلت قلبی باک ندارند پس دریں ضمن فرض از فرائض نماز کہ نیت قلبی باشد متروک می گردد وبفساد نماز می رساند۔ وجہ تطبیق ارقام فرمائی جاوے۔

الجواب۔ یہ حضرت مجددؒ کی خاص رائے ہے چنانچہ جملہ ایں فقیر میداند اس میں صریح

ہے دوسرے سب کے لئے منع فرماتے بھی نہیں بلکہ خاص ان کے لئے جو اس پر کفایت کر کے قلب سے بالکل ارادہ ہی نہیں کرتے۔ چنانچہ اخیر کی عبارت اس میں صریح ہے پس قول فقہاء وقول مجدد صاحب میں کوئی تعارض نہ رہا۔ ۱۱رشعبان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۶۱)

حکم وضع رکبتین قبل الیدین درسجدہ

سوال (۱۸۴) بعد رکوع سجدہ میں جانے کے وقت پہلے ہاتھ ٹیک کر جاوے۔

الجواب۔ احادیث اس میں مختلف ہیں کہ پہلے سجدہ میں گھٹنے رکھے یا ہاتھ۔ وائل بن حجر سے وضع الرکبتین قبل الیدین مروی ہے اور ابو ہریرہؓ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت مذکورہ دوسرے اس کا عکس امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ کی روایات بوجہ تعارض کے مرتفع ساقط ہوئیں۔ وائل بن حجر کی حدیث تعارض سے سالم رہی لہٰذا اس کو ترجیح دی گئی اور یہی عمل حنفیہ کا ہے۔ (امداد ص ۹۹ ج ۱)

تحقیق رفع الیتین درسجدہ

سوال (۱۸۵) زید جو مولوی و عالم مشہور ہے جب نوافل وغیرہ بیٹھ کر پڑھتا ہے تو سجدہ کرتے ہوئے سرین زمین سے نہیں اٹھاتا اپنے معتقد و اتباع کو حکم دیتا ہے کہ نفل بیٹھ کر پڑھو تو سجدہ میں سرین زمین سے نہ اٹھاؤ ورنہ نماز فاسد ہوگی۔ اور صحیح مسلم شریف کی حدیث واقعہ باب جواز النافلة قاعداً و قائماً سے استدلال کرتا ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذاصلی قائما رکع وسجد وھو قائم واذا صلی قاعدارکع وسجد وھو قاعد اور عبارت ذیل فقہ کی پیش کرتا ہے من صلی قاعدافسجدلایرفع الیتیه وان رفع الیتیه فسدت صلوٰته لان الیتیه فی صلوٰۃ القاعد بمنزلة القدمین واذارفع قدمیه فی صلوٰۃ القائم فسدت الصلوۃ فکذا الیتیه کذا فی المحیط چلپی والاصل ان المریض اوغیرہ اذا صلی قاعدالایرفع الیتیه کمالا یرفع رجلیه فی السجدۃ واذارفع رجلا واحدا والیة واحدۃ لاتفسد کذا فی چلپی ابن الملك والمختار ان یقعد کما یقعد فی حالة التشهد وهو الذی اختارہ الفقیه ابو اللیث وشمس الائمة السرخسی وقال ابویوسف رحمه الله تعالی

اذاهات(۱) وقت الركوع والسجود يقعد كما يقعد في التشهد كذا في العيني شرح الهداية ص ۸۶۱ ج۱ انتهى۔

اب سوال یہ ہے کہ حدیث صحیح مسلم کے یہی معنی ہیں جیسے زید نے سمجھے ہیں کہ قائم اور قاعد کو ہیئت سجدہ میں رفع الیتین وعدم رفع الیتین سے فرق کرنا چاہیے اور عبارات فقہ کی تصحیح کریں کہ یوں ہی واقع ہیں یا نہیں اور مفتیٰ بہا ہیں یا نہیں جیسا کہ تعامل علماء اساتذہ اور شیوخ سے رفع الیتین فی السجد مشاہد ہے۔ بینوا باسناد الكتب المعتبرة عند الحنفية توجروا يوم الحساب۔

الجواب۔ زید کے قول پر کوئی دلیل صحیح قائم نہیں۔ حدیث مسلم میں اگر سجد وهو قاعد کے یہ معنی ہیں کہ سجدہ کے وقت بھی ہیئت قعود کی رہتی تھی سو اول تو یہ خود مقصود زید کے خلاف ہے کیوں کہ زمین پر سر رکھنے سے ہیئت قعود کی باقی نہیں رہتی اور اگر بعض ہیئت مراد ہے تو وہ رفع الیتین کی حالت میں بھی حاصل ہے دوسرے لازم آتا ہے کہ اسی طریق پر اس حدیث کے اس جزو سجد وهو قائم کے بھی یہ معنی ہوں کہ سجدہ کیوقت قیام بھی رہتا تھا حالانکہ یہ بالاتفاق باطل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حدیث کے یہ معنی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اکثر ایسا نہ کرتے تھے کہ رکوع وسجدہ کے قبل کھڑے ہوجاتے ہوں اور پھر قیام سے رکوع میں اور اس کے بعد سجدہ میں جاتے ہوں جیسا کہ گاہ گاہ ایسا بھی کرتے تھے جیسا کہ حدیث مذکور کے بعد ہی دوسری حدیث مسلم میں ہے قلت لعائشه كيف كان يصنع في الركعتين وهو جالس قالت كان يقرأ فيهما فاذا ارادان يركع قام فركع رہ گئیں عبارات کتب فقہیہ سو ان میں سے عبارت اولیٰ یعنی من صلى قاعدا اور عبارت ثانیہ یعنی والاصل الخ اول تو محتاج تصحیح نقل ہیں مستدل کو ان عبارتوں کا پورا پتہ بتلانا چاہئے کہ کہاں سے نقل کی ہیں تاکہ ماخذ سے مطابق کیا جاوے دوسرے عبارت اولیٰ میں جو دلیل بیان کی ہے لان اليتيه في صلوٰة القاعد الخ وہ دعویٰ مذکورہ پر منطبق نہیں ہوتی کیونکہ یہ اگر حالت سجدہ کا بیان ہوتا تو دلیل میں بجائے واذا رفع قدميه في الصلوٰة القائم کے رفع قدمیہ فی السجود ہوتا۔ ورنہ قید فی صلوٰة القائم سے لازم آتا ہے کہ صلوٰۃ قاعد میں رفع قدمین فی السجود مفسد صلوٰۃ نہ ہو۔ اور صلوٰۃ قائم میں ہو حالانکہ اطلاق دلائل مبطل تفاوت ہے اس سے غالب ظن یہ ہوتا ہے کہ اس عبارت میں فسجد ناقل یا کاتب کی غلطی ہے اور مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ حالت قیام حکمی میں رفع الیتین نہ کرے ورنہ وہ ایسا ہوگا جیسے قیام حقیقی میں کوئی شخص رفع قدمین کرے کہ مفسد صلوٰۃ ہے۔ اس تقریر پر یہ اس مبحث ہی سے خارج ہے اور

(۱) یہ لفظ سمجھ میں نہیں آتا بظاہر حان ہے۔ ۱۲

عبارت ثانیہ میں تو لا یرفع الیتیه کے ساتھ قید فی السجدہ کی بھی مذکور نہیں پس اس سے بھی وہی مراد ہوگی کہ لایرفع الیتیه فی القیام الحکمی اور آگے جو مشبہ بہ کے ساتھ فی السجدۃ مذکور ہے سو وہ محتمل ہے کہ صرف لایرفع رجلیه کے ساتھ متعلق ہو اور تشبیہ محض فساد میں ہو اگر یہ احتمال متعین بھی نہ ہوتا ہم مستدل کو تو مضر ہے لانه اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال تیسرے متون وشروح وفتاوائے مشہورہ میں جو مطلقاً سجدۂ رجال کی ہیئت لکھی ہے وہ اس کے خلاف ہے اور بقاعدۂ رسم المفتی وہ مقدم ہیں پس اگر عبارات مذکورہ کی صحت نقل اور دلالت دونوں مسلم ہوں تب بھی بوجہ تعارض روایات مشہورہ کے غیر مقبول اور غیر معمول بہا ہوں گی اور اخیر عبارت یعنی درالمختار الخ بھی بوجہ موجود نہ ہونے عینی کے منطبق نہیں ہوسکتی غالباً اس کی نقل میں بھی کچھ غلطی رہی ہوگی جیسا کہ ھات کا مہمل ہونا اس پر دال ہے لیکن اس سے قطع نظر کر کے کہا جاتا ہے کہ اس مبحث سے کچھ مس نہیں اس میں صرف کیفیت قعود کا بیان ہے اور احتراز ہے تربع وغیرہ سے بہر حال زید کا نہ دعویٰ درست نہ استدلال صحیح واللہ اعلم۔

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ

تحقیق حکم سجدہ بر تکیہ

سوال (۱۸۶) مسئلہ ذیل اور روایت ذیل میں تعارض معلوم ہوتا ہے اس کی تحقیق مطلوب ہے۔

مسئلہ...... سجدہ کرنے کے لئے تکیہ وغیرہ کوئی اونچی چیز رکھ لینا اور اس پر سجدہ کرنا نہ چاہئے۔ جب سجدہ کی قدرت نہ ہو تو بس اشارہ کرلیا کرے۔ تکیہ کے اوپر سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ بہشتی زیور مطبوعہ الامداد پریس باب صلوٰۃ المریض صفحہ ۶۸ حصہ دوم۔

روایت...... ولا یرفع الی وجهه شیئا یسجدعلیه فانه یکره تحریما درمختار۔قوله فانه یکره تحریما۔قال فی البحرواستدل للکراهة فی المحیط بنهیه علیه الصلوٰة والسلام عنه وهو یدل علی کراهة التحریم اھ وتبعه فی النهر اقول هذا محمول علی ماذا کان یحمل الی وجهه شیئا یسجد علیه بخلاف ماذا کان موضوعا علی الارض یدل علیه ما فی الذخیرة حیث نقل عن الاصل الکراهة فی الاول ثم قال فان کانت الوسادة موضوعة علی الارض وکان یسجد علیها جازت صلوٰته فقد صح ان ام سلمة رضی کانت تسجد علی

مرفقة موضوعة بين يديها لعلة كانت بها ولم يمنعها رسول الله صلى الله عليه وسلم من ذلك اه فان مفاد هذه المقابلة والاستدلال عدم الكراهة في الموضوع على الارض المرتفع ثم رايت القهستاني صرح بذلك ردالمحتار جلد اول ص ۵۰۹ باب صلوة المريض۔

الجواب۔ في مراتي الفلاح وجعل إيماء ه براسه للسجود اخفض من ايماء براسه للركوع وكذالو عجز عن السجود وقدر على الركوع يومی بهمالان النبي ﷺ عاد مريضا فراه يصلي على وسادة فاخذها ورمى بهافاخذ عو دا ليصلي عليه فرمى به وقال صل على الارض ان استطعت والافأوم إيماء واجعل سجودك اخفض من ركوعك (رواه البزار والبيهقي عن جابر كذا في نصب الراية ج۱ صفحه ۳۰۴ قال المجيب) الى قوله فان فعل اى وضع شيئا فسجد عليه وخفض راسه للسجود عن ايماء ه للركوع صح اى صحت صلوته لوجود الإيماء لكن مع الإساءة لما روينا ج۱ ص ۲۵۰ وفي حاشية الطحطاوی عليه قوله وجعل إيماء ه للسجود اخفض تمييزا بينهما ولا يلزم ان يبالغ في الانحناء اقصى مايمكنه بل يكفيه ادنى الانحناء فيهما نهر عن المجتبى ص

مذکور بہشتی زیور کی اس میں صریح تائید ہے پس تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ کراہت عدم عذر کی حالت میں ہو اور عدم کراہت عذر کی حالت میں ہو عذر یہ کہ بدون تکیہ کے جھکانے میں تکلیف ہو۔ وفي عبارة الحاشية نفي لماكتب في المكتوب السابق من لزوم اقصى مايمكن من الانحناء فالنص يقضي على الرأ۔ (ترجیح خامس ص ۱۲۵)

تحقيق مذهب حنفية وراديه ماثوره بين السجد تين وغيره

سوال (۱۸۷) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبي ﷺ كان يقول بين السجدتين اللهم اغفرلي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني رواه الترمذي ص ٦٨ مطبوعه اصح المطابع۔ حنفیہ نے اس کو نوافل پر محمول کیا ہے اس کی دلیل قوی کیا ہے۔

الجواب۔ روى الشيخان عن ابي هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ اذا صلى احدكم للناس فليخفف مشكوة باب ماعلى الإمام وفي ردالمحتار

تحت قول الدرالمختار وليس بينهما ذكر مسنون مانصه بل فيه اشارة الى انه غير مكروه اذلوكان مكروها لنهى عنه وعدم كونه مسنونا لاينافى الجواز كالتسمية بين الفاتحة والسورة بل ينبغي ان يندب الدعاء بالمغفرة بين السجد تين الخ و فيه عن الحلية ان ثبت فى المكتوبة فليكن فى حالة الانفراد والجماعة والماموموں محصور ون لا يتثقلو ن بذلك جلد اول ص ۵۲۷ و ۵۲۸۔

ان روایات کے استیعاب کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ حنفیہ مکتوبات میں اور جماعت میں بھی مطلقاً منع نہیں کرتے بلکہ جب قوم پر ثقیل ہو جو خود حدیث متفق علیہ میں مصرح ہے اور سنیت کی نفی سے موکدہ کی نفی مقصود ہے سو اس میں کسی حدیث سے تعارض نہیں واللہ اعلم۔

۱۵ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۶ ج ۱)

جواب شبہ جواز دعاء ماثورہ درقومہ وجلسہ

سوال (۱۸۸) قومہ اور جلسہ کی بابت بھی اسی رسالہ میں دعاء ماثورہ لکھی ہیں اور مسلم کی حدیث کا حوالہ دیا ہے اور امام صاحب فرائض میں منع فرماتے ہیں اگر مناسب ہو تو اس کی وجہ بھی ارشاد فرمائی جاوے۔

الجواب۔ مقدمۂ اولیٰ..... فرائض میں اصل جماعت ہے۔ **مقدمۂ ثانیہ**۔ بنص حدیث امام کو تخفیف صلوٰۃ کا حکم ہے۔ **مقدمۂ ثالثہ**۔ ان اذکار میں تطویل مشاہد ہے۔ پس مجموعۂ ثلثہ مقدمات ثلثہ دلیل ہے حمل علی التطوع کی اور تفصیل دونوں جوابوں کی مطولات میں ہے جس کو بقدر ضرورت اعلاء السنن میں بھی نقل کیا ہے۔ ۲۸ رذی الحجہ ۱۳۳۴ھ (تتمۂ خامسہ ص ۳۷۷)

نیت امامت

سوال (۱۸۹) اگر امام نیت اقتداء یعنی نماز مقتدیوں کی نہ کرے تو نماز ہوگی یا نہیں اور کس کی نیت کرنا اس پر چاہئے؟

الجواب۔ اگر امامت کی نیت نہ کرے گا تو امامت کا ثواب نہ ملے گا پس حصول ثواب امامت کے لئے تو امامت کی نیت ضرور ہے۔ رہا صحت صلوٰۃ مقتدی کے لئے پس اگر مقتدی مرد ہے تو ضرور نہیں اور اگر عورت ہو تو اگر وہ کسی مرد کے محاذی ہے تب اس کی صحت نماز کے لئے نیت امامت ضروری ہے اور اگر محاذی نہیں تو اس میں اختلاف ہے اور جنازہ میں بالا جماع اور

جمعہ اورعیدین میں بنابرقول صحیح نیت اس کے اقتداء کی شرط نہیں۔

والإمام ینوی صلوته فقط ولا یشترط لصحته الاقتداء نیة امامة المقتدی بل لنیل الثواب لوام رجالاً وان ام نسأ فان اقتدت به المرأة محاذیة لرجل فی غیرصلوة جنازة فلا بد لصحة صلوتها من نیة امامتها وان لم تقتد محاذیة اختلف فیه فقیل یشترط وقیل لاکجنازة إجماعاً وکجمعة وعید علی الأصح۔ درمختار واللہ اعلم۔ (امداد ص ۱۰۲ ج ۱)

تحقیق وجوب قراءۃ دراولین فرض وضم سورۃ دراخریین معہ دیگر متعلقہ بآں

سوال (۱۹۰) اے علمائے دین ومفتیان شرع متین فرض ظہر وعصر میں قرأت شفع اولیٰ میں فرض ہے یااخریٰ میں یامطلق دورکعتوں میں اگراولیٰ میں فرض ہے توجس شخص نے اخریٰ میں قرأت قصداً ترک کیااس کی نماز صحیح ہوگی یانہیں۔اورجس شخص نے سہواً ترک کیااس پرسجدۂ سہو واجب ہے یانہیں۔اگرکسی شخص نے شفع ثانی میں قصداًیاسہواً سورہ بعض سورۂ فاتحہ کے بعد پڑھاتو اس پرکس صورت میں سجدۂ سہوواجب ہے کس صورت میں نہیں۔اگرکسی شخص نے شفع اولیٰ میں قصداً یاسہواً ضم سورۃ ترک کیا تو وہ شخص کس صورت میں شفع ثانی میں سورۃ قضا کرے گا اوربرتقدیرقضا کے نماز سرّی وجہری دونوں میں قضا کرے گا یاایک میں اورکس صورت میں اس پرسجدۂ سہوواجب ہوگا۔نماز صبح میں ضم سورہ رکعتین میں واجب ہے یارکعت واحدہ میں نماز ظہر میں ضم سورۂ کن رکعتوں میں واجب ہے جوسنت چاررکعت کی ہے اس میں قرأت چاروں رکعت میں فرض ہے یاشفع اولیٰ یاثانی یابعض میں اورضم سورہ کل رکعتوں میں واجب ہے یابعض میں اور کس رکعت میں ترک ضم سورہ سے سجدہ واجب ہوتا ہے۔جوشخص فرض ظہریاعصرکی چوتھی رکعت میں شریک ہوا وہ تین رکعت باقی کس طور سے ادا کرے کتنی رکعتوں کے بعد جلسہ کرے کن رکعتوں میں ضم سورہ کرے کونسی رکعت بدون سورہ کے پڑھے اورجوشخص تیسری رکعت میں شریک ہوا وہ رکعت باقی کس طور سے ادا کرے جومغرب کی تیسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہو اوروہ اپنی دورکعت باقی کس طور سے ادا کرے جلسہ اورضم سورہ کن رکعت میں کرے فقط جواب بسندکتاب تحریرہو۔بینوا عنداللہ توجروا۔؟

الجواب۔فرض نماز میں دوپہلی رکعتوں میں قرأت واجب ہے اخریین میں اختیار ہے خواہ قرأت پڑھے یاتسبیح کہے یاساکت رہے۔**والقراءة فی الفرض واجبة فی الرکعتین وھو**

مخیرفی الاخریین ھدایہ پس اخریین میں اگر قصداً قرأت ترک کرے تو نماز صحیح ہے اور اگر سہواً ترک کرے جب بھی قول راجح پر نماز صحیح ہے اور سجدۂ سہو واجب نہیں ولھذا لایجب السھو بتر کھا فی ظاھر الروایۃ ھدایہ۔ اور شفع ثانی میں قصداً یا سہواً فاتحہ کے بعد سورہ یا بعض سورہ کے ملانے سے سجدہ سہو واجب نہیں یہ خلاف اولیٰ ہے واکتفیٰ فیما بعد الاولین بالفاتحۃ فانھا سنۃ فی ظاھر الروایۃ ولو زاد لاباس بہ درمختار۔ فکان الضم خلاف الاولیٰ ردالمحتار۔ اگر شفع اولیٰ میں قصداً ضم سورہ ترک کیا تو ترک واجب عمداً ہوا نماز مکروہ تحریمی ہوگی اعادہ واجب ہوگا اور سجدۂ سہو کافی نہیں اور اگر سہواً ایسا کیا تو اخریین میں بعد فاتحہ کے سورہ پڑھ لے اور جہری نماز میں فاتحہ وسورہ ہر دو جہر سے پڑھے وان قرا الفاتحۃ ولم یزد علیھا قرأ فی الاخریین الفاتحۃ والسورۃ وجھر ویجھر بھما ھدایہ اور سجدہ سہو واجب ہوگا اور سری اور جہری دونوں کا ایک حکم ہے۔ نماز صبح میں دونوں رکعتوں میں قرأت فرض ہے اور ظہر وعصر کے شفعہ اُولیٰ میں فرض ہے لما مرمن الھدایۃ ان القراء ۃ فی الفرض واجبۃ فی الرکعتین۔ سنن رباعیہ میں چاروں رکعت میں قرأۃ فرض ہے والقرء ۃ واجبۃ فی جمیع رکعات النفل۔ ھدایۃ اور ضم سورہ بھی چاروں میں واجب ہے اگر ایک میں بھی سہواً ترک کرے گا سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ جس کی ایک دو رکعت امام کے ساتھ فوت ہوگئی ہو اس کو مسبوق کہتے ہیں اس کی باقی نماز حق قرأۃ میں اول ہوتی ہے اور حق تشھد میں آخر ویقضی اول صلوٰتہ فی حق قرأۃ واخرھا فی حق تشہد۔ درمختار۔ پس جو شخص ظہر یا عصر میں چوتھی رکعت میں شریک ہوا بعد فراغ امام کے کھڑا ہو کر ثنا وتعوذ پڑھ کر فاتحہ وسورۂ پڑھے اور یہ رکعت پوری کر کے قعدہ کرے پھر کھڑا ہو وہ رکعت بھی فاتحہ وسورہ سے پڑھ کر پچھلی رکعت فقط فاتحہ سے پڑھکر نماز تمام کرے اور جو تیسری میں شریک ہوا وہ دونوں رکعتیں فاتحہ وسورہ سے پڑھے اور ان دونوں کے بیچ میں جلسہ نہ کرے دونوں کے بعد قعدۂ اخیرہ کر کے فارغ ہو جو مغرب کی تیسری میں شریک ہوا وہ دونوں میں فاتحہ وسورہ پڑھے اور ہر رکعت پر بیٹھے۔ واللہ اعلم۔ (امداد ص ۱۰۷ ج ۱)

نماز کے اندر سرین وران اور گھٹنا تین عضو ہیں یا دو

سوال (۱۹۱) مردوں کی ناف سے گھٹنے تک بدن چھپانا فرض اور نماز میں چوتھائی عضو برہنہ ہو جانا مفسد صلوٰۃ ہے تو آیا گھٹنا علیحدہ اور سرین وفخذ وغیرہ علیحدہ عضو ہیں یا یہ سب مجموعہ ایک ہے؟

الجواب۔ سرین ایک عضو ہے اور فخذ ورکبہ ملا کر ایک عضو۔ فقط (تتمۂ اولیٰ ص ۳۵)

کپڑوں پر ناپاکی دیکھنے والے کو کتنے وقت کی نماز کا اعادہ کرنا چاہئے

سوال (۱۹۲) ایک شخص نے بروز جمعہ کپڑے بدلے اور بروز شنبہ ان کپڑوں پر ناپاکی لگی ہوئی دیکھی تو اس شخص کو کتنی نمازیں لوٹانا ہوں گی؟

الجواب۔ فی الدرالمختار۔ فصل البیرو جد فی ثوبه منیا الی قوله اعاده من اٰخر احتلام ای من اخرنوم۔ کما فی ردالمحتار ۔اس سے معلوم ہوا کہ اخیر سونے سے جو اٹھا ہے اس وقت سے نمازیں لوٹا دے۔فقط ۳۰رجب ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۶)

سوال (۱۹۳) ایک شخص رات کو جو کپڑا پہن کر سوتا ہے صبح کو اس کپڑے میں ناپاکی کا اثر پایا گیا اس کو یہ معلوم نہیں کہ کتنے روز سے یہ نہانے کی حاجت ہوئی ہے اب وہ شخص کتنے روز کی نمازیں دہراوے اور وہ شخص بہت پریشان ہے۔

الجواب۔وجدفی ثوبه منیاًاوبولاً اودماً اعاد من اٰخر احتلام وبول ورعاف کذا فی الدرالمختار وفی ردالمحتار فی بعض النسخ اٰخرنوم وهو المراد بالاحتلام لان النوم سببه کما نقله فی البحر ج ا ص ۲۲۶ ۔اس روایت سے معلوم ہوا کہ آخری سونے سے نماز لوٹاوے یعنی اگر سوکر اٹھا فجر کو دیکھا ہے تو یہ سمجھیں گے کہ اسی شب میں احتلام ہوا ہے غسل کر کے فجر پڑھے اور اگر فجر پڑھنے کے بعد دیکھا ہے تو فجر کی نماز لوٹاوے۔ ۲۴رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ

امام کے لئے جہر بالتکبیر سنت ہے واجب نہیں

سوال (۱۹۴) اگر امام کے سہو سے تکبیرات انتقالات میں کسی تکبیر کو جہر سے نہ کہا خفیۃً کہا اس سے سجدۂ سہو لازم آوے گا یا نہیں؟

الجواب۔نہیں کیونکہ امام کو جہر کرنا تکبیرات کا سنت ہے۔کذا فی الدرالمختار فی سنن الصلوة حیث قال وجهر الإمام بالتکبیراه فقط

۱۶رشعبان ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۸)

تشہد کے وقت رفع سبابہ کی حکمت

سوال (۱۹۵) التحیات میں جو انگشت شہادت اٹھائی جاتی ہے اس کی کیا بنیاد ہے۔

شارع اسلام نے کوئی وجہ بیان فرمائی ہے یا نہیں۔

الجواب۔توحید کا اشارہ ہے جو شیطان کو بروئے روایات ناگوار ہوتا ہے۔

سوال (۱۹۶) رفع سبابہ کو سلام کے وقت تک رکھنے کی کیا دلیل ہے میں نے بہت تلاش کی مگر نہ ملی بلکہ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے التعلیق المجد میں ملاعلی قاری کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے۔

والصحیح المختار عندجمھور اصحابنا ان یضع کفیه علی فخذیه ثم عند وصوله الی کلمة التوحید یعقد الخنصر والبنصرو یحلق الوسطیٰ والإ بهام ویشیر بالمسبحة رافعا لھا عند النفی واضعاعند الاثبات ثم یستمر علی ذلك لانه ثبت العقد عند ذلك بلاخلاف ولم یوجد امر بتغیره فالاصل بقاء الشیئی علی ماھو علیه۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع سبابہ صرف نفی کے وقت ہونا چاہئے بعدہ اس کا وضع چاہئے اور اسی طرح حلق مع وضع سبابہ اخیر صلوٰۃ تک چاہئے اور جو حدیث ترمذی کے ابواب الداعوات میں ہے اس سے رفع سبابہ الی آخر الصلوٰۃ ظاہر نہیں ہوتا بلکہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبض اصابع وبسط سبابہ اخیر صلوٰۃ تک چاہئے بہرکیف رفع سبابہ الیٰ آخر الصلوٰۃ کی کوئی روایت باوجود سعی کے نظر سے نہ گزری۔؟

الجواب۔واقعی بقاء اشارہ میں روایت ترمذی کی صریح نہیں گو محتمل ہے اور ملاعلی قاریؒ کی عبارت کا مدلول بھی واقعی قبض اصابع وبسط سبابہ ہی کا بقاء ہے نہ کہ اشارہ کا پس بہشتی زیور کے مضمون سے رجوع کرتا ہوں اور اس کو اس طرح بدلتا ہوں تشہد میں لا الہٰ کے وقت انگلی اٹھاوے اور الا اللہ پر جھکاوے مگر عقد اور حلقہ کی ہیئت کو آخر نماز تک باقی رکھے۔ **وجزا کم اللہ علیٰ ھذا التنبیه۔** یکم صفر ۱۳۳۵ھ (ترجیح ص ۵ ج ۲)

سوال (۱۹۷) سائل ......ایک طالب علم سے مسموع ہوا کہ جناب والا نے ابقاء اشارہ الیٰ آخر القعدتین سے رجوع فرمالیا ہے بندہ کو اس میں شبہ ہے جو بغرض حل عرض ہے امید کہ جواب سے سرفراز فرما کر ممنون فرمایا جاوے۔تقریر شبہ کی یہ ہے کہ رفع عندالنفی ووضع عند الاثبات جسے صاحب محیط وبرہان ودرمختار وعلی متقی وملاعلی قاری اور ان کے اتباع میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی ومولانا عبدالحئی لکھنوی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا ہے اس کا ثبوت کسی حدیث یا اثر یا روایت عن الائمہ سے نہیں ملتا سوائے اس کے کہ شمس الائمہ حلوانیؒ سے مروی ہے

اورنکتہ رفع للنفی ووضع للاثبات کو متضمن ہے۔

مجیب..... شمس الائمہ حلوانی حسب تصریح شامی فقہاء کے طبقۂ ثالثہ سے ہیں کہ ہمارے لئے ان کا بلکہ ان کے مابعد والوں کا قول بھی حجت ہے چنانچہ درمختار میں ہے واما نحن فعلینا اتباع مارجحوہ وما صححوہ الخ۔ پھر دوسرے مصنفین کثیرین کا نقل کرنا دال ہے کہ یہ قول منصور اور معتمد ہے شاذ یا مرجوح نہیں اس لئے صاحب تزئین العبارت نے اس کو جمہور کا قول کہا ہے عبارتہ ھکذا وقالو (ای جمھور علماء نا) یرفع المسبحۃ عند قول لااله ویضعھا عند قول الا الله الخ ص ۳۔ اور ایک جگہ کہا ہے الصحیح المختار عند جمھور اصحابنا انه یضع الی قوله ویشیر المسبحۃ رافعا لھا عندالنفی واضعا لھا عند الإثبات ص ۷ ا۔ پس ہم کو مقلد ہونے کی حیثیت سے ان کی مخالفت یا ان سے مطالبۂ دلیل کی گنجائش نہیں۔ فی ردالمحتار تحت قول الدرالمختار کما لوافتونافی حیاتھم مانصه ای کما نتبعھم لو کانوا احیاء وافتونا بذلک فانه لایسعنا مخالفتھم۔ ج ا ص ۸۰۔ البتہ اگر اس کے مقابل مذہب میں دوسرا قول بھی منقول ہوتا تو اس کی ترجیح ممکن تھی یا کوئی صحیح وصریح حدیث اس کے خلاف ہوتو اس قول کا ترک واجب ہوتا اور اگر روایات حدیثیہ میں غور کیا جاوے تو تخصیص اشارہ بوقت تہلیل کا پتہ بھی لگتا ہے فی تزئین العبارۃ عن معاذبن جبل وفیه یشیر باصبعه اذا دعارواه الطبرانی فی الکبیر ص ۹ اور دعاء کی تفسیر تشہد کے ساتھ مسلم ہے اور ظاہر ہے کلمۂ اذا توقیت کے لئے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ صرف تہلیل کے وقت تھا پس تہلیل کے ختم پر اشارہ بھی ختم ہو جاوے گا۔ اور یہی حاصل ہے رفع عندالنفی ووضع عندالاثبات کا اور ابوداؤد ونسائی کی روایت میں ہے (رافعا اصبعه السبابة وقد حناھا شیئا ای امالھا تزئین ص ۸۔ اور اشارہ میں انگلی کا سیدھا ہو جانا مشاہد ہے پس یہ انحناء اس وقت ہوسکتا ہے کہ اشارہ تو نہ رہے لیکن ہیئت عقد کی باقی رہے پس اس سے دوامر ثابت ہوئے ایک اشارہ کا آخر تک مستمر نہ رہنا دوسرے عقد کا مستمر رہنا پھر عدم استمرار اشارہ کی تفسیر اوپر کی حدیث اذا دعا سے ہوگئی۔

سائل۔ بخلاف ابقاء اشارہ الیٰ آخر القعدتین کے کہ اس کے ثبوت میں متعدد وجوہ ذہن میں آتے ہیں جن میں چند عرض ہیں۔ وجہ اول روایت ترمذی مندرجہ وجہ ثانی کو ملاعلی قاری رحمہ اللہ الباری تزئین العبارۃ میں نقل کر کے فرماتے ہیں وروی ابویعلی نحوہ ای نحوماروی الترمذی الا فی الوجه الثانی) وقال فیه بدل بسط یشیر بالسبابة

انتھیٰ وھکذا نقل الشامی فی رفع التردوعن تزئین العبارۃ ۔ یہ حدیث ابویعلی آنحضرت ﷺ کے اشارہ کو آخر سلام تک باقی رکھنے پر صراحۃ دال ہے۔

مجیب۔اس روایت کی مجھ کو تحقیق نہیں اگر یہ قواعد کے موافق قابل احتجاج ہو تو بے شک اس پر عمل اور اس قول مشہور کا ترک ضروری ہے اور جب تک احتجاج ہونا ثابت نہ ہو تو اس کا وجود کالعدم ہے اور اس قول کے ترک کی کوئی وجہ نہیں تو روایت ابویعلی کے رجال کی تحقیق کرنا چاہئے۔

سائل۔ وجہ ثانی عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن جدہ قال دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یصلی وقدوضع یدہ الیسری علی فخذہ الیسریٰ ووضع یدہ الیمنی وقبض اصابعہ وبسط السبابۃ وھو یقول یامقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک رواہ الترمذی ۔ یہ روایت بھی روایت ابویعلی کی موید ہے اس لئے کہ عندالعقد والتحلیق سبابہ ذرا خمیدہ ہو جاتی ہے بسط تام نہیں رہتا تاوقتیکہ ذرا اٹھائی نہ جائے۔

مجیب۔ یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے۔

سائل۔پس اس روایت کا بھی مطابقی نہ سہی التزامی مدلول استمرار اشارہ ہوگا یہی وجہ ہے جو رواۃ ماتحت میں سے کسی نے یشیر بالسبابۃ سے اور کسی نے بسط السبابۃ سے تعبیر کر دیا۔

مجیب۔اس کے مبنیٰ کا خلاف مشاہدہ ہونا مذکور ہو چکا۔

سائل۔وجہ ثالث۔ عن ابن عمر ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان اذا جلس فی الصلوۃ وضع یدیہ علی رکبتیہ ورفع اصبعہ الیمنی تلی الإ بھام و دعابھا لحدیث رواہ مسلم وابوداؤد والترمذی۔ وفی شرح معانی الآثار عن وائل بن حجر الحضرمی۔فلما قعد عقد اصابعہ وجعل حلقۃ بالإبھام والوسطی ثم جعل یدعوبا الاخریٰ ۔

یہ احادیث بھی دعاء کے وقت اشارہ کرنے پر دال ہیں اور اگر احادیث مذکورہ میں دعاء سے دعاء آخر صلوٰۃ نہ مراد لی جاوے اور دعا بمعنی تشہد یا تہلیل مراد لی جاوے تب بھی رفع عندالنفی ووضع عندالاثبات درست نہیں ہوتا اس لئے کہ طحاوی وغیرہ نے ثم جعل یدعوا بالاخریٰ روایت کی جو استمرار پر دال ہے اور یہ اس میں مقصود ہے۔

مجیب۔ دلالت علی الاستمرار غیر مسلم ہے۔

سائل۔ وجہ رابع امام طحاویؒ حدیث ثم جعل یدعوا بالاخریٰ سے عدم تورک فی القعدۃ الاخیرۃ پر استدلال کرتے ہیں اور یہ تب ہی مستقیم ہوسکتا ہے کہ حدیث ثم جعل یدعو میں دعا آخر صلوٰۃ مراد ہو پس اس سے طحاوی کا بھی استمرار اشارہ الیٰ آخر الصلوٰۃ کا قائل ہونا لازم آئے گا۔ فی شرح معانی الاثار قال ابو جعفر فھذا یوافق ما ذھبوا الیه من ذلك و فی قول وائل ثم عقد اصابعه یدعو دلیل علی انه کان فی اخر الصلوة۔

مجیب۔ یدعو کی تفسیر میں طحاوی کا قول حجۃ لازمہ نہیں۔

سائل۔ وجہ خامس۔ عن بشرانه سمع ابن عمر یقول ان رفعکم ایدیکم فی الصلوة لبدعة والله مازاد رسول الله ﷺ علی هذا یعنی باصبعه۔ رواہ ابن ابی شیبة۔ اس اثر سے معلوم ہوا کہ اشارہ فی الصلوٰۃ قائم مقام رفع یدین کے ہے اور ظاہر ہے کہ رفع یدین مع بسطھما سوال کے لئے موضوع ہے نہ کہ تہلیل کے لئے کہ عادۃً سائل مسئول عنہ کی طرف ہاتھ پھیلا کر مانگتا ہے اور شریعت نے بھی اسے آداب دعا میں شمار کیا ہے پس رفع یدین کا محل سوال ہی ہوگا جس سے لازم آئے گا کہ اس کے نائب مناب (اشارہ بالسبابہ) کا محل بھی سوال یعنی دعاء آخر صلوٰۃ ہی ہو۔ یہ اور بات ہے کہ تہلیل مقدمہ دعاء کا ہوکر کالجزء ہو جانے کی وجہ سے وہ بھی محل رفع یدین میں داخل ہوگئی اور اس کے واسطہ سے محل میں اس کے نائب کے بھی داخل ہوگئی اس لئے ابتداء تہلیل ہی سے حکم اشارہ ہوا۔ علاوہ ازیں اشارہ میں جھة نیابة لرفع الیدین کے ساتھ ایک دوسری جہۃ اشارۃ (فعلیہ) الی التوحید والإخلاص کی تھی کہ بیہقی نے روایت کی ان النبی ﷺ کان یشیر بھا للتوحید اور ابن تیمی سے مروی ہے۔ سئل ابن عباس عن تحریک الرجل اصبعه فی الصلوة قال ذلک الإخلاص۔ لہٰذا ابتداء تہلیل ہی سے حکم ہوا کہ ادب دعاء ادا ہونے کے ساتھ ایک دوسری غایت یعنی اشارہ الی التوحید والاخلاص بھی حاصل ہوکر قول وفعل میں مطابقت ہو جاوے پھر لطف یہ کہ ان مقصدوں کے ساتھ اور فوائد بھی مثل انقطاع طمع شیطان لإ ضلاله العبد وإلقائه فی الشرک۔ ورفع سھو وقمع شیطان و تخویف شیطان بھی مترتب ہوتے ہیں کہ وارد ہوالھی ای الإشارة اشد علی الشیطان من الحدید۔ رواہ البیھقی اور وارد ہوا ہی مذبة الشیطان لایسھو احدکم مادام یشیر

باصبعه اور وارد ہوا تحریک الاصابع فی الصلوة مذعرة الشیطان ۔ رواه البیهقی ۔الحاصل اشارہ بالمسبحہ قائم مقام رفع یدین للدعاء ہونے کی وجہ سے آخر سلام تک باقی رہے گا۔

مجیب۔ابن عمرؓ کا قول اس میں صریح نہیں یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ حرکت رفع یدین ہیئت صلوٰۃ کے منافی ہے کیونکہ حضور ﷺ سے نماز میں اتنی حرکت سے زیادہ ثابت نہیں پھر خواہ یہ حرکت کسی موقع پر ہو اس سے روایت ساکت ہے اور دوسری روایات مبین ہیں کہ تشہد کے وقت تھی باقی احادیث مذکورہ وجہ ہذا کو اگر ثابت بھی ہوں ما نحن فیہ سے کوئی مس نہیں اور حدیث اخیر کو تو ابن حجر نے ضعیف بھی کہا ہے ۔کما فی المرقاۃ جلد اول ص ۵۵۵۔اور سائل نے جو تہلیل کو مقدمۂ دعائے اخیر صلوٰۃ ہونے کا سبب محل اشارہ ٹھیرایا ہے اگر یہ امر صحیح ہوتا تو قعدۂ اولیٰ میں اشارہ نہ ہوتا کہ وہاں تہلیل مقدمۂ دعاء نہیں ہے وهو کما تری۔ دوسرے دعائے آخر صلوٰۃ موکد نہیں تو لازم آتا ہے کہ اس کے ترک پر اشارہ عبث ہو وهو کما تریٰ۔

سائل۔وجہ سادس جبکہ احادیث صحیحہ کثیرہ و آثار صحابہؓ سے سنّیت اشارہ ثابت ہوگئی اور اس کے مقابلہ میں کوئی حدیث یا اثر صحیح کیا ضعیف بھی ایسا نہیں پایا گیا جو سنّیت اشارہ کا رافع ہو تو قیاس جلی یوں چاہتا ہے کہ سنّیت اشارہ آخر قعدہ تک یوں ہی مستمر و باقی رہے کہ اصول کا مسئلہ ہے شئے اپنی حالت سابقہ پر باقی رہتی ہے ۔تاوقتیکہ کوئی امر مغیر نہ پایا جاوے پس حکم سنّیت اشارہ آخر قعدہ تک مستمر و باقی رہے گا۔

مجیب۔ یہاں مغیر نہ پایا جانا یقینی نہیں طبقۂ ثالثہ کا فتویٰ دلیل ظنی ہے وجود مغیر کی دوسرے ایک قیاس اس کا معارض بھی ہے وہ یہ کہ اصل عدم اشارہ ہے اور اشارہ للعارض ہے پس ارتفاع عارض سے اشارہ مرتفع ہو جاوے گا جیسا رفع یدین کہ اصل نماز میں اس کا عدم ہے مگر عارض انتقال سے اس کا تحقق ہوتا ہے پھر اس کے ارتفاع سے وہ رفع بھی مبدل بوضع یا ارسال ہو جاوے گا۔ ورنہ سائل کے قیاس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مثلاً وتر کی رکعت ثالثہ میں جو بعد قرأت کے رفع یدین کیا جاتا ہے اور اس کے بعد وضع یا ارسال روایات میں منقول نہیں تو چاہئے کہ وہی ہیئت رفع کی رکوع کے وقت تک مستمر رکھے اور قنوت اسی ہیئت ....رفع کی حالت میں پڑھا جاوے۔فافہم ۔ البتہ اس قیاس سے تزئین میں استمرار ہیئت عقد میں کام لیا ہے ویشیر بالمسبحة رافعاً لها عندالنفی وواضعاً لها عندالإثبات ثم یستمر علی ذلک

ثبت العقد عند الإشارة بلاخلاف ولم يوجد امريغيره فالاصل بقاء الشيئى ماهو عليه۔ واستصحابه الى اٰخر امره وماله اليه هذا ص ۱۷۔اوراس قیاس کا کوئی معارض بھی نہیں بلکہ ترمذی کی حدیث اس کی مؤید ہے۔پس استمرار عقد میں اس قیاس پر عمل ہوگا۔

سائل۔ وجہ سابع۔ ایسے ہے جب کہ ہمارے ائمہء ثلثہ ابوحنیفہ۔ صاحبین رحمہم اللہ سے حکم سنّیت اشارہ بروایت معتبرہ ثابت ہوگیا اوراس کے مقابلہ میں کوئی رافع نہیں پایا گیا تو حکم سنّیت اشارہ بنا بر مذہب ائمہ کے بھی آخر تک باقی رہے گا۔

مجیب۔ فيه ماقدمر فى الجواب عن الوجه السابق۔

التماس۔ (۱) تزئین العبارت اگر وہاں ہو تو تکلیف فرما کر یہاں عاریۃً بھیج دیجئے۔[1] اس کا مطالعہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔(۲) یہاں کتابیں نہیں ہیں مجھ کو روایت مذکورہ وجہ اول سے کچھ تردد ہوگیا۔ اگر وہاں کے حضرات سے سب اجزاء کی تحقیق کرکے اخیر بات طے کرلی جاوے میں اس کا اتباع کروں گا۔ ۱۶/جمادی الاول ۱۳۳۵ھ (ترجیح ۵ ص ۶)

سوال (۱۹۸) بہشتی زیور حصہ دوم میں لکھا ہے کہ تشہد پڑھتے وقت جب کلمہ پر پہنچے تو بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر کلمہ کی انگلی کو اٹھا دیوے اور سلام پھیرنے تک اسی طرح اٹھائے رہے لیکن یہاں کے چند ملا صاحبان اس پر معترض ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ طریقہ شافعی مذہب کا ہے حنفی مذہب میں آخر تک انگلی کو اٹھائے رکھنا کسی کتاب میں نہیں ہے چنانچہ ان لوگوں نے اردو کی کئی ایک کتابیں مجھے دکھلائیں (جن میں شامی وکبیری وغیرہ کا حوالہ ہے) جس میں لکھا ہے کہ بروقت کہنے اشهد ان لا الٰه کے انگلی کلمہ کی اٹھاوے اور جب الا اللہ زبان سے کہے اس وقت انگلی کو گرادے۔

الجواب۔ ذرا جھکادے یہ معنی ہیں گرانے کے اور حلقہ بنائے رکھے اور بالکلیہ نہ گراوے۔صرح به ملا على القارى فى رسالة تزئين العبارة بتحسين الإشارة۔ ۱۴/جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۴۱)

رفع سبابہ درتشہد زناں را

سوال (۱۹۹) عورتیں تشہد میں رفع سبابہ کریں یا نہ کریں اگر ان کے لئے بھی رفع کا حکم

---

(۱) چنانچہ وہ رسالہ مل گیا اس کو دیکھ کر جواب ہذا میں کہیں کہیں اضافہ بھی واقع ہوا ہے۔ ۱۲ منہ

ہو جیسا کہ ظاہر یہی ہے تو بہشتی زیور میں لکھ دینا چاہئے۔ یہ امر زیادت تستر کے ضرور خلاف ہے لیکن کسی نے اس جگہ فرق بین الرجال والنساء نہیں لکھا۔؟

الجواب۔ چونکہ فقہاء نے باب صفۃ الصلوٰۃ میں التزام کیا ہے کہ جن احکام میں مرد اور عورت میں تفاوت ہے اس کی تصریح کر دی ہے اور رفع سبابہ میں اس کی تصریح ہے یہ دلیل ہے اس کی کہ یہ حکم مشترک ہے رہا شبہ زیادت تستر کے خلاف ہونے کا سو ضعیف ہے کیونکہ رفع یدین عند التحریمہ بالاتفاق مشروع ومسنون ہے اور یقیناً اس میں اشارہ بالسبابہ سے زیادہ کشف ہے۔ فقط　　(امداد ص ۱۳ ج ۱)

حکم محاذات اقدام در حالت قیام

سوال (۲۰۰) (الف) صفحہ ۲۰۲ جلد ۱۲ الہادی بابت جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ سطر ۸ میں ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت سے حوالہ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تاکید سے سب لوگ صف کو سیدھا کرتے تھے۔ پس ہم میں سے ہر ایک اپنے مونڈھے کو اپنے برابر کے مونڈھے سے ملاتا تھا اور اپنے قدم کو اس کے قدم سے۔ اس کے علاوہ بھی بہت تاکید لکھی ہوئی ہے مگر ہم ہر جگہ دیکھتے ہیں اس کا نہ تو کوئی خیال ہی کرتا ہے اور نہ ہمارے علماء کبھی تاکید کرتے ہیں اگر کوئی بہت محتاط عالم کبھی تاکید بھی کرتے ہیں تو اس سے زیادہ نہیں کہ مونڈھے سے مونڈھا ملا لو قدم کا ذکر کبھی نہیں سنا۔؟

الجواب۔ کیا یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اخیر تک ملا رہتا تھا کیا یہ ممکن نہیں کہ صف سیدھا کرنیکے لئے قدم کو قدم سے ملا کر دیکھتے ہوں پھر اپنی حالت پر چھوڑ دیتے ہوں خلاصہ میرے سوال کا یہ ہے کہ محاذاۃ یا الزاق جو حدیثوں میں آیا ہے اس کا مدلول لغوی محاذاۃ یا الزاق کا حدوث ہے یا ان کا بقاء۔　　۲۷ صفر ۱۳۵۱ھ　(النور ص ۱۰ شوال المکرم ۱۳۵۱ھ)

حد الانحراف عن القبلۃ کہ مفسد صلوٰۃ نباشد

سوال (۲۰۰)　قائمۃ قائمۃ　قائمۃ قائمۃ

+　+

فی ردالمحتار وکان الخط الخارج من جبین المصلی یصل علی استقامۃ (۱) الی ھذا الخط المار علی الکعبۃ فانہ بھذا الانتقال لاتزول المقابلۃ

(۱) ای علی زاویتین قائمتین ۱۲

بالكلية لان وجه الانسان مقوس ثم قال المفهوم مما قدمناه عن المعراج والدرر من التقييد بحصول زاويتين قائمتين عند انتقال المستقبل لعين الكعبة يميناً اويساراً انه لا يصح لوكانت احدهما حادة والاخرى منفرجة بهذه الصورة | كعبه | مصلی وفيه الانحراف اليسير لايضر وهوالذى يبقى معه الوجه او شيئى من جوانبه مسامتاً للكبعة اولهوائها بان يخرج الخط من الوجه او من بعد جوانبه ويمر على الكعبة اوهو ائها مستقيماً ولايلزم ان يكون الخارج على استقامة خارجا من جبهة المصلى بل منها اومن جو انبها كما دل عليه قول الدرر من جبين المصلى فان الجبين طرف الجبهة وهما جبينان. ج ۱ ص ۳۰۰ و ص ۳۰۱ شب ۲۷/ صفر ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۸)

حدانحراف قبلہ کہ مفسد صلوٰۃ نباشد

(۲۰۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ملک افریقہ میں بمقام شہر ربون واقع ہے۔ حسب نقشہ ذیل لہٰذا اس صورت میں جس جانب کہ رخ محراب کا واقع ہے اگر نماز پڑھی جاوے تو جائز ہے کہ نہیں۔

رخ قبلہ .... محراب ....
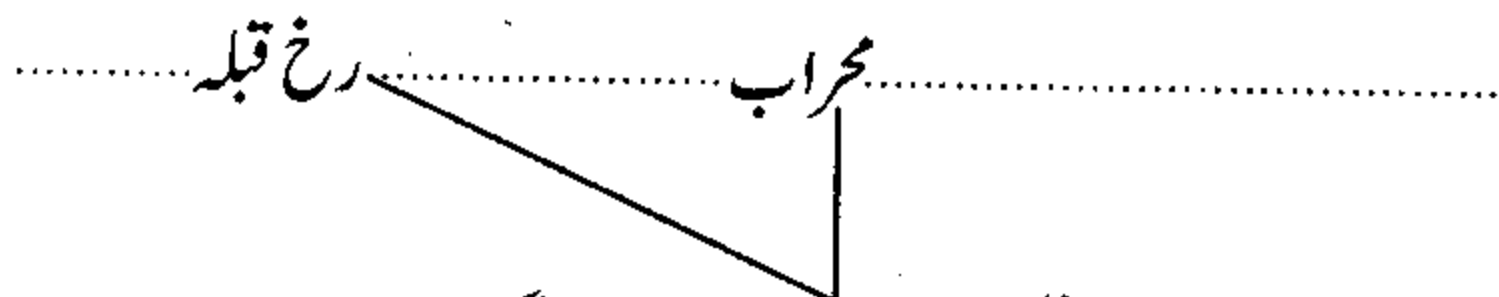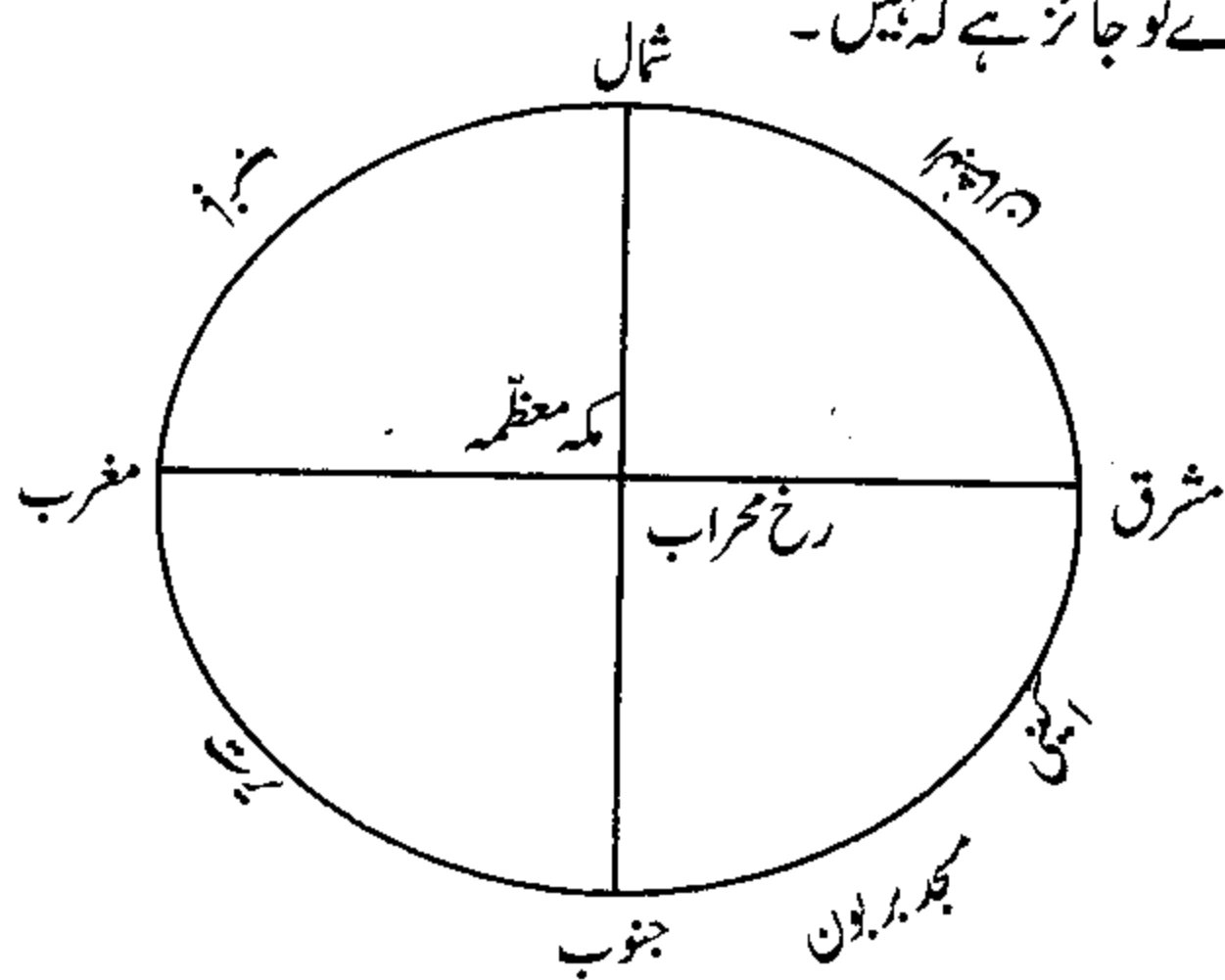
صورت مسجد کی یہ ہے۔ غلطی سے یہ اس رخ پر بنادی گئی۔ معلوم ہونے سے اب فرق رخ قبلہ کا

اس قدر ہے کہ اوپر جو تمام دنیا کا نقشہ ہے اس میں شہر بربون جس رخ پر واقع ہے وہ بھی ملاحظہ میں پیش ہے۔

الجواب۔ سیدھے رخ پر جو خط کھینچا جاوے اگر مصلی کے جبہہ اور جبین کے کسی جزو سے بھی ایسا خط نکلے جو پہلے خط سے زاویۂ قائمہ پر تقاطع کرے تو اتنے انحراف سے نماز ہو جاوے گی۔ اور جو کسی جزو سے ایسا خط نہ نکلے تو نماز نہ ہوگی۔ اب اس کو خود دیکھ لیا جاوے۔

دلیل المسئلة [1] مافی ردالمحتار وکان الخط الخ قلت مأخذه قوله تعالیٰ فول وجهک شطر المسجد الحرام حیث امر بتولیة الوجه لاالجبته خاصةً

(تتمۂ ثانیہ ص ۱۸)

ربع دائرہ تک سمت کا اختلاف مضر نہیں

سوال (۲۰۲) پنجاب میں مساجد کی تعمیر کے وقت قبلہ قطب ستارہ سے شمال قائم کر کے اس پر زاویہ قائم کر کے مغرب بناتے ہیں اور ہر مسجد میں سمت کعبہ ٹھیک مغرب کی جانب قائم ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ جب مسلمان حملہ آور اور مبلغ سب سے پہلے ہندوستان میں سندھ آئے تو سورت کے قریب کی بندرگاہ پر اترے جہاں پہلے بت کدہ ہند میں مسجد کی تعمیر ہوئی۔ سورت میں یا وہاں کے قریب تو مسجد کی یہ سمت عین مغرب میں درست ہے لیکن شمالی ہند میں مسجدوں کا رخ سمت کعبہ نہیں رہتا۔ اس کا کیا انتظام کیا جاوے۔ شہر گجرات میں مسجدوں کا بذریعہ کمپاس سمت کا امتحان لیا گیا تو سب میں فرق نکلا۔ کسی میں کم درجہ کا فرق تھا۔ کسی میں زیادہ تین مساجد بھی تو تقریباً تیس مساجد میں سے ایک سمت میں نہیں۔ اسکے لئے حضور کی رائے اور شرعی مسئلہ دریافت طلب ہے۔ کیا یہ غلطی علماء کی کسی کمیٹی سے ہوئی یا مسلمانوں نے ایک دوسرے کی تقلید میں یہ غلطی ہر جگہ کی فقط۔

الجواب۔ ربع دائرہ سے کم اختلاف مضر نہیں۔ سب کی نماز ہو جاتی ہے۔

دوسرا خط پہلے خط کے سلسلہ میں

جواب مندرجہ بالا میں کیا جناب کا فتویٰ ذاتی خیال پر مبنی ہے یا اس کی تائید کسی کتاب کے حوالہ سے بھی ہوسکتی ہے۔

---

(۱) قدمرت هذه العبارة قبل هذا السوال متصلاً ۱۲ منه

الجواب۔ فی ردالمحتار من الدرروجهتها ان یصل الخط الخارج من جبین المصلی الی الخط المار بالکعبة علی استقامةٍ بحیث یحصل قائمتان الی قوله و یؤیده ماقال فی الظهیریة اذا تیامن او تیاسر تجوز لان وجه الانسان مقوس الخ وفیه یلزم ان یکون الخط الخارج علی استقامة خارجاً من جبهة المصلی بل منها او من جوانبها کما دل علیه قول الدرر من جبین المصلی فان الجبین طرف الجبهة وهما جبینان وفیه ولایخفی ان اقوی الادلة النجوم والظاهر ان الخلاف فی عدم اعتبارها انما هو عند وجود المحاریب القدیمة اذلا یجوز التحری معها کماقد مناه لئلا یلزم تخطیة السلف الصالح وجما هیر المسلمین بخلاف ما اذا کان فی المفازة فینبغی وجوب اعتبار النجوم و نحوها فی المفازة لتصریح علمائنا و غیرهم بکونها علامة معتبرة اه (شرائط الصلوٰة)۔

یہ سب عبارات میرے دعوے پر کافی واضح دلیلیں ہیں کہ ربع دائرہ سے کم اختلاف مضر نہیں۔فقط۔

بقیۃ السوال۔ ہمارے یہاں گورنمنٹ نے ایک احاطہ مسجد کے لئے وقف کیا تھا جو قبلہ رو نہیں۔لیکن اس میں ربع دائرہ سے بہت کم یعنی بقدر ۱/۶ حصہ دائرہ کے فرق ہوسکتا ہے۔کیا وہاں مسجد بنادی جائے۔کیونکہ قبلہ رو کرنے میں چاروں طرف سے ٹکڑے کاٹ دینے سے رقبہ آدھارہ جاتا ہے۔اگر اس طرح مسجد بنانے میں اعتراض نہ ہو تو مسجد بہت کشادہ ہوسکتی ہے۔ اور ضرورت کی سب چیزیں بن سکتی ہیں۔

الجواب۔ اوپر کی گنجائش بنی ہوئی مساجد کے لئے مذکور ہوئی ہے۔تاکہ جمہور مسلمین کا تخطیہ لازم نہ آئے لیکن قصداً مسجد منحرف بنانا جس میں مفسدہ مذکورہ یعنی تخطیہ سے زیادہ مفاسد ہیں جیسے افتراق بین المسلمین و اطالت لسان معترضین و جسارت عوام علی الخروج عن الحدود واستخفاف حدود وامثالہا خلاف مصلحت ہے۔ نظیره مامر من عدم اعتبار النجوم فی المساجد القدیمة و فی اعتبارها فی المفاوز۔اس مفاسد کے مقابلہ میں رقبہ کا کم ہوجانا اہون ہے۔یہ میری رائے ہے بہتر ہو کہ دوسرے حضرات اہل علم سے بھی مشورہ کرلیا جاوے۔کتبہ اشرف علی۔ ۲۶رجب ۱۳۵۶ھ (النور ص ۹ شعبان ۵۷ھ)

تحقیق عورت بودن ظہر کف مرأۃ

سوال (۲۰۳) قبل ازیں یہ لکھا گیا تھا کہ جب عورت پشت کف دست کھول کر نماز پڑھ لے تو اس کا اعادہ کرنا پڑے گا یا نہیں اس کا جواب جناب عالی نے یہ تحریر فرمایا کہ نماز اس کی صحیح ہے اعادہ نہ کرے۔ اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ جب درمختار میں یہ لکھا ہے فظهر الكف عورة على المذهب تو جب نماز میں ستر عورت نہ ہوا تو نماز نہ ہوئی لہٰذا اس کا اعادہ ضروری ہوا لہٰذا اس تردد کو رفع فرمائیے۔

الجواب۔ ظہر کف کا عورت ہونا چونکہ مختلف فیہ ہے۔ میں نے سہولت وابتلاء عام کے لئے دوسرا قول لے لیا۔　　　۲۱ر جمادی الاولی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۲۹)

وجوب وضع اکثر جبہۃ در سجود

سوال (۲۰۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز میں حالت سجدہ میں پیشانی کا کس قدر حصہ زمین پر رکھنا واجب ہے اگر تھوڑا حصہ پیشانی کا زمین پر رکھا گیا اور اکثر نہیں رکھا گیا تو نماز بلا کراہت ہو جاوے گی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار وسجده بأنفه وجبهته ووضع اكثرها واجب وقيل فرض كبعضها وان قل فی ردالمحتار اختلف هل الفرض وضع اكثر الجبهة ام بعضها وان قل قولان ارجحهما الثانی نعم وضع اكثر الجبهة واجب للمواظبة كما حرره فی البحر و فی المعراج وضع جميع اطراف الجبهة ليس بشرط إجماعاً فاذا اقتصر علی بعض الجبهة جاز وان قل كذا ذكره ابو جعفر فی الخزائن ج۲ ص ۵۲۰۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اکثر حصہ پیشانی کا رکھنا گو علی الاصح فرض اور شرط نہیں لیکن واجب ہے ایسا نہ کرنے سے نماز مکروہ ہوگی۔　　　۹ر ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۹۸)

طریق ادائے نماز کسے کہ نماز خواندن نداند ومحتاج تعلیم باشد

سوال (۲۰۵) رمضان میں دو چار آدمی ایسے بھی آتے ہیں کہ نماز پڑھنا نہیں جانتے ہیں اور ایک آدمی ایک ایک لفظ کر کے بتاتا ہے اس کی نماز ہوگی یا نہیں اگر نہیں ہوتی تو کیا کرنا

چاہئے ۔ کیونکہ اس طریقہ سے تو وہ نماز بھی پڑھتا ہے مسجد میں آتا ہے اگر نہ بتایا جاوے تو کبھی مسجد میں نہیں آوے گا۔ اس مسئلہ میں معتکف ہو یا غیر معتکف برابر ہے یا نہیں ۔؟

الجواب ۔ ایسا شخص دوبار نماز پڑھے ۔ ایک دفعہ تو اسی طرح یہ تو نماز کی تعلیم ہوگئی اور دوسری بار بلاتعلیم اس طرح ہے کہ نماز کے قبل اس کو بتلا دیا جاوے کہ چونکہ تم کو قرأت واذکار نماز کے یاد نہیں تم ہر رکن میں تین بار سبحان اللہ کہتے رہو یہ نماز اسکی اصلی ہوگی ۔

۱۵ شعبان ۱۳۳۷ھ (تتمۂ خامسہ ص ۹۲)

سجدہ سے اٹھنے کا مستحسن طریقہ

سوال (۲۰۶) نماز میں سجدہ کے بعد جب کھڑا ہونا چاہیں تو گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھیں؟

الجواب ۔ ہاں! تتمۃ السوال یا زمین سے ہاتھ ٹیک کر کھڑا ہو؟ الجواب نہیں الابعذر ۔

تتمۃ السوال ۔ یا کسی جگہ ہاتھ نہ ٹیکے جائیں بہرحال کھڑے ہونے کا مستحسن دستور کیا ہے؟

الجواب ۔ اوپر لکھدیا۔ في الدرالمختار ۔ ويكبر للنهوض على صدور قدميه بلااعتماد وقعود استراحة في ردالمحتار بلااعتماد اى على الارض ۔ قال في الكفاية اشاربه الى خلاف الشافعي في موضعين احدهما يعتمد بيديه على ركبتيه عندنا وعنده على الارض الثاني الجلسة الخفيفة الخ (فصل اى في بيان تاليف الصلوٰة) ۱۹ / ربیع الاول ۱۳۵۵ھ (النور ص ۷ صفر المظفر ۱۳۵۶ھ)

جواز آمین بالجہر

سوال (۲۰۷) آمین بالجہر کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ۔ جائز ہے جیسا کہ بالسر بھی جائز ہے اور مرجح احدالشقین کا تحقیق ہے یا تقلید ۔

۲ صفر ۱۳۴۱ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۳۳)

جواز رفع یدین

سوال (۲۰۸) رفع الیدین فی الصلوٰۃ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ۔ جائز ہے جیسا کہ عدم رفع بھی جائز ہے اور مرجح احدالشقین کا تحقیق ہے یا تقلید ۔ (تاریخ وحوالہ بالا)

حکم الصاق کعبین برائے مردان

سوال (۲۰۹) بہشتی زیور حصہ دوم میں فرض نماز پڑھنے کے طریقے کے بیان میں درج ہے کہ رکوع میں دونوں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر گھٹنوں پر رکھدے اور دونوں باز وخوب ملائے رہے اور دونوں پیر کے ٹخنے بالکل ملا دیوے۔ دو اول الذکر امور میں مردوں کے لئے جو اختلاف ہے وہ تو اسی صفحہ میں درج ہے آخر الذکر امر میں کوئی اختلاف درج نہیں فرمایا گیا۔ پس دریافت طلب یہ ہے کہ کیا مردوں کو بھی دونوں پیر کے ٹخنے بالکل ملا دینا چاہیئے۔ اسکی بابت بہشتی گوہر میں بھی کچھ تذکرہ نہیں۔؟

عورتوں کو تکبیر تحریمہ کے وقت سے دونوں پیر کے ٹخنے ملانا چاہئے یا صرف رکوع کے وقت؟

مردوں کو اگر دونوں پیر کے ٹخنے نہ ملانا چاہئے تو دونوں پیروں میں کتنا فاصلہ رہنا چاہئے؟

الجواب۔ (۱) ٹخنوں کو رکوع میں ملانے کے متعلق فقہاء کے کلام میں عموم پایا جاتا ہے یعنی مردوں کیلئے بھی الصاق کعبین کو لکھا ہے مگر حدیث میں کہیں نہیں دیکھا گیا لہٰذا ملانے میں بناءً علی الروایات الفقہیۃ اور نہ ملانے میں بناءً علی عدم النقل فی الاحادیث دونوں میں گنجائش ہے۔

(۲) قیام کی حالت میں ٹخنے ملانا نظر سے نہیں گزرا۔

(۳) جس حالت میں ٹخنے نہیں ملائے جاتے جیسے قیام بس اس میں بمقدار چار انگل ہاتھ کے فاصلہ رکھنا چاہئے۔ فی ردالمحتار بحث القیام وینبغی ان یکون بینھما (ای بین القدمین) مقدار اربع اصابع الیدلانہ أقرب الی الخشوع ھکذا روی عن ابی نصر الدبوسی انہ کان یفعلہ کذا فی الکبری۔

ج ۱ ص ۲۶۲۔ ۲ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۵۶)

سوال (۲۱۰) بعد از ابدائے سلام مسنون بصد نیاز عارض مدعا ام کہ درالنور بابتہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ صفحہ ۱۳۔ درجواب سوال الصاق کعبین تحریر فرمودہ اند کہ ”فقہاء کے کلام میں عموم پایا جاتا ہے مگر حدیث میں کہیں نہیں دیکھا لہذا ملانے اور نہ ملانے دونوں میں گنجائش ہے“۔ انتہی ملتقطا۔ اور مولانا عبدالحی مرحوم درسعایہ بریں مسئلہ بہ بسط تام بحث فرمودہ و آخرکار فرمودہ کہ مراد فقہاء از الصاق محاذات احدی الکعبین است بالآخر نہ الصاق حقیقی۔ نیز

فرمودہ کہ امام کسانیکہ الصاق آوردہ زاہدی ست ونسبت زاہدی درنافع الکبیر وفوائد بہیہ نوشتہ اندوآں کان اماما جلیلا فی الفقہ لکنہ متساہل فی نقل الروایات وایضاً ہو معتزلی الاعتقاد حنفی الفروع قال صاحب ردالمحتار فی تنقیح فتاویٰ الحامدیۃ فی کتاب الاجارۃ الحاوی الزاہدی مشہور بنقل الروایات الضعیفہ ولہٰذا قال ابن وہبان وغیرہ انہ لاعبرۃ بما یقولہ الزاہدی مخالفا لغیرہ انتہی۔ ملخصاً معروض خدمت بابرکت آن ست کہ کدام از سعایہ والنور صحیح تر ست براہ کرم تشفی فرمودہ باشند۔

الجواب۔ چوں منطوق قاضی است برمفہوم ومفسر مبہم لہٰذا تحقیق سعایہ درعمل ترجیح دارد وقول من کہ حدیث میں کہیں نہیں دیکھا اشارہ بہمیں خدشہ بود کہ ازقواعد دردل افتادہ بود۔

۵رجب المرجب ۱۳۴۲ھ (ترجیح خامس ص ۱۳۸)

تحقیق تحمید زن بعد تسمیع

سوال (۲۱۱) جناب والا نے بہشتی زیور کے صفت صلوٰۃ کے بیان میں تحریر فرمایا ہے کہ پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتی ہوئی سر کو اٹھائے جب خوب سیدھی کھڑی ہو جاوے تو پھر اللہ اکبر کہتی ہوئی سجدہ میں جاوے تو کیا عورت کو رَبَّنَا لَکَ الْحَمد نہ کہنا چاہئے یا سہو کاتب ہے یا چھاپے کی غلطی ہے مطلع فرماویں۔؟

الجواب۔ عبارت میں کمی رہ گئی ہے یوں ہونا چاہئے جب خوب سیدھی کھڑی ہو جائے تو رَبَّنَا لَکَ الْحَمد کہہ کر اللہ اکبر کہتی ہوئی سجدہ میں جاوے اب یہ معلوم نہیں مؤلف کی غلطی ہے یا کاتب کی۔ عجب نہیں اس کو سمع اللہ کے تابع سمجھ کر مستقلاً لکھنے کا اہتمام نہ کیا ہو زیادہ نظر اس پر رہی ہو کہ بدون سیدھے کھڑے ہوئے سجدہ میں نہ جاوے جیسا بعض کی عادت ہے۔ (ترجیح خامس ص ۱۰۸)

تحقیق سنیت یا وجوب قومہ

سوال (۲۱۲) عرض یہ ہے کہ یہ مسئلہ جو بہشتی زیور حصۂ دوم میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ مسئلہ کہ اگر رکوع کے بعد اچھی طرح کھڑی نہیں ہوئی ذرا سر اٹھا کر کر سجدہ میں چلی گئی تو نماز پھر سے پڑھے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اگر قصداً ایسا کیا ہو تو پھر سے پڑھے اور جو بھول کر کیا تو سجدہ سہو کرے۔ غرض یہ ہے کہ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس صورت میں سجدۂ سہو لازم نہیں آتا کیونکہ رکوع کے بعد سیدھا ہونا واجب نہیں سنت موکدہ ہے اس صورت میں سجدۂ سہو نہیں۔ اب حضور تحریر فرماویں کہ یہ ٹھیک ہے یا جو بہشتی زیور میں لکھا ہے۔ جواب سے مشرف فرماویں۔؟

الجواب۔ اس کی سنیت ووجوب میں اختلاف ہے۔ ان مولوی صاحب نے سنیت کی بناپر یہ فرمایا اور بہشتی زیور کا مضمون اس کے وجوب کی بناء پر ہے اور بہت سے علماء نے وجوب کو ترجیح دی ہے اس لئے بہشتی زیور میں بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

كما في ردالمحتار عن البحر. ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجد تين للمواظبة على ذلك كله وللأمر في حديث المسيئى صلاته ولما ذكره قاضي خان ومن لزوم سجود السهو بترك الرفع من الركوع ساهيا الى قوله والقول بوجوب الكل هو مختار المحقق ابن الهمام وتلميذه ابن امير الحاج حتىٰ قال انه الصواب والله الموفق للصواب اهـ. وقال في شرح المنية ولا ينبغي ان يعدل عن الدراية اذا وافقتها رواية على ماتقدم عن فتاوىٰ قاضي خان وفيه عن القنية فيمكث في الركوع والسجود وفي القومة بينهما حتى يطمئن كل عضو منه هذا هو الواجب عند أبي حنيفة و محمد حتى لو تركها اوشيئاً منها ساهيًا يلزم السهو ولو عمداً يكره اشد الكراهة ويلزمه ان يعيدالصلوٰة ويكون معتبرة في حق سقوط الترتيب ونحوه ج١ ص٤٨٣و ص٤٨٤

۲/ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (ترجیح خامسہ ص ۱۱۰)

جواب شبہ بر جواز توجیہ در نیت قبل تحریمہ

سوال (۲۱۳) بعض رسائل میں احادیث صحیحہ لکھی ہیں کہ نیت کے بعد توجیہ یعنی انی وجھت الخ ہاتھ باندھنے اور تحریمہ کے پہلے ثابت ہے ہمارے امام صاحب منع فرماتے ہیں اس کی وجہ اگر مناسب ہو ارقام فرمائی جاوے۔؟

الجواب۔ تحریمہ کے قبل توجیہ کی کوئی حدیث ذہن میں حاضر نہیں اگر ایسا ہے تو امام صاحب کے قول کی وجہ ظاہر ہے کہ بدون دلیل کے کیسے قائل ہو جاوے اور اگر کوئی حدیث ہو تو نقل کی جاوے البتہ بعد تحریمہ کے منقول ہے چنانچہ مسلم میں روایت ہے امام صاحب اس کو نوافل پر محمول فرماتے ہیں چنانچہ نسائی کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔ یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ باب مایقرأ بعد التکبیر میں ہے۔ (تتمہ خامسہ ص ۳۷۷)

بابُ القراءۃ

نماز میں دو سورتیں اس طور پر پڑھنا کہ درمیان میں ایک سورت رہ جائے

سوال (۲۱۴) نماز میں دو سورتیں اس طور پڑھنا کہ درمیان میں ایک سورت چھوٹ جائے مثلاً اول میں سورۂ فتح یعنی اذا جاء دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھنا کیسا ہے۔

الجواب۔ اگر درمیان میں بڑی سورت چھوٹ جاوے جس (۱) میں دو رکعت ہوسکیں جائز ہے چھوٹی ناجائز۔ واللہ اعلم۔ ۶ ررمضان ۱۳۱۹ھ

حکم فصل کردن بآیات درقراءت سورۃ واحدہ در دو رکعت

سوال (۲۱۵) امام نے صبح کی نماز میں سورۂ دہر پڑھی اول رکعت میں هَلْ اَتٰی سے مَشْكُوْرًا تک یعنی ایک رکوع پڑھا دوسری رکعت میں اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ سے ختم سورۃ تک پڑھا درمیان میں چھوٹی چھوٹی تین آیات چھوڑ دیں مقتدیوں میں کسی شخص نے ایک سلام پھیرنے کے بعد تکبیر سجدہ سہو کے واسطے کہی امام نے سجدۂ سہو نہ کیا اور کہا کہ نماز ہوگئی تکبیر کہنے والے نے کہا کہ ہوتو گئی مگر کراہت رہی کیونکہ درمیان میں دو سورت چھوٹی یا بقدر انہیں سورتوں کے عبارت چھوڑنی چاہئے جس میں دو رکعت پڑھی جاسکیں۔ امام کہتا ہے کہ دو سورتوں کا چھوڑنا کوئی ضروری بات نہیں اگر ہے تو چھوٹی ہی سورتوں میں ہے بڑی سورت میں جتنا جی چاہے چھوڑ کر پڑھے حتیٰ کہ اگر ایک چھوٹی سی آیت بھی درمیان قراءت دو رکعت کے چھوڑ دے تب بھی بلا کراہت نماز ہو جائے گی تکبیر کہنے والے نے کہا کہ میری نماز نہ ہوئی ایک تو اسی وجہ سے جو اوپر مذکور ہوئی۔ دوسرے اس وجہ سے کہ امام صاحب کے ٹخنے ازار سے ڈھکے ہوئے تھے اور قبل نماز کے بھی کہا گیا تھا کہ ازار اوپر کو کھینچئے خیر اوپر کو کی بھی تو نہ ہوئی یعنی ٹخنے نہ کھلے۔ انہی وجوہات کو مدنظر رکھ کر دوبارہ نماز پڑھی گئی اور تکرار جماعت میں امام صاحب بھی شریک ہوئے۔ آیا صورت مذکورہ بالا میں نماز بلا کراہت ہوئی یا بکراہت اگر باکراہت ہوئی تو یہ کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی اور درمیان قراءت دو رکعت کے عبارت کس قدر چھوڑنی چاہئے جس میں کسی قسم کی کراہت نہ رہے۔ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔؟

---

(۱) یہ میں نے یاد سے لکھا تھا مگر پھر کوئی روایت مساعد نہیں ملی تتبع سے معلوم ہوا کہ مطلب اس کا کہ بڑی سورت کا بیچ میں چھوڑنا جائز ہے یہ ہے کہ وہ سورت پہلے سے بڑی ہو کہ اس کے پڑھنے سے دوسری رکعت پہلی رکعت سے طویل ہوجاوے جیسا اذا جاء کے بعد سورۂ تبت پڑھنے میں یہی امر لازم آتا ہے۔ کذا فی ردالمحتار فصل القراءۃ ۱۲ منہ۔

الجواب۔ في الدرالمختار ولابأس ان يقرأ في اولى من محل و في الثانية من اٰخر ولو من سورة ان كان بينهما اٰيتان فاكثر و في ردالمحتار تحت قوله ولو من سورة لكن الاولى ان لايفعل بلاضرورة لانه يوهم الإعراض والترجيح بلا مرجح شرح المنية ج ۱ ص ۵۷۰۔

روایت ہذا سے ثابت ہوا کہ درمیان میں تین آیتیں چھوڑ دینے سے کراہت نہیں ہوئی البتہ خلاف اولیٰ ہوا لیکن یہ کہنا کہ اگر ایک چھوٹی سے آیت بھی درمیان قراءت دو رکعت کے چھوڑ دی تب بھی بلا کراہت نماز ہو جاوے گی یہ غلط ہے۔ لما مر في االرواية من قوله ان كان بينهما اٰيتان فاكثر۔ فقط۔ واللہ اعلم۔ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ صفحہ ۱۵)

دلیل حنفیہ درمسئلہ قراءت خلف الامام

سوال (۲۱۶) (۱) سورۂ فاتحہ مقتدی کو امام کے پیچھے پڑھنا جائز ہے یا نہیں بمذہب امام اعظمؒ۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کونسی آیت شریفہ کے حوالہ سے منع فرمایا ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے الحمد نہ پڑھے۔؟

الجواب۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ممانعت ہے اور گو آیۃ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا سے اس پر استدلال ممکن ہے اور علماء نے کیا ہے مگر اصل استدلال احادیث صحیحہ سے ہے چنانچہ صحیح مسلم میں اذا قرء فانصتوا حدیث صحیح موجود ہے وجہ استدلال اطلاق ہے قراءۃ کا۔ پس جہری سری اور فاتحہ وغیر فاتحہ سب کو شامل ہے بندہ نے رسالہ اقتصاد میں اور مسئلوں کے ساتھ یہ مسئلہ بھی ذرا تفصیل سے لکھدیا ہے۔ (۱۶ رجب ۱۳۲۴ھ امداد اول صفحہ ۷۹)

حکم قراءۃ فاتحہ درنماز جنازہ ومسح رقبہ دروضو

سوال (۲۱۷) (۲) قرأۃ خلف الامام درنماز ماثور ست یانہ وحنفیہ ازچہ بامتناعش کوشیدہ اند۔ ودرنماز جنازہ سورۂ فاتحہ خواندن ہم سنت ست یا مستحب یا مکروہ وممنوع مسح گردن اندر وضو مستحب ست یا بدعت۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ خلص کلام دریں باب آن ست کہ احادیث باب برسہ نوع منقسم است بعضے

---

(۱) ماںتعلق بالحدیث سے زیادہ اوفق ہے ۱۲ منہ

(۲) یہ تحقیق ماںتعلق بالا حادیث میں لکھنا زیادہ مناسب تھا ۱۲ منہ

دلالت بروجوب دارد و بعضے دلالت برجواز۔ کما فی قولہ لا تقولوا الابام القران و بعضے دلالت برامتناع وارد کما ذکرہ الامام محمدؒ فی موطاہ رجوع نمودیم باقوال وافعال صحابہ آنہا را مختلف یافتیم رجوع بقیاس نمودیم و جوہ ترجیح و تطبیق علی انحاء شتی برآمد فکل اخذ رأی علماء حنفیہ احادیث وجوب را محمول برمطلق قراءۃ عام از حقیقیۃ و حکمیۃ یعنی تبعاً للامام داشتند کما ہو مؤید ببعض الروایات مثل قولہ علیہ السلام من کان لہ امام فقراءۃ الامام قراءۃ لہ الحدیث او کما قال و حرمت رابرجواز ترجیح دادندکما ہو مقرر فی اصولھم لئلایلزم تکرار النسخ پس عمل بردلائل وجوب درضمن قراءۃ امام بدست آمد باقی ماند دلائل جواز و منع اگر جائز راترک کنیم ملامتی نیست بخلاف ارتکاب ممنوع کہ محل خطرست این ست مسلک حنفیہ۔ اما کلام درسنیۃ قراءۃ فاتحہ درصلوٰۃ جنازہ پس باید دانست کہ سنت بدو معنی اطلاق کردہ می شود یکے آنکہ احیاناً برائے بیان جواز وغیرآں از مصالح شرعیہ شارع علیہ السلام فعلے کردہ باشند و بدیں معنی سنّیت فاتحہ درصلوٰۃ جنازہ انکار کردہ نمی شود چنانکہ ابن عباسؓ اقعاً را سنت فرمودہ اند دیگر آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقصد استحسان آں چیزعمل کردہ باشند چنانکہ اکثر اطلاق ایں لفظ برہمیں معنی است بایں معنی درسنیت فاتحہ کلام ست امام صاحبؒ نفی فرمودہ اند و دیگر فقہاء باثبات کوشیدہ اند و اگر انصاف کنیم وقول ترمذی رابیاد آریم الفقھاء ھم اعلم بمعانی الحدیث ۔ از مجتہدان مطالبہ نمی رسید کہ ایں معنی از کجا تعیین کردند درحق شان استفتاء قلب در شرح صدر کافی ست پس رفتن امام صاحب بسوئے سنیت بالمعنی الاول و دیگر ائمہ بسوئے معنی ثانی گنجایش دارد از ایشاں طلب دلیل بمنزلہ طلب دلیل ست از صیر فیاں درحکم کردن بہ جودۃ و رداءۃ فضہ وذہب فافہم وانصف علاوہ براں ابن عمرؓ کہ شدید التفحص والاتباع از سنت رسول اللہ ﷺ بود درجنازہ فاتحہ نمی خواند کما رواہ مالکؒ فی مؤطا۔ ایں روایت ہم موید ابی حنیفہؒ است مزید براں لفظ حدیث فاخلصوا لہ الدعاء۔ رواہ ابن ماجہ۔ مؤیدست مررائے امام صاحب راکہ اصل صلوٰۃ جنازہ دعاست و اخلصوا چگونہ اشارہ لطیف می کند کہ غیر دعاء بدعاء مشوب نکردہ شود از ہمیں جا اگر بہ نیت ثنا و دعاء خوانند اجازت می فرمایند و فعل شارع اگر برہمیں معنی محمول کردہ شود بجاست بہرحال شرح صدر مجتہدی و فعل ابن عمرؓ و لفظ اخلاص مؤید رائے امام ہمام ست چہ خوشتر کہ اگر خوانند بہ نیت دعا(۱) خوانند عمل بالحدیث ہم میسر شود و از اختلاف کبراء دین ہم بیروں آیند۔ واللہ اعلم۔ اما مسح گردن پس علماء برسہ شعب راہ گرفتند سنیت و استحباب و کراہت

---

(۱) یعنی بلا التزام ۱۲

اقرب الی التحقیق قول ثانی ست روایات حسان دریں باب وارد شدہ کہ مفید استحسان عمل و مثبت فضائل می تواں شد ذکر تلک الروایات وحید عصرہ المولوی عبدالحیٔ اللکھنوی فی رسالۃ تحفۃ الطلبۃ فی مسح الرقبۃ۔ واللہ اعلم فقط۔ (امداداول ص ۲۹)

درجہ ادنیٰ قراءت سریہ

سوال (۲۱۸) نماز میں قراءۃ کو قاری نہ سنے نماز نہیں ہوتی بہشتی زیور میں لکھا ہے اس کا کیا مطلب ہے اکثر نمازی اپنے پڑھنے کو بوجہ شوروغل کے نہیں سن سکتا یا بہرا ہے کیونکہ ہر چیز کے دو درجے ہیں ایک اعلیٰ اور ایک ادنیٰ مثلاً جہر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ قاری کی قراءۃ کو دور کے لوگ بھی سن لیں۔ اور ادنیٰ یہ کہ قریب جو کھڑا ہے وہ سن سکے۔ اور سری قراءۃ کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ قاری کی قراءت قاری ہی سنے اور دوسرا نہ سنے اگر چہ برابر کھڑا ہو۔ اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ قاری کی زبان اور حلق کو حرکت ہو اور قاری خود نہ سنے مگر قلبی دھیان رہے کہ میں پڑھ رہا ہوں۔ چونکہ حنفیہ کرام کے یہاں جن نمازوں میں جہر نہیں ہے بہت آہستہ پڑھنا اولیٰ ہے وہ کونسا درجہ ہے ادنیٰ یا اعلیٰ اور اس طرح سے کہ نمازی کے حلق اور زبان کو حرکت ہو اور کان نہ سنے تو نماز ہو جاویگی یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار فصل القراء ۃ وادنی الجھرا سماع غیرہ وادنی المخافتۃ إسماع نفسہ۔ اور روالمحتار میں اس قول کو ہندوانی کی طرف منسوب کر کے اصح و ارجح کہا ہے اور چونکہ اس میں احتیاط تھی لہذا بہشتی زیور کے مؤلف نے اس کو اختیار کیا اور ایک قول کرخی کا ہے صرف تصحیح حروف کافی ہے گو خود بھی نہ سنے اور بعض نے اس کی بھی تصحیح کی ہے۔ کذا فی روالمحتار۔ پس احوط تو ہندوانی کا قول ہے باقی نماز کرخی کے قول پر عمل کرنے والے کی بھی ہو جاوے گی۔ واللہ اعلم۔ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداداول ص ۸۸)

حکم زلات عامہ قاری در صلوٰۃ معہ تحقیق متعلق فتویٰ بالا

سوال (۲۱۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں موافق فقہ حنفی کے کہ آج کل عموماً کیا علماء اور کیا عوام جیسا کہ آنجناب پر بھی روشن ہے۔ علم تجوید سے بالکل ناواقف ہیں یعنی کسی استاذ واقف سے نہیں سیکھتے بلکہ بطور خود بعض حروف میں فرق کر کے بلا خیال مخرج وصفات پڑھتے ہیں مثلاً س و ص کے اندر یات اور ط میں۔ حالانکہ ماہرین فن تجوید لکھتے ہیں کہ باوجود تمیز کے

حروف اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتے خصوصاً حرف ضٓ کہ یہ تو عموماً خواہ عرب خواہ عجم کوئی بھی اس حرف کو اس کے مخرج سے نہیں نکالتا بعض مشابہ ظا اور بعض مشابہ بالذال پھر بعض صاف دال پڑھتے ہیں بعض دال مفخم بعض کے پڑھنے میں ایک واؤ بھی سمجھ میں آتا ہے تو ایسی حالت میں کیا حکم ہے۔ آیا یہ لوگ معذورین کے حکم میں ہیں اور حروف کو سیکھنا اور ان کو مخارج مع صفات کے ادا کرنا ان پر فرض اور ترک سے گنہ گار ہیں۔ کیونکہ مخارج حرفوں کے مشترک ہوتے ہیں مگر فرق صفات سے ہوتا ہے یا بوجہ عموم بلوی مطلقاً صحت نماز کا فتویٰ دیا گیا ہے اگر دیا گیا ہے تو دلیل تحریر فرما دیجئے۔ اب ایسی حالت میں اگر کوئی شخص حروف کو عمدہ طریقہ سے مخرج سے نکالے اور حرف ضاد کو بھی مخرج سے نکالے اگر چہ صورت اس کی مشابہ بالظاء ہو تو ایسے شخص کی نماز ان لوگوں مذکور الصدر کے پیچھے کہ جو بطور حروف کو تمیز کر کے پڑھتے ہیں اور حرف ضاد کو دال بسیط یا مفخم کر کے یا مشابہ بالظاء پڑھتے ہیں صحیح ہوگی یا نہیں خاص کر جبکہ یہ شخص جو واقف تجوید ہے واقف مسائل ضروریہ صلوٰۃ بھی ہو اور دوسرا شخص عالم فقہ و حدیث ہو مگر قراءت اس کی موافق قواعد تجوید نہ ہو بلکہ مثل قراءت مروجہ اس زمانہ کے ہو۔ اگر اس واقف تجوید کی نماز صحیح نہ ہوئی تو وقت مقتدی ہونے اس قاری کے امام کی اور بقیہ مقتدیوں کی بھی نماز درست ہوگی یا نہیں جیسا کہ جب امی کی اقتداء قاری کرے اس وقت کسی کی بھی نماز نہیں ہوتی نہ امام کی نہ مقتدیوں کی احقر کو ان عبارات فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ باوجود اہل علم کہلانے کے امامت کے قابل نہیں اور سیکھنا تجوید کا فرض ہے اور اس کے ترک سے ہر وقت گنہ گار ہیں۔ آیا یہ فہم احقر کا ان عبارات سے صحیح ہے یا نہیں۔

انه بعد بذل جهده دائما ای فی اٰناء اللیل واطراف النهار فمادام فی التصحیح والتعلم ولم یقدر فصلوٰته جائزة وان ترك جهده فصلوٰته فاسدة قال فی الذخیرة وانه مشكل عندی لان ماكان خلقة فالعبد لایقدر علی تعبیره كالامی فلایؤم الامثله ولا تصح صلوته اذا امكنه الاقتداء بمن یحسنه او ترك جهده او وجد قدر الفرض ممالا لثغ فیه هذا هو الصحیح المختار فی حكم الألثغ كذا فی ردالمحتار باب الامامة۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب الثغ جو فطرۃً معذور کیا معنی بلکہ مجبور ہے معاف نہیں کیا گیا بلکہ دواماً اس پر سیکھنا اور کوشش کرنا فرض ہے یہاں تک کہ جب تک سیکھتا رہے گا تو نماز درست ہوگی ورنہ نماز فاسد ہوگی اور بعد کوشش کے بھی وہ امی ہے جب ایسا معذور فطری معذور نہیں تو جو شخص کہ باعتبار فطرت مجبور نہیں فقط اپنے تساہل سے سیکھنے کا قصد نہیں کرتا کیوں معذور شمار کیا

جاوے اور کیوں نماز اس کی صحیح ہو اور کیوں گنہگار نہ ہو البتہ شامی کا ذخیرہ کی عبارت کا نقل کرنا شبہ پیدا کرتا ہے کہ شاید اس حکم کی تصحیح میں کچھ کلام ہے اگلی عبارت اس سے زائد تصریح کرتی ہے۔ **وکذا من لایقد علی التلفظ بحرف من الحروف وذلک کالرھمن الرھیم والشیتان الرجیم والالمین ایاک نابد ونستئین وانأمت فکل ذلک حکمه مامر من بذل الجهد دائما فلا تصح الصلوٰۃ**۔ اب اس حکم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں یا نہیں جو حرف ضاد کو مخرج سے نہیں نکالتے اگر نہیں تو کیا دلیل ہے۔ پھر فقہاء کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حرف ضاد کو ظاء سے زیادہ مناسبت ہے نہ ذال سے جیسا کہ شامی کے زلۃ القاری میں ہے۔

وان لم یمکن الابمشقة کالظاء مع الضاد والصاد مع السین فاکثرھم علی عدم الفساد لعموم البلوی دوسری جگہ ہے **وفیها اذا لم یکن بین الحرفین اتحاد المخرج و قربه الا ان فیه بلوی العامة کالظاء مکان الضاد لا تفسد عند بعض المشائخ**۔ قاضی خان میں ہے۔ **لوقرأ الظالین بالظاء بالذال لا تفسد صلوته ولو قرأ الدالین بالدال تفسد۔**

ان عبارتوں سے جہاں تک معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مشابہ بالدال پڑھنے سے فاسد ہے اور مشابہ بالظاء پڑھنے سے بعض کے نزدیک فاسد نہیں۔ مگر قاعدۂ متقدمین کے مطابق صحیح نہیں تو ایسی صورت میں جو شخص کہ حرف ضاد کو مخرج سے نکالتا ہے اس کی نماز آج کل کے علماء کے پیچھے جو اکثر دواد پڑھتے ہیں صحیح ہوگی یا نہیں اور ایسے شخص کے ہوتے امام کسکو بنانا چاہئے مکرر امور مسئولہ کو مختصراً عرض کرتا ہوں۔ (۱) تجوید واجب کی کیا مقدار ہے آیا مطلقاً تمیز بین الحروف یا اداء الحروف من المخارج مع الصفات۔ (۲) امی عندالشرع کون ہے اور قاری کون ہے۔ (۳) حرف ضاد مخرج سے نہ نکالنے والے خواہ ظاء پڑھیں یا مشابہ بالدال پڑھیں امی ہیں یا نہیں۔ (۴) جو شخص کہ ضاد کو مخرج سے نکالتا ہے اس کی نماز شخص مذکور کے پیچھے ہوگی یا نہیں اگر نہ ہوگی تو وقت مقتدی ہونے اس قاری کے امام دواد پڑھنے والے کی اور مقتدیوں کی نماز بھی ہوگی یا نہیں۔ (۵) دواد پڑھنے والا عالم امام افضل ہے یا قاری جو مسائل ضروریہ صلوٰۃ سے واقف ہو (۶) سائل ایک عبارت رسالہ قراءت کی نقل کرتا ہے کہ جو حوالہ دیتا ہے فتح القدیر اور وسیلۃ السعادۃ کا بدانکہ دانستن وخواندن قرآن بہ تجوید کہ آں عبارت از دادن حروفہا است حق آں حروف فرض عین ولازم ست بر ہر کس کہ قرآن خواند از برائے آنکہ بہ تجوید نازل شدہ ہمچنیں از آنحضرت علیہ السلام بوسائط اساتذہ منقول شد چنانکہ در شرح مقدمۂ جزری آوردہ اگر چہ فقہاء

عظام بسبب آنکہ نماز فرض عین است درزلۃ وخطا کردن از تجوید وسعت کردہ نماز جائز داشتہ اندا مابہ ترک امامت ایں چنیں کس فرمودہ اند معلوم است کہ معنی زلت وخطا فعلی ناشائستہ بے اختیار از کسے کہ دانائے آں باشد صادر شدن است نہ آنکہ چیزے را کہ نداند اورا زلۃ گویند چنانکہ در وسیلۃ السعادۃ کہ یکے از کتب فقہ معتبر است آوردہ کسے کہ از ادائے حروف ورعایت قواعد قرآنی عاجز باشد براولازم ست باقی عمر درشب وروز در تعلیم قرآن بکوشد والآ نمازش جائز نیست۔ کما فی فتح القدیر لابن الہمام۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آجکل جو غافل از علم تجوید عالم وجاہل ہورہے ان کی نماز نہیں ہوتی اور امامت تو ہرگز نہ کرے تو امامت ایسے شخص کی جائز ہے یا نہیں۔ (۷) قاری عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ تلفظ الضاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ ضاد معجمہ سب حروف سے مخرج جدا رکھتا ہے اگر اپنے مخرج سے نہ نکلا اور کسی حرف کے مخرج سے نکلا ظاء یا دال وغیرہ سے تو وہی ہوگیا نہ کہ ضاد رہا اور اگر حرف معتبرہ سے نہ نکلا تو شمار حروف سے نہ رہا بلکہ مہمل ہوگیا جیسے رضّی وغیرہ علماء نے لکھا ہے کہ وہ کلام بالکل مہمل ہوگیا۔ (۸) پھر فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کہ ہر شخص بطور خود جس طرح چاہے قرآن پڑھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ ہم قرآن کو اپنی زبان میں ترجمہ کرلیں تاکہ ہم کو پڑھنا آسان ہو۔ فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ بلکہ قرآن پاک انہیں حروف منزل پر رہے۔ ہاں تفسیر اپنی زبان میں کرلو حضرت علیؓ نے ترجمہ جائز نہ کہا پھر تبدیل حروف کس طرح جائز ہوگی یہ تحریف صریح قرآن کی ہے جب بہدایت قرآن وحدیث ممانعت پڑھنے لہجہ عجم کی معلوم ہوئی تب بمقابلہ ا سکے اقوال بعض مفسرین مثل تفسیر کبیر وغیرہ کے کہ انسان مکلّف ساتھ تمیز حرف ضاد کے غیر اپنے سے نہیں ہے سنا نہ جاوے گا بلکہ اس جگہ قول حضرت علیؓ اور امام ابوعمرؒ دوانی کا کہ امام قراءت اور تجوید کے تھے مقبول ہوگا کہ ان بزرگوں نے کس طرح تاکید تصحیح وتجوید کی فرمائی ہے۔ غرضیکہ فن قراءت جدا ایک فن ہے کہ مدار اس کا محض نقل اور روایت آنحضرت ﷺ سے ہے اور قیاس کو بالکل دخل نہیں اور جو بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ زمانہ صحابہ میں اہتمام تجوید نہ تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ سب صحابہؓ عربی تھے اور بعض صحابہؓ جو عجمی تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صحیح کرلیا تھا اور جو صحابہؓ باوجود تعلیم آنحضرت ﷺ اور ان کی سعی کے ان کی زبان نے مطاوعت نہ کی اور قابو میں نہ آئی وہ معذور تھے۔ غرض ایسے مضمون بزی اور ابوعمرؒ دوانی اور ملا علی قاریؒ کی کتابوں کو دیکھو کہ یہ لوگ قراءۃ کے امام تھے اور محدث مفسر وفقیہہ تھے اور یہ لفظ خاص عرب کا ہے نہ عجم کا اپنی زبان پر جو عجم کو آسان تھا وہ ادا کرلیا اور عرب خاص کے جو دو ایک گھر ہیں وہ اب

تک صحیح پڑھتے ہیں اس وقت کے عرب کا ادائے حروف لائق استدلال نہیں (۹) پھر فرماتے ہیں کہ ضاد کا مخرج چھوڑ کر کے کسی اور حرف کے مخرج سے قصداً ادا کرنا حرام ہے بلکہ بعید نہیں کہ کفر ہو اور اگر قصداً ادا کرنے ضاد صحیح کیا پھر سبقت لسانی سے غلطی ہوگئی۔ اس صورت میں امیدوار معافی حق تعالیٰ کا ہے اور اگر بسبب عدم مطاوعت زبان کے ہے اور زبان قابو میں نہیں ہے تو سیکھنے صحیح ضاد تک اور مشق کر کے صاف کرنے تک معاف ہے اور جو استاد سے سیکھا بھی نہیں اور جان بوجھ کر اسی طرح غلط پڑھتا رہا تو اول گنہگار غلط خوانی کا۔ اور دوسرا گنہگار ترک واجب کا اور اگر سیکھا بھی اور صحیح نہ پڑھ سکا تو پھر یہ شخص معذور ہے اور یہ شخص امی ہوگا۔ اور پہلے سیکھنے سے معذور نہ ہوگا اور روایات فقہیہ جواز نماز کی معذور کے حق میں ہیں نہ کہ کاہل کے (۱۰) پھر فرماتے ہیں جواز صلوٰۃ غلط خواں میں فقہاء میں اختلاف ہے اور اصح عدم جواز موافق اس قاعدہ اصولیہ کے ہے اذا دار الأمر بين الحظر و الإ باحة فالفتوى على الحظر۔ دوسرے یہ کہ سند اور قیاس مسئلہ قراءت کا ساتھ مسئلہ فقہ کے درست نہیں۔ تیسرے یہ کہ جواز وعدم جواز قراءت کے معنی اور ہیں کہ صحت قرآن ہے اور جواز وعدم جواز صلوٰۃ کے معنی اور ہیں کہ براءۃ الذمہ ہے پس جب محمول مختلف ہوا تو قیاس مع الفارق ہوا اور وہ باطل ہے۔ چوتھے یہ کہ جواز وعدم جواز بیچ روایت فقہیہ کے محمول ہے جواز نماز پر غرض ہم سب سے درگزر اور قطع نظر کرتے ہیں کہ قاضی خان اور شامی اور سب روایات کو فقہاء زلۃ القاری اور غلط خواں کے ذکر میں لائے ہیں بسبب عدم مطاوعت زبان اور عموم بلویٰ جواز کا حکم دیا گیا ہے جس نے فتویٰ دیا ہے جواز نماز کا اس شخص کا حکم ہے کہ جس کی زبان قابو میں نہ ہو اور بعد سیکھنے کے غلط پڑھے۔ تمام ہوئی عبارت قاری صاحب کی۔ لہٰذا گزارش ہے کہ ان عبارات کے مخالف جو حدیث یا عبارت فقہ واسطے جواز نماز و امامت ایسے شخص کے ہو تحریر فرماویں فقہاء زمان حال کا فتویٰ تو جو کچھ ہے وہ ظاہر ہے مگر چونکہ قاری صاحب بھی اس زمانہ کے محدث وفقیہ و مفسر تھے تو قاری صاحب نے کیوں مخالفت کی اس واسطے دلیل کی ضرورت ہے کہ کیونکر نماز ایسے شخصوں کی ہوتی ہے اور گنہگار کس درجہ کے ہوتے ہیں (۱۱) اگر کوئی شخص استاد ماہر سے تجوید سیکھنا شروع کرے تو اثنائے تعلیم میں لائق امامت ہے یا نہیں (۱۲) اگر جواز نماز و امامت ہے اور پھر بھی کوئی شخص ماہر تجوید بوجہ اس کے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اول ہے کہ متقدمین و متاخرین میں اختلاف ہے دیگر یہ کہ قاری عبدالرحمٰن صاحب مرحوم و دیگر علماء حال کا اختلاف ہے اس واسطے احتیاط پر عمل کرے اور اور اعادہ اس نماز کا جو امام غیر مجود و قاری کے پیچھے پڑھی ہے کرے بوجہ بچنے اختلاف کے تو یہ

جائز ہے یا نہیں۔ (۱۳) اوراعادہ نماز فجر وعصر کا بموجب نمبر مذکورہ کے کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ امراوّل۔ تتبع روایات فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زلۃ القاری کے چند اقسام ہیں اوراکثر اقسام میں روایات توسع کی موجود چنانچہ وہ اقسام یہ ہیں۔ (۱) خطافی الإعراب۔ (۲) ابدال حرف بحرف۔ (۳) تخفیف مشدّد۔ (۴) تشدید مخفف۔ (۵) زیادۃ حرف۔ (۶) نقص حرف۔ (۷) وصل حرف بکلمہ۔ (۸) قطع بعض الکلمۃ عن بعض (۹) وقف وابتداء۔ (۱۰) ترک مد۔ (۱۱) زیادت کلمہ۔ (۱۲) نقص کلمہ۔ (۱۳) تقدیم۔ (۱۴) تکرار کلمہ۔ (۱۵) تبدیل کلمہ۔ اورروایات یہ ہیں۔

في ردالمحتار واما المتأخرون كابن مقاتل وابن سلام واسماعيل الزاهد و أبي بكر البلخي والهندواني وابن الفضل والحلواني فاتفقوا على ان الخطأ في الإعراب لا يفسد ولو اعتقاده كفر لان الناس لايميزون بين وجوه الاعراب قال قاضي خان وما قاله المتأخرون اوسع وما قاله المتقدمون أحوط و فيه قال في الخلاصة الأصل فيما اذا ذكر حرفامكان حرف و غير المعنى الى قوله قال القاضي ابو عاصم ان تعمد ذلك يفسد وان جرى على لسانه اولا يعرف التمييز لا تفسدو هو المختار حليه وفي البزازية وهوا أعدل الا قاويل وهو المختار وفيه قوله او تخفيف مشددوقال في الفتح عامة المشائخ على ان ترك المدوالتشديد كالخطاء في الإعراب اه قلت وقد مرعدم الفساد في الخطاء في الإعراب انفافي الرواية الاولى وفيه قوله وعكسه قال في شرح المنية وحكم تشديد المخفف كحكم عكسه في الخلاف والتفصيل وفيه قوله او بزيادة حرف قال في البزازية ولوزاد حرفا لا يغير المعنى لا تفسد عندهما وان غيرا فسده بعد أسطر لكن في المنية وينبغي ان لا تفسد ثم قال أقول والظاهران مثل زرابيب ومثانين يفسد عند المتاخرين ايضاً اذلم يذكروا فيه خلافاً وفيه قوله أونقص حرفا اما ان يغير المعنى اولا فان غير تفسد الى قوله وان لم يغير لا يفسد إجماعاً وفيه قوله أوبوصل حرف بكلمة الخ قال في البزازية انه لايفسد وفي المنية لايفسد على قول العامة وفيه۔بعد أسطر واما قطع بعض الكلمة فأفتي الحلواني بانه مفسدو عامتهم قالوالايفسد لعموم البلوى في انقطاع النفس والنسيان وعلى هذا لو فعله قصد ينبغي ان يفسد وبعضهم قالوا ان كان ذكر الكلمة كلها مفسدا فذكر بعضها كذلك والا فلا قال قاضي خان وهو الصحيح والا ولىٰ الاخذ بهذا في العمد و يقول العامة

فی الضرورۃ و فیہ قولہ او بوقف وابتداء قال فی البزازیۃ الابتداء ان کان لا یغیر المعنی تغییرا فاحشا لایفسد الی قولہ وان غیر المعنی لا یفسد عند عامۃ المشائخ لان العوام لا یمیزون وفیہ قولہ الاتشد ید رب عزاہ فی الخانیۃ الی ابی علی النسفی ثم قال و عامۃ المشائخ علی ان ترک التشدید و المد کالخطأ فی الاعراب لا تفسد فی قول المتاخرین وفیہ قولہ ولوزاد کلمۃ اعلم ان الکلمۃ الزائدۃ ام ان تکون فی القرآن اولاد وعلی کل اما ان تغیراولا فان غیرت افسدت مطلقاً وان لم تغیر فان کان فی القرآن لم تفسد فی قولھم والاتفسد و عند ابی یوسفؒ تفسد وفیہ قولہ أو نقص کلمۃ قال فی شرح المنیۃ وان ترک کلمۃ من آیۃ فان لم تغیر المعنی لا تفسد وان غیرت فانہ یفسد عند العامۃ و قیل لا والصحیح الاول وفیہ قولہ او قدمہ قال فی الفتح فان غیر فسدت والا فلا و فیہ قولہ وکذا لوکرر کلمۃ قلت ظاھرہ ان الفساد منوط بمعرفۃ ذلک فلو کان لا یعرفہ الی قولہ ینبغی عدم الفساد وکذا لو لم یقصد شیئا و فی الدرالمختار کما لو بدل کلمۃ بکلمۃ و غیر المعنی نحوان الفجار لفی جنات اھ ای یفسد۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ بجز زیادت ونقص حرف یا کلمہ یا تقدیم یا تبدیل کلمہ کے جبکہ یہ سب مغیر معنی ہوں۔ اور جمیع اقسام میں اقوال توسع کے پائے جاتے ہیں امر دوم فی المقدمۃ الجزریۃ والأخذ بالتجوید حتم لازم من لم یجود القرآن اثم ۔ وھو إعطاء الحروف حقھا من صفۃ لھا و مستحقھا ورد کل واحد لاصلہ واللفظ فی نظیرہ کمثلہ۔ شعر اول سے تجوید کا وجوب اور ثانی سے رعایت صفت کا اور ثالث سے رعایت مخارج کا ماہیت تجوید ہونا ثابت ہے پس مجموعہ روایات بالا و اشعار ہذا سے معلوم ہوا کہ جواز بمعنی صحت صلوٰۃ اور جواز بمعنی رفع اثم دونوں متلازم نہیں نہ صحت صلوٰۃ مستلزم رفع اثم کو ہے اور نہ وجود اثم مستلزم فساد صلوٰۃ کو ہے۔

امر سوم فی الدرالمختار ولا غیر الألثغ بہ ای بالا لثغ علی الاصح کما فی البحر من المجتبیٰ وحرر الحلبی وان الشحنۃ انہ بعد بذل جھدہ دائما حتما کالا مّی فلایؤم الامثلہ ولا تصح صلوتہ اذا أمکنہ الا قتداء بمن یحسنہ فی ردالمحتار ان یحسن مایلثغ ھو بہ او یحسن القران وھذا مبنی علی ان الا می اذا امکنہ الاقتداء یلزمہ و فیہ کلام ستعرفہ ثم قال بعد أوراق تحت قول

الدرالمختار بخلاف حضورالامی بعد افتتاح القاری اذالم یقتدبه وصلی منفردا فانها تفسدفی الأصح اه مانصه وهو مخالف لما قبله الذی صححه فی الهدایة فان ماقبله شامل لما اذا شرعا معاً اوافتتح الامی اولاثم القاری او بالعکس الی قوله والتحقیق الاول الذی فی الهدایة الخ۔

اس سے الثغ کا مثل امی کے ہونا اور امی کی نماز کا منفرداً صحیح ہونا علی الراجح معلوم ہوا۔ اب بعد تحقیق امور ثلثہ مؤیدہ بالدلائل والروایات کے جاننا چاہئے کہ حروف کے صحیح نہ ادا کرنے میں ابدال حرف بحرف ہے جس کا حکم بضمن تحقیق امر اول عبارت خلاصہ سے معلوم ہو چکا کہ تغییر معنی کی تقدیر پر تعمد اً موجب فساد صلوٰۃ ہے اور عدم تمیز یا جریان علی اللسان کی صورت میں مفسد نہیں ہے پس جو لوگ بوجہ مشق وریاضت نہ ہونے کے ان میں تمایز نہیں کر سکتے۔ ان کی نماز صحیح ہو جاتی ہے اور بایں معنی معذور ہیں لیکن یہ ضرور نہیں کہ بمعنی عدم اثم بھی معذور ہوں جیسا کہ امر دوم میں بیان کیا گیا بلکہ تصحیح میں سعی کرنا اس کے ذمہ واجب ہے اور ظاہراً (۱) یہی معلوم ہوتا ہے کہ صحیح ادا کرنے والے کی نماز ایسے شخص کے پیچھے صحیح نہ ہوگی جبکہ معنی میں تغیر آ جاوے گو خود بالمعنی المذکور معذور سمجھا جاوے اور مقتضا قواعد کا یہ ہے کہ اس حالت خاص میں ایسے قاری کے شریک صلوٰۃ ہوتے ہوئے اور مقتدیوں کی نماز بھی اس غلط خواں کے پیچھے صحیح نہ ہوگی جیسا کہ امر سوم سے مفہوم ہوتا ہے لیکن یہ کہنا کہ اگر اس نے تصحیح کی کوشش نہیں کی تو خود اس کی نماز بھی صحیح نہیں غلط ہے جیسا کہ امر سوم میں احقر نے اس کی تصریح کر دی ہے اور ظاہر بھی ہے کیونکہ امی میں کسی نے نہیں کہا کہ اگر وہ سعی نہ کرے تو اسکی نماز صحیح نہیں پس جب یہ شخص مثل امی کے ہے تو اس عدم صحت صلوٰۃ کی کوئی وجہ وجیہ نہیں معلوم ہوتی پس حکم فساد صلوٰۃ کا میرے نزدیک مؤول ہے کسی تاویل مناسب کے ساتھ۔ رہا یہ امر کہ ظالین سے نماز فاسد نہ ہوگی دالین سے ہو جاوے گی اس کا مبنیٰ یہ سمجھنا کہ ظا اور ضاد میں مشابہت ہے اور قاضی خان کے جزئیہ سے اس کو مؤید کرنا اور اور اس بناء پر یہ حکم کرنا کہ ہر جگہ ظاء پڑھنا چاہئے یہ صحیح نہیں کیونکہ قاضی خان ہی میں دوسرے جزئیات اس مبنیٰ کو منہدم کرتے ہیں چنانچہ مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ اس میں غیر المغظوب علیہم اور والعادیات ظبحاً پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ کہا ہے اس وقت کتاب (۲) موجود نہیں ورنہ علی الجزم لکھا جاتا لیکن ایسے جزئیات اس میں بالیقین مذکور ہیں۔ پس اگر مبنیٰ مذکور صحیح ہوتا تو اس باب میں جمیع

(۱) یہ پہلی رائے ہے جو کہ بطور استنباط کے قائم کی گئی تھی اسکے بعد کے فتوے میں جو کہ ص ۱۶۳ پر واقع ہے اس سے رجوع کیا گیا ہے ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۲۰

(۲) یہ روایات اس باب التجوید کے سوال اول کے جواب میں مذکور ہیں اب جزم ہو گیا ۱۲ منہ۔

موارد ضاد کے برابر ہوتے اور اس فرق کی کوئی وجہ نہ ہوتی پس معلوم ہوا کہ اس کی کوئی اور وجہ ہے جس کو احقر نے اپنی بعض تحریرات (۱) میں ذکر بھی کر دیا ہے اور فقہاء کا حکم عدم فساد بالظاء کا اس صورت میں ہے جب عمداً نہ ہو چنانچہ وان لم یکن الا بمشقۃ کہنا خود اس کی دلیل ہے اور اگر عمداً ہو تو فساد میں شبہ نہیں چنانچہ دوسری جزئیات (۲) قاضی خان کی اس پر مبنی ہیں اور امر اول کی تحقیق میں خلاصہ سے اس کی تصریح کی گئی ہے اور وہ عبارت مطلق ہے کسی حرف کے ساتھ مقید نہیں۔ غرض تقریر مذکور سے معلوم ہوا کہ قصداً ایسا نہ کرے اور اگر بلا قصد بوجہ عدم مشق پڑھا گیا خواہ پھر کچھ ہی ادا ہو تو خود اس کی نماز ہو جاوے گی لیکن صحیح خواں کی امامت نہ کرے بلکہ صحیح خواں جو مسائل ضروریہ سے واقف ہو وہ احق بالامامت ہے جیسا سب امور مفصل و مدلل بفضلہ تعالیٰ مرقوم ہو چکے اس تقریر سے اجمالاً اکثر سوالات کا جواب نکل آیا مگر سہولت کیلئے سب سوالات باقیہ کا جواب فرادیٰ فرادیٰ لکھا جاتا ہے۔

۱...... اداء الحروف من المخارج مع الصفات کما مر من الجزریۃ۔ (۲) جس کو قدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ یاد نہ ہو وہ امّی ہے۔ (۳) اور جس طرح عام طور پر لوگ قرآن پڑھتے ہیں یہ حکم صحتہ صلوٰۃ میں صحیح ہے کما یفهم۔ من الفتوىٰ الآتیہ۔ (۳) کالامّی (۴) ہیں (۴) نہیں اور نہیں (۵) قاری جو مسائل ضروریہ سے واقف ہو امامت میں اقدم ہے۔ (۶) خود تو اس کی نماز صحیح ہے کما مر فی الامر الثالث۔ البتہ صحیح خواں کا امام نہ بنے (۷ و ۸ و ۹ و ۱۰) وجوب مسلم ہے اور اس کی ترک سعی میں گناہ بھی ثابت لیکن عدم صحت صلوٰۃ غیر مسلم ہے جیسا امر ثالث میں بیان ہوا اور امر اول میں روایات مذکور ہو چکیں اور جبکہ یہ مسائل اختلافی ہیں تو بعض روایات کو لینے میں نہ قاری صاحب پر ملامت ہے نہ دوسروں پر (۱۱) جب تک صحیح نہ ہو جاوے کالامّی ہے۔ (۱۲) احتیاط جائز ہے۔ (۱۳) جب اس نے روایات عدم صحت پر عمل کیا تو فجر اور عصر کا اعادہ بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ ۲۱ رصفر ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۱۷ ج ۱)

سوال (۲۲۰) جناب والا احقر نے جب سے کہ اس فتویٰ کو دیکھا ہے جس کو مولوی کفایت حسین صاحب نے دربارہ قراءت حضور والا کے پاس سے منگایا ہے اسی وقت سے سخت پریشان ہوں اگرچہ حکم صاف ہے مگر واسطے تسکین خاطر کے اس کے متعلق چند امور دریافت کرتا ہوں جبکہ یہ بات قرار پائی کہ تجوید فرض ہے اور خاص کر حرف ضاد کو مخرج سے نہ نکالنے والے

(۱) اس سے مراد وہی ہے جواب سوال اول اس باب التجوید کا ہے ۱۲ منہ۔
(۲) یہ جزئیات اس باب التجوید کے سوال اول کے جواب میں منقول ہیں ۱۲ منہ۔
(۳) یہاں پر تصحیح الاغلاط ص ۲۰ سے تغیر کیا گیا ہے ۱۲ منہ۔
(۴) اس سے فتویٰ آئندہ میں رجوع کیا گیا ہے ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۲۰

مثل امّی کے ہیں اور ایسے شخص کی اقتداء اگر قاری جو اس حرف کو مخرج سے نکالتا ہے کرے گا تو نماز کسی کی بھی نہ ہوگی تو اب ایسی حالت میں اگر یہ قاری جماعت علماء میں ہوتو کیا کرے آیا ان کو اطلاع کرے مگر اس میں سخت سوء ادبی ہے اور صورت تعلّی ہے اور بعض جگہ اندیشۂ فساد ہے یا اطلاع نہ کرے تو اس میں موافق فتوے کے سب کی نماز فاسد ہے یا یہ شخص جماعت میں شریک نہ ہو اور ترک جماعت کرے غرض کیا کرے حضور مجھ کو تشویش لاحق ہے وہ بہت سخت ہے کہ جس کا زبان تک لانا نہایت گراں ہے۔؟

الجواب۔في الدرالمختارولا غيرالألثغ به اى بالألثغ على الاصح الى قوله وكذا من لا يقدر على التلفظ بحرف من الحروف اولا يقدر على إخراج الفاء الابتكرارفي ردالمحتار قوله على الأصح اى خلافا لما في الخلاصة عن الفضلي من انها جائزة لان مايقوله صارلغة له ومثله في التاتارخانية وفي الظهيرية وإمامة الألثغ لغيره تجوز وقيل لاونحوه من الخانية عن الفضلي وظاهره اعتماد هم الصحة وكذا اعتمده صاحب الحلية قال لما أطلقه غير واحد من المشائخ من انه ينبغي له ان لايؤم غيره وكما في خزانة الاكمل و تكره إمامته اتفاقاً ولكن الأحوط عدم الصحة كما مشى عليه المصنف و فيه بعد اسطر (تتمه) وسئل الخير الرملي اما اذا كانت اللثغة يسيرة فأجاب بانه لم يرها لائمتنا و صرح بها الشافعية بانه لو كانت يسيرة بان ياتي بالحرف غير صاف لم تؤثرقال وقواعد نالاتأباه اه وبمثله أفتي تليمذ الشارح المرحوم اسماعيل الحائك مفتي دمشق شامي ج١ ص ٣٩٢ محتبائى في العالمگيرية وان جرى على لسانه اوكان لا يعرف التمييز لا تفسد وهو أعدل الاقاويل المختار هكذا في الو جيز لكردرى ـ

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جس طرح اکثرعوام الناس کہ بہت سے خواص بھی قرآن پڑھتے ہیں۔اس طرح کے پڑھنے والوں کی امامت میں بھی گنجائش ہے اور عموم بلویٰ کی وجہ سے ان روایات پر عمل جائز ہے۔اس لئے میرے نزدیک صورت مسئولہ میں نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امدادص ۱۲۵ ج ۱)

سورۂ والعصر میں امام کے وعملوا الصالحات کو چھوڑنے کا حکم

سوال (۲۲۱) آج مغرب کی نماز میں پیش امام صاحب سے سورۂ عصر میں وعملوا الصالحات سہواً

چھوٹ گیا تو ایسی حالت میں نماز ہوگئی یا نہیں اور سجدہ سہو بھی نہیں کیا اگر کرتے تو کیا نماز ہو جاتی ؟

الجواب۔ صورت مسئولہ میں قراءۃ فرض تو ادا ہوگئی اس لئے فرض نماز بھی ادا ہوگئی لیکن قراءت واجبہ کہ علاوہ سورۂ فاتحہ کے ایک آیۃ طویلہ یا تین آیات قصیرہ ہیں ادا نہیں (۱) ہوئی کیونکہ آخری آیت کے بعض اجزاء رہ جانے سے آیت پوری نہیں ہوئی لہٰذا واجب ترک ہوا۔ جس کا سجدہ سہو سے تدارک ہو جاتا ہے اب وہ نماز واجب الاعادہ ہوئی۔ وقت میں اعادہ کرنا بالکل مکمل صلوٰۃ ہوتا اب بھی احوط یہ ہے کہ سب نمازی اس نماز کو الگ الگ دہرالیں۔ والسلام۔

۲۰ محرم ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۱۰)

ایک سورت کو کئی حصے کر کے نماز میں پڑھنے کا حکم

سوال (۱۲۲) بعض امام جو سورت قرآن کی دو رکعتوں میں دو ٹکڑے کر کے پڑھتے ہیں یا کہیں سے رکوع پڑھ دیتے ہیں یہ سنت ہے یا خلاف اولیٰ ہے یا مکروہ؟

الجواب۔ فی العالمگیریة الأفضل ان یقرأ فی کل رکعة الفاتحة و سورةً کاملةً فی المکتوبة فان عجز الأن یقرأ السورة فی الرکعتین کذا فی الخلاصة ولو قرأ بعض السورة فی رکعة والبعض فی رکعة قیل یکره وقیل لایکره وهو الصحیح کذا فی الظهیریة ولکن لاینبغی ان یفعل ولو فعل لاباس به کذا فی الخلاصة ولو قرأ فی رکعة من وسط سورة او من اٰخر سورة و قرأ فی الرکعة الأخری من وسط سورة اخری او من اٰخر سورة أخری لاینبغی له ان یفعل ذلك علی ماهو ظاهر الروایة ولکن لو فعل ذلك لاباس به کذا فی الذخیرة فی الحجة لو قرأ فی الرکعة الاولی اٰخر سورة و فی الرکعة الثانیة سورة قصیرة کما لو قرأ آمن الرسول فی رکعة وقل هوالله احد فی رکعة لا یکره کذا فی التاتارخانیة قراءة اٰخر سورة فی الرکعتین أفضل من قراءة السورة بتمامها ان کان آخرها أکثر آیة من السورة وان کانت السورة أکثر اٰیة فقراء تها افضل هکذا فی الذخیرة ج ۱ ص ۴۹ فصل رابع فی القراءة۔

(۱) اس فتویٰ کا مدار اس پر ہے کہ تین آیات قصیرہ پوری نہیں ہوئی لیکن درمختار شامی وغیرہ کی تصریحات سے یہ ثابت ہے کہ تین آیتیں پورا ہونا شرط نہیں بلکہ چھوٹی سے چھوٹی تین آیتوں کی مقدار ہو جانا کافی ہے جس کی مثال درمختار میں ثم نظر ثم عبس و بسر۔ ثم ادبرو استکبر لکھی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے وکذلک لو کانت الآیة او الآیتان تعدل ثلاثا قصاراً ذکره الحلبی۔ اور شامی نے مزید توضیح یہ فرمائی کہ ان تین آیتوں میں تیس حرف ہیں اگر کسی نے ایک یا دو آیت ایسی پڑھ لیں جس میں تیس حرف ہوں تو واجب ادا ہوگیا۔ اس لئے صورت مندرجہ سوال میں اعادہ واجب معلوم نہیں ہوتا۔

روایات مرقومہ سے معلوم ہوا کہ صورۃ مسئولہ میں بقول اصح مکروہ نہیں مگر عادۃً اس کے خلاف اولیٰ ہے اور اگر احیاناً ہوتو ایک درجہ میں مسنون بھی ہے۔ لما رواہ مسلم عن ابن عباس قال کان رسول الله ﷺ یقرأ فی رکعتی الفجر قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا۔ والتی فی اٰل عمران قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ ۔ مشکوٰۃ فصل اول من باب القراءۃ فی الصلوٰۃ ۔

۳ محرم ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۲۴)

والعصر میں والتین الخ

سوال (۲۲۳) سورۂ والعصر میں سے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی جگہ سے فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ پر انتقال کر کے سہواً سورۂ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ کوختم کر کے تو نماز صحیح ہوگی یا معنیٰ بدلے یا نہ؟۔

الجواب۔ صحیح ہوگی۔ ۶ ربیع الاوّل ۱۳۳۰ھ

ترجیح وجوب جہر بقیۂ قراءت بعد شرکت مقتدی وعدم وجوب اعادۂ قراءۃ بعد اتمام قراءت بسبب شرکت مقتدی

سوال (۲۲۴) اگر اقتداء کیا نمازی کا کسی نے بعد کل یا جزو پڑھ لینے فاتحہ آہستہ کے تو فاتحہ کو جہر سے اعادہ کرے بحرالرائق میں وجہ اعادہ کرنے کی یہ لکھی ہے کہ دوسرے کی اقتداء کی سبب اس پر جہر واجب ہوگیا اب اگر صرف باقی قراءت کو پکار کے پڑھتا ہے تو ایک رکعت میں آہستہ پڑھنا اور پکار کر پڑھنا جمع ہو جاتا ہے حالانکہ یہ امر برا ہے اور اگر آہستہ پڑھتا ہے تو جہر کے واجب ہونے کے بعد آہستہ پڑھنا واجب کا ترک ہے اس لئے اعادہ جہر سے ضرور ہوا (غایۃ الاوطار) شامی نے اس مسئلہ میں بہت قیل وقال کی ہے جناب ذرا شامی کو ملاحظہ فرما کر تحریر فرمادیں کہ شامی کا قول درست ہے یا غایۃ الاوطار کا۔ اور جس صورت میں کہ اعادہ الحمد کا کیا جاوے گا تو سجدۂ سہو کیا جاوے گا یا نہیں اور اگر سجدۂ سہو کیا جاوے گا تو اس میں یہ خدشہ ہوتا ہے اس صورت میں اعادہ سورۂ فاتحہ کا بالقصد ہے اور سجدۂ سہو بوجہ سہو کے ہوتا ہے۔ مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی نے علم الفقہ میں سجدۂ سہو اس صورت میں لکھا ہے اور شامی کے قول سے بھی سجدہ سہو معلوم ہوتا ہے یہ تو سورۂ فاتحہ کی بابت عرض کیا اور اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہے اور بعد الحمد ختم سورۃ بھی کر چکا اس وقت کسی نے اقتداء کی تو یہ کیا کرے یا اگر بعد الحمد کے سورۃ

پڑھنے میں اقتداء کیا تو کیا کرے۔؟

الجواب۔ میں نے شامی کو دیکھا عدم اعادہ و جہر بالباقی کے متعلق شامی نے یہ لکھا ہے۔

وهو أسهل من لزوم الجمع بين الجهر والإسرار في ركعة على ان كون ذلك الجمع شنيعا غيرمطرد لما ذكره في أخر شرح المنية ان الإمام لوسها فخافت بالفاتحة في الجهرية ثم تذكر يجهربالسورة ولايعيدولوخافت باٰية او أكثريتمها جهراولايعيد الٰى قوله فدعوے انه ضعيف رواية ودراية غير مسلمة فافهم ج ۱ ص ۵۵۵ سو یہی میرے جی کو لگتا ہے اور شامی کی رائے بھی اسی کی ترجیح کی معلوم ہوتی ہے کہ بقیہ فاتحہ [1] جہر سے پڑھ لے وبس۔ اسی طرح اگر سورت پڑھنے میں اقتداء کیا تو جس قدر قراءت اور پڑھنا چاہے وہ جہر سے پڑھ لے اور اگر قراءت ختم کرنے کے بعد کسی نے اقتداء کیا تو اس قرأت کے کسی حصہ کا جہر واجب نہیں۔ ۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۹۹)

صحت صلوٰۃ بعد تدارک زلۃ القاری

سوال (۲۲۵) اگر کسے اَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُه‘ فَاُمُّه‘ هَاوِيَةٌ خواندہ فی الفور تصحیحش نمودہ نماز ادا کرد نمازش صحیح باشد یانہ۔؟

الجواب۔ في العالمگيرية ذكر في الفوائد لو قرأفي الصلوٰة بخطاء فاحش ثم رجع و قرأ صحيحاً قال عندي صلوته جائزة و كذلك الإعراب اه ج ۱ ص ۵ قلت و كذلك سمعت شيخي مولانا محمد يعقوب رحمه الله تعالٰى ۔ پس بناء علیہ نماز ایں کس صحیح باشد۔ یکم محرم یوم الثلاثاء ۱۳۳۴ (تتمۂ رابعہ ص ۴)

کراہۃ تعیین سورۃ در ہر نماز

سوال (۲۲۶) ہم چنانکہ تعیین سورت در فرائض مکروہ است آیا در نوافل ہم مکروہ است یانہ۔؟

الجواب۔ في العالمگيرية ويكره ان يوقت شيئا من القراٰن بشئي من

---

(۱) اور یہ سب اس وقت ہے کہ یہ شخص امام ہونے کی نیت بھی کرے ورنہ اگر اب بھی اپنے کو منفرد سمجھتا ہے تو احکام امامت کے کہ ان میں سے جہر بالقراءۃ ہے اس پر واجب نہ ہوں گے اور مقتدی کی نماز بھی صحیح ہو جاوے گی کہ مرد مقتدی کی صحت صلوٰۃ کے لئے امام کی نیت شرط نہیں ۱۲ منہ۔

الصلوٰۃ الخ ج ا ص ۴۹ ازیں روایت معلوم شد کہ فرائض ونوافل دریں حکم برابرست۔
یکم محرم ۳۴ھ (حوالہ بالا)

حکم بعض اغلاط قرآنیہ در نماز

سوال (۲۲۷) عرض یہ ہے کہ ان مسائل کا جواب ارشاد فرمایئے۔

۱……ایک شخص نے مِیْثَاقَهُ الَّذِیْ وَاثَقَكُمْ جو دوسرے رکوع مائدہ میں ہے کی جگہ مِیْثَاقَهُ الَّذِیْ وَ اَثَقَكُمْ تراویح میں پڑھا ہے۔اب یہ نماز جائز ہے یانہیں واؤ کو عاطفہ سمجھ کہ ہمزہ پر زبر پڑھا ہے۔

۲……ایک کس نے اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی جگہ اَنْعَمْتُ عَلَيْهِمْ زبر کی جگہ پیش پڑھا۔پھر جب الحمد پورا ہوا اس کو یاد ہوا پس بسبب یاد ہونے کے اَنْعَمْتَ کی تاء پر زبر پڑھی۔اب یہ نماز جائز ہے یا نہ۔مہربانی فرما کر جواب تحریر فرمادیں۔

الجواب۔ پہلی غلطی مفسد معنی نہیں بلکہ لفظ کو بے معنی کر دینے والی ہے۔اس لئے نماز ہوگی۔اور دوسری جگہ مفسد معنی ہے مگر اس کا جب [1] تدارک کر دیا گیا تو وہ کالعدم ہوگئی اس لئے اس میں بھی نماز ہوگئی۔یہ جواب قواعد سے لکھا ہے جزئیہ نہیں دیکھا بہتر ہے کہ کسی محقق سے بھی پوچھ لیا جاوے۔

۲ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تتمۂ خامسہ ص ۱۸۲)

رفع شبہ واردہ برنہ بودن قرأت بذمہ مقیم مقتدی بمسافر در باقی نماز

سوال (۲۲۸) جب کہ امام مقیم یا مسافر سلام پھیر دیتا ہے تو باقی نماز رہنے والے مقتدیوں کو امام سے اور امام کو ان مقتدیوں سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا چنانچہ سلام پھیرنے کے بعد امام جو چاہے سو کرے امام کے فعل مقتدیوں کی باقی ماندہ نماز میں کچھ دخل اور اثر نہیں رکھتے اور جب کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کو اپنی باقی ماندہ نماز کی رکعتوں میں الحمد اور سورت پڑھنا لازم ہے اور حدیثوں میں وارد ہے کہ جس رکعت میں الحمد نہ پڑھی وہ رکعت نہیں گو یہ حدیث امام اور منفرد کے حق میں تکمیل نماز کے واسطے ہے لیکن پھر کیا سبب کے امام مسافر کے سلام پھیرنے کے بعد دو یا ایک رکعت باقی رہنے والا مقتدی اپنی باقی رکعتوں میں الحمد اور سورۃ نہ پڑھے اور تین یا چار رکعت رہنے والا مقتدی یا کوئی رکعت نہ پانے والا قعدہ میں ملنے والا اپنی باقی رکعت میں الحمد

(۱) یہ حکم متقدمین کے ضابطہ کے مطابق ہے اور متاخرین نے تو زیر زبر کی غلطی مفسد معنی کو بھی مفسد صلوٰۃ نہیں قرار دیا۔۱۲ محمد شفیع۔

اور سورۃ ضرور پڑھے۔ نہ پڑھنے والے کی نماز صحیح ہونے کی دلیل حدیث صحیح سے ارقام فرمایئے۔

الجواب۔ چونکہ بعد سلام امام مسافر کے مقیم مقتدی لاحق ہے اور لاحق بمنزلہ مؤتم ہی ہے اس لئے اس کے احکام مؤتم کے سے ہوں گے۔ في الدرالمختار في أحكام اللاحق و حكمه كمؤتم فلا ياتي بقراء ة ولاسهو ولايتغيّرفرضه بنية اقامته و يبدأ بقضاء ما فاته عكس المسبوق ۔ اور مؤتم کا قرأت نہ کرنا حدیث سے ثابت ہے اور لاحق کا مثل مؤتم ہونا قیاس صحیح سے ثابت ہے۔ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۵ ج ۱)

کراہت فصل بسورۃ قصیرہ وقرأت خلاف ترتیب بلالزوم سجدۂ سہو

سوال (۲۲۹) (۱) اگر سورۂ کافرون پڑھ کر انا اعطینا یا لا یلاف وغیرہ پڑھے تو ترتیب قرآنی کے خلاف پڑھنے میں نماز ہوگی یا نہیں اور اگر سجدۂ سہو کرے تو کراہت جاتی رہے گی کہ نہیں؟ (۲) اوّل رکعت میں انا اعطینا دوسری رکعت میں اذا جاء پڑھے تو نماز مکروہ ہوگی کہ نہیں ا س لئے کہ اس نے چھوٹی سورت ...... ایک درمیان میں چھوڑ کر کے پڑھی سجدۂ سہو کرنے سے نماز کی کراہت جاتی رہے گی کہ نہیں؟ (۳) اول رکعت میں چھوٹی سورت پڑھے دوسری میں بڑی سورت پڑھے تو نماز مکروہ ہوگی کہ نہیں اور سجدۂ سہو سے نماز ٹھیک ہوگی یعنی کراہت جاتی رہے گی کہ نہیں۔؟

الجواب۔ (۱) في الدرالمختار فصل القراء ة ويكره الفصل بسورة قصيرة وان يقرء منكو ساً ۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز ہوگئی اور سجدۂ سہو لازم نہیں خصوص جبکہ بلا قصد ہوا ہو تو کراہت بھی نہیں؟

لما في [۱] الرد قوله ثم ذكريتم أفاد ان التنكيس او الفصل بالقصيرة انما يكره اذا كان عن قصد فلو سهو فلا كما في شرح المنية اھ۔ ص ۵۷۱

(۲) في الدرالمختار ويكره الفصل بسورة قصيرة في ردالمختار اما بسورة طويلة بحيث يلزم منه إطالة الركعة الثانية اطالة كثيرة فلا يكره شرح المنية ۔ اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹی سورت درمیان میں چھوڑنا جو مکروہ ہے تو اس میں شرط یہ ہے کہ سورت متروکہ اول سورت سے بڑی نہ ہو ورنہ مکروہ نہیں اور چونکہ صورت مسئولہ [۲] میں سورت متروکہ یعنی قل یا ایها الكافرون سورة انااعطيناك الكوثر سے بڑی ہے اس لئے یہ ترک مکروہ نہیں ہوا البتہ

(۱) یہاں پر تصحیح الاغلاط ص ۱۰ سے عبارت میں اضافہ کیا گیا ہے ۱۲

(۲) اس جگہ بھی تصحیح الاغلاط ص ۱۰ سے عبارت میں ترمیم کی گئی ہے۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

دوسری رکعت کا طویل ہونا موجب کراہت ہوا۔ کما فی الدرالمختار إیضاً واطالة الثانية على الاولى يكره تنزيهاً لیکن سجدۂ سہو لازم نہیں۔

(۳) مکروہ بمعنی خلاف سنت ہے۔ لما مر فی الجواب عن السوال الثانی لیکن سجدۂ سہو واجب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ ۲؍ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۸۰ ج ۱)

تحقیق اعادہ سورت دراخریین بوقت سہو دراولیین

سوال (۲۳۰) نماز ظہر میں سہواً ابتدائی رکعات میں ضم سورت سے قاصر رہا لیکن قعدۂ اولیٰ میں اس کو تنبہ ہوگیا اب بقیہ دو رکعتوں میں اس نے عمداً ضم سورۃ نہ کی اور یہ سمجھا کہ اب کیا ضرورت ہے سجدہ سہو کرلوں گا چنانچہ سجدہ سہو کرلیا تو نماز ہوئی یا نہیں اور بعد سہو خالی رکعات میں ضم سورۃ کرلینا بطور اعادہ کے واجب تھا یا کیا؟

الجواب۔ فی الدرالمختار ولو ترك سورة اوليي العشاء مثلا ولو عمداً قرأها وجوباً وقيل ندبامع الفاتحة جهراً في الأخريين الخ في ردالمحتار تحت قوله مثلاً زاده الٰى قوله وليعم الرباعية السرية فانه يأتي بهاتي الأخريين ايضاً أفاده (ط) وانماخص المصنف العشاء بالذكر لمكان قوله جهراً الخ وتحت قوله وجوباً وقيل ندبا بعد بحث طويل والحاصل ان اختيار صاحب الفتح والبحر والنهر الندب لانه صريح كلام محمد۔ ص ۵۷۸ و ص ۵۵۵ اس سے معلوم ہو اکہ اخریین میں ضم سورۃ مستحب تھا اگر نہ کیا تب بھی درست ہے اور سجدۂ سہو دونوں حال میں ہے لتركه تعيين الاولیين للسورة وكان واجباً۔

۱۰؍ رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۷۴)

پہلی رکعت میں سورۃ سبح اسم ربک الخ اور دوسری میں سورۃ غاشیہ پڑھنے کا حکم درآں حالیکہ سورۂ غاشیہ کی آیات زائد ہیں

سوال (۲۳۱) سورۂ سبح اسم اور ھل اتاک حدیث الغاشیۃ ان دونوں سورتوں میں سورۂ غاشیہ کی آیات سورۂ اعلیٰ سے زیادہ ہیں نماز میں ان دونوں کو پڑھنے سے کسی قسم کی کراہت تو نہیں۔

الجواب۔[1] لكونه ماثوراً فيستثنیٰ من الكراهة۔ ۲۳؍ رجب ۱۳۴۹ھ

---

(۱) یہ سوال وجواب النور محرم ۱۳۵۰ھ سے لکھا گیا ہے اس میں چند نمبر اور بھی تھے۔ جن کا تبویب میں دوسری جگہ آنا مناسب تھا۔ وہاں درج کردیئے گئے۔ ۱۲ بندہ محمد شفیع عفی عنہ

فصل فی التجوید

تحقیق ضاد و ظاء

سوال (۲۳۲) قرآن مجید میں ضاد پڑھنے پرلوگوں نے مختلف ڈھنگ اختیار کئے ہیں بہت لوگ دواد پڑھتے ہیں بہت لوگ صاف دال پڑھتے ہیں بہت لوگ ظاء یا زا پڑھتے ہیں بہت لوگ عجب خلط کرتے ہیں کہ کہیں تو دواد پڑھتے ہیں اور کہیں صاف دال پڑھ دیتے ہیں اور ان خلط کرنے والوں کی تعداد د میں بہت معلوم ہوتی ہے۔ یہی لوگ ہیں جو اپنے پڑھنے کو حنفیوں کے طریقے کے موافق سمجھتے ہیں باقی پڑھنے والوں کو اپنے زعم میں غیر مقلد جانتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ضاد کو دواد یا دال یا ظاء یا زا یا ط دال پڑھنا سب ہی غلط ہیں مگر جو شخص جس طرح پڑھتا ہے اسی کو موافق قواعد تجوید جانتا ہے اور دوسرے طریقے سے پڑھنے والوں کو غلطی پر بتاتا ہے اور اس کی نماز کو فاسد خیال کرتا ہے عوام کی تو کچھ شکایت نہیں ان بیچاروں کا تو شین قاف تک درست نہیں ہوتا یہ بلا آج کل کے حفاظ اور حضرات علماء میں دیکھتا ہوں۔ اعراب کہیں معروف پڑھتے ہیں کہیں مجہول ۔ وقف کرتے ہیں اور سانس نہیں توڑتے اظہار اور اخفاء بالکل نہیں کرتے۔ ترقیق و تفخیم کے نام سے بھی اچھی طرح واقف نہیں۔ حروف قلقلہ و استعلاء وغیرہ کسی سے آگاہ نہیں اس پر یہ حال کہ ایک فریق دوسرے فریق کی نماز کو باطل بتار ہے اور سارا جھگڑا ہر پھر کر صرف ضاد ہی پر آر ہے جس طرح ضاد کو ضاد پڑھنا قواعد تجوید کے موافق ہے اسی طرح اور باتیں بھی ہیں مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اور باتوں میں جھگڑا کیوں نہیں کیا جاتا۔ بعض حضرات علماء یہ فرمادیتے ہیں کہ حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرنا چاہئے وبس یہ بات بھی جی کو نہیں لگتی کیونکہ جس طرح حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرنا مامور بہ ہے اسی طرح تجوید کی اور باتیں بھی مامور بہ ہیں۔ پھر صرف ایک قاعدہ پر عمل کرنے اور باقی کو ترک کرنے سے نماز کیوں کر صحیح یا کامل ہو جائے گی شاید دونوں کے مامور بہ ہونے میں کچھ فرق ہو جس کو میں نہیں جانتا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ضاد کو دواد پڑھنے پر اجماع منعقد ہو گیا ہے۔ یہ بات میرے جی کو نہیں لگتی کیونکہ بعض ماہرین فن کو سنا ہے وہ تو دواد نہیں پڑھتے ۔ بعض حضرات رتل

القرآن ترتیلا سے فن تجوید سیکھنے کو واجب فرماتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو بڑی مشکل ہے۔ لاکھوں نمازیں برباد ہوئیں۔ اور ہوتی ہیں اور ہوں گی کیونکہ یہ فن سخت مشکل ہے۔ حضرات علماء میں ہزاروں میں کہیں دو چار مجود نکلیں گے مگر جو لوگ واجب فرماتے ہیں یہ نہیں بتاتے کہ کس قدر مقدار واجب ہے بعض زور میں آ کے یہ کہہ دیتے ہیں کہ حروف کے مخارج کا ادا کرنا اتنی مقدار واجب ہے لیکن ان سے اس بات پر اگر کوئی دلیل نقلی طلب کرے تو فضول باتیں بنانے لگتے ہیں اپنی ذاتی رائے کے سوا کچھ جواب نہیں بن آتا۔ امید کرتا ہوں کہ ضاد کے متعلق جو عرض کیا گیا ہے غور سے ملاحظہ فرما کر کافی شافی جواب مرحمت ہو تا کہ قلب کو تسکین ہو اور اس کے مطابق اعتقاد و عمل رکھا جائے۔؟

الجواب۔ [1] في فتاویٰ قاضي خان وان ذكر حرفا مكان حرف وغير المعنى فان أمكن الفصل بين الحرف من غير مشقة كالطاء مع الصاد فقرء الطالحات مكان الصالحات تفسد صلوته عند الكل وان كان لايكمن الفصل بين الحرفين الابمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلف المشائخ فيه قال أكثر هم لا تفسد صلوته اه وفيها ايضاً ولو قرأ والعاديات ظبحاً بالظاء تفسد صلوته اه وفيها وكذا لو قرأ غير المغضوب عليهم بالظاء وبالذال تفسد صلوته ولو قرأ الذالين بالذال لاتفسد صلوته ولو قرأ الدالين تفسد صلوته اه ولو قرء و نخل طلعها هضيم قرء بالظاء وبالذال تفسد صلوته اه وفيها ايضاً ولسوف يعطيك ربك فترضى قرء فترظى بالظاء تفسد صلوته اه۔ وفيها كيد هم في تضليل قرء بالظاء قال بعضهم لا تصح اه و فيها ومن يضلل الله قرء بالظاء لا تفسد صلوته اه وفيها الذي فرض عليك القرآن قرء بالظاء تفسد صلوته اه وفيها ائذاضللنا بالظاء ظللنا لا تفسد صلوته وهو قراء ة فمن فرض فيهن الحج قرأ بالظاء فرظ وبالذال تفسد صلوته اه۔

---

(۱) اس مقام پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ضاد کو دواد اور ظاء دونوں طرح پڑھنا غلط ہے لیکن ظاء پڑھنے میں علاوہ مفسدۂ غلطی کے ایک بڑا مفسدہ یہ ہے کہ اس میں شبہ بفرق ضالہ مثل روافض وغیر مقلدین اور ان کے ہوا کا اتباع ہے برخلاف دواد کے اس میں صرف مفسدۂ غلطی ہے اس لئے عاجز کیلئے بحکم ازا ابتلیت ببلیتین فاختر اہونہما دواد پڑھنے کی اجازت دی جائیگی اور ظاء پڑھنے سے روکا جائے گا اسی سے اس کا راز بھی معلوم ہو گیا کہ لوگ ضاد کو ظاء پڑھنے والے پر کیوں زیادہ ملامت کرتے ہیں اور ایسا کرنے پر کیوں شور و شغب کرتے ہیں۔ ۱۲ واللہ اعلم (تصحیح الاغلاط ص ۱۸)

ان روایات میں تدبر کرنے سے چند امور معلوم ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ فساد صلوٰۃ اس وقت ہے جب بلا مشقت دوحرفوں میں تمیز کر سکے اور ضالین کو دال سے پڑھنا مفسد صلوٰۃ اسی بنا پر ہے اور ظاہر ہے کہ جس طرح سے ضالین کو اکثر لوگ پڑھتے ہیں وہ دال نہیں ہے جس سے بلا مشقت امتیاز ممکن ہے البتہ اگر کوئی شخص خالص دال پڑھے گا تو اس کی نماز کو فاسد کہا جاوے گا اور جس طرح سے اکثر پڑھنا اس کا متعارف ہے گو بوجہ مشق نہ کرنے کے وہ صحیح نہیں ہے مگر صحیح حرف کو سننے والا اس امر کو پہچان سکتا ہے کہ یہ طریق متعارف اس کے مشابہ ہے اس طرح کہ تمیز دونوں میں شاق ہے حتیٰ کہ جس شخص کو ضاد کے مخرج صحیح سے مشق کرائی جاتی ہے اور اس کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے وہ ادا کرنے کے وقت کبھی کبھی اس متعارف طریق کو ادا کر بیٹھتا ہے اور دونوں میں اس کو تمیز دشوار ہوتی ہے اس لئے اس طریق متعارف کو داخل دال کر کے مفسد صلوٰۃ کہنا بعید ہے۔ دوسرا امر یہ معلوم ہوا کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ عند الاکثر نہ کہنا علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ اس وقت ہے جبکہ بلا عمد ہو ورنہ بھی مفسد صلوٰۃ ہے۔ ورنہ **والعادیات ضبحا** اور **مغضوب علیهم** اور **هضیم** اور **فترضی** اور فرض میں ظاء پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ نہ کہا جاتا چنانچہ مدار عدم فساد کا عدم امکان الفصل الا بمشقۃ کو ٹھیرانا اس کی دلیل ہے کیونکہ عمداً وہی پڑھے گا جو فصل بلا مشقت کر سکتا تھا پس حاصل اس کا یہ ہوگا کہ جس شخص سے بلا مشقت فصل ممکن نہ ہو اور وہ ضاد پڑھنے کا قصد کرتا ہے مگر ظاء نکل گیا اس کی نماز صحیح ہو جاوے گی اور اس کے تعمد کی اجازت کو جزئیات مذکورہ فساد صلوٰۃ کی رد کرتی ہیں فافہم۔ تیسرا امر یہ معلوم ہوا کہ ولا الضالین میں ظاء کا پڑھنا جو مفسد نہیں ہے اس کی بناء یہ نہیں ہے کہ ضاد کی جگہ عمداً ظاء کا پڑھنا جائز ہے ورنہ مغضوب علیہم اور ضالین میں کیا فرق تھا کہ مغضوب علیہم میں تو ظاء کو مفسد بتا رہے ہیں اور ضالین میں غیر مفسد بلکہ مبنیٰ اس کا یہ ہے کہ ضالین میں فساد معنی نہیں ہوتا جیسا قاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظل بالظاء کے معنی لیل اور جنح اللیل اور سواد السحاب کے بھی ہیں پس ظالین کے معنی مثلاً داخل فی الظلمات ہوں گے جو حاصل ہے ضلال بالضاد کا یا یہ افعال ناقصہ ظل یظل سے ہوگا بمعنی الکائنین اور خبر مقدر ہوگی فی ضلال یا فی غضب بقرینۃ مغضوب علیہم کے جیسا ائذا اضللنا یا بالظاء کی قرأت میں بھی یہ توجیہ ہوگی جیسا آگے مذکور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی خان نے **والعادیات ضبحاً** وغیرہ میں تو ظاء کو مفسد کہا اور جہاں جہاں مادہ ضلال کا آیا ہے جیسے **ومن یضلل الله** اور **ائذا ضللنا** اس میں غیر مفسد کہا ورنہ اس کی کوئی وجہ نہیں کہ ہر جگہ عدم فساد اسی مادہ کے ساتھ خاص کیا گیا چنانچہ **ائذا ظللنا** میں خود **ظللنا** بالظاء کا ایک قرأۃ ہونا بھی نقل کیا

ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس قرأۃ کی رعایت سے ہر جگہ اس مادہ میں تاویل صحۃ معنی کی گئی ہے اس وجہ سے مفسد نہیں کہا اور ہر چند کہ تضلیل میں جو اسی مادہ سے ہے بعض کا قول لاتصح نقل کیا ہے مگر اس قول کو اپنی طرف منسوب نہ کرنا بعض مجہول کی طرف نسبت کرنا خود قرینہ ہے کہ یہ ان کا مختار نہیں ہے پس بناء مذکور پر ارجح یہاں بھی عدم فساد ہوگا فتدبر وتشکر اور تجوید کی مقدار واجب صرف تصحیح حروف اور رعایت وقوف ہے اس طرح کہ تغیر مراد نہ ہو جاوے باقی مستحسن۔

فی فتاویٰ قاضی خان و ان تغیر المعنی تغیرا فاحشاً نحوان یقرء لا الٰہ ویقف ثم یبتدئ بقولہ الاھو الی قولہ قال عامۃ العلماء لاتفسد صلوتہ لما قلنا وقال بعضھم تفسد صلوتہ اھ قلت الاختلاف فی الفساد یوجب الوجوب۔

اس بناء پر اکثر لوگوں نے اس واجب کو حاصل کر رکھا ہے اور بہت سے تارک بھی ہیں مگر نماز ان کی بھی اکثر علماء کے قول پر ہو جاتی ہے البتہ ایسوں کو امامت سے احتراز واجب ہے۔فی فتاویٰ قاضی خان ۔فان کان لاینطق لسانہ فی بعض الحروف الی قولہ لا یؤم غیرہ کذا الرجل اذاکان لایقف فی مواضع الوقف اھ واللہ اعلم۔

۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۰۸ ج ۱)

سوال (۲۳۳) ضاد کو کس طرح پڑھنا چاہئے اور اکثر فقہاء کا قول کیا ہے اور اکثر کتب دینیات میں اس ذکر میں کیا لکھتے ہیں۔؟

الجواب۔ فی الجزریۃ والضاد من حافتہ اذولی الأضر اس من أیسر او یمناھا جب مخرج معلوم ہوگیا تو ضاد کے ادا کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے مخرج سے نکالا جاوے۔ اس نکالنے سے بوجہ عدم مہارت خواہ کچھ ہی نکلے عفو ہے اور اگر قصداً دال یا ظاء پڑھے وہ جائز نہیں جیسا کہ بعض نے دال پڑھنے کی عادت کر لی ہے۔اور بعض نے فقہاء کے کلام میں یہ دیکھ کر کہ ضاد مشابہ ظاء ہے ظاء پڑھنا شروع کر دیا حالانکہ مشابہت کی حقیقت صرف مشارکت فی بعض الصفات ہے اور مشارکت فی بعض الصفات سے اتحاد ذات لازم نہیں آتا۔ رہا قاضی خان کی اس جزئی سے کہ لوقرء ولا الظالین لا تفسد صلوتہ ظاء پڑھنے کی اجازت سمجھ لینا اس کو دوسری جزئیات قاضی خان کی رد کرتی ہیں۔ وھی ھذہ ولو قرء والعادیات ظبحا بالظاء تفسد صلاتہ اھ وکذا لوقرء غیر المغظوب علیھم بالظاء او بالذال تفسد صلوتہ و أمثال ذلک من الفروع المتعددۃ ۔ واللہ اعلم۔

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۳۶ ج ۱)

سوال (۲۳۴) بخدمت مخدومی مکرمی جناب مولانا دام مجدہم۔ بعد سلام مسنون التماس ہے کمترین بفضلہٖ تعالیٰ بخیریت ہے اور آپ کے مزاج کی خیریت مطلوب ہے یہاں ضاد اور ظاء کا بہت جھگڑا ہے۔ ایک فریق ضاد پڑھتا ہے اور دوسرا ظاء اور اس میں اس قدر غلو ہے کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا ضاد والے بہت سی فقہ کی روایتوں کے موافق ظاء پڑھنے سے نماز فاسد کہتے ہیں۔ ظاء والے ضاد کو محض غلط حرف اور تراشیدۂ عوام سمجھ کر اس کے پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے عرب میں آپ نے بھی دیکھا ہے کہ سب ضاد پڑھتے ہیں اور ظاء کو کوئی جانتا بھی نہیں۔ پھر یہ بات بھی نہیں کہ عوام اور ناواقف پڑھتے ہوں بلکہ واقفین فن بھی ضاد ہی پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اکثر قراء عرب اور مصر وغیرہ اسی طرح پڑھتے ہیں۔ استاذ قاری عبداللہ صاحب جو اس فن سے اچھی طرح واقف ہیں ان کی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا اور کچھ مشغلہ تجوید کا بھی رہا وہ بھی ضاد ہی پڑھتے ہیں کوئی جھگڑا اس معاملہ میں عرب میں نہیں پایا یہاں آکر یہ جھگڑا دیکھا تو بعض قرأت اور صرف وغیرہ کی کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا جس سے ایک خلجان طبیعت میں ہے اس لئے کہ اکثر کتب فقہیہ اور قرأت سے معلوم ہوا کہ ضاد کی صورت ظ اور ز وغیرہ سے مشابہ ہے اور جس طرح پر کہ ہم لوگ اور عرب وغیرہ پڑھتے ہیں اس کا کوئی ثبوت ٹھیک طور پر معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ اکثر کتب فقہیہ قاضی خاں وغیرہ میں لکھا ہے کہ جن دو حرفوں میں تمیز مشکل ہو جیسا کہ ضاد اور ظ ان میں سے اگر ایک کو دوسرے کی جگہ پڑھے تو نماز درست ہوتی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ض صورت میں ظ کے مشابہ ہے اور اس کا صحیح تلفظ ظاد ہے۔ پھر انہیں کتب فقہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ بہت جگہ ض کی جگہ ظ یا ظ کی جگہ ض پڑھے گا تو نماز درست نہ ہوگی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بالکل مغائر ہیں۔ یہ بظاہر تعارض کی صورت معلوم ہوتی ہے مگر اس کا جواب تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عدم جواز صلوٰۃ اس جگہ ہے جہاں پر معنوں میں تغیر فاحش ہوتا ہو اور جہاں پر تغیر نہ ہوتا ہو وہاں نماز درست ہے پھر قرأت کی کتابوں کو دیکھا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ظ میں بہت سی صفتیں مشترک ہیں حرف ض میں استطالت ہے ظ میں نہیں باقی مطبقہ اور مصمتہ اور مستعلیہ رخوہ مجہورہ ہونے میں دونوں مشترک ہیں بخلاف دال کے جس کے مشابہ ض پڑھا جاتا ہے کہ ض اور د میں اکثر صفتیں مخالف ہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ظ قریب المخرج اور متحد الصوت ہیں اگرچہ قریب المخرج ہونے سے اتحاد صوت لازم نہیں آتا مگر ائمہ قرأت کی تصریحات سے متحد الصوت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً رعایا میں جو امام ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ مکی کی تصنیف ہے مذکور ہے۔ الضاد حرف یشبه

لفظه فی السمع بلفظ الظاء الخ۔ پھر ضاد کا جومخرج لکھا ہے کہ حافہ لسان اضراس کولگا کر نکالا جاوے اس سے بھی ظاد نکلتا ہے ض اگر نکالا جاتا ہے تو اطراف لسان ثنایا علیا کولگ جاتی ہے جولام کامخرج ہے ٹھیک طور پرمخرج سے نکالا جاتا ہےتو ظاء نکلتا ہے پھرض کی صفات میں سے ایک ایک رخوت بھی ہے حالانکہ ضاد نکالا جاتا ہےتو رخوت یعنی جریان صوت اس میں پیدانہیں ہوتا جیسا کہ اورحروف رخوہ مثلاً س ز ظ وغیرہ میں بلکہ ض کے ادا کرنے میں صوت بند ہو جاتی ہے اور بطور شدیدہ کے ادا ہوتا ہے بخلاف اس کے جس وقت ظاداداکیا جاتا ہے یعنی ہمزہ مفتوح اس کے اول میں لگا کر جومخرج کے دریافت کرنے کا طریقہ ہے صوت نکالی جاتی ہے تو اس میں رخوت یعنی جریان صوت برابر ہوتا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ ضادصوت میں مشابہ ظ کے ہے پھر رعایہ میں لکھا ہے۔

فليحفظ بترقيق الذال فی اللفظ فان دخلها تفخيم فيؤدی الی الإطباق فيصير عندها ظاء اوضاد الأ نها اخت الظاء فی المخرج و قريبة من الظاء ۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ذ اور ظاءصورت میں مشابہ ہیں تفسیر کبیر میں لکھا ہے الاانه حصل فی الضاد انبساط لأجل رخاوتها وبهذه السبب يقرب مخرجه من محرج الظاء شاہ صاحب تفسیرعزیزی میں فرماتے ہیں۔ بدانکہ فرق میان مخرج ضاد وظا بسیار مشکل است شرح قصیدۂ نونیہ میں ہے۔ لان الظاء تشارك الضاد فی الأوصاف المذكورة غير الاستطالة فلذلك اشتد شبهة به وعسر التمييز واحتاج القاری فی ذالك الی الرياضة لاتصال بين مخرجيهما۔ پھرتمہید میں لکھا ہے لولا الاستطالة واختلاف المخرجين لكانت ظاءً ۔ دوسری جگہ کہتے ہیں ۔ فمثال الذی يجعل الضاد ظاء كالذی يبدل الصاد سينا۔ ایسے ہی امام محمد مرعشی کے رسالہ اور جہد المقل اور رعایۃ میں صاف تصریح ہے کہ الضاد والظاء والذال والزاء المعجمات الكل متشاركة فی الجهر والرخاوة متشابهة فی السمع شعلہ شرح شاطبی میں لکھا ہے ان هذه الثلاث ای الضاد والظاء والذال متشابهة فی السمع والضاد لا تفترق عن الظاء إلا باختلاف المخرج وزيادة الاستطالة فی الضاد ولو لاهما لكانت احدهما عين الأخری۔

ان سب سے صاف طور پرمعلوم ہوتا ہے کہ ض کی آواز ظ کے مشابہ ہے جس طرح پر ہم پڑھتے ہیں جس کودال مطبقہ کہنا چاہئے اس کا کسی کتاب میں ذکرنہیں ہے طوالت کے خوف سے بہت سے دلائل چھوڑ دیئے ورنہ بہت صاف طور پرسب کتابوں سے واضح ہوتا ہے کہ کہ ض کی

صوت ظ کے مشابہ ہے۔ شاہ صاحب تفسیر عزیزی میں تحریر فرماتے ہیں۔ بدانکہ فرق مخرج ضاد و ظاء بسیار مشکل است یہ اشکال اسی وقت ہوتا ہے جبکہ ض کو مشابہ ظا پڑھا جاوے اور جس طرح پرا سکا پڑھنا متعارف ہے اس طرح پر اگر پڑھا جاوے تو فرق کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ شیخ جمال مکی علیہ الرحمۃ اپنے فتوے میں لکھتے ہیں کہ ضاد کو ظاء پڑھنا لغت اکثر اہل عرب کا ہے امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں۔

فثبت بما ذكرنا ان المشابهة بين الضاد والظاء شديدة وان التميز عسيرو واذاثبت هذا فنقول لو كان هذا الفرق معتبرالوقع السئوال عنه في زمان رسول الله ﷺ او في ازمنة الصحابة لا سيما عند دخول العجم في الاسلام فلما لم ينقل وقوع السئوال عن هذه المسئلة علمنا ان التميز بين هذين الحرفين ليس في محل التكليف انتهى مختصراً۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ظ اور ض میں فرق کرنے کی کچھ ضرورت ہی نہیں۔ امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں

وفرقة اخرىٰ تغلب عليهم الوسوسة في إخراج حروف الفاتحةوسائر الأذكار من مخارجها فلا يزال يحتاط في التشد يدو والفرق بين الضاد والظاء و تصحيح مخارج الحروف في جميع صلوته لا يهمه غيره ولا يتفكر فيما سواه ذاهلا عن معنى القرآن الخ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات کوئی جدید نہیں بلکہ علماء ہمیشہ سے ضاد کو مشابہ ظاء کے پڑھتے ہیں اور ان میں فرق کرنے کو فضول سمجھتے ہیں یہ ضاد مروج کوئی جدید ایجاد ہے پچھلی کتابوں میں اس کا کہیں پتہ نہیں آخر یہ کہاں سے آیا اور پھر تمام امت اس غلطی میں کیسے مبتلا ہوئی۔ عامیانہ جواب تو یہ ہوسکتا ہے کہ تمام عرب اور مکہ اور مدینہ والے سب اس طرح پڑھتے ہیں مگر ایک محقق آدمی اس قدر تصریحات کتب جدیدہ وقدیمہ کے سامنے اس امر کو کیسے تسلیم کرسکتا ہے خصوصاً اس وقت کہ عربوں کی زبان نہایت خراب ہوگئی ہے اور بجائے ق کے گ اور اسی طرح بہت سے غلط الفاظ بولتے ہیں اگرچہ قرآن شریف میں عرب لوگ غلطی نہیں کرتے مگر ترکوں کو خود سنا ہے کہ قرآن شریف میں بھی ك کی جگہ چ بولتے ہیں اگر ضاد مروجہ صحیح ہوتو پھر اس کے کیا معنی صاحب نشر لکھتے ہیں۔

ليس في الحروف مايعسر على اللسان مثله فان ألسنة الناس فيه مختلفة وقل من يحسنه فمنهم من يخرجه ظاء و منهم من يمزجه بالذال الخ یہ دشواری اسی

وقت ہوسکتی ہے جس وقت کہ ض کومشابہ ظاء پڑھا جاوے ورنہ ضاد پڑھنے میں کچھ بھی دشواری نہیں۔ صاحب جہد المقل کہتے ہیں ۔ منهم من يجعلها ظاء الخ هذا ليس بعجيب لثبوت التشابه وعسر التمييزبينهما فانه يشارك الظاء فی صفاتها كلها ويزيد عليها بالاستطالة فلولا اختلاف المخرجين والا ستطالة فی الضاد لكانت ظاء۔ ملاعلی قاریؒ شرح جزریہ کے اس شعر کے تحت میں والضاد باستطالة ومخرج ميزعن الظاء وكلها تجئى تحریرفرماتے ہیں لماكان تمييزه عن الظاء مشكلة بالنسبة الى غيره امر الناظم بتمييز تطقا ۱۲۔

شرح کیمیائے سعادت میں امام غزالی علیہ الرحمۃ تحریرفرماتے ہیں کہ فرق درمیان ضاد و ظاء بجا آوردو اگرنتو اندروا باشد۔ غرض ان تصریحات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ظ میں صرف استطالت کا فرق ہے اور مخرج کا ورنہ دونوں متحد الصوت ہیں اور دوسرے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظ اور ض میں ایسا فرق ہے جیسا کہ س اور ص میں اور ت اور ط میں پھر کیا وجہ ہے جو بلوائے عام کے طور پر کوئی بھی اس طرح نہیں پڑھتا بلکہ دمطبقہ پڑھتے ہیں جس کا کہیں پتہ نہیں معلوم ہوتا غیر مقلدین اس طرح پر پڑھتے ہیں اور یہ دلائل ان ہی لوگوں کے ہیں اور بظاہر قوی معلوم ہوتے ہیں میں یہ نہیں عرض کرسکتا کہ واقع میں یہ دلائل قوی ہیں یا ضعیف ہیں میں اپنی محدود واقفیت کی بناء پر عرض کرتا ہوں آپ کو فقط اسی غرض سے لکھتا ہوں کہ آپ اس فن سے بھی واقف ہیں اور کتب فقہ سے خوب واقف ہیں۔ چونکہ ان لوگوں کے یہ دلائل ہیں اور بظاہر قوی معلوم ہوتے ہیں اور ض جس طرح پر کہ ہم اور آپ پڑھتے ہیں اس کا کہیں پتہ نہیں معلوم ہوتا۔ یہ حوالے اکثر کتب قرأۃ کے تھے اب فقہ کی کتابوں کی طرف خیال فرماویں۔ صاحب درمختار لکھتے ہیں۔ ولو زاد كلمة اونقص كلمة اوحرفا او قدمه اوبدله باٰخرالى ان قال اماما يشق تمييز ه كالضاد والظاء فاكثر هم لم يفسدها۔ فتاویٰ عالمگیر یہ اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے ۔ فان ذكرحرفا مكان حرف و غير المعنى فان كان الفصل بين الحرفين بلا مشقة كالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلوته عند الكل وان كان لايمكن الفصل الا بمشقة كالضاد مع الظاء والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلف المشائخ فيه قال أكثرهم لا تفسد۔

علی ہذا اکثر کتب فقہ سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ جن دوحرفوں میں فرق کرنا آسان ہے ان کے آپس میں بدل جانے سے اگر معنی بگڑ جاویں گے تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہو جاوے گی اور جن میں فرق کرنا مشکل ہے اس کے آپس میں بدل جانے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ اس

بناء پر اگر ضاد کی جگہ دال پڑھی جاوے جیسا کہ اکثر لوگ پڑھتے ہیں نماز فاسد ہو جانی چاہئے پھر علمائے حرمین شریفین کے بعض فتوے بھی اسی مضمون کے دیکھے گئے ۔ چنانچہ شیخ احمد دحلان مرحوم شیخ العلماء مکہ معظمہ تحریر فرماتے ہیں **ولو أبدل الضاد بغير ظاء لم تصح قراء ته قطعا** اسی فتوے میں شیخ جمال حنفی تحریر فرماتے ہیں کہ **محمد بن سلمة قال لا تفسد لانه قل من يفرق بينهما** ۔ مفتی عنایت احمد صاحب نے البیان الجزیل فی الترتیل میں لکھا ہے کہ ایک بلائے عام اس زمانہ میں یہ ہوگئی ہے کہ ضاد کو بصورت دال پڑھتے ہیں مشتبہ الصوت دال کا اس کو کردیا ہے کہ دال پر نہیں وہ پر ہے سو یہ بات جملہ کتب قراءۃ اور تفسیر کے خلاف ہے سب کتابوں میں ض کا مشتبہ الصوت ہونا ظاء سے ثابت ہے نہ دال سے مفتی صدر الدین صاحب مرحوم کا ایک فتویٰ ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں از مدتے درمیان مسلمانان ایں شہر و مضافات آں نزاع درضاد معجمہ افتادہ است بعضے ضاد معجمہ را مشابہ دال **مفخمه** مے خوانند بعضے مشابہ ظاء معجمہ بلکہ اکثر عوام ہند ضاد معجمہ را در قرآن بہ نہجے ادا می کنند کہ مشابہ حرف بلکہ عین دال میشود و فرق از دال ایں قدرے کنند کہ ضاد را بصوت دال **مفخمه** و آواز پری برارند وایں خود خطاء و غلطی فاحش است بچند وجوہ ۔ اس کے بعد چند وجوہ اس کی غلطی کے لکھ کر فرماتے ہیں پس ازیں صاف و ہویدا گردید کہ ضاد معجمہ ہمان ست کہ با ظاء معجمہ مشابہت دارد نہ آنکہ مخرج آں قریب مخرج دال ست چنانچہ عوام مردم ہندوستان بلکہ بعضے از خواص ہم مے خوانند چہ دال با ضاد تخالف وتبائن تمام وارد و در صفات وفرق درمیان ایں بر و سہل است مشکل و دشوار نیست بخلاف ظاء معجمہ الخ ۔ اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ ض کو مشابہ ظاء کے پڑھنا چاہئے ۔ ایک دوسرا فتویٰ اور ہے جس پر نواب قطب الدین خاں صاحب اور مفتی صدر الدین صاحب کے دستخط ہیں ۔ اس میں بھی یہی لکھا ہے ۔ چنانچہ مفتی صاحب کے الفاظ یہ ہیں ۔

وساکنان ایں دیار در دال وضاد فرق نمی کنند و جاہل اندو بے تمیز ۔ پھر ایک فتویٰ غدر سے پہلے کا ہے جس پر مولوی نوازش علی صاحب اور میر محبوب علی صاحب اور خواجہ ضیاء الدین صاحب اور مولوی عبد الرب صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب کی مہریں ہیں اس میں بھی یہی ہے کہ ض بہت مشابہ ظ سے اور دال کے نہیں ۔ ایک فتویٰ مولوی عبد الحیٔ صاحب کا بھی میں نے دیکھا ہے جس میں لکھا ہے کہ ض کو مشابہ دال پڑھنے سے نماز میں خلل ہوتا ہے اور اس کو مشابہ ظاء پڑھنا صحیح ہے میں نے بہت وقت آپ کا ضائع کیا آپ معاف فرمائیں چونکہ یہاں پر اس کا بہت زیادہ چرچا ہے اور صرف اسی کی وجہ سے عداوت، دشمنی اور پارٹی قائم ہوگئی اور ہر ایک نے دوسرے کے پیچھے نماز ترک کردی اسی وجہ سے محض اپنے اطمینان کے واسطے آپ کو تحریر کیا گیا ۔

آپ کو تکلیف تو بے شک ہوگی مگر بہت لوگوں کا نفع ہوگا آپ بہت مفصل اور مدلل جواب اس کا تحریر فرمادیں۔ اگر کوئی رسالہ اس کا مرتب ہو جائے تو غالباً بہت لوگوں کو فائدہ ہوگا کچھ زیادہ جلدی نہیں بآسانی جب آپ تحریر فرماسکیں مگر بہت محقق اور مدلل بات ہونی چاہئے جس کو مخالف بھی تسلیم کرے میں تو بے شک جو کچھ آپ تحریر فرمائیں گے اس کو تسلیم کروں گا مجھے اب تک اپنے مفید مطلب صرف اس قدر معلوم ہوا ہے کہ شافعیہ جاربردی میں ایسے ضاد کو جو مشابہ ظاء یا بین بین پڑھا جاوے مستہجن اور غیر مصطلح لکھا ہے یہ بات بے شک ایسی تھی کہ دل کو لگتی مگر اس قدر تصریحات اور دلائل قاطعہ کے سامنے یہ بات کیسے پیش کی جاسکتی ہے پھر وہ لوگ کہتے ہیں کہ مستہجن اس وقت ہوسکتا ہے جس وقت اس کے مخرج اور صفات کا پورے طور پر لحاظ نہ کیا جاوے اگر اسکے مخرج اور صفات سے ادا کیا جاوے تو مستہجن نہیں ہوگا اور علی سبیل التسلیم ض مستہجنہ بھی ضاد ہے بخلاف اس کے مشابہ دال پڑھا جاوے اس لئے کہ وہ ضاد ہی نہیں بہر نہج ض مستہجنہ دال اور مشابہ دال سے بہتر ہوگا اگر آپ کے نزدیک بھی مشابہ دال پڑھنا غلط ہے تو جواز صلوٰۃ اس سے بلوائے عام کے بنا پر ہوگا یا کیسے اگر بلوائے عام اس میں ہے تو عوام کے سوا جو لوگ اسکو صحیح پڑھ سکتے ہیں وہ اس کو کس طرح پڑھیں۔ حرمین اور عرب کا اتباع کر کے ضاد پڑھیں یا دلائل قویہ کو دیکھ کر ظاد پڑھیں اگر چہ اس دفتر بے معنی کے پڑھنے میں آپ کا بہت سا وقت خرچ ہوگا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی کام کے واسطے بنایا ہے کہ آپ خلق اللہ کو ہدایت کریں اس ض اور ظ کی دلدل میں بہت مخلوق پھنسی ہوئی ہے آپ ضرور سہارا لگاویں اور مظلوموں کی مدد کریں بہت سی باتیں میں نے بخوف طوالت چھوڑ دیں جو خود آپ کو ادنیٰ توجہ سے معلوم ہو جائیں گی میں نے اس خلجان رفع کرنے کے واسطے اپنے دل سے بہت مشورہ لیا مگر آپ کے سوا دوسری طرف طبیعت رجوع نہیں ہوئی اس لئے حتی الوسع آپ میرے خلجان کے رفع کرنے میں دریغ نہ فرماویں گے۔ فقط والسلام۔؟

الجواب۔ ضاد کے باب میں عوام کو چھوڑ کر خواص و اہل علم کی حالت تتبع کرنے سے بحصر استقرائی چھ صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اول ض و ظ میں مخرج ہی میں تمیز نہ ہو یعنی ضاد کو صاف مخرج ظاء سے نکالا جاوے۔ دوم مخرج میں تمیز ہو لیکن صوت میں بالکل تمیز نہ ہو یعنی نکالا تو جاوے اپنے مخرج صحیح سے لیکن دونوں کی صوت میں تشابہ تام ہو جس کو اتحاد صوت کہا جاتا ہے۔ سوم مخرج و صوت دونوں میں تمیز ہو مگر اقرب الی الظاء ہو یعنی نکالا بھی جاوے مخرج صحیح سے اور دونوں کی صوت میں تشابہ تام نہ ہو بلکہ من وجہ دون وجہ ہو لیکن غالب مشابہت صوت ظاء کی ہو اور یہ تینوں صورتیں تشبیہ بالظاء کی ہیں۔ چہارم ضاد و دال میں مخرج ہی میں تمیز نہ ہو گو تفخیم کا فرق کر لیا جاوے یعنی ضاد کو صاف مخرج دال سے نکالا جاوے پنجم مخرج میں تمیز نہ ہو لیکن صوت میں

تمیز ہو یعنی نکالا تو جاوے اپنے مخرج صحیح سے لیکن دونوں کی صوت میں تشابہ تام ہو۔ ششم مخرج و صوت دونوں میں تمیز ہو مگر اقرب الی الدال ہو یعنی نکالا بھی جاوے مخرج صحیح سے اور دونوں کی صوت میں تشابہ تام بھی نہ ہو بلکہ من وجہ دون وجہ ہو لیکن غالب مشابہت صوت دال کی ہو اور یہ تینوں صورتیں تشبیہ بالدال کی ہیں۔ اب اختلاف کرنے والوں میں سے اکثر نے تو صورت اول و چہارم کو لیکر اختلاف کر رکھا ہے اور ان دونوں صورتوں کا باطل ہونا ایسا بدیہی ہے کہ محتاج بیان نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ ایک حرف کا دوسرے حرف کے مخرج سے نکلنا عادۃً محال ہے اور بعض نے اختلاف میں صورت دوم اور پنجم کو لے رکھا ہے اور یہ لوگ اہل اختلاف میں محقق شمار کئے جاتے ہیں اور تائل کرنے سے یہ دونوں صورتیں بھی صحیح نہیں معلوم ہوتیں کیونکہ ان پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی۔ اور مطلق تشابہ تام میں منحصر نہیں بلکہ اس کے خلاف پر دلیل قائم ہے چنانچہ خود سوال ہی میں جہد المقل سے نقل کیا ہے۔ لثبوت التشابہ وعسر التمییز بینھما اور عسر تمییز خود بتلا رہا ہے کہ تمییز تو ہے مگر عسیر ہے ورنہ عسر تمیز نہ رہے گا بلکہ عدم التمیز ہو جاوے گا۔ ہف۔ اور جب ظاء سے متمیز ہے باوجودیکہ دونوں صفات کثیرہ وقرب مخرج میں متشارک ہیں تو دال سے بدرجہ اولیٰ متمیز ہوگا کیونکہ عسر تمیز کو جہد المقل میں معلل اس علت کے ساتھ کیا ہے۔ **فانہ یشارک الظاء فی صفاتھا کلھا** اور ارتفاع علت علّت ہے ارتفاع معلول کی پس عدم مشارکت دال کی صفات میں دلیل ہوگی عدم عسر تمیز کی پس تشابہ تام منفی ہوگیا وھذا ھو المطلوب اب صورت سوم و ششم باقی رہ گئی جن میں تردد ہوسکتا ہے لیکن سوم حق معلوم ہوتا ہے کہ صوت میں تمیز ہے مگر بہ نسبت دال وغیرہ کے اشبہ بالظاء ہے تمیز کے لئے جہد المقل کا عسر تمیز کا حکم کرنا اور اشبہیۃ کے لئے اس کو متشارک الصفات کہنا دلیل کافی ہے جیسا ابھی دونوں کی تقریر گزر چکی ہے جب ان سب صورتوں میں سے صورت سوم کا حق ہونا متعین ہوگیا تو اب سوال میں جس قدر شبہات لکھے ہیں ان میں سے کوئی اس صورت کو مضر نہیں چنانچہ قاضی خان میں عسر تمیز کو لکھا ہے سو اس میں خود تمیز کا اثبات ہے اور عسر کا سبب اشبہیۃ ہے آگے کتب قرأۃ سے اشتراک فی الصفات ثابت کیا ہے اس سے بھی اشبہیۃ ثابت ہوتی ہے نہ کہ اتحاد۔ آگے رعایہ کی عبارت لکھی ہے **یشبہ لفظہ فی السمع الخ** ۔ سو اس کا تحقق مطلق اشبہیۃ سے بھی ہوسکتا ہے تشابہ تام و اتحاد لازم نہیں آگے مخرج سے نکالنے پر دعویٰ ظاد نکلنے کا کیا ہے یہ مسلم نہیں البتہ اشبہ بالظاء نکلتا ہے آگے رخوت سے استدلال ہے یہ بصوت دال نکالنے کو مضر ہے نہ مطلق تمیز عن الظاء کو آگے رعایہ کی عبارت نقل کی ہے **فلیحفظ الخ** ۔ اس سے بھی مطلق تشابہ ثابت ہوتا ہے نہ اتحاد فی الصوت اور اگر شاید اس تردید سے شبہ ہو فیصیر عندہا ظاء اور ضاد۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر **تفخیم** دال میں مخرج کی پوری

حفاظت کی تب تو ظاء بن جاوے گی اور اور اگر مخرج بھی محفوظ نہ رہا بجائے طرف لسان کے حافئہ لسان ہو گیا تو ضاد بن گیا چنانچہ اس تردید کے بعد اس کا یہ کہنا۔لانها أخت الظاء في المخرج الخ۔مؤید اس کا ہے۔آگے تفسیر کبیر کی عبارت ہے الا انه حصل الخ اس میں بھی اتحاد پر کوئی دلالت نہیں اور مشابہت کا انکار نہیں۔آگے شاہ صاحب کا قول ہے۔سو عسر تمیز خود مسلم ہے مگر اتحاد کو غیر مستلزم آگے شرح قصیدۂ نونیہ کی عبارت ہے اس میں بھی عسر تمیز و اشتد ادشبہ مذکور ہے جو مضر نہیں۔آگے تمہید کی عبارت ہے اس میں صرف استطالت و اختلاف مخرجین فارق ہونا بیان کیا ہے سو یہی مبنی ہے تمیز بینہما کا اس سے تمیز فی الصوت کی نفی کہاں ہوئی اسی طرح دوسری عبارت میں مشابہت کا اثبات ہے تمیز کی نفی نہیں۔آگے مرعشی کا مضمون ہے اس میں بھی مطلق مشابہت کا حکم ہے۔آگے جہد المقل اور رعایہ سے جو نقل کیا ہے اس میں بھی مطلق تشابہ فی السمع مستلزم نفی تمیز کو نہیں۔آگے شرح شاطبی کی عبارت ہے اس میں مطلق تشابہ فی السمع افتراق فی المخرج والاستطالت کا اثبات ہے اس سے بھی اتحاد صوت لازم نہیں آتا اور اگر نفی و استثناء دال علی الحصر سے شبہ ہو کہ اس میں افتراق فی الصوت کی بھی نفی ہوگئی ورنہ حصر نہ رہے گا۔سو جبکہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ الشئی اذا ثبت ثبت بلوازمه۔سو جو شخص افتراق فی المخرج کو ملزوم افتراق فی الصوت کا مانے گا وہ کہہ دے گا کہ اس حصر میں مجموعہ ملزوم ولازم کے غیر کی نفی ہے نہ کہ لازم کی شاہ صاحبؒ کا قول سوال میں مکرر ہو گیا ہے اس کا جواب اوپر گزر چکا۔آگے شیخ جمال و امام رازی و امام غزالی رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال سے اس پر استدلال کیا ہے کہ ضاد و ظاء میں فرق کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔اول تو یہ تصریحات کتب فن کے خلاف ہیں چنانچہ خود سوال ہی میں جزریہ کا شعر والضاد الخ منقول ہے جس میں تمیز کا امر کیا ہے۔و در منہاج التجوید از رعایہ آوردہ۔

ولا بد للقاری من التحفظ بلفظ الضاد حيث وقعت الى ان قال ومتى فرط ذلك اتى بلفظ الظاء اوا لذال اهـ وازنشر گفتہ فليحذر من قلبه الى الظاء وازاحیاء العلوم درربع اول آوردہ و يجتهد في الفرق بين الضاد والظاء واز شرح مقدمہ جزری ان الضاد اعسرا لحروف على السان مثله والسنة الناس فليحسن برعايتها اى تكون مشابهة بالظاء والذال والزاء اهـ ملاعلی قاری در شرح مقدمہ جزری گفتہ ليس في الحروف مايعسر على اللسان مثله وألسنة الناس فيه مختلفة فمنهم من يخرجه ظاء ومنهم من يخرجه دالامهملة او معجمة و منهم من يخرجه طاء مهملة ومنهم من يشبهه دالاومنهم من يشبهه بالظاء المعجمة لكن لما كان تمييزه من الظاء مشكلا بالنسبة الى غيره امر الناظم بتمييزه لفظا اهـ۔ ان تصریحات کے مقابلہ میں

ان حضرات کا قول کہ خود متابعین اہل فن سے ہیں ایمۂ فن سے نہیں ہیں حجت نہ ہوگا۔

(۱) علاوہ ازیں امام غزالیؒ کا مقصود یہ نہیں کہ ضاد اور ظاء میں تمیز نہ کیا جاوے اور اس کی ضرورت نہیں بلکہ ان کا مقصود ان لوگوں پر انکار ہے جنھوں نے تصحیح حروف ہی کو مقصود نماز بنالیا ہے اور تدبر و تفکر فی المعانی وغیرہ کو جو کہ مغز صلوٰۃ ہیں بالکل چھوڑ دیا ہے اور دلیل اس کی علاوہ ان کے دیگر عبارتوں کے خود یہی عبارت ہے کیونکہ انہوں نے جس طرح فرق بین الضاد والظاء کو قابل اعتراض بتایا ہے یونہی تصحیح مخارج حروف کو محل اعتراض ٹھہرایا ہے پس اگر اعتراض اول کا مقصود یہ ہوگا کہ ضاد اور ظاء میں فرق ضروری نہیں تو اعتراض ثانی کا مقصود یہ ہونا چاہئے کہ جیم اور خاء دال اور سین میں بھی امتیاز ضروری نہیں ولا یقول به احد فثبت ماذکرنا۔

دوسرے آگے سوال میں خود غزالیؒ کا قول نقل کیا ہے فرق درمیان ضاد و ظاء بجا آوردہ قول سابق کے معارض ہے تیسرے محمول ہوسکتا ہے معذور پر چنانچہ رازی نے اول لکھا ہے۔ ان المشا بهة شديدة وان التمييز عسير۔ پھر اذا ثبت کہہ کر اس کو متفرع کیا ہے اور کیمیائے سعادت میں عبارت بالا کے بعد کہا ہے۔ واگر نتواند روا باشد۔ آگے نشر اور جہد المقل وغیرہما کی عبارت ہے ان سے یہی عسر تمیز معلوم ہوتا ہے نہ کہ عدم تمیز بلکہ جزریہ میں تو امر بالتمیز کی تصریح ہے آگے دال پڑھنے کی وجہ پوچھی ہے سو ہم خود اس صورت کو صحیح نہیں کہتے ہیں اس لئے ہم کو مضر نہیں آگے غیر مقلدین کے پڑھنے کی نسبت لکھا ہے اگر مقصود ان کے پڑھنے کی تصحیح ہے تب تو جہاں تک دیکھا سنا ہے یہ لوگ اول صورت پڑھتے ہیں یعنی ظاء خالص کے مخرج سے پڑھتے ہیں جس کا غلط ہونا اوپر گزر چکا ہے اور نیز اس کا غلط ہونا قاضی خان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں غیر المغضوب میں ظاء پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ لکھا ہے اور نیز رسالہ محو الفساد ص ۴۴ میں امام ابو عمر ودانی سے نقل کیا ہے۔

وقد كان بعض الفقهاء من أصحابنا لا يقرء الصلوٰة خلف من لم يميز الضاد من الظاء و ذلک كذلک لا نقلاب المعنى وفساد المراد۔ بلکہ اکثر بجائے مخرج ظاء کے مخرج زا سے پڑھتے ہیں بلکہ خود ظاء کو بھی مخرج زا سے پڑھتے ہیں جس کا غلط ہونا اور زیادہ ظاہر ہے اور اگر مقصود ترجیح دینا ہے سو صورت چہارم پر ترجیح مسلم (۲) ہے اور پنجم و ششم پر غیر مسلم کیونکہ ان دونوں میں مخرج تو صحیح ہے اور ظاء خالصہ میں تو مخرج ہی باقی نہیں رہا۔

---

(۱) یہاں پر، ذکرنا تک تصحیح الاغلاط ص ۲۰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔

(۲) یہ تسلیم بالنظر الی الذات ہے ورنہ اگر عارض خارجی یعنی تشبہ بالروافض وغیرہ پر بھی نظر کی جاوے گی تو پھر صورت چہارم ہی راجح ہے کما بینا من قبل ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۲۱۔

اور ظاہر ہے کہ حقیقت حرف میں مخرج کو بہت زیادہ دخل ہے۔ آگے درمختار و عالمگیری و قاضی خان کی عبارتیں ہیں ان میں دو حکم ہیں اول عسر تمیز سو یہ مسلم ہے مگر نفی تمیز کو مستلزم نہیں دوسرا حکم فرق درمیان حروف عسیر التمیز و حروف یسیر التمیز کے صحت و عدم صحت صلوٰۃ میں سو اول تو بعض جزئیات اس کے معارض میں چنانچہ مغضوب علیہم میں ظآء کا مفسد صلوٰۃ ہونا قاضی خان سے گزر چکا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف عسیر التمیز میں بھی تبدیلی مفسد ہے اور نیز قاضی خان میں ہے **ولو قرء یعوذون برجال یعودون بالدال لا تفسد صلوته** اور تھوڑی دور بعد ہی **ولو قرء وما هو علی الغیب بذنین بالذال لاتفسد صلوته** جب ضؔ اور ذال بضنین میں عدم فساد میں مساوی ہوئے اور دال اور ذال یعوذون میں عدم فساد میں مساوی ہوئے اور مساوی کا مساوی مساوی ہے پس دال اور ضادؔ مساوی ہو گئے پس یہاں حروف یسیر التمیز میں بھی تبدیلی مفسد نہ ہوئی اور قطع نظر قیاس مساوات سے بلا واسطہ بھی یعوذون میں دال اور ذال کی تبدیلی کو مفسد نہ کہنا مستلزم ہے اس حکم کو کہ حرف یسیر التمیز کی تبدیلی بھی مفسد نہیں ہوتی کیونکہ دآل اور ذآل میں تمیز بہت آسان ہے پس یہ جزئیات اس قاعدہ کے سراسر خلاف ہوئیں۔ دوسرے بعض فقہاء نے حروف یسیر التمیز میں بلویٰ عامہ کی وجہ سے فتویٰ جواز کا دیا ہے چنانچہ شامی نے زلۃ القاری میں تصریح کی ہے پس تبدیل ضؔ بالدال میں بھی حکم فساد کا متیقن نہیں ہوسکتا اس کے بعد شیخ احمد دحلان کا قول ہی لم تصح الخ یہ بناء علی بعض الاقوال ہے جس کا التزام لازم نہیں۔ آگے محمد بن سلمہ کا قول ہے اس کا مضر نہ ہونا ظاہر ہے۔ آگے علمائے دہلی ولکھنو کے اقوال ہیں سو صورت سوم کو کچھ مضر نہیں جس کی صحت کا التزام کیا گیا ہے۔ رہا قصہ استہجان کا اس پر یہ شبہ تو نہایت ضعیف ہے کہ تصریحات کے سامنے پیش کرنے کے قابل نہیں اگر اس کی دلالت مقصود پر تسلیم کر لی جاوے تو اس شبہ کا جواب بہت صاف ظاہر ہے کہ یہ احکام ماخوذ ہیں ائمہ عربیت سے اور قراء ان احکام میں خود ان ائمہ کے تابع ہیں اور شافیہ و جار بردی وغیرہما میں اقوال ائمہء عربیت کے جمع کئے گئے ہیں اس لئے اس کو سب پر ترجیح ہوگی اور دوسروں کے اقوال کو اس کی طرف راجع کریں گے۔ اسی طرح یہ عذر کہ جب مخرج وصفات کا لحاظ نہ ہو تب مستہجن ہے یہ بھی نہایت بارد ہے کیونکہ اس وقت تو یہ ماہیت ضؔ ہی سے خارج ہو جاوے گا نہ کہ ضؔ مستہجن رہی کیونکہ منجملہ مسلمات ہے۔ **ثبوت الشیئی للشیئی فرع ثبوت المثبت له** اور جب ثبت لہ یعنی ضؔ ہی باقی نہ رہا تو اس کے لئے استہجان کیسے ثابت ہوگا اور آخر کا رعذر مبنی ہے عذر اول پر چنانچہ تصریحاً کہا گیا ہے کہ ضؔ مستہجنہ بھی ضؔ ہے الخ سو مبنیٰ کا انہدام ابھی ہو چکا ہے اور اگر تقریر کو اس

طرح بدلا جاوے جس طرح بعضوں نے کہا ہے کہ ظاء کو اس لئے ترجیح ہے کہ وہ کوئی حرف تو ہے اور دالِ مفخم تو کوئی حرف ہی نہیں ہے یہ البتہ کسی قدر معقول امر ہے لیکن اس کا معارضہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ دالِ مفخمہ گو کوئی حرف نہیں مگر دوسرے حروف ظاء وغیرہ سے ممتاز تو ہوا اور اس لازم میں ضٓ کا شریک ہے اور ظاء وغیرہ میں تو امتیاز بھی نہیں اور امتیاز خود فی نفسہ مطلوب ہے اس لئے اس کو ظاء پر ترجیح ہوگی تو اس معارضہ کا جواب مرجح اول کے ذمہ رہے گا اور اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ ہم اس کی ترجیح کے قائل ہیں صرف دلیل کا حال دکھلانا مقصود ہے ورنہ ہمارا مسلک تو صورت سوم ہے جیسا اوپر بیان ہوا پس دلیل استحجان پر ان شبہات میں سے کوئی شبہ واقع نہ ہوسکا البتہ خود مجھ کو یہ شبہ ہے کہ شاید بین بین باعتبار مخرج کے ہو یعنی اگر حافۂ لسان واضراس سے استطالت کے ساتھ ادا ہو تو ضٓ فصیح ہے اور اگر طرف لسان وثنایا سے ادا ہو تو ظاد ہے اور اگر حافہ واضراس سے بلا استطالت ادا ہو تو ضاد مستہجن ہے کیونکہ اس صورت میں یہ مخرج بین مخرج الضاد و الفصیحۃ و بین مخرج الظاء ہوگا تو یہ بین بین مخرج میں ہوا نہ صوت میں اس لئے مدعاء پر دال نہیں اس شبہ کا جواب میں نے بہت سوچا مگر نہ کوئی کتاب پاس ہے نہ کوئی ماہر فن قریب ہے اور میں خود ماہر نہیں اس لئے اس شبہ کو ماہرین کے حوالہ کرتا ہوں۔ بہر حال اب تک جس قدر نظر و فکر نے کام دیا اس سے صورت ثالثہ کو ترجیح معلوم ہوتی ہے اور عوام کو دال کے مخرج سے پڑھنا اور غیر مقلدین وغیرہم کا ظاء کے مخرج سے پڑھنا محض غلط ثابت ہوتا ہے۔ رہا جواز وفساد صلوٰۃ کا سو ہر چند کہ اس میں روایات فقہیہ سخت متخالف و متعارض ہیں مگر ظاہراً ان سب کی نماز ہو جاتی ہے کیونکہ قصد سب کا ضٓ ہی ادا کرنے کا ہے صرف غلطی طریق ادا کے سمجھنے میں ہے متاخرین فقہاء کے قول سے اسی طرح کی وسعت معلوم ہوتی ہے خلاصہ یہ کہ اپنی قدرت کے موافق مشق تو کرے تیسری صورت کی باقی نماز غیر مشاق کی تو ہر طرح ہو جاتی ہے اور مشاق کی زبان سے بھی اگر بلا قصد غلط نکل گیا اس کی بھی نماز ہو جاتی ہے البتہ اگر مشاق ہو کر اس قصد سے پڑھے کہ میں ظاء پڑھتا ہوں یا دال پڑھتا ہوں اس کی نماز بلا شبہ فاسد ہے۔

في الشامية عن الخزانة الأكمل قال القاضي ابوعاصم ان تعمد ذلك تفسد وإن جرى على لسانه اولا يعرف التمييز لا تفسد وهو المختار حلية وفي البزازية وهوأ عدل الا قاويل وهو المختار اه۔ والله اعلم وعلمه أتم واحكم۔

۱۴؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۲۶ ج ۱)

الفتویٰ المتعلقة بالضاد فيه كلام في مواضع

سوال (۲۳۵) الاول قولہ فی الجواب عن السوال الاول ضاد معجمہ را باامتیاز مخرج خود مائل بصوت ظاء معجمہ تلفظ باید کرد قلت اگر مراد این ست کہ امتیاز درمیان ایں ہر دو محض باعتبار مخرج است و در صوت اصلا تمائز نیست فلا دلیل علیہ والحکم بالتشابہ فی کتب القرأۃ لا یستلزم الحکم بالتشابہ التام بل یمکن تحققہ فی ضمن التشابہ الغیر التام واگر مراد ایں ست کہ در صوت ہم امتیازمی بآید کرد پس عبارت برائے ایں مقصود کافی نیست (۱) بالخصوص باعتبار بعضے عوام کہ شیفتہ ظاء خالصہ خواندن ہستند ایشاں ایں عبارت را برموافق ہوائے خود محمول خواہند داشت الثانی قولہ فی الجواب عن السوال الثانی باعث عدم تعسر امتیاز درمیان ہر دو یعنی ضاد و دال بالاتفاق مفسد صلوٰۃ خواہد شد الخ۔

اقول في ردالمحتار مانصه وفي التاتارخانية عن الحاوي حكى عن الصفار انه كان يقول الخطاء اذا دخل في الحروف لايفسد لان فيه بلوى عامة الناس لانهم لا يقميون الحروف الا بمشقة اه و فيها اذالم يكن بين الحرفين اتحاد المخرج ولا قربه الا ان فيه بلوى العامة كالذال مكان الضاد اوالزاى المحض مكان الذال والظاء مكان الضاد لاتفسد عند بعض المشائخ اه قلت فينبغي على هذا عدم الفساد في إبدال الثاء سينا والقاف همزة كما هو لغة عوام زماننا فانهم لا يميزون بينهما ويصعب عليهم جدا كالذال مع الزاء ولا سيما على قول القاضي ابى عاصم وقول الصفار۔

پس در حکایت اتفاق کلام است و شک نیست کہ بعضے عوام چنانچہ در ابدال ضاد معجمہ بظاء خالصہ مبتلا ہستند ہمچنیں بعضے بلکہ اکثر در ابدالش بدال گرفتار اندلیس عموم بلوی در ہر دو جا مشترک است وحسب روایت ردالمحتار ہر دو در عدم فساد متساوی اند واز آنچہ از قاضی خان وغیرہ فساد در ابدال بدال نقل کردہ شدہ است خود قاضی خان در مغضوب عليهم والعاديات ضبحاً ابدال ضاد بظاء را مفسد گفتہ فكان الابدالان متساويين الثالث قوله في الجواب عن السوال الثالث بلا قصد واختيار عین ظاء برزبان جاری شود یا فرق نمی شناسد الخ

(۱) فی نفسہ عبارت کافی است زیرا کہ مفتی مائل بصوت ظاء گفتہ نہ کہ بصوت ظاء نعم بمظنہ غلط فہمی عوام است کہ ایں چنیں باریکیہا را نمی فہمند یا براہ تعصب ازاں غض بصری نمایند بنا بریں تخصیص ایں ضروری می بود کہ بصوت ظاء تلفظ نمی باید کرد ۱۲ تصحیح الاغلاط۔

الخ۔ اقول ایں صحیح است لیکن اکتفاء برذکر شق واحد عوام راباین وجہ مضراست کہ اہل ظاء قصداً واختیاراً ظاء میخوانند ایشاں از قید عدم قصد واختیار قطع نظر کردہ برظاء خالصہ خواندن تمسک خواہند کرد آری اگر شق ثانی ہم تصریحاً مذکور بودے کہ درحالت قصد چنانکہ عوام زمان می کنند جائز نیست پس احتمال ایں اضرار نماندی باز فرق نشناختن مشترک است میان دال وظاء از ضاد پس صحت صلوٰۃ حکم مشترک می باید بود وممکن است کہ منشاء ایں ہمہ کلام عدم مہارت احقر درتجوید باشد لیکن برائے دستخط نہ کردن عذری کافی ست۔ قال الله تعالى ولا تقف ماليس لك به علم و قال صلى ﷺ لا تشهد حتى ترى مثل الشمس ۔ فقط والله اعلم وعلمه اتم۔

۷رجب ۱۳۲۲ھ (امدادص ۱۳۹ ج۱)

سوال (۲۳۶) چہ می فرمایند علمائے دین وشرع متین دریں مسئلہ بروز عید الفطر نماز بوجہ نزاع لفظ ض بمشابہ دوض بمشابہ ظ در دومقام علیحدہ علیحدہ نماز شدہ اعنی دوجماعت اول ض بمشابہ د علیحدہ جماعت دوم ض بمشابہ ظ علیحدہ مابین فریقین نقیض است کہ نماز شما درست نشدہ یکے بادیگری متنازع اند۔ اجیبوا وبینوا۔ والله تعالیٰ اعلم۔

الجواب۔ في قاضي خان وان كان لايمكن الفصل بين الحرفين الا بمشقة كالظاء مع الضاد الخ وفيه لوقرء غير المغظوب بالظاء او بالذال تفسد صلوته ولو قرء الظالين بالظاء او بالذال لاتفسد صلوته ولو قرء الدالين بالدال تفسد صلوته۔

ازروایت اولی معلوم شد کہ ضاد اشبہ است بظاء از دال۔ وازروایت ثانیہ مفہوم گشت کہ قصداً ظاء خواندن وہمچناں دال خواندن جائز نیست۔ پس واجب است کہ قصد تصحیحش کردہ شود وباوجود قصد صحیح خواندن غلطی عفوست لعموم البلوی۔ پس مفسدہ نزاع ازیں مفسدہ افتح واشنع است چنیں امور راموجب تفریق بین المسلمین نمودن وبال عظیم است۔ (۱) اما امام رابا ید کہ از خواندن ظاء احتراز نماید کہ درآں علاوہ غلطی کہ مشترک است میان دال خواندن ہردوتشبہ باہل اہواء مثل روافض خذلہم الله وغیر مقلدین واتباع ہوائے ایشاں وترویج بدعت ایشاں ست والله تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ ۹رشوال ۱۳۲۳ھ (امدادص ۱۴۰ ج۱)

سوال (۲۳۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ جوشخص حرف ض معجمہ کو اس کے مخرج

---

(۱) یہاں پرعبارت میں تصحیح الاغلاط ص ۲۱ سے ترمیم کی گئی ہے ۱۲منہ۔

سے ادا کرنے پر قادر نہ ہو وہ شخص حرف مذکور کو بصوت ظائی منقوطہ کہ دونوں حرف مفخم اور مشتبہ الصوت ہیں جیسا کہ کتب قرأۃ وتفسیر وفقہ مثل جزری وفتح العزیز واتقان وفتاویٰ قاضی خان و فتح القدیر وغیرہ میں مصرح ہے اور صفات میں بھی مانند رخوہ واستعلاء واطباق وغیر آں متحد کما بحث عنہ فی موضعہ پڑھے یا بصورت دال مہملہ کو جو مرقق وغیر مشتبہ الصوت وبعض صفات متضادہ ضادمعجمہ مثل شدت وانخفاض وانفتاح کے ساتھ متصف ادا کرے جیسا کہ فی زماننا اکثر اشخاص پڑھتے ہیں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ یہ تو ظاہر ہے کہ تغایر مخارج تغایر حروف خارجہ پر دلالت کرتا ہے اور تغایر مخارج ضاد ودال وذال وظاء مجمع علیہ اور مصرح بہ ہے کما لا یخفیٰ۔ پس یہ دلیل ہے اس پر کہ ذات ضاد اور ہے اور ذات ظاء ودال اور۔ جب تغایر ذاتی ثابت ہوگیا تو اب ضاد کو ظاء یا دال پڑھنا ایسا ہے جیسا با کو تا، ثا کو جیم حا کو خا، وہذا باطل بالاجماع فکذاذلک۔ اور اتحاد صفات سے اتحاد موصوف لازم نہیں جیسا جیم اور دال کو صفات جہر وشدت وانفتاح وانخفاض واصمات وقلقلہ میں متحد ہیں باوجود اتحاد اوصاف مذکورہ کے پھر ان دونوں میں زمین آسمان کا تفاوت ہے وعلیٰ ہذاالقیاس اور علاوہ ازیں یہ کہ جیسا ضاد وظاء میں تشابہ تام ہے اور صرف تغائر فی المخرج واستطالت فارق ہے۔ اسی طرح ضاد ودال میں تقارب بلیغ ہے کہ محض (۱) تغایر فی المخرج واطباق فاصل ہے۔ کما صرح به في المفتاح الرحماني في علم القراءة لولاالاطباق فيها لكان الضاد سينا والطاء تاءً والظاء ذالاً والضاد دالاً انتهى۔ اس سے ثابت ہوا کہ ظا کو ذال کے ساتھ اور ضاد کو دال کے ساتھ قرب تام ہے کہ فقط اطباق ممیّز ہے بلکہ باعتبار مخرج کے ضاد کو دال کے ساتھ زیادہ قرب ہے بہ نسبت ظاء کے جیسا شافیہ میں ہے۔

والضاد المعجمة اول حافة اللسان وما يليها من الأضراس واللام مادون طرف اللسان الى منتهاه وما فوقه والراء منهما مايليها والنون منهما ما يليها والطاء والدال المهملتين والتاء المثناة طرف اللسان وأصول الثنايا العليا والصاد والزاء والسين طرف اللسان والثنايا السفلى والظاء والذال والثاء طرف اللسان و طرف الثنايا العليا إلى ان قال كل مخرج قدم ذكره فهو أقرب الى الصدر مما بعده وكذا كل حرف سبق ذكره فهو أقرب اليه مما بعده انتهى۔

پس جس وقت ضاد کے بعد دال کا ذکر کیا اور دونوں کے درمیان چار حرف یعنی لام راء

---

(۱) حصر اضافی ہے پس اس سے نفی استطالت کی نہ سمجھی جاوے۔ ۱۲ منہ۔

نون طاء مذکور ہیں۔ اور ظاء کا سب کے بعد ذکر کیا اور درمیان اس کے اور ضاد کے تو حرف یعنی لام، را، نون، ظاء، دال۔ تا۔ ضاد۔ زا۔ سین مذکور ہیں معلوم ہوا کہ ضاد و دال (۱) میں زیادہ قرب ہے بہ نسبت ضاد و ظاء کے پس متحقق ہوا کہ جیسا ضاد کو ظاء کے ساتھ تشابہ ہے ویسا ہی یا زیادہ دال کے ساتھ ہے اور جیسا دال کے ساتھ تغایر ذاتی ہے ویسا ہی ظاء کے ساتھ پس ضاد کو ظاء ودال دونوں کے ساتھ اقل درجہ برابر نسبت ہوئی اور دونوں جواز و عدم جواز میں متساوی (۲) الاقدام ہیں اگر ضاد کو ظاء پڑھنا جائز تو دال بھی پڑھنا جائز اور اگر دال پڑھنا جائز نہیں تو ظاء پڑھنا بھی جائز نہیں اور اول یعنی ضاد کو بصوت دال وظاء پڑھنا بالا جماع باطل ہے پس ثانی متعین ہوگیا کہ کسی کی صوت میں پڑھنا جائز نہیں و نیز بتصریح ائمہ قرأت یہ ضاد محض مشابہت (۳) ظاء سے حروف مستہجنہ میں سے ہو جاتا ہے۔

فی الشافیة والضاد الضعیفة فمستهجنة انتهی وفی النظامیة شرح الشافیة والضاد الضعیفة ای التی تکون بین الضاد والظاء و قال فی الکفایة شرح الشافیة والضاد والضعیفة بین الضاد والظاء انتهی۔ اور حروف مستہجنہ کا قرآن شریف میں پڑھنا جائز نہیں۔ کما فی رسالة تبعید الضاد عن صوت الظاء کانت تلك الضاد ضعیفة مستهجنة محرمة فی القراء ة والتلاوة انتهی۔ پس ہرگاہ بوجہ استہجان کے مشابہ ظاء کے پڑھنا جائز نہیں تو بعینہ ظاء پڑھنا کیونکر جائز ہوگا بلکہ اگر عمداً پڑھے گا تو اس کی نماز کی صحت وفساد میں اختلاف ہے اور مفتیٰ بہ فساد صلوٰۃ ہے۔ قال فی الخانیة والخلاصة الأصل فیما اذ اذکر حر فامکان حرف وغیر المعنی ان امکن الفصل بینهما بلا مشقة تفسد والا یمکن الا بمشقة کالظاء مع الضاد المعجمتین والضاد مع السین المهملتین والطاء مع التاء قال أکثرهم لا تفسد وفی خزانة الاکمل قال القاضی ابوعاصم ان تعمد ذلك تفسد وان جری علی لسانه اولا یعرف التمییز لا تفسد وهوالمختار حلیة و فی البزازیة وهو أعدل الا قاویل وهو المختار انتهی۔

پس تحقیق مذکور سے واضح ہوگیا کہ ضاد کو دال یا ظاء پڑھنا ناجائز وتحریف صریح ہے۔ وقدوردفیه ما ورد قال الله تعالی یحرفون الکلم عن مواضعه الآیة۔ بلکہ حتی الوسع اس

(۱) یعنی باعتبار اداء تعمداً کے ۱۲ منہ۔

(۲) یعنی باعتبار قربیت مخرج کے نہ کہ صفات وصوت کے ۱۲ منہ۔

(۳) یعنی مشابہت مع تبدیل مخرج سے ورنہ مخرج سے ادا ہونے سے مشابہت صوت لازم ہے ۱۲ منہ۔

کے مخرج سے نکالنے کا قصد کرے خواہ نکلے صحیح یا نہ نکلے صحیح نکلے یا غلط طاء نکلے یا دال مہملہ یا غیران دونوں کا شرعاً وہ معذور اور مصیب ہوگا لقوله تعالى لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفساً اِلَّا وُسْعَهَا الآية۔ بلکہ باوجود تکلف اور مشقت کے اگر ادا نہ ہوگا تب بھی دو اجر ملیں گے اجر مشقت و اجر قراءت عن عائشه رضى الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة والذى يقرأ القرآن و يتتعتع فيه وهو عليه شاق له اجران متفق عليه ۔لیکن اس کے سیکھنے میں کوشش کرنا ہمیشہ واجب ہے ۔ لقوله تعالىٰ وَرَتِّلِ القرآن تَرْتِيلا۔ در تفسیر حسینی تحت ایں آیت آوردہ واز مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ نقل کردہ اند کہ مراد بترتیل حفظ وقوف ست وادائے حروف انتہیٰ ۔ اور رتّل وجوب کے لئے ہے ۔اس کی تعمیل میں سعی کرنا واجب ہے اور اگر جہد وطلب میں کوتاہی کرے گا گنہ گار ہوگا۔

لمامر من الأمر المذكور ولما فى الدرالمختار فى بحث عدم جواز اقتداء غير الالثغ بالألثغ هكذا وحرر الحلبى وابن الشحنة انه بعد بذل جهده دائما حتما كالامي وفي الشامي قوله دائما اى فى اٰناء الليل وأطراف النهار فما دام فى التصحيح والتعلم ولم يقدر عليه فصلا ته جائزة وان ترك جهده فصلا ته فاسدة كما في المحيط وغيره قوله حتما اى بدلا حتما فهو مفروض عليه انتهى۔ یہ حکم تھا الثغ کا جو قادر نہ ہو تکلم سین وراء پر اور یہی حکم ہے اس شخص کا جو کسی خاص حرف مثل ضاد وغیرہ کے تلفظ پر قادر نہ ہو۔ لما فى الدرالمختار وكذا من لايقدر على التلفظ بحرف من الحروف اھ۔وفى الكلام سعة لايتحمله المقام ۔ والله الهادى الى الصواب وهو المنعام۔فقط ۔ ۲۶؍رجب روز یکشنبہ ۱۳۰۳ھ (امداد ص ۱۴۲ ج ۱)

سوال (۲۳۸) تجوید کی رو سے حرف ضاد کا مخرج حافتی اللسان اور دونوں ڈاڑھوں میں سے ہے اگر ضاد اصل مخرج سے نکالا جاتا ہے تو ضاد بصوت ظاء ادا کیا جاتا ہے اور مخرج مروجہ سے یعنی اگلے دانتوں کے مسوڑھے سے یعنی دال کے مخرج سے حسب معمول نکالا جاتا ہے تو ضاد بصوت دال مفخمه ادا ہوتا ہے کتب فقہاء سلف سے تو ضاد بصورت ظاء ثابت ہوتا ہے اور رواج بصوت دال ہے چونکہ اس کا مخرج درحقیقت دشوار ہے اور تجوید کی رو سے ضاد اور ظاء معجمہ صفات میں یکساں ہیں صرف طول اور قصر کا فرق ہے اور دال سے بہت تفاوت ہے ۔لہذا اب التجاء یہ ہے کہ ہم ناواقفوں کو کیا کرنا چاہئے ضاد بصوت ظاء جائز ہوگا یا ضاد بصوت دال مفخمه جائز ہوگا۔ چونکہ اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے علماء موجود ہیں پھر ہم کو

پریشانی اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک کتابوں سے تحقیق کیا ہے وہاں تک ضاد بصوت ظاء معلوم ہوا ہے۔ اب آنجناب اس کی تحقیق سے مطلع فرما کر معزز فرما دیں۔

الجواب۔ اس میں جو دو عادتیں ہوگئی ہیں ایک مخرج دال سے نکالنا دوسرے مخرج ظاء سے نکالنا دونوں غلط ہیں مخرج صحیح سے نکالنا چاہئے اس سے صوت مشابہ ظ کی پیدا ہوگی نہ عین ظ کی مشاق کے ادا کرنے میں ذال اور ض اور ظاء میں فرق متمیز ہوتا ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

۲۵ رجمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۴)

سوال (۲۳۹) حرف ضاد معجمہ زید مشابہ دال یا ظاء کے پڑھتا ہے اور اگر سیکھے تو صحیح سیکھ سکتا ہے مگر سیکھتا نہیں جیسے غیر مقلد ظاء پڑھتے ہیں اور پنجابی دیہاتی دال موٹا کر کے پڑھتے ہیں اور اگر سیکھیں تو صحیح سیکھ سکتے ہیں۔ جو ضاد کو ادا کر سکتا ہے وہ یوں نہیں کہتا ہے کہ ان کی نماز نہیں ہوتی اور نہ ان کے پیچھے پڑھنی درست ہے۔؟

الجواب۔ اس حرف کو جو غلط بظن صواب وبقصد صواب پڑھیں جیسا ابتلائے عام ہے چونکہ عموم بلویٰ موجبات تیسیر وتخفیف سے ہے اس لئے میرے نزدیک سب کی نماز درست ہو جاتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ صحیح سیکھنے کی کوشش نہ کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۶ رذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۴)

سوال (۲۴۰) ایک سوال آیا تھا جس کا حاصل یہ تھا کہ دالین پڑھنا یا ظالین ہر ایک کو ایک ایک فرقہ مفسد صلوٰۃ کہتا ہے۔ یہاں سے یہ جواب دیا گیا۔؟

الجواب۔ ضاد کی جگہ دال پڑھنا بھی غلط۔ ظاء پڑھنا بھی غلط۔ قصداً غلط پڑھنا گناہ ہے گو بوجہ عموم بلویٰ کے نماز دونوں کی فاسد نہیں ہوتی کسی ماہر تجوید سے مشق کر کے صحیح پڑھنے کی کوشش کرے اس پر بھی اگر غلط نکل جاوے تو معذوری ہے۔ ۱۰ رصفر ۱۳۳۹ھ (تتمۂ خامسہ ص ۱۷۵)

سوال (۲۴۱) **بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمدللہ الذی خلق صوت کل حرف من الحروف متخالفاً و متغایراً وان کان اشتراک بعضها مع البعض فی الصفات ظاهراً۔ والصلوٰة والسلام علی من لا ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحیٰ وعلی صحبه الذین من تابعهم فقد اهتدی و من خالفهم فضلّ وغوی۔ اما بعد فاقول۔**

اولاً ۔آنکہ باوجود اختلاف مخارج حروف مع اشتراک بعضی از صفات اتحاد صوت

یا تشابہ آں بیک دیگر لازم می آید یا نہ چنانچہ مخرج دال وجیم کہ مختلف است وبچند صفات مثلاً در جہر وشدۃ وانفتاح وانخفاض واصمات و جرس وقلقلہ مشترک اند۔ وہمچنیں کاف وتائی فوقانیہ مع تخالف مخارج درصفت ہمس وشدت وانفتاح وانخفاض واصمات وجرس وسکونت مشترک الصفات ۔پس آیا صوت دال وجیم وہکذا صوت کاف وتائی فوقانیہ متحد ویکساں است یا مختلف ودگرگوں۔

ثانیاً ۔آنکہ آنچہ اہل تجوید وارباب قرأت فیما بین مخرج ضاد وظاء تخالف وتفارق بیان فرمودہ اند صحیح ودرست است یانہ۔

ثالثاً ۔آنکہ حروف مفردۂ تہجی کہ کلام عرب از انہا ترکیب یافتہ است بحسب انحصار قراء عرب در بست ونہ حروف منحصر اند یانہ۔

رابعاً ۔آنکہ اگر حرفے از انحصار قراء عرب زائد است چہ نام دارد ومخرجش کدام است۔

خامساً ۔آنکہ باوجود تخالف مخارج وتغائر اصوات حروف اگر کسے عمداً در نماز یک حرف را بصوت دیگر حرف ادا می کند مثلاً و لاالضالین بظاء معجمہ میخواند پس آیا نمازش صحیح ودرست است یانہ واگر نمازش صحیح است پس آنچہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی در رسالہ الدلیل المحکم درصفحہ ۲۱ ارقام فرمودہ است کہ (جناب من جیسے کہ بے کی جگہ تے اور دال کہ جگہ ذال اورحا کے بدلے خا اورشین کے عوض سین اورعین کے مقام غین اورلام کے مکان میم نہ کوئی پڑھتا ہے اورنہ کوئی جائز سمجھتا ہے۔ایسے ہی ضاد کو چھوڑ کر ظاء پڑھنا بھی خلاف عقل ونقل ہے یہ بات عقل ونقل کی روسے منجملہ تحریف ہے جس کی برائی خود کلام اللہ میں موجود ہے پھر معلوم نہیں آج کل کے عالم کس وجہ سے ایسی نامعقول بات تسلیم کرلیتے ہیں مگر شاید عوام فتووں کی مہروں کو دیکھ کر بچل جاتے ہیں اور یہ کون جانے کہ کتابوں کا سمجھنا ہر کسی کو نہیں آتا انتہیٰ چہ معنی دارد وقاری ظاء بجائے ضاد عمداً مرتکب کبیرہ است یانہ۔ وایں چنیں تعلیم اوکہ بشاگردان خود مید ہد از روئے شریعت غراء باعث ثواب است یا عقاب۔بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ الکلی الاجمالی۔ اماعن الاول۔ اتحاد باطل است اجماعاً وتشابہ نہ لازم است نہ ممتنع بلکہ تابع دلیل است ودلیل تشابہ درضاد یا ظاء از ماہرین فن منقول است نہ درضاد یادال۔

وعن الثانی۔درصحت آں چہ شبہ است۔

وعن الثالث والرابع۔ بدرجہ احتمال ہم باطل است لیکن غرض ایں سوال بذہن نیامدہ تاہم ایں محذور درخواندن ضاد بصورت دال مفخم الزم است نہ درخواندنش بصورت ظاء

اگر چہ محذور دیگر مثلاً تحریف لازم باشد کما سیاتی۔

وعن الخامس۔ صحت وفساد صلوٰۃ تابع صحت وفساد معنی است لیکن معصیت در ہر صورت مشترک وایں حکم مخصوص نیست بتغیر ضاد بظاء معجمہ بلکہ عام است۔ تغیر ضاد بدال راہم وکلام مولاناؒ محمول است بر معصیت چنانچہ آں راں تحریف نامیدند وتعرض بہ فساد صلوٰۃ نہ فرمودند وہر تحریف ناشئی از شبہ مستلزم فساد صلوٰۃ نیست چنانچہ اگر کسے بجائے ذلك الكتب لاريب فيه بسبب شبہ هذا الكتب لاريب خواند نماز فاسد نشود وایں تغیر ضاد ناشئی ست از شبہ باقی تشخیص کبیرہ یا صغیرہ بودن وظیفہ مجتہد ست وظاہر ست کہ تعلیم معصیت نیز معصیت است لیکن ہمچنیں بلا دلیل معصیت را بر کسے چسپانیدن وفاعل تشابہ را فاعل اتحاد قرار دادن ہم معصیت است بہر حال ضاد حرف مستقل است نہ عین ظاء است نہ عین دال گو مشابہ الصوت است بظاء لیکن مفہوم مشابہت خود مستلزم است امتیاز راز یرکہ مشابہ بودن چیزے بذات خود معنی ندارد۔ مشابہت در متغائرین می باشد۔ پس امتیاز صوت را علماً یا عملاً رفع کردن غلو بین است۔ اما ایں امتیاز صوت از کتب مدرک نمی شود تعلق بسماع از ماہر دارد۔ من از قراء پانی پت کہ دراں فن از دیگراں امتیاز خاص دارند ایں حرف شنیدہ ام درادائے شاں صریح امتیاز محسوس میشود ہم از ظاء وہم از دال ہذا وجواب خامس تتمہ ہم دارد وآں اینکہ حکم بفساد صلوٰۃ برفتویٰ متاخرین عام نیست بلکہ مخصوص است بہ قادر برادائے صحیح اما غیر قادر پس نمازش وہمچنیں امامتش صحیح خواں را وغلط خواں را در ہر دو صورت صحیح است خواہ بصوت دال خواند خواہ بصوت ظاء کہ آں لغت او گشتہ باز درصورت غلط ادا نمودن آیا ترجیح دال مفخم راست کہ اگر چہ غلط است لاکن ممتاز است بخلاف ظاء کہ ممتاز ہم نیست یا ظاء معجمہ راست کہ اگر چہ ممتاز نیست لیکن حرف قرآن ست بخلاف دال ایں کلام دیگر ست در ہر دو جانب جماعت است از اہل علم ولكل وجهة هو موليها۔

۱۳؍ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ (النور ص۹ جمادی الاولی ۱۳۵۳)

منع از غلو در قراءۃ سبعہ بوقت احتمال فتنۂ عوام

سوال (۲۴۲) بعض مقامات میں سبعہ قراءۃ کا چرچا حد سے تجاوز کر چلا ہے بعض حفاظ لڑکوں اور جاہلوں کو مختلف روایتیں یاد کرا کے پڑھاتے اور پڑھواتے ہیں اور اس کو صریحاً بغرض ریا پڑھتے پڑھاتے ہیں اور تراویح میں بھی ایسا ہوتا ہے جس سے سوا نمود کے کوئی نفع نہیں۔ کیا اس طرح پڑھنے پڑھانے میں اس زمانہ پر آشوب میں یہ خوف نہیں ہے کہ

جہال ومخالفین اسلام ان اختلافات کو سنکر مشوش ہوں گے اور خوف فتنہ نہیں ہے۔ چنانچہ بعض حفاظ نے تو یہ کہا ہے کہ ایک رکعت میں روایت حفص پڑھی دوسری رکعت میں روایت قالون کسی نے ٹوکا تو کہہ دیا کہ تم نہیں جانتے ایسی صورتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں کیا یہ فعل قابل روکنے کے نہیں ہے۔ براہ نوازش اگر قابل ممانعت ہے تو اس کا جواب ذرا تفصیل سے الامداد میں طبع ہو جاوے تو بہتر ہے میرا یہ خیال ہرگز نہیں کہ اس کی تعلیم بند ہو بلکہ زور دیا جاوے کہ تجوید کا نام قراءت ہے اور عوام کو اسی کی ضرورت ہے اگر کوئی لکھا پڑھا آدمی حرف بھی اس کا اچھا ہو تو اس کو سبع پڑھائی جاوے۔ سفہاء اور تنگ خیال لوگوں کو فقط تجوید پڑھائی جاوے اور قرأت جاننے والوں کو چاہئے کہ ہر کس و ناکس کو سوائے روایت حفص اور تجوید کے کچھ نہ پڑھایا کریں۔؟

الجواب۔قال الله تعالى ۔ ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم ۔ فی تفسیر بیان القرآن۔ اس سے قاعدۂ شرعیہ ثابت ہوا کہ مباح بلکہ مستحب بھی جب حرام کا سبب بن جائے وہ حرام ہو جاتا ہے الخ۔ (وهذا المبحث كله صالح لان يلاحظ فيه ۱۲) وروى البخارى عن على رضى الله تعالىٰ عنه قال حدثوا الناس بما يعرفون اتحبون ان يكذب الله ورسوله ۔ فی حقیقۃ الطریقۃ بعضے بیباک عوام کے سامنے بے تکلف دقائق بیان کر بیٹھتے ہیں بعض عوام ان کی تکذیب کرتے ہیں اور بعض قواعد مشہورہ شرعیہ کے منکر ہو جاتے ہیں سو ہر حال میں اور اللہ و رسول کی تکذیب کا تحقق ہوا۔ والثانی اشد من الاول۔ اس حدیث میں اس عادت کی ممانعت ہے ۔ وروى مسلم عن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه انه قال ماانت بمحدث قوما لا يبلغه عقولهم الاكان لبعضهم فتنة ۔ فی حقیقة الطریقة۔ اس حدیث سے بھی وہی مضمون ثابت ہوتا ہے جو اس کے قبل کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے ۔(ص ۸۲) و فی ردالمختار تحت مسئلة كراهة تعيين السورة فى الصلوة من الدرالمختار مانصه حاصل كلام هذين الشيخين بيان وجه الكراهة فى المداومة وهوانه ان إن رأى ذلك حتما يكره من حيث تغيير المشروع والا يكره من حيث ايهام الجاهل ج ۱ ص ۵٦۸

آیت اور حدیث اور فقہ سب سے یہ قاعدہ ثابت ہوا کہ جس عمل سے عوام و جہلاء میں مفسدہ و فتنہ اعتقادیہ یا عملیہ قالیہ یا حالیہ پیدا ہو اس کا ترک خواص پر واجب ہے باقی فتنہ کا حدوث یا عدم حدوث یہ مشاہدہ سے معلوم ہو سکتا ہے سوال میں بعض حالات میں جو فتنہ سبعہ پر مرتب ہوتا ہوا مذکور ہے وہ مشاہدہ ہے پس فتویٰ شرعی ہوگا کہ خاص ان احوال میں سبعہ کا استعمال ممنوع ہوگا اور

اگر اس کے ساتھ قاری کی نیت بھی اظہار علم ودعوائے کمال وریاء وتصنع وتفاخر ہو تو یہ فتنہ اس کے لئے مزید برآں ہے لہٰذا اس باب میں جو مشورہ سوال میں مذکور ہے۔ واجب الاتباع ہے۔
۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ (تتمۂ خامسہ ص ۱۴۱)

جواب شبہ برعبارت بیان القرآن دربارۂ نقل کردن قرأۃ ابن مسعودؓ وعلی الوارث ذی الرحم الخ بلاسند

سوال (۲۴۳) بیان القرآن کے منہیہ میں ابن مسعودؓ کی قرأۃ وعلی الوارث ذی الرحم بلاسند ذکر کیا ہے۔

الجواب۔ میں نے تفسیر مظہری سے لیا ہے۔ جس کو نقل کر کے مفسر لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنی اصل قاعدہ پر عمل کیا کہ ابن مسعودؓ کی قرأت سے کتاب کی تخصیص اور اس پر کچھ زیادتی جائز ہے اور ہدایہ میں بھی اس قرأت کو نقل کیا ہے۔ پس اگر شبہ احقر کی کتاب پر ہے تو اس کا جواب اس قدر کافی ہے کہ اس کا ماخذ فلاں فلاں کتاب ہے۔ اور اگر شبہ ان کتابوں پر ہے تو اس کی تصریح ہونا چاہئے تاکہ دوسرا جواب دیا جائے۔ ۹ جمادی الاخریٰ ۴۳ھ (ترجیح خامس ص ۱۴۹)

تحقیق اثبات واسقاط الف تثنیہ درذاقا وقالا الحمد وغیرہ

سوال (۲۴۴) (الف) (۱)۔ الف تثنیہ کا جیسے الف ذاقا الشجرۃ وقالا الحمد لله الذی کا اور واؤ جمع کا جیسے وقالوا الحمدلله وافعلوا الخیر کے درج کلام میں ساقط ہوتا ہے یا نہیں اور اس کو پڑھنا چاہئے یا نہیں۔

الجواب۔ اس باب میں کوئی معتبر سند میری نظر سے نہیں گزری البتہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ نے اپنے بعض رسائل میں موقع التباس میں الف تثنیہ کے کسی قدر اظہار کو لکھا ہے۔ مگر واؤ جمع میں نہیں لکھا مگر چونکہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی لہٰذا میرا معمول نہیں اور التباس تو بعض جگہ واؤ جمع میں بھی ہے جیسے قل ادعوا الله او ادعوا الرحمن حالانکہ وہاں کوئی قائل نہیں۔ اور رفع التباس کیلئے قرینہ سابقہ کافی ہے واللہ اعلم۔

۲۵ رجب المرجب ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۱۲ ج ۱)

---

(۱) سہو کاتب سے دو سوال نمبر ۲۴۲ و ۲۴۳ مع ان کے جواب کے کتابت سے رہ گئے تھے تصحیح کے وقت کتابت کرا کے ان کو داخل کیا گیا مگر سلسلہ نمبرات کا الف نمبر ۲۴۴ و ب نمبر ۲۴۵ کر کے لکھدیا ہے طبع ثانی میں درست کر دیا جائے گا۔ ۱۲

سوال (۲۴۵)(ب) پارہ انیس (۱۹) میں جو رکوع ہے ولقد آتینا داؤد و سلیمان علماً وقالا الحمد لله الذی عرض یہ ہے کہ لفظ قالا الحمد میں الف کھینچا جاویگا یا نہیں قالا ل ہے یا قالل ہے اگر قالل ہے تو صیغہ تثنیہ کا نہ رہے گا اور اگر قالا ل ہے تو اجتماع ساکنین ہوگیا یہاں حافظوں سے معلوم کیا تو اختلاف ہے کوئی قالا ل کہتا ہے اور اکثر قالل کہتے ہیں تو حضور اس کی تصحیح فرمادیں۔؟

الجواب۔ میں الف نہیں پڑھتا ہوں اور نہ آج تک الف پڑھنے کی کوئی دلیل ملی اور یہ شبہ عجیب ہے کہ تثنیہ نہ رہے گا کیا تثنیہ کا الف کسی عارض سے لفظاً ساقط نہیں ہوسکتا ورنہ لازم آتا ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل کے آخر میں قل ادعوا الله میں بھی واؤ ظاہر کرکے پڑھا کریں ورنہ جمع نہ رہیگا حالانکہ وہاں و پڑھنے کا کوئی بھی قائل نہیں اگر کسی کو شبہ التباس کا ہو تو خصوصیت مقام اس کا دافع ہے ورنہ قل ادعوا اللّٰه میں بھی التباس بمفرد کا اعتبار کرنا چاہئے اگر سماع عن القراء سے استدلال کیا جاوے تو اس کے خلاف بھی مسموع عن القراء ہے۔

۲۴ رجمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۳۸ ج ۱)

تحقیق اخفاء

سوال (۲۴۴) کیا یہ صحیح ہے کہ اخفاء میں نون ساکن یا تنوین کو اس طرح ادا کرے کہ کچھ نون ساکن یا تنوین نکلے اور کچھ وہ حرف نکلے جو نون ساکن یا تنوین کے بعد ہے۔ مثلاً رنگوں اور رنگت وغیرہ۔

الجواب۔ صحیح ہے کیونکہ حقیقت اخفاء کی بین الاظہار والادغام ہے اور اظہار میں نون خالص ہوتا ہے اور ادغام میں بالکل نہیں رہتا گو غنہ ہو سو یہ بین بین ہوگا۔ فقط

۲۵ ررجب ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۱۲ ج ۱)

تحقیق ادغام ظاء در اذ ظلموا

سوال (۲۴۵) وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا میں کیا ادغام ذال کا ظاء سے ہوگا۔ بعض قرآن میں ظاء پر تشدید ہے۔؟

الجواب۔ اِذْ ظَلَمُوْا میں بالاتفاق ادغام ہے کما فی غیث النفع المدغم اذ ظلموا للجمیع۔ اور چونکہ پہلا حرف ساکن ہے یہ اصطلاح میں ادغام صغیر کہلاتا ہے۔ یہ بھی غیث النفع کے مقدمہ میں ہے اور عبارت سابقہ کے بعد جو لکھا ہے جو رمز ہے ادغام کبیر کا یعنی

جہاں حرف اول متحرک ہو یہ مابعد کے مواقع کے لئے ہے۔ یہ تعریف اور اصطلاح بھی مقدمہ میں ہے۔ (النور ص ۸ محرم ۱۳۵۸ھ)

رفع شبہ بر بعض اوقات

سوال (۲۴۶) اذ یعدون فی السبت اذ ظرف ہے القریہ کا یعنی واسئلھم عن القریة التی کانت حاضرة البحر میں جو قریہ ہے اس میں مضاف محذوف ہے اذ یعدون ظرف ہے اس مضاف کا تو اذ کو قریہ سے فصل کرنا جائز ہوا یعنی بحر کو اذ سے ملا کر پڑھنا چاہئے۔ پھر بحر پر وقف کیا علماء نے بے تحقیق لکھدیا ہے یا کوئی وجہ ہے تو بیان کریں۔ یہ تو سورۂ اعراف میں ہوا اسی طرح سورۂ مومنون میں اعناب پر وقف لازم کہتے ہیں حالانکہ یہ وقف بھی قبیح ہے کیونکہ جنات مفعول ہے انشانا کا یقیناً اور وشجرة تخرج معطوف ہے جنات پر معطوف اور معطوف علیہ میں فصل کرنا خصوصاً جب مفردات ہوں جملے نہ ہوں ناجائز ہے تو انشانا سے لاٰ کلین تک وقف کرنا ناجائز ہوا تو اعناب پر بھی وقف ناجائز ہوا۔ ناجائز کو لازم کہنا معاذ اللہ سخت گناہ بلکہ اگر دیدۂ ودانستہ کہے تو کافر ہو جاوے۔ مثلاً لمس اجنبیہ ناجائز ہے اور اگر کوئی اس کو واجب کہے تو کافر ہو جائے گا باتفاق مسلمین۔؟

الجواب۔ اول چند مقدمات سمجھ لینے چاہئیں۔

مقدمہ اول۔ رؤس آیات کے علاوہ کہ وہ مثل قراءت سبعہ کے توقیفی ہیں اور ان میں جو اختلاف ہے وہ بناء علی اختلاف الروایات ہے اور باقی جتنے اوقاف ہیں سب امور اجتہادیہ وذوقیہ ہیں اور ذوق لسانی سے ہر لغت میں یہ فصل ووصل مواقع مختلفہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اور ان میں اختلاف بناء علی اختلاف التفسیر والتاویل والاعراب ہے مثل اختلاف مسائل قیاسیہ حنفیہ وشافعیہ کے۔ اسی بناء پر اوقاف کے باب میں ائمہ قرأت کی اصطلاح جدا جدا ہیں۔ چنانچہ بعض کے نزدیک یہ انواع ہیں۔ تام۔ اتم۔ کافی۔ اکفی۔ حسن۔ احسن صالح۔ اصلح۔ قبیح۔ اقبح۔ اور امام سجاوندی کی یہ اصطلاحیں ہیں۔ مطلق۔ جائز۔ مجوز۔ مرخص۔ اور اس مطلق کی ایک قسم لازم ہے اور بعض کی یہ اصطلاحیں ہیں۔ تام شبیہہ بتام۔ ناقص۔ شبیہہ بناقص۔ حسن۔ شبیہہ بحسن۔ قبیح۔ شبیہہ۔ بقبیح۔ چنانچہ یہ سب اصطلاحیں منار الہدی میں موجود ہیں جن کے عنوانات ومعنونات ومواضع تعیین سب مختلف ہیں۔

مقدمہ دوم۔ وقف لازم میں لزوم بمعنی وجوب یا فرضیت نہیں ہے بلکہ بمعنی استحسان مؤکد ہے اور مدار اس لزوم کا ایہام پر ہے اگر وصل موہم ارادہ غیر مراد ہو وہاں وقف لازم سمجھا جاتا ہے۔

مقدمہ سوم۔ اسی طرح وقف قبیح میں قبح بمعنی لزوم کفر یا معصیت نہیں بلکہ بمعنی عدم استحسان ہے اور مدار اس قبح کا بھی ایہام پر ہے جہاں فصل موہم ارادہ غیر مراد ہوتا ہے وہاں وقف قبیح سمجھا جاتا ہے چنانچہ ہر دو مقدمہ کی دلیل منار الہدیٰ میں ہے۔

اذا علمت هذا عرفت بطلان قول من قال لا يحل لمن يؤمن بالله واليوم الآخران يقف على سبعة عشرمو ضعافان وقف عليها وابتدأ ما بعد ها فانه يكفر ولم يفصل والمعتمد ماقاله العلامة النكزاوى انه لا كراهة ان جمع بين القول والمقول لانه تمام قول اليهود والنصارى والواقف على ذلك كله غير معتقد لمعناه انما هو حكاية قول قائلها حكاها الله عنهم ووعيد ألحقه الله بالكفار والمدار فى ذلك كله على القصد وعدمه ومانسب لابن الجزرى من تكفير من وقف على تلك الوقوف ولم يفصل ففى ذلك نظر نعم ان صح عنه ذلك حمل على ما اذا وقف عليها معتقدامعناه فانه يكفر سواء وقف ام لاالى اٰخرما قال و اطال و فيه ايضا القبيح وهو ماشتد تعلقه بما قبله لفظا ومعنى ويكون بعضه أقبح من بعض نحو ان الله لا يستحى فويل للمصلين فانه يوهم غير ما اراده الله تعالى فانه يوهم و صفا لا يليق بالبارى سبحانه تعالى ويوهم ان الوعيد بالويل للفريقين وهو لطائفة مذكورين بعده الى آخر ماقال وأطال وفى الجزرية وليس فى القرآن من وقف واجب ولا حرام غير ماله سبب وقال الملا على قارى فى شرح البيت و حاصل معنى البيت بكماله إنّه ليس فى القرآن وقف واجب يا ثم القارى بتركه ولا وقف حرام يا ثم بوقفه لانهما لايدلان على معنى فيختل بذها بهما الا ان يكون لذلك سبب يستدعى تحريمه وموجب يقتضى تحريمه وكان يقصد على مامن اله وانى كفرت ونحوهما كما سبق من غير ضرورة اذلا يقصد ذلك مسلم واقف على معناه واذا لم يقصد لايحرم عليه لا الوصل ولا الوقف فى مبناه ۔اور بناء علی المقدمۃ الاولیٰ ممکن ہے کہ اس ایہام میں آراء قراء مختلف ہوں۔

مقدمہ چہارم۔ امور اجتہادیہ میں اختلاف کرنے سے تضلیل یا تفسیق نہیں ہوسکتی ورنہ تمام مجتہدین پر عافیت تنگ ہوجاوے گی۔

مقدمہ پنجم۔ فی منارالھدی یظلمون کافٍ شُرّعا جائزو فیہ ایضا واعناب جائز و مثلہ کثیرۃ ومنھا تاکلون کاف علی ان قولہ و شجرۃ منصوب بفعل مضمر تقدیرہ و انشانا شجرۃ و انبتنا شجرۃ ولیس بوقف ان عطفت شجرۃ علی جنات و حینئذٍ لایوقف علی واعناب ولا علی کثیرۃ ولاعلی تاکلون۔

مقدمہ ششم۔ [1] اذ یعدون فی السبت میں یہ بھی احتمال ہے کہ اذ ظرف ہو عامل مقدر کا اور یہ کلام مستانف ہو یعنی جبکہ یہ کہا گیا واسئلھم عن القریۃ التی کانت حاضرۃ البحر۔ ماکان حالھم تو اس پر قدرۃً یہ سوال پیدا ہوا کہ متی اس کا جواب دیا گیا اذ یعدون فی السبت ۔ ای کانت تلک الحال اذ یعدون فی السبت اور یہی احتمال سجاوندی کے ذہن میں راجح ہے۔

مقدمہ ہفتم ۔ لکم فیھا فواکہ میں بھی استئناف کا احتمال قوی ہے کیونکہ جب بطور انعام کے یہ کہا گیا فأنشأنا لکم بہ جنّٰتٍ میں نخیل واعناب تو یہاں سوال پیدا ہوا ای نعمۃ کان لنافی إنشائھا اس کا جواب دیا گیا لکم فیھا فواکہ کثیرۃ ومنھا تاکلون ۔سجاوندی نے اسی احتمال کو اختیار کیا ہے۔

مقدمہ ہشتم۔ چونکہ علم وقوف نہایت دقیق علم ہے جس میں بہت سے علوم کی ضرورت ہے اس لئے بدوں جمع ان آلات وعلوم کے محض تھوڑی سی مناسبت درسی علوم کے سبب اس میں کلام جائز نہیں جیسا جمیع اجتہادیات کا حال ہے بعد تمہید ان مقدمات کے جواب سمجھنا چاہئے کہ سوال کے دونوں موقعوں میں جو وقف لازم ہے وہ سجاوندی کے قول پر ہے جس کی وجہ ہے کہ وصل میں ایہام اذ کے واسئل کے متعلقات میں سے ہونے کا اور وہ سجاوندی کے ذہن

---

(۱) اصل کتاب مطبوعہ مجتبائی دہلی میں اس جگہ دس مقدمات تحریر ہیں لیکن اسی کے ساتھ ضمیمہ بنام تصحیح الاغلاط میں اس مقام سے مقدمہ ہشتم نہم کو حذف کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور باقی مقدمات میں اور پھر اصل جواب میں جابجا ترمیم واصلاح فرمائی گئی ہے۔ احقر نے تصحیح الاغلاط کی ہدایات کے موافق دونوں مقدموں کو حذف کرکے آٹھ باقی رکھے اور دوسرے مقامات پر بھی قابل ترمیم عبارات میں حضرت کی تحریر کردہ ترمیم درج کردی صرف تین مقامات ایسے تھے کہ ان میں ضرورت ترمیم کا تو حضرت نے اظہار فرمایا مگر بعد ترمیم جو عبارت رکھی جائے وہ تحریر نہیں فرمائی اس لئے ان مقامات کو بعینہ قائم رکھ کر حضرت کی تحریر کو ان مقامات پر بطور حاشیہ لکھدیا ہے۔ ۱۲ **محمد شفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ۔**

میں یہ خلاف مراد قرآنی ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ جملہ مستأنفہ ہے جیسا کہ مقدمۂ ششم میں ظاہر کیا گیا اس لئے انہوں نے بحر پر وقف کیا اور ایہام اعناب کے موصوف اور جملہ لکم فیہا فواکہ کثیرۃ کی صفت ہونے کا الخ یہ ایہام وقف سے مرتفع نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وقف کسی طرح اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ اعناب کی صفت نہیں ہے بلکہ نخیل واعناب مجموعہ کی یا جنات کی صفت ہے لہٰذا استدلال یوں کرنا چاہئے کہ سجاوندی کے نزدیک یہ کلام مستأنف ہے جیسا کہ مقدمۂ ہفتم میں ظاہر کیا گیا ہے اور وصل میں شبہ تھا جنات یا نخیل واعناب کی صفت ہونے کا جو کہ ان کے نزدیک خلاف مراد قرآنی تھا اس لئے انہوں نے وقف کیا۔ رہا شبہ وقف کے قبیح ہونے کا سو وہ بیان بالا سے مندفع ہوگیا کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عدم وقف میں سجاوندی کے نزدیک ایہام خلاف مراد ہے اسلئے وقف ضروری ہوا نہ کہ قبیح اور اگر محض فصل کو موجب قبح کہا جاوے سو اول تو یہ تفسیر قبیح کی کسی نے کی نہیں اور اگر اس جدید اصطلاح کو تسلیم بھی کرلیا جاوے تو وقف (۱) کرنے ہی پر کیا موقوف ہے خود موضع ثانی میں فاصل ہوتا اتنے بڑے کلام کا لکم فیہا فواکہ کثیرۃ ومنہا تاکلون لزوم قبح کے لئے کافی ہونا چاہئے (بحکم مقدمۂ ہشتم) بلکہ ایسا قبح (۲) تو قرآن مجید میں صدہا جگہ لازم آئے گا مثلاً آیۃ مذکورہ وقیلہ میں کہ بنا بر قرأت نصب کے جو کہ قرأت متواترہ ہے حسب اختیار اخفش جو نحو میں امام جلیل ہے قیلہ کا عطف سرھم ونجواھم پر تجویز کیا گیا ہے کہ جس میں عامل ومعمول میں سات آیات توقیفیہ (جماعیہ فاصل ہیں اور حسب قول زجاج ساعۃ پر عطف تجویز کیا گیا ہے کہ جس میں روایات کا فصل ہے (بحکم مقدمۂ نہم) پس اگر فصل مطلقاً موجب قبح ہو تو ان ائمہ اجلہ نے اتنی قبائح کا لزوم قرآن میں کیسے گوارا کیا۔ علاوہ (۳) اس کے جو بناء شبہات کی ہے کہ اذیعدون میں اذ ظرف ہے اس مضاف کا الخ یا شجرۃ

---

(۱) یہ اعتراض سائل پہ وارد نہیں ہوتا کیونکہ وہ لکم فیہا کو جنات وغیرہ کی صفت کہتا ہے یہ فصل بالاجنبی نہیں ہے لہٰذا اس اعتراض کو ساقط ہونا چاہئے ۱۲ منہ۔ تصحیح الاغلاط میں اس جگہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کو ساقط لکھا ہے مگر عبارت کتاب کی تغییر کی صورت نہیں لکھی اسلئے احقر نے عبارت کو بعینہٖ قائم رکھ کر تصحیح کی عبارت کو حاشیہ بنادیا اسی طرح اس صفحہ کے دوسرے حواشی کا حال ہے ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ۔

(۲) یہ اعتراض بھی سائل پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ جملہ معترضہ کا فصل فصل نہیں سمجھا جاتا برخلاف لازم کے اس کی توضیح اس سے ہوسکتی ہے قتلت الیہود لعنہم اللہ تعالٰی واذاقہم عذاب الحریق۔ الانبیاء بالاتفاق جائز ہے اور قتلت الیہود الانبیاء میں یہود پر وقف لازم صحیح نہیں لہٰذا اس اعتراض کو ساقط ہونا چاہئے۔ ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۱۹ ج ۱)

(۳) یہ صحیح ہے مگر اس میں اتنا اضافہ اور ہونا چاہئے کہ سجاوندی نے اسی ترکیب کو اختیار کیا ہے اور اسی بنا پر وقف لازم کیا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ۱۲ منہ۔ تصحیح الاغلاط ص ۳۰ ج ۱)

مفعول ہے انشانا کا الخ اس میں خود کلام ہوسکتا ہے اس لئے یہ توجیہ بھی ممکن ہے کہ عامل اذ کا محذوف ہو مثلاً کانت حاضرۃ یا وقعت القصہ یا مثل اس کے جیسا کہ قرآن میں اس کے نظائر بکثرت موجود ہیں۔ پس بہرحال لزوم قبح کا کوئی مبنیٰ نہیں پایا جاتا ہے اور بعد اللتیا واللتی اگر خواہ مخواہ کوئی قبح کا قائل ہی ہو اور کسی کو اس میں شرح صدر ہی ہو تو اس کی یہ تحقیق اپنے نفس پر حجۃ ہوسکتی ہے۔ قائلین باللزوم پر جن کا متند دلیل صحیح ہے حجت نہیں (بحکم مقدمہ اول) پھر لمس اجنبیہ پر جو حرام قطعی اجماعی ہے قیاس کرنا امر اختلافی اجتہادی کا اول تو غفلت ہے معنی لازم وقبیح سے پھر بوجہ فارق قطعیت واجتہادیت کے کس طرح صحیح ہوگا (بحکم مقدمہ چہارم) چنانچہ صاحب منار نے کانت حاضرۃ البحر پر وقف ہی قرار نہیں دیا اور اعناب پر وقف جائز مانا (بحکم مقدمہ پنجم) لیکن اس قسم کا اختلاف جیسا صاحب منار نے امام سجاوندی کے ساتھ کیا ہے ہم جیسوں کو نہ اس قدر علم ہے اور نہ وہ ذکاء نہ وہ سلامت نظر جائز نہیں (بحکم مقدمہ وہم)۔ فقط واللہ اعلم۔

یکم شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۱۳ ج ۱)

تحقیق وجوب علم تجوید وقراءت

سوال (۲۴۷) مدرسہ قرأت کی خدمت میں کیا کیا فضیلتیں رکھی ہیں اور یہ علم آیا واجب ہے یا مستحب۔؟

الجواب۔ قال اللہ تعالیٰ و تعاونوا علی البر والتقویٰ۔ اس سے ہر امر خیر کی اعانت کا امر اور فضل ثابت ہے البتہ احیاناً خیر میں شر منضم ہوجاتا ہے اس کی اصلاح واجب ہے اور اس علم کے تین شعبے ہیں تصحیح حروف بقدر امکان ورعایت وقوف بایں معنی کہ جہاں وقف کرنے سے معنی میں فساد واختلال ہو وہاں وقف نہ کرے اور اضطرار میں عفو ہے لیکن ایک دو کلمہ کا اعادہ کرلینا احوط ہے یہ دونوں امر تو واجب ہیں علی العین۔ اور جس کو سعی کرنے پر بھی حصول سے یاس ہوجاوے وہ معذور ہے اور ایک شعبہ اختلاف قرأت ہے یہ مجموع امت پر واجب علی الکفایہ ہے۔ اگر بعض جاننے والے موجود ہوں یا بعض ایک قرأت کے حافظ ہوں بعض دوسری قرأت کے تو یہ واجب سب کے ذمہ سے ادا ہوجاتا ہے۔ ایک شعبہ ادغام و تفخیم واظہار واخفاء وغیرہا کی رعایت ہے یہ مستحب ہے۔ یظهر هذا كله من المراجعة الى كتب الفقه والقراءة۔ فقط واللہ اعلم

۱۲ ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۴۰ ج ۱)

ثبوت اوقاف کلام مجید

سوال (۲۴۸) یہ جو رموز اوقاف قرآن شریف میں موجود ہیں اور معمول بہا قراء کے ہیں ان کا کہیں سے ثبوت مثل آیت وسنت واجماع وقیاس ہے یا نہیں اور جو شخص ان پر قصداً عمل نہ کرے اس کے حق میں کیا حکم ہے۔؟

الجواب۔ (۱) آیات و اوقات کلام مجید کے کتاب وسنت و اجماع و قیاس سے ثابت ہیں۔ اماالکتاب فقال الله تعالى ورتل القرآن ترتيلا فرمایا حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے کہ معنی ترتیل کے یہ ہیں کہ تجوید حروف کی اور پہچاننا وقفوں کا از مختصر التجوید مصنفہ قاری قادر بخش مرحوم في الصراح ترتیل ہموار خواندن وآرمیدہ وپیدا خواندن۔ وقال الله تعالیٰ۔ ولقد آتیناک سبعاً سبع آیات۔ (۲)۔

وهي الفاتحة بيضاوی ۱۲ اما السنة فعن أم سلمة رضى الله عنها قالت كان رسول الله ﷺ يقطع قرائة يقرء۔ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ط ثم يقف الرَّحمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ ثم يقف ترمذی ج۲ ص۱۳ وعن أبی هريرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ ان سورة من القرآن ثلاثون اٰية شفعت لرجل حتیٰ غفرله وهي تبارك الذی بيده الملك ترمذی جلد ۲ ص ۱۲۶ وفی الحديث(۳) من ضمن أن يقف علی عشر مواضع فی القرآن ضمنت له بالجنة كذا فی الدرة۔

از نہایات البیان مصنفہ قاری سید محمدی دہلوی مرحوم۔ اور اجماع اس لئے کہ آج تک سلف وخلف میں سے کسی نے اس میں خلاف نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اس فن میں تصنیفات فرماتے رہے کما یعلم من مطالعۃ رسائل القرأۃ اور قیاس یہ کہ کلام میں مواضع ومواقع وصل وفصل ہوا کرتے ہیں تو منجملہ رعایات حسن کلام کے اس کی بھی رعایت ہے مگر اتنا فرق ہے کہ اہل زبان کو اس میں کچھ تکلف اور مشقت نہیں ہوتی اور غیر زبان والے کو دشواری پڑتی ہے۔ اس لئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حاجت اس کی تعلیم وتعلم کی نہ تھی جب قرآن شریف تمام ملکوں میں پھیلا اوران کی زبان عربی نہ تھی اس لئے خلط ملط کرنے لگے اور بے موقع اور غلط پڑھنے لگے ان کے لئے علماء

(۱) اس بحث میں احقر کی ایک تحریر مبسوط ہے جو رسالہ اثبات وقف لازم کے اخیر میں چھپی ہے ۱۲ منہ۔

(۲) آیت بھی وقف بالمعنی الاعم میں داخل ہے ۱۲ منہ۔

(۳) یہ حدیث کتب حدیث میں نظر سے نہیں گزری ۱۲ منہ۔

سلف نے اعراب قرآن ورموز اوقاف تجویز فرمائے اور ضبط کئے تا کہ ان کو سہولت ہو پس ثبوت اس کا ادلئہ اربعہ شرعیہ سے ہے اور حتی الوسع اس کی رعایت ضروری ہے کہ بعض جا خلاف کرنے سے معنی بگڑ جاتے ہیں چنانچہ سورۂ براۃ میں آیۃ **والله لا يهدى القوم الظالمين** پر ٹھیرنا لازم ہے اور اگر یہاں نہ ٹھہریں اور **الذين امنوا وهاجروا** کے ساتھ ملاویں تو بالکل معنی فاسد ہوجاویں گے **كما لايخفىٰ وكفى قدوة بما قال النبى** ﷺ۔**مارأه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن**۔ اور جو قصداً اسکے خلاف کرے وہ مخالف جماعت ہے۔ واللہ اعلم۔

محرم ۱۳۱۰ھ (امداد ص ۱۴۱ ج ۱)

سوال (۲۴۹) صرف یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں یہ (لا) علامت ہو اس جگہ وقف کرنا یا نہ کرنا حضرت رسالتمآب ﷺ وقف فرماتے تھے یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہے لیکن علماء و حفاظ گجرات وقف سے یہاں منع کرتے ہیں لہٰذا حضور سے دریافت کیا گیا۔

الجواب۔ نہ کرنا اولیٰ ہے مگر جہاں منقول ہو وہاں کرنا اولیٰ ہے۔

۹ ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ (تتمۂ خامسہ ص ۷۱)

موضع وقف میں وقف نہ کرنا

سوال (۲۵۰) وقف قرأت قرآن مجید مواضع اوقاف میں بجز اسکان حروف موقوف علیہا بلاقطع انفاس گزر جانا جیسے کہ عادت اکثر حفاظ کی ہے جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ شرعاً جائز ہے یعنی گناہ نہیں لیکن عربیت وفن قرأت کے خلاف ہے۔ فقط

۹ محرم ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۴۲)

حرف مشدّد پر وقف کرنے کا طریقہ

سوال (۲۵۱) حروف مشدّد پر وقف سکون کے ساتھ کیا جائے یا باشارہ تشدید اور اس حکم میں را و نون اور باقی حروف میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ قدرے تشدید کا اثر ظاہر ہونا چاہئے خواہ کوئی حرف ہو۔ فقط

۹ محرم ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۲)

سورۂ انعام کی دو آیتوں کے وقف پر شبہ کا جواب (۱)

سوال (۲۵۲) اوقاف سجاوندی میں اکثر خلجان ہوتا ہے پہلے بھی عرض کیا ہے اس وقت دو جگہ خلجان ہے اگر خیال مبارک میں کوئی توجیہ آوے یا کسی کتاب میں نظر پڑے تو اعلام فرماویں۔ **واقسموا بالله جهد أيمانهم لئن جائتهم اٰية ليؤمنن بها قل انما الأيات عندالله وما يشعركم انها اذا جاء ت لايؤمنون** ۔ جملہ **وما يشعركم** تا **لايؤمنون** برقرأۃ انّ مفتوحہ ماقبل سے منقطع ہے داخل مقولہ قول نہیں معلوم ہوتا اور درصورت عدم وقف شبہ ہوسکتا ہے کہ داخل مقولہ ہو لہٰذا بظاہر عنداللہ پر وقف لازم ہو مگر کسی قرآن یا کتاب میں وقف نہیں لکھا۔ حضرت نے اپنی تفسیر شریف میں اس آیت کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی تحریر فرماویں تو بہت ہی اچھا ہو۔ (۲) **الاانهم من افكهم ليقولون ولدالله وانهم لكاذبون** چونکہ بظاہر جملہ **وانهم لكاذبون** ماقبل سے بالکل منقطع ہے اور داخل قول نہیں لہٰذا وقف لازم ہے حالانکہ سجاوندی میں ''لا'' لکھا ہے تعجب ہے ہاں اگر قول کے نیچے داخل کریں اور خلاف سیاق ضمیر وانہم مرسلین کی طرف پھیریں تو مضائقہ نہیں مگر نہایت بعید معلوم ہوتا ہے اور منار الہدیٰ میں اس جگہ جائز لکھا ہے۔

الاجوبة۔ اول مکررہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا کہ ابن عامر اور حمزہ نے قراء سبعہ میں سے **انها** بفتح أن اور **لاتومنون** بصیغۂ خطاب پڑھا ہے تو اس صورت میں جملہ **وما يشعركم** داخل مقولہ ہوسکتا ہے **ويكون المعنى مايشعركم اى لا تعلمون بل يعلم الله تعالىٰ انها اذا جاء ت لا تؤمنون** ۔ پس ممکن ہے سجاوندی کی یہی قرأت ہو اور بقیہ قرأت پر بھی ایک توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ قل کا مقول لہ کفار نہ ہوں بلکہ کفار کی قسم سنکر جن مسلمانوں کو ان کے ایمان کی طمع اور اس طمع سے تمنا ظہور آیات کی پیدا ہوگئی تھی اُن کو دونوں جملوں سے یعنی **انما الأيات** سے بھی اور **وما يشعركم** سے بھی فہمایش کی گئی ہو اور کفار کو بوجہ ان کے معاند ہونے کے قابل خطاب نہ قرار دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

دوم اس وقت اور بھی چند مواقع یاد آئے کہ جہاں کفار کا قول نقل کر کے اس کو رد کیا ہے اور دونوں کے درمیان وقف لازم نہیں ہے سو اس میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اصل سے عدول کسی نکتہ

---

(۱) اصل کتاب میں یہ عنوان لکھا ہوا ہے الاسئلة الموصولة من بعض الاخلاء الاجلة ۔ مدفیوضہم ۱۲

ـہ المراد مسمّی سیدنا الخلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۲ منہ

خاصہ کی وجہ سے ہوتو مضائقہ نہیں اور یہاں اصل وقف ہی تھا مگر نکتہ کی وجہ سے عدول کیا گیا اور وہ نکتہ وہی ہو جو شاید جناب نے ایک بار فرمایا تھا کہ تعجیل تنزیہ حق و تعجیل ابطال باطل مقصود ہے۔ واللہ اعلم۔ علاوہ اس کے یہ اوقاف اجتہادی ہیں والا جتہاد یحتمل الخطاء والصواب۔ اور یہ (۱) بھی کہا جاسکتا ہے کہ وقف لازم وہاں ہوگا جہاں وقف نہ کرنا موہم خلاف مقصود ہو اور یہاں قرینہ عقلیہ اس ایہام کا قاطع ہے۔ کیونکہ عقل اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایک ہی شخص ایک امر کا دعویٰ کرے اور خود ہی ساتھ ساتھ تصریحاً والتزاماً اس کا ابطال کرے یہ عادۃً ممتنع ہے۔ پس یہاں وانھم لکاذبون میں ضمیر تو یقیناً ان ہی قائلین کی طرف ہے۔ پس بنا مذکور پر یہ ممتنع ہے کہ وہ لوگ ولد اللہ بھی کہیں اور اپنے کو اس میں کاذب بھی کہیں۔ علیٰ ہذا آیہ وقالوا اتخذ اللہ ولداً سبحنہ میں بناء مذکور پر یہ ممتنع ہے کہ وہ لوگ اتخذ اللہ ولداً بھی کہیں اور تنزیہ بھی کریں۔ پس چونکہ ایہام خلاف مقصود کا نہ تھا۔ لہٰذا ان مواقع پر وقف لازم نہ ہوا۔ واللہ اعلم۔

۴؍شوال ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۲)

جواب شبہ برعبارت رسالہ الامداد در بارۂ ضرورت سبعہ قرأت

سوال (۲۵۳) رسالہ الامداد ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ کے صفحہ ۱۷ کے مضمون کو جو آنحضور نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے پیش کر کے ایک صاحب بہت معترض ہوئے کہ لوتم کہتے ہو کہ فن سبعہ قرأت کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اور سب لوگوں کو کم وبیش ضرور سیکھنا چاہئے تاکہ اس علم دین کے فقدان وانعدام کا گناہ سب پر نہ ہو میں نے ان کو جواب دیا ہے مگر ان کے نزدیک جواب اس درجہ کا نہیں ہے کہ قابل اطمینان سمجھا جاوے احقر کو بھی اس مضمون کے دیکھنے سے ایک درجے میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب یہ علم دین ہے خاص کر قرآن پاک کا علم ہے جب عوام کی تشویش کے خیال سے اس کو ترک کیا جائے گا تو پھر یہ کیونکر قائم ورائج ہوسکتا ہے یہاں مجمع کثیر اہل علم کا ہے مگر وجہ ناواقفی ہی استعجاب تو درکنار اکثر استہزاء وانکار ہی کیا جاتا ہے تو پھر کیونکر اس کی بقاء واجراء کا طریقہ اختیار کیا جائے مثلاً بعض مقام پر تشہد میں اشارۂ سبابہ کو بہت برا سمجھتے ہیں تو ان کی اصلاح کی جاتی ہے اور اور اس کو مسنون ہی ظاہر کیا جاتا ہے۔ رہا اس جواب کے سوال میں جو خرابیاں ظاہر کی گئی ہیں بیشک وہ ضرور واجب الاصلاح ہیں نہ یہ کہ اس کی

(۱) اور نیز غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف لازم میں ایہام کفر سے بچنے کا اعتبار کیا گیا ہے۔ سو اگر کفار کوئی بات ایمان کی کہیں تو یہ کفر نہیں اس لئے ایسے مقام پر وقف لازم کا التزام نہیں کیا گیا ۱۲ منہ

تعلیم و تعلم کا سلسلہ ہی محذور قرار دیا جائے۔قریب قریب ان معترض کے اعتراضوں کا یہی ماحصل ہے احقر اپنے کمال اطمینان قلبی کے لئے یہ عریضہ ارسال کر رہا ہے۔؟

الجواب۔سائل کے کلام میں صریح مشورہ ہے اور جواب میں اس کی تقریر بھی کی گئی ہے کہ اگر کوئی لکھا پڑھا آدمی حرف بھی اس کا اچھا ہو تو اس کو سبعہ پڑھائی جاوے سفہاء اور تنگ خیال لوگوں کو فقط تجوید پڑھائی جاوے الخ اور یہی حال اکثر فروض کفایہ کا ہے مثلاً تبحر فی العلوم الشرعیہ کہ فرض کفایہ ہے لیکن اس کے ساتھ یہ حدیث بھی ہے کہ **واضع العلم فی غیر اھلہ کمقلد الخنازیر لوء لوو الجواھر اوکما قال**۔اور مشاہدہ بھی ہے کہ بعض لوگ جو بدطینت ہیں اور تحصیل علوم کر کے مقتداء بن گئے ان سے کیا کیا مفاسد پیدا ہو گئے ہیں اور ان مفاسد کا انسداد بجز اس کے کیا ہے کہ نااہلوں کو اس رتبہ پر نہ پہنچایا جاوے یا منصب قضاء کہ احادیث میں اس پر کس قدر وعیدیں آئی ہیں باوجودیکہ فرض کفایہ ہے۔ **وفی حدیث ابی داؤد مرفوعاً العرافۃ حق (ای واجب ولو علی الکفایۃ) ولکن العرفاء فی النار (اذا کانوا غیر اھل لھا)** اور جو لوگ اس فن کے آج کل مخالف ہیں وہ تو نفس فن ہی کو فضول بتلاتے ہیں ہر ایک کے لئے حتیٰ کہ اہل فہم کے لئے بھی اور ہر شعبہ کو حتیٰ کو تجوید کو بھی **فشتان بینھما** غرض منکرین مدعی دو کلیہ کے ہیں اور اس جواب میں التزام کیا گیا ہے دو جزئیہ کا اور ظاہر ہے کی کہ جزئیہ مستلزم کلیہ کو نہیں ہوتا اور سبعہ کی فرضیت عامہ کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے جبکہ خود ایک قرأت سے بھی اتمام قرآن کا فرض عین نہیں اور یہ ظاہر ہے۔ شوال ۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۶۷)

قرآن میں لفظ ابراہیم میں (یا) نہ لکھنے کی وجہ

سوال (۲۵۴) قرآن شریف فرقان حمید میں سورۂ بقر میں جتنی جگہ لفظ ابراہیم آیا ہے اس میں (ی) نہیں لکھا ہوا ہے صرف کھڑا زیر (ابراہٖم) دیا ہوا ہے اور علاوہ سورۂ بقر کے جس قدر تمام قرآن میں لفظ ابراہیم آیا ہے اس میں (ی) لکھا ہوا ہے عجب مخمصے میں ہوں آیا معنی میں کچھ تفاوت ہے یا قرأت کا باعث ہے۔امید کہ اس خادم الناس کو جواب سے سرفراز فرما کر ان کے بھید سے آگاہ فرمائیے۔؟

الجواب۔مخمصہ کی کوئی بات نہیں بعض مواقع میں ہشام کی قرأت ابراہام ہے سو بعض جگہ اس کی رعایت سے (ی) نہیں لکھی کہ دونوں قرأت کی رعایت ہو جاوے۔رہا یہ کہ سب مواقع میں یہ رعایت کیوں نہیں سو نکتہ کا اطراد ضروری نہیں۔فقط ۱۹ رمضان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۴۴)

سوال (۲۵۵) بندہ کو اکثر کلام مجید کی تلاوت کرتے خیال ہوا اور ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم مبارک تمام کلام مجید میں ۱۷۷ جگہ پر آیا ہے منجملہ ۱۷۷ کے ۷ مقام پر زیر کے ساتھ مرقوم ہے اور ۱۷۰ جگہ یا کے ساتھ ابتداء میں خیال ہوا کہ کاتب نے اسی طرح لکھا۔ دس پانچ کلام مجید اور بھی دیکھے سب میں اسی طرح پایا۔ اب حیران ہوں کہ ضرور اس کی وجہ خاص ہوگی۔؟

الجواب۔ رسم خط سلف سے یوں ہی چلی آتی ہے جہاں (یا) نہیں ہے بعض کی قرأت ابراہام ہے عجب نہیں کہ اس کی رعایت سے ابراہیم لکھا ہوتا کہ دونوں طرح پڑھ سکیں ابراہیم اور ابراھم۔ واللہ اعلم۔ ۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۲۷)

سورۂ نور میں رجال لا تلھیھم کے رجال پر وقف کی تحقیق

سوال (۲۵۶) سورۂ نور رکوع پنجم یسبّح له فیها بالغدو والاٰصال تا ذکر الله۔ ایک شخص نے لکھا ہے کہ رجال کے بعد سجاوندی نے وقف ط لکھا ہے۔ اور اکثر قرآن شریف مطبوعہ میں (لا) بنا ہے یہ غلط ہے ابوبکر وغیرہ جو لوگ یسبح بصیغہ مجہول پڑھتے ہیں ان کے نزدیک الآصال پر ط ہونا چاہئے اور رجال پر لا اور جو معروف پڑھتے ہیں ان کے نزدیک رجال پر ط ہونا چاہئے اور الاصال پر لا حفص کی قراءت میں رجال پر لا لکھنا غلط اور سہو کاتب ہے میں کہتا ہوں کہ اکثر قرآن شریف میں رجال پر لا لکھا ہے اور بعض میں کچھ نہیں جو قریب المعنی ہے لا کے اور تبادر معنی بھی مشعر ہے کہ رجال پر حفظ کے لئے بھی وقف قبیح ہو جس کی علامت لا ہے اس لئے کہ جملہ لا تلہیہم صفت ہے لہٰذا رجال پر وقف کرنے سے فصل بین الموصوف والصفت ہوگا جو قبیح ہے اور آیت بھی نہیں ہے بس رجال پر ط بنانا مناسب ہے یا لا بہرحال تمام قرآن شریف مطبوعہ کا اتفاق موافق قیاس کے معتبر ہوگا اور رسالہ سجاوندی میں رجال پر وقف مطلق سہو کاتب یا اختلاف نسخہ وغیرہ کا محمول ہوگا یا رسالہ سجاوندی معتبر ہوگا۔؟

الجواب۔ میرے نزدیک دونوں توجیہ صحیح ہوسکتی ہیں مشہور مصاحف کی تقدیر پر تو ظاہر ہے اور سجاوندی کی تقدیر پر اس طرح کہ رجال کو موصوف نہ کہا جاوے بلکہ بمعنی بعض کے لیکر کلام کو ختم کردیا جائے۔ آگے جملہ استینافیہ بطور سوال کے کہا جاوے کہ وہ رجال کیسے ہیں ایسے ایسے ہیں۔ فارتفع الاشکال۔ ۱۲ر ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ یوم دوشنبہ (تتمہ اولیٰ ص ۴۵)

سورۂ یٰسین شریف میں مرقدنا پر وقف لازم صحیح ہے یا سکتہ

سوال (۲۵۷) سورۂ یٰسین میں من مرقدنا پر اکثر قرآن شریف میں وقف لازم وغیرہ لکھا ہے اور حفصؒ سے سکتہ منقول ہے تو سکتہ لکھنا صحیح ہے یا وقف لازم بصورت اختلاف رسالہ سجاوندی اور منار الہدیٰ کون زیادہ قابل اعتبار ہے۔؟

الجواب۔ میرے نزدیک دونوں میں تعارض نہیں کیونکہ وقف لازم کا حاصل یہ ہے کہ وہاں فصل ہونا چاہئے بوجہ اسکے کہ وصل سے ایہام فساد معنیٰ ہوتا ہے اور یہ غرض سکتہ سے بھی حاصل ہو جاتی ہے پس وقف باعتبار قطع نفس کے ضروری نہ ہوگا اس طور پر تعارض نہ رہا۔
۱۳/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۴۵)

فکانت سرابا میں ادغام کی تحقیق

سوال (۲۵۸) فکانت سرابا۔ اس آیت شریفہ کی قرأت کس طرح پر ہے یعنی فکانت کی ت ساکن رہتی ہے یا نہیں یا سین مشدد ہوتی ہے اور ت موقوف ہو جاتی ہے۔؟

الجواب۔ ابوعمرو وحمزہ وکسائی کے نزدیک تؔ کانت کی سؔ سرابا میں مدغم کر کے پڑھی جاتی ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک جن میں امام عاصم بھی ہیں جن کی قرأت ہندوستان میں پڑھی جاتی ہے بلا ادغام پڑھی جاتی ہے۔ کذا فی المکرّرہ۔ ۲۴/ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۴۶)

جواب شبہ بر عبارت تنشیط الطبع ووجوہ المثانی
دربارۂ مد در حرف لین کہ ماقبل او مفتوح باشد

سوال (۲۵۹) رسالہ تنشیط الطبع ووجوہ المثانی کے متعلق ایک طالب علم کی یہ تحریر آئی کہ تنشیط الطبع اور وجوہ المثانی میں مجھے کچھ شبہ ہے وہ یہ کہ تنشیط الطبع ص ۷ یائی مقدم اور لین موخر کے بیان میں یہ لکھا ہے کہ یائی میں فتحہ ہو تو لین میں طول ہوگا حالانکہ غیث النفع ص ۱۵ پر وعسیٰ ان تکرھوا شئیا کے تحت میں یوں لکھا ہے (یأتی علی الفتح فی عسی التوسط والطویل فی شئی ویأتیان ایضاً علی التقلیل) اور وجوہ المثانی ص ۱۶۸ باب الھمزتین من کلمۃ میں یہ لکھا ہے ہمزہ اول مفتوح ہو اور ثانی مکسور ہو تو قالون وبصری کیلئے ادخال الف ہوگا حالانکہ شاطبیؒ نے ہشام کے لئے بھی خلف کے ساتھ لکھا ہے جیسے کہ

ومدك قبل الفتح والكسر حجة بهالذ و قبل الكسر خلف له ولا

فرمایا ہے شرح ابن القاصح ص ۶۱۔ فقط

الجواب۔ یہ دیا گیا کتاب مقدم ہے یا ویا سرسری مطالعہ پر دونوں مقام کی اصلاح مسلم ہے اگر کوئی صاحب ان رسالوں کو پھر چھاپیں وہاں حاشیہ پر متنبہ کر دیں اور مطلب غیث النفع کا تو ظاہر ہے اور شاطبیہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہمزہ ثانیہ مفتوحہ یا مکسورہ ہو تو بصری و قالون و ہشام جن کے ناموں کی طرف حا و با و لام سے اشارہ کیا گیا ہے اسکے اور ہمزۂ اولیٰ کے درمیان میں بقدر ایک الف کے مد کرتی ہیں مگر ہشام سے خاص ہمزۂ ثانیہ مکسورہ کی صورت میں ترک مد بھی مروی ہے۔ ۲؍رجب یوم جمعہ ۱۳۳۴ھ (ترجیح رابع ص ۷۷)

تحقیق شبہ نقص حسنات بر بعض قرأت

سوال (۲۶۰) فلاں مولوی صاحب نے اپنی کتاب میں بھی لکھا ہے اور وعظ میں بھی فرمایا ہے کہ ابوعبداللہ محمد ابن شجاع ثلجی سے منقول ہے کہ فرماتے ہیں کہ میری عادت الحمد شریف پڑھنے میں مالک یوم الدین والی قرأت پڑھنے کی تھی ایک دن میں نے ایک بڑے عربی داں ادیب فاضل عالم سے سنا کہ وہ ملك يوم الدين بے الف والی قرأت پڑھتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ یہ بے الف والی قرأت نہایت فصیح بلیغ قرأت ہے اس دن سے میں بھی ملك يوم الدين پڑھنے لگا وہ قرأت جس میں ایک الف زیادہ تھا موقوف کر دی ایک رات خواب میں دیکھا کہ ہاتف غیب مجھے پکارتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اے بندے تو نے ایک حرف قرآن شریف کا کیوں چھوڑا دس نیکیاں تیری کم ہوگئیں کیا تو نے فرمان عالی شان جناب سید المرسلین ﷺ کا نہیں سنا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والے کو ہر حرف کے بدلے دس دس نیکیاں ملتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ قرأت جس میں ملك يوم الدين ہے نہیں پڑھنی چاہئے کیوں اپنی دس نیکیاں کم کرے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے۔ اگر واقعی کم ہوں تو اس کو پڑھنا چاہئے یا نہیں۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ قل هو الله احد کو الله الصمد سے ملا کر اگر پڑھے یا نستعين کو اهدنا الصراط سے پڑھے یعنی وصل کر کے پڑھے تو نیکیاں کم ہوں گی بوجہ ہمزہ گرنے کے دونوں جگہ سے یا نہیں۔؟

الجواب۔ قرأتین ساتوں متواتر اور منقول عن النبی ﷺ ہیں منقول کے اتباع میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا حدیث میں احرف قرآنیہ کے باب میں ہے كلها شاف شاف رہا شبہ

نقص ثواب بنقص بناء علی الحدیث سونقص فی الکم سے نقص فی الکیف لازم نہیں آتا کیا معلوم نہیں کہ ایک دونی باوجود دوانی سے ناقص فی العدد ہونے کے کیف وکمیت میں برابر ہیں۔ رہا خواب سوال اول تو وہ حجت نہیں۔ دوسرے ان کو تنبیہ اس لئے کی گئی کہ ایک قرأت کو مفضول سمجھ کر انہوں نے چھوڑا تھا سو ایک اعتبار سے اس کا فاضل ہونا بتلا دیا۔ رہا وصل میں ہمزہ وصل کا کم ہو جانا سوال اول تو اس کا وہی جواب ہے جو ابھی لکھا گیا۔ دوسرے ممکن ہے کہ وہ حکماً ملفوظ ہونے کے سبب مکتوب الاجر ہو۔ واللہ اعلم۔ اشرف علی ۴ رشوال ۲۵ھ تتمہ خامسہ ص ۳۴)

رسالہ ضیاء الشمس فی اداء الہمس

ازقاری محمد یامین صاحب مدرس تجوید مدرسہ امدادالعلوم تھانہ بھون

کیفیت اداء ہمس در تا و کاف

سوال (۲۶۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین وقراء قرآن مبین اس مسئلہ میں کہ حرف کاف و تا جو حروف مہموسہ سے ہیں ان کی صفت ہمس کے کیا معنی ہیں اور کس طرح ادا کی جاتی ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ کاف و تا کی صفت ہمس کسی کو ادا کرنی نہیں آتی اور وہ خود اس طرح ادا کرتے ہیں کہ کاف و تا ساکن و متحرک میں ہاء ہوز کی آواز سنائی دیتی ہے آیا یہ آواز صحیح ہے یا نہیں نیز وہ صاحب اپنی کیفیت اداء کی تائید میں کتاب جہد المقل کی عبارت ذیل پیش کرتے ہیں۔

واما الشديد المهموس فهي حرفان الكاف والتاء المثناة الفوقية فلشدتهما يحتبس صوتهما بالكلية بل نفسهما ايضاً حين احتباس صوتهما لان احتباس الصوت بالكلية لايكون الا باحتباس النفس بالكلية لان حقيقة الصوت هي النفس ثم ينفتح مخرجاهما و يجرى فيهما نفس كثير مع صوت ضعيف ليحصل الهمس اه ۔ آیا اس عبارت سے ان صاحب کی اداء کی تائید ہوتی ہے یا نہیں اگر ہوتی ہے تو یہ قول قابل عمل ہے یا نہیں۔ بینوا تو جروا۔؟

الجواب۔ ہمس مقابل ہے جہر کا۔ جہر لغت میں آواز قوی و بلند کو کہتے ہیں اور ہمس آواز ضعیف و خفی کو کہتے ہیں اور اصطلاح قراء میں یہ دس حروف جن کا مجموعہ فحثہ شخص سکت ہے حروف ہمس اور مہموسہ کہلاتے ہیں کیونکہ ان حروف کے ادا کرتے وقت آواز انکے مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرتی ہے کہ سانس جاری رہتا ہے اور آواز ضعیف و خفی ہوتی ہے اسی سے جہر کی تعریف اور حروف بھی مقابلۃً معلوم ہو گئے۔

كما قال العلامة على القاری الهمس فی اللغة الخفاء وسميت حروفة مهموسة بجريان النفس معها لضعفها ولضعف الاعتماد عليها عند خروجها وضدها المجهورة اه منح الفكرية على متن الجزرية مطبوعه مصر ص ۲۰۔

اورحروف مہموسہ میں سے دوحروف کاف وتا، شدیدہ ہیں اور باقی رخوہ ہیں شدت کے معنی لغۃً قوت وسختی کے ہیں اور اصطلاحاً یہ آٹھ حروف جن کا مجموعہ اجد ک قطبت ہے حروف شدت اور شدیدہ کہلاتے ہیں کیونکہ ان کی اداء کے وقت آواز ان کے مخرج پر ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرتی ہے کہ بند ہوجاتی ہے اور آواز میں قوت وسختی پیدا ہوتی ہے اور چونکہ شدت مقابل ہے رخوت کے لہٰذا شدت کے معنی لغوی وعرفی سے مقابلۃً رخوۃ کے معنی بھی معلوم ہوگئے اور علاوہ حروف شدیدہ مذکورہ اور پانچ حروف متوسط لن عمر کے باقی سولہ حروف رخوہ کہلاتے ہیں پس تمہید مذکور سے معلوم ہوا کہ کاف وتا، مہموسہ بھی ہیں اور شدیدہ بھی ہیں لیکن بناء بر تعریف مذکور ہمس وشدت کے اجتماع میں بظاہر اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ ہمس کی تعریف میں ضعف اعتماد وصوت وجریان نفس مذکور ہے اور شدت کی تعریف میں قوت اعتماد وصوت اور احتباس صوت ماخود ہے حالانکہ یہ امور ایک دوسرے کے مخالف وضد ہیں لیکن درحقیقت کچھ اشکال نہیں اس لئے کہ ہمس وجہر، شدت ورخوت کی تعریف میں جوقوت وضعف اعتماد وصوت اور جریان واحتباس نفس وصوت کہا جاتا ہے یہ امور اضافی واعتباری ہیں یعنی ہر ایک صفت میں اس کے مقابل صفت کی نسبت سے قوت وضعف وجریان واحتباس پایا جاتا ہے پس کاف وتاء میں من حیث الہمس جو ضعف اعتماد وصوت اور جریان نفس ہے وہ باعتبار حروف مجہورہ کے ہے اور من حیث الشدت جو قوت اعتماد وصوت اور احتباس صوت ہے وہ حروف رخوہ کی نسبت سے ہے فارتفع الاشکال ۔ نیز ہر ایک صفت کے حروف میں باہم بھی قوت وضعف وجریان واحتباس نفس وصوت کا تفاوت پایا جاتا ہے بوجہ دیگر صفات قویہ یا ضعیفہ کی آمیزش کے۔ پس کاف وتا بہ نسبت صاد ضعیف ہیں کیونکہ صاد میں تین تین صفت قوی اطباق واستعلاء وصفیر موجود ہیں اور بہ نسبت تا، وحاوخاوسین وشین وفاوہا قوی ہیں اور بہ نسبت دیگر حروف شدیدہ ضعیف وخفی الصوت ہیں مگر صفت شدت کی وجہ سے ان میں جریان نفس کمتر ہے بہ نسبت دیگر حروف مہموسہ کے لانه فی الشدة يوجد احتباس الصوت واحتباس الصوت يستلزم احتباس النفس كما فی جهد المقل۔ پس تقریر مذکور سے ثابت ہوگیا کہ کاف وتاء میں ہمس حقیقی یعنی ضعف وخفاء صوت تو بہر حیثیت پایا جاتا ہے مگر جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا اور چونکہ بہ نسبت دیگر حروف مہموسہ ان میں جریان نفس

بہت کم ہوتا ہے اسی وجہ سے بعض علماء نے ان کے مہموسہ ہونے میں خلاف کیا ہے اور ان کو مجہورہ کہا ہے کیونکہ ایسے جریان نفس قلیل سے تو حروف مجہور بھی خالی نہیں چنانچہ ملا علی قاریؒ نے اس خلاف کو منح الفکریہ شرح جزریہ میں شافیہ ابن حاجب سے نقل کیا ہے نیز دیگر محققین فن تجوید و قرأت کے اقوال سے بھی یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ کاف وتاء میں جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا۔ یا کم ہوتا ہے دیگر حروف مہموسہ سے چنانچہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی تحریر فرماتے ہیں'' لیکن جریان نفس در کاف وتاء خوب معلوم نمی شود گو ضعف صوت ہست'' للہذا بعض علماء در مہموسہ بودن اینہا خلاف کردہ اند آہ۔ تحفہ نذریہ مطبوعہ بلالی پریس ساڈھورہ ص ۱۹ حضرت قاری محمد علی خاں صاحب جلال آبادی تحریر فرماتے ہیں'' اما جریان نفس در کاف وتاء کمتر است و در بواقی اکمل آہ حجۃ القاری مطبوعہ محمود المطابع کانپور ص ۱۶ '' نیز یہ بھی واضح ہو کہ قوت اعتماد یا ضعف اعتماد اور جہر الصوت یا خفی الصوت ہونا تو حروف میں ہر حال میں پایا جائے گا خواہ متحرک ہوں یا ساکن کیونکہ یہ امور صفات حروف کی تعریف میں منجملہ ذاتیات کے ہیں لیکن جریان یا احتباس نفس یا جریان یا احتباس صوت یہ امور منجملہ عرضیات کے ہیں کہ حالات سکون میں ان کا ظہور ہوتا ہے اور جب حروف متحرک ہوں تو جریان واحتباس نفس وصوت غایت درجہ خفا میں ہوتا ہے کما قال صاحب الرعاية ان جرى النفس في الهمس وحبس النفس في الجهر في الساكن زايد من المتحرك وفي الوقف أزيد من الساكن اه هكذا قال الجار بردى و ذكر الجار بردى ان جريان الصوت وعدم جريه عند إسكان الحرف أبين منهما عند تحريكه الخ پس کاف وتاء اگر متحرک ہوں گے تو چونکہ حرف کی ادائیگی انفتاح مخرج کے ساتھ ہوتی ہے للہذا انفتاح کی وجہ سے فی الجملہ صوت کا جریان ضرور ہوگا جب جریان صوت ہوگا تو اس کے ساتھ جریان نفس بھی ضرور ہوگا بموجب قاعدہ مسلمہ جريان الصوت يستلزم جريان النفس كذا في الجهد مگر یہ جریان نفس اول تو بوجہ تحریک حرف کے دوسرے بوجہ صفت شدت قوی کے غایت درجہ خفا میں ہوتا ہے کہ خود قاری کو بھی اس کا پتہ نہیں لگتا بلکہ معدوم کہنا چاہئے جیسا کہ بقول بعض حروف قلقلہ سے بحالت حرکت بھی صفت قلقلہ منفک نہیں ہوتی اور نون ومیم متحرک بھی صفت غنہ سے خالی نہیں مگر بوجہ عدم ظہور وغیر محسوس ہونے کے قلقلہ وغنہ کالعدم ہوتے ہیں اسی طرح کاف وتاء متحرک میں بھی گو جریان نفس ہوتا ہے مگر بوجہ عدم ظہور وغیر محسوس ہونے کے لایعبأ به ہے یہ تفصیل تو کاف وتاء متحرک کے متعلق تھی اور اگر کاف وتاء، ساکن ہوں تو چونکہ حرف ساکن کی ادائیگی استقرار صوت والتصاق مخرج کے ساتھ

ہوتی ہے بالخصوص حروف شدیدہ میں کہ ان میں تصادم جسمین بالقوہ ہوتا ہے لہٰذا شدت اتصال جس میں کی وجہ سے جب صوت محتبس ہوگی تو نفس بھی ضرور محتبس ہوگا (کما ذکرہ صاحب الجھد) پس جب صوت ونفس دونوں بند ہو گئے تو جب تک مخرج کو جنبش نہ ہوتب تک کوئی حرف سنائی نہیں دے سکتا اسی لئے حرف شدیدہ میں سے حروف قطب جدٍ میں بوجہ صفت جہر قوی کے بحالت سکون صفت قلقلہ یعنی مخرج میں جنبش قوت کے ساتھ رکھی گئی تا کہ آواز میں قوت جہر پیدا ہو اس قدر کہ سامع قریب بھی محسوس کر سکے لان أدنی الجهر إسماع الغیر (مگر ہمزہ کو اکثر نے قلقلہ سے خارج کیا ہے و توجیهه مذکور فی المطولات) اور دو حرف کاف وتاء ساکن میں بوجہ صفت ہمس ضعیف کے جنبش نہایت ضعف ونرمی کے ساتھ رکھی گئی تا کہ آواز میں ضعف وخفاء قائم رہے اس قدر کہ خود قاری اس کو محسوس کر سکے لان ادنی المخافة إسماع نفسه مگر اس جنبش ضعیف سے کہ (صفت ہمس کے اداء کی غرض سے کی جاتی ہے) جو نفس جاری ہوتا ہے اس کے ساتھ کسی قسم کی صوت جاری نہ ہونا چاہئے کیونکہ ہمس کی تعریف میں جریان نفس ماخوذ ہے نہ کہ جریان صوت اور نفس اور صوت میں یہی فرق ہے کہ ہوا خارج از داخل انسان اگر مسموع ہو تو صوت ہے اور اگر غیر مسموع ہو تو نفس ہے۔

کما قال صاحب الجهد المقل اعلم ان النفس الذی هوالهواء الخارج من داخل الانسان ان کان مسموعاً فهوصوت والا فلا انتهی ص ۲۷ وقال مؤلف حقیقة التجوید فی رسالته المذکورة فالتنفس یوجد فی کل صوت و لا یوجد صوت فی کل تنفس بل بعضه مع الإرادة واذا خرج الحرف من فم الانسان بغیر إرادته فلا یطلق علیه الحرف ولا یرادمنه المعنی فالصوت علی قسمین جهری وخفی والجهری مایسمعه الغیر والخفی مایسمعه النفس کما قال الفقهاء وادنی الجهر مایسمعه الغیر وأدنی المخافة مایسمعه النفس فی القراء ة والطلاق والعتاق والبیع والاستثناء والتسمیة علی الذبح ووجوب السجدة بتلاوة اٰیة السجدة و غیرها والمراد من الادنی حد الجهر والخفی اھ۔ص ۱۲

پس خلاصہ تقریر مذکور کا یہ ہوا کہ اول تو کاف وتاء میں مطلقاً خواہ متحرک ہوں خواہ ساکن جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا اور دیگر حروف مہموسہ سے بہت کم ہوتا ہے اور بالخصوص متحرک میں ساکن سے بھی کم ہوتا ہے جیسا کہ دلائل وشواہد اقوال محققین سے ثابت کیا گیا۔ دوسرے صفت ہمس کے اداء کی غرض سے کاف وتاء متحرک میں انفتاح مخرج کے ساتھ اور ساکن میں

جنبش ضعیف وخفی کے ساتھ جو کچھ نفس کا جریان ہوتا بھی ہے اس کے صوت کا جاری ہونا ضروری بھی نہیں کیونکہ نفس عام ہے اور صوت خاص اور عام کے تحقق کے ساتھ خاص کا تحقق لازم نہیں۔

نیز صوت کا جاری کرنا درست بھی نہیں نہ عقلاً نہ نقلاً عقلاً اس وجہ سے کہ اگر صوت جاری کی جاوے گی تو کاف وتا شدیدہ نہ رہیں گے بلکہ رخوہ ہو جائیں گے کیونکہ جریان صوت رخوہ میں ہوتا ہے نہ کہ شدیدہ میں اور یہ بات ادنیٰ تامل سے ظاہر ہوتی ہے کہ جو شدت باری اور جاری کے با اور جیم میں ہے وہ بھاری اور جھاری کے با اور جیم میں نہیں ہوسکتی۔ اسی قیاس میں جو شدت کانا اور تانا کے کاف وتا میں ہے وہ کھانا اور تھانا کے کاف وتاء میں نہیں پائی جاتی تو ایک صفت ہمس جو مختلف فیہ ہے اس کے ادا کرنے کی وجہ سے صفت شدت جو کہ متفق علیہ ہے مفقود ہو جاوے گی اور یہ جائز نہیں۔ اور نقلاً اس وجہ سے کہ امام جزریؒ سے کتاب النشر فی القرأت العشر میں اور ملا علی قاری سے منح الفکریہ علی متن الجزریہ میں اس کا عدم جواز وغلط ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ کتاب النشر فی القرأت العشر میں ہے۔

والتاء يتحفظ بما فيها من الشدة والهمس لئلا تصير رخوة كما ينطق بعض الناس والكاف فليعن بما فيها من الشدة والهمس لئلا يذهب الى الكاف الصماء الثابتة فی بعض لغات العجم فان ذلك غير جائز فی لغات العرب وليحذرمن إجراء الصوت معها كما يفعله بعض الأعاجم۔

اس سے صاف طور پر ثابت ہوگیا کہ اجراء صوت اداء اعاجم ہے جو کہ ممنوع وقابل احتراز ہے نیز ملا علی قاری منح الفکریہ علی متن الجزریہ ص ۲۰ میں فرماتے ہیں۔

ثم إنَّ النفس الخارج الذی هو صفت حرف ان تكيف كله بكيفية الصوت حتی يحصل صوت قوی كان الحرف مجهورا وان بقي بعضه بلا صوت يجری مع الحرف كان الحرف مهموسا وايضا وان انحصر الصوت فی مخرجه انحصاراً تاماً فلا يجری جرياناً سهلا يسمی شديد اوا ماذا جری جريانا تاما ولا ينحصر اصلا يسمی رخوة۔

اس عبارت سے بھی ثابت ہوگیا کہ مہموس من حیث ہو مہموس میں نفس بلا صوت یعنی غیر مسموع کا جریان ہوتا ہے اور فلا یجری جریانا سہلاً سے شدیدہ میں جریان صوت ضعیف کی بھی نفی ہوگئی پس چونکہ جہد المقل کی عبارت مذکورہ فی السوال کا مفہوم بظاہر معارض ہے کتاب النشر فی القرأت العشر اور منح الفکریہ کی عبارات مذکورہ کے لہذا امام جزری اور ملا علی قاری کے مقابل

صاحب جہد المقل کے قول کا اعتبار نہ کیا جاوے گا۔ علاوہ ازیں جہد المقل کی عبارت میں کاف و تا متحرک مراد ہے ساکن یا مطلقاً متحرک تو مراد ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اول تو خود جہد المقل کی عبارت ص ۶۰ میں حاصله انهما ناقصان عند تحريك الحرف اس کے معارض ہے۔ دوسرے یہ کہ حرکت خود انفتاح مخرج سے پیدا ہوتی ہے پھر ثم ينفتح کے کوئی معنی نہیں بنتے۔ اور اسی سے مطلق کی بھی نفی ہوگئی کیونکہ متحرک کو بھی شامل ہے پس لامحالہ مراد جہد المقل کی عبارت مذکورہ کاف و تا ساکن ہے پس اگر جہد المقل کی عبارت کے موافق تلفظ کیا جاوے تو کاف و تاء ساکن کے بعد صوت جاری رکھنا چاہئے۔ کیونکہ حرف ثم تعقیب و تراخی کے لئے ہے اب اگر یہ صوت کسی حرف کی ہے تو زیادتی فی القرآن لازم آئے گی۔ اور اگر صوت مسموع غیر حرفی ہے تو اس کا عدم جواز اداء اعاجم ہونا نشر ومنح سے ثابت ہوگیا۔ پس حکم یہ ہے کہ اگر صوت حرفی پیدا ہو تو لحن جلی ہوگا۔ اور اگر غیر حرفی ہو تو لحن خفی ہوگا۔ اور اگر جری صوت کا وہم وشبہ ہو تو یہ ادا مطابق اداء محققین کے ہے اور یہی ہونا چاہئے۔ اور غالباً مراد جہد المقل کی یہی ہے۔ لہذا اکثر جگہ ان کے کلام کی تاویل کرنا پڑے گی۔ اور یا یہ کہا جاوے کہ ان پر عجمیت غالب تھی۔ اور اس مقام پر اور نیز دیگر مقامات پر جہاں کہیں جریان نفس کثیر و صوت ضعیف کہا ہے یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ مراد جہد المقل کی جریان نفس کثیر سے کثیر بہ نسبت حروف مجہورہ کے ہے۔ گو دیگر حروف مہموسہ کے اعتبار سے قلیل ہو اور مراد صوت ضعیف سے صوت خفی غیر مسموع ہے۔ لان أدنی المخافة هو إسماع نفسه تو اس توجیہ پر جہد المقل کی عبارت سے یہ صوت مخصوص یعنی کاف و تا مخلوط بہاء ہوز بھی ثابت نہ ہوئی، پس کاف و تاء کے جریان نفس میں اس قدر مبالغہ کرنا جس سے ہا، ہوز کی یا کسی اور حرف کی آواز پیدا ہو (جیسا کہ بعض سین مہملہ کی اور بعض تاء مثلثہ کی آواز نکالتے ہیں) اور حروف عربی مخلوط التلفظ حروف عجمی ہو جاویں کا نا کو کھانا اور ابتر کو ابھتر پڑھنا نَقَلْتُ کو نَقَلْتَھ اور ذِكرَكَ کو ذکر کھ پڑھنا۔ اس طرح کی صفت ہمس ادا کرنا بالکل غلط و بے اصل ہے نہ کسی ماہر و محقق قاری سے سنا۔ نہ محققین کی کتب معتبرہ میں اس کا ذکر ہے۔ البتہ بعض اعاجم مثل اہل خراسان و ترکستان و ایران یا بعض اعراب عرب مثل اہل نجد و یمن وغیرہ سے اس قسم کی ادا سنی ہے۔ اور کتب ائمہ فن مثل شیخ جزری و ملا علی قاری سے اس قسم کی اداء کی تغلیط ثابت ہوتی ہے کما ذکر۔ اس قسم کی اداء مخترع و بے اصل ہے تو ان بعض علماء کے قول پر عمل کرنا بہتر ہے جو کہ کاف و تاء کو مجہورہ کہتے ہیں۔ نیز دیگر محققین قراء کے اقوال سے بھی اس قسم کی ادا کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی تحفہ نذریہ میں تحریر فرماتے

ہیں'' و پیدا ماد کہ در مقامہ صفات حروف چناں فساد برپا کردہ کہ اگر بطور قواعد مخترعہ او کلام اللہ خواندہ شود ضروراست کہ کلام اللہ محرف گردد چہ می گوید در وقف مہموسہ بعد سکون تاء و کاف آواز دیگر پیدا شدد چوں معنے ایں قول از تلامذہ او پرسیدند گفتند کہ در لفظ خُلِقَتْ خُلِقَتس باید گفت یعنی بعد سکون تاء آواز سین ساکن باید برآورد کہ اجتماع ساکنین شود بدون آں صفت ہمس حاصل نمی شود ہمچنیں در کاف ساکن در وقف بعد سکون کاف یک سین ساکن با آواز خفیف باید گفت وہمچنیں در حروف قلقلہ و دیگر صفات فساد ہا اختراع کردہ تعلیم مردم ساختہ سبحان اللہ در عبارات کتب قرأت چہ غلط فہمی کردو کدام علم شریف را بجہل مرکب خود فاسد ساختہ انتہی بقدر الحاجۃ ص ۸ ''تحفہ نذریہ بلالی پریس ساڈھورہ۔ نیز رسالہ مذکورہ میں دوسرے مقام پر صفحہ ۳۲ میں فرماتے ہیں کافؔ را احتیاط کند تا کاف فارسی کہ آں را کاف صماءؔ گویند نگر دد خصوصاً وقتے کہ مکرر باشد مانند بشرککم وما قبل مھموسہ آید مانند تستکثروا بسیار احتیاط کند کہ صوت دراں جاری نہ شود چنانچہ لغت بعضے عجمیا نست آھ حضرت قاری محمد علی صاحبؒ جلال آبادی حجۃ القاری مطبوعہ محمود المطابع کان پور ص ۳۵ میں فرماتے ہیں کاف با کاف فارسی نیا میزد و ہائے ہوز ہم درو پیدا نشود خاصۃ وقتے کہ پیش از حرف مہموسہ در آید نحو تستکثروا ہمچنیں اگر مکرر باشد نحو بشرککم آھ وقال العلامۃ الجزری فی مقدمتہ ؎

ورا ع شدۃ بکاف وبتاء کشرککم وتتوفی فتنتا

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

کتبہ العبد المسکین محمد یامین عفی عنہ رب العالمین معلم التجوید فی مدرسۃ امداد العلوم تھانہ بھون اوائل صفر ۱۳۳۸ھ

جواب نہایت صحیح ومدلل اور متقدمین ومتاخرین کی کتب واداء کے مطابق ہے۔

عبد الرحمٰن المکی ثم الالہ بادی عفی عنہ

حضرت مولانا ومرشدنا تھانوی افاض اللہ تعالیٰ برکاتہم نے احقر کو یہ فتویٰ دکھلایا۔ احقر حرف بحرف اس جواب سے متفق ہے۔ احقر سے اکثر لوگوں نے اس قسم کے سوالات کئے تھے جن کے مختلف طور سے جوابات دئے گئے۔ جو بفضلہ تعالیٰ اس جواب میں مع شے زائد سب مضامین موجود ہیں احقر بوجہ عدم فرصتی وبے سامانی اس حد تک نہیں کرسکا۔ اس تکمیل سے نہایت مسرت ہے۔

کمترین خلائق عبدالوحید الہ آبادی عفا اللہ عنہ۔ خادم درجہ قرأت مدرسہ عالیہ دیوبند ضلع سہارن پور۔

میں مدت سے ایسی تحقیق کا شائق تھا اس رسالہ کو دیکھ کر جوش مسرت میں یہ شعر بیساختہ قلب میں آیا ؎

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

جزی اللہ تعالی مؤلفھا خیر الجزاء

اشرف علی ۷ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۰۷)

ضمیمہ جمال القرآن نوشتہ قاری محمد یامین صاحب

جواب سوالات بر جمال القرآن

سوال (۲۶۲) نمبر ۱...... جمال القرآن میں ایک مقام سمجھ میں نہیں آتا۔ معلوم نہیں مطبع کی غلطی ہے یا سمجھ ناقص۔ خویدم کی ص ۴۳ و ۴۴ قاعدہ نمبر ۷ لئن بسطت اور احطت اور فرطتم الم نخلقکم میں الخ ص ۴۷ تصحیح اول کے چار لفظوں میں ادغام ناتمام متعین اور پانچویں الخ اس میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ صفحہ ۴۳ و ۴۴ پر کل صرف ۴ ہی لفظ ہیں۔ پس چار اور پانچویں کا جو تصحیح میں ہے کیا مطلب ہوگا۔

سوال نمبر ۲...... مخرج ضؔ میں حافہ لسان کو مجموعہ بیسوں اضراس سے ملانا چاہئے یا ضواحک وطواحن ونواجذ میں کسی ایک کے ساتھ تماس حافہ لسان کافی ہے۔

الجواب۔ جواب شبہ اول۔ صفحہ ۴۳ و ۴۴ قاعدہ نمبر ۷ میں غالباً مطبع کی غلطی سے مافرطتم کے بعد اور مافرطت رہ گیا ہے پس لفظ مذکور کو ملا کر چار لفظ ہو گئے کہ ان میں ادغام ناتمام متعین ہے۔ اور الم نخلقکم پانچواں لفظ ہے کہ اس میں ادغام تام بہتر ہے۔

جواب شبہ دوم۔ ضاد کے مخرج میں حافہ لسان کو اوپر کی پانچوں ڈاڑھوں (ضاحک اور ہر سہ طواحن اور ناجذ داہنی یا بائیں طرف) کی جڑوں سے ملانا چاہئے۔ صرف ایک دو کے ساتھ ملانا کافی نہیں اور نیچے کے اضراس سے ملانا غلط ہے۔

۲۷ شعبان ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۹۵)

جواب سوال متعلق قرأت ضعف بالضم واقعہ سورۂ روم [1]

ازمولانا قاری عبدالسلام صاحب پانی پتی عباسی

سوال (۲۶۳) امابعد سورۃ الروم کے اخیر کے رکوع میں من ضُعُفٍ کے ضاد کو ضمہ حفص کی روایت میں لکھا ہے امام عاصم اس ضاد کو فتح پڑھتے ہیں جبکہ حفص ان کے راوی ضمہ پڑہیں گے، تو ہر دو روایت کا خلط ملط ہو جاوے گا۔ اور خلط ملط ایک روایت کا دوسری روایت میں ناجائز ہے اگر ناجائز نہیں ہے تو مطلع فرمائیں۔

الجواب۔ امام حفص کی روایت اپنے استاد امام عاصم سے فتح ہے۔ اور دوسری روایت امام عاصم کے علاوہ ضمہ ہے تو گویا حفص ہر دو روایت ہے۔ اور یہ پڑھنا درست ہے۔ اس سے خلط روایت نہیں ہوتا۔

فان قلت هل يقرء الحفص بهذا الاختيار لانه وان لم يروه عن عاصم فقد رواه عن غيره و ثبت قرائته به اولايقرء به لانه خالف شيخه وخرج عن طريقه وروايته قلت المشهور المعروف جواز القراء ة به بذلك قال الذانى واختيارى فى رواية حفص منه طريق عمرو عبيد الاخذ بالوجهين بالفتح والضم فاتابع بذلك عاصما على قرأته واوافق به حفصاً على الاختيار وقال المحقق وبالوجهين قرأة له وبهما اخذغيث النفع سورة روم (محمد عبدالسلام عباسی

(تتمه ٥ ص ٣٦٧)

رساله التدقيق الجلى فى تحقيق النون الخفى

بسم الله الرحمن الرحيم

سوال (۲۶۴) **الحمدلله الذى هو نعم الوكيل والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله النبى الجليل واٰله و صحبه الذين هم اولو البروالصبر الجميل۔**

---

(۱) فائدہ متعلقہ بجواب ہذا سورۂ روم میں جو تین جگہ لفظ "ضعف" واقع ہے اس کے ضاد کا حفص نے ضمہ اختیار کیا ہے حالانکہ عاصم کی قرأت فتح ہے اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جب دونوں قرأت متواتر ہیں تو ایک کو ترجیح کی کیا وجہ ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ضمہ کو لغت قریش ہونے کی وجہ سے ترجیح ہو سکتی ہے۔ وفی المصباح الضعف بفتح الضاد فی لغت تمیم وبضمہا فی لغت قریش خلاف القوۃ والصحۃ (جمل سورۂ روم) کتبہ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۲۳ شعبان ۴۴ھ

امابعد نون مخفی کی ادا میں کتابوں سے جہاں تک پتہ چلتا ہے تقریباً نصف صدی سے اب تک قراء اس طرح سے ادا کرتے ہیں اور لکھتے چلے آ رہے ہیں کہ نون کا مخرج بالکل ادا نہ ہو صرف غنّہ مابعد کے حرف سے ممزوج ہو کر نکلے۔ جیسے اردو میں پنکھا جنگ وسنگ اور یہ ادا اتنی شائع ذائع ہوئی کہ عرب وعجم مہرہ وغیر مہرہ سب اس میں مبتلا ہو گئے حالانکہ اس ادائیگی میں اور ادغام ناقص کی ادا میں مثل من یقول من وال کے کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ مجھے اس اداء اخفاء میں تحصیل تجوید کے ایام ہی سے برابر اشکال رہا۔ لیکن اللہ کریم کا صدلاکھ شکر کہ امام العصر وحید الدہر رئیس القراء استاذ الاساتذہ الحضرت شیخی وسیدی مولانا الحاج الحافظ المقری عبدالرحمٰن المکی الالہ آبادی مدظلہم العالی کو نہ معلوم کیسے توجہ ہوئی کہ یکا یک ایک مضمون ارقام فرمایا کہ جس میں یہ ثابت کیا گیا کہ اداء اخفاء مروجہ (جو اس طرح ہوتی ہے کہ زبان کو ذرہ بھر دخل نہیں ہوتا۔ صرف صوت خیشومی مابعد کے حرف سے مل کر ادا ہوتی ہے) صحیح نہیں۔ بلکہ اس طرح ہونی چاہئے کہ نوک زبان نون ہی کے مخرج میں نہایت ضعف کے ساتھ لگے یعنی اتصال جس میں نہایت ہی ضعیف ہو۔ چنانچہ اس کا اثبات مع دلائل وعلل فرما کر اس مضمون عالی کو اپنے اس ناچیز خادم کے پاس بھی ارسال فرمایا۔ وہ مضمون عالی بتمامہ نہایت ہی معمولی توضیح وتشریح اور مختصر تغیر لفظی کے ساتھ اور وہ بھی ملتقطاً حسب ذیل ہے۔

لایقال لابد من عمل اللسان فی النون والشفتین فی المیم مطلقاً حتی فی حالة الإخفاء والإدغام بغنة وكذا للخيشوم عمل حتى فى حالة التحريك والإظهار فلم هٰذا التخصيص لانهم نظروللأغلب فحكمواله بانه المخرج فلما كان الأغلب فى حالة إخفائهما اوإدغامهما بغنة عمل الخيشوم جعلوا مخرجهما حينئذ وان عمل اللسان والشفتان ايضا ولما كان الأغلب فى حالة التحريك والاظهار عمل اللسان والشفتان جعلوا هما المخرج وان عمل الخيشوم حينئذ ايضا كما أفاده البعض عن العلامة الشبرا ملسی اور ان کے ارشد تلامذہ علامہ احمد دمیاطی اپنی کتاب اتحاف فی القرأت الاربعۃ عشر میں لکھتے ہیں۔ يجب على القارى ان يحترز من المد عند إخفاء النون فى نحوان كنتم وعند إلاتيان بالغنة فى النون والميم فى نحوان الذين واما فداء وهو خطاء قبيح و تحريف و ليتحرز ايضا من إلصاق اللسان فوق الثنا يا العليا عند إخفاء النون فهو خطاء وطريق الخلاص منه ان تتجافى اللسان قليلا من ذلك الخ مع الاختصار اور

نہایۃ القول المفید میں ہے قال فی المرعشی یجب علی ان یحترز فی حالة إخفاء النون من ان یشبع الضمة والفتحة والكسرة وليحترز ايضا من المدعند الإتيان بالغنة في النون والميم في نحوان واما فان ذلك خطأصريح و زيادة في كلام الله تعالى وليحترز ايضاً من إلصاق اللسان فوق الثنايا العليا عند إخفاء النون فهو خطأايضاً و طريق الخلاص منه ان يجا في اللسان قليلا من ذلك انتهى مع الاختصار۔اور امام جزری نشر فی القرأت العشر میں لکھتے ہیں المخرج السابع عشر وهوالغنة وهي تكون في النون والميم الساكنين حالة الإخفاء اوما في خفا حكمه من الإدغام بالغنة فان مخرج هذين الحرفين يتحول في هذه الحالة عن مخرجها الأ صلي على القول الصحيح كما يتحول مخرج حروف المدمن مخرجها الى الجوف على الصواب۔ پھر آگے احکام النون الساکنہ والتنوین کی تنبیہات میں لکھتے ہیں الاول مخرج النون والتنوين مع حروف الاخفاء الخمسة عشر من الخيشوم فقط ولاحظاهما معهن في الفم لا نه لاعمل للسان فيهما كعمله فيهما مع ما يظهران او يدغمان لغنة ۔ اور ملاعلی قاری منح الفکریہ میں لکھتے ہیں وان النون المخفاة مركبة من مخرج الذات ومن تحقق الصفة اور امام مکی کتاب الرعایہ میں لکھتے ہیں الإخفاء انما هو ان تخفي الحروف في نفسه لا في غيره والإدغام انما هو ان تدغم الحروف في غيره لا في نفسه فتقول خفيف النون عند السين واخفيت النون عند السين ولا تقول خفيت في السين ولا اخفيتها في السين و تقول ادغمت النون في الواوولا تقول ادغمتها عند الواو۔

امام شبراملسی، احمد دمیاطی، مرعشی، امام جزری، ملاعلی قاری، امام محمد مکی ان سب ائمہ کے اقوال سے ثابت ہوگیا کہ نون مخفی میں اصلی مخرج کو دخل ہے لیکن ضعیف اعتماد کے ساتھ جس کو کہ ہر ایک نے مختلف عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ مثلاً شبراملسی نے مقلوب سے دمیاطی اور مرعشی نے تجافی قلیل سے اور جزری نے کعملہ کی قید سے اور پہلے قول میں یتحول کے لفظ سے اور محمد مکی نے فی نفسہ لا فی غیرہ سے اور ملاعلی قاری نے مرکبۃ من مخرج الذات سے۔ اب جبکہ کلام ائمہ کے سیاق وسباق سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ صوت خیشومی بدون اعتماد محقق بایں قدر کہ پیدانہیں ہوسکتی اور پہلے یہ لوگ یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ نون مخفی اپنے اصلی مخرج سے خیشوم کی طرف متحول ہو جاتا ہے اور ذات نون باطل ہوجاتی ہے۔ اور الصاق لسان سے بھی احتراز کا حکم ہے۔ تو لامحالہ اس سے تولید حرف مدلازم آوے گی۔ کیونکہ جب نہ تو ذات نون باقی اور نہ زبان کا کسی مقام پر

الصاق تو صوت خیشومی محض جوف سے ادا ہوئی اور یہی تولید مدّہ ہے جو کہ محذور اور ممنوع ہے۔اور زیادۃ فی کلام اللہ ہے.........تو پھر اس سے خلاص کا طریقہ اور چھٹکارا کہ نون خفی بھی ادا ہو جاوے اور تولید حرف مدّہ بھی نہ ہو اور الصاق لسان بھی نہ ہو یہی ہے کہ اعتماد اپنے مخرج اصلی پر ضعیف ہو جس کو ہر ایک نے مختلف عنوان سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ اوپر گزرا۔ اب تعارض بین الاقوال بھی نہ رہا۔ اور اختلاف حقیقی کی صورت بھی رفع ہوگئی۔صرف نزاع لفظی کی صورت ہوگئی۔ اب جبکہ یہ امر ثابت ہوگیا کہ نون مخفی میں مخرج اصلی کو دخل ہے اور اس پر اعتماد ضعیف ہوتا ہے تو نون خفی کے ادا کرتے وقت مابعد کے حرف کے مخرج پر اعتماد کرنا مثل سنگ و جنگ وغیرہ کے بالکل باطل ہوگیا۔ اور اس کی کوئی اصل نہیں۔ حالانکہ ہم لوگ عموماً وخصوصاً اس میں مبتلا ہیں۔ ثانیاً یہ کہ اگر اعتماد مابعد کی کچھ اصل ہوتی تو تحول الی الخیشوم لکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ تحول الی مخرج مابعد الحرف لکھتے۔ علاوہ بریں نون مخفی کے عند الجمہور پندرہ حرف ہیں اور امام جعفرؒ کے نزدیک سترہ ہیں تو تعجب ہے کہ اہل فن ذرہ ذرہ تجوید کے دقائق اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں مگر اتنے مخارج والے حرف کو چھوڑ دیتے اور کہیں اشارتاً بھی اعتماد مابعد الحروف کو ذکر نہ کرتے۔ ثالثاً یہ کہ چونکہ نون مخفی کی اداء میں تولید حرف مدہ کا مظنہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر لسان کو یعنی مخرج اصلی کو کچھ دخل نہ ہو تو حرف مدہ پیدا ہونا چاہئے۔ جیسے کہ ماسبق کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔ حالانکہ اعتماد مخرج مابعد سے اس کا مظنہ بھی نہیں ہوتا۔ پس مظنہ تولید مدہ سے معلوم ہوا کہ اعتماد ما بعد الحرف پر صحیح نہیں ہے۔

سوال۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ تولید حرف مدہ تو مبالغہ فی الغنہ کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ لکھتے ہیں ویبالغ فی الغنہ۔

جواب۔ اس کا یہ ہے کہ حرف مدہ سے غنہ کے تقویت نہیں ہوتی بلکہ اور مانع عن الغنہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ اکثر غیر مشاق سے اتحاجونی وغیرہ میں غنہ ادا نہیں ہوتا۔ اگر مدّہ غنہ کا مؤید ہوتا تو یہ دقت نہ ہوتی۔ تو عبارت مذکور کا مطلب یہ ہے کہ ان یبالغ الغنہ ای فی اخراج حرف الغنہ من الخیشوم۔ رابعاً یہ کہ جہد المقل میں ہے۔ فلیحذر القاری عن إطباق أقصی اللسان الی الحنك عند التلفظ بالغنة قبل القاف والکاف اس تحذیر سے صاف ظاہر ہوگیا کہ غنہ یعنی نون مخفی قبل القاف والکاف کے ادا کرتے وقت اقصیٰ لسان کا حنک اعلیٰ سے اطباق نہ ہونا چاہئے۔ جیسا کہ اردو میں پنکھا اور سنگ وغیرہ میں ہم لوگ کرتے ہیں۔ خامساً یہ کہ امام جعفر کے یہاں خاء اور غین میں بھی اخفاء ہوتا ہے۔ اور یہاں اعتماد مخرج مابعد کی کوئی صورت

نہیں ۔سوائے اس کے کہ ادنی حلق سے صوت خیشومی مفخم نہایت دقت سے ادا ہو بلکہ اس میں غین وخاء کی کچھ بو وشائبہ بھی مسموع ہو اس کی کیا خصوصیت ہے بلکہ اکثر حروف میں نون مخفی کے ادا کرتے وقت آئندہ والے حرف کا شائبہ ہوتا ہے۔خصوصاً حروف مستعلیہ میں غنہ مفخم ادا ہوتا ہے۔اور ممنوع ومنہی عنہ ہے۔جیسا کہ نہایۃ القول میں حروف فرعیہ کے بیان میں ہے قال الحلبی وزاد القاضی اللّامام والنون المخفاۃ وھو وھم اذلیس فیھما شائبۃ حرف آخر ولم یقعا بین مخرجین ۔اور ملاعلی قاری شرح شاطبی میں لکھتے ہیں وان النون المخفاۃ لیس فیھا شائبۃ حرف آخر ولم تقع بین مخرجین و کونھا ذات مخرجین لایلزم بینیتھا۔حلبی اور ملاعلی قاری نے تصریح کر دی کہ نون خفی میں شائبہ دوسرے حرف کا نہیں ہوتا اور نہ دو مخرج سے ادا ہوتا ہے۔کیونکہ مخرج تو خیشوم قرار دیا گیا ہے۔اور مخرج اصلی بوجہ اعتماد ضعیف اور تجافی قلیل کے کالعدم سمجھا گیا تو اب دوسرا مخرج کہاں جو نون خفی کو حرف فرعی کہا جاوے اور اگر اعتماد مابعد کے حرف پر صحیح ہوتا تو لم یقع بین مخرجین نہ لکھتے بلکہ وقع بین مخرجین لکھتے ۔اور نون کو حرف فرعیہ میں داخل کرتے کیونکہ نون خفی کے لئے ایک مخرج تو خیشوم تھا ہی۔دوسرا حرف مابعد کا مخرج ہو جاتا۔پس حرف فرعی کی تعریف ماتردد بین المخرجین صادق ہو جاتی۔

سوال ۔چونکہ یہ ثابت ہو گیا کہ نون خفی کا مخرج خیشوم ہے۔اور زبان کو بھی دخل ہے تو حرف فرعی کی تعریف ماتردد بین المخرجین تو صادق آ گئی تو پھر حلبی اور ملاعلی قاری نے لم یقع بین مخرجین کیوں لکھا۔

جواب یہ ہے کہ یہاں صفت محذوف ہے یعنی لم یقع بین مخرجین متغائرین حرفا ہما اور حرف مابعد کے اعتماد یعنی مثل سنگ کی ادائیگی پر صادق آوے گا وقع بین مخرجین متغائرین حرفا ہما اور وقوع بین مخرجین متغائرین حرفا ہما کو لازم ہے تردد بین المخرجین جیسا کہ الف ممالہ، صاد مشممہ، ہمزۂ مسہلہ ہوتا ہے حالانکہ یہ معلوم ہو چکا کہ نون خفی میں دوسرے حرف کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔پس اسی واسطے حلبی نے اس کی فرعیت سے انکار کر دیا۔لیکن چونکہ ملاعلی قاری نے حرف فرعی کی تعریف ہی دوسری لکھی ہے۔یعنی ماعدل عن مخرجہ الأصلی او الصفۃ الذاتیۃ لہٰذا اس تعریف کے بموجب نون خفی ولام مفخم بھی فرعی ہی رہے گا۔سادساً یہ کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی درۃ الفرید میں اخفاء کی تعریف وغیرہ کے بعد لکھتے ہیں کہ ولا یخفی ما فیہ من اللطف والدقۃ۔اگر یہی اعتماد مابعد الحرف معتبر ہوتا یعنی مثل پنکھا وغیرہ کی ادا کے تو دقت کیا تھی دقت اس میں ہے کہ اظہار والا بھی اعتماد نہ ہو اور ادغام والا بھی اعتماد نہ ہو۔علاوہ برایں

شیخ کو اخفاء ہی کے لئے یہ کہنے کی کیا خصوصیت تھی جبکہ ادغام ناقص اور اخفاء میں کوئی فرق نہیں تھا۔ سابعاً یہ کہ جمیع اہل فن سلفا وخلفا یہ لکھتے ہیں کہ مخفی میں تشدید نہیں ہوتی اور مدغم میں تشدید ہوتی ہے۔ یہ فرق سب لکھتے ہیں۔ اور تشدید کی یہ تعریف کرتے ہیں ھو شدۃ اتصال الحرفین مع امتزاجھما فی السمع بحیث یرتفع اللسان ارتفاعاً واحدا۔ اب ہم لوگ جو مابعد کے حرف پر زور دے کر اخفاء ادا کرتے ہیں اس میں تشدید پیدا ہو جاتی ہے۔ اور تعریف مذکور صادق آ جاتی ہے۔ مگر تشدید ناقص جیسا کہ احطت اور بسطت کے ادغام میں تشدید ناقص ہوتی ہے۔ ثامناً یہ کہ مرعشی وغیرہ لکھتے ہیں کہ جو حروف اخفاء نون سے بعید المخرج ہیں ان میں نون اقرب الی الاظہار ہوگا۔ اور اقرب الی الاظہار جب ہی ادا ہوگا جب نون کو اپنی اصلی مخرج سے تعلق ہو۔ اور اعتماد زیادہ ہو حالانکہ اخفاء کی مروجہ ادا میں حرف فا، وقاف وکاف میں مخرج اصلی کو کچھ ذرہ بھر بھی دخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان تمام ادلہ اور نقول سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ اعتماد مابعد الحرف اور اداء مروجہ باطل اور بے اصل ہے۔ اور اس کے رواج کی وجہ محض مہرہ تجوید کی بے توجہی اور قلت ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ اصعب میں اسہل جذب ہو جاتا ہے کیونکہ طبیعت کا اہتمام اصعب کی طرف ہوتا ہے جس سے اسہل میں خرابی آ جاتی ہے تو چونکہ نون ساکن قبل حروف اخفاء ثقیل علی اللسان ہے۔ اس واسطے نون ساکن مابعد کے حرف میں جو سہل الخروج ہے جذب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ اعتماد مابعد الحرف مروج ہو گیا۔

سوال۔ اگر یہ شبہ کیا جاوے کہ اخفاء کی تعریف ہے حالۃ بین الإظھار والإدغام عار من التشدید اور بینیۃ جب ہی ہوگی جب مابعد سے بھی لگاؤ ہو۔

جواب یہ ہے کہ عار من التشدید بمنزلہ فصل کے ہے اور اس لگاؤ یعنی اعتماد سے مثل ادغام ناقص کے ہو جاوے گا جس میں کہ تشدید بھی ناقص ہوتی ہے۔ حالانکہ اخفاء میں کسی قسم کی تشدید بھی نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ نون مخفی ونون مدغم وغیرہ قسم ہیں نون مطلق کی اور مقسم کی قسموں میں تبائن ہوتا ہے۔ اور اس اعتماد سے مخفی ومدغم بادغام ناقص میں مثل من یقول کے کچھ تھوڑا ہی سا فرق ہوتا ہے جس سے ادغام کی تعریف صادق آ جاتی ہے۔

حالت بین الاظہار والادغام کے معنی یہ لکھتے ہیں لا إظھار فیه ولا إدغام اظہار کے معنی ہیں اپنے مخرج اصلی اور صفات اصلیہ کے ساتھ ادا کرنا۔ اور ادغام کے معنی ہیں خلط حرف بحرف بحیث یرتفع اللسان ارتفاعاً واحداً مع شدۃ الاتصال فیھما اور خلط کی تین صورتیں ہیں یا تو خلط ساتھ قلب ذات مع جمیع صفات کے ہوتا ہے جیسے قل رب میں ہے یا

قلب ذات مع بقاء صفت غنہ کے جیسے من یقول و من وال میں ہے یا خلط مع شدۃ الاتصال ساتھ انعدام بعض صفت کے جیسے احطت میں ہوتا ہے۔ اب تعریف مذکور کا مطلب سمجھ لیجئے۔ اخفاء میں ذات نون کامل طور پر اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتی۔ اس لئے اظہار نہ ہوا۔ اور چونکہ کچھ مخرج کو بھی دخل ہے۔ اور صفت غنہ بھی باقی ہے۔ لہذا کچھ اظہار بھی ہوا اور ادغام میں سَتر ذات یا صفت کا ہوتا ہے۔ اور یہ سَتر اخفاء میں بھی ہے۔ مگر ادغام خلط اور شدۃ الاتصال کے ساتھ ہوتا ہے اور اخفاء میں یہ بات نہ ہونی چاہئے۔ لہٰذا اب اخفاء کی تعریف بین الاظہار والادغام بھی صادق آ گئی۔ اور لا اظہار والا دغام بھی صادق آ گیا۔ اسی واسطے تو محققین نے ادغام اخفاء کی یوں تفریق بیان کی ہے۔ الاخفاء إخفاء حرف في نفسه عند غيره لافي غيره فی نفسہ کے معنی اے فی مخرجہ اور عند غیرہ کے معنی اے عند حروف الاخفاء لا غیر۔ لا فی غیرہ کے معنی اے لا فی مخرج غیرہ۔ اور ادغام میں لکھتے ہیں هو إخفاء حرف في غيره ايے في مخرج غيره۔ اس تفریق کے بعد معلوم ہو گیا کہ اعتماد مابعد سے لازم آوے گا إخفاء الحرف في غيره وهذا خلاف ما صر حوابه۔

سوال۔ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام سخاوی و امام دانی نے یا، اور واؤ میں ادغام ناقص کو لکھا ہے کہ حقیقت ادغام نہیں بلکہ وہ اخفاء ہے۔

جواب۔ یہ ہے کہ ان حضرات نے مطلقاً ادغام کی کہیں نفی نہیں کہ بلکہ تمام کی نفی کی ہے۔ کیونکہ تیسیر میں لکھتے ہیں والباقون يدغمون فيهما اى فى الواو والياء لكن القلب الصحيح ممتنع فيهما۔ اس آخری جملہ سے معلوم ہو گیا کہ نفی قلب کامل کی ہے۔ باقی ادغام ناقص کو اخفاء لکھنا اس کا یہ منشاء ہے کہ اخفاء کی تعریف ہے حالة بين الاظهار والادغام اس تعریف سے اخفاء اور ادغام میں جو کہ باہم قسیم ہیں چونکہ قدر مشترک ثابت ہوتی ہے لہٰذا ایک کا دوسرے پر اطلاق کر دیا گیا۔ ورنہ حقیقۃً دونوں جدا جدا مستقل ہیں اور متبائن کیونکہ اتنی عبارت بین الاظہار والادغام تو بمنزلہ جنس کے ہے اور اس سے آگے کی عبارت عار من التشدید بطور قید کے جس کی دانی و سخاوی نے بھی تصریح کی ہے یہ بمنزلہ فصل کے ہے اس قید سے اخفاء ادغام سے نکل جاتا ہے۔ بلکہ اخفاء اور ادغام کی تعریف جو اوپر بیان کی گئی ہے اس سے تو اخفاء کو ادغام سے چاہے ناقص ہی کیوں نہ ہو۔ کچھ مناسبت ہی نہیں ہے۔ صرف لغوی معنی میں اشتراک ہے۔ یعنی محض مطلقاً استتار اسی واسطے امام جزری اور ملا علی قاری وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ اطلاق دانی و سخاوی کا ادغام ناقص کو اخفاء لکھنا صحیح نہیں ہے۔ یا یہ کہا جاوے کہ ان حضرات کی اصطلاح ہی جدا

ہے۔جیسا کہ لکھتے ہیں۔الاخفاء مابقیت معہ الغنتہ۔اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے حرف کا جہاں کچھ اثر باقی رہے وہ اخفاء ہے مگر پھر تفصیل بھی ان ہی کے اقوال سے ثابت ہوتی ہے کہ اخفاء کے اقسام میں کہیں بلا قلب وخلط وبلاتشدید جیسا کہ حروف اخفاء میں ہوتا ہے اور کہیں مع القلب والخلط والتشدید مع الغنہ جیسا کہ من یقول اورمن وال میں ہوتا ہے۔اور کہیں خلط بلا قلب مع التشدید جیسا کی احطت میں ہوتا ہے اب ان ہی کی تفصیل سے واضح ہوگیا کہ ادغام ناقص اوراخفاء دونوں غیر ہیں۔اوروہ اطلاق محض اصطلاحی ہے۔

حاصل ساری تحریر کا یہ ہے کہ نون مخفاۃ نون مظہر کے مخرج سے ساتھ قرع ضعیف کے ادا کیا جائے اور مابعد کے حرف کا اس میں شائبہ بھی نہ ہو نہ اس کے مخرج پر اعتماد ہو۔

واٰخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین۔ فقط

تصدیق از استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب الہٰ آبادی

ان ھذا لھو الحق والحق احق ان یتبع عبدالرحمن بن محمد بشیر خان الالٰہ آبادی

(تتمہ خامسہ ص ۲۶۰)

اصلاح بعض عبارات جمال القرآن ودفع تعارض ظاہری با عبارات زینۃ القرآن

سوال (۲۶۴) جمال القرآن صفحہ ۲۰ قاعدہ ۴۵ میں لکھا ہے،نون ساکن اورتنوین کے بعد اگر حرف باء آوے تو اس باء کو میم سے بدل کر الخ پس اگر باء کو میم سے بدل دیا جاوے تو من بعد سے من معد ہوجاوے گا۔اور کتابوں میں لکھا ہے کہ نون ساکن اورتنوین کے بعد اگر حرف باء آوے تو اس نون ساکن اورتنوین کو میم سے بدل دیا جاوے تو اس صورت میں ایسا ہوگا یعنی من بعد سے مم بعد ہوجاوے گا۔آیا عبارت جمال القرآن کی صحیح ہے یا میری کم فہمی کے سبب سمجھ میں نہیں آتا؟

الجواب۔واقعی جمال القرآن کی عبارت میں لغزش ہوئی۔یوں لکھنا چاہئے تھا کہ اس نون کو میم سے بدل کر۔" ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (ترجیح خامس ص ۶)

سوال (۲۶۵) گزارش یہ ہے کہ احقر نے رسالہ زینۃ القاری اردو کا مطالعہ کیا بعض مضامین رسالہ جمال القرآن کے خلاف پائے۔لہٰذا جناب والا سے استفسار کرتا ہوں۔امید

ہے کہ جواب شافی سے ممنون فرماویں گے۔ فی الحال صرف تین سوال ارسال خدمت ہیں۔ چونکہ جناب کا قاعدہ مقررہ ہے کہ دو تین سوال سے زائد ایک بار میں دریافت نہ کئے جاویں للہذا باقی سوال آئندہ انشاء اللہ ارسال کروں گا۔

الجواب۔ السلام علیکم۔ چونکہ فن قرأت کے متعلق سوالات تھے اس لئے میں نے جواب کے لئے قاری محمد یامین صاحب مدرس مدرسہ ہذا کے سپرد کردیئے چنانچہ ذیل میں منقول ہیں۔

سوال (۱) جمال القرآن میں لحن جلی کی صورتوں میں سے ایک یہ لکھی ہے کہ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ دیا۔ اور لحن خفی کی تعریف میں لکھا ہے کہ حرفوں کے حسین ہونے کے جو قاعدے مقرر کئے ہیں ان کے خلاف پڑھنا (صفحہ ۳ و ۴ لمعہ ۲) اور زینۃ القاری میں صورت مذکورہ کو لحن جلی میں نہیں لکھا بلکہ یہ لکھا ہے کہ لحن جلی کہتے ہیں اعراب چوکنے کو یا لفظ میں اس کے اصل سے کچھ زیادہ کم کرنے کو۔ اور لحن خفی کہتے ہیں حرف کے مخرج چھوڑنے کو اس طرح پر کہ حرف اپنے مخرج سے نہ ادا ہوا انتہی (ص ۱۰ مطبوعہ مجیدی کانپور) پھر بعض مشتبہ الصوت حروف کی مثالیں لکھی ہیں۔ پس مشتبہ الصوت میں ایک کی جگہ دوسرا پڑھنے سے جمال القرآن کے مطابق لحن جلی ہوگا۔ اور زینۃ القاری کے مطابق خفی اور خلاف قواعد حسن پڑھنے کو لحن نہیں لکھا۔ سو محقق امر سے مطلع فرماویں۔

الجواب۔ یہ امر ظاہر و مسلم ہے کہ متعارض اقوال میں اسی قول کو ترجیح ہوگی جس کے مؤید و موافق علماء اکابر و سلف معتبرین کے اقوال ہوں۔ اس بناء پر جمال القرآن کا قول محقق و درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ ملا علی قاری شارح مقدمۃ الجزریہ اور مرعشی صاحب جہد المقل یہ دونوں حضرات فن تجوید و قرأۃ کے بڑے محقق و ماہر و مستند و عالم اور مسلم ہیں۔ ان دونوں کے کلام کا خلاصہ لحن جلی و خفی کے متعلق نہایۃ القول المفید فی علم التجوید مطبوعہ مصر (کہ فن تجوید میں بہتر تصنیف ہے۔ اور مقبول و متداول بین القراء والمجودین ہے) ص ۲۲ میں اس طرح منقول ہے۔

وهو (اى اللحن) نوعان جلي وخفي ولكل احد منهما حديخصه و حقيقة يمتازبها عن صاحبه فاما الجلي فهو خطاء يطرأ على الألفاظ فيخل بالعرف اعنى عرف القراء و سواء أخل بالمعنى ام لم يخل وانما سمى جليا لانّه يخل إخلا لا ظاهراً يشترك في معرفته علماء القراء ة وغيرهم وهو يكون في المبنى اوالحركة اوالسكون والمراد من المبنى حروف الكلمة ومن

الخطاء فيه تبديل حرف بآخر كتبديل الطاء والابترك إطباقها واستعلائها اوتاء يتركهما وبإعطائها همسا واما اللحن الخفى فهو خطأ يطرأ على اللفظ فيخل بالعرف ولايخل بالمعنى وانما سمى خفياً لا نه يختص بمعرفته علماء القراءة واهل الأداء وهو يكون في صفات الحروف كذا أطلق لكن ينبغي ان يقيد الخطاء بمالا يؤدى الى تبديل حرف بآخر كترك الادغام واما اذا أدى اليه كترك الإطباق في الطاء وترك استعلائها فهو من اللحن الجلي۔

پس اس عبارت کا مدلول مطابق ہے جمال القرآن کی مدلول کے۔ دوسری بات یہ ہے کہ لحن جلی کی تعریف میں فیما بین جمال القرآن وزینۃ القاری کچھ تعارض نہیں کیونکہ زینۃ القاری میں لحن جلی کی چار صورتوں میں سے تین بیان کی گئی ہیں۔ اور ایک چھوٹ گئی سو ایک کے چھوڑ دینے سے تعارض نہیں ہوسکتا۔ اور لحن خفی کی تعریف خود مصنف زینۃ القاری مولانا کرامت علی صاحب جونپوری اپنے دوسرے رسالہ شرح ہندی جزری میں جمال القرآن کے مطابق بیان کررہے ہیں ص ۲۴ پر لکھتے ہیں۔ دوسرا طور یہ کہ معنی نہیں بدلتا۔ جیسے باریک کو پُر کیا یا پُر کو باریک یا اظہار کے مقام میں ادغام کیا یا اخفاء کیا اس کو لحن خفی کہتے ہیں۔ اس غلطی سے معنی تو نہیں بدلتے مگر قرآن کی رونق میں خلل ڈالتی ہے اور اس کی خوبی ودلچسپی کو کھودیتی ہے۔

سوال (۲) جمال القرآن میں ل ن ر کو ذلقیہ اور ظ ذ ث کو لثویہ لکھا ہے (ص ۹ لمعہ ۴) اور زینت القاری میں لکھا ہے حروف ذلقیہ یعنی جو زبان کی تیزی سے یعنی نوک سے نکلتے ہیں ظ، ذ ث اور لثویہ یعنی جو مسوڑھوں سے نکلتے ہیں ل، ر ن انتہی (ص ۱۷ و ۱۸) یہ بالکل عکس ہے سو کون سی بات ٹھیک ہے۔ تحریر فرمایا جاوے۔

الجواب۔ جمال القرآن کا قول ٹھیک ہے۔ کیونکہ فن تجوید وقرأۃ کتب متداولہ مذکورہ و شرح ملاعلی قاری علی المقدمۃ الجزریہ المسمی بمنح الفکریہ ودیگر کتب متندہ زینۃ القاری کی موافقت نہیں کرتیں۔ غالبًا ناسخین کی یہ غلطی معلوم ہوتی ہے۔ اور جمال القرآن کا قول تمام کتب تجوید کے موافق ہے۔ فظهر الامر للمقدمة المذكورة۔

سوال (۳) جمال القرآن میں راء کی صفت تکریر کے متعلق لکھا ہے کہ اس سے بچنا چاہئے۔ اگر چہ اس پر تشدید بھی ہوالخ۔ (ص ۷ المعہ ۵) اور زینۃ القاری میں لکھا ہے راء کو ایسا ادا کرے کہ اس کے صفت تکرار کی نہ جاتی رہے پُر بھی ہو اور صفت تکرار کی بھی باقی رہے۔ خاص کر جب مشدد ہو۔ (ص ۱۲) یہ تو صریح تعارض ہے۔ امید کہ جواب شافی سے جلد مشرف

فرمائیں گے تاکہ دوسرے سوالات جلد ارسال خدمت کرسکوں۔

الجواب۔ جمال القرآن کا قول محقق ہے۔

كما قال المحقق ملّا على فى منح الفكرية على المقدمة الجزرية المطبوعة فى مصر ص ۲۳ مانصه فى شرح قول المتن و بتكرير جعل والمعنى ان الراء يوصف بالتكرار ايضا كما وصف بالانحراف والتكرار إعادة الشئى وأقله مرة على الصحيح و معنى قولهم ان الراء مكرر هو ان الراء له قبول التكرار لار تعاد اللسان به عند تلفظه۔ كقولهم لغير الضاحك انسان ضاحك يعنى انه قابل للضحك و فى الجعل إشارة الى ذلك ولهذا قال ابن الحاجب لما تحسه من شبه ترديد اللسان فى مخرجه واما قوله ولذالك جرى مجرى حرفين فى أحكام متعددة فليس كذلك بل تكريره لحن فيجب معرفة التحفظ عنه للتحفظ به وهذا كمعرفة السحر ليجتنب عن تضرره و ليعرف وجه رفعه قال الجعبرى و طريقة السلامة ان يلصق اللّافظ ظهر لسانه بأعلى حنكه لصقا محكما مرة واحدة و متى ارتعد حدث فى كل مرة راء قال مكى لا بد فى القراء ة من إخفاء التكرير وقال واجب على القارى ان يخفى تكريره و متى أظهر فقد جعل من الحرف المشدد حرفاً ومن المخفف حرفين ۔ انتهى والله تعالى اعلم۔ (ترجیح خامس ص ۱۰۵)

تحقیق قرأت در کلمہ الصراط در ہر دو مقام سورۃ فاتحہ۔

سوال (۲۶۶) احقر اس وقت تیسیر کا مطالعہ کررہا تھا۔ ایک مقام میں شک واقع ہوا۔ فدوی نے اس مقام کو وجوہ المثانی میں نکال کر دیکھا لیکن اطمینان نہیں ہوا اس وجہ سے حضور کی خدمت میں عرض ہے کہ حضور والا جواب تحریر فرمائیں کہ کس عبارت پر عمل کیا جاوے شک یہ ہے۔ مطلب عبارت تیسیر الصّراط میں خلف الصاد کو باشمام الزائے پڑھتے ہیں۔ اور خلاد بھی خاص سورۂ فاتحہ میں صاد کو باشمام الزائے پڑھتے ہیں مطلب عبارت وجوہ المثانی الصراط میں صاد کو خلف باشمام الزائے پڑھتے ہیں۔ اور قنبل بالسین اور باقی قراء صاد خالص پڑھتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلاد بھی اس کو صاد پڑھتے ہیں حالانکہ خلاد خاص کر اس میں اشمام بالزائے کرتے ہیں۔ یعنی سورۂ فاتحہ میں۔ امید ہے کہ حضور جواب باصواب سے معزز وممتاز فرمائیں گے۔

الجواب ۔ میں نے مکررہ سے یہ رسالہ مرتب کیا ہے ۔ اس وقت میں نے اسکی طرف مراجعت کی ۔ معلوم ہوا کہ اس کی عبارت میں اس وقت غور سے کام نہیں لیا گیا تھا ۔ اس کا اور تیسیر کا ایک ہی مطلب ہے ۔ چنانچہ میرے رسالہ تنشیط میں تیسیر کے موافق ہے ۔ اب اس کی عبارت میں اس طرح ترمیم کرتا ہوں ۔

قوله تعالى الصراط الاول المعروف فيه قراء ت الاولى بالإشمام وهو ان ينطق القارى بحرف متولد بين الصاد والزائے لخمرة والثانية بالسين لقنبل كجميع القرآن والثالثة بالصاد الخالصة للباقين كالجميع قوله تعالى صراط المثانى المنكر فيه قراء تان الأولى بالإشمام لخلف كجميع القران والثانية بالسين لقنبل كما ذكر والثا لثة بالصاد الخالصة للباقين (ومنهم خلاد)

اگر اس عبارت میں بھی شبہ ہوتو میں زیادہ غور کر کے مکرر درست کردوں ۔ اگر شبہ نہ ہوتو حاجت جواب نہیں ۔ مکرر آنکہ سوال کی عبارت قابل توضیح ہے اس طرح قوله خلاد بھی خاص سورۂ فاتحہ میں صاد کو باشمام الزائے پڑھتے ہیں الخ یہ اس طرح ہونا چاہئے خلاد بھی خاص سورۂ فاتحہ کے لفظ الصراط بلام التعریف میں الخ وکذا قوله ۔ حالانکہ خلاد خاص کر اس میں الی قوله یعنی سورۂ فاتحہ میں الخ یہ اس طرح ہونا چاہئے خاص کر اس میں یعنی سورۂ فاتحہ کے الصراط اول میں ۔
۲۴ رجب ۱۳۳۵ھ (ترجیح خامس ص ۲۲)

تحقیق مزلقہ ومصمتہ

سوال (۲۶۷) بفضلہ تعالیٰ جمال القرآن کا ترجمہ سندھی زبان میں کر چکا ہوں ۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس کے فضل سے چھپنے کا بھی بندوبست ہوجاوے گا ۔

جمال القرآن کے ص ۱۵ صفت ۱۰ میں ارقام ہے کہ (مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ وہ حروف زبان اور ہونٹ کے کنارے سے نہ ادا ہوں گے ۔ اور مزلقہ کے سوا سب حروف مصمتہ ہیں) معروض یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ حروف مصمتہ میں زبان اور ہونٹ کے کنارے کا دخل نہ ہوگا ۔ حالانکہ اوپر ص ۹ میں مرقوم ہے کہ (مخرج ۱۳ طا اور ذال اور ثاء کا ہے ۔ اور وہ زبان کا کنارہ اور ثنایا علیا کا سرا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ مخرج ۱۳ میں زبان کے کنارہ کا دخل ہے حالانکہ یہ حروف مصمتہ ہیں نہ مذلقہ ۔ حضرتا یہ میرا شبہ صحیح ہے یا غلط میری اصلاح فرمادیں ۔

الجواب ۔ مجھ کو اس فن کے مسائل مستحضر نہیں ۔ کہیں سے دیکھ کر لکھا ہوگا ۔ اب کسی ماہر سے

مستقل تحقیق کر کے اسی کو اصل سمجھیں۔ (ترجیح خامس ص ۸۳)

تحقیق بسملہ درابتداءسورۂ توبہ

سوال (۲۶۸) سیدی ومولائی دام ظلکم العالی۔السلام علیکم۔عرض یہ ہے کہ جناب نے ترک بسملہ کو ابتداء تلاوت براءۃ سے ہوا غلاط العوام میں داخل کیا ہے۔ اور مکررہ میں ہے وأجمع القراء علی ترك البسملة فی اول براءة سواء ابتدأبها او وصلها بالأنفال ایسا ہی شاطبیہ میں ہے۔لہٰذا جناب کے قول اور مکررہ میں جوصورت تطبیق ہوتحریر فرمائیں۔

الجواب۔ واقع میں ان دونوں قولوں میں تطبیق نہیں ہوسکتی۔مگر یہ مسئلہ فن قرأت کا نہیں اس لئے میرے نزدیک اس میں قاری کا قول حجت نہیں۔قواعد کا مقتضا میرے نزدیک وہی ہے جو میں نے لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔ بعد تحریر سطور ہذا ایک وجہ تطبیق کی جو مجھ کو بہت لطیف معلوم ہوتی ہے خیال میں آ گئی وہ یہ ہے کہ ابتداء بسورۃ توبہ میں بسم اللہ پڑھنے کی دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت ابتداء بمطلق القرأۃ کی دوسری حیثیت ابتداء بالسورۃ کی پس اغلاط العوام میں اول کا اثبات ہے۔اور مکررہ وشاطبیہ میں ثانی کی نفی ہے۔فلا تعارض واللہ اعلم۔ (ترجیح خامس ص ۱۰۳)

رفع تعارض درمیان قول عاصم وامام صاحبؒ دربارۂ جزئیت تسمیہ

سوال (۲۶۹) خاکسار نے الامداد میں ایک عبارت بعنوان سوال و جواب بسم اللہ کے بارہ میں دیکھی تھی جس کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بسم اللہ مبسملین کے یہاں جزو ہرسورت نہیں۔اور شاطبی کا جوشعر ہے ؎

و بسمل بین السورتین بسنة رجال نموها درية و تحملا

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بسم اللہ مبسملین کے یہاں جزو ہرسورت ہے، بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے ہرسورۃ کے پہلے بسم اللہ پڑھی ہے۔ بے شک یہ توضیح ہے۔لیکن شاطبی پشاوری جس کے حاشیہ پر دوشرحیں چڑھی ہیں منجملہ ان کے شرح کنزالمعانی بھی ہے۔کنزالمعانی کے صفحہ ۳۸ پر اسی شعر کی شرح کی ہے۔ ثم المبسملون بعضهم عدها اٰية من كل سورة سوی براءة وهم غير قالون وعدها حمزة من التاركين آية من الفاتحة فقط۔اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن کثیر اور امام عاصم اور امام کسائی کے یہاں بسم اللہ

ہر سورۃ کا جزو ہے۔ جناب اس کا جواب تحریر فرمادیں؟

الجواب۔ مجھ کو بھی اس عبارت سے اپنے جواب میں تردد واقع ہوگیا۔ اور جس سوال کا میں نے جواب دیا تھا وہ پھر محتاج جواب ہوگیا۔ میرے پاس نہ کتب ہیں نہ وقت۔ دوسرے علماء وقراء سے رجوع کیا جاوے۔ اور کوئی شافی جواب ملے بشرط مہلت مجھ کو بھی اطلاع دیجئے میں اپنے کسی رسالے میں نقل کردوں گا۔ ایک توجیہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ ہر سورت کے ساتھ بسم اللہ پڑھنا نہ پڑھنا تو روایت کے متعلق ہے۔ اور جزو ہونا نہ ہونا اجتہاد کے متعلق ہے۔ روایت میں عاصم کا قول حجت ہوگا۔ اور اجتہاد میں امام صاحبؒ کا پس میرا اصلی جواب سالم رہا۔ ۱۲رشوال ۱۳۳۹ھ

مخدوم مکرم دامت فیوضہم بعد سلام بصد تعظیم کے عرض یہ ہے کہ کہ والا نامہ صادر ہوا۔ جناب قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث انصاری پانی پتی تسمیہ کے بارہ میں ائمہ فقہ کے اقوال نقل کر کے یوں لکھتے ہیں ''وہمہ اقوال حق اند واز قبیل اختلاف قرأت ہستند۔'' اور اسی عبارت پر خود ہی منہیہ لکھتے ہیں وہ یہ ہے۔ ''بدانکہ چوں در جزو بودن ونبودن بسم اللہ از ہر سورۃ اختلاف قرأت است پس بر قاری قرأۃ مبسملین در تراویح قرأۃ بسملہ برسر ہر سورۃ جہراً واجب شد والا ترک یک صدو چہاردہ آیت در ختم لازم آید۔ وآں جائز نیست ومعمول دیار حنفی المذہب برخلاف آن است پس سبب اہل ترک وغفلت معلوم نیست۔'' اور دوسرے رسالہ میں جو خاص اس مسئلہ میں ہے یوں لکھتے ہیں۔ ''تسمیہ کا مسئلہ اجتہادی بھی نہیں۔ چونکہ منصوصات میں اجتہاد جائز نہیں۔ لہٰذا ہم چونکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد مسائل اجتہادیہ میں ہیں نہ مسائل منصوصہ میں تو ہم کو اس بات کا قائل ہونا پڑا کہ ہم مسائل فقہیہ میں تو امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں۔ کیونکہ وہ امام اور مجتہد مطلق تھے۔ اور قرأۃ میں مقلد ائمہ قرآن اور راویان قرأت کے ہیں۔ کیونکہ وہ ہر حرف اور ہر ہر نقطہ کی سند متصل اور متواتر آں حضرت (ﷺ) تک رکھتے ہیں۔ اور قرأۃ میں ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ بھی مقلد راویان قرآن کے تھے۔ اور احتمال اجتہاد اس مسئلہ میں قابل پذیرائی نہیں ہوسکتا۔ اور آگے جا کے لکھتے ہیں دلائل مبسملین اور تارکین دونوں کے احادیث صحیحہ ہیں۔ یہاں اجتہاد کا کیا دخل ہے۔ دونوں قرآن میں اجتہاد کو دخل نہیں دیتے اگر دخل دیتے ہیں تو بتلاؤ نشان اجتہاد عاصم اور ابوحنیفہؒ کا اگر اجتہاد سے مراد فرض وتحسین ہے تو مقبول نہیں ہوگا۔ اور اگر مراد قیاس فقہی ہے تو یہاں مقیس اور مقیس علیہ اور وصف مشترک اور نص اور پر علیّت وصف اشتراک کے کیا ہے۔ انتہی۔

الجواب۔ فی غیث النفع بعد نقل بعض الاختلافات فی البسملة تحت

عنوان البسملة وسورة الفاتحة مانصه وايضاً فان المحققين من الشافعية وعزاه الماوردى الى الجمهور على انها اٰية حكما لا قطعا قال النووى والصحيح انها قراٰن على سبيل الحكم ولو كانت قراٰنا على سبيل القطع لكفرنا فيها وهو خلاف الإجماع وقال المحلى عند قول المنهاج فقههم والبسملة منها اى من الفاتحة عملاً لانه صلى الله عليه وسلم عدها اٰية منها صححه ابن خزيمة والحاكم ويكفى فى ثبوتها من حيث العمل الظن انتهى۔ ومعنى الحكم والعمل انه لا تصح صلوة من لم يأت بها فى اول الفاتحة وهو نظير كون الحِجر من البيت اى فى الحكم باعتبارا لطواف والصلوٰة فيه لاله لاباعتبارانه من البيت اذلم يثبت ذلك بقاطع واذا قلنا انها اٰية قطعا لا حكما كما هو ظاهر عبارة كثير فيكون من باب اختلاف القراء فى إسقاط بعض الكلمات واثباتها وكل قرأبما تواترعنده والفقهاء تبع للقراء فى هذا وكل علم يسأل عنه اهله والمسئلة طويلة الذيل وما ذكرناه لب كلامهم و تحقيقه ص ۱۹۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ میرا قول بھی گنجائش رکھتا ہے اور قاری صاحب کا بھی دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ اگر قاری صاحب کے سب مقدمات تسلیم کر لئے جاویں تو تراویح کی کیا تخصیص ہے یہ مقدمات تو قراءت فی الفرض میں بھی جاری ہیں تو کیا احناف وجوب جہر بالبسملۃ فی الفرائض کا التزام کریں گے۔ ۲۰ رشوال ۱۳۳۹ھ (ترجیح خامس ص ۱۱۹)

ایضاً......سوال (۲۷۰) ایک بات قابل دریافت ہے وہ یہ کہ باب البسملۃ میں امام عاصمؒ کے نزدیک بین السورتین بسملہ ضروری ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں تراویح کے اندر ہر سورۃ پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی تو اب اس صورت میں بروایۃ حفص عن العاصم الکوفیؒ ختم کلام مجید پورے طور پر کیونکر ہوگا اس لئے بسم اللہ ایک غیر معین سورۃ کے اول میں پڑھی جاتی ہے اور باقی ایک سو تیرہ سورۃ کے اول میں نہیں پڑھی جاتی۔ ختم کلام مجید میں امام عاصم کے قول پر عمل کرنا ضروری ہے اور اگر امام ابوحنیفہؒ کی رائے پر عمل کیا جائے تو ختم کلام مجید ناقص ختم ہوتا ہے خارج از نماز امام عاصمؒ کے قول پر عمل کرنے میں کوئی دشواری نہیں اندر نماز کے بسم اللہ پڑھنا احناف کے نزدیک پکار کر ہر سورت کے شروع میں جائز ہے یا نہیں اگر احناف کے نزدیک جائز ہے تو اس پر عمل کرنا فی زمانناکوئی حرج تو نہیں۔؟

الجواب۔ بسم اللہ کے باب میں ایک مسئلہ قراءۃ کے متعلق ہے اور ایک مسئلہ فقہ کے متعلق عاصمؒ کا قول اول مسئلہ کی تحقیق ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا قول دوسرے مسئلہ کی تحقیق حاصل مسئلہء اولیٰ کا یہ ہے کہ گو بسم اللہ ہر سورۃ کا جزو نہ ہو۔ مگر باوجود عدم جزئیت روایۃً اس کا پڑھنا ہر سورت پر منقول ہے۔ پس اگر کوئی شخص ہر سورت پر نہ پڑھے تو اس کی قرأت اس روایت کے موافق نہ ہوئی گو کوئی جزو متروک نہ ہوا ہو جب کہ کم از کم ایک سورۃ پر پڑھ لے اور دوسرے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ گو روایۃً ہر سورت پر بسم اللہ منقول ہو لیکن ہر سورت کا جزو نہیں ہے بلکہ جزو مطلق قرآن کا ہے اگر ایک جگہ بھی پڑھے تو قرآن پورا ختم ہو جاوے گا گو اس روایت کے موافق اس کی قرأت نہ ہو پس امام عاصم اور امام ابوحنیفہؒ کے قول میں کوئی تخالف نہیں کیونکہ دونوں کی نفی اور اثبات کی حیثیتیں جدا جدا ہیں اور حیثیات کے بدلنے سے تعارض جاتا رہتا ہے یہ جب ہے کہ ہر سورت پر بسم اللہ نہ پڑھے اور اگر پڑھ لے تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور امام صاحب کے بھی خلاف نہیں کیونکہ امام صاحب تسمیہ کو ہر سورت پر ضروری نہیں کہتے یہ نہیں کہ جائز نہیں کہتے درمختار یا ردمحتار میں ہر سورت پر تسمیہ کو حسن کہا ہے رہا ہر جگہ پکار کر پڑھنا یہ بلاشبہ احناف کے خلاف ہے اور امام عاصم بھی جہر کو ضروری نہیں کہتے صرف تسمیہ کو ضروری کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

۶/ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد اول ص ۷۲)

بابُ الامامة والجماعة

حکم امامت زائر عالم معہ حکم نماز برفرش دوتو

سوال (۲۷۱) کیا فرماتے ہیں علماء شرع متین ان مسئلوں میں (۱) کہ مسجد میں اگر دوہرا فرش مع مقتدیوں وامام کے ہوتو درست ہے یا نہیں۔؟ (۲) ایک امام جامع مسجد ہے اور وہ نماز کے فرائض اور واجبات وسنن وشکنندہ وغیرہ بخوبی جانتا ہے اور قرآن شریف صحیح خواں ہے مگر عالم نہیں۔ ایک عالم وارد ہوا تو نماز وہ امام حی جو ہمیشہ قدیم سے موجود ہے پڑھاوے یا وہ عالم نووارد پڑھاوے اور وہ عالم بلا اجازت امام حی کے نماز پڑھاوے درست ہے یا نہیں اور نماز بغیر اجازت امام حی کے موجود ہوتے عالم کو پڑھانی درست ہے یا نہیں۔ یا امام حی کو بلا اجازت عالم کے نماز پڑھانی درست ہے یا نہیں اور اس صورت خاص میں نماز ہوجاتی ہے یا نہیں۔؟

الجواب للسؤال الاول۔ دوہرے فرش پر نماز درست ہے۔

وان يجد حجم الأرض درمختار تفسيره ان الساجد لو بالغ لايتسفل رأسه أبلغ من ذلك فصح على طنفسة وحصيروحنطةوشعير وسرير طحطاوی جلد اول ص ۲۲۲۔

الجواب للسؤال الثاني۔ صورت مذکورہ میں استحقاق امامت کا امام حی کو ہے وہی نماز پڑھاوے اس کو عالم کی اجازت کی کچھ حاجت اور ضرورت نہیں اور اس عالم کو بغیر اجازت امام حی کے نماز پڑھانا نہ چاہئے۔ اور اگر پڑھاوے تو نماز جائز ہوجاوے گی[۱]۔ باقی استحقاق امام حی کو ہے۔

في سنن ابي داؤد قال رسول الله ﷺ ولايؤم الرجل في بيته ولا في سلطانه ولا يجلس على تكرمته الا باذنه ص۸۷ وفيه ايضاً قال عليه السلام من زارقوما فلايؤمهم وليؤمهم رجل منهم ص ۸۹ دخل المسجد من هو اولى بالا مامة من امام المحلة فامام المحلة اولى كذا في القنية۔

(عالمگیری ج۱ ص۸۲) واللہ اعلم (امداد ص۷۱ ج۱)

(۱) یعنی مع الکراہۃ البتہ اگر یہ امام حی قرآن غلط پڑھتا ہواور عالم صحیح پڑھتا ہو تو امام حی کی امامت درست نہیں اور وہ عالم پڑھاوے

وتر بجماعت خواندن متخلف فرض را

سوال (۲۷۲) چہ حکم است اندریں صورت کہ دوسہ مردم بعد ادائے نماز فرض کہ امام بجماعت تراویح مشغول است در آں مسجد حاضر شد آں اشخاص نماز فرض بجماعت ادا نمایند یا علیحدہ علیحدہ خواندہ شامل جماعۃ تراویح شوند و بازش نماز وتر با امام بخوانند یا تنہا چونکہ امام را بجماعت فرض نیافتہ است۔؟

الجواب۔ اگر دوسہ مردم بعد ادائے جماعت فرض کہ امام بتراویح مشغول است در مسجد آمدند فرادیٰ فرض گزاردہ شامل امام شوند و نماز وتر با امام خوانند اگر چہ فرض با امام نیافتند۔

ولو تركوا الجماعة في الفرض لم يصلوا التراويح جماعة لانها تبع فمصلّيه وحده يصليها معه درمختار اما لو صليت بجماعة الفرض وكان رجل قد صلى الفرض وحده فله ان يصليها مع ذلك الإمام شافعيؒ جلداول ص ٤٧٦ ولولم يصلها التراويح بالإمام اوصلاها مع غيره له ان يصلي الوترمعه بقي لوتركها الكل هل يصلون الوترجماعة فليراجع درمختار قوله فليراجع قضية التعليل في المسئلة السابقة بقولهم لانها تبع ان يصلي الوتر جماعة في هذه الصورة لانه ليس بتبع للتراويح ولا للعشاء عند الامام رحمة الله عليه ۔ انتهىٰ چلپی طحطاوی مصری جلد اول ص ۲۹۷۔

ازیں روایت معلوم شد کہ ہرگاہ نماز تراویح کہ تابع فرض است متخلف جماعت فرض را بجماعت گزاردن جائز است پس وتر کہ نا تابع تراویح و نہ تابع عشاء بجماعت گزاردن چگونہ روا نباشد[1] (امداد ج ۱ ص ۲۰)

حکم اقتداء بعد یک سلام امام

سوال (۲۷۳) زید بعد ایک سلام امام کے شریک ہوا تو باقی نماز کے واسطے کب کھڑا ہو کر شروع کرے اور بعد لفظ سلام کے شرکت جماعت کی جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ صورت مسئولہ میں شرکت امام کے ساتھ صحیح نہیں ہوئی۔ پس تحریمہ از سر نو کہہ کر

---

(۱) ولہٰذا در صغریٰ العبارت صریحہ ہمیں حکم مذکور ست وہو ہذا و اذا لم يصل الفرض مع الامام قيل لا يتبعه في التراويح ولا في الوتر وكذا لم يصل معه التراويح لا يتبعه في الوتر والصحيح انه يجوز ان يتبعه في ذلك كله ۱۲ منه

اپنی نماز تنہا پوری کرے۔تحریمہ اولیٰ باطل ہوگیا کیونکہ اقتداء موضع انفراد میں مفسد نماز ہے اور یہ موضع انفراد کا تھا۔ **کما فی الدرالمختار فی واجبات الصلوۃ وتنقضی قدرۃ بالاول قبل علیکم علی المشہور عندنا وعلیہ الشافعیۃ واللہ اعلم۔**
(امداد ج ۱ ص ۲۱)

تحقیق اعادۂ صلوٰۃ کہ خلف امام فاسق گذاردہ شود

سوال (۲۷۴) ہماری کتب فقہ میں ہے کہ اگر فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھی تو نماز کا اعادہ ضروری ہے لیکن جب حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بلوہ ہوا اور حضرات صحابہ نے بلوائیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو حضرت عثمانؓ سے پوچھا تو آپ نے اجازت دی اور یہ نہیں فرمایا کہ پڑھ کے پھر اعادہ کرلیا کرو حالانکہ بلوائیوں سے زیادہ اور کون فاسق اور بدعتی ہوگا۔خصوص ایسے بلوائی جنھوں نے خلیفہ برحق امیر المومنین داماد رسول مقبول ﷺ داخل عشرہ مبشرہ پر بلوہ کیا ہو؟

الجواب۔ یہ روایت مجھ کو نہیں ملی اگر حوالہ لکھا جاوے تو تحقیق کی جاوے البتہ درمختار میں یہ قاعدہ لکھا ہے واجبات صلوٰۃ میں **کل صلوۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب إعادتھا** اور ردالمحتار میں اس کے عموم پر ایک قوی اعتراض کر کے تصحیح کے لئے یہ توجیہ کی ہے **الا ان یدعی تخصیصھا بان مرادھم بالواجب والسنۃ التی تعادبترکہ ماکان من ماھیۃالصلوٰۃ واجزائھا۔** پس صلوٰۃ خلف الفاسق ونحوہ میں اول تو کوئی امر اجزائے صلوٰۃ میں سے مختل نہیں ہوا اس لئے قاعدہ وجوب اعادہ کا جاری نہ ہوگا دوسرے انفراد سے ان کے ساتھ پڑھنا اولیٰ ہے اور اعادہ میں جو غالباً علی الانفراد ہوگا اولیٰ سے غیر اولیٰ کی طرف آنا ہے۔ **فی الدرالمختار۔صلی خلف فاسق اومبتدع نال فضل الجماعۃ فی ردالمحتار أفادان الصلوۃ خلفھا اولی من الإفراد۔** فقط ۲۷ رمحرم ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۱ ص ۷۴)

تحقیق کراہت اقتداء خلف صاحب اخلاق ذمیمہ

سوال (۲۷۵) ڈاڑھی منڈانا یا سود کھانا وغیرہ وغیرہ تو ایسے فسق ہیں کہ جو صورت دیکھتے ہی یا سننے یا معاملہ سے معلوم ہوجاتے ہیں۔مگر اخلاق ذمیمہ مثلاً۔ریا۔بخل۔عجب۔حسد۔حب جاہ۔حب مال۔بغض وغیرہ کا پتہ دوسروں کو مشکلوں سے چلتا ہے اور یہ اخلاق ذمیمہ بھی یقیناً فسق ہیں کیا اگر کسی شخص میں ان اخلاق ذمیمہ میں سے کوئی خلق ذمیم ہو اور کسی مقتدی کو اس کا

پتہ چل جاوے تو مقتدی کو نماز کا اعادہ واجب ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ اعادہ میں تو (۱) اوپر کلام ہو چکا البتہ کراہت کا سوال کرنا چاہئیے سو یہ صفات ذووجہین ہیں اس لئے ان کے موصوف کا فسق یقیناً معلوم نہیں ہوسکتا ہے۔ اور اصل مومن میں عدم فسق ہے لہٰذا ان کی امامت مکروہ نہیں۔　۲۷ر محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۸۴ ج ۱)

وتر بجماعت خواندن متخلف فرض را

سوال (۲۷۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فرض عشاء تنہا پڑھی ہو۔ اس حالت میں وہ شخص وتر جماعت سے پڑھے یا نہیں۔ یا اگر ایک شخص ایسے وقت مسجد میں پہنچا کہ فرض عشاء کی جماعت ہو چکی ہو وہ شخص وتر جماعت سے پڑھے یا علیحدہ تنہا۔

بہشتی گوہر میں یہ مسئلہ ایسا ہے تراویح کے بیان میں۔ **مسئلہ** اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچے کہ عشاء کی نماز ہو چکی ہو تو اسے چاہئے کہ پہلے عشاء کی نماز پڑھ لے۔ پھر تراویح میں شریک ہو اور اگر اس درمیان میں تراویح کی کچھ رکعتیں ہو جائیں تو ان کو بعد وتر پڑھنے کے پڑھے اور یہ شخص وتر جماعت سے پڑھے (درمختار وصغیری)۔ لیکن غایۃ الاوطار ترجمہ اردو، الدرالمختار میں باب الوتر والنوافل میں یوں لکھا ہے۔ ''اور اگر لوگوں نے جماعت فرض میں نہ کی ہو تو تراویح کو جماعت سے نہ پڑھیں۔ اس لئے کہ جماعت تراویح کی تابع ہے جماعت فرض کے تو جس شخص نے فرض تنہا پڑھے ہوں وہ تراویح کو امام کے ساتھ پڑھے۔ اور اگر نہ پڑھا تراویح کو امام کے ساتھ یا تراویح کو دوسرے امام کے ساتھ پڑھا تو نمازی کو جائز ہے کہ وتر کو امام کے ساتھ پڑھے۔'' مراد اس سے یہ ہے کہ فرض کو جماعت کے ساتھ پڑھا اور تراویح کو جماعت سے نہیں پڑھا تو وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے۔ لیکن اگر فرض تنہا پڑھے ہوں تو وتر کو جماعت سے نہ پڑھے۔'' کذا فی الشامی، یہ عبارت ہے تو اب کیا کرنا چاہئے یعنی فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں تو وتر جماعت سے پڑھے یا نہیں۔

الجواب۔ جس شخص کو فرض کی جماعت نہ ملی ہو ایک قول یہ ہے کہ وہ وتر جماعت سے پڑھے۔

فی الصغیری ۔ شرح المنیة واذالم یصل الفرض مع الإمام قیل لایتبعه

---

(۱) یعنی اوپر کے سوال کے جواب میں ۱۲ منہ

فی التراویح ولافی الوتر وكذا اذا لم يصل معه التراويح لايتبعه فی الوترو الصحيح انه يجوز ان يتبعه فی ذلك كله كذا كتب الى بعض ثقات أحبابی۔

اور ایک قول یہ ہے کہ وتر جماعت سے نہ پڑھے۔ كما مرمن قوله قيل لايتبع فی التراويح ولا فی الوتر۔ اور ظاہر عبارت درمختار کی قول اول کے موافق ہے۔ چنانچہ شامی نے تحت قول درمختار فمصليه وحده يصيلها معه کہا ہے وبه ظهران التعليل المذكور (بقوله لانها تبع فيما ترک القوم الجماعة فی الفرض لم يصلوا التراويح جماعة) لايشمل المصلی وحده فظهر صحة التفريع بقوله فمصليه وحده الخ۔ لیکن درمختار کے آئندہ قول ولو لم يصلها الخ کے تحت میں قہستانی سے ایک جزئیہ لكنه اذالم يصل الفرض معه لايتبعه فی الوتر نقل کر کے درمختار کے قول ولولم يصلها میں تاویل کی ہے۔ ای وقد صلی الفرض معه البتہ اسمیں تعمیم کی ہے کہ خواہ اس امام کے ساتھ فرض پڑھا ہو یا کسی دوسرے امام کے ساتھ لیکن اگر تمام قوم نے فرض بلا جماعت پڑھا ہو اس میں سب کے نزدیک تراویح اور وتر بلا جماعت پڑھے صرف اختلاف ایک دو شخص کے جماعت فرض رہ جانے میں ہے لیکن صغیری میں قول اول کو صحیح کہا ہے۔ كمامر منه۔ لہٰذا اس کو ترجیح ہوگی۔

۲۲ ر رمضان ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۰۵)

حکم اقتدائے آں کس کہ زنش بے پردہ باشد

سوال (۲۷۷) جس شخص کی زوجہ یا دختر یا والدہ اور خواہر بلا حجاب و نقاب بازار میں جاتی ہیں آیا ایسے شخصوں کے ساتھ مشاربت و مواکلت کرنا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا شرعاً بلاکراہت جائز ہے یا نہیں اور حجاب عامہء مومنات کے حق میں بھی واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے۔ فقط۔؟

الجواب۔ کتب فقہیہ میں مصرح ہے کہ حرہ کا تمام بدن بجز وجہ اور کفین اور قدمین کے فی نفسہ اور وجہ وغیرہ بعارض فتنہ واجب الستر ہے اور ترک واجب معصیت ہے اور معصیت پر باوجود قدرت منع کے سکوت وتسامح فسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے تحریماً علی الارجح۔ پس جس شخص کو اپنے جن اقارب پر اس قدر قدرت ہو اور وہ منع نہ کرے تو وہ اس حکم میں داخل ہو جاوے گا اور اگر قدرت نہیں یا اس کی زوجہ وخواہر وغیرہ سن رسیدہ ہیں کہ کشف وجہ سے خوف فتنہ نہیں یا کپڑا چہرہ پر لٹکا کر نکلتی ہیں تو چونکہ اس طرح نکلنا حوائج کے لئے جائز ہے اس لئے منع

واجب نہیں اور ترک منع فسق نہیں اس لئے امامت میں کچھ حرج نہیں اور یاد رکھنا چاہئے کہ جو صورتیں فسق کی اوپر مرقوم ہوئی ہیں کچھ باہر نکلنے والیوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ان پردہ نشینوں کے حق میں بھی عام ہیں جو اپنے نامحرم اقارب کے روبرو بے حجاب سامنے آتی ہیں وہذا کلہ ظاہر فقط۔

۲۶ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۵۴ ج ۲)

سوال (۲۷۸) جس شخص کے یہاں پردہ نہیں ہے اس کے پیچھے نماز درست ہے یا کسی قدر کراہت ہے اور پردہ واجب ہے یا فرض اور پردے کا نہ کرنے والا کس درجہ کا گنہگار ہوگا۔؟

الجواب۔ جتنا پردہ فرض و واجب ہے اس کے ترک سے گناہ اور اس میں بے پروائی کرنے سے امامت میں کراہت ہے ورنہ نہیں اور تفصیل اس کی فقہ کے اردو رسائل میں موجود ہے۔ (تتمہ اولیٰ ص ۱۷)

حکم تقدیم امام راتب بر دیگراں

سوال (۲۷۹) ایک مقام پر شاہی زمانہ کی تعمیر جامع مسجد ہے جس کو بادشاہی صوبہ حاکم وقت نے شہر کے آباد کرنے کے ساتھ تعمیر کرایا تھا اور بعد ختم تعمیر جامع مسجد منصب امامت کو ایک مرد صالح کے سپرد فرمایا تھا چنانچہ اس زمانہ سے آج تک اسی امام کی اولاد میں پشت در پشت امامت منتقل ہو کر آئی ہے مگر عرصہ پانچ سات سال کا تخمیناً گزرتا ہے کہ امام وقت نے کسی اخبار میں کچھ مضامین بہ نسبت انتظامی قواعد طاعون شکایتی چھپوائے تھے جس کو بعض افسران سرکاری نے دریافت کر کے بعض رؤسا شہر کو ہدایت فرمائی کہ امام مسجد کو بہتر ہوگا کہ علیحدہ کر دیا جاوے چنانچہ حسب مصلحت وقت ان کی جگہ ان کے حقیقی چچازاد بھائی کو منصب امامت پر مقرر کر دیا چند سال انہوں نے بھی کام کیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس کو اپنے حوائج ضروریہ کی وجہ سے اتفاقاً سفر درپیش ہوا جس کی وجہ سے اپنی جگہ پر ایک مولوی صاحب کو قائم مقام مقرر کر دیا لہٰذا اب چند سال سے مولوی صاحب موصوف امامت کرتے ہیں۔ اب کچھ عرصہ کے بعد امام صاحب جامع مسجد نے جنھوں نے مولوی صاحب کو اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا کسی جمعہ کو قصداً امامت کیا تو یہ امر مولوی صاحب کو سخت ناگوار ہوا جس پر انہوں نے اپنے چند معتقدین کے ذریعہ سے اس امر کی کوشش کی اور اب تک کر رہے ہیں کہ یہ امامت ہم سے نہ نکلے اور ہمارے لئے ہمیشہ کو قائم رہے۔ لیکن اکثر اہل شہر اپنے امام قدیم کو چھوڑنے اور مولوی صاحب کی امامت قبول کرنے سے ناراض ہیں اور کسی طرح اس کو پسند نہیں کرتے گو مولوی صاحب کو بمقابلہ امام قدیم کے علم میں

زیادتی ضرور ہے لیکن ان کے نزدیک سوائے اپنے چند ہم خیالوں کے سلف سے اب تک جتنے عالم سنت نبوی علیہ السلام کے اتباع کرنے والے گزرے ہیں اور فی الحال موجود ہیں اور نیز ان کے پیرو عام مسلمان سب وہابی و بے دین ہیں خاص کر آخر زمانہ کے عالم مثل مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ اور مولانا اسماعیل صاحب شہید دہلوی اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور علمائے دیوبند اور ندوہ کی شرکت کرنے والے عالموں کو ناجائز الفاظ سے یاد کرنا وظیفہ ہے اور باوجود ان سب باتوں کے بعض صاحبوں نے بنظر رفع شر مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ایک جمعہ کی نماز امام صاحب کے پیچھے پڑھ لیجئے اور آئندہ حسب دستور امام قدیمی کی جانب سے پڑھاتے رہیے اس کو پسند نہیں کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم کو یزیدی بیعت نہیں ہے حالانکہ امام صاحب کے عقائد اہلسنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف نہیں ہیں پس ایسی صورت میں استحقاق امامت امام قدیم کا ہے یا امامت کے طالب مولوی صاحب کا حق ہے چونکہ اس بارہ میں دونوں طرف سے کوشش ہورہی ہے کون فرقہ خطا پر ہے اور کون حق پر۔ فقط؟

الجواب۔ اول تو جب امام اول کے حقیقی چچازاد بھائی کو شہر کے اہل حل وعقد نے منصب امامت پر مقرر کردیا تھا تاوقتکہ وہ معزول نہ کئے جاویں اور معزول کرنے والے بھی شہر کے اہل حل وعقد ہی ہوں اس وقت تک اگر یہ امام ثانی بمقابلہ ان عالم صاحب یعنی امام ثالث کے باعتبار صفات کے اولیٰ بالامامۃ بھی نہ ہوتے تب بھی بوجہ اسبق فی النصب ہونے کے مستحق للامامۃ یہی تھے کیونکہ اعتبار ان صفات کا وقت نصب کے ہے نہ بعد نصب کے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے **قوله اعتبر اكثرهم لايظهر هذا الا فى النصب**۔ اور کسی کو نائب بنانے سے اصل معزول نہیں ہوتا۔ دوسرے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ثالث بہت سے علمائے حقانی متبعین سنت کو برا کہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ثالث عقائد میں سنت کے خلاف ہیں یعنی مبتدع ہیں اور برا کہنا خود عمل فسق ہے اور فاسق اور مبتدع کی امامت مکروہ ہے۔ **فى الدرالمختار و فاسق واعمىٰ ونحوالا غشى نهر الان يكون اى الفاسق أعلم القوم فهو الاولى ومبتدع اى صاحب بدعة وهى اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لابمعاندة بل بنوع شبهة**۔ تیسرے سوال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اہل شہر مولوی صاحب کی امامت سے ناراض ہیں اور کسی طرح اس کو پسند نہیں کرتے اور وجہ دوم سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مولوی صاحب میں ناراضی کے وجوہ بھی شرعی ہیں تو خود ایسی صورت میں امامت کرنا مکروہ ہے۔

فى الدرالمختار ولوأم قوماً وهم له كارهون ان الكراهة لفساد فيه

اولانهم أحق بالإمامة منه يكره له ذلك تحريما لحديث ابى داؤد لايقبل الله صلوٰة من تقدم وهم له كارهون وان هو احق لا والكراهة عليهم۔

چوتھے اگر امام ثالث میں کوئی خرابی نہ بھی ہوتی تب بھی چونکہ اکثر لوگ امام سابق کی طرف ہیں ایسی صورت میں اکثر ہی کا اعتبار ہے۔ في الدرالمختار فان استووا يقرع بين المستويين اوالخيار الى القوم فان اختلفوا اعتبرا كثرهم۔ رہا امام ثالث کا عالم ہونا سو محض عالم ہونا موجب احقیت امامیت نہیں بلکہ اس میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ شخص مطعون فی الدین نہ ہو ورنہ وہ احق للامامۃ نہیں۔ في الدرالمختار والأحق بالإمامة الاعلم باحكام الصلوٰة في ردالمحتار الأعلم بالسنة اولى الا ان يطعن عليه في دينه لان الناس لايرغبون في الاقتداء به ۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں استحقاق امامت کا امام قدیم کو حاصل ہے ان مولوی صاحب طالب امامت کا کچھ حق نہیں۔ واللہ اعلم ۲ رشعبان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۳ ج ۱)

سوال (۲۸۰) ایک شخص حافظ سید شریف النسب کسی محلّہ کی مسجد کا امام مقرر ہے اس کی موجودگی میں اس کی بلا اجازت کوئی دوسرا شخص نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں۔ اگر پڑھائے گا تو نماز بلا کراہت جائز ہوگی یا نہیں اور بلطائف الحیل امام مذکور کی آمدنی جو بموقع شادیات وغیرہ پر مقرر ہیں یہ شخص لے لے اور امام مذکورہ محروم رہ جاوے تو یہ آمدنی اس شخص کو لینی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ في الدرالمختار واعلم ان صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب أولى بالامامة من غيره مطلقاً الخ في ردالمحتار قوله مطلقاً اى وان كان غيره من ألحاضرين من هو اعلم وأقرأمنه الى قوله فان قدم واحدا منهم لعلمه و كبره فهو أفضل واذا تقدم احدهم جاز (ج ۱ ص ٥٨٤) ۔ اس سے معلوم ہوا کہ بلا اذن امام راتب کے کسی کا امام بننا مکروہ ہے اور ان لطائف الحیل کی تفصیل لکھی جاوے تو حکم معلوم ہوسکتا ہے۔ ۲ر رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۷۰)

حکم صلوٰۃ خلف امرد و نابالغ

سوال (۲۸۱) امرد لڑکے کے پیچھے نماز فرائض ہوسکتی ہے یا نہیں مراد یہ ہے کہ بالغ تو ہوگیا مگر ڈاڑھی مونچھ کچھ نہیں آئی خواہ حافظ ہو یا علم دین کا پڑھنے والا ہو اور مقتدیوں کو بوجہ لڑکپن کے اس کے امام ہونے میں اختلاف ہے۔

الجواب۔ اگر وہ خوب صورت ہے اور اس کو نگاہ شہوت سے لوگوں کے دیکھنے کا احتمال ہے تب تو وہ اگر حافظ یا طالب علم بھی ہو تب بھی مکروہ ہے اور اگر یہ بات نہیں ہے صرف عوام کی ناپسندیدگی ہے تو اگر وہ سب مقتدیوں سے علم وقرآن میں اچھا ہو تو اس کی امامت مکروہ نہیں اور اگر اتنی عمر ہوگئی ہے کہ اب ڈاڑھی بھرنے کی امید نہیں رہی تو وہ امرد نہیں رہا۔

في الدرالمختار باب الامامة و وكذا تكره خلف أمرد في ردالمحتار انها تنزيهية ايضاً والظاهر كما قال الرحمتي ان المرادبه صبيح الوجه لانه محل الفتنة وهل يقال ههنا ايضا اذاكان أعلم القوم تنتفي الكراهة فان كانت علة الكراهة خشية الشهوة وهو الأظهر فلاوان كانت غلبة الجهل اونفرة الناس من الصلوٰة خلفه فتعم فتامل و فيه عن حاشية المدني شخص بلغ من السن عشرين سنة و تجاوز حد الإنبات ولم ينبت عذاره فهل يخرج بذلك عن حد الأمردية الى قوله فاجاب بالجواز من غير كراهة اه۔ فقط والله تعالى اعلم۔

۲۵ رشعبان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۶ ج ۱)

سوال (۲۸۲) ریاست بھوپال میں تقریباً ۷۵ سال سے یہ سلسلہ جاری ہے کہ ۹......۱۰ سال کے لڑکے کے پیچھے صرف تراویح پڑھی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس دوران میں بہ لحاظ آبادی بھوپال میں حفظ قرآن کا خاص ذوق رہا علماء سابقین مولانا ایوب صاحب مرحوم، مولانا عبدالقیوم صاحب مرحوم و دیگر قضاۃ و مفتیان بھوپال نے ہمیشہ اس فعل کو مستحسن خیال فرمایا موجودہ زمانہ میں بھی جناب قاضی صاحب ریاست کا فتویٰ جواز بایں الفاظ شائع ہوا۔" نابالغ تمیز دار پسر کی اقتداء تراویح میں اختلافی مسئلہ ہے اس میں مشائخ فقہائے متاخرین جواز کے قائل ہوئے ہیں اور عاجز و جناب والد صاحب مرحوم و جناب مولانا عبدالقیوم صاحب مرحوم کا مسلک بھی فتوائے جواز کا ہمیشہ رہا ہے البتہ دیگر علماء اس کے ساتھ متفق نہیں ہیں بچوں کے حفظ قرآن وغیرہ کی ترغیب میں رکاوٹیں نہ ہو جانے کا بھی حسب اصول شرعیہ اسی میں لحاظ ہے۔

دستخط جناب قاضی صاحب۔

اس لئے عرض ہے کہ جناب معظم بھی توجہ عالی مبذول فرما کر مفصل جواب سے شکر گزار فرماویں اور یہ بھی واضح فرمادیا جائے کہ حد بلوغ فقہائے احناف علیہم الرضوان کے نزدیک کیا ہے اور اگر ۹ سال لیکر ۱۳۔ ۱۴ سال تک کے لڑکے کے پیچھے صرف تراویح پڑھی جائیں تو کیا حسب قواعد شرعیہ ومتاخرین فقہائے احناف جائز ہے۔ فقط ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ۔

الجواب۔ الرواية الاولی۔ فی الدرالمختار ولا يصح اقتداء رجل بأمرأة اوخنثیٰ اوصبی مطلقا ولوفی جنازة و نفل علی الاصح فی ردالمحتار قال فی الهداية وفی التراويح والسنن المطلقة جوزه مشائخ بلخ ولم يجوزه مشائخنا الی قوله والمختار انه لا يجوز فی الصلوات كلها اھ۔

الرواية الثانيه۔ ايضا فی الدرالمختار ويكره تحريما جماعة النساء و فی التراويح ۔ الرواية الثالثة۔ فی الدرالمختار فی تعليل عدم صحة بعض الاقتداء البناء القوی علی الضعيف۔

روایت اولیٰ میں تصریح ہے کہ باوجود اختلاف کے ترجیح عدم جواز کو ہے ۔ اور روایت ثالثہ میں اس ترجیح کا اصول سے مؤید ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ صبی کی تراویح نفل محض ہے اور بالغ کی سنت مؤکدہ ہے ۔ دوسرے صبی کی نفل شروع سے واجب نہیں ہوتی اور بالغ کی واجب ہوجاتی ہے پس صبی کی نماز ضعیف ہوئی اس پر بالغ کی قوی نماز کا مبنی کرنا خلاف اصول ہونے کے سبب جائز نہیں اور روایت ثانیہ میں جواب ہے مصلحت مذکورہ فی السوال کا کیونکہ اس میں عورتوں کے لئے حفظ قرآن کی ترغیب میں رکاوٹیں پیدا ہونے کا احتمال ہے ۔ اصل یہ ہے کہ احکام کی بناء دلائل پر ہے مصالح پر نہیں ۔ علاوہ اس کے یہ ہے کہ صبی میں ان مصالح کے ساتھ مفاسد بھی ہیں کہ اکثر وہ احکام طہارت وصلوٰۃ سے ناواقف اور متساہل بھی ہوتے ہیں پس اس کی تجویز میں بالغین کی نمازوں کا فساد بہت غالب ہے پھر بجائے تراویح کے نوافل میں ان کا پڑھ لینا اس محتمل رکاوٹ کا تدارک ہے چنانچہ اس کا کافی ہونا مشاہد ہے اور بلوغ کی اگر کوئی علامت نہ دیکھی جاوے تو بقول مفتیٰ بہ پندرہ سال کی عمر میں بلوغ کا حکم کردیا جاتا ہے اس وقت اس کے پیچھے تراویح میں اقتداء جائز ہے ۔ واللہ اعلم ۔ ۱۰رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ (النورص ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ)

حکم امامت با اجرت

سوال (۲۸۳) امام مسجد کے واسطے مقتدی کچھ مقرر کریں بطور مشاہرہ یا سالیانہ یا بلا تقرر وتعین کچھ دیا کریں تو نماز ایسے امام کے پیچھے جائز ہوگی یا مکروہ ۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار باب الإجارة الفاسدة ويفتی اليوم بصحتها لتعليم القرآن والإ مامة والا ذان ۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام کو شرط کرکے بھی دینا درست

ہے اور بلاشرط بدرجہء اولیٰ درست ہے پس نماز اس کے پیچھے مکروہ نہ ہوگی۔ فقط۔ واللہ اعلم۔
۲؍ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۶۴ ج ۱)

حکم عدم متابعت امام درقیام الی الخامسۃ

سوال (۲۸۴) اگر کوئی شخص جماعت میں امام کے پیچھے دوسری تیسری چوتھی رکعت میں آ کر ملا تھا اور امام کو اتفاقاً چار رکعت پوری ہونے کے بعد سہو ہو گیا اور پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور مقتدیوں کو بھی یاد نہ آیا کسی نے لقمہ نہ دیا اور سب کھڑے ہو گئے اب اس امام کے یاد آنے تک وہ شخص جو بعد میں کسی رکعت میں آ کر ملا تھا اس امام کی متابعت کرے یا اپنی پوری رکعتیں کر کے فارغ ہو۔

الجواب۔في الدرالمختار باب سجود السهووان قعد في الرابعة مثلا قدرالتشهد ثم قام عاد وسلم ولو سلم قائما صح ثم الأصح ان القوم ينظر ونه فان عادتبعوه وان سجد للخامسة سلموا لانه تم فرضه اذلم يبق عليه الاالسلام اھ۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر امام رابعہ پر بیٹھ کر کھڑا ہوا ہے تو مسبوق منتظر رہے اگر وہ لوٹ آوے تو اس کے ساتھ سلام تک رہے ورنہ پوری نماز پوری کرے اور اگر وہ رابعہ پر نہیں بیٹھا تو بھی انتظار کرے اگر قبل سجدۂ خامسہ کے لوٹ آوے تو بھی سلام تک رہے اور اگر نہ لوٹا تو سب کی نماز باطل ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۹؍صفر ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۶۹ ج ۱)

تحقیق کراہۃ وعدم کراہۃ جماعت ثانیہ درمسجد شارع عام

سوال (۲۸۵) قول محقق اور معتبر باعتبار موافقت فقہ وحدیث در بارۂ جماعۃ ثانیہ آپ کے نزدیک کیا ہے مگر بحوالہء احادیث اور اقوال فقہاء و نیز بحوالہء کتب تحریر ہو اور نیز قطع نظر حالت موجودہ لوگوں کے بلکہ نفس مسئلہ محقق ہو اور اگر حالت موجودہ لوگوں کے اعتبار سے جماعۃ ثانیہ کی کراہۃ یا عدم کراہۃ ہو تو اس کے لئے علیحدہ ارقام ہو ہندوستان کے محقق علماء مثل حضرت مولانا مولوی شیخ محمد صاحب تھانوی وحضرت مولانا مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری وحضرت مولانا مولوی سعادت علی صاحب سہارنپوری و جناب مولانا مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی و جناب مولوی مشتاق احمد صاحب سہارن پوری و جناب مولوی سید جمال الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بلا کراہت جائز فرماتے تھے مگر غالب گمان یہ ہے کہ جولوگ جماعۃ اولیٰ کے

پابند ہوں ان کے لئے بلا کراہت فرماتے تھے۔؟

الجواب۔ في جامع الاثار لهذا العبد الحقير هكذا كراهة تكرار الجماعة في المسجد عن ابى بكرة ان رسول الله ﷺ قبل من نواحي المدينة يريد الصلوة وقد صلوا فمال الى منزله فجمع اهله فصلى بهم رواه الطبرانى فى الكبيروالاوسط وقال الهيثمي رجاله ثقات قلت ولولم يكره لماترك المسجد وعن ابراهيم النخعى قال قال عمرؓ لا يصلى بعد صلوٰة مثلها رواه ابن ابى شيبة قلت واقرب تفاسيره حمله على تكرار الجماعة فى المسجد وعن خرشة الحران عمرؓ كان يكره ان يصلى بعد صلوٰة الجمعة مثلها رواه الطحاوى واسناده صحيح قلت دل على كراهة تكرار الجماعة خاصة و فى حاشيته تابع الآثار وما ورد من قوله عليه السلام من يتصدق لا يدل على جواز التكرار المتكلم فيه وهو اقتداء المفترض بالمفترض اذ الثابت به اقتداء المتنفل بالمفترض ولا يحكم بكراهته بل ورد فى جوازه حديث اٰخر من قوله عليه السلام اذا صليتما فى رحالكما ثم اتيتما صلوٰة قوم فصليا معهم واجعلا صلوٰتكما معهم سبحة كما هو ظاهر وما هو رواه البخارى تعليقا عن انسؓ محمول على مسجد الطريق او نحوه لما نقل فيه انهؓ اذن واقام وهو مكروه عند العامة اھ اماّ الروايات الفقهية فى هذا الباب ففى الدرالمختار ويكره تكرار الجماعة باذان واقامة فى مسجد محلة لا فى مسجد طريق او مسجد لاامام له ولا مؤذن فى ردالمحتار قوله ويكره اى تحريما لقول الكافى لايجوز والمجمع لايباح و شرح الجامع الصغير انه بدعة كما فى رسالة السندى قوله باذان و اقامة عبارته فى الخزائن اجمع مما ههنا و نصها يكره تكرار الجماعة فى مسجد محلة باذان واقامة الااذاصلى بهما فيه اولاً غير اهله او اهله لكن بمخافته الاذان ولو كرر اهله بدونهما اوكان مسجد طريق جاز إجماعاً كما فى مسجد ليس له امام ولامؤذن ويصلى الناس فيه فوجاً فوجاًفان الافضل ان يصلى كل فريق باذان واقامة على حدة كما فى امالى قاضى خان اھ و نحوه فى الدرروالمراد بمسجد المحلة ماله امام وجماعة معلومون كما فى الدرر وغيرهما الى ان قال ولان فى الإطلاق هكذا تقليل

الجماعة معنى فانهم لا يجتمعون اذا علموا انها لا تفو تهم ثم قال بعد سطر و مقتضى هذا الاستدلال كراهة التكرار فى مسجد المحلة ولو بدون اذان و يؤيده ما فى الظهيرية لو دخل جماعة المسجد بعدما صلى فيه اهله يصلون وحد انا وهو ظاهر الرواية اه وهذا مخالف لحكاية الاجماع المارة ج۱ ص ۵۷۷ وفيه ما نصه و فى اٰخر شرح المنية وعن ابى حنيفةؒ لو كانت الجماعة اكثر من ثلٰثة يكره التكرار والا فلا وعن ابى يوسفؒ اذالم تكن على الهيئة الاولىٰ لا تكره والاتكره وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا فى البزازية و فى التاتارخانية عن الولوالجية وبه ناخذ ج ۱ ص ۴۱۰ و فيه قوله الا فى المسجد على طريق هو ماليس له امام و مؤذن راتب فلا يكره التكرار فيه باذان واقامة بل هو الافضل خانية۔ج ۱ ص ۴۱۰ روایات فقہیہ مذکورہ سے چند صورتیں اوران کے احکام معلوم ہوئے۔

صورۃ اولیٰ مسجد محلّہ میں غیر اہل نے نماز پڑھ لی ہو۔صورۃ ثانیہ مسجد محلّہ میں اہل نے بلا اعلان اذان یا بلا اذان بدرجہء اولیٰ نماز پڑھی ہو۔صورۃ ثالثہ وہ مسجد طریق پر ہو۔صورۃ رابعہ اس مسجد میں امام ومؤذن معین نہ ہوں۔صورۃ خامسہ محلّہ ہو یعنی اس کے نمازی اور امام معین ہوں اور انہوں نے اس میں اعلان اذان کی صورت سے نماز پڑھی ہو۔پس صور اربعہ اولیٰ میں تو بالاتفاق جماعۃ ثانیہ جائز بلکہ افضل ہے جیسا کہ افضلیت کی تصریح موجود ہے اورصورت خامسہ میں اگر جماعۃ ثانیہ بہیئت اولیٰ ہوتب بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ درمختار میں تحریمی ہونے کی تصریح ہے اور اگر ہیئت اولیٰ پر نہ ہو پس یہ محل کلام ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں اور امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے جیساظہیریہ میں اس کا ظاہرروایت ہونا مصرح ہے۔البتہ ایک روایت امام صاحبؒ سے یہ ہے کہ اگر تین سے زیادہ آدمی ہوں مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں۔یہ تو خلاصہ ہوا روایات کے مدلول ظاہری کا۔اب آگے دومسلک ہیں یا تو امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے اقوال کو متعارض کہا جاوے یا دونوں میں تطبیق دی جاوے اگر متعارض کہا جاوے تو حسب رسم المفتی واختلف فيما اختلفوا فيه والأصح كما فى السراجية وغيرها انه يفتى بقول الإمام على الإطلاق ثم يقول الثانى الى قوله و صحح فى الحاوى القدسى قوة المدرك الخ هكذا فى الدرالمختار ۔امام صاحب کے قول پر عمل ہوگا اگر سراجیہ کے قاعدہ کو ترجیح دی جاوے تب تو ظاہر ہے۔اور اگر حاوی قدسی کے قاعدہ کو ترجیح دی

جاوے تب بھی امام صاحب کی دلیل نقلی حدیث ہے جو اول نقل ہوئی ہے اور دلیل قیاسی رد المحتار سے ولان فی الاطلاق الخ معلوم ہو چکی ہے جس کی قوت ظاہر ہے اور جو حدیثیں امام صاحب کی دلیل سے ظاہراً متعارض ہیں ان سب کا جواب کافی شافی تابع الآثار سے گزر چکا ہے اور اگر (۱) بعض کی حکایت اجماع (۲) علی الجواز سے شبہ ہو کہ امام صاحب نے حکم بالکراہۃ سے رجوع کر لیا ہوگا تو شامی نے بعد نقل روایۃ ظہیریہ کے عدم ثبوت اجماع کی تصریح کر دی ہے پس یہ استدلال قطع ہو گیا اور اگر امام صاحبؒ اور ابو یوسفؒ کے اقوال میں تطبیق دی جاوے تو وجہ تطبیق یہ ہو سکتی ہے اور امام صاحب تو کراہۃ تنزیہیہ کے مثبت ہیں اور امام ابو یوسف کراہۃ تحریمہ کے نافی ہیں قرینہ اس کا یہ ہے کہ درمختار میں جو مسجد محلّہ میں اذان کے ساتھ جماعۃ ثانیہ کو مکروہ کہا ہے اس میں شامی نے تصریح کر دی کہ کراہۃ تحریمہ مراد ہے پس اس کے مقابلہ میں جو دوسری صورتوں میں عدم کراہۃ کا حکم ہوگا اسی کراہۃ مذکورہ کی نفی ہوگی پس کراہۃ تنزیہیہ کی نفی محتاج دلیل مستقل ہے جیسا کہ صور اربعہ اولیٰ میں افضلیت کی تصریح بالاستقلال کراہۃ تنزیہیہ کی نفی پر دال ہے پس صور اربعہ اولیٰ میں نفی کراہت سے کراہت تحریمیہ منتفی ہوگئی اور حکم افضلیت سے کراہۃ تنزیہیہ منتفی ہوگئی اور مندوبیت ثابت ہوگئی بخلاف صورۃ متکلم فیہا کے کہ اس میں انتفاء کراہۃ تحریمیہ کی دلیل تو قائم ہے لیکن انتفاء کراہۃ تنزیہیہ کی کوئی دلیل نہیں۔ اور ظاہر روایت میں کراہت کا اثبات ہے

---

(۱) اولاً یہ شبہ بے محل ہے کیونکہ محل نزاع میں اجماع منقول نہیں ہوا بلکہ ان صورتوں میں ہوا ہے جس کی نسبت فتویٰ میں کہا گیا ہے کہ بالاتفاق نماز جائز بلکہ افضل ہے اور ثانیاً اس کا جواب کہ شامی نے بعد نقل روایت ظہیریہ کے عدم ثبوت اجماع کی تصریح کر دی ہے نامناسب ہے کیونکہ اگر اس تصریح کو مان لیا جاوے تو یہ فتویٰ کے اس دعوے کے مخالف ہوگی جو کہ ان الفاظ سے کیا گیا ہے پس صور اربعہ اولیٰ میں تو بالاتفاق جماعت ثانیہ جائز بلکہ افضل ہوگی آہ۔ کیونکہ صور اربعہ جن کی نسبت اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے ان میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ مسجد محلہ میں اہل محلّہ نے بلا اعلان اذان یا بلا اذان بدرجہ اولیٰ نماز پڑھ لی ہو اور ظہیریہ سے ان صورتوں کی کراہت ثابت ہوتی ہے پس دعویٰ اجماع صحیح نہ ہوا۔ الحاصل جواب شبہ دعویٰ سابقہ کے مخالف ہے اسلئے یہ جواب مناسب نہیں پس اس صورت میں شبہ اور جواب دونوں کو ساقط ہونا چاہئے نیز جن چار صورتوں میں عدم کراہت پر اتفاق نقل کیا ہے ان میں سے دوسری صورت میں اختلاف نقل ہونا چاہئے یا شامی کے قول و مقتضی هذا الاستدلال الخ کو رد کرنا چاہئے۔ ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۱۱۔

(۲) اس جگہ مولانا رشید احمد صاحب مدرس دار العلوم کراچی نے ایک حاشیہ لکھا ہے وہ درج کیا جاتا ہے وھو ھذا ولو کرر اهله بدونهما کو جائز بالاجماع کہا گیا ہے حالانکہ اس صورت میں اگر بہیئت اولیٰ پر تکرار ہے یعنی عدول عن المحراب نہیں کیا تو بالاتفاق مکروہ ہے اور عدول عن المحراب کی حالت میں محل نزاع ہے پس یہ قول کہ محل نزاع میں اجماع منقول نہیں ہوا صحیح نہیں۔ نیز یہ قول کہ ظہیریہ سے صور اربعہ اولیٰ میں سے ثانیہ صورت کی کراہت ثابت ہوتی ہے صحیح نہیں۔ صورت ثانیہ یہ ہے کہ جماعت اولیٰ بلا اذان یا بغیر اعلان اذان کے ہوئی۔ اور ظہیریہ میں اس کی کراہت مذکور ہے کہ جماعت ثانیہ بلا اذان ہوئی ہو۔ غرض اصل جواب کی عبارت صحیح ہے اور تصحیح الاغلاط کی عبارت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم انتہی ۱۲ محمد شفیع

پس کراہۃ تحریم منتفی ہوئی اور کراہۃ تنزیہیہ ثابت رہی۔ پس امام صاحب کے اثبات اور امام ابو یوسفؒ کی نفی میں کوئی تعارض نہ رہا اور اگر یہ شبہ ہو کہ جاز اور یباح وغیرہ عبارات سے کراہۃ تنزیہیہ منتفی معلوم ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ جائز کبھی مکروہ کو بھی شامل ہوتا ہے۔ کذا فی ردالمحتار ص ۴۲۵ ج ا۔ اور جیسا درمختار میں اذان صبی کو جائز بلا کراہت کہا ہے اور شامی نے کہا ہے کہ مراد نفی کراہت تحریمیہ کی ہے اور تنزیہی ثابت ہے۔ صفحہ ۴۰۶ ج ا۔ و نیز حکایت اجماع جس میں تقدیر تعارض پر کلام ہوا ہے۔ اس تقریر تطبیق پر بحالہا رہ سکتی ہے کہ نفی کراہۃ تحریمیہ پر اجماع ہے اور اگر ثبوت کراہۃ تنزیہیہ سے قطع نظر بھی کی جاوے اور اباحۃ بالمعنی المتبادر مان لی جاوے تب بھی چونکہ ندب واستحباب نہ دلیل سے ثابت نہ ابو یوسفؒ سے منقول اس لئے نفی کراہۃ سے ثبوت ثواب کا لازم نہ آوے گا جیسا ردالمحتار میں جماعۃ فی التطوع میں صرف مسنون نہ ہونے سے ثواب کی نفی کی ہے گو بعض صورتوں میں مباح بھی ہے صفحہ ۴۱۷ ج ا۔ پس غایۃ مافی الباب ایک فعل مباح ہوا جس میں نہ ثواب نہ عقاب اور امام صاحب کراہۃ کے قائل تب بھی اسلم اور احوط اس کا ترک ہی ہوا کیونکہ فعل میں تو احتمال کراہت کا ہے اور ترک میں کوئی ضرر محتمل نہیں حتیٰ کہ حرمان ثواب بھی نہیں۔ پس ترک ہی راجح ہوا یہ سب تحقیق ہے باعتبار حکم فی نفسہ کے اور اگر مفاسد اس کے امام ابو یوسفؒ کے روبرو پیش کئے جاتے تو یقیناً کراہۃ شدیدہ کا حکم فرماتے لیکن چونکہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور علماء کے فتوے بھی مختلف ہیں اس لئے کسی کو کسی پر نکیر شدید وطعن زیبا نہیں۔ واللہ اعلم۔ ۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۷۳ ج ا)

جماعت ثانیہ

سوال (۲۸۶) حنفیہ کے نزدیک جماعۃ ثانیہ مکروہ ہے اور حدیث میں ہے۔

عن ابی سعیدؓ قال جاء نی رجل وقد صلی رسول اللہ ﷺ فقال ایکم یتحر علی ھذا فقام رجل وصلی معہ رواہ الترمذی (ص ۱۵۹ صح المطابع) **و فی البخاری عن انس تعلیقا وابی یعلی موصولاً انہ جاء انس الی مسجد قد صلی فیہ فاذن واقام و صلی جماعۃ** لہٰذا اس حدیث کا کیا جواب ہے اور مسجد محلّہ اور مسجد بازار اس حکم میں برابر ہیں یا کچھ فرق ہے اگر فرق ہے تو اس کی کیا دلیل ہے۔؟

الجواب۔ ابوسعیدؓ کی حدیث میں متنفل نے مفترض کی اقتداء کی اور کلام اس جماعت ثانیہ میں ہے جہاں دونوں مفترض ہوں فلا حاجۃ فیہ۔ اور انسؓ کا فعل ممکن ہے کہ مسجد طریق میں ہو

۔ چنانچہ تکرار اذان اس کا قرینہ ہے کیونکہ مجوزین جماعۃ ثانیہ بھی تکرار اذان کو منع کرتے ہیں۔ فقط
(امداد ص ۸۶ ج ۱)

سوال (۲۸۷) بعض صاحبان کا یہ قول ہے کہ اگر اندرون مسجد قریب محراب جماعت ہوگئی ہو تو کچھ آدمی اگر باقی رہ جایا کریں تو جماعۃ ثانیہ صحن مسجد میں کرلیا کریں تو کسی نوع سے مکروہ نہ ہوگا کیونکہ یہاں کی ہر ایک مسجد دو مسجد ہے ایک صیفی یعنی صحن مسجد دوسری شتوی یعنی اندرون مسجد جو اکثر مسقف ہوتی ہے یا لداؤ کی اور درمختار میں جماعت کے بارے میں و لو فاتته ندب طلبها فی مسجد الخ ظاہر ہے کہ صحن مسجد مسجد آخر ہے لہٰذا اس میں جماعت ثانیہ کسی نوع سے مکروہ نہ ہوگی جواب دیا گیا کہ یہاں کی مسجدوں میں صحن مسجد دوسری مسجد نہیں حقیقت میں یہاں کی مسجدیں ایک ایک مسجد ہیں کیونکہ عرف میں بھی ایک ہی مسجد سے تعبیر کرتے ہیں اور نہ بانیین مسجد کی نیت دو مسجدوں کی ہوتی ہے بلکہ ایک ہی مسجد کی ہوتی ہے صحن کو صحن مسجد اور فناء مسجد سے تعبیر کرتے ہیں دیکھو نفائس اللغات لغت انگنائی بمعنی صحن خانہ بعربی ساحت وسرح وفناء پس اگر خانہ کی طرف اضافت ہوگی تو صحن خانہ اور مسجد کی طرف اضافت ہوگی تو صحن مسجد وفناء مسجد بولیں گے اور فقہاء بھی اس صحن کو صحن مسجد وفناء مسجد سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ واقفین پر ظاہر ہے واقف علم ظاہری و باطنی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے کراہت جماعت ثانیہ یہاں کی مسجدوں کے بارے میں ایک رسالہ تحریر فرمایا اگر یہاں کی مسجدیں دو مسجدیں ہوتیں تو کراہت جماعت ثانیہ آپ مکروہ نہ فرماتے بلکہ جماعت ثانیہ کا ہونا مکروہ فرماتے اور تصریح بھی کردیتے کہ صحن مسجد دوسری مسجد ہے و نیز حاجیان سے معلوم ہوا کہ مسجد رسول اکرم ﷺ اور مسجد حرام میں بھی صحن ہے کیونکہ حضور پرنور ﷺ نے ثواب صلوٰۃ اپنی مسجد اور مسجد حرام میں فی مسجدی هذا و مسجد الحرام فرمایا ۔ فی مسجدی هذین و فی مسجدی الحرام نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحن مسجد دوسری مسجد نہیں اور صیفی وشتوی مسجدیں اور طرز کی ہوتی ہیں یعنی ان میں ہر ایک کی محراب جداگانہ ہوتی ہے ایک دوسرے کے جنب میں واقع ہوتی ہے اور درمیان دیوار قصیر مقدار ایک دو ذراع کے اس میں فرجہ ہوتا ہے جیسا کہ قاضی خان کے صفحہ ۴۶ سے معلوم ہوتا ہے۔ محمول علی ما کان الحائط قصیرا اسد مقدار فرجة بين الصفين ذراع اوزراعين كما يكون بين المسجد الصيفی والشتوی۔ لہٰذا حضور والا کو تکلیف دی جاتی ہے کہ جواب مسائل مفصلہ ذیل صاف تحریر فرما کر خاکسار کو ممنون و مشکور فرمائیں۔ (۱) یہ کہ یہاں کی ہر ایک مسجد حقیقۃً صیفی وشتوی ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ محراب مسجد اصل میں کس جگہ ہے۔ آیا وہ طاق یعنی محراب جو جانب قبلہ دیوار غربی مسجد میں ہوتی ہے یا دوسری جگہ (۳) والسنة ان یقوم الإمام فی المحراب قول شامی منقول ازمعراج فی تحت قوله یقف وسطاً صفحہ ۳۹۹ مطبوعہ مصر وقول شامی منقول از تاتارخانیہ یکره للامام ان یقف فی غیر المحراب الالضرورة صفحہ ۴۵۳۔ تحت قوله لان العبرة للقدم کا کیا مطلب ہے آیا اس ظرفیت سے کمال قرب محراب مراد ہے یا محاذ محراب خواہ قریب ہو یا بعید اگر محاذ مذکور مراد ہے تو فی کا کیا موقع اور اس میں کیا نکتہ یا حقیقت میں عین محراب میں کھڑا ہونا مراد ہے جیسا کہ ظاہر میں فی کا مقتضیٰ ہے بعض صاحبان کا خیال ہے کہ حقیقت میں کھڑا ہونا محراب کا مراد ہے کیونکہ اصح مذہب طحاوی اور سرخسی رحمھما اللہ کا ہے کہ علت کراہت قیام فی المحراب خفاء امام ہے نہ مشابہت اہل کتاب اگر خفا ہوگا تو کراہت ہوگی ورنہ نہ ہوگی گو مختار سرخسی اول میں مشابہت اہل کتاب کی تھی۔ (۴) گرمی میں یہاں کی مسجدوں میں درآں صورتیکہ مسجد صیفی وشتوی نہ ہوں ترک محراب کی ضرورت ہوسکتی ہے (جیسا کہ مسجد صیفی وشتوی میں ہوتا ہے کہ گرمی کی وجہ سے صیفی میں آجاتے ہیں اور سردی کی وجہ سے شتوی میں چلے جاتے ہیں) یا نہیں اور یہاں کی مسجدوں میں عمل درآمد اس کا کہ جب گرمی ہوتی ہے تو صحن مسجد میں امام بلانکیر پڑھا دیتا ہے صحیح ہے یا نہیں اور یہ عمل درآمد کس بناء پر ہے۔

الجواب۔ ان بعض صاحبان کا قول غلط ہے مجیب کا جواب بالکل درست ہے البتہ مجیب کی تقریر میں لفظ فناء کی تفسیر میں تسامح ہے کیونکہ فناء اس جگہ کو کہتے ہیں جو مضاف الیہ سے خارج ہو اس کا جزو نہ ہو اور صحن مسجد جزو مسجد ہے۔ باقی سب تقریر نہایت صحیح اور کافی ہے یہ تمہید کے متعلق عرض کیا گیا۔ اب جزئی سوالات کے جواب کے متعلق لکھا جاتا ہے (۱) نہیں۔ (۲) وہ بھی اور اس کے محاذات جو مسقف درجہ کے مؤخر میں اور غیر مسقف کے مقدم میں ہوتی ہے وہ بھی۔ (۳) یہاں فی المحراب عبارت ہے فی الوسط سے کیونکہ محاریب وسط میں ہوتی ہیں جب محراب سے مراد وسط ہوا تو فی اپنے حقیقی معنی پر رہا صرف مجاز لفظ محراب میں رہا سو عندالقرینہ کچھ مضائقہ نہیں اور قرینہ لفظ وسطاً صاف ہے۔ (۴) جب محراب سے مراد وسط ہے تو عدول عن المحراب لازم ہی نہیں آیا۔ واللہ اعلم۔ ۲۳؍رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ صفحہ ۳۰)

سوال (۲۸۸) یہاں بازار میں ایک مسجد ہے جس میں جمعہ بھی ہوتا ہے اور جماعت کا بھی معقول انتظام ہے یعنی امام و نائب امام اور مؤذن تنخواہ دار مقرر ہیں ایسی مسجد میں جماعت ثانیہ جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ بعض عبارتوں سے جواز معلوم ہوتا ہے۔

فی الدرالمختار ویکره تکرار الجماعة بأذان وإقامة فی مسجد محلة لا فی مسجد طریق او مسجد لاامام له ولامؤذن فی ردالمحتار ولوکرراهله بدونهما اوکان مسجد طریق جاز إجماعا کما فی مسجد لیس له إمام ولا مؤذن الخ و فیه والتقیید بالمسجد المختص بالمحلة احتراز من الشارع الخ و فیه وامامسجد الشارع فالناس فیه سواء لا اختصاص له بفریق دون فریق اه و مثله فی البدائع وغیرها ومقتضی هذا الا ستدل کراهة التکرار فی مسجد المحلة ولو بدون اذان ویؤیده ما فی الظهیریة لو دخل جماعة المسجد بعد ماصلی فیه اهله یصلون وحدانا وهو ظاهر الروایة اهٖ وهذا مخالف لحکایة الإجماع المارة اه قال الناقل ولمْ یتعرض الشامی لمسجدالطریق فبقی حکمه المذکور سالماً عن الخلاف وفیه لکن یشکل علیه ان نحوالمسجد المکی اوالمدنی لیس له جماعة معلومون فلا یصدق علیه انه مسجد محلة بل هو کمسجد شارع وقدمرانه لاکراهیة فی تکرار الجماعة فیه اجماعاً اه (ج ا ص ۵۷۷و۵۷۸) قال الناقل بنی الشامی الجواب علی کونهما مسجد شارع مع ان لهما اماماً ومؤذناً معیناً ۔ والله اعلم ۲۳/رجب ۱۳۳۳ھ (تتمه ثالثه ص ۵۶)

سوال (۲۸۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد بازار وشارع عام وغیر آبادی وغیرہ کے سوا آبادی کی مسجد جیسے محلّہ کی مسجد یا جامع مسجد میں جماعت ثانی کا ہونا کیسے ہے۔

الجواب۔ اختلاف ہے۔ ۱۳۳۸ھ (حوادث خامس صفحہ ۳۶)

حکم بودن مقتدیان بر جانماز دون الامام وعکس آں

سوال (۲۹۰) مقتدیوں کے نیچے جائے نماز اور امام کے نیچے نہ ہو نماز کیسی ہے اور برعکس اس کے ہوتو نماز کیسی ہے۔؟

الجواب۔ جزئی نظر سے نہیں گزری البتہ امام نیچا اور مقتدی اونچے کھڑے ہوں اس کو مکروہ تنزیہی کہنے کی وجہ امام کی بے توقیری کو لکھا ہے اس علت کے اشتراک سے صورت مسئولہ کی شق اول میں بھی کراہت کا گمان ہوتا ہے لیکن اگر کوئی عذر ہوتو مضائقہ نہیں ہے۔

۲۰/جمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۷۸ ج ۱)

حکم جماعت نوافل

سوال (۲۹۱) بلا اہتمام نوافل کے جماعت علاوہ تراویح جائز ہے یا نہیں اور اس میں آدمیوں کی کچھ تعداد شرط ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکرہ ذلك لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة لواحد وفی ردالمحتار اما اقتداء واحد بواحد اواثنین بواحد فلا یکرہ و ثلثة بواحد فیه خلاف بحر اھ۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اگر مقتدی ایک یا دو ہوں تو کراہت نہیں اگر چار ہوں تو مکروہ ہے اور اگر تین ہوں تو اختلاف ہے۔ ۱۲ر رمضان ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۸۰ ج ۱)

سوال (۲۹۲) آپ کی کتاب بہشتی گوہر مطبوعہ بلالی واقع ساڈھورہ کے عنوان "جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کی شرطیں" کے تحت میں یہ عبارت موجود ہے کہ اگر کوئی شخص باوجود نہ پائے جانے ان شرائط کے نماز جمعہ پڑھے تو اسکی نماز نہ ہوگی۔ نماز ظہر پھر اس کو پڑھنا ہوگی اور چونکہ یہ نماز نفل ہوگی اور نفل کا اس اہتمام سے پڑھنا مکروہ ہے لہٰذا ایسی حالت میں نماز جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے (درمختار)

اس عبارت سے تردد اور خلجان دل کو اس وجہ سے ہوا ہے کہ اس سے تعمیم معلوم ہوتی ہے کہ خواہ کسی مہینے میں اس اہتمام سے نماز جمعہ ادا کی جاوے۔ رمضان ہو یا غیر رمضان عدم شرائط جمعہ کی تقدیر پر نماز جمعہ کا پڑھنا مکروہ تحریمی ہی ہوگا۔ اور مندرجہ ذیل عبارت سے بظاہر اسکے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے فی الهداية۔ ولایصلی الوتربجماعة فی غیرشهر رمضان علیه إجماع المسلمین والله اعلم تحته فی فتح القدیر لانه نفل من وجه والجماعة فی النفل فی غیر رمضان مکروہ فالاحتیاط ترکها فیه۔ اس شبہ کا جواب بھی مفصل دیں۔ اس واسطے کہ بعض عالم بہت ہی چھوٹے چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز حنفی المذہب ہوتے ہوئے پڑھتے ہیں۔ اور جب ان سے کہتے ہیں تو وہ ان ہی عباروں کو لیکر جواب دیتے ہیں کہ ہم تو نفل پڑھتے ہیں اور نفل رمضان شریف کے مہینہ میں جماعت سے پڑھنے میں کوئی قباحت و کراہت نہیں۔؟

الجواب۔ فتح القدیر کی عبارت والجماعة فی النفل الخ سے مقصود جواز رمضان کا ایجاب کلی نہیں بلکہ جواز فی غیر رمضان کا سلب کلی ہے۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ رمضان میں ہر نفل

جائز ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ غیر رمضان میں کوئی نفل جائز نہیں اور رمضان میں بعض نوافل جائز ہیں گو وہ من وجہ ہی نوافل ہوں جیسے وتر اور تراویح۔ ۲۶؍رمضان ۱۳۴۲ھ (ترجیح خامس ص ۱۴۴)

حکم اقتداء خلف غیر مقلد ومبتدع ومخالف مذہب مقتدی

سوال (۲۹۳) غیر مقلد کے پیچھے حنفی کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں اور کیسی ہوتی ہے ؟

الجواب۔ غیر مقلد بہت طرح کے ہیں بعض ایسے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا خلاف احتیاط یا مکروہ یا باطل ہے۔ چونکہ پورا حال معلوم ہونا فی الفور مشکل ہے اسلئے احتیاط یہی ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۴؍جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۰ ج ۱)

سوال (۲۹۴) بعض موحد مومن نیت پیچھے بدعتی کے نہیں کرتے یہ کیسا ہے اور بعض کا قول ہے کہ پڑھ لیوے مگر دوبارہ نماز اپنی اعادہ کر لیوے۔؟

الجواب۔ ہر چند کہ مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے کما فی الدر المختار ومبتدع مگر تنہا پڑھنے سے جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے و فی النھر صلی خلف فاسق أومبتدع نال فضل الجماعة درمختار وفی ردالمحتار افادان الصلوٰة خلفھما اولیٰ من الانفراد اھ اور اعادہ ہر چند کہ وقت ترک سنت کے مستحب ہے لیکن بشرطیکہ[1] اعادہ میں ترک سنت لازم نہ آوے۔ اور یہاں اعادہ میں ترک جماعت کہ سنت ہے لازم آتا ہے پس اعادہ کچھ ضرور نہیں۔ (امداد ص ۱۰۲ ج ۱)

سوال (۲۹۵) اگر بعد اذان مغرب کے باوجود[2] موجود ہونے امام کے چھ سات منٹ توقف کیا جاوے بعذر یا بغیر عذر کے آیا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ تخلف جماعت سے خواہ مغرب میں ہو یا دوسرے وقت میں بے عذر بہت برا ہے۔ کما ورد لایتخلف عنھما الاالمنافق البتہ اگر کوئی عذر شرعی ہو یا امام موافق

---

(۱) اس وقت یہی ذہن میں آیا اور اصل دلیل یہ ہے کہ جو سنت نماز میں داخل ہے اس کے ترک سے اعادہ ہے یہاں ایسا نہیں۔ ۱۲ منہ

(۲) عبارت واضح نہیں اس وقت مطلب یہ سمجھا گیا تھا کہ امام نماز شروع کرادے پھر بھی کوئی شخص علیحدہ بیٹھا رہے یہ کیسا ہے۔ جواب اسی پر منطبق ہے۔ اور اگر سوال کا یہ مطلب ہو کہ امام اور جماعت سب کے سب کسی وجہ سے ٹھیرے رہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک وقت مستحب باقی رہے تاخیر جائز ہے۔ مغرب میں بھی اذان سے نماز کا اتصال واجب نہیں ۱۲ منہ مگر اس جواب پر بھی بعض علماء نے کلام کیا ہے جو کہ ملخصات تتمۂ اولیٰ میں درج ہے اور ہم نے اصلاحات میں اس کا جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں حکم جواز سے مطلقاً کراہت کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ کراہت تحریمی کی نفی مقصود ہے ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۱۷۔

المذہب کا انتظار ہوتو جائز ہے۔مثلاً شافعی امام پہلے پڑھتا ہے اگر حنفی کے انتظار میں بیٹھا ہے کچھ حرج نہیں (۱)

ولو كان لكل مذهب إمام كما في زماننا فالأ فضل الاقتداء بالموافق سواء تقدم او تأخر على ما استحسنه عامة المسلمين و عمل به جمهور المؤمنين من اهل الحرمين والدمشق و مصر والشام ولا عبرة بمن شذ منهم۔

شامی ج ا ص ۷۹ ۳ واللہ اعلم۔ ۱۳ رجمادی الاولی ۱۳۰۳ھ (امداد جلد اول صفحہ ۱۰۶)

اقتداء بغیر مقلد

سوال (۲۹۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ کی بابت کہ آمین بالجہر ورفع الیدین اور نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے والے و نیز امام کے پیچھے الحمد پڑھنے والوں کے پیچھے ہم اہلسنت جماعت کونماز پڑھنا جائز ہے یانہیں۔ جواب قرآن شریف وحدیث سے ہو؟

الجواب۔ ان لوگوں کا اختلاف حنفیہ کے ساتھ صرف ان ہی مسائل فرعیہ میں ہے یا عقائد میں بھی اور یہ لوگ امام ہونے کی حالت میں آیا مسائل طہارت میں مراعات خلاف کی کرتے ہیں یانہیں۔ ۲۸ رشعبان ۱۳۳۷ھ (تتمۂ خامسہ صفحہ ۹۰)

سوال (۲۹۷) تمہید۔ مسئلہ اقتداء بالمخالف کے باب میں ایک قول کی نسبت علم الفقہ میں یہ عبارت ہے۔ درحقیقت یہ قول بالکل بے دلیل اور نہایت نفرت کی نظر سے دیکھنے کے قابل ہے۔ اگر اس قول پر عمل کیا جاوے تو آپس میں سخت افتراق پڑ جائے گا اور بڑی مشکل پیش آئے گی۔ آہ اس پر غلاۃ فی البدعات نے غیر مہذب عنوان سے ردلکھا۔ اور مؤلف کے حق میں یہ الفاظ لکھے۔ نہ سنی ہے نہ حنفی نہ اسے امام بنانا حلال نہ اس کے پیچھے نماز جائز ہے نہ اس کا وعظ سننا روا (وہ) خودرائے ہے اور کج فہم۔ وبےادب ائمہ کے ساتھ گستاخ۔ اور مسائل شرعیہ کی توہین کرنے والا اور خود اپنے اقرار سے فاسق، معلن۔ وہابی غیر مقلد ہے۔ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہئے اور نہ اس کا وعظ سننا چاہئے۔ وہ عوام الناس کو گمراہ کرتا ہے اس کے نزدیک ہرگز نہ جانا چاہئے۔ ایسے گندم نما جوفروش سے اجتناب چاہئے۔ اس کو فاسق سمجھیں اس کی مدح نہ کریں کہ

---

(۱) یہ ایک قول ہے جو اس وقت راجح معلوم ہوا اور بہت سے محققین اس انتظار کو منع کرتے ہیں البتہ انتظار اس وقت ہے جب وہ شافعی مراعات خلافیات کی نہ کرتا ہو ۱۲ منہ۔

فاسق کی مدح سے غضب ذوالجلال اترتا ہے۔ غیر مقلدین کے بعض عقائد کو اچھا سمجھنے کے سبب مستحق کفر ہے۔ آھ۔ مؤلف کی جماعت نے خانقاہ کی تحریر چاہی اولاً عذر کردیا گیا ثانیاً مکرر استدعا پر جواب ذیل دیا گیا۔

مکرمی سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ لفافہ حاملہ تین قطعات مطبوعہ اور کارڈ موصول ہوئے مجھ کو جواب تحریر کرنے کا مکرر مشورہ دیا گیا ہے۔ امتثالاً للامر کچھ لکھتا ہوں (اور اگر رائے ہو میری طرف سے اس کی اشاعت کی بھی اجازت ہے) جس کے ملاحظہ سے معلوم ہوجائے گا کہ میں جواب کس عذر کے سبب نہ لکھتا تھا۔ حاصل اس عذر کا یہ ہے کہ میرا جواب اصل مسئلہ کو من کل الوجوہ مفید نہیں۔ اور میری کیا تخصیص ہے شاید کسی حنفی سے ایسا جواب ملنے کی توقع نہ ہوگی جو من کل الوجوہ مفید اور موافق ہو۔ گو من وجہ جو ایک اعتبار سے اصل مقصود ہے ضرور مفید ہے۔

امراوّل...... اس لئے کہ اس مسئلہ فرعیہ میں منجملہ اقوال مختلفہ کے میرے نزدیک احوط وہ تفصیل ہے جو درمختار میں بحر سے نقل کی ہے۔ بقوله ان يتفق المراعات لم يكره او عدمها لم يصح وان شك كره اور جس کی ترجیح ردالمحتار میں حلبی سے نقل کی ہے۔ بقوله هذا هو المعتمد لان المحققين جنحوا اليه وقواعد المذهب شاهدة عليه الخ البتہ اس تفصیل کے جزو ثالث کو میں ماؤل ومقید سمجھتا ہوں تاویل یہ کہ مراد کراہت سے خلاف اولیٰ ہے تقیید یہ کہ اپنے مذہب کا امام بدون ارتکاب کسی محذور واعراض عن الجماعۃ وغیرہ کے میسر ہو۔

ومبنى التاويل مانقله في ردالمحتار عن حاشية الرملي على الاشباه الذي يميل اليه خاطري القول بعدم الكراهة اذالم يتحقق منه مفسد اه ووجه التقييد ظاهر۔ نیز مراعات کا محل صرف فرائض ہیں۔ كما في ردالمحتار اي المراعات في الفرائض من شروط واركان في تلك الصلوة وان لم يراع في الواجبات والسنن كما هو ظاهر سياق كلام البحر وظاهر كلام شرح المنية ايضاً حيث قال واما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز مالم يعلم منه مايفسد الصلوٰة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع انما اختلف في الكراهة اه قلت و في التمثيل بالشافعي الذي الاصل فيه عدم التعصب خرج من الحكم القائلون بحرمة التقليد المدعون للاجتهاد لانفسهم الذين الغالب فيهم التعصب وقد صرحوا بكراهة الاقتداء بالمتعصب ۔

اور چونکہ میں اس کو احوط سمجھتا ہوں اور احتیاط شرعاً محمود ومطلوب ہے چنانچہ زمعہ کا قصہ

صحاح میں مذکور ہے کہ آپ نے ولد کو فراش کا حق فرمایا۔ اور باوجود اس کے حضرت سودہؓ کو اس مولود سے احتجاب کا حکم دیا جس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر اس قول کا غیر راجح ہونا بھی ثابت ہو جاوے وانی لأخذ ذلك تب بھی احتیاط کے لئے اس کو اخذ کرنا احفظ للدین ہوگا۔ اس لئے اس قول احوط کو بے دلیل اور نہایت نفرت کی نظر سے دیکھنے کے قابل اور موجب افتراق شدید و اشکال عظیم قرار دینے کو میں پسند نہیں کرتا۔ بلکہ کسی مسئلہ مجتہد فیہا پر بھی ہم جیسوں کا ایسا حکم کرنا غیر مرضی ہے۔ خصوص جب کہ سلف سے ایسا جزئیہ منقول بھی ہو۔ چنانچہ مدوّنہ مالکؒ میں ہے۔

قال وسئل مالك عمن صلى خلف رجل يقرأ بقراء ة ابن مسعودؓ قال يخرج ويدعه ولا ياثم به قال و قال مالكؒ من صلى خلف رجل يقرأ بقراء ة ابن مسعودؓ فليخرج وليتركه قلت فهل عليه ان يعيد اذا صلى خلفه في قول مالك قال ابن القاسم ان قال لنايخرج فأرى انه يعيد في الوقت وبعده ص ۸۴ قلت وظاهر ان من كان يقرء بقراء ة ابن مسعودؓ فهو يعتقدها قرانا و مع ذلك لم يجوز مالك الصلوٰة خلفه والمسئلة مجتهد فيها كما يظهرمن مراجعة نيل الأوطار باب الحجة في الصلوٰة بقراء ة ابن مسعودؓ الخ ۔ اور اس قول کا علم الفقہ کے قول مختار کے ساتھ مغائر ہونا ظاہر ہے۔ اس سے امر اول ثابت ہوگیا کہ میرا جواب اصل مسئلہ کو من کل الوجوہ مفید نہیں۔

امر ثانی...... کا بیان یہ ہے کہ میں باوجود علم الفقہ کے قول کے قائل نہ ہونے کے اور قول مقابل کی نسبت رائے مذکور پسند نہ کرنے کے پھر بھی صاحب قول مذکور و رائے مذکور کی شان میں ایسے فتووں کو اور ایسے الفاظ کو جو کہ اشتہار واجب الاظہار میں نقل کئے گئے ہیں معصیت اور حرام اور غلو اور تعصب سمجھتا ہوں جس کا نہ اعتقاد جائز نہ نقل جائز الاللرد خصوص ان کے محاسن وفضائل و خدمات دینیہ پر نظر کرتے ہوئے ان کے کلام کا محمل صحیح پر حمل واجب ہے بعض محامل اشتہار واجب الاظہار کے جواب میں مع نظائر پیش بھی کئے گئے ہیں ۱۲؍ اگر جواب کی ضرورت ہی تھی تو اتنا کافی تھا کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور ہمارے نزدیک دوسرا قول راجح ہے اور مجتہد فیہ کی نسبت ایسے الفاظ زیبا نہیں اس لئے مشورہ دیا جاتا ہے کہ گو فتوے سے رجوع نہ کریں۔ گو اولی واوفق بالمصالح العامہ یہ بھی ہے لیکن ایسے الفاظ سے ضرور رجوع فرمالیں کہ اقرب الی ادب الاحکام والبعد عن تشویش العوام ہے او نحو ذلك اس سے امر ثانی ثابت ہوگیا کہ میرا جواب اصل مقصد کے اعتبار سے (کہ وجوب کف لسان ہے مؤلف علم الفقہ کے سب وشتم سے) مفید ہے۔ وفي هذا كفاية انشاء الله

تعالی لمن انصف ولم یتعسف واللہ اعلم والسلام مع الاکرام خیر ختام۔ ۱۶؍ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ (تتمۂ خامسہ ص ۴۳۵)

سوال (۲۹۸) مقلد غیر مقلد امام کے پیچھے ازروئے مسئلہ حنفی کسی حالت میں نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں اگر پڑھ سکتا ہے تو کس حالت میں اگر نہیں پڑھ سکتا ہے اور ناواقفیت میں پڑھ لیا تو نماز مقلد مقتدی کی ہوگی یا نہیں اگر نماز نہیں ہوئی تو اعادہ کی ضرورت ہوگی یا نہیں۔ فقط؟

الجواب۔ نماز حسب قواعد فقہیہ صحیح ہوگئی مگر احتیاط اعادہ میں ہے۔

۲۴؍ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۲۴)

سوال (۲۹۹) ما قولکم رحمهم الله تعالی فی هذه المسئلة ۔ اقتدأ الحنفی خلف غیر المقلد جائز ام لا بینوا بالدلیل۔؟

الجواب۔ مبسملاً وحامداً ومصلیا اقول التفصیل عندی ان غیر المقلدین هم اصناف شتی فمنهم من یختلف مع المقلدین فی الفروع الاجتهادیة فقط فحکمهم فی جواز الاقتداء بهم للحنفیة کالشافعیه حیث یجوز بشرط المراعات فی الخلافیات الصلوٰتیة وفاقاً وعند عدم المراعاة خلافاً وبالاول أفتی الجمهور فان امر الصلوٰة مما ینبغی ان یحاط فیه ۔ ومنهم من یختلف معهم فی الإجماعیات عند اهل السنة کتجویز النکاح مافوق الاربع و تجویز المتعة و تجویز سب السلف وامثال ذلك وحکمهم کاهل البدعة حیث یکره الاقتداء بهم تحریماً عند الاختیار و تنزیهاً عند الاضطرار وحیث یشتبه الحال فالاولی ان یقتدی بهم دفعاً للفتنة ثم یعید اخذاً بالاحوط ولو کانت الفتنة فی الاقتداء فلا یقتدی صوناً للمسلمین عن التخلیط فی الدین والتجرء علی الشرع المتین ۔ والله تعالیٰ اعلم وعنده علم الیقین والحق المبین ثانی یوم النفر من ذی الحجه ۱۳۲۹ھ من الهجرة المقدسة۔ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۹)

حکم اقتداء پابند نماز خلف غیر پابند

سوال (۳۰۰) ایک حافظ قرآن صحیح پڑھتا ہے مگر نماز کا پابند نہ تھا کبھی پڑھ لیتا تھا اور اکثر چھوڑ دیا کرتا تھا۔ اب وہ ماہ رمضان میں تراویح کی نماز پڑھانا چاہتا ہے ایسے حافظ کے پیچھے ان لوگوں کی نماز جو برابر نماز کے پابند ہیں بلا کراہت ہوگی یا بکراہت اگر مکروہ ہوتی ہو اور وہ

اس وقت توبہ کرے کہ اب نماز ہم نہیں چھوڑیں گے اور جتنی نمازیں قضا ہوگئی ہیں ان کی قضا پڑھ لیں گے تو کراہت زائل ہوسکتی ہے یانہیں۔؟

الجواب۔ توبہ سے کراہت زائل ہوجاوے گی کیونکہ علت کراہت کی فسق ہے اور توبہ سے فسق زائل ہوجاتا ہے اور مطالب بالحقوق رہنا موجب فسق نہیں۔ وہذا ظاہر۔ فقط۔

۲۴؍شعبان ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۰ ج ۱)

حکم امامت شخصے کہ ثنایا علیا نہ دارد

سوال (۳۰۱) کسی عالم یا حافظ کے ثنایا ہائے علوی نہ رہیں جو مخرج تا طا اور دال کا ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یانہیں۔ برتقدیر اول مع الکراہت یا بلا کراہت جواب مسائل ہذا مع سند کتاب معتبرہ تحریر فرمودہ رفع شک واختلاف فرمادیں اگر درست نہ ہوتو جو شخص ان کی اقتداء کرے اس کا اعادہ لازم ہوگا یانہ۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ اختلاف ہے۔ احوط عدم صحت ہے اور اوسع صحت ہے میرے نزدیک اس زمانہ میں صحت کو ترجیح ہوناچاہئے۔ ۱۵؍شعبان ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۵۶)

حکم امامت الثغ

سوال (۳۰۲) ایک حافظ الثغ ہے اور نماز کی پابندی کے باب میں اس کا حال بھی مثل حافظ مذکور الصدر [۱] کی ہے بجائے چھوٹے سین کے بڑے شین اور بجائے جیم کے زیا ذ یا بالعکس ان کی زبان سے ادا ہوتے ہیں۔ باوجود کوشش مزید کے وہ ادائے حروف مذکورہ پر قادر نہیں ایسے حافظ کے پیچھے نماز تراویح قرآن صحیح پڑھنے والوں کی درست ہوگی یانہیں۔؟

الجواب۔ امامت الثغ کی غیر الثغ کے لئے مختلف فیہ ہے۔ کما فی الحاشیة الشامية پس احقر کے نزدیک فرائض ووتر میں عدم جواز کا حکم احوط ہے اور تراویح میں جواز کا حکم اوسع ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۴؍شعبان ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۱ ج ۱)

حکم امامت شخصے کہ بر تلفظ راء قادر نباشد

سوال (۳۰۳) جس شخص سے راء نہ نکلتی ہو اس کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے یانہیں۔؟

(۱) یعنی جو کہ سوال سابق میں مذکور ہوا ہے۔ یعنی وہ حافظ جو صحیح پڑھتا ہے مگر نماز کا پابند نہیں ہے ۱۲۔

الجواب۔ فی الدرالمختار ولا غیر الألثغ به ای بالالثغ علی الأصح ۔ فی ردالمحتار ای خلافا لمافی الخلاصة عن الفضلی من انها جائزة الی قوله وظاهره اعتماد هم الصحة ثم قال ولکن الاحوط عدم الصحة و فیه هو الذی یتحول لسانه من السین الی الثاء و قیل من الراء الی الغین او اللام او الیاء زاد فی القاموس او من حرف الی حرف و فیه انه (ای اللثغة) ان کانت یسیرةً بان اتی بالحرف غیر صاف لم توء ثر الخ۔ ج ا ص ۶۰۸ و ص ۶۰۹

ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے (ا) اگر راء نکلتی ہے لیکن صاف نہیں تو معتبر نہیں اور اگر لام وغیرہ سے بدل جاتی ہے تو اختلاف ہے لیکن جہاں بلوی ہو صحت کا حکم مناسب ہے۔

۱۰ ررمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۶۱)

حکم جذب مقتدی مسبوق را از وسط صف بعد اتمام صف

سوال (۳۰۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور نماز با جماعت قائم ہے اور پہلی صف تمام ہو چکی ہے۔اب یہ شخص صف میں کس مقام سے مصلی کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملاوے اور وسط صف سے کھینچے تو بظاہر ولا تذروا فرجات للشیطان کا خلاف لازم آتا ہے۔ اور جو کنارہ صف سے کھینچے اور وہیں کھڑا ہو جاوے تو توسطوا الامام کا خلاف ہوتا ہے اور جو کنارہ صف سے وسط صف میں لاوے تو حرکت زیادہ ہوتی ہے اور نیت باندھ کر کھینچنا بہتر ہے یا خارج نماز سے کھینچے۔فقط؟

الجواب۔تصریح تو ملی نہیں لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وسط صف میں سے کھینچ لے رہا یہ کہ لاتذروا الخ کے خلاف لازم آتا ہے سوفرجات بند کرنے کا حکم اصطفاف کیوقت ہے اور اثنائے صلوٰۃ اگر کسی عارض ضروری سے درمیان میں فرجہ ہو جاوے تو ایسے فرجات کی کراہت کی کوئی دلیل نہیں چنانچہ امام کا اگر وضو ٹوٹ جاوے اور اس کو استخلاف کی حاجت ہو یا کسی مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے اور وہ چلا جاوے ظاہر ہے کہ اس صورت میں فرجہ موجب کراہت نہیں اسی طرح صورت مسئولہ میں بھی وہ عارض ضروری اقامت ہے سنت کی اور تحرز ہے قیام خلف الصّف وحدہ سے لہٰذا کراہت نہ ہوگی البتہ جو شخص اسکے بعد جماعت میں حاضر ہو اس کو چاہئے کہ اس فرجہ کو بند کردے گو مرور پیش مصلی لازم آوے کیونکہ ضرورت شرعی کے وقت یہ بھی مکروہ نہیں یہ تو تحقیق ہے اس حکم جذب المصلی کی لیکن درمختار وردالمحتار میں مصرح ہے لکن قالوا فی زماننا

ترکه اولی لغلبة الجهل علی العوام فاذا جره تفسد صلوٰته اھ ج ا ص ٦٧٦ اور کھینچنا نیت باندھ کر اور قبل نیت باندھنے کے ہر طرح درست ہے۔

فی العالمگیریة الفصل الخامس من الباب الخامس من کتاب الصلوٰة فجاء ثالث وجذب المؤتم الی نفسه قبل ان یکبر الافتتاح حکی عن الشیخ الإمام أبی بکر بن طرخان انه لایفسد صلوٰة المؤتم جذبه الثالث قبل التکبیر او بعده الخ۔ واللہ اعلم　　۲۲ رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۳ ج ۱)

حکم شرکت در جماعت صلوٰة آں را کہ نماز گزاردہ باشد

سوال (۳۰۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مقتدی کو بعد ادائے فرائض نماز کے کب تک شرکت مستحب ہے؟

الجواب۔ بعد ادائے فرائض کے اگر جماعت پاوے ظہر وعشاء میں شرکت بہتر ہے اور فجر اور عصر اور مغرب میں نہ چاہئے۔ فی الدرالمختار و من صلی الفجر والعصر والمغرب مرة فیخرج مطلقاً وان أقیمت لکراهة النفل بعد الأولیین و فی المغرب أحد المحظورین البتیراء او مخالفة الإمام اھ (امداد ص ۹۹ ج ۱)

حکم امامة بغیر عمامہ معہ ذکر عبارات کتاب نفع المفتی وفتاویٰ اشرفیہ وغیرہ

سوال (۳۰۶) اگر امام کے سر پر عمامہ نہ ہو اور مقتدی کے سر پر عمامہ ہو تو نماز میں کراہت ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ کراہت نہیں۔ (تتمہ اول ص ۱۷)

سوال (۳۰۷) مشہور ہے کہ فقہاء لکھتے ہیں کہ عمامہ موجود ہوتے ہوئے بدون عمامہ کے نماز مکروہ ہے۔ صحیح ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ صحیح نہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص بدون عمامہ کے گھر سے نہ نکلتا ہو تو ایسے شخص کے لئے خود نماز ہی بلا عمامہ مکروہ ہے خواہ امام ہو یا نہ ہو۔ فی الدر المختار و صلوٰته فی ثیاب بذلة یلبسها فی بیته۔　۱۲ رشعبان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ٦٤)

سوال (۳۰۸) اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ نماز میں عمامہ کو ضروری خیال کرلیا گیا ہے اور

ایسا ضروری نہیں ہے اور وہ اسی وجہ سے عمامہ موجود ہوتے ہوئے نہیں باندھتا ہو تو اس کا یہ فعل برا ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ گاہ گاہ ہو تو برا نہیں۔ نظیرہ ما فی ردالمحتار فی تعیین السور فان إیهام اللزوم ینتفی بالترك احیاناً۔ ج ا ص ۵۶۸۔ ۱۲ رشعبان ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۶۵)

ایک خط مشتمل بر سوال و جواب ذیل آیا

(۳۰۹) چہ فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ نماز بکلاہ بدون عمامہ مکروہ است یا نہ؟

الجواب۔ مکروہ است در فتاوی غرائب می آرد رجل صلی مع قلنسوة ولیس فوقها عمامة او شئی اخر یکرہ ۱۲۔ وعمامہ بر سر بستن مسنون ست خصوصاً در نماز۔ ملا علی قاری در مقالہ عذبہ روایت می کند انه صلی الله علیه وسلم کان یلبس القلانس تحت العمائم وبغیر العمائم ودرفردوس دیلمی از جابر مرویست رکعتان بعمامة خیر من سبعین رکعة بلاعمامة و ابن عمر آوردہ صلوة تطوع او فریضة بعمامة خمسمائة و عشرین صلوٰة بلا عمامة وجمعة بعمامة تعدل سبعین جمعة بلاعمامة و نیز در مقالہ مذکورہ می گوید اماما احدثه فقهاء زماننا من انهم یأتون المسجد بعمامة کبیرة ثم یضعونها ویلفونها بلفافة صغیرة و یصلون بغیر عمامة فمکروهة غایة الکراهة انتهی والله الموفق

تتمۂ سوال۔ جناب عالی گزارش آنکہ مذکورہ جواب سوال کے لئے فتاویٰ سعدیہ میں مسطورۂ بالا کے موافق ہے لیکن فتاویٰ رشیدیہ میں مذکور مسئلہ کی نسبت مولانا گنگوہیؒ جائز فرماتے ہیں اس میں کیا بات ہے۔ دیگر عرض یہ ہے کہ جن کپڑوں سے باہر جانا انسان معیوب سمجھتا ہے اگر اسی سے وہ شخص نماز پڑھاوے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

یہاں سے اس کا یہ جواب لکھا گیا۔ دونوں فتووں میں تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ کراہت اس کے لئے ہے جو بلا عمامہ مجامع میں نہ جاتا ہو اور عدم کراہت اس کے لئے جو مجامع میں بلا عمامہ جا سکتا ہو اسی سے اخیر سوال کا جواب معلوم ہو گیا کہ مکروہ ہے۔

۲۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تتمہ خامسہ ص ۸۴)

سوال (۳۱۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ رسالہ الامامة بالعمامہ کی تحریر سے ٹوپی رکھ کر نماز

پڑھانا یا پڑھنا مکروہ تحریمی معلوم ہوتا ہے اور کتاب نفع المفتی صفحہ ۸۸ سے مکروہ معلوم نہیں ہوتا ایسا ہی فتاویٰ اشرفیہ تتمہ جلد اول صفحہ ۱۷ جو جناب کا تصنیف کردہ ہے میں بھی مکروہ نہیں بتایا۔ مذکورہ ہر دو اول رسائل پیش خدمت کئے جاتے ہیں ملاحظہ فرما کر جواب باصواب سے مشرف فرماویں تاکہ تسلی ہوجاوے اور جناب اجر پاویں۔؟

الجواب۔ میں نے پورا رسالہ پڑھا کسی دلیل سے کراہت ثابت نہیں ہوتی چنانچہ بعض استدلالات کا جواب مولانا عبدالحی صاحب کے کلام میں مصرح ہے اور بعض کا جواب ظاہر ہے میں ہر استدلال کا جواب کہاں تک لکھوں ایک رسالہ بن جاوے گا۔ آپ کو جو دلیل موجب مدعا معلوم ہوتی ہے اس کو پوچھ لیجئے جس کا جواب مولوی عبدالحی صاحب کی تحریر میں نہ ہو ان سطور کے لکھنے کے بعد درمختار میں یہ روایات مکروہات صلوٰۃ میں نظر پڑی و صلوته حاسرا ای کاشفا رأسه للتكاسل ولاباس للتذلل واما لإهانتها فكفر ولو سقطت قلنسوته فاعادتها افضل الخ فی ردالمحتار عن الدرر عن التاتارخانیه والظاهر ان افضلية اعادتها حيث لم يقصد بتركها التذلل علی مامر ج۱ ص ۶۷۰۔ اس سے کئی امر مستفاد ہوئے ایک یہ کہ بالکل برہنہ سر نماز پڑھنا بھی مکروہ نہیں جب براہ تکاسل نہ ہو تو ٹوپی پر اکتفا کرنے کو جب کہ براہ تکاسل نہ ہو محض بر سبیل عادۃ ہو کیسے مکروہ ہوگا البتہ اگر کوئی شخص صرف ٹوپی سے اسواق ومجمع احباب میں نہ جاتا ہو تو اس کے لئے صرف ٹوپی پر اکتفا کرنا نماز میں مکروہ ہوگا جس میں انفراد اور اقتداء اور امامت سب برابر ہیں امام کی تخصیص نہیں کیونکہ ایسے شخص کے لئے صرف ٹوپی ثیاب بذلہ ومہنہ سے ہے جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر عمامہ کی وسعت نہ ہو تو پھر ایسے شخص کے لئے مکروہ نہیں۔ دوسرا امر اس سے یہ مستفاد ہوا کہ ٹوپی کے گر جانے پر اعادہ افضل ہے لیکن اگر قصد تذلل ہو تو اعادہ نہ کرنا افضل ہے۔ یہ جزئیہ اس شخص کے حق میں ہوسکتا ہے جو صرف قلنسوہ یعنی کلاہ سے نماز پڑھ رہا تھا پھر اس جزئیہ کو ذکر کر کے اس کے ساتھ یہ نہ کہنا الا انه یکره بقاعدة والسكوت عن البيان فی موضع الضرورة بيان دلیل واضح ہے عدم کراہۃ کی۔

۱۱؍رجب ۱۳۴۰ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۲۱)

عدم جواز ترک جماعت بتوہم قلت رعب از قلوب رعایا۔

سوال (۳۱۱) حضرت اب تک میں اس امر کی تعمیل نہ کرسکا کہ مسجد جاکر نماز پڑھوں یہیں جماعت سے بدستور نماز پڑھ رہا ہوں مسجد تھانہ سے کوئی قریب سو قدم کے یا اس سے کچھ زیادہ فاصلہ پر ہے راستہ میں جو لوگ رہتے ہیں ان کو میرے آنے جانے کی وجہ سے تکلیف ہوتی

ہے بار بار کھڑے ہوتے ہیں منع کرتا ہوں نہیں مانتے دن میں جب کہ پانچ مرتبہ جاؤں گا تو غالبًا وہ بالکل بے حجاب ہو جائیں گے اس سے عہدہ کا جو اثر و رعب رعایا پر ہے وہ کم ہو جائے گا اس سے کام میں خرابی ہوگی اگر چہ خود اپنی تعظیم یا بڑائی قطعی مقصود نہیں ہے صرف یہی خیال کہ عہدہ کا وقار جائے گا اور اس عہدہ کا جب تک رعایا پر اثر نہ ہو انتظام و کام ٹھیک نہیں ہوتا اس وجہ سے مسجد نہیں جاتا ہوں آئندہ جو حکم ہو۔ اب تو صرف جمعہ کے روز اور آجکل روزانہ تراویح کو جاتا ہوں؟

الجواب۔ آپ جیسے سلیم الفہم دانشمند سے ایسا خیال عجیب ہے اول تو یہ محض تو ہم ہے جو تجربہ و مشاہدہ کے خلاف ہے۔ بلکہ اس سے وقار بڑھ جاتا ہے۔ اول تو دینداری کی یہ خاصیت ہے خاص کر جب ممتاز شخص میں دینداری ہو زبانوں پر اس کی مدح اور قلوب میں اس کی عظمت ہوتی ہے پہلے تو ہیبت مع الوحشت والنفرت تھی پھر ہیبت مع الانس والمحبتہ ہو جاتی ہے پھر اس کی ایک لم بھی ہے جو حدیث میں وارد ہے من هاب الله هابه كل شي ان سب کے علاوہ اگر کسی مقام پر عوام اس خیال کے ہوں کہ ڈاڑھی منڈانے سے زیادہ مرعوب ہوتے ہوں بہ نسبت ڈاڑھی رکھنے کے یا کفار کے لباس سے زیادہ مرعوب ہوتے ہوں بہ نسبت اسلامی لباس کے یا اس سے بڑھ کر عیسائی ہونے سے زیادہ مرعوب ہوتے ہوں بہ نسبت مسلمان ہونے کے تو کیا اس مصلحت کی رعایت اس حد تک وسیع ہو سکے گی۔ ۱۳ر رمضان ۱۳۴۶ھ (تتمۂ خامسہ ص ۵۹۰)

امام وخطیب کی بعض کوتاہیوں کے احکام

سوال (۳۱۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ یہاں کی جامع مسجد میں یہاں کی دوسری مسجدوں کے مطابق یہ دستور چلا آتا ہے کہ بروز جمعہ اذان اول کے بعد اتنا وقفہ کیا جاتا ہے کہ چار سنتیں باطمینان پڑھ لی جائیں یعنی تقریباً دس منٹ کے بعد خطبہ بزبان عربی شروع ہوتا ہے۔ جامع مسجد مذکور کے امام صاحب کی بابت مقتدیوں کو خطبہ کی طوالت کی شکایت پہلے سے تھی اور اس سے ان کو گرانی تھی۔ مزید براں انہوں نے کئی جمعہ سے یہ نیا طریقہ اختیار کیا کہ چار سنتوں کے بعد وقت مقرر پر خطبہ شروع کرنے کے بجائے پہلے اردو زبان میں مضمون خطبہ کے علاوہ دوسری تقریریں شامل کر کے بیان کرنا شروع کیا۔ جس میں مقتدیوں نے یہ محسوس کیا کہ ان تقریروں میں مسلمانوں پر چوٹ اور طنز یہ جملے وغیرہ ذاتی جذبات نفسانیہ کا بھی شمول ہے۔ ان تقریروں کے بعد اذان ثانی ہو کر ممدوح نے خطبہ عربی پڑھا۔ متولیان مسجد وغیرہ کو پہلے ایک دو دفعہ کچھ خیال نہ ہوا۔ لیکن بعد میں انہوں نے دیکھا کہ

مقتدیوں میں اس کا چرچا ہونے لگا ہے اور ان کو قوی اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو رفتہ رفتہ آئندہ خطبہ عربی کے بجائے خطبہ اردو جاری کردیں اس کے علاوہ چونکہ نمازیوں کی بہت سی تعداد بہت پہلے سے آجاتی ہے اور بعد فراغ جمعہ کھانا کھاتی ہے۔ اس لئے بنا بر تاخیر وطوالت ان کو اور بھی زیادہ گرانی ہونے لگی۔ طوالت خطبہ کی بابت متولیوں نے امام صاحب موصوف کو پہلے ہی توجہ دلائی تھی کہ خطبہ جو لمبا پڑھتے ہیں اس کو مسنون طریقہ کے مطابق مختصر فرمادیں اور خطبہ اور تقریروں میں اپنے جذبات سے کام لیتے ہوئے کسی مسلمان پر حملہ اور طنز نہ کریں اور اب یہ صورت حال دیکھتے ہوئے اور مذکورہ وجوہ پر نظر رکھتے ہوئے ہدایت کی کہ آئندہ اذان اول کے بعد قدیمی دستور پر عمل کرتے ہوئے محض خطبہ عربی پر قناعت کریں کہ یہ نیا طریقہ مسجد موصوف کے نمازیوں میں تفرقہ اور جھگڑے کا باعث بن جائے گا اس لئے گرانی مذکور کے علاوہ غیر زبان عربی میں خطبہ پڑھنے کے قائلین کی تعداد بھی یہاں بہت کم اور برائے نام ہے متولیوں کی طرف سے امام صاحب کو اس کی بھی اطلاع دیدی گئی کہ اگر نمازیوں کے سامنے کچھ بیان فرمانا چاہتے ہیں تو شب جمعہ کے بعد نماز عشاء کہ جس میں بھی صدہا نمازیوں کی تعداد ہوتی ہے صحیح صحیح خطبہ کا مطلب سادگی کے ساتھ بیان فرمادیا کریں اور متولیوں نے یہ بھی آپس میں قرار دے لیا تھا کہ اگر امام صاحبؒ کی خواہش ہوگی تو ان کو بعد فراغ جمعہ بیان کرنے کا موقع دیدیا جائے گا اس صورت میں بہت پہلے سے آنے والے اور بھوک سے گھبرا جانے والے جو چاہیں گے جاسکیں گے ان پر کوئی جبر نہیں پڑے گا۔ برخلاف ان کی اختیار کردہ صورت کے کہ اس میں سب کو بخیال ادائے جمعہ خواہ مخواہ مجبوراً رکنا پڑتا ہے پس ارشاد ہو کہ صورت مسئولہ میں متولیان مسجد کا امام موصوف کو عمل مذکور سے روک دینا شرعاً درست ہے یا نہیں۔ فقط بینوا توجروا؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب۔ سوال میں امام جمعہ کی چند کوتاہیوں کا ذکر کیا گیا ہے سب کی سب احکام شریعت کے خلاف ہیں وہ احکام ان روایات میں ہیں۔

الاولی۔عن عمار قال سمعت رسول الله ﷺ یقول ان طول صلوة الرجل و قصر خطبة مئنة من فقهه فاطیلوا الصلوٰة واقصروا الخطبة الحدیث رواه مسلم (باب الخطبة والصلوٰة) قلت معنی قوله علیه السلام طول صلوٰة الرجل یعنی بالإضافة الی الخطبة فان الطول الثقیل قد نهی عنه کما سیأتی عنقریب۔

الثانیة۔ فی الدرالمختار باب الجمعة ویسن خطبتان خفیفتان وتکره

زیادتهما علی قدر سورة من طوال المفصل فی ردالمحتار عن القهستانی وزیادة التطویل مکروهة اه قلت والتقدیر بسورة من الطوال یرادبه التطویل الغیر الثقیل کما فی الدرالمختار باب التراویح عن المجتبی عن الإمام لو قرء ثلاثا قصارا وایة طویلة فی الفرض فقد احسن ولم یسیٔ فما ظنك بالتراویح اه وبالجملة رعایة الخفیف واجبة علی کل حال ۔

الثالثة۔ عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلم اذا صلی احدکم للناس فلیخفف فان فیهم السقیم والضعیف والکبیر واذا صلی احد کم لنفسه فیطول ما شاء متفق علیه عن قیس بن أبی حازم فی حدیث طویل قال رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلم ان منکم منفرین الحدیث متفق علیه(باب ما علی الإمام)

الرابعة۔ فی الدرالمختار باب الإمامة ویکره تحریما تطویل الصلوة علی القوم زادعمل اعلی قدر السنة فی قراء ة واذا کار الخ قلت أنظر ما قد سبق تحت الروایة الثانیة و فی الدرالمختار فصل الإمامة فی مقدا رالقراء ة المسنونة واختار فی البدائع عدم التقدیر وانه یختلف بالوقت والقوم والإمام و فی ردالمحتار عن البدائع والجملة فیه انه ینبغی للامام ان یقرء مقد ارما یخف علی القوم و لایثقل علیهم بعد ان یکون علی التمام وهکذا فی الخلاصة اه

الخامسة۔ عن النعمان بن بشیر فی حدیث طویل قال رسول الله ﷺ فمن اتقی الشبهات استبراء لدینه وعرضه ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام کالراعی یرعی حول الحمی یوشك ان یرتع فیه الحدیث متفق علیه۔

السادسة۔ فی الدرالمختار فصل فی القراء ة ویکره التعیین کالسجدة و هل اتی بفجر کل جمعة بل یندب قراء تهما احیاناً فی ردالمحتار تحت قوله بل یندب بعد کلام طویل حاصل معنی کلام هذین الشیخین بیان وجه الکراهة فی المداومة وهو انه ان رای ذلك حتما یکره من حیث تغییر الشرع والا یکره من حیث إیهام الجاهل الخ۔

السابعة۔ فی الدرالمختار باب سجود التلاوة و سجدة الشکر مستحبة به یفتی لکنها تکره بعد الصلوٰة لان الجهلة یعتقدونها سنة او واجبة فکل مباح یؤدی الیه فمکروه اھ فی ردالمحتار تحت قوله فمکروه الظاهر انها تحریمة لانه یدخل فی الدین مالیس منه والأحادیث کلها من المشکوٰة۔

ان روایات حدیثیہ وفقہیہ سے یہ امور مستفاد ہوئے۔

(۱) خطبہ کا نماز سے زیادہ طویل کرنا خلاف سنت ہے اور خلاف سنت پر دوام کرنا کراہت کو شدید کردیتا ہے۔(۲) امام کو ایسا فعل کرنا جس سے جماعت کو تنگی وگرانی ہو سخت مذموم ہے۔(۳) کوئی ایسا کام کرنا کہ فی نفسہ مباح ہو مگر بظن غالب وہ مفضی ہو جاوے کسی منکر شرعی کی طرف سخت قبیح ہے۔ جب امام کے افعال کا ان احکام کیخلاف ہونا ثابت ہوگیا اور صاحب قدرت کو بالعمل روکنا واجب ہے جیسا نصوص میں تصریح ہے اور متولیان مسجد صاحب قدرت ہیں لہٰذا ان پر واجب ہے کہ ان منکرات کا انسداد کریں۔ واللہ اعلم۔ کتبہ اشرف علی ۲رذی الحجہ ۱۳۵۷ھ (النور شعبان ۵۸ھ ص ۸)

لنگڑے کی امامت کا حکم

سوال (۳۱۳) لنگڑے کی امامت جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ اگر پاؤں سیدھا نہ کھڑا ہوتا ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ کذا فی ردالمختار۔
یکم صفر ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۳۳)

بعذر اکڑو بیٹھنے والے کی امامت

سوال (۳۱۴) ایک شخص حافظ قرآن بھی ہیں اور علم بھی اس قدر رکھتے ہیں کہ مقتدیوں میں ان کے برابر کوئی نہیں۔ اور سن رسیدہ اور صاحب تقویٰ بھی ہیں مگر گھٹنے میں درد کے سبب تشہد پڑھنے کیلئے بیٹھتے وقت اکڑو ہوکر بیٹھتے ہیں اس طرح پر کہ دونوں ران ساقوں سے الگ رہتی ہیں مگر دونوں ہاتھ بدستور رانوں پر رکھتے ہیں اور باقی رکنوں وواجبات وسنن ومستحبات کو بدستور ادا کرتے ہیں اس شخص کی امامت باوجود مقتدیوں میں تندرست و نیز حافظ قرآن لوگ موجود رہتے ہوئے درست ہے یا نہیں یا مکروہ ہوگی اور اگر مکروہ ہو تو کون سی مکروہ تحریمی یا تنزیہی اور اگر مکروہ بھی نہ ہو تو ترک اولیٰ ہے یا نہیں اور مقتدیوں میں جو حافظ لوگ موجود ہیں ان میں کوئی بھی شخص مذکور کے علم وفضل میں برابر نہیں ہے اور سن میں بھی کم ہیں بعض بھتیجے ہیں بعض برادر خورد ہیں۔؟

الجواب۔ اس شخص کی امامت بلاکراہت درست ہے۔ فی الدرالمختار و قائم باحدب الی قولہ وکذا باعرج وغیرہ اولی باب الامامة۔
۵ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۴۱)

جواز امامت قاعد کہ برقیام قادر نباشد مع استحباب ترک امامت آں

سوال (۳۱۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں ایک روز مسجد میں تھا اور وقت مغرب کا ہوگیا اذان ہو رہی تھی کہ حافظ صاحب بھی آ گئے مگر استنجاء اور وضو کرتے ہوئے ان کو دیر بہت ہوگئی مسجد کے ملاّ نے مجھے نماز پڑھانے کو کہا پہلے تو میں نے عذر کیا پھر وقت کے تنگ ہونے کی وجہ سے نماز پڑھانے کو بیٹھ[1] گیا تکبیر ہو رہی تھی کہ ایک شخص نے کہا کہ نماز اس کے پیچھے جائز نہیں کیونکہ دوسرا حافظ تندرست موجود ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بعض دفعہ کمترین کو بے پڑھے آدمی تنگ کرتے ہیں نماز پڑھانے کو لاچار ہو کر نماز پڑھانی پڑتی ہے۔ اب امیدوار ہوں کہ جائز ہو تب بھی ناجائز ہو تب بھی آنجناب کے دستخط درکار ہیں کیونکہ سب کھٹکا جاتا رہے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار وقائم بقاعدیر کع ویسجد وقائم بأحدب وان بلغ حدبه الركوع على المعتمد وكذا بأعرج وغيره أولى اھ باب الإمامة۔
اس روایت سے معلوم ہوا کہ تمہاری امامت جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ جب تک دوسرا اچھا امام میسر ہو جب تک نہ پڑھاؤ۔ ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹۵)

پابندیٔ جماعت کے لئے بالغ لڑکے کو مارنے کا حکم

سوال (۳۱۶) ایسا لڑکا بالغ جو پابند جماعت نماز نہیں یعنی کبھی تو شریک ہوتا ہے اور کبھی ناغہ بھی کر دیتا ہے اس کی تاکید پابندی میں مارنا شرعاً کیسا ہوگا شبہ یوں ہوگیا کہ جناب رسول مقبول ﷺ کی عادۃ شریفہ تھی اختار أيسر الأمر ين مالم يكن اثماً۔؟

الجواب۔ اگر اس حدیث کے یہ معنی ہوتے تو فاضربوهم على الصلوٰة وهم أبناء عشر سنين نہ فرماتے اور جماعت بھی واجب ہے جو عملاً مساوی فرض کے ہے اور ضرب احکام عملیہ سے ہے۔ فقط۔ ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۴۲)

---

(۱) یہ سائل معذور ہے کھڑا نہیں ہو سکتا ۱۲ منہ

تعدیہ کراہت صلوٰۃ امام بمقتدی

سوال (۳۱۷) امام کی اگر نماز مکروہ ہوگی تو مقتدی اس کراہت سے بچیں گے یا نہیں۔؟

الجواب۔ اس باب میں کوئی روایت نہیں ملی لیکن قواعد سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر کراہت کسی فعل داخل فی الصلوٰۃ سے ہے مثلاً ترک واجب یا فعل زائد تب تو وہ کراہت صلوٰۃ مقتدی تک متعدی ہوگی کیونکہ اس صورت میں اس کی نماز ہی مکروہ ہوئی و صلوته متضمنة لصلوٰة المقتدی اور اگر کسی امر خارج عن الصلوٰۃ سے ہے جیسے کسی ہیئت غیر مشروعہ سے تو وہ متعدی نہ ہوگی کیونکہ اس وقت نماز مکروہ نہیں ہوئی ایک جداگانہ فعل مکروہ ہے گو ایسے شخص کا امام بنانا مکروہ ہو۔
۱۲ر شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۶۴)

حکم امامت معذور بوقت انقطاع عذر

سوال (۳۱۸) معذور شرعی کو باوجود شرط معذوریت بوقت افاقہ اس قدر کہ نماز ادا کرسکتا ہے امامت جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار باب الإمامة ولاطاهر بمعذور هذا إن قارن الوضوء الحدث اوطرأ بعده وصح لو توضأ وصلی كذلك اھ۔ اس سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں امامت جائز ہے۔ ۴ر ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۸۰)

حکم اقتداء مرامام راچوں امام قبل از تمام مؤتم تشہد قیام کند یا سلام دہد

سوال (۳۱۹) اگر مسبوق قعدۂ اولیٰ میں شریک جماعت ہو اور جیسے وہ شریک ہو ویسے ہی امام تیسری رکعت کے لئے اٹھ بیٹھے تو مسبوق کو بھی امام کی متابعت کرنا چاہئے یا نہیں اور اگر مسبوق نے التحیات شروع کر دی تھی تو التحیات کو ختم کر کے اٹھے یا فوراً امام کے ساتھ اٹھ بیٹھے۔؟

الجواب۔ تشہد ختم کر کے اٹھے۔ فی الدرالمختار فصل صفة الصلوٰة بخلاف سلامه اوقيامه لثالثة قبل اتمام المؤتم التشهد فانه لايتابعه بل يتمه لوجوبه فی ردالمحتار و شمل بإطلاقهما مالو اقتدى به فی أثناء التشهد الاول أوالأخير فحين قعد قام إمامه اوسلم الی قوله ثم رأيته فی الأخيرة ناقلا عن ابی الليث الخ ج ۱ ص ۵۱۷۔ ۶ر رجب ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۵۱)

حکم سلام مقتدی قبل سلام امام

سوال (۳۲۰) مقتدی آخری قعدہ میں آدھی التحیات کے بعد اور امام کے سلام پھیرنے کے پہلے وضو جانے کے خوف سے یا اس کے درمیان میں مرغوں کے غلہ کو کھایا یا کسی اور چیز کا نقصان ہوا امام کے پہلے سلام پھیرنے سے نماز صحیح اور درست ہوگی یا نہیں۔؟

الجواب۔ قعدۂ اخیرہ بقدر تشہد کے فرض ہے جب اس نے آدھی التحیات پر سلام پھیر دیا بوجہ ترک فرض کے نماز فاسد ہوگئی اور اگر پوری التحیات کے بعد مگر قبل امام سلام پھیر دیا تو فرض نماز تو ادا ہوگئی لیکن بلا عذر ایسا کیا تو مکروہ کا ارتکاب کیا بوجہ ترک متابعت واجبہ کے اور اگر بعذر ایسا کیا تو کراہۃ بھی نہیں اور خوف حدث عذر ہے اور نقصان چیز کا اس باب میں عذر ہونا مصرح نہیں دیکھا۔

في ردالمحتار لو أتم المؤتم التشهد بان أشرع فيه وفرغ منه قبل إتمام إمامه فأتي بما يخرجه من الصلوٰة كسلام او كلام اوقيام جاز أى صحت صلاته لحصوله بعد تمام الأركان الى قوله وانما كره للمؤتم ذلك لتركه متابعة الإمام بلاعذر فلوبه كخوف حدث اوخروج و قت جمعة اومرورمار بين يديه فلاكراهة ج ۱ ص ۵۴ ۱۰؍رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۶۱)

حکم اقتداء بہ احدب

سوال (۳۲۱) کوز پشت امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب۔ جائز ہے۔ لما فی الكنز وقائم بقاعد وبأحدب وبسط القول فيه في البحر الرائق ج ۱ ص ۳۸۶ و ص ۳۸۷۔ ۱۲؍ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۲۸)

حکم امامت ولدالزنا کہ عالم باشد

سوال (۳۲۲) امامت ولدالزنا، طوائف زادہ کی عندالشرع بلا کراہت جائز ہے یا نہیں۔ شخص مسئول عنہ تائب ہو کر علوم دینیہ سے فارغ ہوا ہے لیکن اہل شہر اس سے بوجہ علم اس بات کے کہ وہ طوائف زادہ ہے اور ایک عرصہ تک اس نے اسی شہر میں مزامیر وغیرہ ہمراہ طوائف کیا ہے اس کی امامت سے نفرت کرتے ہیں اور نہ اس کو اپنا امام بناتے ہیں تاہم ایسی حالت میں عبارت مذکورۂ ہدایہ تنفیر جماعت عندالشرع موجود سمجھی جاوے گی یا نہیں یا عوام الناس کی تنفیر جو

کہ اس کی اصلیت سے پوری واقفیت رکھتے ہیں قابل اعتبار نہ ہو کہ بلا کراہت امامت ہوسکتی ہے یانہیں اور بوقت موجودگی ایک شریف النسب کے (جوضروری مسائل دینیہ سے پورا واقف ہے) افضلیت تقدیم کس کو ہے۔ آیا ولدالزنا کی جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں تقدیم افضل ہے یا اس شخص شریف النسب کی جس سے لوگ خوش ہیں۔؟

الجواب۔ في الدرالمختار ويكره إمامة عبد الى قوله الا ان يكون اى غير الفاسق أعلم القوم فهواولىٰ فى ردالمحتار قوله اى غير الفاسق تبع فى ذلك صاحب البحر حيث قال قيد كراهة إمامة الأعمى فى المحيط وغيره بان لايكون أفضل القوم فان كان أفضلهم فهو اولى اه ثم ذكرانه ينبغي جريان هذا القيد فى العبد والأعرابى وولد الزنا ونازعه فى النهر بانه فى الهداية علل الكراهة بغلبة الجهل فيهم وبان فى تقديمهم تنفير الجماعة ومقتضى الثانية ثبوت الكراهة مع انتقاء الجهل وفيه بعد السطر لكن مابحثه فى البحر صرح به في الاختيار حيث قال ولو عدمت اى علة الكراهة بان كان الاعرابى أفضل من الحضرى والعبد من الحرو ولدالزنا من ولد الرشدة والأعمى من البصير فالحكم بالضد اه ونحوه فى شرح الملتقى وشرح دررالبحار ولعل وجهه ان تنفير الجماعة بتقديمه۔ يزول اذاكان افضل من غيره بل التنفير يكون فى تقديم غيره الخ۔ (ج۱ص۵۸۵)۔

اس عبارت سے مفہوم ہوا کہ جہاں ولدالزنا کی امامت سے جماعت کو نفرت نہ ہو در صورت اس کے افضل ہونے کے وہ احق بالامامۃ ہے اور جہاں باوجود اس کے افضل ہونے کے بھی نفرت رہے تو علت کراہت یعنی نفرت کے بقاء کے سبب اس کی امامت مکروہ ہے۔ حيث علل كون الحكم بالضد بزوال التنفير فحيث لم يزل التنفير لايكون الحكم بالضد بل يحكم بالاصل اى الكراهة پس صورت مسئولہ میں تقدیم شریف النسب کی افضل ہوگی۔　　۶؍رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۶۸)

کراہت طویل کردن امام صلوٰۃ را۔

سوال (۳۲۳) ایک امام رکوع وسجود میں اس قدر دیر لگاتا ہے کہ مقتدی ۱۳ سے ۱۷ تک تسبیح رکوع وسجود پڑھ لیتے ہیں اور تشہد میں اس قدر تاخیر کرتا ہے کہ مقتدی التحیات و درود

وغیرہ سے فارغ ہوکر اس سے زیادہ بہت دیر تک خاموش بیٹھے رہتے ہیں مقتدی بیوپاری اور پیشہ ورلوگ ہیں اس لئے یہ تاخیر مقتدیوں پر گراں اور شاق گزرتی ہے اور جب امام صاحب کو کہا جاتا ہے تو جواب اس کا یہ دیا جاتا ہے کہ نماز خشوع اور خضوع سے ہونی چاہئے۔ آیا یہ نماز بلا کراہت جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار ویکرہ تحریما تطویل الصلوۃ علی القوم زائدا علی قدر السنة فی قراء ۃ واذکار رضی القوم اولا لاطلاق الامر بالتخفیف (نہر) وفی ردالمحتار وقد تبع الشارح فی ذلك صاحب البحر واعترضه الشیخ اسماعیل بان تعلیل الامربما ذکر یفید عدم الکراهة اذا رضی القوم اذاکانوا محصورین ویمکن حمل کلام البحر علی غیر المحصورین تامل (ج۱ص۵۸۶)۔

اس سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں امام کی تطویل مکروہ تحریمی ہے اور خشوع وخضوع تطویل کو نہیں کہتے بلکہ اس تطویل سے تو مقتدیوں کا خشوع وخضوع فوت ہوجاتا ہے۔

۶ رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۷۰)

تحقیق عذر بودن خوف ضیاع مال درترک جماعت احیاناً

سوال (۳۲۴) بندہ نے تجارت چرم شروع کی ہے مگر بندہ کو اس کا علم نہیں اس وجہ سے ایک دوسرا شخص جو اس کام سے خوب واقف ہے بغیر اصل مال کے محنت کا شریک کرلیا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بعض وقت نماز جماعت ادا نہیں ہوسکتی اس واسطے اگر بندہ نماز کے واسطے مسجد میں گیا اور بعد میں اس نے کچھ مال فروخت کردیا اور قیمت دام اپنے پاس رکھ لئے اور بندہ کو نہ کہا اس عذر سے جماعت ترک کرنا اور اس قسم کی تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں چونکہ بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ اگر عذر سے جماعت میں شامل نہ ہوتو جائز ہے اور یہ بظاہر ہمارے خیال میں ایک طرح کا عذر ہے لہٰذا حضور سے دریافت کیا جاتا ہے کہ جس کام سے کسی وقت کی جماعت اکثر فوت ہوتو وہ کام کرنا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار فی اعذار ترك الجماعة اوخوف علی ماله فی ردالمحتار ای من لص ونحوہ اذالم یمکنه غلق الدکان اوالبیت مثلا ج ص ۵۸۱ وفی العالمگیریة اویخاف ضیاع ماله ج ۱ ص ۵۲۔ ان روایات سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے مگر اس کی عادت نہ کرے جب کوئی انتظام نہ کرسکے اس وقت معذور ہوسکتا ہے ورنہ اگر ممکن

ہو دکان بند کر کے جماعت میں حاضر ہو۔ یکم محرم ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص ۵)

احوط بودن شرکت باز اعادہ برائے مقتدی صحیح خواں خلف امام غلط خواں بجبوری وعذر شرعی

سوال (۳۲۵) ایک شخص قرآن صحیح پڑھتا ہے مگر بوجہ عذر ناسور (جو ہر وقت جاری رہتا ہے) وعدم قدرت علی القیام والجلوس موافق سنت امامت نہیں کر سکتا اور سب اس کے دیہ کے رہنے والے بقدر جواز صلوٰۃ قرآن نہیں پڑھ سکتے اب وہ کیا کرے ان کے ساتھ جماعت میں شریک ہوتا ہے تو اس کی نماز نہیں ہوتی اور وہ نماز پڑھا نہیں سکتا اس کو تقاعد عن الجماعۃ جائز ہے یا ناجائز۔؟

الجواب۔ چونکہ عموم ابتلاء کے سبب بعض علماء ایسی اقتداء کو صحیح بتلاتے ہیں پس بنا بر احتمال صحت تخلف عن الجماعۃ محل وعید ہے اور بعض غیر صحیح بتلاتے ہیں اس بنا پر عدم صحت صلوٰۃ محل وعید ہے پس جمعاً بین الادلۃ احتیاط یہ ہے کہ جماعت سے تقاعد نہ کرے اور بعد میں اپنی نماز کا اعادہ کر لے۔ ۶ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص ۲۱)

سوال (۳۲۶) بکر ایک مسجد کا امام ہے اور حافظ قرآن بھی ہے مگر قرآن بہت غلط پڑھتا ہے بعض الفاظ ایسے لپیٹ کے پڑھتا ہے کہ اگر کسی کو پہلے سے وہ الفاظ یاد نہ ہوں تو سمجھ میں نہ آئیں اس کے علاوہ بعض جگہ زبر کو ایسا بڑھا دیتا ہے کہ الف پیدا ہو جاتا ہے مثلاً فعقروا کو فعاقروا اور قدافلح کو قدافلحا وغیرہ پڑھ جاتا ہے بعض جگہ ساکن کو متحرک پڑھ دیتا ہے مثلاً اھدنا الصراط المستقیم کو اھدنابکسر ھاء بعض جگہ متحرک کو ساکن پڑھ دیتا ہے مثلاً اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ کو اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعْلَ بسکون عین پڑھتا ہے۔ اس کے علاوہ جابجا درمیان میں وقف کر دیتا ہے اور وقف کے وقت آخر لفظ کو ساکن نہیں پڑھتا بلکہ ہمیشہ متحرک پڑھتا ہے اور پھر آگے چلتا ہے جس لفظ پر وقف کیا ہے اس کو دوبارہ نہیں پڑھ لیتا۔ ایسے حافظ قرآن کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے اگر اس کے پیچھے نماز مکروہ یا ناجائز ہو مگر لوگ اس کو امام بنائیں تو اس شخص کو کیا ترک جماعت کرنا چاہئے جو اس قسم کی سب غلطیوں سے بچتا ہو۔؟

الجواب۔ فی فتاویٰ قاضی خان۔ اما الخطأ فی الاعراب اذالم یغیر المعنی لاتفسد الصلوۃ عند الکل وان غیر المعنی تغیرفا احشا فسدت صلوته فی قول المتقدمین واختلف المتاخرون فی ذلک وماقاله المتقدمون احوط وما

قاله المتاخرون اوسع انتهیٰ مختصراً وفیها ایضاً واما ترك المد ان لم یغیر المعنی کما فی قوله انا انزلناه انا اعطیناك لاتفسد صلوته اھ۔ قلت وکذا المدفیما لیس فیه کما هو ظاهر۔ پس جوغلطیاں سوال میں مذکور ہیں چونکہ مغیر معنی نہیں اس لئے نماز ہوجاوے گی جوشخص ایسی غلطیوں سے محفوظ ہے اس کوترک جماعت نہ چاہئے۔ واللہ اعلم۔

۱۸؍ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امدادص ۱۱۱ ج۱)

معنی تراص والزاق درنماز باجماعت

سوال (۳۲۷) آج کل یہاں غیرمقلدی کا بہت زورشور ہورہا ہے حتیٰ کہ نماز میں کہا جاتا ہے کہ ایڑی سے ایڑی اور چھنگلیا سے چھنگلیا ملاکر کھڑے ہوا کرو اور بہت لوگ کھڑے بھی ہوتے ہیں۔؟

الجواب۔ فی المشکوة باب تسویة الصف عن انس قال قال رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلم رصوا صفوفکم وقاربوابینها وحاذوا بالاعنا ق الحدیث رواه ابوداؤد وعن ابی امامة فی حدیث طویل قال قال رسول الله صلی اللّٰه علیه و سلم سووا صفوفکم وحاذوابین مناکبکم الحدیث رواه احمد۔

حدیث اول میں رصوا کے بعد قاربوآیا ہے۔ظاہر ہے کہ اگر تراص بمعنی مماست اقدام وغیرہ لیا جاوے تو قاربوا کے منافی ہوگا کہ مقاربت چاہتا ہے عدم مماسة کو جیسا کہ ظاہر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقصود مقارت ہے اسی کو مبالغۃً تراص یا بعض حدیثوں میں الزاق فرما دیا اور آگے جو حاذوا آیا ہے گویا اسی کی تفسیر ہے اور اسی کو دوسری حدیث میں حاذوابین مناکبکم سے تعبیر کیا ہے۔ وهذا ظاهر جدا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

۲۹؍رمضان ۱۳۲۳ھ (امدادص ۷ ج۴)

سوال (۳۲۸) یہاں ایک مولوی صاحب جو اپنا شمار اہل حدیث میں کرتے ہیں لیکن ایک بزرگ وسنجیدہ آدمی ہیں آج کل تشریف لائے ہیں نماز جماعت مسجد میں وہی پڑھاتے ہیں انہوں نے صف بندی میں الزاق الکعب بالکعب کو بہت رواج دیا ہے ہرشخص جماعت میں پیرکو اپنے پاس والے کے پیر سے چسپاں کرتا ہے اس میں چندفتور ہوتے ہیں اول درمیان دونوں پیر ایک آدمی کے فصل زیادہ ہوجاتا ہے دوسرے جس کا پیر چھوٹا ہے اورصف سے پیچھے معلوم ہوتا ہے یعنی اس کا مونڈھا مونڈھے سے نہیں ملتا تیسرے جب سجدہ میں جاتے ہیں تو سب کے پیر

اپنے مقام سے ہٹ جاتے ہیں پھر جب دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے ہیں تو پیروں کی طرف ملتفت ہوکر ان کو دونوں طرف بڑھا کر ایک دوسرے سے ملاتے ہیں اس التفات وحرکت غیر مامور بہا کو مکروہ خیال کر کے اپنے طریق پر قائم رہا اور ہوں بعض حضرات نے مجھ سے کہا تو میں نے جواب دے دیا کہ میرے فعل سے آپ کو کیا بحث لیکن ایک روز مولوی صاحب ممدوح نے اس پر مجھے ملامت کی اور کہا کہ تم تارک سنت مؤکدہ ہو میں نے کہا کہ اس کا سنت ہونا غیر ثابت ہے پس آپ مجھ پر افتراء کرتے ہیں یہ آپ کو مناسب نہیں۔ انہوں نے ثبوت میں روایت نعمان بن بشیرؓ کی جس کا جزو یہ ہے رأیت الرجل منایلزق منکبه بمنکب صاحبه و کعبه بکعبه اور روایت حضرت انسؓ کی فکان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه و قدمه بقدمه فی الصف رواه البخاری۔ پیش کی میں نے کہا حدیث اول سے مواظبت نہیں نکلتی اور حدیث ثانی سے الزاق الکعب کا استدلال صحیح نہیں بہت ناراض ہوئے پھر کہلا بھیجا کہ اپنے شبہات تحریراً پیش کرو میں آپ کا اطمینان کردونگا میں نے ایک جزو میں تقریر لکھ کر بھیجدی جواب آج تک نہیں دیا اس شبہ میں تمام لوگ پھر الزاق الکعب کے تارک ہو گئے۔ اب آپ سے عرض ہے کہ اس بیان کو مفصلاً تحریر فرمایئے کہ میرا اور لوگوں کا اطمینان ہو جاوے۔؟

الجواب۔ اس باب میں مختلف الفاظ سے روایات آئی ہیں بخاری کے الفاظ تو سوال ہی میں مذکور ہیں اور سنن ابوداؤد میں نعمان بن بشیرؓ سے یہ الفاظ آئے ہیں۔ قال فرأیت الرجل یلزق منکبه بمنکب صاحبه و رکبته برکبة صاحبه و کعبه بکعبه۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ الفاظ ہیں قاربوا بینهما و حاذوا بالاعناق اور عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً یہ الفاظ ہیں۔ حاذوا بالمناکب اور یہ امر یقینی ہے کہ ان سب عبارات کا معبر عنہ ایک ہی ہے اسی کو کہیں الزاق سے تعبیر کر دیا کہیں مقاربت سے کہیں محاذاۃ سے اس سے معلوم ہوا کہ محاذاۃ و مقاربت ہی کو الزاق کہہ دیا ہے مبالغۃً فی المقاربۃ دوسرے اگر الزاق کے معنی حقیقی لئے جاویں تو الزاق المناکب اور الزاق الکعب اس صورت متعارفہ معتادہ میں مجتمع نہیں ہو سکتے کہ مصلّی اپنے قدمین میں خوب انفراج رکھے کیونکہ اس میں الزاق الکعاب تو ہوگا لیکن الزاق المناکب نہ ہوگا جیسا کہ ظاہر اور مشاہد ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ الزاق الکعب کو مقصود سمجھا جاوے اور الزاق المناکب کی رعایت نہ کی جاوے کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ الزاق المناکب اصل ہے اور الزاق الکعاب غیر مقصود۔ تیسرے الزاق الکعاب کی جو صورت بھی لی جاوے الزاق الرکب کے ساتھ اسکے تحقیق کی کوئی صورت نہیں کیونکہ رکبہ بمعنی زانو کا الزاق دوسرے رکبہ سے جب

ہوسکتا ہے کہ دو شخص باہم متقابل اور متواجہ ہوں جیسا کہ ظاہر ہے البتہ محاذاۃ رکب میں ہر حال میں ممکن ہے ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ جس الزاق کا دعویٰ کیا جاتا ہے حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی بلکہ فرجات چھوڑنے کی ممانعت سے اس کی نفی ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

۹ رشوال ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۸ ج ۴)

تحقیق صحت اقتداء در مسجد کبیر باوجود فصل کثیر

سوال (۳۲۹) گزارش خدمت میں یہ ہے کہ بہشتی گوہر مطبع مجتبائی ص ۵۵ کے مسئلہ نمبر ۷ میں ہے اگر مسجد بہت بڑی ہو اور اسی طرح اگر گھر بہت بڑا یا جنگل ہو اور امام ومقتدی کے درمیان اتنا خالی میدان ہو کہ جس میں دو صفیں ہوسکیں تو یہ دونوں مقام یعنی جہاں مقتدی کھڑا ہے۔ اور جہاں امام ہے مختلف سمجھے جائیں گے۔ اور اقتداء درست نہ ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کے موسم میں جو خانہ کعبہ کے متصل پورب کی طرف امام کھڑا ہوتا ہے۔ دو ایک صف بھی ان کے ساتھ کھڑی ہوتی ہے۔ ان کی اقتداء تو صحیح ہوجاتی ہے۔ اور بہت سی صفیں بیس پچیس صف کے فاصلہ پر کھڑی ہوتی ہیں۔ درمیان میں خالی جگہ پڑی رہتی ہے ان کی اقتداء صحیح نہیں ہوتی ہے اب مقصود سوال یہ ہے کہ چند سال تک بندہ کا وہاں قیام رہا۔ اور نماز فاصلہ والی جماعت میں شرکت کرکے پڑھی ہے۔ اب اگر وہ اقتداء صحیح نہ ہو تو نماز درست ہوئی یا نہیں۔ اگر درست نہ ہوئی تو کیا کرنا چاہئے۔ ڈھاکہ کے بعض علماء سے دریافت کیا تھا تشفی بخش جواب نہیں ملا۔ حضرت جو فرمادیں اس کو انشاء اللہ کام میں لاؤں گا۔

الجواب۔ بہت بڑی مسجد کی مثال درمختار وغیرہ میں مسجد قدس لکھی ہے۔ سو مسجد حرام اتنی بڑی نہیں ہے۔ اس لئے وہاں کوئی اشکال نہیں اور ردالمحتار میں نوازل سے جامع قدیم خوارزم کو بھی مثال میں لائے ہیں۔ اور اس کا وصف یہ لکھا ہے۔ فان ربعه كان على اربعة آلاف اسطوانة اور جامع قدس کی تفسیر میں لکھا ہے اعنى مايشمل على المساجد الثلاثة الاقصىٰ والصخرة والبيضاء كذا فى البزازية۔ اس پر بھی وہی تفریع ہے واللہ اعلم اور عالمگیریہ باب خامس فی الامامۃ کے فصل رابع میں مسجد میں علی الاطلاق فصل کو غیر مانع عن الاقتداء کہا ہے۔ گو کتنی ہی بڑی مسجد ہو۔ عبارتها والمسجد وان كبر لايمنع الفاصل فيه كذا فى الوجيز للكدورى۔ سو بہشتی گوہر کا مسئلہ ایک روایت پر محتاج تفصیل اور دوسری روایت پر غیر معمول بہ ہے۔ اشرف علی ۲۳ رمضان ۵۶ھ (النور ص ۱۰) جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ

حکم جواز صلوٰۃ خلف امام فاسق وعدم کراہت درحالت اضطرار

سوال (۳۳۰) پیش امام جامع مسجد کہ ہزار ہا مخلوق در آنجا نماز می کنند مرد جاہل در بواخوار وبخیل و بےتقویٰ و متعلق وکاذب وحارس وغیرہ وغیرہ ہست در جماعت عالم وفاضل وزاہد وعابد وقاری ومتقی داخل اند پس آں نماز ایشاں چگونہ است اکثر قوم ناراض اند صرف از طرف حکومت بطریق وراثت آں پیش امامے مقرر شدہ است ہمہ مردمان از طرف حکومت مجبور اند شرعاً چہ باید کرد۔؟

الجواب۔صبر باید کرد مخالفت با حکومت نازیباست و چوں مقتدیان برعزل امام قادر نیستند پس ایں ہمہ کراہت برامام خواہد بود نماز مقتدیان بلاکراہت صحیح خواہد ماند (تتمۂ اولیٰ ص ۳۱۵)

جواز تقدیم مقتدی از خود وقت حدث امام درنماز

سوال (۳۳۱) زید امام نے نماز پڑھائی کسی رکعت میں اس کو حدث ہوا چونکہ اس کی پشت کے پیچھے کوئی مقتدی نماز پڑھانے کے لائق نہ تھا اسلئے اس نے نماز چھوڑ کر علیحدہ ہونا چاہا جماعت کے داہنے بائیں طرف امام سے دس پندرہ نمازیوں سے پرے ایک شخص نماز پڑھانے کے لائق کھڑا تھا وہ یہ دیکھ کر کہ امام کا وضوٹوٹ گیا سب نمازیوں کے سامنے کو گزر کر امام کی جگہ آ کھڑا ہوا اور نماز پڑھائی۔کیا اس صورت میں نماز سب کی صحیح ہوئی یا نہیں۔فقط۔؟

الجواب۔صحیح ہوگئی۔ فی الدرالمختار باب الاستخلاف ولم یتقدم احد ولوبنفسه فی ردالمحتار اشار الی انه یصیر خلیفة اذا قدمه الامام او احد القوم اوتقدم بنفسه کما قدمناه عن النهر۔ فقط کیم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۰ ج ۱)

تفصیل حکم دعاء کردن درسجدہ وغیرہ بزبان غیر عربی برائے غرض دنیوی واخروی

سوال (۳۳۲) ایک خط در بارۂ دعا اندرون نماز ایک صاحب کے پاس ایک عالم کے یہاں سے آیا ہے جو ہمرشتۂ عریضہ ہذا ارسال خدمت کرتا ہوں چونکہ مجھ کو اس کے مضمون میں شک ہے لہٰذا مکلّف خدمت عالی ہوں کہ سوالات ذیل کے جواب باصواب سے معزز فرمایا جاوے۔(۱) فرض یا سنت نماز میں سجدہ یا کسی دوسرے رکن میں عربی یا کسی دوسری زبان میں کوئی دعاء غیر منقول دنیا و آخرت کے لئے مانگنا جائز ہے یا نہیں۔؟ (۲) دوران نماز میں مطلقاً

کوئی دعاء مفسد نماز ہے یا نہیں خاص کر سجدہ میں بعد تسبیح (اس خط کی نقل یہ ہے) سجدہ میں دعا کرنے کے متعلق صاف حدیثیں ہیں ہاں یہ سچ ہے کہ تسبیح کے علاوہ یہ ہیں اور تسبیح مقدم ہے مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب السجود میں ہے۔

کان النبی صلّی اللہ علیہ وسلم یقول فی سجودہ اللھم اغفرلی ذنبی کلہ دقہ وجلہ واولہ واٰخرہ وعلانیتہ وسرہ رواہ مسلم اور مسلم میں ہے (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب السجود) قال قال رسول اللہ ﷺ اقرب مایکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا الدعاء۔ یہاں سجدوں میں خصوصیت سے کثرت دعاء کا حکم دیا ہے اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں مگر یہ دو کافی ہیں رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی ہے کہ دعاء سجدۂ میں علاوہ تسبیحات ماثورہ کے مانگتے تھے اور یہ حکم بھی ہے کہ دعاء سجدہ میں بہت مانگا کرو جب دعاء کا حکم ہے تو جس زبان میں انسان چاہے مانگے ایک شخص عربی نہیں جانتا تو وہ اپنی زبان میں ہی دعاء مانگ کر اس حکم کو پورا کرسکتا ہے مسلمانوں کی نمازیں اسی لئے بے اثر ہوگئی ہیں کہ نمازیں اور بالخصوص سجدوں میں کثرت دعاء سے کام نہیں لیتے آھ۔؟

الجواب۔ ومنہ الصدق والصواب۔ اولاً مقدمات ذیل معروض ہیں مع ان کے دلائل کے (۱) دعاء کا اطلاق حمد پر بھی آیا ہے۔عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ افضل الذکر لاالہ الااللہ وافضل الدعاء الحمدللہ رواہ الترمذی وابن ماجة مشکوٰۃ ج۱ ص ۱۹۲۔ (۲) اصل نماز فرض میں جماعت ہے و اصل جماعت میں تخفیف ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا صلی احدکم للناس فلیخفف فان فیھم السقیم والضعیف والکبیر واذا صلی احدکم لنفسہ فلیطول ماشاء متفق علیہ مشکوٰۃ ج۱ ص ۹۳۔ (۳) تطویل صلوٰۃ وادعیۂ طویلہ بقرینۂ مقدمہ نمبر ۲ نوافل کے ساتھ مخصوص ہے۔ ویؤیدہ ماروی عن محمد بن مسلمة قال ان رسول اللہ ﷺ اذاقام یصلی تطوعاً قال اللہ اکبر الی قولہ اللھم انت الملک لاالہ الاانت سبحانک وبحمدک ثم یقرأ رواہ النسائی مشکوٰۃ ج۱ ص ۷۰ (۴) اصل اور سنت مستمرہ رکوع اور سجود میں تسبیح ہے۔ عن حذیفة انہ صلی مع النبی ﷺ وکان یقول فی رکوعہ سبحان ربی العظیم وفی سجودہ سبحان ربی الاعلی الحدیث رواہ الترمذی وابو داؤد والدارمی والنسائی وابن ماجة ص ۷۵ ج۱ مشکوٰۃ۔ (۵) اصل محل دعاء کا نماز میں قعدہ کی حالت ہے بعد درود شریف کے عن فضالة بن عبید قال بینمارسول اللہ ﷺ قاعد اذ

دخل رجل فصلی فقال اللهم اغفرلی وارحمنی فقال رسول الله ﷺ عجلت ایها المصلی اذا صلیت فقعدت فاحمد الله بما هو اهله وصل علی ثم ادعه قال ثم صلی رجل اٰخربعد ذلك فحمد الله و صلی علی النبی ﷺ فقال له النبی ﷺ ایها المصلی ادع تجب رواه الترمذی وروی ابوداؤد والنسائی نحوه مشکوٰۃ ج۱ ص۷۸۔

ان مقدمات میں تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فریضہ کے سجدہ میں دعاء کی عادت کرنا خلاف قواعد سنت ہے کئی وجہ سے اول وہ موجب ہے تطویل صلوٰۃ کو جو فریضہ میں حالت جماعت میں ناپسند ہے اور ترک جماعت خود ناپسند ہے بخصوص جب کہ دعاء کے اس ادب کو بھی ملحوظ رکھا جاوے جس کا اہتمام وارد ہے کہ اس کے قبل درود شریف بھی ہو یہ سب ملکر تو بہت ہی تطویل ہو جاوے گی۔ دوسرے تغیر ہے محل دعاء کی کہ حالت قعود کی ہے۔ تیسرے عدول ہے اصل وظیفۂ سجود سے کہ اکتفاء ہے تسبیح پر جیسا ظاہر نصوص کا مقتضا ہے اور سنن مؤکدہ بہت احکام میں مشابہ فرض کے ہیں تو اس میں بھی احتیاطاً اس کے ساتھ ملحق کہی جاویں گی۔ پس جن احادیث میں دعاء فی السجود وارد ہے یا تو محمول ہے فعل احیاناً پر اور یا نوافل پر اور بعض محمول ہوسکتی ہیں مطلق حمد وثناء و تسبیح پر تا کہ نصوص وروایات اور ان کے مقتضیات وقواعد میں تعارض نہ ہو تو یہ گفتگو تھی مطلق دعاء میں اب خصوصیت سے باقی رہی بحث دعاء بغیر العربیہ فی الصلوٰۃ کی سو فقہاء نے اس سے مع نقل اثر کے تعرض کیا ہے چنانچہ درمختار میں ہے۔ ودعا بالعربية وحرم بغيرها نهر۔ ردالمختار میں ہے قال فی غرر الأفكار شرح دررالبحار فی هذا المحل وكره الدعاء بالعجمية لان عمرؓ نهى عن رطانة الاعاجم اه الى قوله ولا يبعد ان يكون الدعاء بالفارسية مكروها تحريما فی الصلوة وتنزيها خارجها ج۱ ص ۵۴۳۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ نماز کے اندر غیر زبان عربی میں دعاء کرنا یا حرام ہے یا مکروہ تحریمی اور حضرت عمرؓ کا اثر اسی پر محمول ہے اور نیز یہ وجہ بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی عجمی کو اس کی اجازت نہیں دی اور راز یہ ہے کہ بے سمجھے دعاء میں حضور نہ ہوگا سوایسی مختصر دعاؤں کا جو کہ نماز میں اپنے محل پر پڑھی جاتی ہیں کسی سے پوچھ کر ترجمہ یا اس کا حاصل معلوم کر لینا اور اس کا استحضار کیا دشوار ہے ورنہ اسی عذر سے شدہ شدہ بجائے قرآن مجید کے اس کا ترجمہ نماز میں پڑھنے کی رائے دی جانے لگے گی۔ ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص ۲۷)

عدم کراہت امامت در نماز فجر وظہر وعشاء بدون اداء سنن قبلیہ

سوال (۳۳۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت فجر وظہر وعصر یا عشاء قبل فرض مقتدی سنتیں پڑھ چکے ہوں اور امام صاحب نے بے سبب کسی عذر یا بلا عذر نہ پڑھی ہو جماعت میں کوئی شبہ کراہت تو نہ ہوگا۔؟

الجواب۔ نہیں۔ ۱۹/ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ (حوادث خامسہ ص ۷۲)

جامع مسجد کی فضلیت

سوال (۳۳۴) (۱) جامع مسجد میں پنج وقتی نماز باجماعت پڑھنا افضل ہے یا محلّہ کی مسجد میں پڑھنا باجماعت افضل ہے۔(۲) اور یہ فضلیت مختص بصلوٰۃ جمعہ ہے (۳) یا عام ہے۔

الجواب۔ (۱) محلّہ کی مسجد میں (۲) ہاں غیر اہل محلّہ کے لئے (۳) ہاں اہل محلّہ کے لئے۔ فقط۔ ۶/رمضان ۱۳۳۰ھ۔

حکم خواندن نمازیان را برائے ادائیگی نماز در مسجد

سوال (۳۳۵) ہمارے محلّہ میں یہ انتظام ہوا ہے کہ پنج وقتہ ہر آدمی کو نماز کے واسطے بلایا جاوے اس کے لئے چودہ آدمی مقرر کردیئے ہیں جس وقت اذان ہوئی اسی وقت یہ سب آدمی آوازیں محلّہ میں لگاتے ہیں کہ چلو نمازیوں نماز تیار ہے مسجد میں اذان ہوئی اور وہ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر آدمیوں کو بلاتے ہوئے مسجد میں آجاتے ہیں ایسا کرنا درست ہے یا نہیں ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ بدعت ومکروہ ہے۔

الجواب۔ مجھ کو بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ ۱۳۳۹ھ

سوال نمبر ۲۔ اور اگر بعد اذان کے مسجد ہی میں سے مؤذن یا اور آدمی نمازیوں کو بلانے جاوے تو بھی جائز ہے یا نہیں اور جائز ہے تو مکروہ وغیرہ تو نہیں ہے۔

الجواب۔ وہی حکم ہے۔ تاریخ بالا۔

باب مایفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا

حکم تغنی بالقرآن درنماز

سوال (۳۳۶) اگر کوئی شخص قرآن شریف بطور راگ ادا کرے اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ اگر وہ پڑھنے والا محض تحسین صوت کرتا ہے تو عین خوبی ہے اور ایسے کے پیچھے نماز جائز بلکہ افضل ہے ۔عن البراء بن عازب قال سمعت رسول الله ﷺ يقول حسنوا القرآن باصواتكم فان الصوت الحسن تزيد القرآن حسنا رواه الدارمی اور اگر حرف اس قدر گھٹا تا بڑھاتا ہے کہ جس سے الفاظ ومعانی متغیر وغلط ہو جاویں تو ایسے کی نماز خود بھی نہیں (۱) ہوتی مقتدیوں کی تو اس کے پیچھے کس طور ہوگی۔ عن حذيفة قال قال رسول الله ﷺ اقرؤا القرآن بلحون العرب واصواتها واياكم ولحون اهل العشق ولحون اهل الكتابين وسيجيئ بعدى قوم يرجعون بالقراٰن ترجيع الغناء والنوح لايجاوز حنا جرهم مفتونة قلوبهم و قلوب الذين يعجبهم شانهم رواه البيهقى فى شعب الإيمان ورزين فى كتابه ۱۲ من المشكوة فى كتاب فضائل القراٰن ۔ والله اعلم (امداد ص۱۶ ج۱)

معنی کراہت قیام امام درمحراب

سوال (۳۳۷) محراب مسجد کے علاوہ صحن مسجد میں محاذی محراب کھڑا ہو کر امام راتب کو جماعت کرانا جائز بلا کراہت ہے یا نہیں اور فقہاء کرام جو قیام محراب کو مکروہ لکھتے ہیں اس کے کیا معنی ہیں اور گرمی تبدل جماعت کے لئے عذر شرعی ہو سکتی ہے یا نہیں آنحضرت ﷺ سے

---

(۱) یعنی جبکہ معنی میں بھی تغیر اور فساد ہو جاوے۔ اور اگر صرف حروف گھٹ بڑھ جاویں اور معنی میں فساد نہ ہو تو گو نماز ہو جاوے گی مگر کراہت شدید ہوگی۔ ۱۲ منہ

گرمیوں کے ایام میں صحن مسجد میں جماعت کرانا ثابت ہے یا نہیں بعض علماء میں رسم ہے کہ محراب مسجد میں کھڑے ہوکر جماعت کرانا ضروری جانتے ہیں خواہ کیسی ہی تکلیف ہو اور طبیعت باقاعدہ نماز کی طرف متوجہ ہو یا نہ ہو اس کی کوئی سند ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی ردالمحتار (تنبیہ) یفهم من قوله اوالٰی سارية كراهة قيام الإمام في غير المحراب ويؤيده قوله قبله السنة ان يقوم في المحراب وكذا قوله في موضع اٰخرالسنة ان يقوم في المحراب و كذا قوله وسط الصف الاترى ان المحاريب مانصبت الاوسط المساجد وهي قد عينت لمقام الإمام اه و الظاهر ان هذا في الإمام الراتب لجماعة كثيرة اه لئلايلزم عدم قيامه في الوسط فلولم يلزم ذلك لايكره تامل۔

اس [1] عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ محاذی محراب صحن میں کھڑا ہونا بلا کراہت جائز ہے بلکہ عبارت اخیرہ سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے اگر محراب کے محاذ بھی نہ ہو مگر صف کا وسط ہو تب بھی جائز ہے پس معلوم ہوا کہ قول فقہاء میں محراب سے مراد وسط مساجد یا وسط صف ہے اب گرمی کا تبدل مکان کے لئے عذر ہونا محتاج استفسار نہ رہا اور اس باب میں کوئی حدیث فعلی مرفوع نظر سے نہیں گزری البتہ قولی حدیث غالباً ابوداؤد میں ہے **توسطوا الإمام وسدوا الخلل** اس سے بھی تائید حکم مذکور ہوتی ہے اور اگر حضور ﷺ کے غیر مسجد میں بحالت سفر نماز پڑھنے سے استدلال کیا جاوے کہ وہاں محراب ہی نہ تھی تو گنجائش ہے اور اس تقریر سے رسم مذکور فی السوال کا بے اصل ہونا بھی ظاہر ہو گیا۔ (امداد ص ۳۵ ج ۱)

سوال (۳۳۸) مسجد کے در میں بوقت جماعت لوگوں کا کھڑا ہونا کیسا ہے اور جب محراب ایسی گہری ہو کہ امام بالکل اس میں چھپ جاوے تو امام کا ایسی محراب میں کھڑا ہونا کیسا ہے۔؟

---

(۱) شامی ص ۶۷۵ باب الامامۃ میں مذکور ہے۔ تنبیہ فی معراج الدرایۃ من باب الامامۃ الاصح ماروی عن ابی حنیفۃ انہ قال اکرہ للامام ان یقوم بین الساریتین اوزاویۃ اوناحیۃ المسجد اوالی ساریۃ لانہ بخلاف عمل الامۃ اھ وفیہ ایضاً السنۃ ان یقوم الامام ازاء وسط الصف الاتری ان المحاریب مانصبت الاوسط المساجد وہی قد عینت مقام الامام اھ وفی التتارخانیۃ ویکرہ ان یقوم فی غیرالمحراب الابضرورۃ آہ ومقتضاہ ان الامام لوترک المحراب وقام فی غیرہ یکرہ لوکان قیامہ وسط الصف لانہ خلاف عمل الامۃ و ہوظاہر فی الامام الراتب دون غیرہ فاغتنم ہذہ الفائدۃ فانہ وقع السوال عنہا ولم یوجد نص فیہا آہ یہ عبارت عبارت منقولہ فی الجواب کے معارض ہے اس لئے جواب میں اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔ ۱۲ (تصحیح الاغلاط ص ۷)

الجواب۔فی الدرالمختار فی مکروہات الصلوۃ وقیام الامام فی المحراب لاسجوده فیه وقدماه خارجة لان العبرة للقدم مطلقاً وان لم یشتبه حال الإمام ان علل بالتشبه وان بالاشتباه ولااشتباه فلا اشتباه فی نفی الکراهة و فی ردالمحتار سواء کان المحراب من المسجد کما هو العادة المستمرة اولا کما فی البحروفیه عن الولوالجیة اذالم یضق المسجد بمن خلف الإمام لا ینبغی له ذلك لانه یشبه بتباین المکانین وفیه بعد صفحة وحکی الحلوانی عن ابی اللیث لا یکره قیام الإمام فی الطاق عند الضرورة بان ضاق المسجد علی القوم و فی ردالمحتار باب الإمامة فی الکلام علی الصف الاول هکذا ویعلم منه باولی ان مقصورة دمشق التی هی فی وسط المسجد خارج الحائط القبلی یکون الصف الاول فیها ما یلی الإمام فی داخلها وما اتصل به من طرفیها خارجا عنها من اول الجدار الیٰ اٰخره فلا ینقطع الصف ببنائها کما لا ینقطع بالمنبر الذی هو داخلها فیما یظهر اھ۔ ان روایات سے چند امور معلوم ہوئے اول امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا کہ قدم بھی اندر ہیں مکروہ ہے۔دوم یہ کہ اگر ضرورت ہوتو مکروہ نہیں۔ تیسرے یہ کہ انقطاع صف موجب کراہت ہے پس جماعت کا دروں کے اندر کھڑا ہونا موجب انقطاع صف ہے اس لئے مکروہ ہوگا۔یتأید بحدیث رواه الترمذی عن عبدالحمید بن محمود قال صلینا خلف امیرمن الامراء فاضطرنا الناس فصلینا بین الساریتین فلما صلینا قال انس بن مالك کنا نتقی هذا علی عهد رسول الله ﷺ ۔ لیکن ضرورت میں یہ بھی جائز ہوگا۔واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

۱۷ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۷ ج ۱)

قیام امام در محراب

سوال (۳۳۹) مسجد کے در میں امام کو کھڑا ہونا کیسا ہے دلیل سے بیان فرمادیں؟

الجواب۔ فی الدرالمختار مکروهات الصلوة وقیام الإمام فی المحراب لاسجوده فیه وقدماه خارجة لان العبرة للقدم مطلقاً وان لم یشتبه حال الإمام الخ وفی ردالمحتار اقتصر علیه فی الهدایة واختاره الإمام السرخسی وقال انه الاوجه الخ ج ۱ ص ۶۷۵ امام کا مسجد کے اندر در میں اس طرح کھڑا ہونا کہ پاؤں بھی اندر

ہوں مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۷ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۹ ج ۱)

محراب میں نماز کا حکم

سوال (۳۴۰) محراب داخل مسجد ہے یا نہیں اگر فقط محراب ہی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھائی جاوے صحیح ہوگی یا نہیں بہر صورت صورت صحت کیا ہے۔؟ فقط

الجواب۔ فی الدرالمختار باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها الإمام فی المحراب لاسجوده فیه و قدماه خارجة الخ اس سے ثابت ہوا کہ محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانا مکروہ ہے گو محراب داخل مسجد ہے۔ (تتمۂ اولیٰ ص ۱۸)

حکم غیر مفسد بودن فتح بر امام اگر چہ بعد سہ آیات باشد

سوال (۳۴۱) بعد پڑھے جانے تین آیت کے نماز فرائض میں امام کو اگر لقمہ لگے اور مقتدی لقمہ دیدے تو نماز فاسد یا مکروہ تو نہیں ہوتی اور اگر فاسد ہوئی تو کس کی ہوئی اب مکرر پڑھنی چاہئے۔؟

الجواب۔ فوراً بتلا دینا یا امام کو منتظر رہنا کہ مجھ کو کوئی بتلا دے تو یہ بہتر نہیں ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ دوسری جگہ سے پڑھنا شروع کر دے یا اگر بقدر کافی پڑھ چکا ہو تو رکوع کر دے لیکن پھر بھی اگر مقتدی نے بتلا دیا اور امام نے لے لیا تو نماز میں کسی کی خلل نہیں۔

فی الدرالمختارباب مایفسد الصلوة بخلاف فتحه علی إمام فانه لایفسد مطلقاالفاتح واٰخذبکل حال فی ردالمحتار قوله بکل حال ای سواء قرأ الإمام قدرما تجوز الصلوة ام لاانتقل الٰی اٰیة اخری ام لاتکرر الفتح ام لاهو الاصح نهر ثم قال بعد اسطر تتمه یکره اٰن یفتح من ساعته کما یکره للامام ان یلجئه الیه بل ینتقل الٰی اٰیة اخریٰ لایلزم من وصلها ما یفسد الصلوٰة اوالٰی سورة اخری اویرکع اذا قرأ قدر الفرض کما جزم به الزیلعی وغیره وفی روایة قدر المستحب کما حجه الکمال بانه الظاهر من الدلیل واقره فی البحر والنهر۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۵ رشعبان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۵ ج ۱)

سوال (۳۴۲) اگر امام تین آیت سے زیادہ پڑھکر بھول جائے مقتدی اس کو لقمہ دے تو

امام لے لے یا نہ لے مشہور یہ ہے کہ اگر امام لقمہ لے لے تو نماز نہیں ہوتی پھر دوبارہ نماز پڑھنا ضرور ہے اگر امام نے لقمہ نہیں لیا تو بتلانے والے کو پھر دوبارہ نماز پڑھنا چاہئے میں نے کہا نماز ہو جاتی ہے۔ ایک صاحب بولے کہ شافعی مذہب میں ہو جاتی ہوگی مگر حنفی مذہب میں نہیں ہوتی۔ کیا حنفی مذہب میں اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے۔؟

الجواب۔ ہاں اختلاف ہے مگر صحیح یہی ہے کہ نہ مقتدی کی نماز فاسد ہوگی نہ امام کی۔

في العالمگيرية باب مفسدات الصلوة ومكروهاتها. وان فتح على إمامه لم تفسد الى قوله قالواهذا اذا ارتج عليه قبل ان يقرأ قدرما يجوز به الصلوة اوبعدما قرأولم يتحول الى اية اخرى واما اذا قرأ او تحول ففتح عليه تفسد صلوٰة الفاتح و الصحيح انه لاتفسد صلوة الفاتح بكل حال ولا صلوة الإمام لو اخذ منه على الصحيح هكذا في الكافي۔ ۵ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۵۷)

حکم تنحنح درنماز

سوال (۳۴۳) نماز میں مطلقاً تنحنح جائز بلا کراہت ہے یا نہیں اور تحسین صوت کے لئے امام اور مقتدی تنحنح کریں تو کیا حکم ہے۔؟

الجواب۔ في الدرالمختار والتنحنح بحرفين بلاعذر امابه بان نشأ من طبعه فلا او بلا غرض صحيح فلو لتحسين صوته اوليهتدى امامه اولاعلام انه في الصلوة فلا فساد على الصحيح (جلداول ص ۶۴۶ باب المفسدات)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر تنحنح بلا اختیار ہو تو بھی جائز ہے اگر تحسین صوت کے لئے ہو تو بھی درست ہے اور امام اور غیر امام اس میں برابر ہیں۔ واللہ اعلم۔ ۲۰ رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۶ ج ۱)

حکم تأوّہ درنماز

سوال (۳۴۴) گزارش یہ ہے جناب والا بہشتی زیور کی ایک جگہ میں ایک مسئلہ کم فہمی کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آتا ہے مہربانی فرما کر اس کا مطلب تحریر فرمادیں۔ بہشتی زیور حصہ دوم صفحہ تین میں مسئلہ نماز میں آہ یا اوہ یا اُف یا ہائے کہے یا زور سے روئے تو نماز جاتی رہتی ہے البتہ اگر جنت دوزخ کو یاد کرنے سے دل بھر آیا اور زور سے آواز نکل پڑی تو نماز نہیں ٹوٹی ۱۲۔ اس

عبارت کے معنی میں یہ سمجھا ہوں اگر نماز میں آہ یااوہ یااف یاہائے کہے یا زور سے روئے تو نماز جاتی رہتی ہے اور جنت دوزخ کو یاد کرنے سے دل بھر آیا اور زور سے رونے کی آواز نکل پڑی تو نماز نہیں ٹوٹی اور آہ یا اف یاہائے کہے تو بھی نماز جاتی رہتی ہے ۔ میری یہ سمجھ صحیح ہے یا غلط تحریر فرمادیں ۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار والانین والتأوّہ والتافیف والبکاء بصوت یحصل بہ حروف موجع او مصیبۃ قید للاربعۃ الالمریض لایملک نفسہ عن انین وتأوہ لانہ حینئذٍ کعطاس وسعال وجشاء وتثاؤب وان حصل حروف للضرورۃ لالذکر جنۃ اونارفی ردالمحتار لالذکر جنۃ او نار لان الانین و نحوہ اذاکان بذکرھما صار کانہ قال اللھم انی اسئلك الجنۃ وان کان من وجع او مصیبۃ صار کانہ یقول انا مصاب فعزُّونی کذا فی الکافی اھ ملخصاً ج۱ص۶۴۷۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جنت ودوزخ کی یاد سے اگر آہ یا اف وغیرہ بھی منہ سے نکل جاوے تب بھی نماز فاسد نہیں ہوتی ۔ پس عبارت بہشتی زیور کی صاف نہیں ہے جہاں اس میں یہ ہے کہ زور سے آواز نکل پڑے وہاں یہ بھی بڑھانا چاہئے تھا کہ یا آہ وغیرہ نکل گیا (ترجیح خامس ص۱۳۱)

حک بدن درنماز

سوال (۳۴۵) نماز میں کھجلانا درست ہے یانہیں ۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار وکرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمرکمٍ او ذیل وعبثہ بہ ای بثوبہ وبجسدہ للنھی الالحاجۃ فی ردالمحتار قولہ لحاجۃ کحك بدنہ شیئ کلہ واضرہ وسلت عرق یؤلمہ ویشغل قلبہ وھذا لوبدون عمل کثیر قال فی الفیض الحك بید واحدۃ فی رکن ثلث مرات یفسد الصلوۃ ان رفع یدہ فی کل مرۃ اھ وفی الجوھرۃ عن الفتاویٰ اختلفوا فی الحك ھل الذھاب والرجوع مرۃ اوالذھاب مرۃ والرجوع اخری) جلد۱ص۶۶۹ مکروھات

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ضرورت سے کھجلانا جائز ہے جبکہ عمل کثیر تک نوبت نہ پہنچ جاوے اور عمل کثیر کی تفسیر میں اختلاف مشہور ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

۲۰؍رمضان ۱۳۲۸ھ (امداد ص۷۵ج۱)

دامن چیدن درنماز

سوال (۳۴۶) تشمیر ذیل یا پائجامہ بحفاظت دریدگی ازتنگی یاعموماً جائز ہے یا نہ ؟

الجواب۔ غالباً سوال کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بعض آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ اکثر سجدہ میں جاتے ہوئے یا اس سے کھڑے ہوتے ہوئے پائچے دامن وغیرہ کو سمیٹتے ہیں یہ درست ہے یانہیں پس اگر یہی مطلب ہے تو جواب یہ ہے کہ اگر عمل کثیر تک نوبت نہ پہنچے تو مکروہ ہے۔ البتہ اگر حاجت شدید ہو تو کراہت نہیں دلیله ما مر فی الجواب عن السوال السابق۔ اور اگر کچھ اور مطلب ہے تو بیان کرنے پر جواب ممکن ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۰ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۷۵ ج۱)

کراہت نماز درلباس متبذل مرداجدرا

سوال (۳۴۷) جو اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس قمیص اور ازار اور عمامہ موجود ہو تو اس کو صرف ازار یا صرف قمیص سے نماز پڑھنا مکروہ ہے یہ مسئلہ فقہ حنفی میں موجود ہے یانہیں۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار وصلاته فی ثیاب بذلة یلبسها فی بیته ومهنته ای خدمته ان له غیرها والا لاوفسرها فی ردالمحتار عن شرح الوقایة بما یلبسه فی بیتة ولا یذهب به الی الاکابر والظاهر ان الکراهة تنزیهیة۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جیسے لباس سے اہل وجاہت لوگوں کے پاس کوئی جاسکتا ہے اس سے نماز پڑھنا مکروہ نہیں اور اس سے کم حیثیت میں کراہت ہے لیکن تنزیہی ہے۔ واللہ اعلم

۲۱ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۲ ج۱)

دلیل کراہت استعانت بالرکب درغیرنفل

سوال (۳۴۸) عن ابی هریرة ؓ قال اشتکی اصحاب النبی ﷺ الی النبی ﷺ مشقة السجود علیهم اذاتفرجوا قال استعینوا بالرکب۔ حنفیہ اس کو نوافل پر محمول کرتے ہیں اس کی کیا دلیل ہے۔ رواه الترمذی ص ۶۸ مطبوعہ اصح المطابع۔؟

الجواب۔ روی مسلم عن البراء بن عازبؓ قال قال رسول الله ﷺ اذا

سجدت فضع کفیك وارفع مرفقیك وعن عائشةؓ قالت کان النبی ﷺ اذا سجد لو شاء ت بهیمة ان تمر بین یدیه لمرت۔ مشکوة باب السجود۔

یہ دونوں حدیثیں صاف نفی کر رہی ہیں استعانت بالرکب کی پس تطبیق کے لئے واجب ہوگا کہ نوافل پر محمول کیا جاوے۔ یا ضرورت و مشقت پر چنانچہ خود حدیث میں اس کا قرینہ واضح ہے۔ فقط ۱۵ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۷۸ ج ۱)

حکم مفسد نہ بودن جلسۂ استراحت بعد السجدتین

سوال (۳۴۹) جلسۂ استراحت مبطل نماز ہے پس حنفی کی نماز جلسۂ استراحت کرنے والے کے پیچھے ہوگی یا نہ۔؟

الجواب۔ اس کا مفسد نماز ہونا میری نظر سے نہیں گزرا لہٰذا مانع صحت اقتداء نہیں البتہ جو لوگ اس وقت تارک تقلید ائمہ ہیں بوجہ عدم مراعات خلافیات کے نواقض وضوء میں و نیز (۱) تعدیہ افساد کے عوام میں ان کی اقتداء خلاف مصلحت و خلاف احتیاط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔
۲۱ شوال ۱۳۳۳ھ (امداد ص ۶۶)

(۲) کراہت فصل بسورۃ قصیرہ وقرأت خلاف ترتیب بلا لزوم سجدۂ سہو

سوال (۳۵۰) مسند احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے عن علی رضی الله تعالیٰ عنه قال کان رسول الله ﷺ یوتر بتسع سور من المفصل قال اسود یقرأ فی الرکعة الاولی الهاکم التکاثر وانا انزلنا ه فی لیلة القدر واذ ازلزلت الارض و فی الرکعة الثانیة والعصر واذا جاء نصر الله والفتح وانا اعطیناك الکوثر و فی الرکعة الثالثة قل یا ایها الکافرون و تبت یدا ابی لهب و قل هو الله احد۔

جس ترتیب سے اس میں سورتیں ذکر کی گئی ہیں اس ترتیب سے پڑھنا درست ہے یا مقدم اور مؤخر کرنا درست ہے اس طور پر کہ پہلی میں نمبر ۲ و ۳ وا دوسری میں نمبر ۴ و ۶ و ۵ تیسری میں

---

(۱) و نیز اس لئے کہ یہ حضرات اکثر پیشاب کر کے کلوخ نہیں لیتے اور بوجہ ضعف قوت ماسکہ کے قطرہ آ جانا غالب ہے جس کی بعض اوقات خبر بھی نہیں ہوتی پس چار پانچ بار میں ظن غالب یہ ہے کہ نجاست قدر درہم سے زیادہ پائجامہ میں لگ جاتی ہوگی جو مانع صلوٰۃ ہونے کی وجہ سے منافی صحت امامۃ بھی ہے ۱۲

(۲) یہ سوال و جواب ص ۱۵۸ ص ۲۳۳ پر آ چکا ہے (امداد ص ۶۸)

موافق حدیث یا اسی طرح پڑھنا مسنون رہے گا۔؟

الجواب۔قبل جمع قرآن ترتیب سور اختیاری تھی یہی وجہ ہے کہ صحابہ میں اس میں اختلاف تھا یہ خود دلیل ہے کہ کسی خاص ترتیب کی رعایت واجب نہ تھی ورنہ صحابہ اس کو نہ چھوڑتے اس کے بعد ترتیب موجودہ پر صحابہ کا اجماع ہو گیا اور اجماع کا اتباع ضروری ہے اب اس کی مخالفت نہ چاہئے اور مقرر ہے کہ عمل مرفوع کے خلاف پر اجماع ہو جانا علامت ہے اس مرفوع کی منسوخیت کی اس لئے اب اگر یہ سورتیں پڑھیں بہ ترتیب حال پڑھیں۔ ۱۹رذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۰۶)

صرف ازار ورداء پہن کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال (۳۵۱) ایک استفتاء کے متعلق مدرسہ سبحانیہ جو یہاں ایک مدرسہ ہے اس کے مدرسین نے عجیب باتیں تحریر کی ہیں سائل نے یہ سوال کیا کہ چادر اور لنگی پہن کر نماز پڑھنا باوجودیکہ پاجامہ وغیرہ موجود ہو نماز درست ہے یا نہیں۔ جواب یہ لکھا گیا کہ مکروہ ہوگی جب عمدہ لباس موجود ہے تو امراء کے یہاں تو عمدہ لباس پہن کر جاویں اور خدا کے سامنے ردی لباس یہ نہ ہونا چاہئے۔ جناب مولانا منیر الدین صاحب نے جو میرے مدرسہ میں ہیں اس کا جواب تحریر فرمایا کہ یہ لباس فعل رسول ہے جب کپڑا صاف ہو تو یہ ثیاب بذلہ جس کو فقہاء رحمہم اللہ نے مکروہ لکھا ہے نہ ہوگا ثیاب بذلہ وہی ہوگا جو ردی ہو جس میں بدبو وغیرہ موجود ہو۔ چادر اور لنگی جب صاف ہے تو یہ عمدہ لباس ہے اس سے نماز مکروہ نہیں ہو سکتی جناب مولانا محی الدین صاحب نے اس کی تصدیق کی جس کو جناب مولانا منیر الدین صاحب نے تحریر فرمایا تھا اور مولانا ولایت حسین نے بھی اسی کی تصدیق کی کہ نماز مکروہ نہیں ہو سکتی اس کا رد مدرسہ سبحانیہ کے مدرسین نے بڑے زور و شور سے کیا۔ رد یہ تھا کہ فقہاء رحمہم اللہ نے ثیاب بذلہ کی عام تعریف کی ہے وہ یہ **لایذھب بتلک الثیاب الی الامراء** جب عادت لوگوں کی اس طرح پر ہے کہ چادر اور لنگی پہن کر امراء کے پاس نہیں جاتے معیوب سمجھتے ہیں تو بالضرور یہ ثیاب بذلہ ہوگا اور نماز مکروہ ہوگی اور ہر فعل رسول اللہ ﷺ سے جواز بلا کراہت پر استدلال کرنا جائز نہیں اور جہاں کہیں فقہ میں خدمت کا کپڑا ہو یا بدبودار ہو یہ لکھا ہے وہ فرد ثیاب بذلہ ہے تعریف عام وہی ہے جو لا یذہب **بتلك الثیاب الی الامراء** سے ثابت ہے۔ آنحضور اس کے متعلق کچھ تصریح کے ساتھ تحریر فرمائیں کہ لا یذہب **بتلك الثیاب الی الامراء** کا کیا مطلب ہے محض رواج یا عادت سے لوگوں کی چادر اور لنگی ثیاب بذلہ میں جاوے گا اور نماز مکروہ ہوگی اور حضور ﷺ نے اس لباس

کو ہمیشہ پہنا یا نہیں پاجامہ وغیرہ یہ فعل رسول اللہ ﷺ ہے یا نہیں یا صرف پسند فرمایا تھا۔؟

الجواب۔ میرے نزدیک محقق اس میں تفصیل ہے کہ جس شخص نے رداء وازار سے نماز پڑھی آیا سنت سمجھ کر پڑھی ہے یا لباس معتاد کے پہننے سے کسل کر کے پڑھی ہے اول صورت میں کراہت نہیں کیونکہ ایسا شخص اس لباس سے دوسرے مجمع میں بھی بے تکلف چلا جائے گا کہ وہ اس کو لباس محترم سمجھتا ہے اور دوسری صورت میں کراہت ہوگی کہ خود وہ لباس اس کی نظر میں غیر وقیع ہے۔ اس تفصیل سے متنازعین کے سب دلائل درست رہے اور نزاع لفظی ہو گیا موضوع کے بدلنے سے محمول بدل گیا۔ اشرف علی ۲۵ر شعبان ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۱۷)

صلوٰۃ بین الساریتین کا حکم

سوال (۳۵۲) (۱) باب الامامۃ فتح القدیر اور ردالمحتار کی اس عبارت سے الاصح ماروی عن ابی حنیفہ انہ قال اکرہ للامام ان یقوم بین الساریتین اوزاویۃ اوناحیۃ المسجد اوالٰی ساریۃ لانہ خلاف عمل الامۃ اھ۔ بقول وتحقیق حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بلا ضرورت امام کا بحالت امامت مسجد کے در میں جو بین الساریتین ہو کھڑے ہونے کی کراہت ثابت ہوتی ہے یا نہیں (۲) بصورت ثبوت حکم کراہت صحیحین وغیرہما کی وہ حدیثیں قول امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے معارض ہوسکتی ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کا بقول حضرت بلال رضی اللہ عنہ کعبہ کے اندر بین العمودین کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ثابت ہے یا بوجہ منفرد ہونے حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معارضۂ مذکور قیاس مع الفارق وباطل ہوگا (۳) بدائع کی یہ عبارت الافضل للامام ان یقف فی مقام ابراھیم (جس کو شامی نے حواشی درمختار کے باب الامامۃ وباب الصلوٰۃ فی الکعبہ میں نقل کیا ہے) معارض قول امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (بوجہ وقوع مقام ابراہیم بین الساریتین) ہے یا نہیں۔ بصورت ثانی تعارض ظاہری کے دفع کی کیا تقریر وتنقیح ہے۔؟

الجواب۔ (۱) کراہت ثابت ہوتی ہے کما ہو ظاہر۔ (۲) قیاس مع الفارق ہے للوجہ المذکور فی السوال (۳) یہ مقام ابراہیم کہنا ایسا ہے جیسا باب الامامۃ میں اس کے ذرا قبل کی عبارت میں السنۃ ان یقوم فی المحراب الخ۔ فی المحراب کہنا۔ مگر دوسری دلیل سے فی المحراب یقیناً مقید ہے خروج قدمین کے ساتھ فی مکروھات الصلوۃ من الدرالمختار و قیام الامام فی المحراب لاسجودہ فیہ وقدماہ خارجۃ۔ پس اسی طرح فی مقام

ابراہیم بھی مقید ہے اسی قید کے ساتھ اس لئے کچھ تعارض نہ رہا۔

۲۱ رذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۲۳)

حکم قیام امام اور صحن مسجد بمقابلہ محراب

سوال (۳۵۳) کیا فرماتے ہیں علمائے احناف اس مسئلہ میں کہ (۱) مسجد کے صحن میں یا آگے کے درجہ میں یا سائبان میں محراب کی سیدھ میں امام کا کھڑا ہونا مکروہ ہے یا نہیں اور محراب سے علیحدہ ہونا کب متصور ہوتا ہے اور مکروہ ہونے پر فرض اور تراویح اور وتر وغیرہ کا حکم ایک ہے یا الگ الگ اور کیوں (۲) مقتدی کو یا منفرد کو یا امام کو مسجد کے دروں میں سائبان کے ستونوں کے درمیان کھڑا ہونا خواہ وہ ستون لکڑی کے یا لوہے کے یا پتھر کے یا پختہ عمارت کے ہوں اور ان پر گول ڈاٹ ہو یا نہ ہو جیسے کہ محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے ان میں بھی مکروہ ہے یا نہیں اور سب کا ایک حکم ہے یا الگ الگ۔؟

الجواب۔ (۱) ردالمحتار جلد ۱ ص ۵۹۳ وص ۵۹۴ میں اول معراج سے السنة ان يقوم في المحراب اور اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے ليعتدل الطرفان اسکے بعد امام صاحب کا قول نقل کیا ہے اكره ان يقوم بين الساريتين اوفي زاوية او في ناحية المسجد اوالى سارية لانه خلاف عمل الامة اور اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے توسطوا الإمام اس کے بعد اس کی تائید اس طرح کی ہے الاترى ان المحاريب ما نصبت الاوسط المساجد وهي قد عينت لمقام الإمام۔ اس سب سے ظاہر ہے کہ مقصود محراب نہیں بلکہ توسط امام ہے اور ترک محراب سے جبکہ ایک ناحیہ زاویہ میں ہو توسط کا ترک لازم آتا ہے یہی وجہ ہے کہ کراہت میں قیام بین الساریتین وقیام فی زاویۃ وقیام فی ناحیۃ کا ذکر کیا۔ قیام فی الصحن کا ذکر نہیں کیا کیوں کہ قیام فی الصحن مستلزم ترک توسط کو نہیں ہے چنانچہ اس کے بعد تصریح کردی۔ والظاهر ان هذا في الإمام الراتب لجماعة كثيرة لئلا يلزم عدم قيامه في الوسط فلولم يلتزم ذلك لايكره تامل۔ اور ان احکام کو مطلقاً امام کے لئے کہا گیا ہے فرض وغیر فرض میں کسی نے فرق نہیں لکھا۔ اور اگر کسی کو ردالمحتار کی اس عبارت سے شبہ واقع ہو و في التاتارخانيه و يكره ان يقوم في غير المحراب الالضرورة اه ومقتضاه ان الإمام لو ترك المحراب و قام في غيره يكره ولو كان قيامه وسط الصف لا نه خلاف عمل الامة۔ اس کا جواب یہ ہے کہ غیر محراب سے مراد غیر وسط

مسجد ہے چنانچہ اس سے اوپر کی عبارت اس کا قرینہ ہے۔السنة ان يقوم الإمام بازاء وسط الصف الاترى ان المحاريب ما نصبت الاوسط المساجدوهى قد عينت لمقام الإمام ص ٥٧٦ ج١۔ وجہ یہ کہ وسط مسجد کو چھوڑنے سے جب مسجد میں پوری صف ہوگی تو ایک طرف مقتدی کم ہوں گے دوسری طرف زیادہ۔ (۲) امام کو مکروہ ہے لا شتراک العلة اور مقتدی کو انقطاع صف کی حالت میں اور منفرد کو مکروہ نہیں۔ لانتفاء علة الكراهة۔

۲۰؍رمضان ۴۳ھ (تتمۂ خامسہ ۳۶۹)

تخلل ستون ہا در صف

سوال (۳۵۴) در دیار پنجاب وخراسان بوقت ساختن مساجد در صفی وشتوی زیر صف میان ہر دو جدار ستون مید ہند وبوقت صف بستن مصلیان آں ستونہا میان می آیند وجائے یک مصلی میگیر ند بعض علماء فرمایند کہ ایں حائل کعدم الحائل ست پس فرجات الشیطان متحقق شدد ويدخل فيه الشيطين كانها خذف برومطلق وبعض مے سرایند کہ حیلولت ستون درمیان صف مثل ایستادن مصلے شدو در فرجات شیطان داخل نشد چہ دخول شیطان برآں صورت است کہ قصداً فرجہ در صف میان دوکس گزاشتہ شودوایں آمدن ستون حالت اضطراری ست نہ اختیاری چہ ایں قدر دراز چوب کہ سربسر برجدران نہادہ شودنا درالوجودست والضرورات تبیح المحظورات دریں امر ہر چہ ارشاد شود واجب العمل خواہد شد اگر قول بعض اول درست شود تا ستونہا را از مساجد کشیدہ صورتے دیگر کردہ شودواگر قول بعض ثانی درست شود ما از وسواس وعید ایمن باشیم امادریں صورت جزئیہ نوشتہ شود بحوالہ کتاب وصفحہ وباب تا کہ برمخالف حجت قوی گردد۔؟

الجواب۔ ایں (۱) جزئیہ تصریحاً از نظر نہ گزشتہ ونہ ذخیرہ کتب نزد خود دارم کہ دراں تتبع نمایم لیکن انچہ از کلیات ونظائر فہمیدہ ام آن ست کہ اگر از آمدن ستونہا میان صف تحرز بوجہے ممکن باشد تحرز باید کرد زیرا کہ مراصة درصفوف مامور بہ است وحیلولۃ سواری مفوت مراصة است واگر تحرز ممکن نباشد پس امر واسع است۔ كما فى ردالمحتار المجلد الاول ص ۵۹۵

---

(۱) مولوی خلیل احمد صاحب مدظلہم العالی نے تنشیط الاذھان میں مبسوط سرخسی سے نقل فرمایا ہے والإصطفاف بين الاسطوانتين غير مكروه لانه صف فى حق كل فريق وان لم يكن طويلا و تخلل الاسطوانتين بين الصف كتخلل متاع موضوع او كفرجة بين رجلين وذلك لا يمنع صحة الاقتداء آه۔اس عبارت کے ظاہر سے ضرورت وعدم دونوں میں عدم کراہت کا حکم مفہوم ہوتا ہے لاشتراک العلۃ۔لیکن حدیث انس رضی اللہ عنہ اس کی معارض ہے فالحق ہوالتفصیل المذکور فی الجواب۔ ۱۲ (تصحیح الاغلاط ص ۱۳)

(۱) قال فی البحر تکلموا فی الصف الاول قیل هو خلف الإمام فی المقصورة وقیل مایلی المقصورة وبه اخذ الفقیه ابو اللیث لانه یمنع العامة عن الدخول فی المقصورة فلا تتوصل العامة الیٰ نیل فضیلة الصف الاول ثم قال ویعلم منه بالاولیٰ ان مثل مقصورة دمشق التی هی فی وسط المسجد خارج

(۱) اس نقل میں اختصار مخل ہے اسلئے اول پوری عبارت نقل کی جاتی ہے اس کے بعد ضروری تحقیق لکھی جائے گی۔ شامی ص ۵۹۵ میں ہے۔

قال فی البحر فی اخر باب الجمعة تکلموا فی الصف الاول قیل هو خلف الإمام فی المقصورة وقیل مایلی المقصورة وبه اخذ الفقیه ابو اللیث لانه یمنع العامة عن الدخول فی المقصورة فلا تتوصل العامة الیٰ نیل فضیلة الصف الاول اه اقول والظاهر ان المقصورة فی زمانهم اسم لبیت فی داخل الجدار القبلی من المسجد کان یصلی فیها الامراء الجمعة ویمنعون الناس من دخولها خوفا من العدو فعلی هذا اختلف فی الصف الاول هل هو مایلی الإمام من داخلها ام مایلی المقصورة من خارجها فاخذ الفقیه بالثانی توسعة علی العامة کی لا تفوتهم الفضیلة ویعلم منه بالاولی ان مثل مقصورة دمشق التی هی فی وسط المسجدخارج الحائط القبلی یکون الصف الاول فیها مایلی الإمام فی داخلها وما اتصل به من طرفیها خارجا عنها من اول الجدار الیٰ اخره فلا ینقطع الصف ببنائها کما لا ینقطع بالمنبر الذی هو داخلها فیما یظهر وصرح به الشافعیة وعلیه الفتویٰ فلو وقف فی الصف الثانی داخلها قبل استکمال الصف الاول من خارجها مایکون مکروها ویوخذ من تعریف الصف الاول بما هو خلف الامام ای لا خلف مقتد آخران من قام فی الصف الثانی بحذاء باب المنبر یکون من الصف الاول لانه لیس خلف مقتد آخروالله تعالیٰ اعلم آه۔

اس عبارت میں علامہ شامی نے اول تعیین صف اول میں علماء کا اختلاف دکھلایا ہے کہ بعض اس صف کو اول کہتے ہیں جو کہ امام کے پیچھے مقصورہ کے اندر ہوتی ہے اور بعض اس صف کو جو کہ مقصورہ کے قریب اس کے باہر ہوتی ہے۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ظاہر کی ہے کہ وہ اس غرض سے کہ عوام صف اول کی فضیلت سے محروم نہ ہو جائیں قول ثانی کو اختیار کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے استنباط کیا ہے اور کہا ہے کہ امام ابو اللیث کے فتوے سے یہ امر بالاولیٰ معلوم ہوتا ہے کہ جامع دمشق جس میں مقصورہ حائط قبلی سے باہر اور مسجد کے درمیان میں واقع ہے اس میں صف اول وہ ہے جو کہ مقصورہ کے اندر واقع ہے اور جو لوگ مقصورہ سے باہر صف مذکور کے دونوں پہلوؤں میں کھڑے ہیں وہ صف اول میں داخل ہیں اور مقصورہ کی دیواروں کے بیچ میں حائل ہونے سے صف منقطع نہیں ہوتی جیسا کہ مقصورہ کے اندر منبر کے حائل ہونے سے صف منقطع نہیں ہوتی اور گو علامہ موصوف نے اس استنباط کی وجہ نہیں بیان کی ہے مگر میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ جب امام ابو اللیث عوام کی فضیلت صف اول کو حاصل کرنے کے لئے اس صف کو صف اول کہتے ہیں جو کہ صف واقع فی المقصورہ کے پیچھے ہے تو جو صفیں کہ اس کے دونوں پہلوؤں میں ہیں۔ وہ تو بالاولیٰ صف اول میں داخل ہوں گی اور جبکہ وہ صف اول میں داخل ہوئیں تو اب پچھلی صف کو صف اول کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لہٰذا صف اول وہ صف ہوگی جو کہ مقصورہ کے اندر اور اس کے دونوں پہلوؤں میں واقع ہے اور جبکہ صف اول صف مذکور قرار پائی تو اب دیوار ہائے مقصورہ قاطع صف نہ ہوں گی یہ تقریر تھی وجہ استنباط کی لیکن مجھے اس میں کلام ہے اولاً اس لئے کہ حصول فضیلت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

الحائط القبلی یکون الصف الاول فیھا مایلی الإمام فی داخلھا وما اتصل به من طرفیھا خارجا عنھا من اول الجدار الٰی اٰخرہ فلا ینقطع الصف ببنائھا کمالا ینقطع بالمنبر الذی ھو داخلھا فیما یظھر و صرح به الشافعیة اھ

[1] قلت وقد ثبت بھذہ الروایة ان القاطع فی محل الضرورۃ لیس بقاطع ویؤیدہ ماروی الترمذی فی باب کراھة الصف بین السواری عن عبدالحمید بن محمود قال صلینا خلف امیرمن الامراء فاضطرنا الناس فصلینا بین الساریتین فلما صلینا قال انس بن مالك کنا نتقی ھذا علی عھد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث فلینظر فی قوله اضطرنا وقوله نتقی یحصل التفصیل الذی ذکر۔

(امداد ص ۸۰ جلد اول)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) صف اول کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ صف ثانی کو صف اول کہا جاوے بلکہ اس کے لئے قرب امام کی امکانی کوشش کافی ہے کما لا یخفی علی العارف بقواعد الشرع اور ثانیاً اس لئیے کہ اگر صف خارج مقصورہ کو صف اول مان بھی لیا جاوے اور یہ بھی مان لیا جاوے کہ جو لوگ صف واقع فی المقصورہ کے پہلوؤں میں ہوں۔ وہ صف اول میں داخل ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مقصورہ کی دیواریں قاطع صف نہ ہوں یہ ممکن ہے کہ نمازیوں کو قطع صف کا گناہ نہ ہو کیونکہ اس سے بچنا ان کے اختیار سے باہر ہے مگر بانیان مقصورہ کا گناہ سے محفوظ رہنا دشوار ہے کیونکہ وہ اس قطع کا سبب اپنے اختیار سے بنے ہیں اور ثالثاً اس لئے کہ امام ابواللیث کے صف خارج مقصورہ کو صف اول کہنے سے یہ لازم بھی نہیں آتا کہ صف واقع فی المقصورہ دمشق صف اول ہو اور جو لوگ اس کے پہلوؤں میں کھڑے ہیں وہ صف اول میں داخل ہوں کیونکہ جس ضرورت سے امام ابواللیث نے صف خارج کو صف اول کیا تھا وہ ہنوز موجود ہے اسلئے کہ انہوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی تھی کہ اگر صف مقصورہ کو صف اول کہا جاوے گا تو عوام فضیلت صف اول سے محروم ہو جاویں گے کیونکہ عوام حجرہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اب میں کہتا ہوں کہ اگر جامع دمشق میں صف اول صف واقع فی المقصورہ کو کہا جاوے گا تو وہ لوگ فضیلت صف اول سے محروم ہو جاویں گے کیونکہ مقصورہ میں داخل ہونے سے حکومت مانع ہے اور اس کے پہلوؤں میں کھڑے ہونے سے شریعت مانع ہے للزوم القطع۔ پس ضرور ہے کہ صف خارج کو صف اول کہا جاوے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نہ امام ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک قوی ہے نہ علامہ شامی کا اس سے یہ استنباط کرنا کہ جامع دمشق میں صف اول فی المقصورہ ہوگی اور جو لوگ اس کے دونوں پہلوؤں میں کھڑے ہیں وہ صف اول میں داخل ہوں گے اور جدران مقصورہ قاطع صف نہ ہوں گے جب یہ تمہیدی مضمون معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ غالباً اس روایت سے استدلال کی وجہ یہ تھی کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حائل بوقت ضرورت کالعدم ہے سو یہ مضمون صحیح ہے اور مدعی پر اس سے استدلال درست ہے گو یہ امر کہ جامع دمشق میں دیوار ہائے مقصورہ قاطع صف نہیں ہیں محل کلام ہے کما تبین ویؤید ماقلنا تصریح ابن الحاج المالکی بلزوم قطع الصفوف ببناء المقاصر لیکن اس کا اثر اصل مقصود پر کچھ نہیں پڑتا۔ پس یہ عبارت برمحل ہے اور اس کی بے متعلقی مقام کا شبہ مندفع ہوگیا۔ جو کہ اول نظر میں احقر کو ہوا تھا ۱۲ (تصحیح الاغلاط ص ۱۲)

(۱) (حاشیہ صفحہ ہذا) یہاں پر عبارت میں تصحیح الاغلاط ص ۱۵ سے تغیر کیا گیا ہے ۱۲۔

تحقیق حکم صلوٰۃ بحالت اطلاق ازار (گھنڈیاں بٹن وغیرہ)

سوال (۳۵۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں۔(۱) کرتہ اور اچکن کی گھنڈیاں یا بوتام اور انگرکھہ کا بند کھول کر نماز پڑھنا یا پڑھانا مکروہ ہے یا نہیں۔؟

(۲) رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام سے کرتہ کی گھنڈی کھول کر نماز پڑھنا ثابت ہوا ہے یا نہیں۔؟ (۳) بہشتی گوہر کے صفحہ ۵۸ باب مکروہات نماز میں یہ مسئلہ ہے (حالت نماز میں کپڑے کا خلاف دستور پہننا یعنی جو طریقہ اس کے پہننے کا ہو اور جس طریقہ سے اس کو اہل تہذیب پہنتے ہوں اس کے خلاف اس کا استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے) اس میں یہ صورت داخل ہوتی ہے یا نہیں کیونکہ تمام مہذب لوگ گھنڈی اور بوتام لگانے اور بند باندھنے کو عملاً داخل تہذیب سمجھتے ہیں۔؟

الجواب۔ عن الثالث وهو يغني عن الجواب عن الاولين۔ اصل میں کراہت کا حکم سدل میں منقول ہے۔ اور اس کی تفسیر ارسال ثواب بلالبس معتاد ہے۔ کذا فی الدر المختار وحواشیہ خواہ کل ثوب میں ہو یا جزو میں مثل آستین وغیرہ بعض نے اس میں توسیع کر کے مطلق لبس غیر معتاد کو بھی اس میں داخل کر دیا۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے۔ قال فی الخزائن بل ذكر ابو جعفر انه لو ادخل يديه فی كميه ولم يشد وسطه اولم يزرازراره فهو مسيئ لانه يشبه السدل اھ۔ عجب نہیں علم فقہ میں جو کہ اصل ہے بہشتی گوہر کی (جس کے انتخاب کی کیفیت اس کے خطبہ میں مذکور ہے جس کی بناء پر مسئلہ کی نسبت میری طرف تام بھی نہیں) اس قول کو لے لیا ہو لیکن خود شامی ہی نے اس قول کا رد بھی اس کے بعد ہی نقل کر دیا ہے۔ ونصہ قلت لكن قال فی الحلية فيه نظر ظاهر بعد ان يكون تحته قميص او نحوه مما يستر البدن الخ۔ جلد ۱ ص ۲۶۸ وص ۲۶۹ اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ عدم لبس معتاد سدل کی حقیقت نہیں۔ بلکہ ایک قید ہے اس کی حقیقت یعنی ارسال کی اور وجود قید مستلزم نہیں وجود مقید کو نیز اس کا لبس غیر معتاد ہونا بھی مسلم نہیں۔ صدہا صلحاء ومتواضعین میں یہ معتاد ہے اس لئے جتنی ناتمام نسبت اس مسئلہ کی میری طرف ہے اس بناء پر میں اس سے رجوع کرتا ہوں۔
ذی الحجہ ۳۲ھ (ترجیح ص ۱۴۸ ج ۵)

نماز میں عورتوں کا کہنیوں تک ہاتھ کھولنے یا ٹخنے کھولنے کا حکم

سوال (۳۵۶) کشف دست زنان تامرفق درنماز ونیز کشف کعبین ایشاں مفسد آں نماز است یانہ۔؟

الجواب۔ ذراع تا مرفق عضو کامل است کشف او مفسد است اگر بقدر سہ تسبیح باشد و کعبین عضو کامل نیست کشفش مفسد نیست ردالمختار ج ا ص ۴۲۳ و ۴۲۴۔ حصۂ اخیر۔

۱۱ر صفر ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۰)

نماز میں رونے کا حکم

سوال (۳۵۷) ایک شخص جماعت میں نماز پڑھ رہا ہے اور وہ یک بیک از خود رو پڑا یا بآواز بلند لفظ (الله یا حق یا اٰہ یا ھو ھو) کہہ کر کانپ اٹھا اور ہم کو یہ علم نہیں کہ یہ بذوق الٰہی کہتا ہے یا بغیر ذوق الٰہی کے۔ دریں صورتہائے مرقومہ شخص مذکور کی نماز درست ہوگی یا نہیں اور قرب وجوار کے آدمیوں کی نماز ہوگی یا فاسد ہو جائے گی۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار مفسدات الصلوة والانین والتاوه والتافیف و البکاء بصوت لوجع او مصیبة قید للاربعة الالمریض لا یملك نفسه عن انین او تاوه الی قوله لالذکر جنة او نارالخ باب الإمامة اما ماتعارفوه (عن رفع المؤذنین اصواتهم) فی زماننا فلا یبعد انه مفسد اذالصیاح ملحق بالکلام فتح وبسط القول فیه فی ردالمحتار ج۱ ص۶۱۶

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر اس نے شوق ومحبت الٰہی میں ایسا کیا اس کی نماز درست ہوگئی ورنہ نہیں۔ یہ تفصیل تو خود اس کی نماز میں ہے لیکن پاس والوں کی نماز میں کسی حال میں فساد نہیں آتا۔ ۲۸ر ذی الحجہ ۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۲)

بطلان نماز بکشف ربع عضو

سوال (۳۵۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کس قدر ستر مصلی اندر نماز کے مکشوف ہو جاوے تو نماز باطل ہوتی ہے۔؟

الجواب۔ ربع عضو اگر کھل جاوے اور بقدر ادائے ایک رکن کے کھلا رہے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ یہ تو جب ہے کہ ایک جگہ سے اس قدر کھل جائے اور اگر دو جگہ سے تھوڑا تھوڑا کھل جائے تو اگر ایک عضو میں دو جگہ کھلا ہے تو اگر دونوں کو ملا کر بقدر ربع اس عضو کے ہو جاوے تب بھی نماز باطل ہو جاوے گی اور اگر ایک عضو میں ایک جگہ سے دوسرے عضو میں دوسری جگہ سے تھوڑا تھوڑا کھل رہا ہے تو ان دونوں عضو میں جو چھوٹا عضو ہے اگر اس کے ربع کے برابر دونوں

جگہ ملا کر ہوگئی تب بھی نماز باطل ہوگئی۔ ویمنع کشف ربع عضو قدر اداء رکن بلا صنعه و تجمع بالاجزاء لو فی عضو واحد والاقبا لقدر فان بلغ ربع ادنا ھاکاذن منع۔ درمختار مختصراً۔ واللہ اعلم (امداد ص ۱۰۱ ج ۱)۔

نماز میں عینک لگانے کا حکم

سوال (۳۵۹) حالت نماز میں عینک لگائے رکھنا جائز ہے یا نہیں بر تقدیر ثانی کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی فقہائے متقدمین میں سے کسی نے اس مسئلہ کی تصریح کی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ عینک لگانے کی عادت مستحدث ہے اس لئے امید نہیں کہ کسی کے کلام میں اس کی تصریح ملے مگر قواعد سے یہ جواب ہے کہ فی نفسہ جائز ہے لیکن فعل عبث ہے اور عبث نماز میں مکروہ ہے اس عارض کے سبب یہ فعل مکروہ ہوگا۔ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۱)

مکروہ تحریمی بودن نماز بر سجادۂ کہ دراں بر جائے سجدہ تصویر جاندار باشد

سوال (۳۶۰) اگر کسی سجادہ پر سجدہ کی جگہ تصویر انسانی یا حیوانی ہو مذہب امام شافعی و حنفی کے علماء اس پر نماز کا حکم دیتے ہیں یا نہیں ہر دو مذہب کے مسئلہ کے حل سے بحدیث صحیح و بآیات قرآنیہ یا بہ نص پورے طور سے واضح و خلاصہ تحریر فرماویں کہ اس سجادہ پر نماز درست یا مکروہ یا واجب جو کچھ حل حرمت سے ہو بنظر عنایت رحمت آگاہی بخشیں۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار مکروھات الصلوۃ وان یکون فوق رأسه و بین یدیه او بحذائه یمنة او یسرة او محل سجوده تمثال الخ و فیه اولھا ذکرہ ھذہ نعم التنزیھیة التی مرجعھا خلاف الاولی فالفارق الدلیل فانھا ظنی الثبوت ولا صارف فتحریمیة والافتنزیھیة۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں نماز مکروہ ہوگی اور کراہت بھی تحریمی ہوگی جو حکم حرام میں ہے۔ اور میرے پاس مذہب شافعیؒ کی کتاب نہیں ہے۔ ۲۷ شوال ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۸۱)

حکم استقبال مصلی نقشۂ روضۂ مطہر را

سوال (۳۶۱) مسئلہ مدینہ منورہ کا نقشہ جس میں حضور ﷺ کے مزار کا قبہ بھی ہے اگر

نماز میں سامنے لٹکا ہو تو نماز میں کچھ خرابی تو نہ ہوگی۔؟

الجواب۔فی ردالمحتار عن الحلیة وتکرہ الصلوة علیه (ای علی القبر) والیه لورود النهی عن ذلك ج۱ص۹۴۵ وفی الدرالمختار اولغیر ذی روح لایکره لانها لاتعبد فی ردالمحتار فعلی هذا ینبغی ان یکره استقبال عین هذه الاشیاء (ای الشمس والقمر والکواکب والشجرة الخضراء) معراج لا نها عین ماعبد بخلاف مالو صورها واستقبل صورتها۔ (ج۱ص۶۷۸)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر چہ قبر کا نماز کے سامنے ہونا مکروہ ہے لیکن قبر کے نقشہ کا سامنے ہونا کچھ حرج نہیں کیونکہ نقشہ قبر کی کوئی پرستش نہیں کرتا البتہ اگر کسی قوم کی یہ رسم بھی ثابت ہو جاوے تو پھر اس میں بھی کراہت ہو جاوے گی۔ ۷ رشوال ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۷۳)

حکم مشی در صلوٰۃ بعذر مطر

سوال (۳۶۲) امام نے اپنے مقتدیوں سے کہا کہ دیکھو اگر پانی برسنے لگے تو میں مسجد کے اندر ہولوں گا اور تم لوگ میرے پیچھے آ جانا مگر رخ قبلہ سے نہ پھرنے پاوے چنانچہ امام اور مقتدیوں نے ایسا کیا بھی تو ایسی صورت میں نماز میں فساد آ ویگا یا نہیں خصوصاً جبکہ فاصلہ امام کے پہلے مقام اور دوسرے مقام کا اس مقدار سے کہیں زیادہ ہے جتنے میں دو صفیں قائم ہو سکتی ہیں شامی میں تلاش کیا عذر مطر کی تخصیص ایسی صورت میں تو ملی نہیں اگر بحوالۂ شامی جواب عنایت ہو تو زیادہ سہولت ہوگی حدث وخوف کے علاوہ اعذار میں بشرط عدم تحویل قبلہ تو عدم فساد صلوٰۃ کی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے مگر شبہ یہ ہے کہ مطر عذر بھی ہے یا نہیں کیونکہ معمول علماء کا ایسا نہیں دیکھا کہ پانی برسنے کے وقت نماز ہی میں مسجد کے اندر چلے جاتے ہوں خیر دلیل شرعی ہونا ضروری ہے۔؟

الجواب۔ حدیث میں نص ہے اقتلوا الاسودین فی الصلوة الحیة والعقرب اور باوجود اس کے اس قتل کو عمل کثیر مفسد صلوٰۃ علی الاصح کہا گیا ہے۔ کما فی الشامی قوله لکن صحح الحلبی الفساد حیث قال تبعاً لابن الهمام فالحق فیما یظهر هو الفساد والامر بالقتل لا یستلزم صحة الصلوة مع وجوده کما فی صلوة الخوف بل الامر فی مثله لاباحة مباشرته وان کان مفسدا للصلوة اه ونقل کلام ابن الهمام فی الحلیة والبحر والنهر واقروه علیه و قالو ان ماذکره السرخسی

(من انه عمل رخص فيه للمصلي فهو كالمشي بعد الحدث بحر) رده في النهاية بانه مخالف لما عليه عامة رواة شروح الجامع الصغير ومبسوط شيخ الاسلام من ان الكثير لايباح اھ ج ۱ ص ۶۸۱۔ اورمطرتو ہرطرح اس سے اخف ہے کہ نہ اس میں کوئی ایسی نص ہے اورنہ اس میں ایسا خوف ضرر ہے اس لئے اس کے سبب سے مشی بدرجہ اولیٰ مفسد صلوٰۃ ہوگی البتہ اگر درمیان میں وقفات ہوتے جائیں تو اس کو عمل کثیر نہ کہا جاوے گا۔ كما في العالمگيرية المشي في الصلوة اذاكان مستقبل القلبة لا يفسد اذا لَمْ يكُنْ متلاحقا الٰى قوله لو مشى في صلاته مقدار صف واحد لم تفسد صلوته ولوكان مقدار صفين ان مشى دفعة واحدة فسدت صلوته وان مشى الٰى صف ووقف ثم الٰى صف لا تفسد كذا في فتاوىٰ قاضي خان ج۱ ص۶۵ والله اعلم ۲۷؍رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۸۲)۔

حکم خواندن نماز سر برہنہ

سوال (۳۶۳) ٹوپی کے اوپر دستار باندھی اور دستار کے بیچ کے درمیان سے ٹوپی نظر آوے یعنی سر کی سطح اعلیٰ پر جو ٹوپی ہے وہ نظر آوے اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی ہوگی یا نہ کہ ننگے سر پر دستار باندھی اور سر کی سطح اعلیٰ دیکھی گئی نماز اس صورت میں مکروہ ہوگی اس بارہ میں بھی اختلاف بہت ہو رہا ہے جواب باصواب ارقام فرمادیں۔؟

الجواب۔ في الدرالمختار مكروهات الصلوة وصلوته حاسرا اى كاشفا رأسه للتكاسل ولا بأس به للتذلل واما للاهانة بها فكفرو لو سقطت قلنسوته فاعادتها افضل الا اذا احتاجت لتكويرا وعمل كثير مع ردالمحتار ج۱ ص۶۷۰۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر ٹوپی نظر آوے تو کراہت نہیں ہے۔ لانه ليس بحاسر كيف واذا جاز الاكتفاء بالقلنسوة كما يدل عليه قوله ولو سقطت قلنسوته الخ فكيف اذا كانت على بعضها العمامة ايضاً۔ اوراگر سر نظر آوے تو کراہت ہے۔ لانه حاسر۔ فقط واللہ اعلم ۱۶؍شوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۸۹)

شبہ بر عبارت تذکرۃ الرشید دربارۂ فساد صلوٰۃ از ختم کردن مقتدی سلام اول را قبل امام خود

سوال (۳۶۴) قطب الاقطاب حضرت مولانا گنگوہی نوراللہ مرقدہ کا ایک فتویٰ

مولوی عاشق الٰہی صاحب میرٹھی تذکرۃ الرشید جلد اول میں ارقام فرماتے ہیں وہ یہ ہے'' کہ مقتدی اپنے پہلے سلام کو امام سے پہلے ختم کرے تو مقتدی کی نماز فاسد ہو جاوے گی۔ اکثر لوگ اس سے غافل ہیں سننے والا دوسروں کو سنادے۔'' اس عبارت میں اور درمختار کی اس عبارت میں تعارض ہے۔ ولو اتمه قبل امامه فتكلم جاز وكره فلو عرض مناف تفسد صلوة الامام۔ فقط درمختار ص ۸۷ ج ۱) مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی صاحب درمختار کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز فاسد نہیں ہونے کی۔ قول فیصل اس بارہ میں کیا ہے۔ فقط؟

الجواب۔ یہی شبہ مجھ کو بھی ہوا تھا اور ہے میرا گمان یہ ہے کہ حضرتؒ نے کراہت فرمایا ہوگا ناقلین نے فساد نقل کر دیا۔ اگر خود جامع تذکرہ سے تحقیق کی جاوے شاید وہ کچھ زیادہ تفصیل لکھ سکیں۔ فقط۔ ۲۴ رصفر ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ ص ۸۲)

کیا چادر و رضائی کا لٹکانا اسبال میں داخل ہے

سوال (۳۶۵) کرتا۔ انگرکھا۔ پائجامہ ٹخنے سے نیچے لٹکانا مردوں کو جائز نہیں۔ آیا اس میں چادر رضائی داخل ہوگی جبکہ اس کا آنچل کندھے پر نہ ڈالا جاوے اور ٹخنوں سے نیچے لٹک جاوے اوڑھنے کی حالت میں۔؟

الجواب۔ چادر، رضائی کا لٹک جانا اس میں داخل نہیں کیونکہ وہ موضوع اس لئے نہیں ہیں کہ ٹخنے سے نیچے رہے محض اتفاقی امر ہے۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۸)

قراءۃ لفظ عطاء در محل عذاب

سوال (۳۶۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لفظ عطآء جو قرآن میں آیا ہے وہ موقع انعام و جزائے اعمال صالحہ میں آیا ہے اگر کوئی شخص اس لفظ کو غلطی سے موقع عذاب میں پڑھے تو نماز فاسد ہوگی یا نہ اعادۂ نماز مستحب ہوگا یا نہ۔؟

الجواب۔ فی فتاویٰ قاضی خان وان تغير المعنى بان قرأ ان الأبرار لفي حجيم و ان الفجار لفي نعيم او قرأ ان الذين امنوا وعملوا الصلحت اولئك هم شر البريه اوقرأ وجوه يومئذٍ عليها غبرة اولئك هم المؤمنون حقا تفسد صلوته لانه اخبر بخلاف ما اخبر الله به ۔ چونکہ صورت مسئولہ میں بھی ظاہراً تغیر فاحش

ہو گیا لہذا اقتضاء قاعدہ کا فساد ہے لیکن احقر کے نزدیک اس کی یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ اس کو تہکم پر محمول کیا جاوے جیسے فبشر ھم بعذاب الیم اور اس کا مقتضا عدم فساد ہے اول کا مقتضا وجوب اعادہ ہے نہ کہ ثانی کا والاول احوط والثانی اوسع۔ ۲۱؍رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۲ ج ۱)

مسجد کی چھت پر نماز مکروہ ہے

سوال (۳۶۷) ہم مصلیان مسجد میر محمود صاحب مرحوم مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر دریافت کرتے ہیں کہ مسجد کی چھت پر نماز جماعت سے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ (۱) مسجد پست بنی ہے۔ (۲) درچھوٹے اور موٹے کولوں کے ہیں اور اندرون مسجد ہوا کی آمد و رفت کم ہے جس کے باعث نماز میں گرمی کی شدت سے طبیعت پریشان ہوتی ہے۔ (۳) مسجد کی وضع قطع کے ماتحت یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ مسجد بناتے وقت چھت پر نماز پڑھنا بھی مقصود تھا زینہ بہت عرصہ کے بعد بنالیا گیا ہے۔ (۴) کسی مکان کی بے پردگی نہیں ہوتی ہے۔؟

الجواب۔ فی العالمگیریۃ الباب الخامس من الکراھیۃ الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولھذا اذا اشتد الحریکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقا الا اذاضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورۃ کذا فی الغرائب۔ اس میں تصریح ہے کہ صورت مسئول عنہا میں چھت پر جماعت کرنا مکروہ ہے۔

۱۴؍صفر ۵۴ھ (النور محرم ۱۳۵۵ھ ص ۹)

(نوٹ) ہوا اور گرمی کا علاج دیوار قبلہ یا یمین وشمال میں دریچہ کھولنے سے ہوسکتا ہے۔ اشرف علی

مواضع غضب وعذاب میں ممانعت نماز اور اس کی حکمت

سوال (۳۶۸) کئی ایام سے ایک شبہ دل میں واقع ہو رہا ہے اب تک بدستور ہے اس لئے عرض کر کے حل چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ بندہ چونکہ ضعیف وناتواں ہے ایک ضد سے تاثر کے وقت دوسری ضد کا تحمل نہیں کرسکتا۔ مگر حق تعالیٰ چونکہ قادر مطلق ہیں وہ متاثر ومنفعل نہیں ہوتے۔ پھر مواضع غضب وعذاب میں جانے آنے یا نماز پڑھنے سے نہی کیوں فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ اصحاب حجر کے متعلق ارشاد ہے لاتدخلوا علی ھؤلاءِ الا ان تکونوا باکین فان لم تکونوا باکین فلا تدخلوا علیھم ان یصیبکم مثل ما اصابھم الحدیث اس کی حکمت ارشاد فرمادی جاوے؟

الجواب۔ ایک توجیہ یہ خیال میں آئی تھی مگر اس احتمال پر کہ شاید کسی نے اس سے اچھی توجیہ لکھی ہو کتابوں کا مطالعہ کیا بحمد اللہ تعالیٰ فتح الباری میں بتغیر الفاظ وہی توجیہ نکلی جو خیال میں آئی تھی اس میں شبہ مذکورہ فی السوال کا جواب بھی ہے اس لئے اس کو نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔

فقال وجه هذه الخشية ان البكاء يبعثه على التفكر والا عتبار فكانه امر لهم بالتفكر في احوالٍ توجب البكاء من تقدير الله تعالٰى على اولئك بالكفر مع تمكينه لهم في الارض وامها لهم مدة طويلة ثم ايقاع نقمته بهم و شدة عذابه وهو سبحانه مقلب القلوب فلايأمن المؤمن ان تكون عاقبته الٰى مثل ذلك والتفكر ايضاً في مقابلة اولئك نعمة الله بالكفرواهمالهم اعمال عقولهم فيما يوجب الإيمان به والطاعة له فمن مرَّ عليهم ولم يتفكر فيما يوجب البكاء اعتباراً باحوالهم فقد شابههم في الاهمال ودل على قساوة قلبه وعدم خشوعه فلا يامن ان يجره ذلك الٰى العمل بمثل اعمالهم فيصيب ما اصابهم وبهذا يند فع اعتراض من قال كيف يصيب عذاب الظالمين من ليس بظالم لانه بهذا التقرير لايامن ان يصيرظالماً فيعذب بظلمه اه (جلد اول باب الصلوٰۃ فی مواضع الخسف والعذاب)

میری توجیہ کے یہ الفاظ ہیں کہ جس طرح مواضع طاعت میں نور ہوتا ہے اور وہ نور حامل ہوتا ہے طاعات پر۔ اسی طرح مواضع معصیت میں ظلمت ہوتی ہے اور وہ ظلمت حامل ہوتی ہے معاصی پر تو ایسے مواضع سے تلبس سبب ہوسکتا ہے قساوت وغفلت ومعصیت کا۔ اور اس پر نزول عذاب مرتب ہوسکتا ہے اور بکاء وخشیت اس اثر سے مانع ہوجاتا ہے پس یہ اصابت متلبسین کو اپنے اعمال سے مسبب ہوگی نہ کہ ان کے اعمال سے ولعل هذا العنوان السهل۔ فكانّ في قولهٖ عليه السلام ان يصيبكم مثل ما اصابهم دون ان يقول يصيبكم مااصابهم اشارة واضحة الٰى ذلك۔ واللہ اعلم۔ اشرف علی ۶ رمحرم ۱۳۵۶ھ

نماز میں دونوں پاؤں پر برابر زور دے کر کھڑا ہونا مکروہ ہے یا ایک ایک پیر پر زور دیکر کھڑا ہونا۔

سوال (۳۶۹) نحمده ونصلي على رسوله الكريم۔ حضرت حکیم الامت۔

السلام علیکم۔ آج میں نے اعلاء السنن جلد خامس میں ایک حدیث دیکھی وہ اس بیان میں ہے کہ نماز میں دونوں پاؤں پر برابر زور دینا مکروہ ہے کبھی ایک پاؤں پر اور کبھی دوسرے پر

زور دینا مستحب ہے۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے اور ہم کو ایسا ہی کرنا چاہئے۔؟ یہ عبارت ترجمہ کی ہے)

عن ابن مسعود انه رأى رجلاً صافا اوصافنا قدميه فقال اخطأ هذا السنة۔ اخرجه سعيد بن منصور كذا فى تخريج الإحياء للعراقي وسكت عنه واخرجه عبدالرزاق بلفظ مرابن مسعود برجل صاف بين قدمية فقال اما هذا فقد اخطأ السنة لو راوح بينهما كان احب الىٰ كذا فى كنز العمال وقال الطحاوى فى معانى الاثار كمن قام فى الصلوة امران يراوح بين قدمه وقدروى ذلك عن ابن مسعود اه ذكره محتجابه على ان تفريق الاعضاء اولى من الصاق بعضها ببعض واحتجاج المحدث الحافظ الناقد بحديث دليل على صلاحيته له۔ احیاء السنن جلد خامس ص ۸۶۔

میں نے مولوی رونق علی صاحب سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اب سے پہلے یہ حدیث نہیں دیکھی۔ تم حضرت حکیم الامت سے دریافت کرلو تب اس پر کاربند ہونا۔ فقط۔

الجواب۔ السلام علیکم۔ حدیث کا درجہ باعتبار سند کے تو اعلاء السنن میں بتلا دیا گیا ہے کہ طحاوی نے اس سے احتجاج کیا ہے اور مذہب کے اعتبار سے حاشیہ میں بتلا دیا گیا ہے کہ (تراوح بین القدمین) حنفیہ کے نزدیک افضل ہے طحاوی نے ظہیریہ سے نقل کیا ہے نص الإمام على ذلك امام صاحب نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور بعض کتب فتاویٰ میں جو کراہت تراوح مذکور ہے اس میں محمل تمایل على سبيل التعاقب بغير تخلل سكون ہے۔ ظفر احمد بامر سیدی حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب دام مجدہم از تھانہ بھون ۱۵ ر جمادی الاول ۱۳۵۷ھ

تنبیہ ۔ اعلاء السنن میں صف القدمین کو مکروہ کہا گیا ہے اس سے مراد وصل القدمین ہے جو مقابل تفریج کا ہے۔ جیسا آگے چل کر امام مالکؒ سے قرن القدمین کی کراہت نقل کی گئی ہے اور نصب القدمین جو مقابل تراوح بين القدمين کا ہے مکروہ نہیں کیونکہ تراوح کا صرف افضل ہونا منقول ہے۔ اس کی ضد کا مکروہ ہونا منقول نہیں۔ پس مؤلف اعلاء السنن کا صف القدمین کی تفسیر نصب القدمين سے کرنا مسامحت ہے۔

نیز تراوح کی افضلیت کو جس علت سے معلل کیا گیا ہے وهوانه ايسر وامكن لطول القيام۔ یہ علت قیام قصیر میں ظاہر نہیں۔ پس قیام قصیر میں تراوح اور نصب القدمين دونوں برابر ہیں۔ قال الطحطاوى" ثم ان هذه العلة لا تظهر فيما اذاكان القيام قصيراً۔"

(ص ۱۵۳ مراقی الفلاح) تراوح اور صفن میں فرق ہے۔ صفن یہ ہے کہ ایک قدم پر زور دے کر دوسرے قدم کو اس طرح ڈھیلا چھوڑ دیا جائے کہ وہ کسی قدر مڑ جاوے۔ جیسا گھوڑا ایک پیر کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے یہ مکروہ ہے۔ جیسا ابن مسعودؓ کے قول سے ظاہر ہے۔ تراوح میں ایک قدم پر زور دیا جاتا ہے دوسرے پر زور نہیں دیا جاتا مگر اس کو بالکل ڈھیلا بھی نہیں چھوڑا جاتا کہ مڑ جاوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ

وفی مجمع البحار کان یراوح بین قدمیه من طول القیام ای یعتمد علی احدٰهما مرة وعلی الاخری مرة لیوصل الراحة الٰی کل منهما ص ۴۳ ج ۲ فیه ایضاً حدیث نهی عن الصلوة الصافن ای من یجمع بین قدمیه وقیل من یثنی قدمه الٰی ورائه کفعل الفرس اذاثنی حافره ص ۵۴ ج ۲۔ ۲ ربیع الاول ۵۷ھ (النور ص ۱۰)

تحقیق صحت وعدم صحت صلوٰۃ باستعمال خف ساختہ از صوف حیوان غیر مذبوح

سوال (۳۷۰) اگر اون غیر ذبیحہ سے موزہ بنایا جاوے تو اس کو پہن کر نماز جائز ہوگی یا نہیں خواہ جانور حلال ہو یا حرام۔؟

الجواب۔ نماز جائز ہے اور وہ طاہر ہے بجز خنزیر (۱) کے۔ فی الدر المختار وشعر المیتة غیر الخنریر علی المذهب و عظمها وعصبها وحافرها و قرنها الٰی قوله طاهر اھ۔ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۹)

حکم ترک قعدہ اخیرہ در سنن یا تراویح

سوال (۳۷۱) اگر سنت مؤکدہ کے قعدۂ اخیرہ کو فراموش کر کے پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو یہ سنتیں مؤکدہ مبدل بنفل ہو جاویں گی یا نہ جیسا کہ فرائض میں اگر قعدہ اخیرہ اور ایک رکعت اور پڑھ لی تو فرائض مبدل بنفل ہو جاتے ہیں اور اعادۂ نماز ضروری ہوگا۔ یا مثلاً کسی نے دو تراویح میں قعدۂ اخیرہ نہ کیا بلکہ بھول سے تیسری رکعت ملالی بعد کو یاد آیا اور چوتھی رکعت پڑھ کر سجدہ سہو کیا تو اب یہ دو رکعت تراویح مبدل بنفل ہو جاویں گی اور ان کا اعادہ ہوگا یا نہ۔ مع حوالہ فقہ ارقام ہو۔؟

الجواب۔ فی فتاویٰ قاضی خان المجلد الاول صفحه ۱۱۵ اذا صلی الإمام اربع رکعات بتسلیمة واحدة ولم یقعد فی الثانیة فی القیاس تفسد صلوته

(۱) اور انسان کے بالوں کا استعمال بوجہ تکرم کے حرام ہے۔ ۱۲ منہ

وهو قول محمد وزفر رحمهما الله ويلزمه قضاء هذه التسليمة وهو رواية عن ابى حنيفةؒ وفى الا ستحسان وهو اظهر روايتين عن ابى حنيفةؒ وابى يوسفؒ لاتفسد واذالم تفسد اختلفوا فى قول ابى حنيفةؒ وابى يوسفؒ انها تنوب عن تنفسد تسليمة او تسليمتين قال الفقيه ابو الليثؒ تنوب عن تسليمتين لان الاربع لما جا زوجب ان تنوب عن تسليمتين كمن اوجب على نفسه ان يصلى اربع ركعات بتسليمتين فصلى اربعا بتسليمة واحدة ذكر فى الإمالى عن ابى يوسف انه يجوز فكذا ههنا وكذا لوصلى الاربع قبل الظهر ولم يقعد على رأس الركعتين جاز استحسانا اه قلت ويلزمه سجد تا السهو۔ اس روایت سے معلوم ہوگیا کہ سنت مؤکدہ اور تراویح ہر دو صحیح ہوگئیں۔ واللہ اعلم۔ ۲۱ ر رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۲ ج ۱)

حکم لحن فی الاعراب در نماز

سوال (۳۷۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نماز میں سبح اسم ربك میں اسم کے میم کو زیر پڑھ دیا۔ آیا نماز درست ہوئی یا فاسد؟

الجواب۔ جس غلطی سے قرآن کے معنی میں تغیر فاحش آ جاوے اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے ورنہ نہیں ہوتی تو اسم کے میم کو زیر پڑھنے سے معنی میں کوئی فساد نہیں ہوا اس لئے نماز درست ہوگئی۔ اذا لحن فى الإعراب لحنا لايغير المعنى بان قرأ لا ترفعوا اصو اتكم برفع التاء لاتفسد صلوته بالإجماع۔ عالمگیری ج ۱ ص ۸۰ فقط واللہ اعلم۔ (امداد ص ۱۰۵ ج ۱)

حکم فتح امام در تکبیر قنوت

سوال (۳۷۳) تراویح پڑھنے کے بعد وتروں میں یہ واقع پیش آیا کہ امام تیسری رکعت میں بلا تکبیر کہے ہوئے اور رفع یدین کیے ہوئے دعائے قنوت پڑھنے لگا کسی مقتدی نے اسے اللہ اکبر کہہ کر آگاہ کیا چنانچہ اس نے اللہ اکبر کہہ کر اور رفع یدین کر کے پھر قنوت پڑھی اور نماز تمام کر کے سجدۂ سہو کیا تو نماز میں کوئی خرابی تو نہ رہی۔

الجواب۔ فى الدرالمختار فى واجبات الصلوة وقراءة قنوت الوتر وهو مطلق الدعأ وكذا تكبير قنوته فى ردالمحتار اى الوتر قال فى البحر فى باب سجود السهو ماالحق به اى بالقنوت تكبيره و جزم الزيلعى بوجوب السجود بتركه الى قوله و ينبغى ترجيح عدم الوجوب الخ ج ۱ ص ۴۸۸۔

پس روایت وجوب پر تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ بتلانا ٹھیک ہوا اور دوسری روایت یعنی عدم وجوب پر بتلانا زائد ہوا مگر مفسد صلوٰۃ نہیں ہے اور نماز ہر حال میں صحیح ہو گئی جیسے قراءت میں بلا حاجت بتلانے سے نماز صحیح ہو جاتی ہے اگرچہ امام لقمہ لے لے اور چونکہ کوئی امر موجب سجدۂ سہو کا نہیں پایا گیا اس لئے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔ ۸ رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۷۳)

حکم قطرہ آمدن وقت سجدہ

سوال (۳۷۴) مجھ کو مرض ہے کہ اکثر قطرہ خطا ہو جاتا ہے۔ جس وقت سجدہ میں جاتا ہوں اس وقت بھی اکثر ایسی حالت ہو جاتی ہے اس کے لئے کیا کیا جاوے۔؟

الجواب۔ اگر لنگوٹ باندھنے سے رک جاوے باندھنا چاہئے اور اگر اس سے نہ رکے تو دیکھنا چاہئے کہ سجدہ میں جانے سے اگر گاہ گاہ قطرہ آتا ہے تب تو جب آوے وضو کرے اور اگر ہمیشہ آتا ہے تو بجائے سجدہ کے اشارہ کر لیا کرے۔ فی ردالمحتار عن الذخیرة رجل بحلقه خراج ان سجد سال وهو قادر على الركوع والقيام والقراءة الخ ج ۱ ص ۳۹۷۔ ۶ رشعبان ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۶۲)

مفسد نہ بودن فتح علی الامام در ہر حال

سوال (۳۷۵) امام ومقتدی درحین نماز بود ند یکے از مقتدی در قیام رکعت سوم کہ امام برخاست سبحان اللہ گفت بخیال آنکہ ایں رکعت چہارم است چونکہ امام رایقین بود کہ ایں رکعت سوم است گوش نہ کرد قیام فرمودہ رکعت چہارم راختم کردہ نماز خود ومقتدیان را تمام کرد دریں صورت نماز آں مقتدی کہ سبحان اللہ گفت بلاشبہ تمام شد یا بسبب کلام لغو نماز آں فاسد شد صورت مسئلہ چیست در مذہب حضرت امام اعظم چیست ودر مذہب حضرت امام شافعی چہ حکم دارد ودر مذہب امام شافعی کدام کتاب کہ مثل ایں مسئلہ جزئیات درآں بسیار باشد اگر بحضرتم معلوم باشد ایماء فرمائید۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار مفسدات الصلوة بخلاف فتحه على إمامه فانه لايفسد مطلقا لفاتح وآخذ بكل حال۔ چوں درصورت مسئولہ ایں سبحان اللہ گفتن بہ نیت فتح علی الامام است وخود از کلام ناس نیست لہذا نماز امام ومقتدی ہر دو صحیح است و مذہب شافعی مرا معلوم نیست ونہ کتابے در مذہب شاں مرا معلوم است۔ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۱۲)

بابُ صلوٰۃ الوتر

حکم تعیین سورۂ مخصوصہ درنماز وتر

سوال (۳۷۶) نمبر (۱) نماز وتر میں سورۂ قدؔر و کافروؔن و اخلاؔص واسطے مرض بواسیر کے مجرب بتلاتے ہیں اگر اس کوالتزام کے ساتھ پڑھا جاوے تو کوئی قباحت تو نہیں۔؟

(۲) دانتوں کی پائیداری کے واسطے وتروں میں:۔ سورۂ نصؔر ولھبؔ واخلاؔص کا پڑھنا مجرب بتلاتے ہیں۔؟

الجواب۔ (عن کلا السوالین) اس میں منشاء سوال یہ ہے کہ طاعت مقصودہ کو ذریعہ بنایا گیا غرض دنیوی کا۔ سو اس میں تفصیل یہ ہے کہ یہ ذریعہ بنانا دو قسم ہے ایک بلا واسطہ جیسے عاملوں کا طریقہ ہے کہ ادعیہ وکلمات سے خاص اغراض مقاصد دنیویہ ہی ہوتے ہیں اور دوسری قسم بواسطہ برکت دینیہ کے کہ طاعات سے اولاً برکت دینیہ مقصود ہوتی ہے پھر اس برکت دینیہ کو مؤثر اغراض دنیویہ میں سمجھا جاتا ہے احادیث میں جو قربات اور طاعات خاصہ کی بعض خاصیتیں از قبیل اغراض دنیویہ وارد ہیں وہ اس دوسری قسم سے ہیں جیسے سورۂ واقعہ کی خاصیت آئی ہے کہ لم تصبہ فاقۃ اور یہ دنیوی خاصیتیں جس طرح وحی سے معلوم ہوتی ہیں کبھی الہام سے بھی معلوم ہوتی ہیں پس عمل مذکورہ فی السوال بطریق اول نماز کی وضع کے خلاف ہے اور بطریق ثانی کچھ حرج نہیں۔

۱۶؍رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ (تتمۂ خامسہ ص ۵۱۸)

رمضان میں وتروں کا تہجد کے ساتھ پڑھنا افضل ہے یا جماعت کے ساتھ تراویح کے بعد

سوال (۳۷۷) جو شخص نماز تہجد میں وتر ہمیشہ پڑھتا تھا وہ رمضان میں وتروں کو بجماعت ادا کرے یا بوقت تہجد ادا کیا کرے۔؟

الجواب۔ جماعت کے ساتھ بہتر ہے کہ جماعت کی رعایت اولویت وقت کی رعایت سے مقدم ہے۔ و نیز اعراض عن الجماعت کی صورت سے تحرز ضروری ہے۔

۲۲؍رمضان ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۸)

سوال (۳۷۸) ایک امر دریافت طلب ہے کہ بعد نماز عشاء بیس رکعت تراویح پڑھنے

کے بعد وتر پڑھ لئے جاویں اور پھر سحر کے وقت تہجد پڑھا جاوے یا نہیں۔؟

الجواب۔ ہاں یہی افضل ہے۔ ۲۸/شعبان ۱۳۳۷ھ (تتمۂ خامسہ ص ۹۰)

سوال (۳۷۹) ایک شخص تہجد کے وقت وتر کو ادا کرتا ہے اور رمضان شریف میں وتر کی جماعت ہوتی ہے سو وہ جماعت کو ترک کر کے پچھلے کے وقت اس کے لئے وتر کا ادا کرنا افضل ہے یا اس کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہئے اور جماعت کا ثواب ترک نہ کرنا چاہئے۔؟

الجواب۔ ہاں ایسا ہی چاہئے یعنی جماعت ترک نہ کرے اگرچہ تنہا بھی جائز ہے۔

فی الدرالمختاروفیه ای فی رمضان یصلی الوترو قیامه بها وهل الافضل فی الوتر الجماعة اوالمنزل فی ردالمحتار رجح الکمال الجماعة الیٰ قوله و فی شرح المنیة والصحیح ان الجماعة فیها افضل الاان سنیتها لیست کسنیة جماعة التراویح ج۱ص ۶۴۲ ۶/شوال ۱۳۳۷ھ (تتمۂ خامسہ ص ۹۵)

جواز جہر وعدم جہر در وتر بماہ رمضان

سوال (۳۸۰) وتر جب اکیلا نماز رمضان شریف میں پڑھتا ہو قرأت جہر سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ دونوں جائز ہیں یعنی جہر بھی اور اخفا بھی۔ کیونکہ وتر رمضان میں جہریات میں سے ہے اور جہریات میں منفرد جہر وعدم جہر میں مخیّر ہوتا ہے۔

دلیل المقدمة الاولی ما فی ردالمحتاران الجهر یجب علی الامام فیما یجهرفیه وهو صلوة الصبح والاولیان من المغرب والعشاء وصلوة العیدین والجمعة والتراوح و الوتر فی رمضان الخ ج۱ص۴۸۸ **و دلیل المقدمة الثانیة ما فی العالمگیریة وان کان منفردا ان کانت صلوٰة یخافت فیها بخافت حتما هو الصحیح وان کانت صلوة یجهر فیها فهو بالخیار والجهر افضل** (ج۱ص۴۴۰) **قلت هذا هو المشهور وان اختلف بعضهم فی التقیید بقوله فی رمضان کما فی ردالمحتار لکن یرد علیه انه یقتضی انه لو صلی الوتر جماعة فی غیر رمضان انه لا یجهربه وان لم یکن علی سبیل التداعی ویحتاج الی نقل صریح واطلاق الزیلعی یخالفه وکذا ما یاتی من المتنفل باللیل لوام جهر فتامل** ج۱ص

۵۵۲لکنه لا یضر الحکم بجهر المنفرد فی رمضان وانما یفیدعدم تخصیص هذا الحکم برمضان ۔ والله اعلم۔ ۶ رمضان ۱۳۳۷ھ (تتمۂ خامسہ ص ۹۴)

وتر بعد تہجد یا بعد تراویح

سوال (۳۸۱) اگر تہجد پڑھا جاوے گا تو وتروں کا بعد تراویح پڑھنا اچھا ہے یا بعد تہجد۔

الجواب۔ بعد تراویح کیونکہ جماعت کی افضلیت زیادہ مہتم بالشان ہے وقت کی فضیلت سے۔

حکم خواندن وتر با جماعت در غیر رمضان ومخصوص بودن جماعت وتر بماہ رمضان بشروط

سوال (۳۸۲) نماز وتر بجماعت وجہر در ہر رکعت مخصوص در رمضان است یا نہ۔؟

الجواب۔ جماعت وتر بتداعی مخصوص برمضان است وخارج آں مکروہ اگر تداعی نباشد احیاناً خارج رمضان ہم مکروہ نیست وزیادہ از سہ داخل تداعی است اگر جماعت کند جہر برامام واجب است ومنفرد مخیر است خواہ رمضان باشد یا غیر رمضان۔ ۱۶ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۷۰)

حکم انفراد در وتر تارکین جماعت تراویح را

سوال (۳۸۳) رمضان شریف میں اگر عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اور تراویح کو بالکل تمام آدمیوں نے ترک کردیا تو اس صورت میں وتر باجماعت جائز ہیں یا نہ۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار بقی لو ترکها(ای جماعة التراویح) الکل هل یصلون الوتر بجماعة فلیراجع فی ردالمحتار تحت قوله بقی الذی یظهر ان جماعة الوتر تبع لجماعة التراویح وان کان الوتر نفسه اصلافی ذاته لان سنة الجماعة فی الوتر انماعرفت بالاثر تابعة للتراویح علی انهم اختلفوافی افضلیة صلوتها بالجماعة بعد التراویح کما یاتی اھ ۔ ج۱ص۱۷۴

اس سے معلوم ہوا کہ قواعد سے اسی کو ترجیح ہے کہ اس صورت میں یہ جماعت وتر بھی فرادیٰ فرادیٰ پڑھیں۔ یکم محرم ۱۳۴۰ھ (تتمۂ رابعہ ص ۶)

حکم لفظ واجب گفتن یا نہ گفتن در نیت وتر

سوال (۳۸۴) عالمگیری میں لکھا ہے وفی الوتر ینوی صلوة الوتر کذا فی

الزاھدی و فی الغایة انه لاینوی فیه واجبا للاختلاف فیه کذا فی التبیین۔
مولوی کرامت علی جونپوری ومولوی امانت اللہ غازیپوری نے اپنے رسالہ میں عربی نیت کے بیچ واجب اللہ تعالیٰ لکھا اب میں کیا کروں بندہ کے پاس کتابیں بھی زیادہ نہیں ہیں۔اور بنگالہ میں مولوی کرامت علی کا غلبہ زوروشور سے ہے سب واجب اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔فی الحال عرض فدوی کی یہ ہے کہ واجب کہنے سے نماز ہوگی یانہ اور واجب کہنا افضل ہے یانہ۔اور واجب کہنے سے نماز میں خلل ہوگا یانہ حضور از روئے مہربانی تحریر فرماویں۔؟

الجواب۔فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ایک مذہب کے مقلد کو دوسرے مذہب کی رعایت خلافیات میں اولیٰ ہے واجب نہیں پس غایۃ میں جو علت لکھی ہے اس کا حاصل یہی رعایت مذہب نفاۃ وجوب ہے پس اس کی رعایت واجب نہیں۔اس لئے واجب کہنے سے بھی نماز ہوجاوے گی اور نماز میں کچھ خلل نہ ہوگا۔ ۱۶رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امدادص۱۵ج۱)

سوال (۳۸۵) نماز وتر کی نیت میں لفظ واجب کہا جاوے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار بحث النیة ولا بدمن التعیین عند النیة لفرض او واجب انه وترالخ۔ وفی ردالمحتار ای لایلزمه تعیین الوجوب ثم اعلم ان مافی شرح العینی من قوله واما الوتر فالا صح انه یکفیه مطلق النیة مشکل لان ظاھره انه یکفیه نیة مطلق الصلوة کالنفل الاان یحمل علی ماذکرناه من اطلاق نیة الوتر الخ۔

اس سے معلوم ہوا کہ نیت وتر میں اگر تعیین بعنوان واجب نہ ہوتا ہم یہ تعیین ضرور ہے کہ یہ وتر ہے اور مطلق صلوٰۃ کی نیت کافی نہیں۔ فقط ۲۰رصفر ۱۳۲۵ھ (امدادص۸۶)

تحقیق معنی نخلع و نترک من یفجرک درقنوت وتر

سوال (۳۸۶) ہم لوگ ہر روز قنوت میں پڑھتے ہیں و نخلع ونترک من یفجرک۔اب فرمایئے اگر بیٹا فاجر ہے تو باپ کیا کرے اور اگر باپ فاجر ہے تو بیٹا کیا کرے۔؟

الجواب۔یہ جملہ خبر یہ نہیں بلکہ انشائیہ ہے پس اس میں کذب نہیں دوسرے فجور سے مراد کفر ہے اور ترک سے مراد مخالفت اعتقادی۔وھو حاصل۔ ۱۲رذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص۹۹)

قنوت نازلہ میں رفع یدین وغیرہ کے احکام

سوال (۳۸۷) یہاں سے کانپور ایک سوال کے جواب میں قنوت نازلہ میں ارسال یدین پر عمل کرنے کو لکھا گیا تھا۔ وہاں سے ایک عالم کا ایک طویل خط وضع یدین کی ترجیح کے اثبات میں آیا جس کا خلاصہ خود جواب سے معلوم ہوسکتا ہے جو یہاں سے لکھا گیا۔ اور جو درج ذیل ہے۔

الجواب۔ مولانا! السلام علیکم۔

مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔ دلائل سے دونوں طرف گنجائش ہے۔ اور ممکن ہے کہ ترجیح قواعد سے وضع کو ہو **كما هو مقتضى مذهب الشيخين** لیکن عارض التباس وتشویش عوام کی وجہ سے ارسال کو ترجیح دی جاسکتی ہے۔ **كما هو مقتضى مذهب محمد** اور ثناء وصلوٰۃ جنازہ وقنوت وتر میں یہ عارض نہیں ہے اس لئے وہاں راجح پر عمل کیا گیا اور اس عارض کی قوت کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مجمع عظیم میں سجود سہو کو باوجود اس کے وجوب کے ترک کردیا جاتا ہے اور وضع تو درجہ سجود سہو سے بہت ادنیٰ ہے **فهو احق بالترك**۔ اور التباس کا ارتفاع اخفاء قنوت سے اس لئے نہیں ہوسکتا کہ سہو پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ جہر قرأت میں امام کو سہو ہو گیا۔ اور اسی طرح اس کے بعد سجدہ میں چلے جانے سے بھی اس کا ارتفاع نہیں ہوسکتا کہ اس سے پہلے التباس ہو چکے گا۔ پھر سجدہ میں جانے سے تشویش بڑھے گی کہ رکوع کیوں نہیں کیا ورنہ ایسا ارتفاع تو سجدہ سہو کے بعد تشہد میں بیٹھنے سے پھر بعد میں مکرر سلام پھیرنے سے بھی مرتفع ہوسکتا تھا۔ مگر فقہاء نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ اس لئے کہ عوام غلبۂ جہل سے ان قرائن سے کیا استدلال کرسکتے ہیں اور اپنی نماز کو تباہ کرتے ہیں۔ واللہ اعلم باقی دوسری جانب میں بھی مجھ کو تنگی نہیں۔

۲۴ رمضان ۵۶ھ (النور ص ۷ شعبان ۵۷ھ)

☆☆☆

باب النوافل

حکم افضلیت قیام در نوافل بعد وتر و بعد ظہر و مغرب و عشاء

سوال (۳۸۸) عوام الناس بعد نماز ظہر اور بعد نماز مغرب اور بعد نماز عشاء دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور بیٹھ کر ادا کرنے کو بہ نسبت کھڑے ہو کر ادا کرنے کے افضل اور بہتر سمجھتے ہیں یہ صحیح ہے یا غلط۔؟

الجواب۔ **في الدر المختار عن البحر اجر غير النبي صلى الله عليه وسلم على النصف الا بعذر ١ه ص ٩٤ احكام النوافل** ۔ اس روایت کے اطلاق سے سب نوافل کا کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ثابت ہوتا ہے اسلئے عوام الناس کا سمجھنا غلط ہے۔

۴؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۲ ج ۱)

سوال (۳۸۹) امداد الفتاویٰ دیکھتے ہوئے آج کل وتر کے بعد دو رکعتیں جالساً پڑھنے کو خطا قرار دیا ہے اور حدیث ابن ماجہ کی جو سنن ابی داؤد میں بھی نقل کی ہے کہ آپ نفس قراۃ جالساً کر کے پھر کھڑے ہو جاتے تھے حالانکہ سنن ابی داؤد میں دوسری روایت (اگر اس کی ضرورت ہوئی تو نقل کر کے بھیج دوں گا) حضرت عائشہؓ سے ہی یہ ہے کہ قرأت اور رکوع وغیرہ سب جالساً کرتے تھے یہاں تک کہ اس پر آپ کی وفات ہوگئی اس سے آخر تک کا عمل تصریحاً معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی اپنے اساتذہ سے اب تک سنا ہے اور گو قاعدہ کے اعتبار سے اجر اس میں غیر نبی کریم ﷺ کے واسطے نصف ہونا چاہئے۔ لیکن حضرت مولانا محمد قاسم قدس سرہ سے منقول ہے کہ اگر اس نیت سے بیٹھ کر پڑھے گا کہ آپ سے یونہی منقول ہے تو اس نیت سے ان شاء اللہ تعالیٰ عجب نہیں کہ ثواب میں بھی کمی نہ رہے۔ واللہ اعلم۔ بہر حال مسئلہ کچھ ہو مگر معمول نبوی تو یہی معلوم ہوتا ہے قرأت اور رکوع کی تفریق میں فقط یہی ایک روایت ہے جس کے معارض دوسری روایت موجود ہے اور سنن کی ان روایات متعارضہ سے علیحدہ ہو کر دیکھا جائے تو صحیحین کی روایات میں مطلق صلی جالساً کا لفظ موجود ہے۔ جس سے باطلاقہ متبادر یہ ہے کہ رکوع وغیرہ اور قرأت

میں کوئی فرق نہ تھا شاید رواۃ سے اس ابن ماجہ کی روایت میں کچھ اختلاط وغیرہ ہوا ہو اور انہوں نے بعض رکعات تہجد کو جو آپ اس طرح پڑھتے تھے کہ قرأت تو بیٹھ کر اور رکوع کھڑے ہو کر ان دو رکعتوں کیساتھ لگا دیا ہو بہر کیف معمول نبوی ﷺ کے متعلق بظاہر وہی راجح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔؟

الجواب۔ مجھ کو تو تعارض نہیں معلوم ہوتا کہ ترجیح یا احتمال اختلاط کا قائل ہونا پڑے روایت ابن ماجہ کو مطلق صلی جالسا کی تفسیر کیوں نہ کہی جاوے اور جس روایت میں رکوع جالساً کی تصریح ہو اس کو محمول اختلاف اوقات پر کیا جاوے پھر قول مطلق ہے فعل کو اس پر منطبق کرنا اچھا ہے تخصیص کے قائل ہونے سے اور مسئلہ ظنیہ ہے جانبین میں گنجائش ہے۔

۲۳ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تتمۂ خامسہ ص ۳۱)

وتر کے بعد دو نفل

سوال (۳۹۰) وتر کے بعد نفل دو رکعتیں بیٹھ کر ادا کرنا افضل اور بہتر ہے یا کھڑے ہو کر اور ان دونوں میں سنت کیا ہے۔

الجواب۔ **في سنن ابن ماجة باب ماجاء في الركعتين بعد الوتر جالسا عن ابي سلمة قال حدثتني عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يوتر بواحدة ثم يركع ركعتين يقرء فيهما وهو جالس فاذا اراد ان يركع قام فركع** اس حدیث سے بالتخصیص ان نوافل بعد الوتر میں قیام رسول اللہ ﷺ کا ثابت ہوا، رہا یہ کہ رکوع کے قبل جلوس فرماتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ قرأت طویل پڑھتے تھے اور آخر عمر میں ضعف بڑھ گیا تھا یہ جلوس اس عارض کی وجہ سے تھا اور جب قرب رکوع کا ہوتا تھا تو چونکہ وہ عارض مرتفع ہو جاتا تھا تو پھر کھڑے ہو جاتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ مقصود اصل میں قیام تھا ورنہ جو لوگ بیٹھ کر پڑھنے کو افضل کہتے ہیں وہ اس قیام کے بھی قائل نہیں اور روایت مذکورہ کا اطلاق بھی اس کا مؤید ہے۔ غرض عوام بلکہ خواص میں جو اس کے خلاف مشہور ہے اس کی کوئی دلیل نہیں اور بعض رسائل اردو فارسی میں جو لکھدیا ہے وہ کسی معتبر جگہ سے نقل نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم۔ ۴ رجمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ

سوال (۳۹۱) بعد وتر نماز عشاء کے نفلوں کا حضور نے بہشتی زیور میں تحریر فرمایا ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے اور ایک وعظ میں ارشاد ہے۔ ''وعظ عود العبد ص ۱۴'' میں کہ بعض اکابر کا قول ہے چونکہ بعد وتر کے دو رکعت حضور سے بیٹھ کر ہی پڑھنا منقول ہے اور قواعد شرعیہ سے بیٹھ

کر پڑھنے میں نصف ثواب کا استحقاق ہوتا ہے مگر چونکہ حضور ﷺ نے بیٹھ کر پڑھی ہیں۔ اس لئے ہم کو بیٹھ کر پسند ہے۔ خادم کے واسطے جس طرح ارشاد ہو تعمیل کرے۔؟

الجواب۔ یہ قول چونکہ مشعر اتباع تھا اس لئے نقل کیا چنانچہ اوپر کے مضمون کے ملانے سے یہ امر واضح ہے۔ لیکن یہ عمل موقوف اس پر ہے کہ یہ ثابت بھی ہو۔ حالانکہ حضور ﷺ سے کھڑے ہو کر پڑھنا بھی منقول ہے۔ اس لئے اب افضل یہی ہے کہ آپ کھڑے ہو کر پڑھئے۔ یہاں تو صرف بعض اکابر کے اس قول کا مبنیٰ بیان کیا تھا۔ ۱۵ر محرم ۱۳۴۳ھ (تتمۂ خامسہ ص ۳۷)

حکم ادائے سنت فجر بعد اقامت فرض

سوال (۳۹۲) ایک شخص وضو کر کے آیا تو دیکھا کہ جماعت صبح کی کھڑی ہوگئی ہے اور مسجد اتنی بڑی نہیں ہے کہ اگر ایک گوشہ میں سنتیں پڑھی جاویں تو قرأت امام کی آواز نہ سنائی دے تاکہ تعمیل آیت واذا قرئ القران الآیۃ کی ہو۔ اب اس آدمی کو کیا کرنا چاہئے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ طریقہ بیان فرمایا ہے کہ اگر فجر کی سنتوں سے کسی کو بوجہ فضائل کثیرہ کے شوق ہو تو اسے چاہئے کہ حالت مذکور میں سنت کی نیت کر کے توڑ دے بعدہ جماعت میں داخل ہو جاوے بعد ادائے فرض فی الفور سنتیں بوجہ فرض ہو جانے کے پڑھ لیوے آیا یہ کہنا ان کا غلط ہے یا صحیح اور حالت مذکورہ میں شخص مذکور کو کیا کرنا چاہئے۔؟

الجواب۔ ایسی حالت میں اگر مسجد کے دو درجے ہوں تو امام جس درجہ میں ہو تو یہ شخص دوسرے درجہ میں ادا کرے اور اگر ایسا موقع بھی نہ ہو تو کسی علیحدہ جگہ میں جس قدر دوری صف سے ممکن ہو وہاں پڑھ لے اور یہ طریقہ جو سوال میں مذکور ہے بالکل ناجائز ہے اور امام محمد علیہ الرحمۃ پر تہمت ہے۔

فی ردالمحتار باب إدراك الفریضة والحاصل ان السنة فی سنة الفجر ان یاتی بهافی بیته والافان كان عند باب المسجد مكان صلاهافیه والاصلاها فی الشتوی اوالصیفی ان كان للمسجد موضعان والا فخلف الصفوف عند سارية اه و فی الدرالمختار الباب المذكور ثم قيل یشرع فیها ثم یكبر للفریضة او ثم یقطعها او یقضیها مردود بان درء المفسدة مقدم علی جلب المصلحة وفی ردالمحتار تحت هذا القول ان ماوجب بالشروع لیس باقوی مما وجب بالنذر ونص محمد ان المنذور لا یؤدی بعد الفجر قبل الطلوع اه۔

۱۱ر رجب ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۳)

حکم سنت فجر ہنگام جماعت

سوال (۳۹۳) خالد مسجد میں نماز صبح پڑھنے آیا آگے مسجد میں جماعت ہو رہی ہے خالد سنت پڑھ کر جماعت میں شامل ہووے یا امام کو جس رکن میں پاوے شامل ہو جاوے مفتی بہ مسئلہ بحوالہ فقہ ثقہ و مزین بمہر خود ابلاغ فرماویں۔؟

الجواب۔ ہم حنفیہ کا مذہب یہی ہے کہ اگر فرض ملنے کی توقع ہو تو سنت نہ چھوڑے۔ کذا فی الکتب المذھبیة۔ ۲۶رذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص۱۰۵)

سوال (۳۹۴) سوال اول عرض یہ ہے کہ مندرجہ ذیل کتابوں کی عبارت کی وجہ سے مجھے تردد ہے کہ حضرت کے بہشتی گوہر مطبوعہ بلالی واقع ساڈھورہ میں جو مسئلہ موجود ہے وہ صحیح ہے یا ان مندرجہ ذیل کتابوں سے ظاہراً جو مسئلہ سمجھ میں آتا ہے وہ صحیح ہے اور وہ مسئلہ آپ کی کتاب بہشتی گوہر مطبوعۂ مذکور کے عنوان (جماعت میں شامل ہونے نہ ہونے کے مسائل ص۱۷) میں درج ہے۔

مسئلہ: فرض ہونے کی حالت میں جو سنتیں پڑھی جائیں خواہ فجر کی ہوں یا کسی اور وقت کی وہ ایسے مقام پر پڑھی جائیں جو مسجد سے علیحدہ ہو اس لئے کہ جہاں فرض نماز ہوتی ہو پھر کوئی دوسری نماز وہاں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر کوئی ایسی جگہ نہ ملے تو صف سے علیحدہ مسجد کے کسی گوشہ میں پڑھ لے۔ (درمختار وغیرہ)

لفظ (خواہ فجر کی ہوں یا کسی اور وقت کی) اس سے تعمیم معلوم ہوتی ہے۔ اور مندرجہ ذیل کتب کی عبارتوں سے تخصیص بالفجر معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے آپ سے نہایت مؤدبانہ طور سے التجا ہے کہ آپ مجھے کافی شافی جواب سے اس ظلمت سے نکالیں جس میں اس وقت میں ہوں اور وہ عبارت موعودہ یہ ہے۔

" فی مراقی الفلاح ص ۳۴ مطبوعہ مصر فصل فی الأوقات المکروھة ویکرہ (التنفل) عند الإقامة لکل فریضة الاسنة الفجر اذا امن فوت الجماعة وفی الکتاب المذکور فی ص ۸٦ فی باب ادراك الفریضة ومن حضرو کان الإمام فی صلوة الفرض اقتدی به ولا یشتغل عنه بالسنة فی المسجدولولم یفته شیئی وان کان خارج المسجدوخاف فوت رکعة اقتدی والاصلی السنة ثم اقتدی لامکان جمعه بین الفضیلتین الا فی الفجر فانه یصلی سنته ولوفی المسجد بعیداعن

الصف ان امن فوته ولو بادراكه في التشهد وقوله ﷺ اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة محمول على غير صلوة الفجر لما قدّمناه في سنة الفجرو في الهداية ومن انتهى الى الإمام في صلوة الفجر وهو لم يصل ركعتي الفجر ان خشي ان يفوته ركعة ويدرك الاخرى يصلي عند باب المسجد ثم يدخل لانه امكنه الجمع بين الفضيلتين وان خشي فوتها دخل مع الإمام لان ثواب الجماعة اعظم والو عيد بالترك الزم بخلاف سنة الظهر حيث يتركها في الحالين لانه يمكنه اداؤها في الوقت بعد الفرض هو الصحيح۔

اوراسی طرح درمختار میں بھی موجود ہے۔عبارت کی طوالت کی وجہ سے انہیں دو کتابوں کی عبارت کونقل کیاورنہ اور بہت سی کتابوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

الجواب۔اور کتابوں سے جومفہوم ہوتا ہے وہی صحیح ہے۔معلوم نہیں علم الفقہ میں جو کہ بہشتی گوہر کی اصل ہے تعمیم کیسے لکھدی۔بہشتی گوہر اس سے اس طرح منتخب کیا گیا ہے۔کہ سرسری نظر سے مضامین کے اول وآخر پرنشان بنادیا کاتب نے نقل کرلیا۔ایک ایک لفظ نہیں دیکھا گیا بوجہ اعتماد کے۔ (ترجیح خامس ص ۱۴۲)

حکم تکبیر شدن دراثنائے سنت

سوال (۳۹۵) مردے نیت چار رکعت سنت خواہ نفل نمودہ یک رکعت با تمام رسانیدہ بادائے رکعت دوم برخاست دریں ضمن کسے تکبیر نماز فرض گفت اداکنندۂ نفل وسنت ہر چہار رکعت تمام نماید یا بر دو رکعت اکتفا سازد و دو رکعت باقی راقضا کند یانے۔؟

الجواب۔اگر دراثنائے سنت یا نفل تکبیر شد بر دو رکعت سلام دادہ در جماعت داخل شود راجح (۱) واشہر ہمین ست۔

والشارع في نفل لايقطع مطلقا ويتمه ركعتين وكذا سنة الظهرو سنة الجمعة اذا اقيمت اوخطب الإمام يتمها اربعا على القول الراجح لانها صلوة واحدة وليس القطع للإكمال بل للإطال خلافا لما رجحه الكمال درمختار قوله خلافا لما رجحه الكمال حيث قال وقيل يقطع على رأس الركعتين وهو

(۱) لیکن اگر کسے برقول دیگر کہ اتمام اربع است در سنن عمل کند گنجایش دارد ۱۲ منہ

الراجح لانه يتمكن من قضائها بعد الفرض ولاإبطال فى التسليم على الركعتين فلا يفوت فرض الاستماع والاداء على الوجه الاكمل بلا سبب الخ اقول وظاهر الهداية اختياره وعليه مشى فى الملتقى و نورالإيضاح والمواهب وجمعة الدررو الفيض وعزاه فى الشر نبلا لية الٰى البرهان وذكر فى الفتح حكى عن السغدى انه رجع اليه لما راٰه فى النوادر عن ابى حنيفة وانه مال اليه السرخسى والبقالى وفى البزازية انه رجع اليه القاضى السفى و ظاهر كلام المقدسى الميل اليه ونقل فى الحلية كلام شيخه ابن كمال ثم قال وهو كما قال هذا وما رجحه المصنف صرح بتصحيحه الولوالجى وصاحب المبتغى والمحيط ثم الشمنى و فى جمعة الشرنبلالية وعليه الفتوىٰ شامی مجتبائی جلداول ص ۴۷۹۔ پس بعد نماز فرض اگر سنت بود ہر چہار قضا کند و اگر نفل بود ہیچ لازم نیاید وقضى ركعتين لو نوى اربعا غير مؤ كدة على اختيار الحلبى وغيره ونقض فى خلال الشفع الاول او الثانى اى و تشهد للاول ولايفسد الكل اتفاقاً درمختار باطحطاوی مصری ص ۲۹۰ ج ۱ واللہ اعلم۔ (امداد ص ۱۸ ج ۱)

اہمیت اشتغال بالقضاء از نوافل

سوال (۳۹۶) نوافل پڑہنا بہتر ہے یا قضا نمازیں۔؟

الجواب۔ فى ردالمحتار عن المضمرات الاشتغال بقضاء الفوائت اولىٰ واهم من النوافل الاسنن المفروضة وصلوة الضحى وصلوة التسبيح والصلوة التى رويت فيها الاخباراه اى كتحية المسجد والاربع قبل العصر والست بعد المغرب ج ۱ ص ۷۶۸۔ اس سے معلوم ہوا کہ قضا نمازیں پڑھنا نفل سے بہتر ہیں بجز سنن مؤکدہ اور ان نوافل کے جن کا ذکر اوپر کی عبارت میں ہے۔فقط

۱۴ محرم ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۳ ج ۱)

حکم تحیۃ الوضوء در مسجد بعد خواندن سنت فجر در منزل

سوال (۳۹۷) نماز سنت فجر مکان میں پڑھ کر مسجد میں نماز فجر کے لئے جاتا ہوں اس وقت نماز تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہوں یا نہیں۔؟

الجواب۔ اس وقت نہ تحیۃ الوضوء ہے نہ تحیۃ المسجد ہے نیز ان سنتوں کا مسجد میں پڑھنا افضل ہے بلکہ جمیع سنن مؤکدہ کا تاکہ اتہام یا تشبہ بااہل بدعت سے محفوظ رہے جو کہ تارکین ان سنن کے ہیں۔ ۱۰رجب ۱۳۳۵ھ (تتمۂ خامسہ ص ۱۷)

ثبوت دورکعت نفل بعد فرض عشاء علاوہ دورکعت متواترہ

سوال (۳۹۸) ہمارے علاقہ پنجاب میں عشاء کی دوسنتوں کے بعد جومؤکدہ ہیں دو رکعت نماز نفل اکثر لوگ بیٹھ کر پڑھتے ہیں اس دورکعت نماز نفل کا کسی حدیث صحیح حسن یا ضعیف سے کچھ ثبوت ہے یا کہ بدعت ہے۔؟

الجواب۔ عن عائشہؓ قال ماصلی النبی ﷺ العشاء قط فدخل علی الاصلی اربع رکعات اوست رکعات ۔ رواہ احمد وابوداؤد واسنادہ صحیح کذافی اٰثارالسنن ص ۲۳ ج ۲ ۲۲رصفر ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۲۰)

دلیل دوازدہ رکعت درتہجد

سوال (۳۹۹) .شامی مصری جلدنمبرا ص ۵۰۶ میں ہے۔ قولہ واقلھا علی مافی الجوھرۃ ثمان الٰی قولہ واللہ اعلم۔ اس مجموعی عبارت سے نماز تہجد کا بارہ رکعت ہونا کہیں ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف آٹھ رکعتیں تو بہشتی زیور مدلل ومکمل حصہ دوم ص ۴۳ کی عبارت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں اس کا کیا مطلب اور کہاں سے لکھا گیا کچھ پتہ نہیں لگتا۔؟

الجواب۔فی مالابدمنہ للقاضی ثناء اللہ الپانی پتی المسلم فی التحدیث الملقب عند الشاہ عبدالعزیز الدھلوی بیھقی الوقت مانصہ دوازدہ رکعت زیادہ ہم بہ ثبوت نہ پیوستہ الٰی قولہ پیغمبر ﷺ گاہے تہجد مع وتر ہفت رکعت خواندہ وگاہے یازدہ وگاہے سیزدہ وگاہے پانزدہ الخ ویتأید بما فی صحیح البخاری عن ابن عباس الحدیث بطولہ وفیہ ثم صلی رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم اوترالخ وفی ھامشہ فیہ دلیل علی ان صلٰوۃ اللیل اثنا عشر رکعت اھ۔ اور ثمان کو جنھوں نے اکثر کہا ہے وہ باعتبار اکثر عادت نبویہ کے ہے ورنہ اس قول کا صحاح کے خلاف ہونا لازم آوے گا اور اگر مقصود سوال سے اس کی تحقیق ہے کہ شامی کا حوالہ کیوں دیا گیا۔ اس کا جواب اصل میں بذمہ حوالہ دہندہ ہے جن کا نام شروع کتاب میں ہے مگر تبرعاً جواب میں

دیتا ہوں کہ حوالہ باعتبار اہم اجزاء کے ہے۔ ۱۹رذی قعدہ ۱۳۲۴ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۳۷)

حقیقت صلوٰۃ معکوس

سوال (۴۰۰) بعض کتابوں میں نماز معکوس کی اصطلاح نظر سے گزری ہے لیکن اس کی تفصیل سمجھ میں نہیں آئی ایسی حالت میں رکوع وسجود وقعدہ وغیرہ ارکان نماز کیونکر ممکن ہوں گے دوسرے اس کا ثبوت بھی حضور ﷺ اور صحابہ کرام کی زندگی سے حدیث وسیر کی عام ومتداول کتابوں میں نظر سے نہیں گزرا۔ حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات فوائد الفوائد کے شروع میں البتہ یہ تذکرہ موجود ہے کہ سلطان ابوسعید ابوالخیر نے اتباع سنت میں یہ نماز پڑھی تھی اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے القول الجمیل میں اسے اشغال چشتیہ کے ذیل میں درج فرمایا ہے لیکن یہ بھی فرمادیا ہے کہ سنت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس باب میں جناب کی تحقیق سے مستفید ہونا چاہتا ہوں۔؟

الجواب۔ اس کو صلوٰۃ مجازاً کہہ دیا جاتا ہے۔ اصل میں یہ ایک مجاہدہ ہے اور مجاہدہ ایک معالجہ ہے اور معالجہ کے لئے منقول وماثور ہونا ضروری نہیں۔ ہاں منہی عنہ نہ ہونا ضروری ہے سو یہ منہی عنہ نہیں لیکن اس وقت امزجہ اس کے متحمل نہیں ہوسکتے لہذا مشائخ نے اس کو ترک فرمادیا ہے۔ تاریخ ۳۰ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۵۸)

تحقیق چار رکعت قبل العشاء

سوال (۴۰۱) قبل از عشاء چار رکعت سنت کس حدیث سے ثابت ہیں شیخ دہلویؒ نے لمعات میں لکھا ہے کہ میں نے کوئی حدیث اس مضمون کی نہیں دیکھی فقہاء نے اس کو کہاں سے ثابت کیا۔؟

الجواب۔ [1] شاید ظہر یا عصر پر قیاس کیا ہو۔ فقط واللہ اعلم　۱۵ربیع الاول ۱۳۲۵ھ

---

(۱) اس تحریر کے بعد صغیری دیکھنے سے اس مسئلہ کا جواب جو عبارت ذیل منقولہ عن الصغیری سے ظاہر ہوتا ہے معلوم ہوا وہ عبارت یہ ہے وقال الحلبیؒ فی الغنیة اما الاربع قبل العشاء فلم یذکر فی خصوصها حدیث لکن یستدل بعموم ماروا ه الجماعة انه ﷺ قال بین کل اذانین صلوٰۃ بین کل اذانین صلوٰۃ ثم قال بعد الثالثة لمن شاء فهذا مع عدم المنافی من التنفل قبلها یفید الاستحباب لکن کو نها ربعا یتمشیٰ علی قول ابی حنیفةؒ لا نها الافضل عنده ۱۲ منه

فصل فی التراویح

حکم تعدد تراویح در یک مسجد

سوال (۴۰۲) ایک جامع مسجد کہ جس کا طول ۲۸ گز اور عرض ۲۱ گز ہے اگر چاہیں کہ قرآن شریف دو جگہ مسجد مذکور میں دو حافظ بیچ تراویح کے پڑھیں اور درمیان میں کوئی آڑ رک ایسی کر دی جائے کہ ایک دوسرے کی آواز سے حرج واقع نہ ہو۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ ایک مسجد میں دو جگہ تراویح پڑھنا بشرطیکہ از راہ نفسانیت نہ ہو اور ایک کا دوسرے سے حرج نہ ہو جائز ہے مگر افضل یہی ہے کہ ایک ہی امام کے ساتھ سب پڑھیں۔

فی البخاری عن عبدالرحمن ابن عبدالقاری انه قال خرجت مع عمر بن الخطاب لیلة فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسه ویصلی الرجل ویصلی بصلوته الرهط فقال انی اری لوجمعت هؤلاء علی قارئ واحد لکان امثل ثم عزم فجمعهم علی ابی بن کعب الحدیث (جلد اول ص ۲۶۹)

اس روایت (۱) سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح متفرق پڑھنے والوں پر تشنیع نہیں فرمائی۔ پس معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے اور ایک امام کے ساتھ پڑھنے کو افضل فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ افضل یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۴ رذی الحجہ ۱۳۰۰ھ (امداد ص ۱۹ ج ۱)

جواز تراویح بر دابۃ بحال عذر

سوال (۴۰۳) رمضان شریف میں کوچ کے دن کوچ شب کو ہوگا تراویح کیونکر پڑھیں آیا نوافل کی طرح سواری پر پڑھ سکتے ہیں۔ سواری ہاتھی کی ہوگی۔؟

الجواب۔ پڑھ سکتے ہیں۔ فی ردالمحتار بخلاف سنة التراویح لانها دونها

(۱) اس استنباط میں تامل ہے کیونکہ یہ حالت اس وقت کی تھی جبکہ جماعت کا اہتمام نہ تھا اور وجہ عدم تشنیع کی بھی یہی عدم اہتمام تھا اس سے حکم مذکور کا استنباط مشکل ہے بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ اس سے وہ مقصود فوت ہوتا جس کے لئے حضرت عمرؓ نے یہ اہتمام فرمایا ہو۔ (تصحیح الاغلاط ص ۵)

فی التاکد فیصح قاعداً وان خالف المتوارث وعمل السلف کما فی البحر قلت وافادت المخالفة الکراهة وتجبر بالعذرفی الدرالمختار فھی صلوة علی الدابة فتجوز فی حالة العذر الی قوله وذھاب الرفقاء۔

۱۵ رشعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۳۷ ج ۱)

عدم تنقیص عدد رکعات تراویح

سوال (۴۰۴) اگر کوچ آٹھ نو بجے رات کو شروع کریں تو تراویح تعداد میں کم پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور کہاں تک کمی ہوسکتی ہے۔؟

الجواب۔ جب سواری پر جائز ہے پھر کم کرنے کی ضرورت نہیں جس قدر کوچ سے پہلے پڑھ سکیں اس کا بقیہ سواری پر پڑھ لیں۔فقط تاریخ بالا۔ (امداد ص ۳۸ ج ۱)

حکم استماع قرآن در تراویح از حافظ اجیر معہ بیان صور مختلفہ

سوال (۴۰۵) ہمارے ملک میں چند سال سے رواج ہوگیا ہے کہ اکثر حفاظ تراویح میں ختم پڑھنے کیلئے مساجد میں رمضان شریف میں مبلغ مقرر کر کے ختم کرتے ہیں اگر کسی جا پر زیادہ مبلغ ملنے کی امید ہے تو بلا مقرر پڑھ دیتے ہیں اور یہ معلوم ہوجاوے کہ یہاں زنہار مبلغ حاصل نہ ہوگا بالکل اقبال نہیں فرماتے۔ یہ امر اجرت علی الطاعۃ جس کی حرمت ومنع شرع میں وارد ہے اسی میں داخل ہے یا نہیں اور بعض علماء فقط کراہۃً ہی کہتے ہیں۔ اور بعض علماء جائز بتلاتے ہیں۔فقہاءمتاخرین امور اربعہ یعنی امامت واذان وتعلیم ووعظ میں ضرورۃً جائز ہی کہتے ہیں سو اس ختم کو اسی باب امامت میں داخل کر کے امامت تراویح بھی جس میں ختم ہوا امامت سے خارج نہیں کہتے ہیں فقہاء کی عبارات سے یا اور کتب سے حرمت اجرت ختم قرآن پر تراویح کی تصریح کہیں پائی نہ گئی سوائے قواعد وقیاس کے اگر نظر فیض منظر میں گزری ہے تو ترقیم فرمانا کیونکہ ایصال ثواب قرأۃ کے منع میں جو اجرت سے واقع ہو فقہاء نے اس کے منع میں تشدد کئے ہیں تراویح میں جو ایصال نہیں محل تامل ہے کہتے ہیں اور تعلیل فقہاء کی ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن کی جو تعلیم قرآن کی ہے حفظ قرآن میں بھی جاری ہے کہتے ہیں کیونکہ ختم تراویح ترک کریں تو حفظ میں فتور وقصور واقع ہوگا کبھی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ سے جو تعلیم قرآن میں کہتے ہیں ''درخانہ کسے رفتن وازصبح تا شام نشستن الخ'' کو محل اجارہ

ٹھہرانے سے اس کی اجرت کے لینے میں کسی طرح کا خلاف نہیں کہتے ہیں اور کہتے ہیں گو کہ مبلغ کا دینا واقع ہو مگر بطریق تبادل وتعارض نہ ہو بطریق صدقہ یا ہدیہ ہو جو چاہے سو دے سکتے ہیں۔ اور یہ للہ پڑھ سکتے ہیں اور اس کو اس طرح سے زبان سے تصریح کر دینے میں دوسرے احتمالات منعدم ہو جاتے ہیں انتہیٰ۔ ان صورتوں میں حق اور مطابق واقع اور صحیح وجہ مدلل مطلوب ہے اور ان امور کے سوائے اکثر پڑھنے والوں کی عادت یہ ہے کہ ترتیل اور قواعد تجوید سے عاری جلد طے کرنے کے طالب اور متعدد مقاموں میں غلطی بتلانے والے جابجا ٹوکتے ہیں تو وے کبھی لیتے یا گٹر بڑاتے یا وقفہ کر لیتے ہیں پھر اپنے خیال میں آئے بعد مقام معین تک پڑھ لیکر نماز بلا سہو تمام کر دینا اور اعراب والفاظ میں کلمات کفر کا لحاظ نہ رکھنا ایسے ختم میں امید اجر ہے یا موجب وزر۔ بینوا توجروا۔

تتمۃ السوال۔ الفصل الثالث امور مبتدعة باطلة لااصل لها فی الشريعة اكب الناس عليها على ظن انها قربة مقصودة وهذه كثيرة فلنذكر اعظمها منها وقف الأوقاف اى النقود لتلاوة القرآن العظيم فی اجراء قرآنية عين الواقف قرأتها فی مكان مخصوص اولم يعين له مكانا اولان يصلی نوافل اولان يسبح اى يقول له سبحان الله كذا كذااوكان يهلل اولان يصلی اواطلق فی ذلك كله ولم يذكر عدداويعطی ثوابها لروح الواقف اولروح من ارداه واصل المسئلة صحيح فيمن قرأ القرآن اوسبح اوهلل اوصلی كذا ركعة واهدی ثواب ذالك لفلان الحی اوالميت قال الوالدؒ فی شرحه علی شرح الدرر فی بيان الحج عن الغير علم ان الإنسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰةً اوصوماً او صدقة او قراءة قرآناً اوذكرا اوطوافا او حجاً اوعمرة او غير ذلك عند اصحابنا كذا فی البحراما قوله عليه الصلوٰة والسلام لا يصلی احد من احدو لايصوم احد عن احد فهو فی حق الخروج عن العهدة لا فی حق الثواب فان من صام اوصلی اوتصدق وجعل ثوابه لغيره للأموات والأحياء جاز ويصل اليهم ثوابه عند اهل السنة والجماعة كذا فی البدائع ثم فی البحر وبهذا علم انه لا فرق بين ان يكون المجعول له ميتا اوحيا والظاهر انه لا فرق بين ان ينوی به عندالفعل للغير اويفعله لنفسه ثم بعد ذلك يجعل ثوابه لغيره لإ طلاق كلامهم ولم ارحكم من اخذ شيئا من الدنيا فيجعل شيئا عبادته للمعطی و ينبغی ان لا يصح ذلك قال الوالدرحمه الله ففيه نظربل إطلاق ما سبق

يقتضى الصحة انتهى ووجهه ان اخذ الدراهم صدقة من المعطى، واخذ الصدقة لا يمنع الثواب للمعطى ووجه الاول فى المتن ان ثواب العبادة لايدخل تحت عقد البيع لان ذلك مخصوص بالاعواض الدنيوية بهذا السبب يبطل الوقف المشروط فيه ذلك لان بدل اخذ المعلوم من الوقف فى مقابلة فعل الشرط الذى شرطها الواقف فهو كالبيع للثواب وان اعتبرنا وجه كو نه صدقة على من يقرأ الواقف القرآن او يصلى له الى اخره لاان ذلك المعلوم عوض عن تلك القربة و ثمن لثوابها ولكنه بمنزلة ما اذاكان الواقف على امام الجامع او الخطيب ونحوذلك فانها شروط على من اتصف بذلك فهى صدقة من الواقف على صاحب هذه الوصف المذكور لان الوقف ليفعل الموقوف عليه ذلك فى مقابلة اخذه للمعلوم المعين له ومنها الوصية باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته او بعدها و باعطاء دراهم معدودة لمن يطلب القرآن لروحه اويسبح له او يهلل اوبان يبيت عند قبره اربعين ليلة اواكثر اواقل اوبان يبنى على قبره بناء وكل هذه بدع منكرة اى انكرها الشرع لمخالفتها لمقتضاه حيث اشتملت على بيع ثواب الطاعة واخذ الشيئى من الدنيا فى مقابلته والوقف والوصية باطلان والماخوذ منهما حرام للاخذ وهوعاص بالتلاوة والذكر لاجل الدنيا والمفهوم منه ان الذى ياخذ ذلك لوتلى القرآن اوذكرالله تعالى اوصلى كذاركعة اوهلل اوكبرو نحو ذلك من انواع القربات لالاجل ماياخذه من المعلوم المعين له فى الوقف لمن فعل ذلك بل لوجه الله تعالى واخذ المعلوم صدقة عليه من الواقف جاز وصح الوقف حيئذٍ وهوماذهبنا اليه فيماتقدم فى حق جميع الوظائف فى الأوقاف كلها وليس الامر مخصوصاً لهذا النوع منهما انتهى۔ حدیقۃ الندیہ شرح طریقہ محمدیہ۔ ۱۲ عالمگیری کی عبارت یہ ہے واختلفوا فى الإستيجار على قراء ة القرآن على القبر مدة معلومة قال بعضهم يجوز كذا فى سراج الوهاج جلد ثالث فى كتاب الاجارة ص ۱۱۳۵ ۔ ردالمحتار میں اس عبارت کی توجیہ علیٰ قرأۃ القرآن کی جائے پر علیٰ تعلیم قراءۃ القرآن کی ضرور ہے کہا ہے ورنہ جمیع فقہاء کی تصریح کا خلاف ہی کہا ہے۔

مدارس کے فاضل مولوی صاحب صورۃ جواز کی اس طرح ترقیم فرماتے ہیں۔نزدفقہاءمتقدمین

حنفیہ اجارہ عبادات باطل ست لیکن متاخرین دراذان وامامت وتعلیم قرآن وغیرہ جائز داشتہ اند امامت شامل میشود امامت نماز پنجگانہ وعیدین وتراویح راوبراخراج امامت تراویح راوبراخراج امامت تراویح راوبراخراج امامت تراویح سندے یافتہ نمی شود وانچہ فقہاء درتعلیل جواز تعلیم قرآن میگویند کہ لظهور التوانی فی الامور الدینیة ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن درامامت تراویح نیز جاری میشود کہ برائے امامت تراویح قرآن راخوب حفظ می کنند وبدون حفظ جید امامت آں نمی توانند ومعاینہ می شود کہ حفاظے کہ امامت تراویح نمی کنند یا ترک کردہ اندرحفظ آنہا قصور می باشد پس از مانع جواز شوند ہرگز امامت تراویح نخواہند کرد وقصور درحفظ قرآن خواہند شد بلکہ ترک حفظ خواہند نمود ایں وقتیست کہ امامت براجارہ واقع شود لیکن اگر اجارہ برامور دیگر ورائے امامت واقع شود وامامت ضمناً واقع شود عدم جوازش وجہے ندارد ودرفتویٰ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ واقع شدہ است قاعدۂ اجارہ آن است کہ برشئے واجب ومندوب منعقد نمی شود تعلیم قرآن فرض کفایہ است ومندوب علی العین پس محل اجارہ نیست آرے درخانہ کسے رفتن وازصبح تا شام نشستن واطفال اوراشبانی کردن فعلیست ورائے تعلیم کہ براں اجارہ منعقد می تواند شد انتہی۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب اجارے کی دوقسم کر کے دوسرے جہت میں تعمیم کا خیال ہے۔ واللہ اعلم اور بھی اسی فتوے میں ہے واگر درمیان آنہا عقد اجارہ واقع نشود گوکہ بقاعدۂ المعروف کالمشروط محمول براجارہ خواہد شد لیکن دراں وقت نیت معاوضہ نداشتہ نیت صلہ وصدقہ دارد براجارہ محمول نتواند شد خصوصاً اگر تصریح کند ایں روپیہا بطور صلہ وتبرع است عبارت حدیقۃ الندیہ برہمیں محمولست ودرفتاویٰ عزیزیہ واقع شدہ است شخصے طلب علم دینی یا حفظ قرآن یا اشتغال بطاعت دیگر میخواہد لیکن ازراہ تنگدستی وفقدان وجہ معاش فراغت اشتغال بایں امور ندارد ومردے دیگر صاحب مایہ ذمہ دار ووجہ قوت اوشود تا بفراغ بال مشغول بطاعت گردد دریں صورت ہردو راجر کامل برہر طاعت اوحاصل میشود وقال تعالیٰ للفقراء الذین احصروا الخ واعانت برطاعت کہ درحدیث جابجا ممدوح واقع شدہ ہمین است لیکن ایں را اجرت گفتن مجازست۔ انتہیٰ واللہ اعلم۔؟

الجواب۔ قاعدہ کلیہ فقہیہ ہے کل طاعة یختص بها المسلم لا یجوز الاستیجار علیها عندنا اوردلیل نقلی اس کی یہ ہے۔ لقولہ علیہ السلام اقرؤا القرآن ولا تاکلوا به اور عقلی یہ ہے لان القربة متی حصلت وقعت عن الحاصل ولهذا تتعین اهلیته فلایجوز له اخذ الاجرة من غیره کما فی الصوم والصلوة هکذا فی الشامیة المجلد الخامس ص ۵۲ اور متاخرین نے چند فروع کو اس کلیہ سے استحساناً بعلت ضرورت بقاء وحفظ

شعائر دین مستثنیٰ ومخصوص کرلیا ہے فی الدرالمختار باب الإجارة الفاسدة ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه والإمامة والاذان اه فی ردالمحتار وقد ذکرنا مسئلة تعلیم القرآن علی استحسان اه ۔ یعنی للضرورة آه جلد ۵ ص ۵۳۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل مذہب حرمۃ استیجار علی الطاعۃ ہے اور استثناء بعض فروع کا خلاف اصل مذہب بعلت ضرورۃ مذکورہ ہے ۔پس ماسواء فروع مذکور کے بقیہ طاعات کا حکم اپنی اصل پر رہے گا۔ قال فی الشامیة ۔بعید العبارة الاولی المذکورة وقد اتفقت کلمتهم جمیعاعلی التصریح باصل المذهب من عدم الجواز ثم استثنوا بعده ماعلمته فهذا دلیل قاطع وبرهان ساطع علی ان المفتی به لیس هو جواز الاستیجار علی کل طاعة بل علی ماذکروه فقط مما فیه ضرورة ظاهرة تبیح الخروج عن اصل المذهب من طرد المنع فان مفاهیم الکتب حجة ولو مفهوم لقب علی ماصرح به الاصولیون بل هو منطوق فان الاستثناء من ادوات العموم کما صرحوا به ایضاً اه۔

عبارت ہذا سے معلوم ہوا کہ ختم فی التراویح کی تصریح بہ خصوصیت نہ پایا جانا (اگر مسلم ہو) مضر حکم حرمۃ استیجار نہیں کیونکہ اولاً مفہوم مخالف روایات فقہیہ میں حجۃ ہے ثانیاً بوجہ عموم صدر کلام کے ماسوی المستثنیٰ کو اس ختم علی الاجرت کی حرمۃ منطوق ومنصوص ہے چنانچہ عبارت مذکورہ آنفاً اس پر دال ہے اور اگر قواعد کلیہ کے بعد بھی ہر جزئی کی تصریح خصوصیت کے ساتھ ضروری ہوا کرے تو کسی مسکر جدید الترکیب کی حرمۃ پر کل مسکر حرام سے استدلال جائز ہوگا وہو باطل دوسری تلاوۃ لایصال الثواب جس کی حرمۃ استیجار بالخصوص مصرح ہے اس کی تعلیل میں حرمۃ کی تقریر میں علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں فرمایا ہے۔

ویمنع القاری للدنیا والآخذ والمعطی اثمان فالحاصل ان ماشاع فی زماننا عن قراء ة الاجزاء بالاجرة لایجوز لان فیه الامر بالقراة واعطاء الثواب للامر والقراء ة لاجل المال فاذالم یکن للقاری ثواب لعدم النیة الصحیحة فاین یصل الثواب الی المستاجر لولاالاجرة ماقرأ احد لاحد فی هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسباووسیلة الی جمع الدنیا اناالله وانا الیه راجعون اه کذا فی الشامیة ص ۵۳ من المجلد الخامس ۔

اور ظاہر ہے کہ یہ علت ختم فی التراویح میں جاری ہے۔ پس اشتراک علت سے یہ ختم بھی

بالخصوص مصرح ہوگیا کیونکہ ختم تراویح میں بھی مقصود ثواب ہی ہے ورنہ فی نفسہ شعائر دین سے نہیں اور لوگوں نے اس کو مکسبہ بنالیا ہے پس اشتراک علت ثابت ہوگیا۔ بہرحال خصوصاً لیا جاوے یا منطوقاً ہر طرح سے حرمت استیجار علی الختم ثابت ہوگئی اور اس سے زائد تصریح نہ ہونے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ اس وقت رسم فاسد نہ ہوگی ہر مصنف اپنے زمانہ کے مفاسد پر تنبیہ کیا کرتا ہے لیکن جب دلیل حرمۃ کی قائم ہے تو ثبوت حکم متیقن ہے اب باقی رہا جواب توجیہات جواز کا۔ سو جواز ہذا الختم کے لئے ضرورت کی یہ تقریر جو سوال میں مذکور ہے محض فاسد ہے جس کا منشاء سوء تدبر ہے اور بناء برضرورت مزعومہ کے اس کو تعلیم قرآن پر قیاس کرنا بناء الفاسد علی الفاسد ہے کیونکہ تعلیم قرآن خود باعتبار اصل وضع کے موقوف علیہ ہے تعلم کا جو موقوف علیہ ہے حفظ کا پس بحسب اس قاعدہ کے کہ موقوف علیہ کا موقوف علیہ موقوف علیہ ہوتا ہے تعلیم موقوف علیہ ہے حفظ کا اور باعتبار عارض عادۃ کے یہ تعلیم موقوف ہے اخذ اجرت موقوف علیہ ہوا حفظ کا، بخلاف ختم مقیس کے کہ وہ باعتبار اصل کے موقوف علیہ نہیں ہے حفظ کا بلکہ معاملہ بالعکس ہے کہ خود حفظ موقوف علیہ ہے ختم کا۔ چنانچہ بدیہی ہے پس حفظ کا توقف ختم پر ثابت نہ ہوا غایت مافی الباب ختم بواسطہ حفظ کے موقوف ہوا تو اس اجرت پر جو بعوض تعلیم لی جاتی ہے سو اس کا جواب مفتیٰ بہ ہے اور ختم بلا واسطہ حفظ کو اسی اجرت پر موقوف ہے جو بمقابلہ ختم لی جاتی ہے لیکن تعلیم پر قیاس اس لئے جائز نہیں کہ ختم مثل حفظ کے مہمات دین سے نہیں چنانچہ فقہاء نے اس کے سنت ہونے کی تصریح کی ہے بلکہ یہ بھی کہدیا ہے کہ اگر قوم پر ختم ثقیل ہو تو اس کا ترک افضل ہے۔

فی الدرالمختار وردالمحتار والختم مرة سنة ولا يترک لکسل القوم لکن فی الاختيار الافضل فی زماننا قدر مالايثقل عليهم واقره المصنف وغيره الی قوله ومن لم يکن عالما باهل زمانه فهو جاهل قوله الافضل فی زماننا لان تکثير الجمع افضل من تطويل القراءة الی قوله ولهذا قال فی البحرفالحاصل ان المصحح فی المذهب ان الختم سنة لکن لايلزم منه عدم ترکه اذالزم منه تنفير القوم و تعطيل کثير من المساجد خصوصاً فی زماننا فالظاهر اختيار الاخف علی القوم (مجلداول ص ۴۷۹)

ان روایات سے اس کا ضروریات دین سے نہ ہونا ظاہر ہے پس جب ختم ضروریات سے نہ ہوا تو اس کا توقف جس اجرۃ پر بعارض عادت مثبت و مسلم ہو اس کا جواز علت ضرورۃ سے کیسے ثابت ہوسکتا ہے بلکہ ایسی حالت میں اس ختم ہی کا اہتمام چھوڑ دیا جاوے گا چنانچہ قاعدۂ فقہیہ

مقررہ ہے۔ اذا تردد الحکم بین سنة وبدعة کان ترك السنة راجحا علی فعل البدعة کذا فی الشامیة المجلد الاول ص ۶۷۱ ۔ پس جب اس سنت کے اداء سے ایک بدعت کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے تو اس سنت ہی کو ترک کردیں گے اور اگر کوئی شخص توقف حفظ علی الختم الموقوف علی الاجرة کی یہ توجیہ کرے کہ مراد توقف الحفظ علی تصور الختم بالاجرة وتوقعه ہے سو اولاً اس عادت کا فاشی اور شائع ہونا غلط ہے۔ ثانیاً تحصیل قرآن وحفظ کے وقت اکثر محصلین کو اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا اسی طرح اگر یہ توجیہ کی جاوے کہ بدون اجرت کے ختم نہ کریں گے اور بدون ختم کے محفوظ نہ رہے گا سو اس کا بھی اولاً عادت فاشیہ ہونا غلط ہزاروں بندگان خدا سامعین کو دے کر اپنے بقاء حفظ کیلئے پڑھتے ہیں۔ ثانیاً یہ توقف دونوں توجیہوں میں باعتبار اصل وضع کے نہیں ہے جیسا تعلیم میں تھا بلکہ اپنی سوء طمع سے ہے اگر اس کا اعتبار کیا جاوے تو صوم وصلوٰۃ میں بھی اگر کسی زمان یا مکان میں اشتراط اجرت ہونے لگے اور بدون اس کے کوئی نہ پڑھے تو چاہئے کہ اسی تقریر سے وہاں بھی اخذ اجرت کے جواز کا حکم کردیا جاوے۔ وھو باطل بالإجماع والتنصیص من الشارع والفقھاء اور تعلیم میں اس عادۃ کا اعتبار اس لئے کیا کہ تعلیم میں اس قدر مشغولی ہوتی ہے کہ دوسرے طریق سے اکتساب معاش نہیں کرسکتا اور ہر شخص فارغ البال ومرفہ الحال نہیں بخلاف ختم متنازع فیہ کے کہ اس سے معیشت کے دوسرے طرق مختل نہیں ہوتے اس لئے عادۃ متعلقہ تعلیم شرعاً معتبر ومخفف حکم ہوگی اور عادۃ متعلقہ ختم معتبر ومخفف حکم نہ ہوگی فافہم۔ اسی طرح اس ختم کو باب امامت میں داخل کرنے کا دعویٰ اور اس بنا پر اس کو مستثنیٰ سمجھنا محض باطل ہے کیونکہ ختم نہ عین امامت ہے نہ اس کا موقوف علیہ جزئیۃً یا لزوماً ہے کیوں کہ امامت بلاختم بھی متحقق ہوتی ہے کما ھو مدرك بالحس پس دعویٰ استثناء کی اس بناء پر گنجائش نہ ہوئی اور شاہ صاحبؒ کے فتوے اولیٰ کو اس سے کچھ بھی مس نہیں کیونکہ یہ توجیہ جس کی مخصوص ہے صورۃ ضرورۃ کے ساتھ اور جہاں ضرورۃ مذکورہ نہ ہو وہاں یہ تاویل مقبول نہیں ورنہ طاعت کی ایک فرد بھی نہ رہے گی جس پر حرمت استیجار کا حکم کیا جاوے کیوں کہ یہ تاویل ہر جگہ چل سکے گی علیٰ ہذا فتویٰ ثانیہ کو اس سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ اعانۃ علی الطاعۃ اور چیز ہے گو اس کو مجازاً اجرت کہا جاوے اور اجرت علی الطاعۃ اور چیز ہے اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ اس وقت جو رسم ہے وہ حقیقۃً اجرت ہے کما ھو ظاھر وسیائی قرینته عن الإمام الاستاذ و نیز اجرت کو ماؤل باعانت کرنا معلل ہے ضرورت کے ساتھ اور یہاں ضرورت نہیں کمامر اور یہ تاویل کہ یہ حسبۃً للہ پڑھتے ہیں وہ حسبۃً للہ دیتے ہیں الخ بالکل انکار

حسیات اور تاویل العمل بمالا یرضیٰ بہ العامل ہے جو شخص ان فاعلین کے معاملہ کو دیکھے گا اس کو ہر گز شبہ نہ رہے گا کہ مقصود اصلی اجرۃ ہے اور ایسی تصریح کہ فعل کے خلاف ہو اور متعاقدین کے نزدیک غیر مقصود ہو ہزل محض ہے جو شرعاً بجز مستثنیات معدودہ کے قابل اعتبار نہیں۔ قال الإمام الاستاذ لایطیب والمعروف کالمشروط اھ قلت وھذا مما یتعین الاخذبہ فی زماننا لعلمھم انھم لایذھبون الاباجرالبتۃ کذا فی الشامیۃ المجلد الخامس صفحہ ۵۲ فی تقریر مسئلۃ اخریٰ اوردناھا احتجاجاً بالعلۃ اور بعض بزرگوں سے جو یہ توجیہ نقل کی گئی ہے ان کے زمانے میں ممکن ہے کہ نیات میں اس قدر فساد نہ ہوگا ورنہ اس توجیہ کا غیر مقبول ہونا ظاہر و باہر ہے اور حدیقہ میں جو بحر کی عبارت منقول ہے اسکی نسبت شامی میں رداً منقول ہے وقد اغتربما فی الجوھرۃ صاحب البحر فی کتاب الوقف وتبعہ الشارح فی کتاب الوصایاحیث یشعر کلامھما بجوازالاستیجار علی کل الطاعات ومنھا القراء ۃ وقد ردہ الشیخ خیر الدین الرملی فی حاشیۃالبحر فی کتاب الوقف حیث قال اقول المفتی بہ جواز الاخذ استحساناً علی تعلیم القرآن لاعلی القراء ۃ المجردۃ کما صرح بہ فی التاتارخانیہ الخ (جلد خامس صفحہ ۵۳) اور حسب قواعد رسم المفتی چونکہ یہ قول مرجوح ہے لہذا اس پر عمل جائز نہ ہوگا اور عالمگیری میں جو عبارت ہے اس کے متعلق علامہ شامی نے لکھا ہے والصواب ان یقال علی تعلیم القران فان الخلاف فیہ کما علمت لا فی القراء ۃ المجردۃ فانہ لاضرورۃ فیھا فان کان مافی الجوھرۃ سبق قلم فلا کلام وان کان عن عمدفھومخالف لکلامھم قاطبۃ فلا یقبل وقد اطنب فی ردہ صاحب تبیین المحارم مستندا الی النقول الصریحۃ الی اٰخرقال ۔ (جلد خامس صفحہ ۵۲۔) اسی طرح بعض نے جواز القرأۃ علی القبر سے جواز استیجار پر استدلال کیا ہے اس کی بھی تغلیط محققین نے کی ہے ۔ قال الشامی وفیہ ردایضاً علی صاحب البحر حیث علل البطلان بانہ مبنی علی القول بکراھۃ القران علی القبر ولیس کذلك بل لما فیہ من شبھۃ الاستیجار علی القراء ۃ کماعلمت وصرح بہ فی الاختیاروغیرہ ولذاقال فی الوالحیۃ مانصہ ولوزارقبر صدیق اوقریب لہ وقرء عندہ شیئاً من القرآن فھوحسن اما الوصیۃ بذلك فلا معنی لھا ولا معنی ایضاً لصلۃ القاری لان ذلك یشبہ استیجار علی قراء ۃ القران وذلك باطل ولم یفعل ذلك احد من الخلفاء اھ (جلد خامس

صفحہ ۵۳) ایک مقام پر شامی نے کہا ہے و لاضرورة فی استیجار شخص یقرأ علی القبر او غیرہ اھ (جلد خامس صفحہ ۲۷۷) اس غیرہ کے لفظ میں غیر قرأۃ علی القبر بھی داخل ہے جو تراویح کو بھی شامل ہے۔ حاصل جواب یہ ہوا کہ رواج مذکور فی السوال محض باطل اور مخالف شرع ہے اور ایسا ختم ہرگز موجب ثواب نہیں بلکہ موجب معصیت ہے۔ واللہ اعلم۔
۴ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۴۰ ج ۱)

حکم استماع قرآن در تراویح از حافظ اجیر بطریق مختلفہ

سوال (۴۰۶) سلام مسنون۔ سوالات ذیل بطور استفتاء روانہ خدمت ہیں جواب باصواب سے جلد مطلع فرمائیے۔

(۱) اس قصبہ میں عام طور سے اکثر مساجد میں نماز تراویح باجماعت تمام رمضان المبارک ہوتی ہے لیکن حافظ جو ان تراویحوں میں امام بن کر ختم کلام شریف کرتے ہیں بدون عوض نقدی نہیں ملتے۔

(۲) حفاظ کو معاوضہ دینے کی یہاں دوصورتیں رائج ہیں کہ اکثر تو قبل شروع تراویح معاملہ صاف صاف کر لیتے ہیں لیکن زیادہ تعداد ایسے حافظوں کی ہے جو تعیین عوض نہیں کرتے بلکہ جس روز کلام شریف ختم ہوتا ہے مقتدیان نماز تراویح بطیّب خاطر و برغبت حافظ صاحب کو نقدی ۸ ر پیش کرتے ہیں جس کو حافظ صاحب حلوائے بے دود کی طرح ہضم کر جاتے ہیں۔

(۳) ایک صورت یہ بھی مستعمل ہے کہ محلّہ کا رئیس یا کوئی ذی مقدرت شخص ایک حافظ کو محض ختم کلام شریف کے واسطے اپنی مسجد میں متعین کرتا ہے اور اس کی خدمت نقدی معاوضہ سے اپنی جیب خاص سے پوری کرتا ہے مقتدیوں کو کچھ نہیں دینا پڑتا ہے۔

(۴) رسالہ اصلاح الرسوم مؤلفہ آں مخدوم کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ طاعت الٰہی پر اجرت نہیں ہے۔ لہٰذا اسئلہ بالا میں کونسی صورت بغرض جواز اقتداء امام ماجور اختیار کی جاسکتی ہے

(۵) جبکہ حفاظ ماجور کی وبا عالمگیر ہو تو محض بیس رکعت نماز تراویح باجماعت جن میں چند سورتیں کلام پاک کی پڑھ لی جایا کریں افضل اور انسب ہے بہ نسبت اقتداء ان حفاظ ماجور کے۔

(۶) اگر حفاظ صاحب سے نہ قبل از تراویح معاملت کی جاوے اور نہ اختتام کلام پاک پر ان کو اجرت دی جاوے بلکہ تمام سال کے اندر بغیر تعین تاریخ ان کی کما حقہ نقدی سے خدمت

کردی جاوے تو کیا یہ نقدی معاوضہ لینا حافظ کو جائز ہے اور ایسے حافظ کی اقتداء کی جاسکتی ہے۔

(۷) ایک محلّہ میں نماز تراویح باجماعت پڑھی جاتی ہے لیکن اس میں ختم کلام شریف حسب رواج نہیں ہوتا لیکن صرف الم ترکیف سے آخر تک کی سورتیں پڑھی جاتی ہیں۔بس ان دو شخصوں میں سے کس کا فعل افضل ہے آیا اس شخص کا جو اپنے محلّہ کی ایسی نماز تراویح میں شریک ہوتا ہے یا دوسرے شخص کا جو دوسرے محلّہ میں کرایہ دار حافظ کے پیچھے اقتداء کر کے ختم کلام شریف پر فخر کرتا ہے۔

(۸) اگر کسی شہر میں حسن اتفاق سے کسی خاص مسجد میں کوئی حافظ محض بہ نیت ثواب بلا کسی معاوضہ نقدی کے کلام پاک نماز تراویح میں ختم کرتا ہے تو ایسی حالت میں دوسری مساجد میں نماز تراویح صرف الم ترکیف سے باجماعت قائم کرنا جائز ہے یا نہیں۔(۱) جبکہ وہ مسجد اس محلّہ میں نہ ہو۔(۲) جبکہ وہ مسجد دوسرے محلّہ میں ہو۔؟

الجواب۔ چونکہ تراویح میں قرآن سننا منجملہ مقاصد دینیہ ہے اور سلف سے اس کا اہتمام متوارث ہے اور وہ آج کل بوجہ فساد زمان کے مخلص ختم سنانے والوں سے کم میسر ہوتا ہے اگر ایسے حفاظ کے ساتھ قرآن نہ سنا جاوے تو یقیناً بعض مقامات پر بعض لوگ عمر بھر استماع ختم قرآن سے محروم رہیں۔اس لئے سننے والوں کو مضطر سمجھا جاوے گا اور شرعی قاعدہ ہے کہ اضطرار جالب تیسیر ہے اس لئے اگر ممکن ہو تو ان سننے والوں کے حق میں اس فعل کی کچھ تاویل کرنا مناسب ہے اور یہاں یہ تاویل (۱) ممکن ہے کہ اس اجرت کو (خواہ وہ مشروط ہو یا معروف ہو کہ وہ بھی حکم مشروط میں ہے) بمقابلہ امامت کے کہا جاوے گا جس کو متاخرین نے جائز رکھا ہے اور چونکہ ختم سنانے والا مضطر نہیں ہے اس کے حق میں اس تاویل کا اعتبار نہ کیا جاوے گا پس اس کے حق میں یہ اجرت بحالہا نادرست رہے گی۔اس تقریر سے سب سوالوں کا جواب ہو گیا اگر کسی خاص صورت پر اس کا انطباق ظاہر نہ ہو تو مکرر پوچھ لیا جاوے۔(مگر یہ پرچہ بھی واپس آوے)۔

۸؍رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ۲ ص ۱۱۶)

---

(۱) اس کے بعد ۱۰؍رمضان ۱۳۳۲ھ کو ایک فتویٰ اس کے علی الاطلاق ممنوع ہونے کا لکھا گیا ہے جس میں بناء تاویل کا جواب بھی ہے اور وہ بناء اس ختم کا مقاصد دینیہ سے ہونا ہے اور وہ جواب جو کہ خلاصہ ہے اس فتوے کا یہ ہے کہ جہاں فقہاء نے ایک ختم کو سنت کہا ہے جس سے ظاہراً سنت مؤکدہ مراد ہے۔وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں لوگوں پر ثقیل ہو وہاں الم ترکیف سے پڑھ دے۔پس جب تقلیل جماعت کے محذور سے بچنے کے لئے اس سنت کے ترک کی اجازت دیدی تو استیجار علی الطاعۃ کا محذور اس سے بڑھ کر ہے اس سے بچنے کے لئے کیوں نہ کہا جاویگا کہ الم ترکیف سے پڑھ لے آہ۔چونکہ یہ فتویٰ بعد کا ہے مجیب کے نزدیک عمل کے لئے یہی متعین ہے باقی فتویٰ سابق کا نقل کر دینا اس خیال سے ہے کہ دوسرے اہل علم بھی دونوں جوابوں کی بناؤں پر غور فرمالیں اور جو راجح ہو اس پر فتویٰ دیں ممکن ہے کہ مجیب احقر کی نظر قاصر رہی ہو ۱۲ منہ عفی عنہ

توضیح مسئلہ مذکورہ از ترجیح الراجح ص ۲۳۴

حوادث الفتاویٰ ۱۳۳۱ھ ص ۱۱۸ میں استماع قرآن من الحافظ الأجیر کا مسئلہ ہے اس کی سطر ۹ پر ایک حاشیہ[1] ہے وہ ملاحظہ فرمالیا جاوے اور تتمۂ ثانیہ امدادالفتاویٰ ص ۱۶۲ میں بھی اس مسئلہ[2] کی تحقیق ہے اس کو بھی دیکھ لیا جاوے۔(ترجیح ثالث ص ۲۳۴)

سوال (۴۰۷) حافظ جو تراویح میں سنائے اس کو دینا بھی جائز ہے یا لینا دینا دونوں ناجائز۔(۲) اور اگر بلا اجرت حافظ نہ ملے تو اجرت پر مقرر کرے یا الم ترکیف سے تراویح پڑھ لے۔(۳) اور جب امامت پر اجرت جائز ہے تو تراویح میں ایک قرآن بھی تو سنت مؤکدہ ہے اس پر اجرت کیوں ناجائز ؟

الجواب۔(۱) میں تو ناجائز سمجھتا ہوں۔

(۲) میں تو الم ترکیف سے بتلا دیتا ہوں۔

(۳) جہاں فقہاء نے ایک ختم کو سنت کہا ہے جس سے ظاہراً سنت مؤکدہ مراد ہے وہاں پر یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں لوگوں پر ثقیل ہو وہاں الم ترکیف وغیرہ سے پڑھ دے پس جب تقلیل جماعت کے محذور سے بچنے کے لئے اس سنت کے ترک کی اجازت دیدی تو استیجار علی الطاعۃ کا محذور اس سے بڑھکر ہے اس سے بچنے کے لئے کیوں نہ کہا جاوے گا کہ الم ترکیف سے پڑھ لے اور اسی سے نمبر ۱ و ۲ کی وجہ بھی معلوم ہوگئی ہوگی۔ ۱۰ رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۶۲)

ابطال حیلہ برائے استیجار بر ختم در تراویح

سوال (۴۰۸) اگر زید کو کوئی شخص بغیر اجرت طے کئے ہوئے اپنی خوشی سے دس پانچ روپیہ دیوے یا ایک ماہ کے لئے امام مقرر کرکے کچھ اجرت دیوے اس طور سے عندالشرع اجرت حلال ہوگی یا نہیں اور امامت کی صورت میں تو حلال ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں معلوم ہوتا کیونکہ علماء متاخرین نے امامت کی اجرت پر فتویٰ دیا ہے آپ کی کیا رائے ہے تفصیل وار تحریر کیجئے۔

الجواب۔ یہ جواز کا فتویٰ اس وقت ہے جب امامت ہی مقصود ہو حالانکہ یہاں مقصود ختم تراویح ہے اور یہ محض ایک حیلہ۔ دیانات میں جو کہ معاملہ فی مابین العبد وبین اللہ ہے حیل مفید

---

(۱) یہ حوالہ سوال بالا حاشیہ نمبر ا کے متعلق ہے ۱۲۔

(۲) یہ سوال نمبر ۴۰۷ ہے جو اس کے بعد درج کردیا گیا ہے ۱۲ مصحح

جواز واقعی کو نہیں ہوتے لہٰذا یہ ناجائز ہوگا۔　۶؍شوال ۱۳۳۳ھ

اکیلے تراویح اور تہجد میں قرأت جہریہ

سوال (۴۰۹) اسی طور پر جب اکیلا تراویح اور تہجد میں بھی پڑھتا ہو تو قرأت جہر سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ پڑھ سکتا ہے و دلیله مامر۔ ۶؍شوال ۱۳۳۷ھ

فیصلہ ومحاکمہ درمیان دوفتویٰ مختلف متعلق شبینہ متعارفہ

حکم شبینہ

سوال (۴۱۰) حامداً ومصلیاً۔ دونوں فتوے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ درحقیقت دونوں میں اختلاف لفظی ہے کیونکہ حکم جواز کا متعلق نفس عمل کے بشرط خلومن المفاسد کے ہے اور حکم منع کا درصورت لزوم واقتران مفاسد کے ہے۔ اور دونوں حکم صحیح ہیں اور حکم واقعی نہایت ظاہر ہے اگر مفاسد نہ ہوں تو جائز ہے اور اگر مفاسد ہوں تو جائز نہیں۔ اب صرف یہ امر باقی رہ گیا کہ آیا اس وقت مفاسد غالب ہیں یا نہیں۔ سو یہ امر متعلق ہے مشاہدہ کے اور بنظر انصاف مشاہدہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ مفاسد غالب ہیں مثلاً اگر تراویح کے بعد یہ عمل ہو تو نفل کی جماعت مجمع کثیر کے ساتھ ہونا جو کہ مکروہ ہے اور اگر تراویح میں ہو تو امام کو جو تخفیف صلوٰۃ کا حکم ہے اس کی مخالفت لازم آنا اور قراء کا ترتیل وتجوید کو جلدی کی وجہ سے ترک کرنا اور اکثر فخر ونمود کا قصد ہونا اور کہیں عوض مالی کی امید ہونا اور سامعین کا اکثر استماع قرآن کے آداب کو ضائع کرنا و مثل ذلك مما يطول ذكره اور قاعدۂ فقہیہ ہے کہ جس امر جائز بلکہ مندوب میں جو کہ شرعاً اہتمام کے ساتھ مطلوب نہ ہو مفاسد کا غلبہ ہو اس کو ترک کردیا جاتا ہے خواہ وہ مفاسد فاعلین کے اعتبار سے ہوں یا دوسرے عوام ناظرین کے اعتبار سے ہوں۔ اس لئے اس زمانہ میں اس عمل کا ترک کرنا مناسب بلکہ کہیں کہیں واجب ہے۔ روایات ذیل اس تقریر کی مؤید ہیں۔

في الدرالمختار مكروهات الصلوة وتركها اى قلب الحصى اولى في ردالمحتار لانه اذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة راجحا على فعل البدعة اهـ وفى الدرالمختار الأفضل فى زماننا قدر مالايثقل عليهم وفيه اى يكره ذلك (اى النفل بالجماعة) لوعلى سبيل التداعى بان يقتدى اربعة

بواحد الی قوله وفی الاشباه عن البزازية يكره الاقتداء فی صلاة رغائب وبراء ة وقدروبعيدهذاولاينبغی ان يتكلف كل هذاالتكلف لامرمكروه فی ردالمحتار تحت هذا القول فلوترك امثال هذه الصلوة تارك ليعلم الناس انه ليس من الشعائر فحسن اھ ظاهره انه بالنذر لم يخرج عن كونه اداء النفل بجماعة و فی الدرالمختار بحث سجدة الشكر لان العامة يعتقد ونها سنة اوواجبة وكل مباح يودی اليه فمكروه اه و فی هكذا كفاية ان شاء الله تعالی لمن كان له قلب او القی السمع وهو شهيد ۔ والله تعالی اعلم بحقائق الامور ۔ فقط

۱۹؍رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد ص۹۱ ج۱)

سوال (۴۱۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلام مجید شب بھر میں ختم کرنا جس کو عرف میں شبینہ کہتے ہیں خواہ ایک حافظ صرف ختم کرے خواہ چند حفاظ جمع کر کے پورا کریں جائز ہے یا نہیں حسب الشرع موافق مذہب حنفیہ بیان فرماؤ مع سند عبارت فقہاء وغیرہم بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ ظاہر حدیث سے ممانعت معلوم ہوتی ہے کہ تین روز سے کم میں قرآن ختم کیا جاوے۔ فی المشكوة عن عبدالله بن عمروان رسول الله ﷺ قال لم يفقه من قرأالقران فی اقل من ثلث رواه الترمذی و ابوداؤد والدارمی ۱۲ اسی بنا پر بعض علماء نے اس شبینہ کو مکروہ فرمایا ہے لیکن عادت سلف کی ختم قرآن میں مختلف منقول ہوئی ہے حتیٰ کہ بعض بزرگوں نے ایک شب وروز میں تین ختم کئے اور بعض نے آٹھ ختم کئے اس لئے مطلقاً تین روز سے کم میں ختم کرنے کو مکروہ کہنا نامناسب ہے بلکہ اقرب الی التحقیق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر شبینہ میں قرآن صاف صاف پڑھا جاوے اور حفاظ کو ریا مقصود نہ ہو کہ فلاں نے اس قدر پڑھا اور فلاں نے اس قدر۔ اور جماعت کسل مند نہ ہو اور حاجت سے زیادہ روشنی میں تکلف نہ کریں اور تراویح میں پڑھیں اور قصد حصول ثواب کا ہو جائز ہے (۱) اور حدیث مذکور کے معارض نہیں کیونکہ علت منع عدم تفقہ ہے اور جب ایسا صاف پڑھا جائے کہ تفقہ وتدبر ممکن ہو تو ممنوع نہیں۔ چنانچہ عادت بعض سلف کی تحریر ہو چکی یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ ان کے فعل کو مکروہ کہیں چنانچہ حدیث مذکورہ کے حاشیہ پر مرقوم ہے۔

ظاهره المنع من ختم القران فی اقل من هذه المدة ولكنهم قالوا قداختلف عادات السلف فی مدة الختم فمنهم من كان يختم فی كل شهرين ختمةً وآخرون

(۱) یہ حکم ہے فعل کا فی نفسہ لیکن ہمارے زمانہ میں مفاسد عادتاً مثل لازم کے ہو گئے ہیں لہٰذا منع ہی کرنا امر ہے ۱۲ منہ۔

ثی کل شهر و فی کل عشر و فی اسبوع الی اربع و کثیرون فی ثلٰث و کثیرون فی یوم ولیلة و جماعة ثلٰث ختمات فی یوم ولیلة و ختم بعض ثمانی ختمات فی یوم و للیة والمختار انه یکرہ التاخیر فی الختمة اکثر من اربعین یوماً وکذا التعجیل من ثلثة ایام والاولی ان یختم فی الاسبوع والحق ان تختلف باختلاف الأشخصاص ۱۲ط ولمعات مختصراً (۱)

اور اگر اتنی جلد پڑھیں کہ حرف تک سمجھ میں نہ آوے نہ زیر کی خبر نہ زبر کی نہ غلطی کا خیال نہ متشابہ کا۔ اور فقط ریاکاری مقصود ہو اور جماعت بھی ادھر ادھر گری پڑی ہو یا حاجت سے زیادہ روشنی ہو یا تراویح پڑھ کر جماعت نوافل میں پڑھیں یہ بیشک مکروہ ہے۔ لقوله تعالیٰ ورتل القران ترتیلا ولقوله واذا قاموا الی الصلوٰة قاموا کسالی یراؤن الناس الخ ولقوله ان اللّٰه لایحب المسرفین ولقول الفقهاء ان جماعة النوافل مکروهة واللہ اعلم۔

۲۲رجب روز جمعہ ۱۳۰۲ھ (امداد ص ۱۰۳ ج ۱)

سوال (۴۱۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد یا علاوہ جامع مسجد کے اور کوئی مسجد یا علاوہ مسجد کے اور کسی جگہ شبینہ پڑھنا کیسا ہے۔؟

الجواب۔ چند شرائط سے درست ہے مگر عادۃً یہ شرائط کم پائے جاتے ہیں۔ (۱) ترتیل نہ چھوٹے (۲) تراویح میں پڑھیں۔ (۳) جماعت کے وقت تخلف نہ کریں۔ ۵رشوال ۱۳۳۶ھ (تتمۂ خامسہ ص ۶۵)

کسی خاص شخص کی رعایت سے اس کے فوت شدہ قرآن کو تراویح میں لوٹانا

سوال (۴۱۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امام کی نسبت کہ کسی خاص شخص کی رعایت سے قرآن شریف کی ترتیب پوری کرنی یعنی اگر اس شخص کا رمضان شریف میں قرآن شریف سننا ترک ہو گیا ہو تو پھر اس کو دوسرے روز انہیں بیس رکعت میں پڑھنا اس حالت میں کہ مقتدیوں کو بار اور تکلیف اور وقت کی تنگی ہو اور امام اس شخص کی اکثر رعایت کرتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز، بینوا توجروا؟

الجواب۔ نماز تو اس کے پیچھے جائز ہے مگر خود یہ فعل کہ ایک شخص کی رعایت کرے اور دوسروں کو گرانی ہو مکروہ تحریمی ہے البتہ اگر یہ شخص مفسد ہے کہ اس سے اندیشۂ ضرر ہے تو مکروہ بھی نہیں۔

(۱) روی الطحاوی بسندہ عن عبداللہ بن زبیر انہ قرأ القرآن فی رکعۃ وعن سعید بن جبیر انہ قرأ القرآن فی رکعۃ فی البیت انتہی۔ ۱۲

فی الدرالمختار وکرہ تحریماً اطالۃ الرکوع او قراءۃ لا دراك الجائی ای اذا عرفہ فی رد المحتار الا اذا کان داعرا شریراً، و فی رد المحتار وان لم یعرفہ فلا باس الی قولہ لکن یطول مقدار مالم یثقل علی القوم ج۱ ص۵۱۶ سطح۔

جمادی الاولی ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۰)۔

تراویح میں دوسری رکعت پر بیٹھنے کا وجوب

سوال (۴۱۴) تراویح میں اگر دوسری رکعت پر نہ بیٹھے اور کھڑا ہو جاوے تو سیدھا کھڑے ہونے کے بعد بیٹھے یا نہیں اور چوتھی رکعت میں سجدۂ سہو کرے یا نہیں اور نماز تراویح ہوگی یا نفل اور اعادہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب۔ جزئی نہیں دیکھی کلیہ کا مقتضا یہ ہے کہ بیٹھنے کی ضرورت نہیں اخیر میں سجدہ سہو کرے اور تراویح ہوگئی اور حاجت اعادہ نہیں فی الدرالمختار والاصل ان کل شفع صلاۃ الابعارض اقتداء او نذر او ترك قعود اھ مع رد المحتار ج ۱ ص ۴۱۷ ووجوب سجدۃ السھو ظاھر، فقط ۱۱ر شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۷)

تراویح میں ترویحہ (جلسہ) کی مقدار

سوال (۴۱۵) مقدار ترویحہ جو جلسہ میں توقف کرنے کی مقدار ہے اس ترویحہ سے مراد کیا ہے آیا وہ چار رکعت جن میں قرآن پڑھا گیا ہے یا جتنی دیر میں چار رکعت نفل پڑھیں ادنی مایجوز بہ الصلوۃ سے؟

الجواب۔ بعد کل اربعۃ بقدرہا سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاص رکعات جتنی دیر میں پڑھی گئی ہیں مگر قول قہستانی فیقال ثلاث مرات سبحان ذی الملك والملکوت الخ اور قول نہر واھل المدینۃ یصلون اربعاً سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق اربعہ مراد ہے وھذا ایسر کذا فی رد المحتار بحث التراویح۔ ۲۵ر رمضان ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۹)

سنت مؤکدہ بودن تراویح برمرداں وزناں

سوال (۴۱۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تراویح سنت کفایہ ہے یا نہیں؟ درمختار میں ہے کہ تراویح سنت کفایہ ہے۔

الجواب ۔تراویح کا سنت کفایہ ہونا کہیں بھی مذکور نہیں اس میں صاف لکھا ہے سنۃ مؤکدۃ للرجال و النساء اجماعاً، یہ صریح ہے سنت علی العین ہونے میں ۔

۳۰ رشوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹۰)

قوۃ قول سنت عین بودن جماعت در تراویح وموافقت آں بمصالح دینیہ

سوال (۴۱۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین تراویح کے بابت تراویح کی جماعت سنت کفایہ ہے ۔از عالمگیری؟

الجواب ۔واقعی ایک قول یہ بھی ہے مگر دوسرا قول اس کے خلاف ہے، کما فی ردالمحتار و قیل ان الجماعة فیها (ای التراویح) سنة عین فمن صلاها وحده اساء وان صلیت فی المساجد و به کان یفتی ظهیر الدین (ج ۱ ص ۷۳۸) اور اس وقت مصالح دین پر نظر کر کے اس پر فتویٰ ہونا چاہئے ۔۳۰ رشوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹۰)

تحقیق تکرار کردن قل ہواللہ در یک رکعت تراویح

سوال (۴۱۸) جناب کتابیکہ از تالیف حضور فیض گنجور است مسمٰی بہ گوہر بہشتی وحصۂ یازدہم کہ زیور بہشتی است دراں مکتوب است کہ خواندن قل ہو اللہ در نماز ختم تراویح بہ سہ مرتبہ مکروہ است چناں کہ حافظان ایں زمانہ بروزے کہ ختم آخری شود قل ہو اللہ را بہ سہ مرتبہ در نماز خوانند ایں قسم خواندن مکروہ است یا نہ اگر باشد بچہ وجہ، آیا بوجہ تکرار سورہ یا بوجہ رواج گردانیدن واگر مکروہ باشد کدام مکروہ، جناب ایں قسم خواندن در ملک بنگالہ رواج کثیر شدہ اگر کسے منع کند عالم و جاہل ہمگنان اورا نفرت می کنند و گویند کہ ایں قسم خواندن از زمانۂ جناب مولانا حافظ احمد صاحب جاری شدہ اگر منع بودے او نیز منع کردے آں منع نہ کردن دلیل است بر جواز و بسے مولوی انکار نمودہ و چند مولوی اقرار نمودہ اکنوں فساد برپا شد و در تحقیق آں مشغول شدہ بعد چند روز شخصے از کتاب مفید القاری کہ از تالیفات مولوی عبدالمنان است آوردہ کہ نزد فقیہ ابواللیث خواندن قل ہو اللہ سہ بار جائز است و بعض مستحسن فہمید و بعضے غیر مستحسن و بعدازاں نوشتہ کہ در شرح منیہ نوشتہ ویکرہ تکرار السورة فی المکتوبة دون النوافل پس باقی ماند کہ نماز تراویح نفل است یا سنت اگر نفل است جائز است باتفاق واگر سنت باشد جائز شود یا نہ واوشاں کتاب جناب دیدند و گفتہ اند کہ از کدام کتاب نقل کردہ آیا کہ معتبر است یا غیر معتبر، هل یجوز تکرار السورة فی السنة و الواجب ۔

اگر معتبر باشد و علمائے متین دستخط کند در گرفتن آں شکے نماند فلہٰذا امید نزد جناب ایں کہ از روئے شفقت و لرضاء اللہ دو قلم تحریر فرمودہ مکروہ است یا نہ ثابت کردہ وہم از کتاب است عبارتش نوشتہ از چند علمائے فحول مسجل کنانیدہ ایں فساد را دور کنند و ثواب دارین حاصل کنند، ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین؟

الجواب۔ بہشتی گوہر ملخص است از علم الفقہ از تالیفات مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی است ندانم کہ از کجا نقل فرمودند وقت تلخیص بسبب وثوق پریشاں تفتیش ماخذ نمودہ شد اگر دل خواہد از وشاں تحقیق نمایند نشان اوشان لکھنوء چوک مدرسہ مولانا عین القضاۃ صاحب کافی است لیکن تبرعاً برائے تحقیق دلیل بندہ ہم بکتب رجوع کردہ روایت ذیل در عالمگیریہ از نظر گزشت و یکرہ تکرار السورۃ فی رکعۃ واحدۃ فی الفرائض ولا بأس فی التطوع کذا فی فتاوی قاضی خان واذا کرر اٰیۃ واحدۃ مراراً فان کان فی التطوع الذی یصلی وحدہ فذلک غیر مکروہ وان کان فی الصلوۃ المفروضۃ فھو مکروہ الخ (ج ۱ ص ۶۸) پس ظاہر است کہ تکرار سورت و تکرار آیت متساوی الحکم ہستند و در عدم کراہت تکرار آیت فی التطوع قید الذی یصلی وحدہ اضافہ فرمودہ پس واضح شد کہ مراد از تطوع در تکرار سورت نیز ہماں تطوع است کہ تنہا گزاردہ می شود و تراویح کہ مثل فرائض بجماعت ادا کردہ میشود دریں حکم مثل فرائض است پس مثل فرائض در آں ہم تکرار سورت مکروہ باشد و علاوہ بریں ایں چنیں التزام و اصرار کہ مردمان اختیار کردہ اند ہم دلیل مستقل است بر کراہت و مقتضائے دلیل اول کراہت تنزیہیہ است و مقتضائے دلیل ثانی تحریمیہ۔ واللہ اعلم۔ ۲۵ رشوال ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۷۸)

سوال (۴۱۹) عرصہ چند ماہ کا ہوا کہ اس جگہ کچھ جھگڑا ہوا ہے دربارۂ مسئلہ قراءۃ سورۂ اخلاص شریف تراویح میں تین مرتبہ مجوزین فرماتے ہیں کہ کوئی وجہ منع کی نہیں بلکہ یہ موجب ثواب ہے چونکہ تین مرتبہ سورۂ مذکور کو پڑھنا برابر ثواب میں کل قرآن شریف کے ہے اور مانعین فرماتے ہیں کہ تکرار نماز میں نہیں ہے اور چنانچہ حضور والا کے بہشتی زیور کے گیارہویں حصہ بہشتی گوہر میں مرقوم ہے اصح یہ ہے کہ مکروہ ہے جیسا کہ آج کل رواج ہے پس وہ سوال کرتے ہیں کہ اس کے معنی آجکل کا رواج کس طور پر ہے پس جناب والا تکلیف فرما کر جواب باصواب تحریر فرمائیں مع حوالہ کتب۔ فقط؟

الجواب۔ اس وقت خاص اس کا جزئیہ تو جلدی میں ملا نہیں لیکن درمختار کے اس قول پر کہ لا بأس ان یقرأ سورۃ یعیدھا فی الثانیہ، علامہ شامی کا یہ قول ملا، افاد انہ یکرہ تنزیھا

وعليه يحمل جزم القنية بالكراهة و يحمل فعله عليه الصلوة والسلام لذلك على بيان الجواز (ج۱ص۵۷۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک سورۃ کا دو رکعت میں اعادہ کرنا مکروہ ہے تو ایک رکعت میں اس کا اعادہ تکرار تو بدرجۂ اولیٰ مکروہ ہوگا، اور اگر شبہ ہو کہ اس کے بعد درمختار میں ہے ولا يكره في النفل شيئي من ذلك اس کا جواب یہ ہے کہ ردالمحتار میں فتح سے اس پر نقل کیا ہے، وعندی فی هذه الكلية نظر الخ پھر ردالمحتار ہی میں حلبی سے نقل کیا ہے انهم نصوا ابان القراءة الخ (ج۱ص۵۷۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے اور بوجہ قوت دلیل کے ترجیح کراہت کو معلوم ہوتی ہے یہی حاصل ہے بہشتی گوہر کے مسئلہ کا چنانچہ یہ قول کہ صحیح یہ ہے الخ دال ہے اختلاف پر بھی اور بہشتی گوہر میں جو لکھا ہے کہ جیسا کہ آج کل دستور ہے اس کے معنی ظاہر ہیں کیوں کہ آجکل ایسا کرتے ہیں پھر بعد تحریر اس جواب کا جزئیہ بھی مل گیا جس سے جواب مذکور کی تائید ہوتی ہے اور وہ جزئیہ یہ ہے، درشرح منیہ می آرد قراءة قل هو الله احد ثلث مرات عند ختم القران لم يستحسنها بعض المشائخ وقال الفقيه ابوالليث هذا شيئى استحسنه اهل القران وايمة الامصار فلا بأس به الا ان يكون الختم فى المكتوبة فلا يزيده على مرة انتهى، ودر ہماں کتاب بجائے دیگر است ويكره تكرار قراءة السورة فى الفرض ولا يكره تكرار السورة فى التطوع لان باب النفل اوسع ملخصاً فتاویٰ مولانا عبدالحی جلدسوم ص۵۹۔

۱۳؍ذوالحجہ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص۱۱۸)

منع اختصار درعدد رکعات تراویح

سوال (۴۲۰) اگر کوئی شخص بسبب شکایت ضعف جسمانی یا دیگر امراض تراویح کی بیس رکعتیں نہ پڑھ سکے اور صرف ۸ یا ۱۲ پڑھ لے تو گنہگار تو نہ ہوگا؟

الجواب۔ بیس کو سنت مؤکدہ لکھا ہے اس سے کم کا پڑھنے والا سنت مؤکدہ کا تارک ہوگا پس جو عذر ترک سنت مؤکدہ کے لئے معتبر ہے وہ اس میں بھی معتبر ہوگا ورنہ اگر کھڑے ہو کر دشوار ہو تو بقدر دشواری کے بیٹھ کر پڑھ لے ۸ رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص۴۳)

تحقیق جہر بسم اللہ درمیان سور در تراویح

سوال (۴۲۱) اگر (مروجہ) حفص کی روایت میں قرآن مجید رمضان المبارک میں

تراویح میں سنایا جائے تو بین السورتین بسم اللہ بآواز بلند پڑھنی چاہئے، یا کہ خفی۔ شاطبی میں لکھا ہے کہ قراء سبعہ میں سے ساڑھے تین قراء کے نزدیک بین السور بسم اللہ ہے اور ساڑھے تین کے نزدیک بین السورتین بسم اللہ نہیں فقط اول میں جبکہ حفص کے نزدیک بین السورتین بسم اللہ ہے تو بلند آواز سے نہ پڑھنے کی کیا وجہ؟ امام کا تو قرآن مجید پورا ہو جائے گا لیکن سامعین کے قرآن مجید ختم ہونے میں ۱۱۳ آیات کی کمی رہے گی؟

الجواب۔ بسم اللہ بین السورتین ہونے سے اس کی جزئیت تو لازم نہیں آتی کتب مذہب میں تصریح ہے کہ بسم اللہ مطلق قرآن کا جزو ہے کسی خاص سورت کا یا ہر سورت کا جزو نہیں پس اس کا مقتضا یہ ہے کہ ایک جگہ ضرور جہر ہو ورنہ سامعین کا قرآن پورا نہ ہوگا، گو قاری کا تو اخفاء بسم اللہ میں بھی ہو جاوے گا کیونکہ بعض اجزاء کا جہر بعض کا اخفاء جائز ہے فن قراءت سے تو اس کا مسئلہ کا صرف اس قدر تعلق ہے آگے فقہ سے تعلق ہے اور اس میں بسم اللہ کا اخفاء ہے۔

۶ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ (تتمۂ خامسہ ص ۳۷)

حکم اجرت بر سماع قرآن

سوال (۴۲۲) سماعت قرآن کی اجرت اور قراءۃ قرآن کی اجرت میں کیا فرق ہے کہ ثانی حرام...... اور اول حلال؟

الجواب۔ سماعت قرآن سے غرض یہ ہے کہ جہاں بھولے گا بتلاوے گا پس یہ تعلیم ہے اور تعلیم پر اجرت لینے کے جواز پر فتویٰ ہے بخلاف قراءۃ کے اس میں تعلیم مقصود نہیں اس لئے کلیہ حرمت اجر علی الطاعت میں داخل رہے گا۔ فقط واللہ اعلم   یکم رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۱ ج ۳)

حکم تمیم تراویح بعد وتر بعذر جماعت

سوال (۴۲۳) تراویح کی جماعت قائم ہوئی چار یا چھ رکعت گزارنے کے بعد ایک شخص آیا اور فرض پڑھ کر امام کے ساتھ جماعت تراویح میں داخل ہوگیا جب امام کی نماز تمام ہو جائے گی تو وہ شخص امام کے ساتھ وتر کی جماعت میں شامل ہوگا یا اپنی مافات کو ادا کرے گا؟

الجواب۔ فی العالمگیریة واذافاتته ترویحة او ترویحتان فلو اشتغل بها یفوته الوتر بالجماعة یشتغل بالوتر ثم یصلی مافاته من التراویح وبه کان یفتی الشیخ الإمام الاستاذ ظهیر الدین کذا فی الخلاصة (ص ۱۷۵ ج ۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ شخص وتر میں شریک ہو جاوے پھر بقیہ تراویح پڑھ لے۔
یکم محرم ۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص ۶)

تحقیق حصول ثواب سامعین را از قاری اجیر در تراویح

سوال (۴۲۴) جس جگہ حافظ قرآن اجرت پر بلا کر اس سے کلام اللہ تراویح میں سنتے ہیں معین تو نہیں کرتے مگر رواج عام اس بات پر ہو رہا ہے کہ لوگوں سے چندہ وصول کر کے ختم کے روز حافظ کو دیتے ہیں تو اس صورت میں تراویح سننے کا ثواب ہوگا یا نہیں، اگر ثواب نہ ہو تو کیا کرے آیا گھر پر تنہا پڑھ لیا کرے مگر اس صورت میں جماعت سے محروم ہوگا بلکہ فرضوں کی جماعت کا ترک بھی غالباً ہوگا؟

الجواب۔ سننا جدا عمل ہے اس میں کوئی امر مانع ثواب نہیں اس کا ثواب [1] ہوگا۔
۱۲ رشعبان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۶۳)

حکم چار رکعت کہ بجائے دو در تراویح سہواً یا ترک قعدہ خواندہ شد

سوال (۴۲۵) تراویح میں اگر دو رکعت کی جگہ امام چار پڑھ جاوے اور درمیان میں قعدہ نہ کرے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے تو نماز تراویح ہوں گی یا نہیں، اور اگر ہوں گی تو دو ہوں گی یا چار، اور اگر دو ہوں گی تو اول کی دو یا آخر کی اور کونسی رکعات کے قرآن شریف کے اعادہ کی ضرورت ہوگی۔

الجواب۔ فی الفتاوی ولو صلی اربعاً بتسلیمة و لم یقعد فی الثانیة ففی الاستحسان لا تفسد وهو اظهر الروایتین عن ابی حنیفة و ابی یوسفؒ واذا لم تفسد قال محمد بن الفضل تنوب الاربع عن تسلیمة واحدة وهو الصحیح كذا فی السراج الوهاج وهكذا فی فتاوی قاضی خان وعن ابی بکر الإسكاف انه سئل عن رجل قام الی الثالثة فی التراویح ولم یقعد فی الثانیة قال ان تذكر فی القیام ینبغی ان یعود و یقعد ویسلم وان تذكر بعد ما سجد للثالثة فان اضاف الیها ركعة اخری كانت هذه الاربعة عن تسلیمة واحدة وان قعد فی الثالثة قدر التشهد اختلفوا فیه فعلی قول العامة یجوز عن تسلیمتین وهو

---

(۱) اس میں شرط یہ ہے کہ سننے والا امام کو معاوضہ دینے والوں میں داخل نہ ہو۔ واللہ اعلم ۱۲ محمد شفیع

الصحیح ھکذا فی فتاویٰ قاضی خان اھ (عالمگیریہ ج ۱ ص ۷۵)

اس سے معلوم ہوا کہ قعدہ نہ کرنے سے شفعۂ اولیٰ بھی فاسد نہ ہوگا، البتہ مجموعہ بھی معتبر نہ ہوگا۔ بلکہ دونوں شفعہ مل کر بجائے ایک شفعہ کے سمجھے جاویں گے اور جب مجموعۂ شفعہ معتبر نہ ہوگا تو ایک شفعہ اور پڑھا جاوے گا، رہا یہ امر کہ کونسے شفعہ کا پڑھا ہوا قرآن معتد بہ ہوگا اور کونسے کا قابل اعادہ۔ تو یہ اس پر موقوف ہے کہ یہ متعین ہو جائے کہ کونسا شفعہ تراویح ہے کہ اس میں پڑھا ہوا قرآن معتد بہ ہو اور کونسا نفل کہ اس میں پڑھا ہوا قابل اعادہ ہو، سو اس میں مجھ کو تردد ہے، دوسرے علماء سے تحقیق کیا جاوے، اور میرے خیال میں اگر صرف اعادۂ قرآن کے حق میں سہولت کے لئے دوسرے قول پر عمل کر لے جو دونوں شفعہ کو معتبر کہتے ہیں تو گنجائش ہے، پس شفعہ تو ایک اور پڑھ لے اور قرآن کا اعادہ نہ کرے۔ ۲۵ رمضان المبارک ۲۲ھ (تتمۂ خامسہ ص ۳۰۹)

بحث بر سنیت مؤکدہ ختم قرآن در تراویح وطلب دلیل برآں

سوال (۴۲۶) کل ایک صاحب نے مرادآباد میں یہ روایت بیان کی کہ حضور والا نے ایک مجلس میں جس میں مولانا...... صاحب اور مولوی...... صاحب بھی تھے یہ فرمایا کہ مجھے آثار صحابہ وتابعین وتبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے تراویح میں ختم قرآن شریف کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوا، اور اس رمضان میں میں نے تراویح میں ختم قرآن شریف تمام نہیں پڑھوایا، اس کے بعد انہی راوی صاحب کا بیان ہے کہ...... صاحب کی خدمت میں یہ روایت بیان کی گئی، اس پر ان صاحب نے فرمایا کہ اس صورت میں فتنۂ عظیم کا اندیشہ ہے لوگ کہیں گے کہ ان لوگوں کو ابھی مسائل کی بھی تحقیق نہیں ہوئی کیا معلوم ہے کہیں نماز کے متعلق جدید تحقیق نہ ہونے لگے وغیرہ وغیرہ۔

غرض یہ ہے کہ مرادآباد سے یہ روایت سیوہارہ پہنچی اور مخالفین نے اعتراضات شروع کئے، چونکہ صحیح واقعہ کا علم نہیں اس وجہ سے اپنے علم کے موافق معترضین کو خدام نے جواب دیا میں اس وقت اسی مسئلہ کی تحقیق میں کتابیں دیکھ رہا تھا، خوش قسمتی سے یہی مضمون حجۃ الاسلام سند المحدثین مولانا شاہ محمد عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کے فتاویٰ میں نظر سے گزرا فالحمدللہ تعالیٰ علی ذلک۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ حضور والا کے ہم خیال سلف صالحین میں بھی موجود ہیں۔ اب اگر حضور کی جانب فتنہ کی نسبت کی جائے گی تو پہلے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی طرف نسبت ہوگی۔ نعوذ باللہ تعالیٰ عن ذلک۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں، ونیز ختم قرآن را دریں نماز

سنت می گویند ایں از کجا نعم درحدیث آمدہ کہ آنحضرت ﷺ در ہر رمضان با جبرئیل علیہ السلام مدارست قرآن میکرد و در رمضان اخیر دوبار کرد از ینجا سنت ختم در رمضان ثابت میشود لیلاً ونہاراً خارج الصلوۃ الخ ص ۱۰۹۔ مجموعہ فتاویٰ عزیزی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، امید کہ حضور والا صحیح واقعہ سے مطلع فرمائیں گے؟

الجواب۔ مجھ کو اس معاملہ میں دوتردد تھے ایک یہ کہ آیا ختم کا سنت مؤکدہ ہونا اصل مذہب ہے یا صرف مشائخ کا قول ہے مراجعت کتب فقہیہ سے یہ ثابت ہوا کہ یہ علماء احناف میں مختلف فیہ ہے اکثر کا قول تو تاکد ہی ہے بعض کا قول عدم تاکد بھی ہے اور منشاء اختلاف کا یہ سمجھ میں آیا کہ حسن نے امام صاحب سے اس کی سنیت نقل کی ہے۔من غیر تصریح بتاکدہ او عدمہ اکثر مشائخ نے اس کو سنت مؤکدہ سے مفسر کیا ہے اور بعض نے تاکد کی دلیل نہ ملنے سے مطلق سنت پر محمول کیا ولو مستحبا، اسی واسطے بعض متون میں اس کی سنیت کو لیا ہے اور بعض میں مثل قدوری کے نہیں لیا پھر قائلین بالتاکد میں بھی متاخرین نے عذر کی حالت میں تاکد کو ساقط کر دیا۔

ومنہ کسل القوم او نحوہ، خانقاہ میں گاہ گاہ ختم نہ ہونا اسی قول عدم تاکد پر مبنی ہے خواہ یہ عدم تاکد اصل ہی سے ہو، خواہ کسی عذر سے ہو، اور عذر ہر ایک کا جدا ہے، دوسرا تردد یہ تھا اور ہے کہ قائلین بالتاکد کی دلیل کیا ہے سو اسی کو میں متعدد علماء سے استفسار کیا کرتا ہوں جس سے مقصود تاکد کی نفی نہیں بلکہ اس پر طلب دلیل ہے اگر اس پر بھی اعتراض ہے تو اس اعتراض کا حاصل تو یہ ہوا کہ جو امر معلوم نہ ہو اس کو طلب نہ کرنا چاہئے تو اہل انصاف خود ہی غور کر لیں کہ آیا دین میں طلب علم مقصود ہے یا بقاء علی الجہل ۔ اشرف علی ۲۴ رشوال ۱۳۴۳ھ (ترجیح ۵ ص ۱۶۰)

جن بلاد میں رات یا دن بہت بڑے ہوتے ہیں وہاں نماز، روزہ، زکوٰۃ کے احکام

سوال (۴۲۷) ایک کالج کے طالب علم نے ایک بددین کا اعتراض مجھ سے نقل کیا کہ مسلمان کہتے ہیں کہ ہماری شریعت بمقتضائے وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ۔ تمام انسانوں کے لئے ہے اور اگر ایسا ہوتا تو چاہئے تھا کہ جملہ مقامات کے انسانوں کے لئے اس میں احکام ہوتے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قطبین کے رہنے والوں کے لئے جہاں چھ چھ ماہ کا رات و دن ہوتا ہے اس میں احکام نہیں، مثلاً روزہ ایسے مقام کے لوگ کیونکر رکھیں اگر چھ ماہ کا حکم دیا جائے تو ناممکن العمل، اور اگر اس سے کم تو قرآن وحدیث میں صاحب مذہب سے کہیں منقول ہونا چاہئے تھا، میں نے اس کا جواب یہ دیا کہ قانون اکثری حالت کے تابع ہوتے ہیں اور چونکہ قطبین پر اول تو

آبادی کا ہونا ثابت نہیں اور اگر ہو بھی تو چونکہ اکثر حصص زمین کی یہ حالت نہیں اس لئے اکثری حالت کے موافق احکام مقرر ہوئے رہا نادر اور مستثنیٰ صورتیں ان کے لئے قیاس کے ذریعہ سے خاص احکام مستنبط کر کے حکم دیا جاسکتا ہے ہر ہر جزئی کا حکم صراحۃً قرآن وحدیث میں ہونا ضروری نہیں بلکہ کثیر الوقوع امور کا حکم صاحب شریعت سے منقول ہے جو بمنزلۂ اصول کے ہوسکتا ہے جیسا کہ ان مقامات کے لئے جہاں کہ شفق تمام رات غائب نہیں ہوتی (کتاب ہیئت دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ۲۲ رمئی سے لے کر ۲۱ رجولائی تک لندن کے افق سے ۱۸ درجے نیچے آفتاب نہیں جاتا لہٰذا اتنے عرصہ تک تمام رات شفق باقی رہتی ہے لندن کا عرض البلد ½۵۱ درجہ ہے) بعض فقہاء نے لکھا کہ وہاں عشاء کا وقت نہیں آتا اور ان سے عشاء کی نماز ساقط ہے۔

بعض فقہاء نے اختلاف بھی کیا ہے ارض بلغار کے متعلق شامی نے بھی اس کا حکم لکھا ہے میں نے یہ جواب تو دیدیا لیکن روزہ کے متعلق عالمگیری میں تلاش کرنے سے بھی کوئی جزئی نہیں ملی یعنی مثلاً لندن کے لوگ کس وقت تک سحور کھاسکتے ہیں اور تراویح جو تابع عشاء کے معلوم ہوتی ہے ادا کریں یا نہ کریں، کیا جناب والا کی نظر سے کوئی جزئی ایسے مقامات پر روزہ اور تراویح کے متعلق گزری ہے یا قیاس کے موافق کیا حکم ہوسکتا ہے نیز میرا جواب غلط یا نامکمل تو نہیں ہے اگر ہو تو تصحیح و تکمیل فرماویں۔

اگر کوئی دوسرا جواب ہوسکتا ہو تو وہ بھی تحریر فرماویں کتاب ہیئت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لندن میں سب سے بڑا دن ½۱۶ گھنٹہ کا اور سب سے چھوٹی رات ½۴ گھنٹہ کی ہوتی ہے سینٹ پیٹرسبرگ دار السلطنت روس ۶۰ درجہ شمال عرض البلد پر ہے، وہاں تقریباً ۱۹ گھنٹہ کا سب سے بڑا دن ہوتا ہے اتنا طویل روزہ ذرا دشوار معلوم ہوتا ہے، علاوہ بریں بعض ایسے مقامات آباد بھی ہیں جہاں سب سے بڑا دن ۲۴ گھنٹہ یا اس سے زائد ہوتا ہے یعنی آفتاب بغیر غروب کے حرکت رحوی کرتا نظر آتا ہے چنانچہ ۶۵ درجہ ۵۴ دقیقہ عرض البلد شمالی پر سب سے بڑا دن ۲۴ گھنٹہ کا اور ۶۶ درجہ ۵۳ دقیقہ پر گرمیوں میں ۳۱ دن تک آفتاب غروب نہیں ہوتا یعنی ایک دن ۳۱ دن کے برابر ہوتا ہے وہاں روزہ کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب۔ آپ نے جو جواب دیا بالکل کافی و مکمل ہے تمام سلطنتوں کے قوانین کلیہ پر مقامی حکام کو احکام جزئیہ کی تفریع کرنا پڑتی ہے جن میں سے بعض میں استنباط کی بھی حاجت ہوتی ہے اور وہ سب ان ہی کلیات کے تحت میں داخل اور ان قوانین کو ان کے لئے شامل سمجھا جاتا ہے ان جزئیات مقامیہ کے مصرحاً مذکور فی کتب القانون نہ ہونے سے ان مقامات کے خارج عن اثر السلطنت ہونے

پر کوئی بھی استدلال نہیں کرتا جبکہ اس سلطنت کا احاطہ دلیل صحیح سے ثابت ہو اور اگر کوئی استدلال کرنے لگے تو محقق اس استدلال کو دلیل صحیح کے تابع بنادے گا اسی طرح جب دلائل قطعیہ سے عموم بعثت معلوم ہے تو معارض کو دفع کریں گے چنانچہ جیسا اشتمال مثال مذکور میں ہے ایسا ہی اشتمال کلیات شرعیہ میں محقق ہے جس کی بناء پر فقہائے اسلام نے ان مقامات کے احکام سے تعرض بھی کیا ہے گو اس وجہ سے کہ کسی نے کسی کلی میں داخل سمجھا اور کسی نے کسی میں باہم اختلاف بھی ہو گیا لیکن یہ اختلاف ہمارے لئے اصل مقصود میں قادح نہیں کیونکہ ان کلیات کی بناء پر حکم کرنے سے تو یہ ثابت ہو گیا کہ شریعت محمدیہ نے ایسے کلیات مقرر کئے ہیں جو ان مقامات کی ضرورتوں کو حاوی ہیں گو وجہ تطبیق میں آراء مختلف ہو جاویں جیسا ایک عدالت سے ایک حکم ایک قانون کی بناء پر ہوتا ہے اور عدالت اپیل سے دوسرے قانون کی بناء پر اس کے خلاف حکم ہو جاتا ہے، چنانچہ نماز سے فقہاء کا تعرض تو خود سوال ہی میں منقول ہے رہا روزہ اگر بالخصوص اس سے تعرض بھی ہوتا تب بھی وہی دلائل نماز کے یہاں بھی باشتراک اصول روزہ کے لئے بھی کافی ہوتے لیکن فقہاء نے اس پر کفایت نہیں کی بلکہ روزہ سے بلکہ اس کے علاوہ اور اعمال و معاملات سے بھی تعرض تصریحاً فرمایا ہے۔

فی رد المحتار عن الرملی فی شرح المنهاج و یجری ذلك فیما لو مكثت الشمس عند قوم مدة اھ ح وفیه عن امدادالفتاح قلت و كذلك یقدر لجمیع الأجال كالصوم والزكوة والحج والعدة وأجال البیع والسلم والإجارة و ینظر ابتداء الیوم فیقدر كل فصل من الفصول الاربعة بحسب مایكون كل یوم من الزیادة والنقص كذا فی كتب الائمةالشافعیة ونحن نقول بمثله اذاصل التقدیر مقول به اجماعاً فی الصلوة اھ(ج۱ص۳۷۸)و فیه بعد نصف صفحة لم ار من تعرض عندنالحكم صومهم فیما اذاكان یطلع الفجرعندهم كما تغیب الشمس او بعده بزمان لا یقدر فیه الصائم علی اكل ما یقیم بنیته ولا یمكن ان یقال بوجوب موالاة الصوم علیهم لانه یؤدی الی الهلاك فان قلنا بوجوب الصوم یلزم القول بالتقدیر و هل یقدر لیلهم باقرب البلاد الیهم كما قاله الشافعیة هنا ایضاً ام یقدر لهم بما یسع الاكل والشرب ام یجب علیهم القضاء فقط دون الاداء كل محتمل فلیتأمل ولا یمكن القول هنا بعدم الوجوب اصلاً كالعشاء عند القائل به فیها لان علة عدم الوجوب فیها عند القائل به عدم السبب و فی الصوم قد وجد السبب وهو شهود جزء من الشهر و طلوع فجر

کل یوم هذا ما ظهر لی و الله اعلم اهـ (ص۳۷۹ ج۱)

اس تقریر سے اس اعتراض کا جواب تو ہوگیا، اب یہ بات کہ ہمارے فقہاء کے اقوال میں کس کو کس پر ترجیح ہے اس تحقیق پر اصل جواب موقوف نہیں ہاں خود ایک مستقل تحقیق ہے جس کی ضرورت مسلم کے لئے ہوگی سو احوط نماز میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اندازہ کر کے سب نمازیں پڑھا کریں اور روزہ میں جو مقامات ایسے ہیں جہاں بعض ازمنہ میں لیل شرعی نہیں ہوتی رمضان میں روزہ رکھیں کہ شہود شہر پایا گیا اور چونکہ افطار وسحر ونہار شرعی میں واقع ہوا ہے اس لئے شبہ کے دوسرے زمانہ میں قضاء بھی کرلیں اور جہاں لیل شرعی ہوتی ہے وہاں جس جگہ نہار کا طول بقدر تحمل صوم ہو اور فطرۃً ان کا تحمل ہم سے زائد ہوگا، **لانهم معتادون بطول النهار وطول اکثر الاعمال فيه** وہاں روزہ رکھیں اور ادا بھی ہوجائے گا اور جہاں بقدر تحمل نہ ہو وہاں انداز کر کے عدد پورا کریں اور بعد اداء اگر ایسے ایام مل جاویں جس کا تحمل ہو سکے تو احتیاطاً قضاء بھی کرلیں اور اگر ایسے ایام نہ ملیں تو وہی انداز کے روزے کافی ہوجاویں گے۔

وفي رد المحتار في جواز فطر من لايقدرثم قضاء ه ما نصه و قال الرملی و في جامع الفتاویٰ ولو ضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعيشة فله ان يفطر و يطعم لكل يوم نصف صاع اهـ. ای اذا لم يدرك عدة من ايام اخريمكنه الصوم فيها والاوجب عليه القضاء وعلى هذا الحصاد اذا لم يقدر عليه مع الصوم ويهلك الزرع بالتاخير لا شك في جواز الفطر و القضاء الی اٰخر ما قيده بما اذا لم يكن عنده ما يكفيه و عياله واذا خاف هلاك زرعه او سرقته ولم يجد من يعمل له باجرة المثل وهو يقدر عليها (ج۲ ص۱۸۴)

۲۰؍جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص ۳۳)

باب

ادراك الفريضة و قضاء الفوائت

تحقیق تعریف صاحب ترتیب

سوال (۴۲۸) ایک شخص نے صاحب ترتیب کی تعریف کئی عالموں سے پوچھی جواب مختلف ملے جوابات حضوروالا میں گزران کر اطمینان بخش جواب کا طالب ہے؟

الجواب۔(۱) زید نے علی الاتصال چالیس روز تک نماز پڑھی اس کی کچھ نمازیں فوت ہوگئیں فائتہ کو ادا کرنے کے بعد زید صاحب ترتیب ہے۔

(۲) زید زمانہ فرضیت سے نماز برابر پڑھتا رہا اس کی کچھ نمازیں قضاء ہوگئیں قضاء پورا کرنے کے بعد زید صاحب ترتیب ہوا۔

(۳) فقہ سے ثابت ہوا کہ زید کی پانچ یا کم پانچ سے نمازیں فوت ہوگئیں فائتہ کے ادا کرنے کے لئے زید پر ترتیب فرض ہے اس لئے زید صاحب ترتیب ہے یہاں تک کہ زید نے تمام عمر نماز نہیں پڑھی عشاء کے وقت سے نماز پڑھنا اپنے اوپر لازم کیا اسی عشاء کی صبح سے پھر پانچ یا پانچ سے کم نماز چھوٹ گئی چھٹی ہوئی نماز کو ترتیب سے پڑھنا زید پر فرض ہے اور زید اس صورت میں بھی صاحب ترتیب ہے جوابات ثلاثہ بحیثیت شبہات ہیں ملاحظہ فرماتے ہوئے صاحب ترتیب کی جامع و مانع و عام فہم لفظوں میں تعریف ارقام فرما کر مطمئن فرمایئے۔ بینوا توجروا؟

الجواب۔**في الدرالمختار لو فاتت ست اعتقادية الى قوله ولومتفرقة اوقديمة على المعتمد لانه متى اختلف الترجيح يرجح اطلاق المتون بحرو وافقه الشامي** ج۱ص ۷۶۲۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کے ذمہ چھ نمازیں ہوں خواہ پرانی یا نئی مسلسل یا متفرق وہ صاحب ترتیب نہیں اور جس کے ذمہ یہ نہ ہوں اس پر ترتیب واجب ہے۔

۲۴؍جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۴۵)

تحقیق لزوم تعیین نماز درنیت بوقت قضاء

سوال (۴۲۹) بہشتی زیور حصہ دوم میں مرقوم ہے کہ اگر کئی مہینے یا کئی سال کی نمازیں قضا ہوں تو مہینہ اور سال کا بھی نام لیوے اور کہے کہ فلاں سال کی فلانے مہینہ کی فلاں تاریخ کی فجر کی نماز پڑھتی ہوں بے اس طرح نیت کئے قضا صحیح نہیں ہوتی، کسی کو اس طرح نیت کرنے کا علم نہ تھا اور اس نے دو سال کی قضا نمازیں (صرف اتنا کہہ کر کہ نیت کرتا ہوں میں نماز قضائے عمری کی) پڑھیں تو اس کی نماز درست ہوئی یا نہیں اور اس پر صحیح نیت سے جو (بہشتی زیور حصہ دوم میں تحریر ہے) پھر از سر نو کل نمازیں پڑھنی واجب ہیں یا نہیں؟

الجواب۔ فی ردالمحتار قیل لا یلزمه التعیین الی اخر ما قال واطال (ص۷۷۰ج۱) اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے لہٰذا قضاء پڑھی ہوئی نمازوں میں چونکہ وہ کثیر ہیں دفع حرج کے لئے اس قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

۱۲/رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۶۴)

تحقیق عدم قضاء بارتداد

سوال (۴۳۰) زید مسلمان تھا اس کے بعد مرتد ہوگیا اور پھر مسلمان ہوا ہے اور قبل مرتد ہونے کے حالت اسلام اول میں اس کی چند نمازیں اور روزے قضاء ہوگئے تھے تو اب بعد ارتداد جو اسلام لایا ہے ان نمازوں کی قضاء کرے گا یا نہیں؟

الجواب۔ **فی رد المحتار عن البحر عن الخانیة اذا کان علی المرتد قضاء صلوات وصیامات ترکها فی الإسلام ثم اسلم قال شمس الائمة الحلوانی علیه قضاء ما ترك فی الإسلام لان ترك الصیام والصلوٰة معصیة والمعصیة تبقی بعد الردة اهـ فافهم** (ج ص ۷۶۹) ۱۳/محرم ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۸)

حکم اختصاص قضاء بفرض ووتر

سوال (۴۳۱) کسی وقت کی نماز اگر قضاء ہو جاوے دوسرے وقت قضاء کرتے ہوئے سنت کو ترک کر کے فقط فرض اور وتر پڑھنا بس ہے یا کہ مع سنت کے پڑھنی ہوگی، حضور نے بہشتی زیور کے دوسرے حصہ میں تحریر فرمایا ہے (قضاء فقط فرض نمازوں اور وتر کی پڑھی جاتی ہے سنتوں

کی قضاء نہیں ہے) اور عالمگیری ص۱۱۹ میں لکھا ہے، والقضأ فرض فی الفرض وواجب فی الواجب و سنة فی السنة۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے سنتوں کی قضا پڑھنا سنت ہے اور حضور فرماتے ہیں سنتوں کی قضا نہیں ہے اس میں کیا راز مخفی ہے بندے کی سمجھ ناقص میں نہیں آتا ہے حضور اس کا فیصلہ فرما دے ویں؟

الجواب۔ بہشتی زیور کا مطلب یہ ہے کہ بعد خروج وقت کے سنت کی قضا نہیں اور عبارت عالمگیری کا مطلب یہ ہے کہ وقت کے اندر سنت کی قضاء ہے اور وہ بھی سب سنتوں کی نہیں بلکہ جن کی ہوتی ہے جیسے قبل ظہر والی سنت رہ گئی اور بعد فرض کے ادا کیں اس کو بھی مجازاً قضاء کہہ دیتے ہیں اس قضاء کو سنت میں قضاء کہہ رہے ہیں چنانچہ صاحب درمختار کے اس قول پر۔

القضاء فعل الواجب بعد وقته وإطلاقه علی غیر الواجب کالتی قبل الظهر مجازاً اھ۔ علامہ شامی نے کہا ہے قوله و إطلاقه الخ ای کما فی قول المصنف الاٰتی و قضاء الفرض والواجب والسنة الخ و قول الکنز و قضی التی قبل الظهر فی وقته قبل شفعة الی قوله اما اذا اتی بها بعده فهی قضاء اذ لا شك انه لیس وقتها وان کانت وقت الظهر فافهم۔

اس کے بعد درمختار کے اس قول پر وقضاء الفرض والواجب والسنة فرض وواجب وسنة لف ونشرمرتب الخ۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں : قوله والسنة یوهم العموم کالفرض والواجب و لیس کذلك فلو قال و ما یقضی من السنة لرفع هذا الوهم، رملی ص۷۵۹ ج۱۔

وفی الهدایة لهماان الاصل فی السنة ان لا تقضی لاختصاص القضاء بالواجب الی قوله واما سائرالسنن سواها لاتقضی بعدالوقت وحدها واختلف المشائخ فی قضائها تبعا للفرض وفی الحاشیة عن العنایة فقال بعضهم یقضیها وقال بعضهم لا یقضیها لاختصاص القضاء بالواجب وهو الصحیح ج۱ ص ۱۳۳۔

ان روایات سے سب شبہات رفع ہو گئے۔ ۱۲؍ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص۱۱۶)

رفع شبہ در معاف نبودن نماز قضاء از توبہ

سوال (۴۳۲) ایک مسئلہ میں اشکال بظاہر معلوم ہوتا ہے توبہ سے تمام گناہ صغائر کبائر

معاف ہو جاتے ہیں، الاحقوق العباد، مگر ہمارے فقہاء یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کی نماز یا روزہ قضا ہو گیا ہو تو وہ بھی توبہ کرے اور قضاء بھی پڑھے، توبہ سے گناہ معاف ہو جائے گا نماز معاف نہ ہوگی، اشکال یہ آن کر پڑتا ہے جب نماز حقوق اللہ سے ہے تو محض توبہ سے کیوں معاف نہیں ہوتی اور جبکہ توبہ سے گناہ معاف ہو گیا تو پھر قضا نہ پڑھنے پر گرفت کیسی اور گناہ کیسا، یہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ قضاء نہ پڑھنے سے محروم رہے۔ نماز کی فضیلت وتقرب الی اللہ سے مگر گناہگار کیوں ہوگا، اگر یہ کہا جاوے کہ نماز کے اندر دو حیثیت ہیں، ایک نماز کا ادا کرنا دوسرے اس کو عین وقت پر پڑھنا اور توبہ سے تاخیر نماز کا گناہ معاف ہو جاتا ہے نماز معاف نہیں ہوتی تب بھی اشکال وہی رہتا ہے کہ حقوق اللہ میں سے ہے نماز پھر توبہ سے معاف کیوں نہیں ہوتی، اور اگر یہ مانا جاوے کہ نماز من وجہ حقوق العباد سے ہے کیوں کہ اس کا نفع اسی کو پہنچتا ہے اس لئے معاف نہیں ہوتی تو حضور والا اس طرح سے ہر معصیت میں دو حیثیت ہیں، مثلاً کذب ایک حیثیت سے حقوق اللہ سے ہے اور چونکہ اس کے گناہ سے اس کی ذات کو نقصان پہنچتا ہے اس لئے حقوق العباد سے ہوا، اس لئے وہ بھی توبہ سے معاف نہ ہونا چاہئے، مگر کذب معاف ہو جاتا ہے۔

الجواب۔ حقوق اللہ کے معاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذنوب معاف ہوتے ہیں نہ کہ طاعات سو نماز طاعات میں سے ہے، اور اس کا بدل ممکن اور مشروع ہے، لہٰذا قضاء واجب ہوئی پھر قضاء کا بدل فدیہ ہے، اگر قضاء پر قدرت نہ ہوئی فدیہ واجب ہوگا یا اس کی وصیت، اگر اس پر بھی قدرت نہ ہوئی یا وسعت نہ ہوئی نہ اس کا کوئی بدل ہے اب یہ کوتاہی ذنب محض رہ گئی یہ توبہ سے معاف ہونے کی امید گاہ ہے، اب سب اشکالات رفع ہو گئے، خلاصۂ مختصرہ یہ ہوا کہ جس عبادت کا شرع میں بدل ہے بدل پر قدرت ہونے تک وہ توبہ سے معاف نہیں ہوتی، بعد عجز وہ بھی معاف ہو جاتی ہے۔ ۹ رشعبان المعظم ۳۲ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۸۷)

حکم سقوط ترتیب در حق کسے کہ علم فساد نماز ندارد

سوال (۴۳۳) کسی صاحب ترتیب نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی پھر مغرب کے وقت معلوم ہوا کہ امام کی نماز صحیح نہیں ہوئی، تو یہ ظہر اور عصر کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب۔ فی البحر عن المحیط لو صلی العصر ثم تبین له انه صلی الظهر بلاوضوء یعید الظهر فقط لانه بمنزلة الناسی، ردالمحتار باب الفوائت ج ۱ ص ۷۶۱۔ اس

روایت سے معلوم ہوا کہ بعد کی نمازیں سب صحیح ہوگئیں، صرف صبح کی نماز کا قضاء کرنا پڑے گا۔

۹ رشعبان ۱۳۳۲ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۸۸)

حکم ادراک فرض مغرب بعد سجدہ ہائے رکعت ثانیہ

سوال (۴۳۴) بہشتی گوہر میں جماعت میں شامل ہونے کے مسائل ہیں اور اس میں مغرب کے وقت دوسری رکعت کا سجدہ کرلیا ہو تو دو رکعت پر سلام پھیر دے ہے مگر عالمگیریہ و درمختار میں لکھا ہے کہ نماز پوری کرلے؟

الجواب۔ (بقلم المولوی عبدالکریم الگمتھلوی) صحیح یہی ہے کہ اگر مغرب کی دوسری رکعت کا سجدہ کر چکا ہو تو سلام نہ پھیرے بلکہ نماز تنہا ہی پوری کرلے اور جماعت میں شامل نہ ہو، فی الشامی ص ۷۴۵ ج ا ۔او ان فی غیر رباعی قطع واقتدی مالم یسجد للثانیة فان سجد اتم و لم یقتد اھ وهكذا في العالمگیریه، اور بہشتی گوہر میں اگر اس کے خلاف ہے وہ غلطی ہے لیکن سوال میں جو عبارت بہشتی گوہر کی طرف منسوب کی ہے وہ عبارت اس میں نہیں نقل میں احتیاط لازم ہے۔ ۹ رشوال ۱۳۴۳ھ (ترجیح خامس)۔

☆☆☆
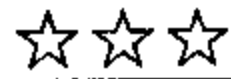
فصل فی احکام اللاحق والمسبوق

حکم اتمام تشہد مسبوق را کہ در قعدۂ اولیٰ یا اخیرہ شریک شود

سوال (۴۳۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسبوق امام کے ساتھ قعدۂ اولیٰ میں ملا، اور قبل اس کے کہ مسبوق تشہد ختم کرے امام اٹھ گیا تو مسبوق امام کی متابعت کرے یا تشہد ختم کر کے اٹھے؟

الجواب۔ اس صورت میں مسبوق تشہد ختم کر کے اٹھے بدون ختم کرنے تشہد کے نہ اٹھے هكذا في ردالمحتار عبارته هذا قوله لا يتا بعه الخ اى ولوخاف ان تفوته الركعة الثالثه مع الإمام كما صرح به في الظهيريه و شمل بإطلاقه مالو اقتدى به في اثناء التشهد الاول او الاخير فحين قعد قام إمامه او سلم و مقتضاه انه يتم التشهد ثم يقوم فقط واللہ اعلم بالصواب (امداد ص ۲۱ ج ۱)

سوال (۴۳۶) مسبوق جو سلام پھیرنے کے قریب آ کر داخل جماعت ہوا ہے التحیات کے دو تین کلمے پڑھنے پایا تھا کہ امام نے سلام پھیر دیا تو یہ مسبوق امام کے سلام پھیرتے ہی باقی نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے یا پوری التحیات پڑھ کر کھڑا ہو؟

الجواب۔ پوری التحیات پڑھ کر کھڑا ہو، كذا في الدرالمختار فصل شروع الصلوة بعد بيان كيفية الركوع۔ یکم صفر ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۳)

حکم تسلیم مسبوق سہواً مع الامام

سوال (۴۳۷) مسبوق نے امام کے ساتھ بھول کر سلام دونوں طرف پھیر دیا اور اپنے یا دوسرے کے کہنے سے اسی وقت یا کچھ توقف کر کے کھڑا ہو گیا، ان چاروں صورتوں میں سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اگر امام سے پہلے یا اس کے ساتھ سہواً سلام پھیرا تو سجدہ سہو لازم نہیں جمیع

صور مندرجۂ سوال میں، کیونکہ یہ ہنوز مؤتم ہے اور سہو موتم سے سجدہ لازم نہیں اور اگر بعد سلام امام کے پھیرا تو سجدۂ سہو لازم ہے علیٰ عموم الصور المذکورۃ و لاسجود علیه ان سلم سهوا قبل الإمام او معه وان سلم بعده لزمه لكونه منفردا حينئذ بحر ۱۲ شامی فی بحث سجود المسبوق سهوا ج۱ص۴۹۹۔

اور اس مسبوق کو قبل کلام وتحویل عن القبلۃ بناء جائز ہے و يسجد للسهو ولو مع سلام للقطع مالم يتحول عن القبلة اويتكلم درمختار باشامی ج۱ص۵۰۵۔ اور دوسرے کے کہنے سے کھڑے ہونے میں احتیاط یہ ہے کہ اس کے کہنے کے ذرا بعد کھڑا ہوتا کہ قیام اپنی رائے سے ہو اس کا امتثال نہ ہو، کیونکہ نمازی کو غیر نمازی کے امتثال کا مفسد وغیر مفسد ہونا مختلف فیہ ہے اگر چہ اصح عدم فساد ہے۔

حتى لو امتثل امر غيره فقيل له تقدم او دخل فرجة الصف احد فوسع له فسدت بل يمكث ساعة ثم يتقدم برأيه، قهستانی معزياللزاهدی ومروياتی قنيه در مختار ۱۲ قوله ومر فی باب الإمامة عند قوله و يصف الرجال و قدمنا عن الشرنبلالی عدم الفساد و تقدم تمام الكلام هناك ۱۲ شامی۔ ج۱ص۴۱۸ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

طریق اتمام رکعت مسبوق را بعد فراغ امام

سوال (۴۳۸) جو شخص فرض ظہر یا عصر کی چوتھی رکعت میں شریک ہوا وہ تین رکعت باقی کس طور سے ادا کرے، کس رکعت کے بعد جلسہ کریں، اور کن رکعتوں میں ختم سورۃ کرے کونسی رکعت بدون سورۃ کے پڑھے، اور جو شخص تیسری رکعت میں شریک ہوا وہ دو رکعت باقی کس طور سے ادا کرے، جو مغرب کی تیسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا وہ اپنی دو رکعت باقی کس طور سے ادا کرے جلسہ اور ختم سورۃ کن رکعت میں کرے۔ فقط۔

الجواب۔ جس کی کوئی رکعت امام کے ساتھ فوت ہوگئی ہو اس کو مسبوق کہتے ہیں اس کی باقی نماز حق قراءت میں اول ہوتی ہے اور حق تشہد میں آخر ويقضى اول صلوة فی حق قراءة و آخرها فی حق تشهد، درمختار۔

پس جو شخص ظہر یا عصر میں چوتھی رکعت میں شریک ہوا بعد فراغ امام کے کھڑا ہو کر ثناء وتعوذ

پڑھ کر فاتحہ وسورۃ پڑھے اور یہ رکعت پوری کر کے قعدہ کرے پھر کھڑا ہو کر وہ رکعت بھی فاتحہ و سورۃ سے پڑھ کر پچھلی رکعت فقط فاتحہ سے پڑھ کر نماز تمام کرے اور جو تیسری میں شریک ہوا وہ دونوں رکعتیں فاتحہ وسورۃ سے پڑھے اوران دونوں کے بیچ میں جلسہ نہ کرے دونوں کے بعد قعدۂ اخیرہ کر کے فارغ ہو، جو مغرب کی تیسری میں شریک ہوا وہ دونوں میں فاتحہ وسورۃ پڑھے اور ہر رکعت پر بیٹھے۔فقط واللہ اعلم۔(امداد ص ۲۲ ج ۱)

حکم ثناء وتعوذ درحق مسبوق

سوال۔(۴۳۹) فتاویٰ اشرفیہ میں ایک شخص نے سوال مسبوق کے متعلق کیا کہ جماعت سے رہی ہوئی باقی رکعتیں کس طرح پوری کرے،حضور نے جواب میں فرمایا کہ بعد سلام امام وہ مسبوق اٹھے اور ثناء وتعوذ وبسم اللہ پڑھ کر الحمد وسورۃ پڑھے نیز بہشتی گوہر کے تتمہ میں حضور نے ارشادفرمایا ہے کہ مسبوق کسی وقت یعنی بعد جماعت کے ثناء واعوذ وبسم اللہ نہ پڑھے ثناء ساقط ہوگئی اس میں کیا مصلحت ہے؟

الجواب۔معلوم ہوتا ہے آپ نے بہشتی زیور کے ضمیمہ کو بالکل نہیں سمجھا اور افسوس ہے کہ عبارت بھی اس کی بعینہٖ نقل نہیں کی اپنی طرف سے غلط سمجھ کر خلاصہ نکال کر نقل کردیا ایسا تصرف نقل میں گناہ بھی ہے میں نے جو ثناء کا نہ پڑھنا لکھا ہے تو امام کے ساتھ شریک ہونے کی حالت میں لکھا ہے یعنی نہ نیت باندھ کر پڑھے اور نہ امام کی قراءت کے وقفات میں پڑھے یہ کہاں لکھا ہے کہ جب اپنی بقیہ نماز پڑھنے کھڑا ہو تب بھی نہ پڑھے سائل نے اس کو پوچھا ہی نہیں۔

۱۹؍ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ(تتمۂ خامسہ ص ۲۲۷)

سوال(۴۴۰) مسبوق رکعات جہریہ وخفیہ میں ثناء وتعوذ وتسمیہ تینوں پڑھے یانہیں اور جب بعد فراغت کے اپنی بقیہ رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑا ہو تو اس وقت ثناء وتعوذ وتسمیہ تینوں پڑھے یا صرف تعوذ وتسمیہ پر قناعت کرے جو کچھ فرق اس مسئلہ کے متعلق رکعات جہریہ وسریہ میں ہو مطلع فرمایئے گا؟

الجواب۔ **فی الدرالمختار قبل باب الاستخلاف والمسبوق منفرد حتی یثنی و یتعوذ ویقرء وان قرأ مع الإمام لعدم الاعتقاد بها لکراهة مفتاح السعادة فیما یقضیه اهـ مختصراً۔** اس روایت سے دوامر مستفاد ہوئے ایک یہ کہ مسبوق امام کے

ساتھ ثنا وتعوذ وتسمیہ نہ پڑھے دوسرے یہ کہ بعد فراغ امام کے جب اپنی بقیہ نماز پڑھنے کھڑا ہو سب چیزیں اور قراءت پڑھے اور جہری وسری اس حکم میں دونوں برابر ہیں لاطلاق الدلیل۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۷رذیقعدہ ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۶)

مسبوق کو رکعات فائتہ میں جہر کا حکم

سوال (۴۴۱) مسبوق کو اپنی فوت شدہ رکعت نماز جہریہ کی جہر سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں اگر جہر سے پڑھنا جائز ہے (جیسا کہ مؤطا امام مالکؒ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے) تو ایک مسبوق ہو خواہ دس بیس ہوں سب کو جہر سے پڑھنا چاہئے یا نہیں۔؟

الجواب۔مسبوق کو جہر جائز ہے خواہ ایک ہو یا متعدد۔ فی الدر المختار کمن سبق برکعۃ من الجمعۃ فقام یقضیھا یجھر قلت وھو باطلاقہ یعم الواحد والکثیر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۷رذیقعدہ ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴)

جواب سوالات اربعہ متعلقہ باحکام لاحق ومسبوق (۱)

سوال (۴۴۲) السلام علیکم ....دعوات عبدیت کا حصہ ’مقالات و مجادلات‘ کے مطالعہ سے مستفیض ہوا، خدا جزائے خیر دے جناب صدیق احمد صاحب اور دیگر مشیعین وضابطین کو کہ ان کی بدولت غائبین بھی فیض صحبت حاصل کر سکتے ہیں، اس رسالہ ’مقالات‘ کے صفحہ ۹ نمبر ۲۱ میں جو مسئلہ درج ہے اس کے دو جزؤں میں احقر کو کچھ شبہ ہے جس کی تحقیق کے لئے حضرت والا کو تکلیف دینا مناسب سمجھا کہ امر حق واضح ہو اور اسی کے متعلق دو امر اور بھی تحقیق طلب تھے اس لئے مکلّف خدمت ہوں کہ ان کو ملاحظہ فرما کر امر حق سے مطلع فرمایا جاوے۔

اوّل رسالہ مذکورہ ص ۹ میں مقیم مقتدی بالمسافر کا دو رکعت کو بلاقراءت پڑھ کر اس رکعت کو جو فوت ہوگئی تھی پڑھنا افضل لکھا ہے اور میری فہم ناقص میں یہ ترتیب واجب ہے اس کے ترک سے نماز صحیح تو ہو جائے گی مگر تارک آثم ہوگا اس لئے کہ مقتدی مذکور مسبوق ہونے کے ساتھ ہی علی الاصح لاحق بھی ہے اور لاحق مسبوق کو قضا مالحق فیہ وما سبق بہ میں ترتیب واجب یہ ہے کہ پہلے مالحق فیہ کو قضا کرے پھر ماسبق بہ کو، اس لئے کہ محل قضا ماسبق بعد الفراغ عن الاقتداء ہے اور وہ بعد قضاء مالحق فیہ ہے، اس لئے کہ لاحق تقدیراً خلف الامام اور حکماً مقتدی ہے پس جن رکعات

(۱) اس مسئلے سے متعلق آگے جو بحث آرہی ہے، اس کا آسان خلاصہ ضمیمہ نمبر ۱ ص: ۶۹۷، میں ملاحظہ فرمائیں۔محمد تقی عثمانی

میں لاحق ہے وہ رتبۃً ان رکعات سے جن میں مسبوق ہے مقدم ہوں گی اور ترتیب بین الرکعات واجب ہے، پس تقدم قضاء مالحق واجب ہوگا اور اس کا تارک آثم ہوگا نیز تاخیر قضاء مالحق کا موجب آثم ہونا درمختار کی اس عبارت ولو عکس صح و اثم لترک الترتیب سے ثابت ہے ایسے ہی ردالمحتار ص ۴۴۰ مطبوعہ مصر کی اس عبارت سے جو کہ تحت میں قول صح و آثم کے ہے وجوب قبلیت قضاء مالحق فیہ ثابت ہے، حیث قال لان الترتیب بین الرکعات لیس بفرض لانها فعل مکرر فی جمیع الصلوٰۃ و انما هو واجب۔

دوم۔ رسالۂ مذکورہ میں مقیم مقتدی بالمسافر کا بعد فراغ امام کے تین رکعت باقیہ میں سے دو پہلی رکعتیں بلا قعدۂ درمیانی پڑھنے کو لکھا ہے، حالانکہ ردالمحتار سے مفہوم ہوتا ہے کہ لاحق قضاء مالحق فیہ میں بترتیب نماز امام بھی تقعد کرے اور بترتیب اپنی نماز کے بھی اس بناء پر صورت ہذا میں مقتدی بعد سلام امام کے پہلی رکعت میں بھی قعدہ کرے، اس لئے کہ وہ اس کی نماز کی ترتیب سے دوسری ہے ملاحظہ ہو عبارت شامی ص ۴۳۹۔

تحت قوله ثم ما سبق به بها الخ فیصلی رکعة مما نام فیه مع الإمام و یقعد متابعة له لانها ثانیة إمامه ثم یصلی الاخری مما نام فیه و یقعد لانها ثانیته (ای المقتدی) الخ۔

سوم۔ پھر میری فہم ناقص میں آتا ہے کہ پہلی رکعت میں جو اس کی دوسری ہے تقعد بقدر تشہد ہو اور صرف التحیات پڑھے اور دوسری جو امام کی چوتھی ہے ایسی ہی تیسری جو اس کی چوتھی ہے اس میں قعدۂ طویلہ اور درود و دعاء بھی پڑھے اس لئے کہ لاحق جبکہ مقدار قیام و رکوع وسجود بلکہ جملہ امور میں امام کا تابع ہے حتیٰ کہ ترک تقعد ساہیاً میں تو مقدار و کیفیت تقعد میں بدرجۂ اولیٰ تابع ہوگا پس جس رکعت میں امام نے قعدۂ طویلہ کیا ہے اور تشہد کے ساتھ درود و دعاء بھی پڑھا ہے اس میں اسے بھی ایسا ہی کرنا چاہئے، اس امر قیاسی کی کہیں صراحت نہیں دیکھی اس لئے استدعاء ہے جو اس میں احقر کی غلطی ہو اصلاح فرمائی جاوے۔

چہارم۔ صلوٰۃ خوف میں طائفہ اولیٰ کو مطلقاً حکم عدم قراءت ہے اگرچہ بعض رکعات میں وہ مسبوق بھی ہو جیسے ظہر کی دوسری رکعات میں ملنے والا تینوں میں قراءت نہ کرے جیسا کہ ردالمحتار ص ۶۱۵ جو کہ تحت میں قول لانهم لا حقون کے ہے و المسبوق ان ادرک رکعة من الشفع الاول فهو من اهل الاولی و الا فمن الثانیة سے مستفاد ہے ایسے ہی

طائفہ ثانیہ کو مطلقاً حکم قراءت ہے اگرچہ بعض میں لاحق بھی ہو جیسے مقیم مقتدی بالمسافر صلوٰۃ خوف ذی رکعات اربعہ کی دوسری رکعت میں شریک ہو تو تینوں میں قراءت کرے باوجودیکہ دو رکعتوں میں وہ لاحق ہے جیسا کہ عالمگیری ص ۱۲۴ ج ا باب العشرون فی صلوۃ الخوف میں ہے وان كان الإمام مسافرا او القوم مقيمين صلى بالطائفة التي معه ركعة ثم انصرفوا بازاء العدو وصلى بالطائفة الثانية ركعة و سلم ثم يجيئى الطائفة الاولى فيصلون ثلث ركعات بغير قراءة الخ و تجيئى الطائفة الثانية الى مكان صلاتهم فيصلون ثلث ركعات الاولى بفاتحة الكتاب وسورة لانهم مسبوقون فيها والاخريين بفاتحة الكتاب۔

حالانکہ قیاس اس بات کو مقتضی ہے کہ طائفۂ اولی جن رکعات میں مسبوق ہے ان میں قرأت کرے اور طائفہ ثانیہ جن میں لاحق ہے ان میں قراءت نہ کرے تو اس اطلاق خلاف قیاس کی کیا وجہ ہے تحریر فرمائی جاوے؟

الجواب عن السوال المذکور۔ واقعی منقول تو وجوب ہی ہے اور اس ترتیب کو افضل کہنا میرا قیاس ہے جس کا مقیس علیہ تو مسبوق کا یہ مسئلہ ہے جو کہ درمختار وردالمحتار میں مذکور ہے۔

وهو منفرد فيما يقضيه اى بعدمتابعته الإمامه الخ متعلق بقوله يقضيه اى ان محل قضائه لما سبق به انما هو بعد متابعته لإمامه فيما ادركه عكس اللاحق كما مر لكن هنا لوعكس بان قضى ما سبق به ثم تابع إمامه ففيه قولان مصححان الى قوله و فى شرح الشيخ اسمٰعيل عن جامع الفتاوى يجوز عند المتاخرين وعليه الفتوىٰ اهـ و به جزم فى الفيض ج ا ص ۶۲۳۔

پس جس طرح اس جزئیہ میں باوجود لزوم ترتیب خاص کے اس کی تغییر کو متاخرین نے جائز کہا ہے اور اس پر فتوی بھی ہو گیا باوجودیکہ بعض اس صورت میں فساد صلوۃ کے بھی قائل ہیں تو مقیس بدرجۂ اولی اس حکم جواز کا مستحق ہے اس لئے کہ اول تو مقیس علیہ میں بعضے فساد کے بھی قائل ہیں یہاں فساد کا کوئی قائل نہیں تو مقیس میں وجوب اخف ہے بہ نسبت مقیس علیہ کے جب اس اشد میں وسعت ہوگئی تو اخف میں بدرجہ اولی وسعت ہو سکتی ہے۔

دوسرے مقیس علیہ اقل وقوعاً ہے اور عام لوگ اس میں غلطی نہیں کرتے اور مقیس کثیر الوقوع ہے اور عام لوگ اس میں بہت غلطی کرتے ہیں تو یہاں وسعت کرنا احق ہونا چاہئے وجہ قیاس تو یہ ہے، اور وجہ اختیار یہ ہے کہ اس مسئلہ کو بہت کم لوگ جانتے ہیں اور اس غلطی میں

ابتلائے عام ہے اس لئے فتویٰ میں آسانی مناسب ہے، بس یہ منشاء ہے میرے اس قول کا، چنانچہ عوام کو محض اس بے ترتیبی سے اعادہ کا حکم نہیں کرتا ہوں لیکن منقول کے سامنے میری رائے کوئی چیز نہیں دوسرے علماء سے رجوع کیا جائے اگر اس کو غلط بتادیں میں بھی غلط کہوں گا۔

الجواب سوال دوم...... واقعی ردالمحتار میں اسی طرح ہے جس طرح سوال میں نقل کیا گیا ہے لیکن مدت ہوئی اس مقام پر میں نے ایک حاشیہ لکھا ہے اس وقت صرف اس کو نقل کئے دیتا ہوں اس کو بھی دوسرے علماء سے تحقیق فرمالیا جاوے۔

وهي هذه ،قلت هذا لا يصح دراية ولا رواية ،اما الاول فلان اللاحق لما كان حكمه كمؤتم فكيف يقعد في الثانية مع انها ثالثة إمامه ومقتضاه عدم القعود و اما الثاني فلعدم صحة النقل عن شرح المنية فان عبارته كما رواه بعض الثقات من احيابي و قال انه راٰه في اصله هكذا ثم يصلي الاخرىٰ ممانام فيه ولا يقعد لانها ثالثته اهـ وهكذا افتي والله اعلم۔

جواب سوال سوم...... یہ قیاس میرے خیال میں نہیں آتا اس لئے کہ لاحق حکماً مؤتم ہے اور حکمی مؤتم حقیقی مؤتم سے زیادہ نہیں ہوسکتا اور حقیقی مؤتم جبکہ امام کا قعدۂ اخیرہ ہو اور اس مؤتم کا قعدۂ اخیرہ نہ ہو صرف تشہد پر اکتفاء کرتا ہے تو یہ لاحق کیسے درود و دعا پڑھے گا باقی نہ میں نے کہیں دیکھا اور نہ یہ دعوی کرسکتا ہوں کہ میری اس تقریر پر کوئی خدشہ نہیں ہے اس لئے اس کو بھی دوسرے علماء سے رجوع کرلیا جاوے۔

جواب سوال چہارم...... صریح نقل ملنے سے تو مایوسی تھی وجوہ مختلفہ خیال میں آئے مگر ان کا درجہ نکات و لطائف سے زیادہ نہ معلوم ہوا سب سے اخیر میں جو وجہ ذہن میں آئی اور وہ اور وجوہ سے اقرب معلوم ہوتی ہے وہ عرض کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ یہ نماز خود خلاف قیاس مشروع و منقول ہوئی ہے اس لئے احکام قیاسیہ کا چلنا اس میں ضرور نہیں اور نص قرآنی سے کہ اس باب میں بوجہ اضطراب احادیث کے وہی نص ماخوذ بہ ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ طائفہ اولیٰ لاحق ہے اور طائفہ ثانیہ مسبوق۔

كما يدل على الاول قوله تعالىٰ فلتقم طائفة منهم معك الى قوله فاذا سجدوا فليكونوا من ورائكم کی ضمیر طائفۃً اولیٰ کی طرف راجع ہونا ظاہر ہے اس میں جو شخص **يكونوا من ورائكم** کے ساتھ متصف ہوگا وہ طائفہ اولی میں داخل ہے چنانچہ اگر ثانی

نماز ہو اور کوئی شخص بعد قومہ کے شریک ہو تو وہ بھی بعد سجدہ کے یکون من ورائکم کا مامور ہونے سے طائفہ اولی میں داخل ہوگا ورنہ یہ شخص کسی طائفہ میں داخل نہ ہوگا اولیٰ میں تو اس لئے کہ رکعت اولیٰ نہیں ملی اور ثانیہ میں اس لئے کہ اس ثانیہ کے آنے سے پہلے یہ شخص سجدہ سے اٹھ کر ورائکم چلا گیا لظاهر قوله تعالى فاذا سجدوا فليكونوا من ورائكم فامر بكونهم من ورائهم بعد السجدة اور ظاہر ہے کہ یہاں دو ہی طائفہ ہیں پس لامحالہ ایک میں داخل ہونا چاہئے اور اول میں داخل ہونا اس لئے احق ہے کہ وہ یکون من ورائکم کے ساتھ متصف ہے لما مر، پس جس طرح ثنائی میں اس شخص کو اس بناء پر طائفہ اولیٰ میں داخل کیا کہ وہ مامور ہے۔ یکون من ورائکم۔ کا اسی طرح رباعی میں اس شخص کو جس کو مثلاً ایک رکعت ملی ہو یا بلکہ ایک رکعت بھی نہ ملی ہو مگر تشہد میں مل گیا ہو اسی بناء مذکور پر طائفہ اولیٰ میں داخل کہیں گے اور لاحق کا حکم دیں گے، پس یہ شخص گو حقیقۃً لاحق نہیں مگر حکماً لاحق ہے اسی طرح لم یصلوا کی ضمیر کا طائفہ اخریٰ کی طرف راجع ہونا بوجہ اس کے کہ وہ موصوف وصفت ہیں ظاہر ہے اس میں کہ جو شخص لم یصلوا مع الطائفة الاولى کے ساتھ متصف ہوگا وہ طائفہ اخریٰ میں داخل ہے پس اس بناء پر جس شخص کو رباعیہ کی اخیر ملے وہ حکماً بقیہ میں مسبوق ہوگا اور تینوں میں قراءت کرے گا اور عالمگیریہ کے ایک جزئیہ سے اس تقریر کی من وجہ تائید ہوتی ہے ومن دخل في قسم غيره صار حكمه حكم ذلك الغير الا اذا دخل بعد ما فرغ من نفسه فان صلى الظهر بالطائفة الاولى ركعتين وانصرفوا الارجل بقي حتى صلى الثانية ثم انصرف فصلوته تامة لانه وان دخل في قسم الثانية لكن لم يصر منها لانها فرغ من قسم نفسه كذا في محيط السرخسي اهـ۔

لیکن اس تقریر کی صحت موقوف ہے اس پر کہ جزئیات مذکورہ تقریر کا حکم اس کے خلاف کہیں نہ نکل آوے یا کوئی جزئی مستقل جو مستلزم ہو اس کلیہ مذکورۂ تقریر کو منقول نہ نکل آوے، اس لئے اس میں بھی دوسرے علماء سے رجوع ضروری ہے۔ اشرف علی ۷ محرم ۱۳۳۲ھ۔

پھر سوالات ذیل آئے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

صحیفہ والا آیا جس سے بہت سی مفید باتیں معلوم ہو کر نہایت مسرت ہوئی لیکن ابھی چند شبہات اپنی کم استعدادی کی وجہ سے باقی ہیں جن کے جواب کے لئے دوبارہ جناب ہی کو تکلیف

دینا مناسب سمجھا اگرچہ جناب کی تکلیف احقر کی کلفت کا باعث ہے اور آپ کے وقت عزیز کا بھی خیال ہے مگر شوق استفادہ غالب ہے اور صحیفۂ والا کے مطالعہ سے لطف ملاقات بھی تکلیف جواب کی طرف آمادہ کرتا ہے، اس لئے عارض مدعا ہوں کہ غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی دیکھی بیشک اس میں جیسا کہ جناب نے جواب نمبر ۲ میں تحریر فرمایا ہے۔ لا یقعد لانھاثالثته اور ایک نسخہ میں لانھا ثانیته ہے جو دلیل منفی ہوسکتی ہے میں اس جزئیہ میں حکم قعود کو درایت و نیز اس اصل کے جو اس کی تعلیل میں خود علامہ شامیؒ نے شرح منیہ سے نقل کیا ہے خلاف ہونے سے متحیر تھا کہ بحمدہ حضرت کی تحریر سے امرحق واضح ہوگیا، اب باقی اجوبہ کے متعلق امور دریافت طلب ہیں عرض ہیں۔

شبہ بر جواب اول...... قیاس میں تو مقیس علیہ کا حکم مقیس کو دیتے ہیں مگر قیاس ہذا میں ایسا نہیں اس لئے کہ مقیس علیہ میں جو متاخرین نے حکم جواز دیا ہے اس سے مراد مع الکراہۃ التحریمہ ہے جیسا کہ کبیری ص ۴۴۱ شرح منیۃ المصلی میں ہے۔

لو ابتدأ بقضاء ما سبق به قيل تفسد صلٰوته والاصح انها لا تفسد ولكن تكره، اور مقیس میں جو جناب کا فتویٰ ہے وہ ترک اولیٰ ہے پس دونوں کے حکموں میں تغائر ہوگا، دوسرے مقیس علیہ میں جس قول یعنی کراہت تحریمیہ پر جو فتویٰ ہوا ہے اس کی اصحیت کے بعض قائل ہیں اور مقیس میں عدم کراہت کا کوئی قائل ہے ہی نہیں جو مستحق توسیع ہو اور خلاف ہے بھی تو زفرؒ کا جو فساد کے قائل ہیں، تیسرے مقیس علیہ میں عدم فساد مع الکراہۃ کی علت ترک ترتیب واجب ہے اور یہی علت مقیس میں بھی موجود ہے پس یہ بھی حکم کراہت کا مستحق ہوگا۔

شبہ بر جواب (۳)...... اگر مؤتم حقیقی کو جبکہ مسبوق ہو بجائے درود و دعاء کے جس کے بعض قائل ہیں بناء برقول صحیح ترسل کرنا چاہئے لیکن نفس تقعد زائدعلی قدرالتشہد میں سوائے چند مواضع عذر کے امام کا تابع ہے جیسا کہ درمختار عالمگیری رسائل الارکان میں ہے کہ مسبوق کا قبل سلام کے کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے پس لاحق کو بھی بوجہ اقتداء حکمی کے نفس تقعد زائدعلی قدرتشہد الامام میں اتباع کرنا چاہئے اور اس تقعد طویل میں جیسا کہ مسبوق میں بعض درود ودعاء کے پڑھنے اور بعض سکوت اور بعض تکرار کے قائل ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ ترسل کرے ایسے ہی اس میں بھی ہوگا۔

شبہ بر جواب (۴)...... اول جواب آنے کے بعد عالمگیری کی اس عبارت **وان عادت الطائفة الثانية (اى الذين صلوا الركعة الثانية من الشفع الاول) صلوا**

الرکعة الثالثة والرابعة بغیر قراءة ثم یقضون الرکعة الاولی بقراءة (ج ا ص ۱۲۵) پرنظری پڑی جس سے بالکل مطابق قیاس کے ثابت ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز خوف کی دوسری رکعت میں ملنے والا لاحق مسبوق ہے لہٰذا دوپچھلی رکعتوں میں قراءت نہ کرے اور ایک پہلی رکعت میں قراءت کرے ایسے ہی عالمگیری کے ان دو جزئیوں سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

(۱) ویقضون رکعتین احدٰھما بغیر قراءة والثانیة بقراءة۔

(۲) ویقضی الثانیة رکعتین الرکعة الثانیة بغیر قراءة ۔لیکن عبارت ردالمحتار باب صلوٰة الخوف مندرجہ سوال۔

(۳) والمسبوق ان ادرك رکعة من الشفع الاول فھو من اھل الاولی والا فمن الثانیة دلالة۔اس کے معارض ہے تو ان دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے۔

دوم...... والا فمن الثانیة سے معلوم ہوا کہ قومہ یا تشہد قسم اول میں شریک ہونے والا طائفہ ثانیہ سے ہے پس احکام طائفہ ثانیہ کے اس پر جاری ہوں گے اور اسی قسم ثانی میں امام کے ساتھ شریک ہونا اور بعد اتمام طائفۃ اولی کے قسم اول کو بقراءت قضا کرنا ہوگا اور اگر ایسا نہیں تو پھر والا فمن الثانیة کے کیا معنی ہوں گے اور اگر یہی مراد ہے جو عرض کیا گیا تو کیا اس کی تطبیق آیت قرآنی سے یوں صحیح ہوسکتی ہے کہ مراد سجدوا سے اتموا رکعة ہے اور امر بکونھم من ورائھم مشروط بالسجدة ای الرکعة ہے پس ایک رکعت سے کم پانے والا (یعنی رکوع رکعت اولی ثنائی یا رکعت ثانیہ غیر ثنائی کے بعد ملنے والا) بوجہ فقدان شرط کے یکون من ورائکم کا مامور نہ ہوگا، اور لم یصلوا الرکعة مع الطائفة الاولی کے ساتھ متصف ہونے سے فلیصلوا معك کا مامور ہوگا پس اسے بعد ختم قسم اول صلوٰۃ کے مقابل عدو میں جانا ہوگا بلکہ قسم ثانی کو طائفہ ثانیہ کے ساتھ پڑھنا ہوگا۔

سوم......تقریر جواب سے یہ سمجھ میں نہ آیا کہ مثلاً ظہر کی نماز خوف میں امام مسافر ہو اور مقیم دوسری رکعت میں ملے تو عالمگیری وشامی میں مصرح ہے کہ تینوں رکعتوں میں قراءت کرے حالانکہ صلوٰۃ امن میں ایسا نہیں اس نماز کا خلاف قیاس مشروع ہونے کا یہ نتیجہ ہوسکتا ہے کہ بعض امور میں جس میں نص وارد ہے۔جیسے اثنائے صلوٰۃ میں نماز سے علیحدگی وغیرہ ان میں قیاس کو مجال نہ ہو لیکن جن امور میں نص ساکت ہے اور وہ اسی نماز کی کسی صورت میں مثبت بالقیاس ہیں ان کو اسی نماز کی دوسری صورت میں باوجود اشتراک فی العلۃ کے بدون استحسان کے ترک کی کیا وجہ ہے

مثلاً جو مسافر خلف المقیم کی ظہر کی دو پہلی رکعتوں میں شریک ہو اس کو دو پچھلی رکعتوں میں حکم ترک قراءت دیتے ہیں اور جو مقیم خلف المسافر ظہر کی دوسری رکعت میں شریک ہو اس کو تینوں رکعتوں میں حکم قراءت دیا ہے تو پہلی صورت میں جو حکم ترک قراءت فقہاء نے دیا ہے وہ نصی تو ہے نہیں قیاسی ہے جس کی علت اشتراک تقدیری فی الاداء ہے اور یہ علت صورت ثانیہ کی دو پچھلی رکعتوں میں بھی موجود ہے اس لئے کہ اس نے اس کا التزام کیا تھا کہ باقی نماز امام کے ساتھ ادا کرے لیکن بوجہ عذر (قصر امام) کے یہ حاصل نہ ہوسکا اور یہی معنی اشتراک تقدیری فی الاداء کے ہیں پس جبکہ صلوٰۃ خوف کی ایک صورت میں اس قیاس کو چلایا گیا تو دوسری صورت میں فقہاء کا قیاس ہذا کے ترک کی کیا وجہ ہے اگر کوئی استحسان ہے تو وہ معلوم ہو اور اگر کوئی اور وجہ ہے تو وہ بیان فرمائی جاوے۔

نیاز مند سعید احمد مہتمم مدرسہ رفاہ المسلمین انگی محلّہ لکھنؤ۔

الجواب عن السوالات المتصلة

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

تائید وموافقت فی جواب السوال الاول سے مسرور ہوا، بقیہ سوالات کی نسبت عرض کرتا ہوں۔

الجواب من الشبهة على الجواب الاول...... جواز مع الکراہۃ کا شبہ مجھ کو بھی ہوا تھا مگر مراجعت کتب کی فرصت نہ ملنے سے تحقیق نہ کرسکا اب اس شبہ کی قوت آپ کی نقل سے ثابت ہوئی، اصل میں میری رائے کا مبنیٰ ابتلائے عام ہے ایسے امر میں جو بہت سے خواص پر بھی خفی ہے باقی جزئیہ زیادہ تقویت کے لئے لکھدیا تھا اگر یہ مبنیٰ سہولت کا ہوسکتا ہے جیسا فقہاء نے لکھا ہے، **ماضاق امر الا اتسع** تو میرا حکم صحیح ہے ورنہ غلط، اس سے زیادہ میرے پاس دلیل نہیں اور نہ اپنے فتویٰ پر اصرار ہے مگر جی چاہتا (۱) ہے کہ آسانی کی جاوے۔

---

(۱) اس کے بعد یہ واقعہ ہوا کہ ایسی صورت کے متعلق کہ مقیم مقتدی نے ایک رکعت ہوجانے کے بعد خواہ دوسری رکعت میں اور خواہ اس کے بھی بعد مسافر امام کا اقتداء کیا ہو مدرسۂ سہارن پور میں ایک فتویٰ لکھا گیا کہ یہ شخص لاحق نہیں ہے صرف مسبوق ہے تو یہ شخص اپنی نماز میں قرأت والی رکعتوں کو (۱) مقدم کرے۔ اور مدرسۂ دیوبند میں یہ فتویٰ لکھا گیا کہ یہ شخص لاحق و مسبوق دونوں ہے اس لئے غیر قراءت والی رکعتوں کو مقدم کرے پس جس ترتیب کو بندہ جائز غیر اولیٰ کہتا تھا وہ فتویٰ سہارنپور میں واجب ہے اور جس کو بندہ اولیٰ کہتا تھا وہ اس فتویٰ میں ناجائز ہے، اور فتویٰ دیوبند موافق مشہور کے ہے۔ ناظرین اس کی مزید تحقیق اپنے موقع اطمینان سے کرلیں اور اگر بعد تحقیق کسی کی ترجیح ثابت نہ ہو تو مثل...... (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)......

---

(۱) قولہ قرأت والی رکعتوں کو الخ اقول یعنی جن میں قرأت فاتحہ مع السورہ ضروری ہے، اخریین میں صرف فاتحہ مندوب ہے از بندہ رشید احمد مدرس دار العلوم کراچی

الجواب عن الشبهة علی الجواب الثالث ...... چونکہ قعدۂ زائد علی التشہد خود امام ہی پر واجب نہیں اس لئے اس کو لازم قرار دے کر درجۂ حکمی میں اس کی رعایت نہ کی جاوے گی جیسا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مسائل اختلافیہ کے کسی جانب پر قصداً یا بوجہ عدم تحقیق اتفاقاً عادۃً عمل کرنے والے پر ملامت نہ کی جائے اور اس کے عمل پر صحت کا حکم لگا دیا جائے اور یہ موافق ہوگا میرے قول اول یعنی ہر دو کے جواز کے جس کے متعلق اس فصل کے مباحث ہیں اور بعد تحقیق تو وہی شق عمل اور تعلیم کے لئے متعین ہو جاوے گی اور ادلہ جانبین کے بعض تو استنباطات میں جو بوجہ دوسری توجیہ کے احتمالات کے حجت نہیں اور بعض صریح ہیں چنانچہ فتویٰ مظاہر علوم کی دلیل عالمگیریہ کی صلوۃ الخوف کی وہ روایت ہے جو اس فصل کے سب سے اول کے سوال میں منقول ہے۔ جس میں یہ عبارت ہے وتجیئی الطائفة الثانية الی مكان صلوتهم فيصلون ثلث ركعات الاولى بفاتحة الكتاب وسورة لانهم مسبوقون فيها والاخريين بفاتحة الكتاب۔ جس سے معلوم ہوا کہ غیر اُولیٰ میں ملنے والا مقیم خلف المسافر صرف مسبوق ہے اور صلوٰۃ الخوف کی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں اور دار العلوم کی صریح دلیل شامی کی یہ روایت ہے و قد يكون (ای المقيم المؤتم بالمسافر) مسبوقاً ايضاً كما اذا فاته اول صلوة إمامه المسافر ص ۱ ۶۲ ج ۱۔ احکام المسبوق والمدرک واللاحق)، مگر مظاہر علوم کی دلیل میں نہر کے ایک جزئیہ سے جو فصل ہذا کے سب سے اخیر کے سوال میں منقول ہے جس میں یہ عبارت ہے، والمسبوق ان ادرک رکعة (۱) من الشفع الاول فهو من اهل الاولى والا فمن الثانية (ج ۱ ص ۸۸۶ صلوۃ الخوف) یہ شبہ پڑ گیا کہ جیسا نہر کا یہ حکم (کہ شفعۂ اولیٰ کی رکعت ثانیہ پانے والا طائفۂ اولیٰ میں سے قرار دیا گیا اور اس لئے اس قراءت سے منع کیا گیا چنانچہ طائفۂ اولیٰ بقیہ نماز میں قراءت نہیں کیا کرتا ہے (لانه لاحق حقيقة كمدرك الركعة الاولى اوحكماً كمدرك الركعة الثانية من الشفعة الاولى) اس شخص کے عدم مسبوقیت حقیقیہ کو اور دوسرے مسبوقین کی طرف اس منع قراءت کے تعدیہ کو کسی کے نزدیک مستلزم نہیں ہوا اسی طرح عالمگیریہ کا یہ حکم کہ رکعت ثانیہ کا پانے والا بقیہ میں قراءت کرے اس کے عدم لاحقیت کو اور دوسرے لاحقین کی طرف اس قراءت کے تعدیہ کو بھی مستلزم نہ ہونا چاہئے بلکہ نہر کے جزئیہ میں اس شخص کو حکماً لاحق کہیں گے اور عالمگیریہ کے جزئیہ میں اس شخص کو حکماً مسبوق کہدیں گے اور جب نہر کا حکم صلوٰۃ الخوف کے ساتھ خاص ہوگا لعدم التعدیہ اسی طرح عالمگیریہ کے حکم کو بھی صلوٰۃ الخوف کے ساتھ خاص کہیں گے اور دونوں حکم کسی استحسان پر مبنی ہوں گے جو ہم کو ظاہر نہیں ہوا اور یہ دونوں جزئیے مقیم خلف المسافر صلوٰۃ الخوف سے متعلق ہونے میں مشترک بھی ہیں پس دونوں شقوں کی ایک حالت ہوگی پس وہ مقدمہ کہ صلوٰۃ خوف کی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں مخدوش ہوگیا۔ ۱۲۔

(۱) قوله والمسبوق ان ادرک رکعة الخ اقول حضرت قدس سرہ نے اس جزئیہ کو مقیم خلف المسافر سے متعلق قرار دیا ہے کما یدل علیہ قولہ'' اور یہ دونوں جملے مقیم خلف المسافر الخ '' اس میں حضرت قدس سرہ سے تسامح ہوا ہے اس لئے کہ خلف المسافر شفعہ ثانیہ میں شرکت تو متصور ہی نہیں ہوسکتی، پس شبہ واقعہ ساقط ہوگیا اور '' فہو من الاولیٰ '' میں یہ کچھ تصریح نہیں کہ یہ شخص رکعات ثلاثہ میں لاحق ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ذہاب وایاب وغیرہ اجمال میں اور اخریین میں ترک قرأت کے حق میں طائفہ اولیٰ کی طرح ہے نہ کہ رکعت مسبوقہ میں بھی، وهو ظاهر جدا، علاوہ ازیں سہارن پور کے فتویٰ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ نے صلوٰۃ خوف کے جزئیہ کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے تحریر فرمائے ہیں جن کا جواب نہیں دیا گیا اور دار العلوم کی دلیل کا جواب تحریر کیا گیا ہے نیز مولانا مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی قدس سرہ کی تحقیق بھی سہارن پور کے فتوے کے مطابق ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل بندہ کے فتاوی مسمی باحسن الفتاویٰ میں ملاحظہ ہو۔ ۱۲

از بندہ رشید احمد مدرس دار العلوم کراچی

خود قیام میں ضروری نہیں کہ فاتحہ کی قدر کھڑا ہو بلکہ بقدر تین تسبیح کے بھی کافی ہے گو امام کے لئے سنت بھی ہے کہ اخریین میں فاتحہ پڑھے۔

الجواب عن الشبهة علی الجواب الرابع...... چونکہ اس کے متعلق تقریر میں کچھ پہلے ہی سے شرح صدر نہ تھا اس لئے اس وقت میں نے آپ کے شبہات کو دیکھنے کے قبل ہی وہ پہلا جواب تجویز کرلیا کہ اصل سوال ہی میں دوسرے علماء سے رجوع کرلیا جاوے وما انا من المتکلفین۔ ۲ر صفر ۱۳۳۲ھ (ترجیح ثانی ص ۱۹۰)

حکم عدم انتظار مسبوق سلام امام را وقت خوف عدم طلوع شمس

سوال (۴۴۳) نماز فجر میں اگر کوئی شخص دوسری رکعت میں شریک ہوا تو امام کے ساتھ التحیات وغیرہ میں شریک ہوتا ہے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تب تو آفتاب نکلنے سے پہلے اپنی نماز پوری نہیں کرسکتا اور اگر امام کو قعدہ میں چھوڑ کر اپنی رکعت پوری کرتا ہے تو طلوع آفتاب سے پہلے فارغ ہوجاوے گا تو دوسری صورت مقتدی کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب...... قواعد سے تو جائز معلوم ہوتا ہے۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص ۱۶)

☆☆☆

باب

السہو فی الصلوٰۃ واحکامہ

حکم سجدۂ سہو از درود خواندن در قعدۂ اولیٰ

سوال (۴۴۴) اگر چار رکعت کے درمیان قعدہ میں سوائے التحیات کے اگر چند لفظ بھی درود شریف کے پڑھے جاویں تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یانہیں؟

الجواب۔ سہو کا سجدہ واجب ہوگا اگر اس قدر پڑھ لیا۔ **اللھم صل علی محمد** فقط

(امداد صفحہ ۳۵ ج ۱)

وجوب سجدۂ سہو از قعود بر رکعت ثالثہ بقدر تسبیح

سوال (۴۴۵) منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ پہلی رکعت اور تیسری رکعت میں بیٹھنے سے سجدۂ سہو لازم ہے اور یہ عبارت ہے **ویجب سجدۃ السھو بمجرد الجلوس** اور صاحب مفتاح الصلوٰۃ نے مقدار ایک تسبیح کی قید لگائی، اور شامی میں مجرد جلوس موجب سہو نہیں لکھا ہے یعنی بقدر جلسۂ استراحت اگر سہواً کوئی شخص جلسہ کرے تو سجدۂ سہو واجب نہیں کیونکہ یہ جلسہ استراحت کا اختلاف بین الشافعیۃ والحنفیہ اختلاف فی السنیۃ وعدم السنیۃ ہے پس جس نے جلسۂ استراحت کے مقدار جلسہ کیا اس نے سنت کے خلاف سہواً کیا اور سجدۂ سہو ترک واجب سے ہوتا ہے نہ ترک سنت سے پس جب اختلاف فقہاء کی عبارات میں ہوتا ہے تو یہاں بھی احتمال ہے اس لئے تحقیق کی درخواست کی خود مجھے ایسا اتفاق ایک مرتبہ ہوگیا میں نے شامی کی رائے کو راجح سمجھ کر اس پر عمل کرلیا تھا مگر پھر بھی اپنے جی کو اس مسئلہ میں پورا اطمینان نہیں اس دوسرے مسئلہ میں حضور کی کیا تحقیق ہے۔

الجواب۔ مجھ کو بھی مدت سے تردد(۱) ہے مگر عمل اس پر ہے کہ بجز دجلوس سجدۂ سہو کرتا ہوں لالانه ترك السنة بل لان فيه التاخير في القيام، اور ایک تسبیح کی قدر تو عادۃً جلوس ہو ہی جاتا ہے اس میں ذرا غور کیجئے ۔ ۲۰/ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۱۰۷)

---

(۱) اس مقام کی تحقیق پر ایک حاشیہ برخوردار مولوی محمد تقی سلمہ نے لکھا ہے جو میرے نزدیک صحیح ہے، محمد شفیع عفی عنہ۔

اقول و بالله استعين :- عبارات ذیل زیر بحث مسئلے میں قابل غور ہیں:-

(۱) قال في ملتقى الابحر و يجب ان قرأفي ركوع او قعود او قدم ركناً أو اخره أو كرره أو غيرواجبا أو تركه كركوع قبل القراء ة وتاخيرالقيام الى الثالثة بزيادة على التشهد وقال شارحه العلامة شيخ زادهٌ واختلفوا في مقدارالزيادة فقال بعضهم بزيادة حرف و كلام المصنف يشير الى هذا و قال بعضهم بقدر ركن وهو الصحيح كما في اكثر الكتب (مجمع الانہر ص ۱۴۸ ج ۱)

(۲) و قال تحته شارحه العلامة ابن عابدينؒ بقدر ركن (بالحوالة المسطورة)

(۳) قال الإمام ظهير الدين المرغينانيؒ لايجب بقوله اللهم صل على محمد وانما المعتبر مقدار مايؤدى فيه ركنا كذا في الظهيرية (برجندی شرح وقایہ ص ۱۴۹ ج ۱)

(٤) قال ابن البزار الكردريؒ سهافي صلوته انها الظهر او العصر او غير ذلك ان تفكر قدر مايؤدى فيه ركن كالركوع لزم وان قليلاً فان شك في صلوة صلاها الخ (الجامع الوجیز علی ہامش الہندیہ ص ۷۰ ج ۴)۔

ان تمام عبارات سے مشترکہ طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تاخیر واجب کی مقدار اکثر فقہاءؒ نے یہ قرار دی ہے کہ اتنی دیر تاخیر ہو جائے جس میں کوئی رکن نماز مثلاً رکوع یا سجدہ وغیرہ ادا ہو سکے، اور وہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے وقفے میں ہوتا ہے، به صرح الطحطاويؒ في حاشيته على المراقي حيث قال و لم يبينوا قدر الركن و على قياس ما تقدم ان يعتبر الركن مع سننه وهو مقدر بثلاث تسبيحات (طحطاوی ص ۲۵۸ ج ۱)

اس قول کے علاوہ بھی بہت سے اقوال ذکر کئے گئے ہیں جن میں سے یا تو مرجوح ہیں یا وہ کہ جن کا مآل یہی نکلتا ہے، صاحب تنویر الابصار نے اس مسئلہ کو دو جگہ ذکر کیا ہے اور بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے، باب صفۃ الصلوۃ میں ان کی عبارت یہ ہے (فان زاد عامداً كره) فتجب الاعادة (او ساهيا وجب عليه سجود السهو اذا قال اللهم صل على محمد) فقط (على المذهب) المفتي به لا لخصوص الصلوٰة بل لتاخير القيام (شامی ص ۴۷۷ ج ۱) اس کے تحت علامہ شامیؒ نے کئی اقوال نقل کر کے بحر، زیلعی، شرح منیہ کبیری، وغیرہ سے اسی کو صحیح قرار دیا ہے، اور علامہ رملی اور شرح منیہ صغیری سے وعلى ال محمد کی زیادتی کا مرجح ہونا ذکر کیا ہے۔

اور باب سجود السہو میں صاحب تنویر فرماتے ہیں (وتاخير قيام الى الثالثة بزيادة على التشهد بقدر ركن) صاحب درمختار نے لکھا وقيل بحرف و في الزيلعي الاصح وجوبه باللهم صل على محمد، علامہ ابن عابدینؒ نے اس تعارض کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا (قوله والزيلعي الخ) جزم به المصنفُ في متنه في فصل اذا اراد الشروع وقال انه المذهب واختاره في البحر تبعاً للخلاصة والخانية والظاهرانه لاينا في قول المصنف هنا بقدر ركن تامل (شامی ص ۶۹۴ ج ۱)

جس سے معلوم ہوا کہ "اللهم صل على محمد" اور بقدر رکن دونوں اقوال کا حاصل اور مآل ایک ہی نکلتا ہے تو گویا جس جس نے اللهم صل على محمد کو مقدار تاخیر قرار دیا ہے اس نے بقدر رکن کے قول کے منافی کوئی بات نہیں کہی وبالعکس۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)......

حکم ضم سورت در اخریین بعد ترک کردن ایں ضم در اولیین

سوال (۴۴۶) فرض ظہر میں پہلے دونوں رکعتوں میں ضم سورہ نہیں کیا دونوں رکعت اخیرہ میں ضم سورت کرے یا کہ نہیں اور سجدۂ سہو کرے یا نہیں۔ فقط؟

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) رہی وہ عبارت جو منیۃ المصلی میں ہے کہ اگر کوئی شخص پہلی یا تیسری رکعت کے آخر میں بیٹھ جائے تو مطلق بیٹھ جانے ہی سے سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا، خواہ مقدار رکن بیٹھا ہو یا نہیں، اسی طرح اس میں یہ بھی ہے کہ جلسۂ استراحت سے سجدۂ سہو لازم آجائے گا (کبیری ص ۴۳۲)

سو اس بارہ میں تحقیق وہ ہے جو درمختار اور ردالمحتار میں لکھی گئی وہو ہذا۔

(۱) قال العلامة الحصكفيؒ في واجبات الصلوة و ترك قعود قبل ثانية او رابعة و كل زيادة تتخلل بين الفرضين . و قال الشاميؒ تحته و كذا القعدة في اخر الركعة الاولى او الثالثة فيجب تركها و يلزم من فعلها ايضاً تاخير القيام الى الثانية او الربعة عن محله وهذا اذا كانت القعدة طويلة اما الجلسة الخفيفة التي استحبها الشافعيؒ فتركها غير واجب عندنا بل هو الافضل (شامی ص ۴۳۸ ج ۱)

(۲) قال في الدر المختار و يكبر للنهوض على صدور قدميه بلا اعتماد و قعود استراحة و لو فعل لابأس و قال الشاميؒ تحته قال شمس الائمة الحلوانيؒ الخلاف في الافضل حتى لو فعل كما هو مذهبنا لابأس به عند الشافعيؒ ولو فعل كما هو مذهبه لابأس به عندنا كذا في المحيط اهـ قال في الحلية والاشبه انه سنة او مستحب عند عدم العذر و يكره فعله تنزيها لمن ليس به عذر اهـ و تبعه في البحر...... اقول ولا ينافي هذا ما قدمه الشارح في الواجبات حيث ذكر منها ترك قعود قبل ثانية و رابعة لان ذاك محمول على القعود الطويل (ردالمحتار ص ۴۷۳ ج ۱)

اس لئے ان عبارات سے معلوم ہوا کہ دو رکعتوں کے درمیان جلسہ خفیفہ عمداً جائز ہے اور شامیؒ کی تصریح کے مطابق ترک قعود جو واجب ہے، وہ قعود طویل ہے، قصیر نہیں، درایت کا مقتضا بھی یہی ہے کیونکہ یہ فعل عمداً جائز ہے تو سہواً بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہئے، نیز چونکہ یہ قول ''بقدر رکن'' کی تقدیر کے مطابق ہے اس لئے اسی کو ترجیح ہونا چاہئے............ اور جب اس روایت کے ساتھ شامیؒ کی یہ روایت مل گئی تو اس دعویٰ میں مزید قوت پیدا ہوگئی، اور خود علامہ ابراہیم حلبیؒ کی تصریح علامہ شامیؒ نے نقل فرمائی ہے کہ عن شرح المنية انه لا ينبغي ان يعدل عن الدراية، اى الدليل اذا وافقتها رواية۔

خلاصہ...... یہ کہ جو مقدار جلسۂ استراحت کی شوافع کے یہاں مسنون ہے اس مقدار تک بیٹھنے سے سجدۂ سہو لازم نہ آنا چاہئے۔

هذا ما بدالي والله سبحانه وتعالى اعلم بالصواب .

احقر محمد تقی عثمانی غفر اللہ لہ۔ یکم محرم الحرام ۱۳۸۰ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفی عنہ
۱-۱-۸۰ھ

الجواب صحیح
بندہ رشید احمد عفی عنہ
۴-۱-۸۰ھ

الجواب۔ کرنا جائز ہے اور واجب ہونے میں اختلاف ہے لیکن سجدۂ سہو ہر حال میں ہے کیونکہ واجب ترک ہوا۔ في الدر المختار بحث القراء ة ولو ترك سورة اولى العشاء مثلا قرأها وجوبا و قيل ندبا وفي رد المحتارو يسجد للسهو لو ساهيا وليعلم الرباعية السرية اه۔ ۱۷ محرم ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۶۹ ج ۱)

اسی قسم کا ایک مسئلہ ص ۱۲۹ ج ۱ پر گزر چکا ہے (امداد ص ۱۰۷ ج ۱) اسی قسم کا ایک مسئلہ ص ۱۵۸ ج ۱ پر گذر چکا ہے (تتمۂ ثالثہ ص ۴۷)

ترک تعدیل سہواً

سوال (۴۴۷) اگر سہواً تعدیل صلوٰۃ ترک شود برائے جبر نقصان فقط اعادہ واجب است یا خیار مابین سجدۂ سہو و اعادہ ہست بینوا توجروا؟

الجواب۔ في الدر المختار ولها واجبات لا تفسد بتركها و تعاد وجوبا في العمد والسهو لم يسجد له وان لم يعدها يكون فاسقا اثما و فيه تعديل الاركان وفي ردالمحتار ج۱ ص ٤٨٤ فيمكث في الركوع والسجود وفي القومة بينهما حتى يطمئن كل عضو منه هذا هو الواجب عند ابي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالى حتى لو تركها او شيئا منها ساهيا يلزمه السهو اهـ۔

پس ازیں روایات حاصل شد کہ در صورت مسئول عنہا سجدۂ سہو واجب باشد مخیّر درمیان سجدۂ سہو و اعادہ نباشد آرے اگر سجدۂ سہو نہ کرد اعادہ واجب ست علی التعیین۔ واللہ اعلم۔
۲۶ رشوال ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۸۱ ج ۱)

حکم عمل امام بر قول خارج صلوٰۃ و تحقیق حدیث ذوالیدین

سوال (۴۴۸) صلوٰۃ مغرب میں امام نے سہواً دو رکعت پر سلام پھیرا اور سلام ہی پھیرنے میں اس کو شبہ ہوا کہ شاید دو رکعتیں پڑھیں مگر عدم تیقن اور اس شبہ کی مرجوحیت کے باعث توجہ نہ کی سلام پھیرنے کے بعد مقتدی نے کہا دو رکعت ہوئیں، مقتدی کے اس قول سے اس کا شبہ راجح ہوا اور امام فوراً کھڑا ہو گیا سب مقتدی بھی کھڑے ہو گئے اور تیسری رکعت پر سلام پھیر کر سجدۂ سہو کر لیا نماز ہوئی یا نہیں، اگر ہوئی تو اس مقتدی متکلم کی بھی ہوئی یا نہیں۔ اسی میں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ تکلم عندالاحناف مطلق مفسد صلوٰۃ ہے خواہ لاصلاح الصلوٰۃ ہو یا نہیں،

ذوالیدین کی حدیث کس حدیث سے منسوخ ہے۔

الجواب۔ اس قسم کی جزئیات میں فروع مختلف لکھی ہیں، کما یظهر من مطالعة الدر المختار ورد المحتار (صفحہ ۵۹۶ صفحہ ۶۵۰ و ۶۷۳) لیکن اس باب میں طحطاوی نے خوب فیصلہ کیا ہے جس سے سب فروع بھی متفق ہوجاتی ہیں، شامی نے صفحہ ۵۹۶ میں اس طرح نقل کیا ہے و قال لو قیل بالتفصیل بین کونه امتثل امر الشارع فلا تفسد و بین کونه امتثل امر الداخل مراعاة لخاطره من غیر نظر لامر الشارع فتفسد لكان حسنا اھ۔

پس جب(۱) امام کا شبہ راجح ہوگیا تو امر شارع کے سبب سے وہ کھڑا ہوا ہے اس لئے اس کی اور مقتدیوں کی سب کی نماز ہوگئی بجز کلام کرنے والے مقتدی کے کہ اس کی نماز بوجہ کلام کے فاسد ہوگئی جیسا حنفیہ کا مذہب مشہور اور متون میں مذکور ہے اور حدیث کے متعلق بحث اس مسئلہ میں یہ ہے کہ مسلم میں یہ تین حدیثیں نہی عن الکلام میں وارد ہیں ایک معاویہ بن حکم اسلمی کی جس میں یہ ارشاد ہوا ہے۔

ان هذه الصلوة لاتصلح فیها شئی من کلام الناس قلت عموم شیئی لکونه نکرة وقوعه تحت النفی یشتمل کل کلام بای وجه کان عامدا وناسیا اولا صلاح الصلوة ۔ دوسری حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نجاشیؓ کے پاس سے آنے کے وقت فقلنا یارسول الله کنا نسلم علیك فی الصلوة قال ان فی الصلوة شغلا تیسری زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی کنا نتکلم فی الصلوة الی قوله فامرنا بالسکوت ونهینا عن الکلام قلت اطلاق الکلام فی الحدیث الاخیر وکذاکونه منا فیالشغل الصلوة کما فی الحدیث الذی قبله یعم کل کلام۔

اور یہ تینوں حدیثیں بوجہ اشتمال علی النہی کے حدیث ذوالیدین سے ظاہرا معارض ہیں۔ اب مسلک مشہور علمائے حنفیہ کا یہ ہے کہ قصۂ ذی الیدین کو نہی عن الکلام سے مقدم کہتے ہیں اس لئے قصۂ ذی الیدین کو منسوخ اور نہی عن الکلام کو ناسخ قرار دیتے ہیں اس پر شبہ مشہور ہے کہ رجوع عن الحبشہ ابتداء میں ہوا ہے اور قصۂ ذی الیدین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موجود تھے اور ان کا اسلام بعد خیبر کے ہوا ہے۔

پس حدیث نہی کی مقدم ہے اور حدیث کلام کی مؤخر ہے پس نسخ صحیح نہیں اور حنفیہ نے

---

(۱) اس مسئلہ میں مجھے شرح صدر نہیں ہوا غور کرلیا جائے ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۱۵

جواب دیا ہے کہ ابو ہریرہؓ کا قصہ میں موجود ہونا مسلم نہیں، اور سند منع یہ ہے کہ ذوالیدین بدر میں شہید ہوئے ہیں اور بدر خیبر سے بہت پہلے ہے تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس قصہ میں کس طرح موجود ہو سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کسی اور سے روایت کرتے ہیں پس ممکن ہے کہ یہ قصہ حدیث نہی عن الکلام سے مقدم ہو اور منسوخ ہو باقی ابو ہریرہؓ کا یہ قول بینما ان اصلی یا صلی بنایا صلی لنا محمول ہے معنی صلی بالمسلمین اور یہ روایۃ بالمعنی پر پھر اس پر یہ شبہ ہوا ہے کہ مقتول بالبدر ذوالشمالین ہیں نہ کہ ذوالیدین پھر اس کا جواب دیا ہے کہ دونوں نام ایک ہی کے ہیں پھر اس پر شبہ ہوا کہ امکان تقدم سے وقوع تقدم لازم نہیں آتا جواب یہ ہے کہ مبیح اور محرم میں جب تعارض ہوتا ہے بدلیل مذکور فی الاصول مبیح کو مقدم رکھ کر منسوخ کیا جاتا ہے، یہ مختصر کلام ہے جو جانبین سے پیش کیا جاتا ہے اور اس احقر کا مسلک ان سب دعووں سے قطع نظر کرکے یہ ہے کہ آپ کا کلام فرمانا خصوصیات میں سے ہوسکتا ہے اور صحابہؓ کا کلام رسول کے ساتھ تھا اور کلام مع الرسول مفسد صلوٰۃ نہیں جیسا کہ بعض علماء نے اس حدیث میں لکھا ہے کہ آپ نے ابی بن کعب کو پکارا تھا پھر بعد نماز کے آپ نے یہ آیت یاد دلائی استجیبو اللہ وللرسول اذا دعاکم الآیۃ یا کلام بالایماء ہو جیسا ابوداؤد میں ہے او مئوا ای نعم عدم فساد بالکلام مع الرسول اور ایماء کو نوویؒ نے شرح مسلم صفحہ ۲۱۴ میں نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم (امداد ص ۸۱ ج ۱)

حکم اعلام مقتدی امام را در سہو

سوال (۴۴۹) امام کے سہو قعدہ پر مقتدی بجائے سبحان اللہ کے التحیات للہ کہے جو تعلیم ہے یا یوں کہے بیٹھ جاؤ نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب۔ سبحان اللہ اور التحیات دونوں جائز ہیں اور تعلیم و تلقین التحیات کی نہیں ہے بلکہ تذکیر ہے البتہ یہ کہنا درست نہیں کہ بیٹھ جاؤ اور اگر یہ کلمہ کہہ دیا تو اس کی نماز تو فاسد ہو جاوے گی اور امام کی نماز میں جواب سوال سابق تفصیل آچکی ہے کہ امر شارع سمجھ کر عمل کیا تو مفسد صلوٰۃ نہیں اور اگر محض اس کی خاطر سے اس کے کہنے پر عمل کرلیا تو مفسد صلوٰۃ ہے۔ (امداد ص ۸۳ ج ۱)

حکم عمل مقتدی بر اعلام امام

سوال (۴۵۰) مسافر امام کے ساتھ مقیم مقتدی سلام پھیر دے اور امام یوں کہے کہ کھڑے ہو جاؤ یا نماز پوری کر دو اور وہ بلا اعتماد علی ظنہ کھڑا ہو جس کا یہ مطلب ہے کہ محض امام کے

کہنے سے یا برابر والے کے بتلانے اور تعلیم کرنے سے مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب۔ وہی تفصیل ہے جیسے سوال بالا کے جواب میں گزری ہے۔ فقط (امداد ص ۸۳ ج ۱)

تحقیق اعادۂ فاتحہ وعدم اعادہ بعد خفی خواندن اند کے درآں یا عدم وجوب

سوال (۴۵۱) اگر منفرد نے نماز جہری شروع کی تھی اور کچھ قراءت خفی کر چکا تھا کہ کسی نے اس کی اقتداء کی تو جو پڑھ چکا ہے اس کے اعادہ بجہر کرنے میں اختلاف ہے اگر چہ شامی نے عدم اعادہ کو ترجیح دی ہے لیکن درمختار و بحر وغیرہ سے اعادہ مرجح معلوم ہوتا ہے یا کہ امام غلطی سے قراءت خفی تھوڑی کر چکا تھا کہ اس کے بعد خیال آیا تو بھی اختلاف عدم اعادہ کی صورت میں تو ظاہر ہے کہ سجدۂ سہو صورت اولیٰ میں واجب نہ ہوگا اور صورت ثانیہ میں اگر مقدار ما یجوز بہ الصلوٰۃ پڑھ چکا ہے تو واجب ہوگا لیکن بر تقدیر اعادہ کیا حکم ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے جیسا کہ عالمگیری میں تصریح ہے اگر اکثر فاتحہ پڑھ کر اعادہ کرے تو سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے تو آیا سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں صورت اولیٰ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اعادہ بقصد ہوا ہے اس لئے سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا اس لئے کہ سجدۂ سہو قصد سے واجب نہیں ہوتا لیکن صورت ثانیہ میں بھی یہی حکم ہوگا کہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر چہ اعادہ کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا لیکن جب مقدار ما یجوز بہ الصلوٰۃ سہواً خفی کر چکا ہے تو سجدۂ سہو واجب ہو چکا ہے اور اس تلافی سے وہ رفع نہ ہوگا یا رفع ہو جائے گا۔

شامی نے عدم اعادہ صورت اولیٰ میں ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اعادۂ فاتحہ سے سجدہ واجب ہوتا ہے اس لئے اعادہ نہ کرنا چاہئے؟

الجواب۔ یہ تو معلوم (۱) ہے کہ دونوں صورتوں میں اعادہ وعدم اعادہ مختلف فیہ ہے پس اگر اعادہ نہیں کیا گیا تو اس وقت دونوں صورتوں میں یہ تفصیل ہے کہ قائلین بعدم اعادہ کے نزدیک نماز کامل رہی اور قائلین بالاعادہ کے نزدیک نماز مکروہ ہوئی لترک الواجب اور چونکہ یہ ترک عمداً واقع ہوا ہے اس لئے سجدۂ سہو اس کا جائز نہیں ہو سکتا اور اعادۂ نماز لازم ہوگا۔ کما ہو مقتضی القواعد۔

اور اگر اعادہ کر لیا تو اس وقت تفصیل یہ ہے کہ قائلین بالاعادہ کے نزدیک نماز کامل ہوگی اور قائلین بعدم الاعادہ کے نزدیک نماز مکروہ ہوگی اور سجدۂ سہو سے جبر نقصان نہ ہو سکے گا۔ لما مر۔ مگر اقرب الی الفقہ عدم وجوب اعادہ ہے۔

---

(۱) یہاں پر تصحیح الاغلاط ص ۱۵ سے تغیر کیا گیا ہے۔ ۱۲ مصحح۔

لان فيه التحرز عن تكرار الفاتحة في ركعة وتاخير الواجب عن محله وهو موجب لسجود السهو فكان مكروها وهواسهل من لزوم الجمع بين الجهر والاسرار في ركعة على ان كون ذلك الجمع شنيعا غير مطرد لما ذكره اٰخر شرح منية ان الإمام لوسها فخافت بالفاتحة في الجهرية ثم تذكر يجهر بالسورة ولا يعيد وخافت باٰية اواكثر يتمها جهرا ولا يعيد و في القهستاني ولا خلاف انه اذا جهر باكثرمن الفاتحة يتمها مخافتة كما في الزاهدی اهـ۔

اى في الصلوة السرية وكون القول نقله في الخلاصة عن الاصل كما في البحروالاصل من كتب ظاهر الرواية لايلزم منه كون الثاني لم يذكر في كتاب اٰخرمن كتب ظاهرالرواية فدعوى انه ضعيف رواية ودراية غير مسلمة فافهم اهـ۔شامي۔

اب رہی یہ بات کہ اگر اعادہ کرلیا تو کیا حکم ہے، سواس کا جواب یہ ہے کہ احتیاطاً اعادہ مناسب ہے للتحرز عن الاختلاف اور اگر اعادہ نہ کرے تو نماز ہو جاوے گی لما فيه من السعة للاختلاف المذكور فيها عالمگیری کا جزئیہ سو وہ مطلق نہیں ہے بلکہ مقید بسہو ہے اور صورت ثانیہ میں اعادۂ فاتحہ سے سجدۂ سہو ساقط نہ ہوگا کیونکہ حکم اعادہ جبر نقصان کے لئے نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمع بین الجہر والمخافتۃ لازم نہ آئے ہٰذا ما عندنا۔ واللہ اعلم۔ فقط۔

۱۶ رمحرم ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۴)

سوال (۴۵۲) منفرد نماز جہر یہ کو سری پڑھ رہا ہے کچھ قراءت کر چکا تھا مثلاً فاتحہ اور اس کے پیچھے ایک اور شخص آ ملا اب یہ اول سے یعنی فاتحہ سے اعادۂ قراءت کرے جیسا کہ درمختار سے مفہوم ہوتا ہے یا جہاں سے پڑھ رہا تھا وہیں سے جہر کرنا شروع کر دے؟

الجواب۔ درمختار میں تو دوسرے قول کی طرف بھی اشارہ ہے بلکہ بہ عنوان استدراک لانے سے کسی قدر قول ثانی کی ترجیح مترشح ہوتی ہے اور علامہ شامی کی تحقیق سے بھی قول ثانی کو ترجیح معلوم ہوتی ہے خصوص آخر شرح منیہ کے جزئیہ نے اس قول کو بہت قوی کر دیا اور شامی نے سب نقل کر کے بعض کی تضعیف کا بھی جواب دیا ہے (ج ۱ ص ۵۵۵ فصل فی القراءۃ۔)

البتہ طحطاوی نے قول اول کو نقل کر کے اس پر کچھ کلام نہیں کیا جس سے ان کا رجحان قول اول کی طرف سمجھنے کی گنجائش ہے لیکن راقم کے نزدیک قول ثانی کو ترجیح ہے لقوة دليله و ضعف دعوى الشناعة في الجميع۔ ۱۴ رمحرم ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۸)

دلیل تشہد در سجدۂ سہو

سوال (۴۵۳) ایک صاحب اکثر سہو کا سجدہ بلاتشہد کرتے ہیں اور تشہد کا ثبوت حدیث صحیح نص صریح سے مانگتے ہیں؟

الجواب۔ فی الحدیث المتفق علیه عن ابن مسعودؓ قال علیه السلام اذا شك احدكم فی صلوته فلیتحر الصواب فلیتم علیه ثم لیسلم ثم یسجد سجدتین متفق علیه وایضاً فی المتفق علیه مرفوعاً حتی اذا قضی الصلوٰة وانتظر الناس تسلیمه كبروهو جالس فسجد سجدتین وفی حدیث الترمذی عن عمران بن حصین ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی بهم فسهی فسجد سجدتین ثم تشهد ثم سلم (كذا فی المشكوٰة) حدیث اول میں فلیتم علیه سے تشہد قبل سجدۂ سہو ثابت ہے کیونکہ بدون تشہد کے صلوۃ ناقص ہے اسی طرح حدیث ثانی سے کیونکہ بدون تشہد کے انتظار سلام کا نہیں ہوسکتا اور حدیث ثالث سے تشہد بعد سجدۂ سہو ثابت ہے پس مجموعہ سے مجموعہ ثابت [1] ہوگیا۔ فقط واللہ اعلم۔

یکم ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۹ ج ۱)

حکم تکرار تشہد در صورت سہو بعد تشہد

سوال (۴۵۴) قعدۂ اخیرہ میں بعد تشہد کے امام نے سلام پھیر دیا درود نہیں پڑھا مقتدی نے اللہ اکبر کہا اب امام پھر تشہد پڑھ کر سجدۂ سہو ادا کرے یا کہ سجدہ سہو نہ کرے؟

الجواب۔ خروج (۲) بفعل مصلی جو کہ فرض ہے اس میں تاخیر ہوئی اس لئے سجدۂ سہو واجب ہے اور اسی طرح واجب ہے جس طرح اس کا طریقہ مشروع ہے یعنی تشہد پڑھا جاچکا ہے وہ قبل سہو ہوا تھا لہٰذا وہ کافی نہ ہوگا۔ فقط۔ یکم ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۴ ج ۱)

---

(۱) پھر رحمت مہداۃ میں ابوداؤد ونسائی کی روایت سے ایک حدیث نظر سے گزری جس میں مجموعہ تشہدین مصرح ہے، عن عبداللہ بن مسعودؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا كنت فی صلوٰة فتشككت فی ثلث او اربع و اكثر ظنك علی اربع تشهدت ثم سجدت سجدین و انت جالس قبل ان تسلم ثم تشهدت ایضاً ثم تسلم (ص ۵۳ عنه۔)

(۲) اس جواب میں تسامح ہوا ہے اور غالباً منشاء تسامح یہ ہے کہ بادی النظر سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل کے نزدیک یہ امر متعین ہے کہ امام نے سلام جو پھیرا ہے وہ ناکافی ہے اور اسے دوسرا سلام خروج صلوٰۃ کے لئے پھیرنا ہوگا، اور تردد اس کو صرف اس امر میں ہے کہ آیا اس صورت میں سجدۂ سہو کرنا چاہئے یا نہیں اگر کرنا چاہئے تو تشہد پڑھ کر یا بلاتشہد اس تعین سے حضرت مولانا کو دھوکا ہوگیا، اور انہوں نے جواب دیا کہ خروج بفعل مصلی جو کہ فرض ہے اس میں تاخیر ہوئی الخ لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے، بلکہ صحیح جواب یہ ہے کہ امام کی نماز تمام ہوگئی اور سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم ...... (بقیہ اگلے صفحہ پر)......

سوال (۴۵۵) بہشتی زیور ص ۷۰ اگر چوتھی رکعت پر بیٹھی اور التحیات پڑھ کر کھڑی ہوگئی تو سجدہ کرنے سے پہلے جب یاد آوے بیٹھ جاوے اور التحیات نہ پڑھے بلکہ بیٹھ کر ترت سلام پھیر کر سجدہ کرے۔ عبارت درمختار بھی اس کی مؤید ہے **وان قعد فی الرابعة مثلا قدر التشهد ثم قام عاد وسلم ولو سلم قائما صح الخ** فتاوی امدادیہ حصہ دوم ص ۹۴ میں مذکور ہے سجدۂ سہو واجب ہے اور اسی طرح واجب ہے جس طرح اس کا طریقہ مشروع ہے یعنی تشہد کے بعد کیونکہ جو تشہد پڑھا جاچکا ہے وہ قبل سہو ہوا تھا لہٰذا وہ کافی نہ ہوگا، گزارش یہ ہے کہ عبارت مذکور میں تطبیق کس طرح ہوگی؟

الجواب۔ یہ قواعد سے لکھدیا ہوگا جواب اول صحیح ہے۔ ۲۱/رجب ۱۳۳۲ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۴۱)

تحقیق سجدۂ سہو بتکرار تشہد قعدۂ اولی وثانیہ وتکرار سورت در رکعت واحدۃ

سوال (۴۵۶) کوئی سورت یا التحیات دو دفعہ پڑھ لیں تو سجدۂ سہو جائز ہے یا کیا پہلے جواب ذیل لکھا گیا تھا۔

سورۃ کو دو دفعہ پڑھنے میں سجدۂ سہو نہیں ہے کیونکہ اس کو تطویل قراءت سمجھا جاوے گا اور تکرار تشہد میں سجدۂ سہو ہوگا کہ فرض میں یعنی خروج عن الصلوۃ میں تاخیر ہوئی، یہ جواب قواعد سے دیا گیا ہے اگر کوئی خاص جزئیہ اس کے خلاف مل جائے تو وہ مقدم ہوگا۔ ۱۸/صفر ۱۳۳۳ھ۔

مگر پھر مولوی ابوالحسن صاحب موی نے اس کے خلاف یہ جزئیہ لکھا۔ **فی الطحطاوی شرح مراقی الفلاح ص۲۶۷ ولوقرأ اٰية بعد التشهد فان كان فی الاخیرفلا سهوعلیه لعدم ترک واجب لانه موسع له فی الدعاء والثناء بعده فیه والقراء ة تشتمل علیهما ولو قرأ التشهد مرتین فی القعدة الاخیرة او تشهد قائما او راكعا او ساجداً لاسهو علیه منیة المصلی۔**

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) تنبیہ:- اس جواب پر کسی شخص نے دوسرے عنوان سے شبہ کیا ہے جس کا جواب حضرت مولانا نے بلا مراجعت الی اصل الکتاب دیا ہے وہ سوال وجواب ملحقات[1] تتمہ اولیٰ فتاوی امدادیہ ص ۳۴۱ میں درج ہیں سو بجائے اس جواب کے جو وہاں درج ہے یہ جواب سمجھنا چاہئے کہ مسئلۂ بہشتی زیور صحیح ہے اور جواب فتاوی غلط ہے اور منشاء غلطی عنوان سوال سائل ہے اور صحیح جواب سوال فتاوی کا یہ ہے کہ نماز تمام ہوگئی سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں، حضرت مولانا مدظلہم العالی نے ترجیح الراجح حصہ سوم مطبوعہ مطبع کانپور میں اس مسئلہ کے متعلق اپنا تردد ظاہر فرمایا ہے اور تحقیق کا مشورہ دیا ہے جو احقر نے عرض کی ہے ۱۲ واللہ اعلم (تصحیح الاغلاط ص ۱۷)۔

(۱) اب یہ سوال وجواب اسی صفحہ کے سوال نمبر ۴۵۵ میں درج کر دیا گیا ہے۔ ۱۲

پس اس صورت مسئولہ کے جواب میں تفصیل ہوگی کہ اگر التحیات قعدۂ اولی میں دوبارہ پڑھی ہے تو سجدہ سہو ہوگا اور اگر قعدۂ اخیرہ میں پڑھی ہے تو سجدۂ سہو نہ ہوگا۔ ۲۰ رذی الحجہ ۱۳۳۳ھ۔

اسی طرح ایک مسئلہ فتاوی (۱) امدادیہ جلد اول ص ۹۴ میں چھپ گیا ہے اس لئے ہمیں بھی شبہ ہوگیا اس کی بھی دوبارہ تحقیق کر لی جاوے، اور وہ سوال اس عبارت سے شروع ہوا ہے، قعدۂ اخیرہ میں بعد تشہد کے الخ، اور جو اس عبارت سے شروع ہوا ہے، خروج بفعل مصلی الخ اور اس کی تحریر کی تاریخ یکم ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ ہے۔ فقط (ترجیح ثالث ص ۱۹۹)

حکم بیان سجدۂ تلاوت درصلوٰۃ

سوال (۴۵۷) اگر امام نے سجدۂ تلاوت نماز میں سہو کیا اور جب یاد آیا تو اسی رکعت میں یا دوسری رکعت میں ادا کیا پس سجدۂ سہو اس پر واجب ہوا یا نہیں اور اگر سجدۂ تلاوت کے بعد فراغ نماز کے یاد آیا تو جبر اس نقصان کا کس طرح کرے آیا دوسرے شفع تراویح میں سجدۂ تلاوت ادا کرے یا نماز کا مع قراءت وسجدۂ تلاوت اعادہ کرے۔

الجواب۔ سجدۂ تلاوت علی الفور واجب ہے اور معنی علی الفور کے یہ ہیں کہ دو یا تین آیت سے زیادہ فصل نہ ہو پس جب اپنے فعل سے سہواً تاخیر ہوگئی تو جب یاد آوے اسی وقت ادا کرے اور بوجہ ترک واجب کے بناء پر مذہب مختار کے سجدۂ سہو اس پر واجب ہوگا۔

وهي على التراخي ان لم تكن صلوية فعلى الفور لصيرورتها جزءً فيها ويأثم بتاخيرها ويقضيها مادام في حرمة الصلوة ولو بعد السلام فتح اهـ، درمختار، قوله فعلى الفور عدم طول المدة بين التلاوة والسجدة بقراءة اكثر من اٰيتين او ثلاث على ماسياتي حلية قوله و يأثم بتاخيرها ولذا كان المختار وجوب سجود السهو لو تذكرها بعد محلها كما قدمناه في بابه عند قوله بترك واجب اهـ۔ رد المحتار۔

اور اگر بعد فراغ یاد آیا سو اگر عمداً چھوڑا تھا تو اس کا تدارک بجز استغفار کے کچھ نہیں، اور اگر سہواً چھوٹ گیا تھا سو اگر علی الفور اس شخص نے بعد تلاوت آیت سجدہ کے رکوع کر کے سجدہ نماز کا کیا تھا تب تو سجدۂ تلاوت بھی ادا ہوگیا اگر چہ نیت نہ کی ہو اور اگر اس طرح ادا نہیں ہوا پس اگر

(۱) اب یہ مسئلہ طباعت ثانی کے وقت جلد ہذا کے گذشتہ ص ۴۲۲ سوال نمبر ۴۵۴ میں آ گیا ہے ۱۲۔

کوئی عمل منافی نماز کے ہنوز صادر نہیں ہوا تو اسی وقت ادا کر کے سجدۂ سہو کرے ورنہ بجز استغفار کے کچھ چارہ نہیں اور اعادۂ شفعہ سے کچھ نہیں ہوتا کیونکہ اگر اس میں سجدہ کیا بھی تو اس شفعۂ اولیٰ سے تو خارج ہے۔

ولو تلاھا فی الصلوٰۃ سجدھا فیھا لا خارجھا لمامر و فی البدائع واذا لم یسجد اثم فتلزمہ التوبۃ درمختار،قولہ واذا لم یسجداثم الخ افادانہ لا یقضیھا قال فی شرح المنیۃ وکل سجدۃ و جبت فی الصلوٰۃ ولم ترد فیھا سقطت ای لم یبق السجود لھا لفوات محلہ اھ اقول وھذا اذا لم یرکع بعدھا علی الفور والادخلت فی السجود وان لم ینوھا کما سیاتی وھو مقید ایضاً بما اذا ترکھا عمداً حتی سلم وخرج من حرمۃ الصلوۃ امالوسھواً وتذکرھا ولو بعد السلام قبل ان یفعل منافیاً یأتی بھا و یسجد للسھو کما قدمناہ اھ۔ ردالمحتار۔واللہ اعلم۔

۱۷ربیع الثانی ۱۳۰۵ھ (امداد ص ۱۰۰ ج ۱)

سورت بھولنے والے کو رکوع سے عود کر جانے کا حکم

سوال (۴۵۸) نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھی اور سورت ملانے کو بھول گیا جب رکوع میں گیا اور تسبیح پڑھنے لگا یا تسبیح پڑھ چکا تب یاد ہوئی کہ سورت نہیں ملائی اب قیام کی طرف عود کرے اور سورت پڑھے اور پھر رکوع کرے تب سجدہ میں جاوے یا بلا سورت ملائے رکوع سے سجدہ میں چلا جائے اولیٰ کیا ہے: بینوا توجروا۔فقط؟۔

الجواب۔اس صورت میں قیام کی طرف عود کرے اور سورت ملائے پھر رکوع کرے تب سجدہ میں جاوے۔فی الدرالمختار باب سجود السھو کرکوع قبل قراءۃ الواجب الی قولہ فلو تذکر ولو بعد الرفع من الرکوع عادثم اعاد الرکوع اھ۔

۵ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۱۴)

تعداد رکعات بھول جانے کی صورت میں امام ومقتدی کے اختلاف کا حکم

سوال (۴۵۹) چار رکعت کی نماز میں امام نے پانچ رکعت پڑھیں اور چوتھی رکعت پر قعدہ نہیں کیا اور پانچویں رکعت پوری پڑھ لی اور سوائے کئی نمازیوں کے اس کو بذاتہ کوئی شبہ بھی نہیں ہے کہ چار سے زیادہ پڑھی گئی ہیں ایسی حالت میں نماز امام اور مقتدیوں کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب۔ فی العالمگیریة ولووقع الاختلاف بین الإمام والقوم فقال القوم صلیت ثلاثاو قال الإمام صلیت اربعاً ان کان الإمام علی الیقین لا یعید الصلوۃ بقولهم وفیها ایضاً ولو کان الإمام استیقن انه صلی ثلاثا وواحد استیقن بالتمام کان علیه ان یعید بالقوم ولا إعادة علی الذی تیقن بالتمام هذا فی المحیط ص ۵۹، وفیها من الظهیریة قال محمد بن الحسنؒ اماانا فاعید بقول واحد عدل بکل حال ص ۸٤۔

روایت اولیٰ سے معلوم ہوا کہ امام کی نماز ہوگئی اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی اور روایت ثالثہ سے معلوم ہوا کہ امام کے لئے بھی بہتر ہے کہ مقتدیوں کے کہنے سے اعادہ کرے۔ (تتمۂ اولیٰ ص ١٦)

صلوۃ ثنائیہ یا ثلاثیہ میں ایک دو رکعت زیادہ ہوجانے کا حکم

سوال (۴۶۰) دو رکعت کی نماز میں اگر ایک یا دو رکعت پڑھی گئی تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب۔ وہی حکم ہے جو سوال ماقبل کے جواب میں لکھا گیا جبکہ بدون قعدۂ اخیرہ کے ایک رکعت زیادہ پڑھی گئی۔ (حوالہ بالا)

بصورت ترک قعدۂ اخیرہ ایک رکعت یا زیادہ کے اختلاف کا حکم

سوال (۴۶۱) بعض نمازی ایک رکعت کا بترک قعدۂ اخیرہ کے پڑھا جانا بیان کرتے ہیں اور بعض کو کچھ یاد نہیں ہے جن کو یاد ہے ان کی نماز کی نسبت کیا حکم ہے اور جن کو کچھ یاد نہیں ہے ان کی نماز کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب۔فی العالمگیریه ۔ ولو اختلف القوم قال بعضهم صلی ثلاثاً و قال بعضهم صلی اربعاً والإمام مع احد الفریقین یوخذ بقول الامام وان کان معه واحد کذا فی الخلاصة وفیها ولواستیقن واحدمن القوم انه صلی اربعاً والامام والقوم فی شك لیس علی الامام والقوم شیئی کذا فی الخلاصة ص ۵۹ ۔

بنابر روایات بالا حکم یہ ہے کہ اگر امام کو ایک شق کا یقین ہے تو وہ ہی شق معتبر ہوگی، علی الروایۃ الاولی اور اگر اس کو بھی شبہ ہے تو جس کو زیادہ ہونا یقیناً یاد ہے وہ اعادہ کریں گے اور جن

کو پورا پڑھنا یقیناً یاد ہے یا شبہ ہے وہ اعادہ نہ کریں گے۔علی الروایۃ الثانیۃ ۔(حوالۂ بالا)

عیدین و جمعہ میں سجدۂ سہو کا حکم

سوال (۴۶۲) اگر عیدین کی تکبیریں تحریمہ کے بعد کی بھول جاوے یا دوسری رکعت میں تکبیریں بھول جاوے اور سجدۂ سہو کا بھی نہ کرے وہ نماز ہو جاوے گی یا نہیں، خلاصہ یہ کہ اگر عیدین میں کوئی واجب ترک ہو جاوے اور سجدہ سہو کا نہ کیا ایسے نماز جائز ہے یا ازسرنو پڑھنی چاہئے؟

الجواب۔فی الدرالمختاروالسھوفی صلوۃ العید والجمعۃ والمکتوبۃ والتطوع سواء والمختار عندالمتأخرین عدمہ فی الاولین لدفع الفتنۃ کمافی الجمعۃ، البحر واقرہ المصنف و بہ جزم فی الدر اھ ، فی رد المحتار لکنہ قیدہ محشیھا الوانی بما اذا حضر جمع کثیر والافلا داعی الی الترك ۔(ج۱ص۷۸۷۔)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر جمعہ وعیدین میں جمع کثیر ہوتو ان میں سجدۂ سہو نہ کرے۔

۳رشوال ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص۲۱)

امام تارک سجدۂ سہو کے اعادہ کے وقت اقتداء کا حکم

سوال (۴۶۳) کوئی شخص امام تھا سہواً ترک واجب کیا پھر سجدۂ سہو بھی ترک کر دیا، بعدہ استیناف کیا اب مقتدی نو وارد جو پہلے شریک نہ تھا شریک ہونے سے اس کا فرض ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب۔فی ردالمحتارباب الجنائز فاذااعادھا(الولی)وقعت فرضاً مکملاً للفرض الاول نظیراعادۃ الصلوٰۃ المؤداۃ بکراھۃ فان کلا منھما فرض کما حققناہ فی محلہ ۔(ج۱ص ۹۲۳)اس سے ثابت ہوا کہ نو وارد کا فرض شریک ہونے سے ادا ہوگا۔

۲۶رشوال ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۲۱)

حکم یاد آمدن سجدۂ تلاوت بعد تشہد اخیر

سوال (۴۶۴) کسی شخص نے اول رکعت میں آیت سجدہ کی پڑھی اور سجدہ کرنا بھول گیا جب قعدۂ اخیرہ میں بیٹھا اس وقت یاد آیا تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب۔اب سجدۂ تلاوت کر کے سجدۂ سہو کرے جس کے قبل و بعد تشہد ہوتا ہے پھر سلام فراغ پھیرے۔

فی الدرالمختارولونسی السھواوسجدۃ صلبیۃ اوتلاویۃ یلزمہ ذلك فی

ردالمحتار فاذا تذكر يلزمه ذلك الذى تذكره الى قوله ثم يتشهد و يسلم ثم يسجد للسهو (ج۱ص۴۸۶)۔وفي الدرالمختارلان سجود السهو يرفع التشهد دون القعدة لقوتها بخلاف الصلبية فانها ترفعهما وكذا التلاوية على المختار في ردالمحتارلانهااثرالقراء ة وهي ركن فاخذت حكمهابحراى تاخذ حكمها بعد سجودها اما قبله فانها واجبة حتى لو سلم ولم يسجد ها فصلوته صحيحة بخلاف الصلبية فانها ركن اصلي من كل وجه كما سياتي(ص ۴۷۳ ج۱)۔

۱۲/شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۶۴)

کسی نے رکعتین اخریین میں سہواً ضم سورت کرلیا اور اس کو موجب سجدۂ سہو سمجھ کر سجدہ کیا تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں

سوال (۴۶۵) اگر اخریین میں کسی نے ضم سورۃ سہواً کیا اور اس نے سجدۂ سہو اس کو موجب سہو سمجھ کر کرلیا تو نماز ہوجاوے گی یا نہیں آیا سجدہ بےضرورت کو زیادت فی الرکن قرار دے کر اعادۂ صلوٰۃ لازم قرار دیں گے یا نہیں؟

الجواب۔في الدرالمختارواجبات الصلوة ولفظ السلام مرتين فالثاني واجب وفيه قبيل باب الاستخلاف ولو ظن الإمام السهو فسجد له فتابعه (اى المسبوق) فبان ان لاسهو فالاشبه الفساد لاقتدائه في موضع الانفراد في رد المحتارو في الفيض و قيل لاتفسدوبه يفتي وفي البحرعن الظهيرية قال الفقيه ابو الليث في زماننا لا تفسد لان الجهل في القراء غالب اھ۔ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

(۱) نماز ہوجاوے گی۔

(۲) اگر دونوں طرف سلام پھیرا ہے تو اعادہ واجب نہیں اور اگر ایک طرف سلام پھیرا ہے تو چونکہ ایک واجب یعنی سلام ثانی ترک کردیا اعادہ واجب ہوگا۔

(۳) اگر یہ شخص امام ہے تو اس کے ساتھ اگر کوئی مسبوق ہو اور اس نے بھی سجدۂ سہو اور اس کے بعد قعدہ میں اس کا اقتداء کیا اس مسبوق کی نماز درمختار کے قول پر اور وہی مقتضاء قواعد کا ہے فاسد ہوگئی لیکن اگر اس کو اس فضول سہو کا پتہ ہی نہ لگا تو یہ معذور ہے اور میرے نزدیک صاحب فیض اور ابواللیث کے حکم عدم فساد کا محمل اسی کو قرار دیا جاوے تو بہتر ہے کہ جب مسبوق کو

پتہ نہ لگے پس دونوں قولوں میں تطبیق ہو جاوے گی۔فقط۔ ۱۰؍محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۵)

حکم ترک قعدۂ اولیٰ در سنن مؤکدہ

سوال (۴۶۶) ایک شخص نے ظہر کے وقت چار رکعت سنت کی نیت باندھی اور قعدۂ اولیٰ فراموش کر کے تیسری رکعت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور قراءت شروع کر دی تو کیا اس کو یاد آ جانے پر قعدہ کی جانب پھر عود کرنا چاہئے اور نماز تمام کر کے سجدۂ سہو کر لینا چاہئے اور اگر یاد آنے یا نہ آنے پر قعدہ کی طرف نہ عود کرے اور نماز تمام کر لے تو کیا حکم ہے؟

الجواب۔فی الد المختار والاصل ان کل شفع صلوۃ الابعارض الخ فی ردالمحتار ینبغی ان یستثنی ایضاً من الاصل المذکور المؤکدۃ بناء علی اختیار الحلبی وغیرہ۔ (ج۱ ص ۴۲۷) و فی الدرالمختار سھا عن القعود الاول من الفرض الخ فی ردالمحتار اما النفل فیعود الخ جزم بہ فی المعراج والسراج وعللہ ابن وھبان بان کل شفع منہ صلوۃ الی قولہ قیل یعودو قیل لاوفی الخلاصۃ والاربع قبل الظھر کالتطوع الخ (ج۱ ص ۷۷۸) روایت ثانیہ سے اس کا مختلف فیہ ہونا اور روایت اولیٰ سے حلبی وغیرہ کے قول پر عدم عود کا راجح ہونا اور سجدۂ سہو سے نماز کا صحیح ہو جانا معلوم ہوتا ہے، وبہذا افتی انا۔ ۸؍رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۷۲)

حکم سقوط سجدۂ سہو صورت وجود مانع بناء

سوال (۴۶۷) قاضی خان نولکشوری ج ۱ ص ۵۹ پر ہے کل ما یمنع البناء اذا وجد بعد السلام لیسقط السھو اھ کیا سجدۂ سہو ہر صورت میں ساقط ہو جائے گا خواہ مانع بناء سہواً پایا جائے یا عمداً اور خواہ وہ فعل موجب سجدۂ سہو کو موجب سجدہ جانتا ہو یا نہ یا کسی خاص صورت کے ساتھ مخصوص ہے نیز سقوط سجدہ کا کیا مطلب ہے آیا سقوط من ھذہ الصلوٰۃ مع وجوب اعادۃ تلک الصلوٰۃ یا مطلقاً بلا وجوب اعادۃ، صلوۃ اگر یہ مطلب ہے کہ سجدۂ ہر صورت میں ساقط ہے خواہ فعل منافی بنا تذکر سجدۂ سہو کے ساتھ کیا ہو یا بحالت سہو یا ایسی صورت میں کہ اس کو وجوب سجدۂ سہو کا ہی علم نہ ہو، اور سقوط کا یہ مطلب ہے کہ اس نماز کا اعادہ بھی ضروری نہیں تو وجوب سجدہ سہو کا ثمرہ صرف عقاب اخروی ہو سکتا ہے وہ بھی بحالت قصداً ترک کرنے کے؟

الجواب۔فی الدرالمختار فلو طلعت الشمس فی الفجراواحمرت فی القضاء

اووجد منه ما يقطع البناء بعد السلام سقط عنه فتح و فی رد المحتار بقی إذا سقط السجود فهل يلزمه الاعادة لكون ماداه اولاوقع ناقصاً بلاجابر والذی ينبغی انه ان سقط بصنعه كحدث عمداً مثلاً يلزم والافلاتأمّل (ج ا ص ۷۷۳ مصريه)۔ اس سے معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو ہر صورت میں ساقط ہو جاوے گا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر وہ مانع بناء عمداً پایا گیا تب تو اعادہ لازم ہے ورنہ نہیں۔

۱۷؍رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۷۷)

حکم اعادہ صلوٰۃ بترک سجدۂ سہو

سوال (۴۶۸) ایک شخص پر نماز میں سجدۂ سہو لازم ہوا لیکن بوجہ مسائل کی ناواقفیت کے اس کو یہ نہ معلوم ہوا کہ اس پر سجدۂ سہو لازم ہے اس لئے اس نے سجدۂ سہو نہ کیا اور سلام کے بعد قصداً کوئی فعل منافی بناء کرلیا اس صورت میں اعادۂ صلوۃ لازم ہے یا نہیں، نیز ایک شخص کو نماز میں سہو ہوا اور سجدۂ سہو لازم ہو گیا مگر سلام کے وقت یاد نہ رہا کہ مجھ پر سجدۂ سہو لازم ہے اس لئے اس نے بخیال تمامی صلوۃ قصداً کوئی فعل منافی بناء کرلیا اس صورت میں بھی اعادہ لازم ہوگا یا نہیں، والذی ينبغی انه ان سقط بصنعه كحدث عمداً مثلا يلزم والافلاتأمل سے ظاہر تو لزوم اعادہ ہے؟

الجواب۔ جی ہاں دونوں صورتوں میں اسی روایت سے لزوم اعادہ سمجھنا صحیح ہے۔

۲۹؍رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۸۵)

حکم قضاء سجدۂ رکعت اولیٰ در رکعت مابعد

سوال (۴۶۹) مصلی نے ایک رکعت میں ایک ہی سجدہ سہواً کیا یاد آنے پر دوسری رکعت میں تین سجدے قصداً کئے اور آخر میں سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کرلی تو اس کی نماز صحیح ہوگئی یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار واجبات الصلوة ورعاية الترتيب فيما يتكرر فی كل ركعة كالسجدة الخ فی رد المحتار الكاف استقصائية اذ لم يتكرر فی الركعة سواها ثم قال والمراد بها السجدة الثانية من كل ركعة ثم قال حتى لو ترك سجدة من ركعة ثم تذكرها فيما بعدها من قيام اوركوع اوسجود فانه يقضيها ولا يقضی ما فعله قبل قضاء ها مما هو بعدركعتها من قيام اوركوع از

سجود بل يلزمه سجود السهو فقط ۔(ج ۱ ص ۴۸۱) اس روایت سے ثابت ہوا کہ اس شخص کی نماز درست ہوگئی۔ ۱۰/ شوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۸۸)

حکم وجوب متابعت امام در قیام رکعت ثالثہ بدون قعدۂ اولیٰ

سوال (۴۷۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چار رکعت والی نماز میں امام نے بھولے سے قعدۂ اولی نہ کیا اور کھڑا ہوگیا تو مقتدیان قعدۂ اولیٰ میں تشہد پڑھ کر قیام کے واسطے کھڑے ہوں یا بغیر تشہد پڑھنے کے امام کی تابعداری کے لئے قیام کریں؟

الجواب۔في الدرالمختار خمس يتبع فيها الإمام قنوط وقعود اول في ردالمحتار قوله وقعود اول الظاهر انه ينتظر إمامه الى ان يصير الى القيام اقرب لاحتمال عوده قبله ثم يتابعه لان الامام اذعاد حينئذ تفسد صلٰوته على احد القولين و ياثم على القول الاخر وليس للمقتدى ان يقعد ثم يتابعه لانه يكون فاعلامايحرم على الإمام فعله ومخالفاله في عمل فعلٰي بخلاف ما ذا قام الامام قبل فراغ المقتدى من التشهد فانه يتمه ثم يتابعه لان في اتمامه متابعة لإمامه فيما فعله الامام فافهم ۔(ج ۱ ص ۷۰۲ و ۷۰۳)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس حالت میں مقتدی تشہد ترک کرکے امام کی متابعت کرے۔
۲۳/ رمضان ۱۳۳۹ھ (تتمہ ص ۱۹۶ ج ۵)

وجوب اعادۂ صلوٰۃ از خواندن فاتحہ دو بار

سوال (۴۷۱) زید نے انفراداً مغرب کی نماز میں اول رکعت میں الحمد سری پڑھی کل الحمد پڑھنے کے بعد اس کو خیال آیا کہ جہر سے پڑھنی چاہئے تھی اور دوبارہ اس نے الحمد شریف جہر سے پڑھی اور بغیر سجدۂ سہو کئے ہوئے سلام پھیر دیا، آیا اس صورت میں نماز ادا ہوگئی یا نہیں؟

الجواب۔واجب الاعادہ ہے، کیونکہ اس نے واجب کا ترک کیا اور وہ واجب جہر ہے کیونکہ منفرد پر جہر واجب نہیں بلکہ وہ واجب دو امر ہیں ایک عدم تاخیر سورۃ عن الفاتحہ بمقدار ادائے رکن دوسرا عدم تکرار فاتحہ لان في التكرار زيادة واجب وهو موجب لسجود السهو في مراقي الفلاح لترك واجب بتقديم اوتاخيراو زيادة اونقص في الطحطاوى وان لايؤخرالسورة عنها بمقدار اداء ركن فيه ولو كررالفاتحة او بعضها في احدى

الاولیین قبل السورة سجد للسهو (ص ۲۲۷ تتمہ خامسہ ص ۲۶۶)

حکم سہو کہ بکثرت درنماز واقع شود

سوال (۴۷۲) میری گھر والی نماز میں بھول جانے کی شکایت کرتی ہیں یعنی سجدہ کتنے کئے وغیرہ یاد نہیں رہتے تو کیا کیا جاوے؟

الجواب۔ جو بات [1] زیادہ آوے اس پر عمل کیا جاوے اور سجدہ سہو نہ کرے البتہ اگر سوچنے میں کچھ دیر لگ گئی ہو اور اس دیر میں قراءت یا رکن میں مشغول نہ رہی تو سجدۂ سہو کرے۔

في الدرالمختار بعد مانقل عن الفتح وجوب سجود السهو في جميع صور الشك سواء عمل بالتحرى او بنى على الاقل مانصه لكن في السراج انه يسجد للسهو في اخذ الاقل مطلقاو في غلبة الظن ان تفكر قدر ركن وفي ردالمحتار قبيل القول المذكور ثم الاصل في التفكر انه ان منعه عن اداء ركن كقراءة اٰية او ثلث او ركوع او سجود او عن اداء واجب كالقعود يلزمه السهو الى قوله وان لم يمنعه عن شيئى من ذلك بان كان يؤدى الاركان و يتفكر لايلزمه السهو عن الشرح الصغير للمنية اهـ۔

۸؍رجب ۱۳۴۲ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۷۰)

(۱) اصل کتاب میں اسی طرح ہے بظاہر یہاں کچھ لفظ رہ گیا ہے مثلاً (خیال میں) ۱۲ محمد شفیع۔

باب

صَلٰوةِ الْمَرِیض

جواز ترک کردن صلوٰۃ وقتیکہ صلوٰۃ بالایماء مضر باشد ومعالج از و منع کند

سوال (۴۷۳) ایک آنکھ میں پانی اتر رہا ہے بنوانے کی حضور نے اجازت دی لیکن سنا ہے کہ تین دن ہسپتال میں چت لٹایا جاتا ہے اور کسی طرح کی حرکت کا حکم نہیں ہوتا ہے۔ فقط دودھ ملتا ہے تو نماز کے بارہ میں حضور کا کیا حکم ہے؟

الجواب۔ فی الدرالمختار وان تعذر الإیماء برأسه و کثرت الفوائت بان زادت علی یوم ولیلة سقط القضاء عنه وان کان یفهم من ظاهر الروایة فی ردالمحتار وقیل لایسقط القضاء بل تؤخرعنه اذاکان یعقل وصححه فی الهدایة الخ وفی الدرالمختار ولم یوم بعینه و قلبه وحاجبه خلافالزفر وفیه امره الطبیب بالاستلقاء لبزغ الماء من عینه صلی بالإیماء لان حرمة الاعضاء کحرمة النفس وفی نفع المفتی والسائل ولوکانت امرأة لو اشتغلت بالصلوة یبکی ولدها بالجوع ویضر علیه ضرراغالبا وان ارضعته یفوت الوقت جاز لها ان ترضعه و تؤخرالصلوة سی ای سیف سائلی شم ای شرف الائمة المکی کذا فی القنیة باب من یبتلی بامرین یختار اهونهما۔

ان روایات سے مستفاد ہوا کہ اگر اشارۂ سر سے نماز پڑھنا مضر نہ ہوتو اشارہ سے پڑھنا واجب ہے اور اگر اشارہ بھی مضر ہوتو نماز کو قضاء کردینا بھی جائز ہے۔

۱۰ رمحرم ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۷)

باب
فی سجدة التلاوة

حکم سماع مصلی آیت سجدہ راازغیر مصلی

سوال (۴۷۴) خارج نماز کے کوئی شخص قرآن شریف پڑھتا ہو اور نمازی سجدہ سنے تو اس پر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب۔ ہوگا۔ خارج صلوٰۃ کے، بعد فراغ صلوٰۃ فی العالمگیریہ ولو سمع المصلی من اجنبی یسجد بعد الفراغ ولو سجد فی الصلوٰۃ لا یجزیہ ولا تفسد صلوٰتہ کذا فی التہذیب ہو الصحیح کذا فی الخلاصۃ (ج۱ص۸۵)

۲۵ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ (تتمۂ خامسہ ص۳۱۰)

ثبوت ادائے سجدۂ تلاوت درر کوع یا سجود صلوٰۃ از حدیث موقوف

سوال (۴۷۵) سجدۂ تلاوت رکوع سے ادا ہو جاتا ہے یا نہیں اگر ادا ہو جاتا ہے تو کسی حدیث سے ثبوت ہے یا نہیں دونوں مسئلوں کے متعلق حدیث شریف یا کم از کم اس کتاب کا نام جس میں یہ حدیث مذکور ہے مع حوالۂ باب تحریر فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب۔ فی فتح الباری المصری (ص ۵۷ ۴ ج ۲) واستدل بعض الحنفیۃ من مشروعیۃ السجود عند قولہ وخرراکعا واناب بان الرکوع عندھا ینوب عن السجود فان شاء المصلی رکع بھا وان شاء سجد ثم طردہ فی جمیع سجدات التلاوۃ وبہ قال ابن مسعودؓ اھ ولم ار حدیثا مرفوعا فیہ مع التتبع وقول الصحابی حجۃ عند الإمام الاعظم و یقدم علی القیاس۔

۲۲ صفر ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص۲۱)

سوال (۴۷۶) اگر کوئی شخص آیت سجدہ پڑھتے ہی فی الفور رکوع کرے اور اس کے بعد بہ ترتیب تمام ارکان نماز ادا کرے تو اس رکوع میں سجدۂ تلاوت بھی ادا ہو جائے گا یا نہیں اور اگر فی الفور سجدہ نہ کرے بلکہ آیت سجدہ کے ساتھ اور بھی چند آیتیں ملا لیوے اور اس کے بعد رکوع کر کے بترتیب تمام ارکان ادا کرے تو اس صورت میں کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا؟

الجواب۔ فی الدرالمختار وتودی برکوع صلاۃ اذا کان الرکوع علی الفور من قراءۃ ایۃ او ایتین وکذا الثلاث علی الظاهر کما فی البحران نواه ای کون الرکوع لسجود التلاوۃ علی الراجح وتودی بسجودھا کذلك ای علی الفور وان لم ینو بالإجماع ولونواھا فی رکوعه ولم ینوھا المؤتم لم تجزه الخ فی رد المحتار قوله علی الفور الخ فلو انقطع الفور لا بدلھا من سجود خاص مادام فی حرمة الصلوۃ قوله علی الظاھر الخ قال بعد اسطر لکن فی البحر عن المجتبی ان الرکوع ینوب عنھا بشرط النیة وان لا یفصل بثلاث الا اذا کانت الثلاث من اخر السورۃ اھ ومثل له قبله کسورۃ الانشقاق وسورۃ بنی اسرائیل -

ان روایات سے چند امور مستفاد ہوئے۔

(۱) فی الفور رکوع صلاۃ کرنے سے سجدۂ تلاوت اس وقت ادا ہوگا جبکہ اس رکوع میں اس سجدہ کے ادا ہونے کی نیت بھی کرے اگر نیت نہ کی تو ادا نہ ہوگا اس کے لئے خاص (۱) سجدہ کرنا ہوگا۔

(۲) اگر امام نے نیت کر لی اور مقتدی نے نہ کی امام کا ادا ہوگا اور مقتدی کا ادا نہ ہوگا۔

(۳) اگر فی الفور رکوع نہ کیا اور پھر رکوع مع نیت سجدہ کے کیا تو اگر وہ سجدہ ختم سورت کے قریب ہے جیسے سورۂ انشقاق میں یا سورۂ بنی اسرائیل میں ہے تو یہ بھی حکم فور ہی میں ہے اور اگر وسط سورت میں ہے تو فور نہ رہے گا اور اس رکوع میں (۲) ادا نہ ہوگا۔

(۴) اگر رکوع میں نیت نہیں کی تو سجدۂ صلاۃ میں خود ادا ہو جاوے گا خواہ اس میں نیت کرے یا نیت نہ کرے مگر فور شرط ہے۔

(۵) فور کے معنی یہ ہیں کہ آیت سجدہ کے بعد ایک دو آیت سے زیادہ نہ پڑھے اس سے سب سوالات کا جواب ہوگیا۔ ۲۱ رجمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۴۷)

---

(۱) و (۲) یعنی پھر نماز ہی میں ادا ہوگا کیونکہ جو سجدہ نماز میں واجب ہوتا ہے وہ خارج نماز ادا نہیں ہوتا اور ترک واجب سے گناہ ہوتا ہے جس کا کفارہ صرف استغفار ہے ۱۲ منہ

سوال (۴۷۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام صاحب نے فرضوں کی جماعت میں سجدۂ کی آیت پڑھی، پھر ترت رکوع کو چلا گیا پھر رکوع میں جا کر سجدۂ تلاوت کی بھی نیت کر لی، اس طرح پر سجدۂ تلاوت ادا ہوسکتا ہے یا نہیں، پھر نماز میں کس قدر خلل ہوا۔

بہشتی زیور حصہ دوم ص ۷۷ میں اس طرح درج ہے، سجدہ کی آیت پڑھ کر اگر ترت رکوع کو چلی جاوے اور رکوع میں یہ نیت کرے کہ میں سجدہ تلاوت کی جگہ بھی یہی رکوع کرتی ہوں تب بھی وہ سجدہ ادا ہو جاوے گا، کیا یہ حکم عورتوں کے لئے ہے یا امام کا بھی فرضوں میں اسی طرح ادا ہوسکتا ہے؟

الجواب۔ اس طرح پر سجدۂ تلاوت ادا ہو جائے گا، لیکن چونکہ رکوع میں ادا ہونے کے لئے نیت بھی شرط ہے اور امام کی نیت کا ذکر سائل نے کیا ہے تو امام کا سجدہ تو ادا ہو جائے گا لیکن مقتدیوں میں سے جو نیت کرے گا اس کا سجدہ تو ادا ہو گا اور جو نیت نہ کرے گا اس کا سجدہ ادا نہ ہو گا اور اگر رکوع میں نیت نہ کرے تو سجدۂ نماز میں سب کا سجدۂ تلاوت بلا نیت بھی ادا ہو جائے گا بشرطیکہ آیت سجدہ پڑھ کر فوراً رکوع میں چلا گیا ہو اس لئے بہتر یہی ہے کہ رکوع میں نیت نہ کرے۔ ۱۶ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ (تتمۂ خامسہ ص ۱۸۳)

تحقیق سجدۂ ثانیہ سورۂ حج عندالحنفیہ

سوال۔ (۴۷۸) سورۂ حج میں دو سجدے ہیں سجدۂ اولیٰ کو حنفیہ کرتے ہیں اور سجدۂ ثانیہ کو نہیں کرتے چنانچہ کمترین بھی سجدۂ اولیٰ کا سجدہ کرتا ہے، ایک صاحب فرماتے ہیں کہ دونوں سجدے کرنا چاہئیں لہٰذا اس کی بابت جیسا ارشاد ہو دونوں سجدے کروں یا صرف سجدۂ اولیٰ کروں؟

الجواب۔ حنفیہ کے نزدیک سجدۂ اولیٰ واجب ہے اور دوسرا سجدہ ثابت نہیں لیکن حنفیہ نے یہ کلیہ لکھا ہے کہ مسائل اختلافیہ میں اختلاف کی مراعاۃ افضل ہے بشرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے سو اس قاعدہ کی بناء پر نماز کے خارج تو دوسرے سجدہ کا کر لینا بھی بہتر ہو گا البتہ نماز کے اندر چونکہ سجدۂ زائدہ بغیر سبب خلاف موضوع صلوٰۃ ہے اس لئے نماز کے اندر نہ کیا جاوے البتہ ایک خاص طریق سے کر لیا جاوے تو اس مکروہ کے ارتکاب سے بھی محفوظ رہے گا اور وہ طریق یہ کہ سجدۂ ثانیہ کی آیت پڑھ کر فوراً رکوع میں چلا جاوے تو سجدۂ صلوۃ میں یہ سجدہ بھی ادا ہو جاوے گا۔ ۱۰ رجب ۱۳۳۵ھ (تتمۂ خامسہ ص ۱۸)

سجدۂ تلاوت کرنے کا مستحب طریقہ

سوال (۴۷۹) زید سجدۂ تلاوت اس طرح ادا کرتا ہے اول قیام کر کے اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں جاتا ہے اور سبحان ربی الاعلیٰ تین بار کہہ کر اللہ اکبر کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور پھر اللہ اکبر کہتا ہوا دوسرے سجدہ کے لئے جاتا ہے اسی طرح زید اپنے ذمہ دس بارہ سجدے ساتھ ہی ادا کرتا ہے اب زید بکر کو کہتا ہے کہ اس طرح سجدے کرنا کثرت ہے یعنی اٹھک بیٹھک کا کرنا ہے تو بکر از روئے شرع ملزم ہے یا نہیں؟

الجواب۔قیام سے سجدہ میں جانا اور پھر قیام کرنا واجب نہیں فقہاء نے مستحب لکھا ہے اس لئے نہ اس کے وجوب کا اعتقاد کرے اور نہ استہزاء کرے۔ فقط ۲۵ رجمادی الاخری ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۵)

حکم وجوب سجدہ بخواندن بعض الفاظ آیۃ درخطبہ ودرس مثنوی وغیرہ

سوال (۴۸۰) کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت مسئلہ ہذا میں اگر سجدہ والی آیت کے ایک یا دو لفظ کسی شعر یا مثنوی شریف کے بیت میں تقریر کے موقع پر پڑھے جائیں کیا سجدہ ضروری اور واجب ہوتا ہے جیسا کہ بیت ہذا میں وارد ہے ؎

گفت دا سجدہ اقترب یزداں ما
قرب جاں شد سجدۂ ابدان ما

الجواب۔فی ردالمحتار اول باب سجده التلاوة عن السراج الوهاج والصحيح انه اذا قرأ حرف السجده و قبله كلمة او بعده كلمة وجب السجود و الافلا و قيل لا يجب الا ان يقرأ اكثر اية السجدة مع حرف السجدة الخ ،

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں بنا برقول اصح سجدۂ تلاوت پڑھنے والے اور سننے والے پر واجب ہے۔۱۹ رشعبان ۱۳۵۰ھ (النور بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ)

سجدۂ تلاوت سے پہلے اور پیچھے قیام کرنے کی دلیل

سوال (۴۸۱) بہشتی زیور حصہ دوم سجدۂ کے بیان میں یہ مسئلہ ہے، کھڑے ہو کر اول اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہو جاوے تو عمرو اس مسئلہ کی حدیث طلب کرتا ہے سو یہ مسئلہ کس حدیث سے ثابت ہے؟

الجواب۔کوئی حدیث نظر سے نہیں گزری مگر احکام شرعیہ جس طرح حدیث سے ثابت ہوتے ہیں اسی طرح قیاس سے بھی جس میں نص نہ ہو اور اس میں گو نص نہیں مگر قیاساً علی المنصوص اس کو ثابت کہہ سکتے ہیں یعنی اس ہیئت سے اس کو مشابہ سجود صلوٰۃ کے قرار دے کر اقرب الی التعظیم سمجھا گیا ہے پھر خود اس (۱) ہیئت کے بعض اجزاء میں اختلاف بھی ہے چنانچہ عدم تکبیر مطلقاً اور تکبیر لخفض الوضع اور لخفض الرفع ونفی قیام ثانی یہ سب اقوال (۲) بھی منقول ہیں مگر تکبیر میں ظاہر الروایۃ اور قیاس ماخوذ و معمول ہے۔ ۲۵ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۶)

سجدۂ تلاوت کی تاخیر کا حکم

سوال (۴۸۲) اگر کوئی شخص تلاوت کے وقت آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ نہ کرے اور ہو بھی باوضو کہ بعد ختم تلاوت کرلیں گے تو اس مدت میں نہ کرنے میں گنہگار رہوگا یا نہیں؟

الجواب۔نہیں۔ لان وجوبها علي التراخي لكن بشرط عدم الفوت۔
(تتمۂ اولیٰ ص ۳۳)

حکم ادا کردن سجدات تلاوت بعد ختم کلام مجید

سوال (۴۸۳) ایک شخص کا معمول ہے کہ جب تمام کلام مجید ختم کرلیتا ہے تب تمام سجدے یکدم کرلیتا ہے یہ کس طرح ہے؟

الجواب:- جائز ہے (تتمۂ اولیٰ ص ۳۳)

تعداد سجدات تلاوت

سوال (۴۸۴) حنفیہ کے نزدیک قرآن مجید میں کس قدر سجدے ہیں؟

الجواب۔ چودہ ہیں (حوالۂ بالا)

طریق ادائے سجدات تلاوت متعددہ

سوال (۴۸۵) سجدۂ تلاوت کے اگر کئی سجدے کرنے ہوں تو ایک ہی مرتبہ بیٹھ کر ان سب کو ادا کرلینا چاہئیں یا بار بار کھڑے ہو ہو کر علیحدہ علیحدہ ادا کرے اور کانوں تک بھی ہاتھ لے جاوے یا نہیں؟

---

(۱) یعنی یہ ہیئت مذکورہ جس میں یہ اجزاء ہیں قیام تکبیر سجدہ کو جاتے ہوئے تکبیر سجدہ سے اٹھتے ہوئے قیام ثانی ۱۲۔
(۲) یعنی بعض فقہاء کے اقوال ۱۲ منہ

الجواب۔ اگر ایک ہی مرتبہ بیٹھ کر ان سب کو ادا کرلے تو یوں بھی جائز ہے مگر ہاں بہتر (۱) یہی ہے کہ بار بار کھڑے ہو ہو کر علیحدہ علیحدہ ادا کرے اور ہاتھ کانوں تک لے جانا کچھ ضرور نہیں۔
(امداد ج ۱ ص ۴۴)

سجدۂ تلاوت

سوال (۴۸۶) سجدۂ تلاوت اگر امام پڑھے اور دوسرا نمازی نماز پڑھ رہا ہو تو اس پر سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب۔ في العالمگيرية ولو سمعها من الإمام اجنبي ليس معهم في الصلوٰة ولم يدخل معهم في الصلوٰة لزمه السجود كذا في الجوهرة النيرة وهو الصحيح كذا في الهداية سمع من إمام فدخل معه قبل ان يسجد سجد معه وان دخل في صلوٰة الامام بعدما سجدها الإمام لايسجدها و هذا اذا ادركه في اخر تلك الركعة اما لو ادركه في الركعة الاخرى يسجدها بعد الفراغ كذا في الكافي وهكذا في النهاية۔ (ج ۱ ص ۸۵)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس شخص پر سجدہ لازم تو ہوگیا، لیکن صرف ایک صورت میں تبعاً ادا ہوگیا، وہ صورت یہ کہ سجدہ سننے کے بعد اور اس کے سجدہ کرنے کے بعد یہ سننے والا اس پڑھنے والے کا اسی رکعت میں مقتدی ہوگیا، اور باقی سب صورتوں میں اس کو مستقل سجدہ کرنا ہوگا۔

میت کے ذمہ سجدۂ تلاوت

سوال (۴۸۷) اگر کسی کے ذمہ سجدۂ تلاوت ہوں اور وہ مرجائے تو ان کا کفارہ کیا دیا جاوے۔

الجواب۔ کچھ نہیں اس کے لئے استغفار کیا جاوے۔

---

(۱) میرے نزدیک بہتر ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ مطلوب سجدہ ہے اور قیام کسی درجہ میں مطلوب نہیں پس اس کو کوئی دخل نہ ہوگا۔ ۱۲ منہ تصحیح الاغلاط ص ۷۔

باب

صلوٰۃ المسافر

معنی بطلان وطن اقامت بسفر

سوال (۴۸۸) کانپور احقر کا وطن اقامت تھا وہاں سے قنوج گیا وہاں سے یہاں (گورکھپور) آیا، حال میں تو اس وجہ سے کچھ تردد پیش نہیں آیا کہ بوجہ نیت اقامت ہو جانے کے وہاں بھی اتمام کرتا رہا لیکن اگر کوئی صورت ایسی ہی فرض کی جائے اور اگر تسلیم کیا جاوے کہ ایک شخص کانپور وطن اقامت چھوڑ کر اس نیت سے قنوج گیا کہ دو چار دن کے بعد گورکھپور آوے گا۔ اور یہ بھی تسلیم کیا جاوے کہ کانپور سے قنوج مدۃ سفر نہیں تو اب لوٹتے وقت قنوج و کانپور کے مابین قصر ہے یا نہیں۔ احقر کے خیال میں یوں آتا ہے قصر نہ ہونا چاہئے کیونکہ وطن اقامت یا سفر سے باطل ہوتا ہے یا دوسرے وطن اقامت سے یا وطن سے لہذا قنوج تک جانے سے کانپور کا وطن اقامت ہونا باقی رہا لہٰذا قنوج سے گو مدۃ سفر کا ارداہ ہے مگر بیچ میں وطن بھی ہے لہٰذا جب تک اس سے تجاوز نہ ہو تب تک سفر کا حکم نہ ہوگا جیسے کوئی شخص پانچ منزل کا قصد کر کے پہلے اور دو منزل پر اس کا وطن اصلی ملتا ہو تو بلا تجاوز وطن اصلی اس پر مسافر ہونے کا حکم نہ ہوگا جو جناب والا کی رائے ہو اس سے مطلع فرمادیں۔

الجواب۔ (۱) اس مسئلہ میں تصریح تو نہیں ملی مگر یوں سمجھ میں آتا ہے کہ قنوج تک کا سفر گورکھپور کا جز نہ ہوگا کیونکہ قنوج گورکھپور کے طریق میں واقع نہیں ہے اس لئے قنوج تک قصر نہ ہوگا، ہاں جب قنوج سے گورکھپور جانے کے لئے چلا ہے اس وقت دیکھنا چاہئے کہ کانپور میں داخل ہونے کا قصد ہے یا باہر جانے کا ارادہ ہے پہلی صورت میں کانپور تک قصر نہ ہوگا اور دوسری صورت میں قصر کرنا ہوگا گو اثنائے سفر میں اس کو کانپور میں داخل ہونے کی ضرورت پیش آئے اور وہ اس میں داخل ہو جاوے چنانچہ شامی میں ہے۔

انشاء السفر يبطل وطن الإقامة اذا كان منه، امالو انشاه من غيره فان لم يكن فيه مرور على وطن الإقامة او كان ولكن بعد سير ثلثة ايام فذلك و لو

---

(۱) یہ جواب تصحیح الاغلاط ص ۶ سے نقل کیا گیا ہے ۱۲ مصحح

قبله لم يبطل الوطن بل يبطل السفر لان قيام الوطن مانع من صحته۔ اور قاضی خان میں ہے **المسافر اذا جاوز عمران مصره فلما سار بعض الطريق تذكر شيئا في وطنه فعزم الرجوع الى الوطن لاجل ذلك الى قوله وان لم يكن وطنا اصليا له فانه يقصر الصلوٰة ما لم ينو الاقامة بها خمسة عشر يومات اھ۔**

اور جو جزئیہ آپ نے پیش کیا ہے اس کا پیش کرنا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اس میں وطن اصلی کا بیان ہے اور یہاں وطن اقامت کا ذکر ہے اور وطن اصلی انشاء سفر سے باطل نہیں ہوتا برخلاف وطن اقامت کے واللہ اعلم۔ (امداد ص ۳۰ ج ۱)(تصحیح الاغلاط ص ۶ ج ۱)

سوال (۴۸۹) ایک شخص کا وطن اقامت کانپور ہے وہاں سے وہ سہارنپور کی نیت سے روانہ ہوا لیکن چونکہ کسی ضرورت سے اُناؤ جانا ضروری تھا لہٰذا اوّل اُناؤ گیا وہاں سے کانپور ہوتا ہوا سہارنپور گیا تو اس صورت میں یہ شخص اُناؤ میں اور جاتے آتے اناؤ اور کانپور کے درمیان قصر کرے یا اتمام، میرا خیال یہ ہے کہ اتمام کرے اور جس وقت بعد واپسی از اُناؤ کانپور سے بسوئے سہارنپور روانہ ہوا اس وقت قصر کرے کیونکہ وطن اقامت یا تو وطن اصلی سے ساقط ہوتا ہے یا دوسرے وطن اقامت سے یا سفر سے اور اناؤ نہ تو وطن اصلی ہے نہ وطن اقامت اور وہاں سے کانپور واپسی کا قصد ہے لہٰذا کانپور وطن اقامت باقی رہا۔ اس اُناؤ کی آمد ورفت کا سفر شرعی سفر نہیں ہے۔ واپسی کے وقت راہ میں اور کانپور آ کر قصر نہ کرنا چاہئے؟

الجواب۔ چونکہ نیت[1] اقامت میں یہ شرط ہے کہ وہ موضع صالح اقامت کا ہو اور مفازہ کو غیر صالح کہا گیا ہے لہٰذا یہ دیکھنا چاہئے کہ اناؤ سے واپسی کے وقت کانپور کے اندر داخل ہو کر جاوے گا خواہ ریل سے اتر کر یا ریل ہی شہر کے درمیان میں نکلے گی یا کہ کانپور سے باہر باہر جاوے گا اگر اندر ہو کر جاوے گا تب تو کانپور سے اناؤ چلتے وقت سفر کا ارادہ ہی نہیں ہوا اور اس چلنے سے کانپور کا وطن اقامت ہونا باطل نہیں ہوا جیسا کہ ظاہر ہے اور کانپور سے باہر باہر کو جانے کا ارادہ ہے تو جس وقت کانپور سے اناؤ کو چلا ہے، سفر کا ارادہ متحقق ہو گیا اور کانپور وطن اقامت نہ رہا اور کانپور کو لوٹنا اس لئے اس میں قادح نہیں ہوا کہ مفازہ محل اقامت نہیں اور سفر مبطل لوطن الاقامۃ سے مراد انشاء السفر ہے نہ وجود السفر **كما صرح به في الدر المختار**۔ فقط واللہ اعلم۔

(امداد ص ۳۱ ج ۱)

---

(۱) احقر کے نزدیک اس جواب میں بھی تغییر کی ضرورت ہے اور جواب وہی ہونا چاہئے جو سفر قنوج و گورکھپور کے باب میں احقر نے دیا ہے ۱۲ (تصحیح الاغلاط ص ۷)

سوال (۴۹۰) میں اپنی حالت پہلے عرض کر چکا ہوں کہ قیام فتح پور کی بظاہر امید نہیں، نہ میرا کوئی مکان نہ وہاں میرا کوئی اسباب، دار مسکونہ کا ایک ثمن نانی صاحبہ کا ہے جو بطور وصیت مجھ کومل سکتا ہے، وہ بالکل ناکافی، اور چونکہ وہاں کوئی عزیز وقریب نہیں سب غیر ہی غیر ہیں اس لئے مکان خرید کرنا بنوانا ایسا ہی ہے جیسے کہیں پردیس میں بنوانا اس لئے کیا عجب ہے کہ اسی پر رائے قرار پائے کہ قنوج میں مکان تعمیر کیا جائے ابھی تک وہاں کے قیام کی بھی کوئی مستقل رائے قائم نہیں ہوئی، اب دریافت طلب یہ ہے کہ فتح پور میرا وطن رہا یا نہیں اور میں وہاں جا کر قصر کیا کروں یا اتمام، صرف اتنا تعلق میرا باقی ہے کہ نانی صاحبہ وہاں رہتی ہیں وبس۔

نیز نانی صاحبہ کے وہاں نہ ہونے کی صورت میں اگر کسی وجہ سے جانا ہوتو کیا حکم ہے ایسی حالت میں قنوج کا کیا حکم ہے قصر کیا کروں یا اتمام، نکاح کرنے سے فقہاء اتمام کا حکم دیتے ہیں بشرطیکہ وہیں قیام کا ارادہ ہوجائے حتیٰ کہ اگر دوتین جگہ نکاح کرلے اور عورت کو وہاں سے لانے کا ارادہ نہ ہو تینوں جگہ اتمام کا حکم ہے اور میری حالت یہ ہے جو مذکور ہوئی لہٰذا تردد ہی رہا کرتا ہے کہ مجھ پر قصر ہے یا اتمام؟

الجواب [1] فتح پور یقیناً ایک زمانہ تک آپ کا وطن اصلی رہ چکا ہے اب جبتک دوسرے مقام کو وطن اصلی بنانے کا عزم نہ کیا جاوے گا وہ بدستور وطن اصلی رہے گا اور چونکہ ابھی اس پر آپ کی رائے قرار نہیں پائی لہذا فتح پور میں اتمام واجب ہے۔

فی الدرالمختار الوطن الاصلی یبطل بمثله و فیه الاصل ان الشیئی یبطل بمثله و بما فوقه لا بما دونه اھ۔

اوراب تک مجھ کو اس مسئلہ میں شرح صدر نہیں ہوا، کہ صرف تزوج سے وہ جگہ اس کے لئے وطن اصلی ہوجاتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ تزوج سے جبکہ اہل کو وہاں سے لے جانے کا ارادہ نہ ہو غالباً اس شخص کا بھی ارادہ اس کو وطن اصلی بنانے کا اور خود ہمیشہ کے لئے بود و باش کرنے کا ہوجاتا ہے اس بناء پر اس کو وطن بنانے کا سبب قرار دیدیا ہے ورنہ مدار خود اس کی نیت اتخاذ وطن اصلی پر ہے اگر میرا یہ سمجھنا صحیح ہے تب تو قنوج ہنوز آپ کا وطن اصلی نہیں بنا اور اگر مطلق تاہل سے وطن اصلی ہوجاتا ہے تو وطن اصلی میں تعدد ممکن ہے جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے اس کو وطن اصلی ہونے سے فتح پور کا وطن اصلی نہ ہونا لازم نہیں ہوتا قاضی خان کی ایک جزئی میری مؤید ہے۔

المسافر اذا جاوزعمران مصره الی اهله ان کان ذلك وطنا اصلیا بان کان مولده

---

(۱) اسی مسئلہ کے متعلق ترجیح الراجح حصہ سوم فصل سابع میں علماء سے تحقیق کرنے کا مشورہ دیا ہے ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۷۔

و سکن فیه او لم یکن مولده و لکنه تاهل به و جعله دارا الخ اس میں تاهل کے بعد جعله دارا بڑھا ہے جیسا کہ کان مولده کے بعد و سکن فیه بڑھایا ہے پس جس طرح صرف کان مولده بدون سکن فیه کہ وطن اصلی نہیں بنتا، اسی طرح تاہل بہ سے بدون جعله دارا کے وطن اصلی نہ ہوگا، فافہم۔ ۱۸؍ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۲۳ ج ۱)

ترجیح الراجح متعلقہ مسئلہ مذکورۂ بالا

امدادالفتاویٰ ج ۱ ص ۲۳ میں مسئلہ توطن بتزوج کا ہے اس کو دوسرے علماء سے تحقیق کرلیا جاوے (ترجیح ثالث ص ۲۳۳)

سوال (۴۹۱) زید اپنے مکان و مولد سے سوکوس جا کر پندرہ روز مقیم رہا پھر وہاں سے دوسرے ملک کو جانے کا قصد کیا تو وہاں سے کیا تین منزل کا قصد قصر کے واسطے معتبر ہوگا یا مطلق نکلنا وہاں سے معتبر ہوگا یا مطلق خواہ دو چار کوس ہی جائے تو قصر کرے؟

الجواب۔ مطلق نکلنا معتبر نہیں بلکہ مسافت قصر کی نیت سے نکلنا مبطل قصر ہوگا۔ فی الدرالمختار ویبطل وطن الإقامه الی قوله و بانشاء السفراه والسفر المعتبر هو السفر الشرعی ، فقط واللہ اعلم۔ ۱۲؍ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۵ ج ۱)

حکم افساد صلوٰۃ از سیٹی کردن ریل درحالت سفر

سوال۔ کس مقدار کے نقصان پر فریضہ یا نوافل یا سنن کی نیت توڑ دینی چاہئے اور اگر بعد نیت کرلینے کے ریل سیٹی دیوے روانگی کی تو کیا کرے۔؟

الجواب:- ۴ ؍ کے نقصان پر نماز کی نیت توڑ دینا درست ہے اور ریل کی سیٹی پر بھی نماز توڑ دینا درست ہے اگر سفر نہ کرنے سے کچھ حرج ہو (حوادث اول ۲ ص ۲۲)

حکم نماز در شغدف

سوال (۴۹۳) شغدف پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدرالمختار فهی صلوۃ علی الدابة فتجوز فی حالة العذر المذکورفی التیمم لافی غیرهاومن العذرالمطروطین یغیب فیه الوجه و ذهاب الرفقاء و دابة لا ترکب الابعناء الی قوله حتی لو کان مع امه مثلاً فی شقی

محمل و اذا نزل لم تقدر ترکب و حدها جازله ایضاً کما افاده فی البحر فلیحفظ اھ۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ شغدف میں بعذر فرض پڑھنا جائز ہے اور اگر اترنا اور قافلہ کی معیت سب سہل ہو تو شغدف میں پڑھنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔ ۲۰ رشعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ۹۳ ج ۱)

حکم نماز در ریل

سوال (۴۹۴) بسواری ریل کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز ادا کرنا چاہئے اگر کھڑے نماز ادا کی جاتی ہے تو چھت ریل کی سر پر لگتی ہے۔

دوم: یہ کہ جو تختہ جانب پورب ہے اور جانب پچھم کے تخت کے درمیان میں فاصلہ اس قدر ہے اور درمیان میں جگہ بھی خالی ہے کہ اندیشہ گرنے کا ہے۔

سوم: یہ کہ بحالت قیام ریل اتر کر نماز ادا کرنے میں یہ خیال ہے کہ ریل روانہ ہو جائے گی اور مال کا بھی نقصان ہوگا اور خود بھی رہ جائیں گے تو ان حالات مذکورہ میں کس طرح پر نماز ادا کرے؟

الجواب۔ نماز پڑھنے کے لئے ریل سے اترنے کی کوئی حاجت نہیں ہے اگر ریل مثل سریر موضوع علی الارض کے ہے تو ظاہر ہے اور یہی صحیح بھی معلوم ہوتا ہے وان لم یکن طرف العجلة علی الدابة جازلو واقفة لتعلیلهم انها کالسریر، درمختار قوله لو واقفة کذا قیده فی شرح المنیة ولواره لغیره یعنی اذا کانت العجلة علی الارض ولم یکن شیئی منها علی الدابة وانما لها حبل مثلاً تجرها الدابة تصح الصلٰوة علیها کانها حینئذ کالسریر الموضوع علی الارض ومقتضی هذا التعلیل انها لو کانت سائرة فی هذه الحالة لا تصح الصلوة بلاعذر وفیه تأمل لان جرها بالحبل وهی علی الارض لا تخرج به کونها علی الارض و یفیده عبارة التا تارخانیة عن المحیط وهی لو صلی علی العجلة ان کان طرفها علی الدابة و هی تسیر تجوز فی حالة العذر لا فی غیرها وان لم یکن طرفها علی الدابة جازت وهو بمنزلة الصلٰوة علی السریر اھ فقوله وان لم یکن لها یفید ماقلنا لانه راجع الی اصل المسئلة و قد قیده بقوله وهی تسیر ولو کان الجواز مقیدا بعدم السیر لقیده فتأمل۔ (شامی ج ۱ ص ۴۷۱)

اور اگر مثل عجلہ محمولہ علی الدابہ کے بھی مانی جاوے تب بھی بوجہ عذر کے اترنے کی کوئی

ضرورت نہیں اور عذر یہی ہے کہ چلتی ریل میں اتر نہیں سکتا کھڑی ریل میں ریل کے چلدینے یا مال کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے۔

واما الصلٰوۃ علی العجلۃ ان کانت طرف العجلۃ علی الدابۃ وھی تسیر اولا تسیر فھی صلٰوۃ علی الدابۃ فتجوزفی (۱)حالۃ العذر المذکور فی التیمم لا فی غیرھا ومن العذر المطروطین یغیب فیہ الوجہ وذھاب الرفقاء ودابۃ لاترکب الابعناء وبمعین، درمختار۔فقولہ المذکور فی التیمم بان یخاف علی مالہ او نفسہ او یخاف من فاسق (شامی ج ا ص ۴۷۰)

اگر چہ یہ بھی امید ہو کہ نماز کے وقت رہنے تک مجھ کو اتر کر پڑھنا ممکن ہے تب بھی ریل میں بہرحال پڑھنا جائز ہوگا کیونکہ عذر وقت شروع نماز کے معتبر ہے اگر چہ آخر وقت میں زوال اس کا متوقع ہے۔

(تنبیہ) بقی شیئی ولم ار من ذکرہ وھو ان المسافر اذاعجز عن النزول لعذر من الاعذار و کان علی رجاء زوال العذر قبل خروج الوقت کالمسافر مع رکب الحاج الشریف ھل لہ ان یصلی العشاء مثلاً علی الدابۃ والمحمل فی اول الوقت اذا خاف من النزول ام یؤخر الی وقت نزول الحاج فی نصف اللیل لأجل الصلٰوۃ والذی یظھر لی الاول لان المصلی انما یکلف بالارکان والشروط عند ارادۃ الصلٰوۃ والشروع فیھا ولیس لذلک وقت خاص ولذا جازلہ الصلوۃ بالتیمم اول الوقت وان کان یرجووجود الماء قبل خروجہ وعللوہ بانہ قد اداھا بحسب قدرتہ الموجودۃ عند انعقاد سببھا وھو ما اتصل بہ الاداء اھ و مسئلتنا کذلک۔(شامی ج ص ۴۷۱)

البتہ ایسی صورت میں انتظار آخروقت مستحب تک مستحب ہوگا و ندب (۲)لراجیہ رجاء قویا اخر الوقت المستحب ولو لم یؤخر وصلی جاز ان کان بینہ و بین الماء میل والا لا۔ (درمختار مع الشامی ص ۱۶۶)

پس ہرگاہ معلوم ہوا کہ اترنے کی کچھ حاجت نہیں تو اگر قیام پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھنا درست ہے خواہ کسی شکل سے بیٹھے اووجد لقیامہ الما شدیداصلی قاعداکیف شاء

(۱)اس عبارت سے ریل میں جواز تیمم بھی ثابت ہوتا ہے ۱۲منہ۔

(۲)اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ریل میں بھی انتظار پانی کا آخر وقت مستحب تک بہتر ہے ضروری نہیں ۱۲۔منہ

علی المذهب (درمختار ص ۵۰۹) صلی الفرض فی فلك جار قاعدا بلاعذر صح لغلبة العذر واساء وقالا لا یصح الا لعذر وهو الاظهر برهانا ۔ (درمختار ص ۵۱۲) اور اگر رکوع و سجود بوجہ زیادتی فصل درمیان شرقی و غربی تختوں کے متعذر رہوں تو اشارہ سر سے رکوع و سجدہ کرے لیکن معمولی دقت کو تعذر نہ سمجھا جائے اور سجدہ کو رکوع سے ذرا پست کرے۔

وان تعذر اومأ قاعداو یجعل سجوده اخفض من رکوعه ۔ (درمختار ص ۵۰۹ واللہ اعلم)

درمختار ص ۵۰۹ واللہ اعلم ۔ ۲۳ رشوال ۱۳۰۴ھ (امداد ص ۳۵ ج ۱)

سوال (۴۹۵) نماز ریل میں کس طرح پڑھنا چاہئے میں بعض مرتبہ کھڑے ہو کر پڑھتا ہوں اس طرح کہ ایک تختہ کی طرف کھڑا ہوتا ہوں اور دوسرے تختہ پر سجدہ کرتا ہوں، ایک صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ سجدہ میں گھٹنے پاؤں کے زمین میں نہیں لگتے ہیں، لہٰذا نماز نہیں ہوتی حدیث شریف میں ہے کہ ساری چیزیں زمین میں بوقت سجدہ کے لگنا چاہئے، چنانچہ اول سات میں سے ایک گھٹنے بھی ہیں اور اسی وجہ سے میت کے گھٹنوں میں کافور لگایا جاتا ہے ان کی رائے میں اس طرح پڑھنا چاہئے کہ ایک تختہ پر بیٹھے مثل نماز پڑھنے والے کے اور دوسرے تختہ پر سجدہ کرے مگر اس صورت میں قیام جو فرض ہے ترک ہوتا ہے، لہٰذا جناب کی کیا رائے ہے کیا گھٹنے کا لگنا زمین میں بوقت سجدہ کے لازم ہے؟

الجواب۔ فی ردالمحتار تظافرت الروایات عن ائمتنابان و ضع الیدین و الرکبتین سنة ولم ترد روایة بانه فرض۔ (ج ۱ ص ۵۲۱)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ زانو ٹکانا فرض نہیں بلکہ واجب [(۱)] بھی نہیں اور قیام فرض ہے پس آپ کا طریقہ صحیح ہے اوران صاحب کا قول بالکل غلط ہے۔ علاوہ [(۲)] مذکورہ بالا وجہ کے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جو خرابی انہوں نے قیام کی حالت میں بتلائی ہے یعنی گھٹنوں کا سجدہ کی حالت میں زمین میں نہ لگنا وہی خرابی قعود کی حالت میں بھی ہے۔ فافہم۔ واللہ اعلم۔ (امداد ص ۹۷ ج ۱)

---

(۱) متون میں عام طور پر یہی ہے لیکن فتح القدیر، بحرالرائق شامی وغیرہ میں ترجیح اس کو دی ہے کہ گھٹنوں کا ٹیکنا سجدہ میں واجب ہے قال الشامی واختار فی الفتح الوجوب لانه مقتضی الحدث مع المواظبة قال فی البحروهو ان شاء اللہ تعالیٰ اعدل الاقوال لموافقته الاصول انتهی و قال فی موضع اخر، قدمنا الخلاف فی انه سنة او فرض اوواجب وان الاخر اعدل الاقوال انتهی، لیکن ریل میں مذکورہ سوال ضرورت میں جبکہ فرض قیام فوت ہونا لازم آتا ہو اگر اس خاص حالت میں سنت کے قول کو ترجیح دیدی جاوے تو مضائقہ نہیں جیسا کہ حضرت مصنف قدس سرہ نے کیا ہے: واللہ اعلم۔ بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔

سوال (۴۹۶) ریل کے سفر میں جو مواقع پیش آتے ہیں وہ ذیل میں عرض کئے جاتے ہیں۔ بحالتے کہ ریل چلتی ہوئی ہے اور بیٹھنے کی پٹری موافق رخ قبلہ نہیں ہے یعنی شمال وجنوب ہے اور آئندہ اسٹیشن پہنچنے کے قبل وقت جاتا رہے گا یا اسٹیشن پر اتر کر نماز ادا کرنا بوجہ قلت قیام ممکن نہ ہوگا تو ایک پٹری پر بیٹھ کر اور پاؤں لٹکا کر دوسری پر سجدہ کرنا اس طرح درست ہوگا یا کیا خواہ جماعت ہو یا تنہائی؟

الجواب۔ بیٹھنا بلا عذر درست نہیں ایک پر کھڑا ہو اور دوسری پر سجدہ کرے۔
۱۸ محرم ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص ۶۲)

سوال (۴۹۷) برریل گاڑی نماز فرض خواندن درحالت سیر او بدون عذر جائز است یا نہ بینوا توجروا؟

الجواب۔ جائز است، قال فی ردالمحتار شرح درالمختار (من باب وتر و نوافل) تحت قوله وان لم يكن طرف العجلة على الدابة جاز لو واقفة الخ كذا قيده فى شرح المنية ولم اره لغيره يعنى اذا كانت العجلة على الارض ولم يكن شيئى منها على الدابة وانمالها حبل مثلاً تجرها الدابة، تصح الصلوٰة عليها لانها حينئذ كالسرير الموضع على الارض و مقتضى هذا التعليل انها لو كانت سائرة فى هذه الحالة لا تصح الصلوٰة عليها بلا عذروفيه تامل لان جرها بالحبل وهى على الارض لاتخرج به عن كونه على الارض ويفيده عبارة التاتارخانية عن المحيط وهى لو صلى على العجلة ان كان طرفها على الدابة وهى تسير تجوز فى حالة العذر لا فى غيرها وان لم يكن طرفها على الدابة جازت وهو كالسرير انتهى فقوله وان لم يكن طرفها الخ يفيد ما قلنا لانه راجع الى اصل المسئلة وقد قيدها بقوله وهى تسير ولو كان الجواز مقيداً بعدم السير يقيده به فتامل انتهى اقول وكذا يقيد ما افادنا السيد قدس سره عن عبارة المحيط عبارة فتاویٰ قاضى خان وهى اما الصلوٰة على العجلة ان كان طرف العجلة على الدابة وهى تسير اولاتسير فهى صلوٰة على الدابة تجوز حالة العذر ولا تجوز فى غيرها وان لم تكن طرف العجلة على الدابة جاز وهى بمنزله الصلوٰة على السرير انتهى قبل باب لصلوٰة المريض فلما جازت الصلوة على العجلة اذا لم يكن شيئى منها على الدابة وهى تسير اولا تسير بدون العذر

وکانت بمنزلة السرير فی الحالتين فبالطريق الاولى تجوزعلى المركب الدخانی الذی يجری علی الارض حال كونه سائراً بدون العذر فظهران ما فی غاية الأوطار ج۱ ص ۲۳۴۳ تحت قوله ان لم يكن طرف العجلة علی الدابة جاز لو واقفه (فی باب الوتر والنوافل) ۔

علمائے ہند مختلف ہیں کہ ریل گاڑی چلتے میں نماز فرض وواجب درست نہیں اور بعضے درست کہتے ہیں الخ منشاء عدم اطلاع الفريقين والمؤلف ايضاً علی ماحققه السيد العلامة تحت القول المذكور كما نقلنا هذا واعترض(فی باب الوترالنوافل) مفتی المصر علی قول السيد قدس سره و فيه تامل لان جرها...... الخ۔

حيث قال وهی وان لم تخرج بالجر بالحبل عن كونها علی الارض الا ان هذا القيد لابد منه اذ بدونه يفوته اتحاد مكان الصلوة الذ ی هو شرط لصحتها الابعذر الخ

و يقول العبد الضعيف ان هذا منه عجيب جدا فان مكان الصلوة فيما نحن فيه العجلة ولوح من الواحها دون الارض التی تجتها الاترى ان الصلوٰة علی السفينة السائرة جائزة و اعتبار العذر هنا لانها لما كانت علی الماء دون الارض فكانت كالدابة لالعدم اتحاد مكان الصلوٰة فان الحكم فی السفية المربوطة بالشط اذا كانت علی القرار من الماء ولم يكن شيئی منها مستقراً علی الارض ايضاً كذلك بهذا ظهران كون السفينة علی الماء والماء علی الارض مما لا ينتج نتيجة تقيد حكماً من الاحكام ان قيل قد تقرران بعض الائمة اذا صرح بقيد وجب اتباعه قلت هذا اذا كان من اهل الترجيح و ابن امير الحاج شارح المنية ليس من اهل الترجيح (كذا فی الحموی شرح الاشباح من الفن الثالث فی احكام الخنثیٰ) بل هو من نقلة المذهب فكان عليه عزو القيد المذكور الی كتاب من الكتب المعتبرة و لعل اليه اشار السيد المحقق بقوله ولم اره لغيره بقی هل يجب التوجه الی القبلة وكلما دار المركب الدخانی عنها عند استفتاح الصلوة و فی خلال الصلوٰة الظاهر نعم فان لم يمكنه يمكث عن الصلوٰة الا اذا خاف فوت الوقت هذا ما ظهر لی۔
واللہ تعالیٰ اعلم وعلمه احكم۔

الجواب:- من المولوی حبیب احمد

فی الدرالمختار المربوطة بالشط کالشط فی الاصح اھ وقال فی ردالمحتار قوله المربوطه بالشط کالشط فلا تجوز الصلوٰة فیها قاعداً اتفاقاً وظاهر ما فی الهدایة و غیرها الجواز قائما مطلقاً ای استقرت علی الارض اولا وصرح فی الایضاح بمنعه فی الثانی حیث امکنه الخروج الحاقاً لهابالدابة نهرواختاره فی المحیط والبدائع بحرعزاه فی الإمداد ایضاً الی مجمع الروایات عن المصفی و جزم به فی نور الإیضاح و علی هذه ینبغی ان لا یجوز الصلوٰة فیها سائرة مع امکان الخروج الی البر وهذه المسئلة الناس عنها غافلون ۔شرح المنیة اھ ص ۷۹۷۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سفینہ کے مثل دابہ ہونے میں اختلاف ہے صاحب ہدایہ وغیرہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو مثل دابہ نہیں سمجھتے اور اس میں نماز بلا عذر جائز ہے اور دیگر علماء نے تصریح کی ہے کہ وہ مثل دابہ کے ہے، جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھنا چاہئے کہ الامداد میں جولکھا گیا ہے (رفع اشتباہ) اس جہاز کو مثل دریائی جہاز کے نہ سمجھا جاوے کیونکہ وہ بواسطہ پانی کے مستقر علی الارض ہے اور اس کا استقرار پانی پر اور پانی کا استقرار ارض پر بالکل ظاہر ہے اھ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ظہور استقرار کی وجہ سے اس کو اگر مثل دابہ نہ کہا جاوے بلکہ اس کو مثل سریر سمجھا جاوے تو گو یہ مرجوح ہے مگر اس کی گنجائش ہے، جیسا کہ ظاہر ہدایۃ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے برخلاف ہوائی جہاز کے کہ وہاں یہ گنجائش نہیں۔فاتضح فائدة هذا الکلام و اندفع ما اورد علیه بقوله بهذا ظهران کون السفینة علی الماء والماء علی الارض مما لا ینتج نتیجة تفید حکماً من الاحکام اھ۔

التماس۔۔اب ناظرین علماء سے اس کی تنقید کرلیں فقط ۴ رذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (ترجیح خامس ص ۹۲)

تحقیق قصر صلوۃ سیاح را

سوال ۔(۴۹۸) کوئی شخص برابر بارہ سال سے سیاحی کرتا ہے آج اس گاؤں میں کل اس گاؤں میں رہتا ہے تو ہمیشہ قصر پڑھے یا نہیں؟

الجواب ۔اس میں تین صورتیں ہیں۔

(۱) کسی مقام سے چلنے کے وقت تین منزل یا زائد کے سفر کا قصد ہے اور کسی جگہ پہنچ کر

پندرہ روز یا زائد قیام کا قصد نہیں اس صورت میں قصر پڑھے۔

(۲) کسی مقام سے چلنے کے وقت تین منزل یا زائد کے سفر کا قصد ہے اور کسی جگہ پہنچ کر پندرہ روز یا زائد قیام کا قصد ہے اس صورت میں راہ میں قصر پڑھے اور اس جگہ ٹھہرنے میں پوری پڑھے۔

(۳) کسی مقام سے چلنے کے وقت تین منزل یا زائد کے سفر کا قصد نہیں یعنی جس جگہ سے اب چلا ہے نہ یہاں سے چلنے کے وقت اور نہ اس کے قبل جس جگہ سے چلا تھا اس کے چلنے کے وقت بھی تین منزل کا ارادہ نہیں ہوا تو پوری نماز پڑھے۔

فی الدرالمختار من خرج من عمارة موضع اقامته قاصدا و لو کافرا ومن طاف الدنیا بلا قصد لم یقصد مسیرة ثلثة ایام و لیا لیها صلی الفرض الرباعی رکعتین حتی یدخل موضع مقامه اوینوی اقامة نصف شهر اهـ والله تعالیٰ اعلم و علمه اتم۔ ذیقعده ۱۳۲۲ھ (امداد ص ٦٣ ج ١)

صلوٰۃ براسپ

سوال (۴۹۹) اگر گھوڑے پر سوار ہے اور کوئی آدمی ساتھ نہیں اور نہ کوئی باندھنے کی چیز ہے اور خوف فرار بھی یا رات ہو جانے کا خوف ہے تو نماز فرض گھوڑے پر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ **فی الدر المختار باب النوافل فهی صلوة علی الدابة فتجوز حالة العذر المذکور فی التیمم الی قوله و ذهاب الرفقاء و دابة لا ترکب الابعناء او بمعین و فی رد المحتار بان یخاف علی نفسه او ماله الخ۔**

پس صورت مسئولہ میں جب اترنے سے گھوڑے کے بھاگ جانے کا خوف ہے اور رات ہو جانے سے جان کا اندیشہ ہے تو فرض نماز گھوڑے پر درست ہے، یہ حکم تو اس صورت میں ہے کہ گھوڑے کے چلے جانے کا بہت غالب گمان ہو اور اگر ویسے ہی شبہ ہے تو گھوڑے پر نماز نہ پڑھے بلکہ زمین پر اتر کر شروع کرے پھر اگر گھوڑا بھاگنے کو ہو تو نماز قطع کر کے اس کو پکڑے۔ **مکروهات الصلوة ویباح قطعها لنحو قتل حیّةو ندّ دابّة و فور قدرو ضیاع م قیمته درهم له او لغیره اهـ۔** واللہ تعالیٰ اعلم۔ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ٦٣ ج ١)

حکم نیت اقامۃ درمواضع متفرقہ

سوال (۵۰۰) زید پنجاب سے بارادۂ سیاحی بنگالہ کو آیا اور ایک پرگنہ میں بارادۂ اقامت چھ ماہ ٹھہرا اس صورت سے کہ دو روز ایک موضع میں وعظ کیا دو روز دوسرے میں، اس

صورت سے پانچ چھ ماہ ایک پرگنہ میں جو دس بارہ کوس کی وسعت میں ہے گزارتا ہے کیا اس صورت میں قصر کرے گا یا نہ؟

الجواب۔ قصر کرے گا، **فی الدرالمختار فیقصرالی قولہ اونوی فیہ لکن بموضعین مستقلین کمکۃ و منی الخ، واللہ اعلم** ۔ ۱۲/ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۴ ج ۱)

محل صالح اقامت نہ بودن کشتی

سوال (۵۰۱) زید آبی ملک میں ایک مسقف کشتی میں مع اپنے نوکر چاکر و اہل و عیال کے رہتا ہے اور جس گاؤں میں وعظ کرتا ہے اس کے قریب دریا میں کشتی جا لگا تا ہے دن میں وعظ کر کے رات کو واپس کشتی میں آتا ہے اور کبھی کشتی سے باہر موضع میں بھی پانچ سات روز گزارتا ہے مگر مقیم کشتی ہی میں رہتا ہے تو کیا اس صورت میں اہل اخبیہ میں داخل ہو کر پوری نماز پڑھے گا یا قصر، مالابد کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری نماز پڑھے گا (اور جو کہ ہمیشہ میدان میں رہا کرتے ہیں اور کسی جگہ اقامت نہیں کرتے ہیں مگر دس پانچ روز تو ان لوگوں کو حکم ہے کہ ہمیشہ نماز اقامت کی پڑھیں قصر نہ کریں ہاں جس وقت یکبارگی ۴۸ کوس چلنے کا ارادہ کریں تو اس وقت قصر پڑھیں) مگر اہل اخبیہ میں اور مقیم فی السفینہ میں اتنا فرق ہے کہ اہل اخبیہ مثل کنجر بنجارے بدو کے ہمیشہ بیابان میں آبادی سے دور رہتے ہیں اور مقیم فی السفینہ کبھی قریب موضع کے متصل اور کبھی بفاصلہ ایک میل کبھی دو تین میل وعلی ہذا تو پس اس میں، وہ واعظ اور نوکر اس کے کیا قصر پڑھیں گے یا کامل عالمگیری میں متاخرین کا اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے؟

الجواب۔ قصر کرے گا۔ **فی الدرالمختار فیقصر الی قولہ او نوی فیہ لکن فی غیر صالح کبحر الخ فی رد المحتار قال فی المجتبی والملاح مسافر الاعند الحسن و سفینتہ ایضاً لیست وطن اھ بحروظاھرہ ولوکان مالہ واھلہ معہ فیھا ثم رأیتہ صریحاً فی المعراج**۔ اور چونکہ اہل بحر کا حکم مثل اہل اخبیہ کے نہیں لہٰذا عالمگیری میں جو اہل اخبیہ کے باب میں اختلاف منقول ہے یہاں اس سے کچھ تعلق نہیں۔

(۱۲ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ امداد ص ۹۴ ج ۱)

سوال (۵۰۲) حضرت والا! آپ کا فتویٰ مندرجہ رسالہ الامداد ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ احقر کی نظر سے گزرا آپ نے جو جواب ارقام فرمایا ہے اس کے متعلق عاجز کے ذہن میں چند شبہات پیدا ہو گئے ہیں، امید کہ آپ تشفی فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ کشتی و جہاز میں اقامت کی نیت معتبر نہیں ہے جبتک اس کے کھڑے ہونے کی جگہ موقع آبادی سے متصل نہ ہو، یہ تو آپ بھی تسلیم فرماتے ہیں کہ کشتی و جہاز میں اقامت کی نیت معتبر نہیں ہے لیکن جب کشتی آبادی کے متصل کھڑی ہو تو نیت اقامت درست فرماتے ہیں، اب گزارش یہ ہے کہ آپ نے یہ حکم کہاں سے اخذ کیا ہے۔

(۱) اگر آپ نے فناء مصر پر قیاس کیا ہے تو قیاس مع الفارق معلوم ہوتا ہے کیونکہ فناء مصر محل اقامت ہے لہذا اس کو مصر کے ساتھ ملحق کر دیا گیا، لیکن کشتی و جہاز اقامت کی صلاحیت نہیں رکھتے اور دریا محل اقامت نہیں ہے تو آبادی کے قرب کی وجہ سے ان میں کیوں کر صلاحیت پیدا ہوگی۔

(۲) اگر آپ نے کہیں فقہاء کی تصریح اس بارہ میں دیکھی ہے تو اس سے مطلع فرمایئے تا کہ دفع خلجان ہو۔

(۳) اس بارہ میں آپ نے جو عبارات فقہیہ تحریر فرمائی ہیں ان سے تو یہ مستنبط نہیں ہوتا کہ جب کشتی آبادی کے متصل ہو تو نیت اقامت درست ہے ان سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ دریا کا کنارہ جبکہ سلسلہ آبادی کا وہاں تک متصل چلا گیا ہو فناء مصر میں داخل ہے لیکن اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ دریا بھی فناء مصر میں داخل ہے۔

(۴) جب مصر اور فناء مصر کے درمیان کوئی باغ یا بڑا میدان یا جنگل حائل ہو اس وقت وہ مصر کے حکم سے خارج ہوتا ہے تو جہاز اور کشتی جو دریا میں لنگر انداز ہوتی ہے اس میں یہ تبعیت مصر کیونکر اقامت درست ہوسکتی ہے حالانکہ فناء مصر اور باغ و میدان و جنگل کے درمیان قطع مسافت میں کوئی شیئ مانع نہیں ہے اور جہاز اور خشکی کے مابین پانی کا حصہ آمد ورفت سے مانع ہے اور بغیر حیلہ وعلاج کے عبور عادۃً ناممکن ہے۔

(۵) جب یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ بحر و کشتی محل اقامت نہیں ہے تو جب تک اس کے خلاف فقہاء کی کوئی تصریح نہ ملے تو اس کے خلاف حکم دینا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

(۶) عالمگیری سے بحوالہ عتابیہ آپ نے جو عبارت نقل کی ہے وہ اس شخص کے حق میں ہے کہ جو اپنے وطن اصلی سے سفر کرتا ہو ظاہر ہے کہ کشتی لوٹنے کے بعد وہ اپنے وطن اصلی میں پہونچ گیا ہے پس اس کی اقامت بسبب وطن اصلی کے ہے۔ فقط۔

فی الحقیقت یہاں ان لوگوں کے متعلق بحث ہے جو مسافت بعیدہ سے یہاں آکر کام کرتے ہیں جواب تک دریا کے متصل کسی قریہ یا آبادی میں مقیم نہ ہوں ان لوگوں کے متعلق بحث نہیں ہے جو کسی مصر یا قریہ میں مقیم ہونے کے بعد جہاز میں ملازم ہوئے ہوں کیونکہ ان کی

اقامت کی صحت وطن اصلی یا وطن اقامت کی وجہ سے ہے جس کی تفصیل فتوی میں جو اس کے ساتھ منسلک ہے موجود ہے۔

(۷) دریاءفناء مصر میں شامل ہے کہ نہیں۔

(۸) بحر الرائق کی اس عبارت (**لان نیة الإقامة لاتصح فی غیرھما فلا تصح مفازة ولا جزیرة ولا بحر و لا سفینة اھ**) سے معلوم ہوتا ہے کہ سمندر اور کشتی محل اقامت نہیں، شامی وغیرہ کی عبارت میں بھی بحر کو سفینہ پر عطف کیا گیا ہے جس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ کشتی اگر چہ کنارے پر آبادی کے متصل کھڑی ہو تو بھی اس میں اقامت درست نہیں ہے حقیقت سے مجاز کی طرف رجوع کرنا بدون قرینۂ صارفہ کے صحیح نہیں ہے فی الجملة تصریحات فقہاء سے مترشح ہوتا ہے کہ بحر اور سفینہ محل اقامت نہیں ہے، پس اس کے خلاف حکم دینے کے لئے صریح دلیل کی ضرورت ہے۔

اب دست بستہ گزارش ہے کہ ان شبہات کے دفعیہ کی طرف توجہ مبذول فرماویں، جناب کا وہ فتویٰ جو رسالہ الامداد ماہ جمادی الاول ۱۳۴۳ھ میں مندرج ہے دستیاب ہونے کے قبل میں نے یہ فتویٰ لکھا تھا اگر قبل اس کے آپ کا فتویٰ ملتا تو بغیر جواب تحریر کئے محض شبہات کو آپ کی خدمت میں بھیجدیتا، اب گزارش ہے کہ از راہ نوازش جواب تحریر فرما کر تسکین فرماویں؟

الجواب۔ بخدمت جامع الفضائل دامت افاداتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خط مع تحقیق مسئلہ پہنچا اس خیر خواہی سے ممنون ہوا، چونکہ احقر اس وقت ایک سفر میں تھا کچھ وقت اس میں اور کچھ وقت واپسی کے بعد انتظار فرصت میں گزر گیا، جب توقع فرصت کی نہ رہی ایک اپنے عزیز کو اول صرف آپ کا فتویٰ دیا، جس میں میرے جواب کا ذکر نہ تھا، تاکہ خالی الذہن ہو کر اس کو دیکھیں انہوں نے اپنی رائے لکھدی جو ملاحظہ کے لئے مرسل ہے، اس کے بعد پھر میں نے آپ کا خط دیا جس میں میری رائے مذکور تھی۔ جس کے بعد عزیز موصوف نے کسی قدر اور تفصیل کردی۔ یہ جواب میرے جواب کا موید ہے بلکہ اس میں اس قدر مزید ہے کہ میں نے جو اتصال آبادی کی شرط لگائی تھی اس میں وہ بھی نہیں، چونکہ میرے نزدیک یہ جواب صحیح ہے اس لئے میں نے اس اشتراط سے بھی رجوع کرلیا۔ واللہ اعلم۔ ۲۷ ماہ رجب ۱۳۴۲ھ۔

تنبیہ۔ خط مذکورہ بالا مع فتویٰ صاحب خط عزیز موصوف یہ سب امداد الاحکام مسئلہ مرقومہ ۱۱ رجب ۱۳۴۲ھ و مسئلہ مرقومہ ۱۴ رجب ۱۳۴۲ھ میں مذکور ہیں (ترجیح خامس ص ۱۳۹)

تحقیق تبعیت اجیر در قصر واتمام

سوال (۵۰۳) زید جس ملک میں وعظ کرتا ہے وہاں کے قریب کے مثلاً دس بارہ کوس کے دور کے لوگ ملاحوں میں نوکر رکھتا ہے اور ان کے علاقہ کے قریب پندرہ بیس کوس میں برس روز تک سیاحی کرتا ہے۔ بصورت مذکورہ بالا ان کی نماز کا حکم تابع قریب صاحب السفینہ کے ہوگا یا وہ ہمیشہ کامل پڑھا کریں گے اور اس میں یہ بھی کہ جس وقت وہ لوگ نوکری چھوڑ کر مکان کو چلے جائیں تو ان کا مانع کوئی نہیں؟

الجواب۔ تبعیت اجیر کی مشروط دو شرط سے ہے ایک یہ کہ اس کا خروج اپنے وطن سے مسافت قصر کی نیت سے ہو، دوسرے یہ کہ وہ ماہانہ یا سالانہ تنخواہ پر نوکر ہو صرح به في رد المحتار عن التتار خانیته پس ان ملاحوں کا حکم اسی قاعدہ سے نکال لیا جاوے چونکہ سوال میں دونوں امر مبہم ہیں لہٰذا جواب مجمل ہو سکا۔ ۱۲ رذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۵ ج ۱)

لزوم قصر بوقت اعادۂ صلوٰۃ فاسدہ مع الامام

سوال (۵۰۴) مقتدی مسافر ہے امام مقیم ہے مقتدی نے خیال کیا کہ ہم دو ہی رکعت کے بعد سلام پھیریں گے پس ایسا ہی کیا۔ بعد کو امام نے اس بات کو انکار کرنے سے وہ چہار رکعت پڑھ دیا معلوم کرنا یہ بات ہے کہ اس مقتدی کو فقط دو رکعت دوبار پڑھنی تھی یا کہ امام کے پیچھے اقتداء کر کے تمام نہ کرنے سے چہار رکعت پڑھنا ٹھیک ہے۔ فقط؟

الجواب۔ في الدرالمختار واما اقتداء المسافر بالمقيم فيصح في الوقت و يتم لابعده فيما يتغير في ردالمحتار تحت قوله فيصح في الوقت ويتم اى سواء بقي الوقت او خرج قبل اتمامها لتغير فرضه بالتبعية لاتصال المغير بالسبب و هو الوقت ولو افسده صلى ركعتين لزوال المغيراه جلد اول ص ۸۲۸۔

اس روایت سے دو امر معلوم ہوئے ایک یہ مسافر کو امام مقیم کے ساتھ نماز تمام کرنا چاہئے تھا دوسرے یہ کہ جب وہ نماز فاسد ہوگئی تو تنہا پڑھنے کے وقت قصر کرنا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔

۱۵ رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۱۶)

کیا عورت کو بعد شادی وطن اصلی میکہ میں قصر کرنا ہوگا

سوال (۵۰۵) ہندہ اپنے وطن مولودی سے سو (۱۰۰) کوس پر بیاہی گئی ہے تو جبکہ سسرال

سے اپنے وطن اصلی مولودی میں چار پانچ روز کے واسطے اتفاقاً آوے تو نماز قصر پڑھے یا پوری؟

الجواب۔ فی الدرالمختار الوطن الاصلی یبطل بمثله فی ردالمحتار فلو کان له ابوان ببلد غیر مولده وهو بالغ ولم یتاهل به فلیس ذلك و طناله الا اذا عزم علی القرار فیه و ترك الوطن الذی کان له قبله شرح المنیه (ج۱ص۸۲۹)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ عورت صورت مسئولہ میں نماز قصر پڑھے۔ فقط۔

۷؍رجب ۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص۱۷)

جنگل میں رہنے والوں کے لئے قصر یا اتمام کا حکم

سوال (۵۰۶) جو لوگ ہمیشہ جنگل باشی ہیں جیسے قوم اوڈ جو سرکی لئے مع اپنے ٹانڈے کے دہ بہ دہ پھرتے ہیں جہاں مزدوری مل گئی کئی کئی روز ٹھہر جاتے ہیں ورنہ شب باش ہوئے اور چل دیئے ایسے لوگ مسافر ہیں یا نہیں؟

الجواب۔ یہ لوگ مقیم ہیں البتہ اگر کسی مقام پر پہنچنے کے بعد ایک دم سے نیت ایسے مقام کی کریں جو یہاں سے مسافت قصر پر ہو مسافر ہو جاویں گے، هکذا فی الدرالمختار وردالمحتار۔

۱۸؍رمضان ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص۱۹)

ملازمین جہاز کے لئے قصر یا اتمام کا حکم

سوال (۵۰۷) جو لوگ آگبوٹ جہاز میں نوکری کرتے ہیں اور ان کا دائمی پیشہ یہی ہے بعض ان میں ایسے ہیں جو ہفتوں میں واپس آجاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو مہینوں میں واپس آتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو برسوں میں واپس آتے ہیں ان میں بعض آگبوٹ تو ایسے ہیں جو ایک ملک سے براہ راست دوسرے ملک کو چلے جاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو ملک در ملک شہر در شہر آدمیوں کو اتارتے چڑھاتے اور مال لیتے دیتے جاتے ہیں اور کہیں ہفتہ بھر کہیں اس سے کم زیادہ ٹھیرتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ لوگ ذی اختیار نہیں جب تک کپتان مالک آگبوٹ یا اس کا قائم مقام ٹھیرے تب تک یہ بھی ٹھیرتے ہیں جب وہ چلے یہ بھی چلتے ہیں آیا یہ لوگ مسافر ہیں یا مقیم اگر مسافر ہیں تو اپنی نمازوں کو قصر کریں اور روزہ افطار کریں یا نہیں۔ فقط؟

الجواب۔ جہاز گھر یعنی وطن کے حکم میں تو نہیں ہے پس اس کا حکم کوئی جدا نہیں ہے جو اور مسافر کا ہے وہی اس کا، یعنی یہ لوگ جب اپنے وطن اصلی یا وطن اقامت سے (یعنی جہاں پندرہ

روز کے قیام کا قصد ہو) چلتے ہیں چلنے کے وقت دیکھنا چاہئے کہ کس قدر مسافت قطع کرنے کا ارادۂ مصمم ہوتا ہے اگر بقدر مسافت تین ایام کے (یعنی دریا میں اعتدال ہوا کی حالت میں کشتی تین دن میں جس قدر جاتی ہے) ارادہ ہوتو قصر کرے گا اور اس سے کم کا ہو نہ کرے گا **ھکذا فی کتب الفقه**۔ واللہ اعلم۔ ۹ محرم ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۲۹)

سوال (۵۰۸) ہمارے ہاں شہر مولمین میں بہت دور دراز ملکوں سے لوگ آتے ہیں اور کمائی کر کے لے جاتے ہیں اب ان کے پیشہ میں فرق ہے کوئی تو خشکی کے کام کرتا ہے جیسے بزازی لوہاری درزی وغیرہ اور کوئی پانی کے کام کرنے والا ہے (جیسے دہلی کے پورب طرف جمنا ندی بہتی ہے ایسے ہمارے شہر مولمین کے داہنی طرف ایک ندی بہتی ہے جو رفتہ رفتہ سمندر سے جا ملی ہے جس کے سبب سے دوسرے ملکوں سے اور دوسرے شہروں سے ہمارے ہاں جہاز اور کشتی، منور سوداگری کے آیا کرتے ہیں) یعنی کوئی تو ایسے جہاز کی نوکری کرتا ہے جو دور دور شہروں سے تجارتی چیزیں لینے آیا کرتے ہیں اور کوئی چھوٹے چھوٹے جہازوں میں کام کرتا ہے جو ایک پار سے لوگوں کو دوسری پار لے جاتے ہیں یا ایک دن یا دو دن کے راستے پر مال لینے جایا کرتے ہیں رات کے وقت ہمیشہ جہاز میں لنگر انداز کر کے سو جاتے ہیں اور بعض تو ایسے ہیں جو چھوٹی چھوٹی کشتی چلاتے ہیں بڑے بڑے جہازوں سے جو ندی کے بیچ لنگر انداز ہوتے ہیں مال نکال کر چھوٹی کشتیوں میں لادکر کنارہ پر لاتے ہیں اور بعض کشتی والے دو تین روز کے راستہ میں بھی کرایہ لے کر جاتے ہیں پھر وہاں سے شہر چلے آتے ہیں اور سب جہاز والوں کے لئے اور کشتی والوں کے لئے اپنی اپنی کشتی لنگر کرنے کو ایک ایک جگہ مقرر ہے وہاں آ کر رات کو لنگر کر کے اسی کشتی یا جہاز میں سو جاتے ہیں ان کے واسطے وطن اصلی اور وطن اقامت یہی ہے یہ لوگ ایسے کچھ دن سفر کر کے کچھ کما کر کے پھر اپنے اپنے ملکوں میں چلے جاتے ہیں شہر سے یا کنارہ سے ان کو کوئی سروکار نہیں ہاں کوئی چیز خریدنے کو یا کوئی کرایہ دیکھنے کنارہ پر یا شہر میں آیا کرتے ہیں ورنہ ہمیشہ ان کے رہنے سہنے کی جگہ وہ کشتی یا جہاز ہے یہ لوگ مسافر کہلاویں گے یا مقیم۔

اس مسئلہ میں یہاں علماء دو فریق ہو گئے، فریق اول یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ جب تک اپنا ملک چھوڑ کر رہیں گے (کشتی یا جہاز میں) مسافر کہلائیں گے اور احکام سفر کے ان پر جاری ہوں گے کیونکہ ان کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں کشتی یا جہاز اقامت کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے اور جس جگہ لنگر انداز ہوتے ہیں وہ بھی کوئی نیت اقامت کرنے کے لائق جگہ نہیں ہے اور اگر شہر مولمین میں اقامت کی نیت کریں یہ بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ شہر میں یعنی کنارہ پر خشکی میں نہیں رہتے ہمیشہ دریا

میں رہتے ہیں یہ نیت ان کی کیونکر صحیح ہوگی پس یہ لوگ ہمیشہ مسافر ہیں مقیم نہیں ہوسکتے، اور فریق ثانی یہ کہتا ہے کہ یہ لوگ جب نیت اقامت کی کریں صحیح ہے جب ارادہ کریں ایک برس یا دو برس اس شہر مولمین میں رہنے کا اور اسی شہر کے پتہ سے خط و کتابت ہوتی رہتی ہے اور وہ ندی جس میں وہ لوگ کشتی یا جہاز رانی کرتے ہیں شہر کے تحت میں ہے جب یہ لوگ شہر کے قریب ندی میں لنگر انداز ہو کے رہتے ہیں گویا شہر میں رہتے ہیں گویا ان کا وطن اقامت شہر مولمین ہے جس پتہ سے ان کی خط و کتابت ہوتی رہتی ہے پس نیت اقامت ان کی صحیح ہے اگرچہ یہ لوگ جہاز یا کشتی میں اکثر وقت رہیں یہ لوگ مقیم ہیں جب تک ملک جانے کا ارادہ نہ کریں۔ فقط اب آرزو ہے کہ حضور اس مسئلہ کو کچھ دلیلوں کے ساتھ فیصلہ فرما کر سرفراز فرماویں؟

الجواب۔ في الدرالمختار او ينوى إقامة نصف شهر بموضع واحد صالح لها من مصراوقرية اوصحراء دارنا وهومن اهل الاخبية فيقصر ان نوى الإقامة في اقل منه اى من نصف شهر او نوى فيه لكن في غير صالح كبحرأوجزيرة الخ في ردالمحتار قوله كبحر قال في المجتبى والملاح مسافر الا عند الحسن و سفينة ايضاً ليست بوطن اه بحر ظاهره ولو كان ماله واهله معه فيها ثم رأيته صريحاً في المعراج ۱ ص۸۳۳ و، في الدرالمختار بخلاف اهل الاخبية كعرب و تركمان نووها فانها تصح في الاصح وبه يفتي اذا كان عندهم من الماء والكلاء ما يكفيهم مدتها لان الاقامة اصل في رد المحتار قوله كعرب المناسب قول غيره كاعراب لما في المغرب هم الذين استو طنوا المدن والقرى العربية والاعراب اهل البدو وفيه قوله لان الاقامة اصل علة لقوله فانها تصح اى نيتهم الإقامة قال في البحر وظاهر البدائع ان اهل الاخبية لا يحتاجون الى نية الإقامة فانه جعل المفاوزلهم كالامصار والقرىٰ كاهلها الخ ج۱ ص۸۲۵ في العالمگيرية الصحيح ما ذكر انه يعتبر مجاوزة عمران المصر لاغيرالا اذاكان ثمه قرية او قرى متصلة بربض المصر فحينئذ تعتبر مجاوزة القرى بخلاف القرية التي تكون متصلة بفناء المصر فانه يقصر الصلوة وان لم يجاوز تلك القرية كذا في المحيط ج ۱ ص۸۹ وفيها ولا يصيرمقيماً بنية الاقامة فيها(اى في السفينة)وكذلك صاحب السفينة والملاح الا ان يكون السفينة بقرب من بلدته او قريته فحٍ يكون مقيماً باقامته الاصلية

کذا فی المحیط و فیھا عن العتابیة و لوکان مسافرا وشرع فی الصلوۃ فی السفینة خارج المصر فجرت السفینة حتی دخل المصر یتم اربعاً کذا فی التتارخانیة ج ۱ ص ۹۲۔

ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے

(۱) کشتی یا جہاز خود موضع صالح للا قامۃ نہیں اگر چہ مال واہل بھی پاس ہوں پس اس میں اقامت کی نیت کرنے سے مقیم نہ ہوگا اگر اس کے قبل اس پر شرعاً وصف مسافر کا صادق آ چکا ہے تو وہ مسافر ہی رہے گا البتہ ابھی مسافر شرعاً نہیں ہوا تو اقامت اصلیہ سے وہ مقیم رہے گا نہ کہ اقامت فی السفینہ سے۔

(۲) البتہ جس کشتی یا جہاز پر لنگر انداز ہوتا ہے وہ کنارہ اگر کسی شہر یا قریہ سے متصل ہے یعنی شہر سے وہاں تک سلسلہ آبادی کا متصلاً چلا آتا ہے درمیان میں کھیت یا باغ یا کوئی بڑا میدان و جنگل حائل نہیں تو وہ کنارہ بھی حکم مصر میں ہوگا اس صورت میں وہاں نیت اقامت کی معتبر ہو جاوے گی کما فی المصر والقریۃ، اور اگر اس طرح سے متصل نہیں ہے تو وہ حکم مصر میں نہ ہوگا اور وہاں نیت اقامت کی معتبر نہ ہوگی۔

کما فی ردالمحتار اراد بالعمارة ما یشتمل بیوت الاخبیة لان بھا عمارة موضعھا قال فی الامداد فیشترط مفا رقتھا ولو متفرقة و فیه یشترط مفارقة ما کان من توابع موضع الإقامة کربض المصر وھو ماحول المدینة من بیوت ومساکن فانه فی حکم المصروکذا القری المتصلة بالربض فی الصحیح بخلاف البساطین ولومتصلة بالبناء لانھا لیست من البلدة ولو سکنھا اھل البلدة فی جمیع السنة او بعضھا ولا یعتبر سکنی الحفظة والاکرہ اتفاقاً امداد ج ص ۸۱۔

(۳) ان ہی روایات سے دلائل قائلین بکونہا محلاً صالحاً للا قامۃ کا جواب بھی نکل آیا کہ محض شہر کے تحت یا تعلق میں ہونا اس کے لئے کافی نہیں جب تک آبادی کا اتصال نہ ہو اور شاید کوئی اہل اخبیہ کی حالت سے استدلال کرنے لگے تو اہل اخبیہ کی حقیقت مذکورہ فی الروایات السابقہ کے معلوم ہونے کے بعد وہ استدلال بھی نہ رہے گا کیونکہ اہل اخبیہ کا تو کوئی گھر ہی نہیں ہوتا بخلاف ان کے خلاصہ جواب یہ ہوا کہ کشتی و جہاز میں اقامت کی نیت معتبر نہیں جب تک کہ اس کے کھڑے ہونے کا موقع آبادی سے متصل نہ ہو۔　　۸ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص ۱۲)

جب تک کسی دوسری جگہ کو وطن اصلی نہ بنالے پہلا وطن ہی وطن اصلی رہے گا

سوال (۵۰۹) ایک نومسلم عورت ہے اپنے خاوند ہندو کو چھوڑ کر مسلمان ہوگئی ہے گھر بار سب چھوڑ دیا ہے اپنا وطن اصلی اس نے کوئی قائم نہیں رکھا۔ دس دن کہیں پندرہ دن کہیں، بنگی کے تھان فروخت کر کے گزر کرتی ہے کئی حج بھی کئے وہ دریافت کرتی ہے کہ جب میرا کوئی وطن اصلی نہیں تو میں ہمیشہ نماز قصر کروں اور وطن اقامت ہی میں پوری نماز ادا کروں یا جیسا ارشاد ہو؟

الجواب۔ فی الدر المختار الوطن الاصلی یبطل بمثله لا غیر۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب تک وہ کسی مقام کو اپنا وطن اصلی نہ بناوے اس وقت تک اس کا وطن اصلی سابق اصلی رہے گا۔ پس وہاں پہنچ کر اتمام واجب ہے اور وہاں سے چلنے کے وقت دیکھا جاوے گا کہ کتنی دور کی نیت سے چلی ہے۔ اگر تین منزل کے قصد سے چلی ہے قصر کرے گی ورنہ اتمام۔

۱۸ رشوال ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۹)

سوال (۵۱۰) ایک شخص نے جس کا مکان سکونت اس کی زاد بوم وطن اصلی میں ہے اس کی زوجۂ اولیٰ و دیگر اعزا و اقران اس کے سب وہیں ہیں دوسرے شہر میں فقط زوجۂ ثانیہ کے قیام و سکونت کے لئے مکان بنایا چند سال کے رہنے کے بعد باعث ناموافقت آب وہوا و مبتلا بامراض رہنے زوجۂ ثانیہ کے وطن زاد یوم میں اپنی زوجہ ثانیہ کو لیجانا پڑا اور اس دوسرے شہر کے مکان کو مقفل کر دیا بعضے اسباب خانہ داری بھی اب تک یہیں ہیں اور زوجۂ ثانیہ کا پھر اس دوسرے شہر میں آنا بھی اس دم تک مشکوک ہے ایسے حال میں وہ شخص اگر ایک دن کے لئے کسی ضرورت سے یا مکان کی نگرانی کے خیال سے اس شہر میں مسافت طے کر کے آئے تو اس کو قصر کرنا ہوگا یا چار رکعت پوری فرض ادا کرنا ہوگا، اس مسئلہ میں جو قول محقق و مفتی بہ حنفی ہو مع نقل عبارت معتبرات رقم فرمایا جاوے۔ بینوا ایها العلماء الکرام احسن الله جزاکم یوم القیام؟

الجواب۔ فی ردالمحتار قال فی النهر ولونقل اهله ومتاعه وله دور فی البلد لا تبقی وطناله وقیل تبقی کذا فی المحیط اه ج ۱ ص ۸۲۹۔
اس سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں دونوں قول ہیں اور یہی دونوں قول فتح القدیر اور بحرالرائق میں بھی نقل کئے ہیں اور بحر میں دونوں قول کی دلیلیں بھی نقل کی ہیں اور فتح القدیر میں دونوں کی تطبیق کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور میرے نزدیک تطبیق ہی مختار ہے چنانچہ اس صورت میں امام محمدؒ کا قول هذا حالی وانا اری القصر ان نوی ترك وطنه نقل کر کے لکھا ہے (الا

ان ابایوسف کان یتم بھا لکنہ یحمل علی انہ لم ینو ترک وطنہ اھ)۔ خلاصہ تطبیق کا یہ ہوا کہ اگر اس دوسرے شہر میں پھر بطور وطن رہنے کا ارادہ نہیں ہے جس طرح پہلے رہتا تھا تب تو وطن نہ رہا۔ وہاں جا کر قصر کریگا جب مسافت سفر طے کر کے آئے اور اگر اب بھی اس طرح رہنے کا ارادہ ہے تو وہ بھی وطن ہے پس اس شخص کے دو وطن ہو جاویں گے۔ ۷ محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۵)

حکم صلوٰۃ بر سفینۂ مربوط غیر مستقرہ

سوال (۵۱۱) صلوٰۃ فی السفینہ فقہاء کے بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے مربوطہ غیر مستقرہ میں نماز بشرط امکان خروج ناجائز ہے اور بعض سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ بعض وقت کنارے پر مکان بھی موجود ہوتا ہے اور بعض جگہ آبادی نہیں ہوتی تو دھوپ کی شدت یا کسی جگہ کیچڑ ہو جاتا ہے تو خروج کا امکان تو ہوتا ہے مگر بہ تکلیف و تکلف پس امکان سے کیا مراد لیا جاوے اور بعض اہل علم کو اکثر مربوطہ میں نماز پڑھتے دیکھا گیا ہے غالباً ان کا عمل ہدایہ وغیرہ کی روایت پر رہا ہو۔ اس میں قول فیصل کیا ہے اور گنجائش کی حد کہاں تک ہے۔ اگر کوئی شخص سفینۂ مربوطہ مستقرہ علی الارض میں قائم نماز ادا کر چکا ہے یا اب کرتا ہے تو اس کی نماز بالکل ناجائز قابل اعادہ ہے یا نہیں ہے۔؟

الجواب۔ اختلافیات میں قول فیصل کون لکھے اسلئے اتنا ہی سمجھنا چاہئے کہ جواز اوسع وارفق ہے اور منع احوط ہے اگر کوئی احوط پر عمل کرے تو اعادہ میں قلیل تک احتیاط بہتر ہے کثیر میں تکلیف مالا یطاق ہے اور امکان مقابل تعذر کا ہے اور تفسیر کو بھی شامل ہے۔ ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹۷)

حکم سجود بایماء وقت عدم دستیابی محل سجدہ در ریل وغیرہ

سوال (۵۱۲) پٹری پر بوجہ کثرت آدمیوں کے جگہ نہیں ہے کہ دوسری پٹری پر سجدہ ہو سکے مثلاً وہ لوگ دوسرے فرقہ کے ہیں کہنے سے جگہ دیں یا نہ دیں تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے یعنی ان سے درخواست کی جاوے یا نہ کی جاوے۔ اگر نہ کی جاوے یا مانگنے سے بھی وہ لوگ جگہ نہ دیں یا ایسی گنجائش نہ ہو تو نماز اشارہ[1] سے پڑھی جاوے یا کیا۔؟

---

(۱) اس مسئلہ میں اقوال فقہاء سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اشارہ سے نماز پڑھ لے مگر پھر اس کا اعادہ لازم ہے بحرالرائق میں ہے فی الخلاصۃ وفتاویٰ قاضی خان وغیرھما الاسیر فی ید العدو اذا منعہ الکافر عن الوضوء والصلوٰۃ یتیمم ویصلی بالإیماء ثم یعید اذا خرج (الی قولہ) کالمحبوس لان طھارۃ التیمم لم تظھر فی منع وجوب الاعادۃ (ثم قال) فعلم منہ ان العذران کان من قبل اللہ تعالٰی لا تجب الإعادۃ وان کان من قبل العبد وجبت الإعادۃ (بحر ص ۱۴۹ ج ۱)
اسی طرح اگر ریل میں جگہ کم ہو تو اس وقت بیٹھ کر نماز پڑھ لے لیکن بعد میں اس کا اعادہ لازم ہوگا۔ ۱۲۔ بندہ محمد شفیع عفی عنہ

الجواب۔ درخواست کی جاوے اور جب جگہ نہ دیں تو تختہ کے نیچے نماز کا موقع نکالے اگر کسی طرح ممکن نہ ہو تو پھر سجدہ اشارہ سے کرے۔ ۱۸ محرم ۱۳۳۴ھ (حوادث رابعہ ص ۶۲)

اعتبار مسافت در سفر وعدم اعتبار وقت بسرعۃ مرکب

سوال (۵۱۳) ہمارے مکان سے چاٹگام شہر خشکی کی راہ سے تین دن کی راہ ہے اس طرح معمولی کشتی پر جانے سے تین دن کا راستہ ہے ان دونوں صورتوں میں قصر پڑھے لیکن اسٹیمر ہی چند سال سے چلتا ہے جہاز دخانی پر سوار ہونے سے آدمی آٹھ گھنٹہ میں پہنچتا ہے سو اگر ہم جہاز پر سوار ہو کر چاٹگام جاویں تو راہ میں اور وہاں شہر میں پہنچ کر قصر کریں یا نہ کریں۔؟

الجواب۔ ہاں قصر کیا جاوے مسافت کا اعتبار ہے گو سواری کے تیز ہونے سے وہ جلدی قطع ہو جاوے جیسا کہ ریل کے سفر میں یہی حکم ہے۔ ۲۰ صفر ۱۳۳۴ھ (حوادث رابعہ ص ۶۳)

تحقیق جواز نماز در ہوائی جہاز وقت طیران

سوال (۵۱۴) ہوائی جہاز میں جس وقت کہ وہ ہوا میں ہو خواہ چلتا ہو یا ٹھہرا ہو اس میں نماز فرض جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی ردالمحتار هو (ای السجود) لغة الخضوع قاموس وفسره فی المغرب بوضع الجبهة فی الارض و فی البحر وحقيقة السجود وضع بعض الوجه على الارض الخ ج ۱ ص ٤٦٥ وفيه تحت قول الدرالمختار وان لم يجد حجم الارض مانصه تفسيره ان الساجد لو بالغ لا يتسفل رأسه ابلغ من ذلك فصح على طنفسة وحصير وحنطةٍ وشعيرو سرير وعجلة ان كانت على الارض لا على ظهر حيوان كبساط مشدود بين اشجار الخ۔ ج ۱ ص ۵۲۳ ۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ سجدہ میں وضع جبہہ یا وضع وجہ ارض پر شرط ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ چیز مستقر علی الارض ہو وہ تبعاً بحکم ارض ہے۔ دو شرط سے ایک وجدان حجم بالتفسیر المذکور اور اسی واسطے بساط مشدود بین الاشجار پر جائز نہیں اور دوسرے یہ کہ وہ چیز جاندار نہ ہو کیونکہ جاندار میں بوجہ متحرک بالارادہ ہونے کے ایک گونہ استقلال ہے وہ مثل جمادات کے تابع للارض نہیں ہے اسی لئے حیوان پر بلا عذر جائز نہیں اور سریر وعجلہ وغیرہ میں تبعیت مع دونوں شرطوں کے پائی جاتی ہے اس پر جائز ہے پس یہاں چار چیزیں نکلیں۔ (۱) ارض (۲) سریر وعجلہ

وغیرہ (۳) بساط مشدود ومثلہ (۴) حیوان۔ اولین پر جائز ہے اور آخرین پر ناجائز ہے **الا بعذر فی الحیوان**۔ بعد اس تمہید کے سمجھنا چاہئے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ ہوائی جہاز ارض تو ہے نہیں اور بساط مشدود بین الاشجار کی مثل بھی نہیں بوجہ تفاوت وجدان وعدم وجدان حجم کے اب دو احتمال رہ گئے ایک یہ کہ مثل عجلہ کے ہو۔ دوسرے یہ کہ مثل حیوان کے ہو تو گو ظاہراً مثل عجلہ کے معلوم ہوتا ہے بواسطہ ہوائے مستقر علی الارض کے وہ بھی مستقر علی الارض ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا کہ نہ وہ ہوا پر مستقر ہے اور نہ ہوائے ارض پر مستقر ہے چنانچہ ہوا کا میلان الی المحیط ظاہر ہے تو وہ ارض پر کیسے مستقر ہے اور اتصال اور چیز ہے اور ہوا کا مادہ رقیقہ بھی جہاز کے ثقل کا معاوق نہیں ہوسکتا چنانچہ اگر اس میں سے گیس نکل جاوے تو فوراً زمین پر گر پڑے پس وہ حقیقۃً ارض پر غیر مستقر ہوا اور حیوان جو کہ حقیقۃً مستقر تھا مگر حکماً مستقر نہ تھا جب اس پر بلا عذر نماز جائز نہیں تو جہاز پر جو کہ حقیقۃً غیر مستقر ہے کس طرح نماز جائز ہوگی۔ **الا بعذر معتبر فی الصلٰوۃ علی الحیوان**۔ حاصل جواب یہ نکلا کہ جن عذروں کے سبب اونٹ گھوڑے وغیرہ پر نماز جائز ہے اگر وہی عذر پائے جاویں مثلاً نزول میں خوف ہلاک وغیرہ ہو یا نزول پر قادر نہ ہو (اور یہ عذر اخیر جہاز رانوں کے لئے ہے جو کہ اس کے اتارنے یا ٹھہرانے پر قادر ہیں متحقق نہ ہوگا) تب تو اس پر نماز جائز ہے اور بدون ایسے عذر کے جائز نہیں (دفع اشتباہ) اس جہاز کو مثل دریائی جہاز کے نہ سمجھا جاوے کیونکہ وہ بواسطہ پانی کے مستقر علی الارض ہے اور اس کا استقرار پانی پر اور پانی کا استقرار ارض پر بالکل ظاہر ہے۔

(**تنبیہ**) یہ جواب قواعد سے لکھا گیا ہے علماء سے امید ہے کہ اگر یہ جواب صحیح نہ ہو تو براہ نصح دین احقر مجیب کو مطلع فرمادیں۔ سمجھنے کے بعد اپنے جواب سے رجوع کرکے اس کو شائع کردوں گا۔ ۲۲/ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ۔ (حوادث رابعہ ص ۴۷)

سوال (۵۱۵) بر ہوائی جہاز در حالت طیران او۔ ویا وقوف او۔ در ہوا سجدہ کردن یا نماز فرضے خواندن جائز است یانہ۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ **واللہ تعالی اعلم بالصواب۔ قال العلامۃ القھستانی فی شرح مختصر الوقایۃ والسجود لغۃ ھو الخضوع وشرعا وضع الجبھۃ علی الارض وغیرھا انتھی۔ وفی البحرشرح الکنز قولہ وکرہ باحدھما وبکور عمامۃ من فصل۔ اذا أراد الدخول فی الصلٰوۃ فی اثناء مابسطہ والاصل انہ کما تجوز السجدۃ علی الارض تجوز علی ماھو بمعنی الارض مما تجد جبھتہ حجمہ**

وتستقر عليه و تفسير وجدان الحجم ان الساجد لوبالغ لا يتسفل راسه ابلغ من ذلك انتهى وفى الوقاية فى اٰخر باب صفة الصلٰوة فان سجد على كور عمامة اوفاضل ثوبه اوشيئى يجد حجمه تستقر عليه الجبهة جاز وان لم تستقر لايجوز انتهى ـ فالمركب الهوائى ان كان مركبا من اشياء صلبة بحيث تستقر عليه الجبهة ولا تتسفل بالتسفيل تجوز السجدة عليه والظاهر انه ملحق بالدابة كالسفينة السائرة والموقوفة بالشط الغير المستقرة على الارض فانها ملحقة بالدابة كما يستفاد من ردالمحتار قبيل سجدة التلاوة فالصلٰوة المكتوبة على المركب الهوائى لا تجوز بدون العذر كما هو حكم الصلٰوة على الدابة و السفينة السائرة وهل يلزم التوجه الى القبلة هٰهنا كما فى السفينة اولا كما فى الدابة والظاهر انه يلزم لان المركب الهوائى بمنزلة البيت كالسفينة فان لم يمكنه يمكث عن الصلوٰة الااذا خاف فوت الوقت لما تقرر من ان قبلة العاجز جهة قدرته ـ وما من حادثة الا ولها ذكر فى كتاب من الكتب المعتبرة اما بعينها اوبذكر قاعدة كلية تشتملها ۱۲ ـ والله تعالىٰ اعلم ـ (ترجیح خامس ص ۹۲)

سوال (۵۱۶) اس زمانہ میں جو ہوائی جہاز ایجاد ہوا ہے اس پر سفر کرنے میں رفتہ رفتہ ترقی ہو رہی ہے ۔ اب سوال یہ ہے کہ اس سفر کو علاوہ سفر برّی و بحری کے ایک تیسری قسم سفر ہوائی کی قرار دینا چاہئے یا سفر بری و بحری میں سے کسی ایک قسم میں داخل کرنا چاہئے جس طرح سفر ریل کا حال ہے کہ جس شخص نے پیدل رفتار سے شب و روز کی مسافت کو بذریعہ ریل دو ڈھائی گھنٹہ میں طے کرلیا ہے تو اس کو مسافر کا حکم دیا جاتا ہے تو ہوائی جہاز پر سفر کرنے میں کس مسافت پر قصر صلوٰۃ کا اعتبار کریں یعنی تین شب و روز کی مسافت ہوائی جہاز کے اعتبار سے یا درمیان میں اگر سمندر پڑتا ہو تو بحری جہاز کی تین شب و روز کی مسافت کا لحاظ کریں یا خشکی پڑتی ہو تو تین شب و روز کی مسافت پیدل رفتار کے لحاظ سے اعتبار کریں ۔؟

الجواب ۔ قواعد سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں محاذاۃ کا اعتبار ہوگا یعنی جتنا سفر بر کی محاذاۃ میں ہوا ہے وہ سفر بری کے حکم میں ہوگا اور جتنا بحر کی محاذاۃ میں ہوا ہے وہ سفر بحری کے حکم میں ہوگا شریعت میں اس کی نظیر بھی ہے کہ حج کے جو مواقیت ہیں جو لوگ مواقیت سے دور دور گزرتے ہیں کہ مواقیت ان کے طریق میں نہیں پڑتے ۔ وہاں مواقیت کی محاذاۃ کا اعتبار ہے یعنی ان مواقیت کے محاذی مقامات ان مواقیت کے حکم میں ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

۲۲ محرم ۱۳۵۱ھ (النور بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ ص ۷)

مسافت قصر در سفر ہوائی جہاز

سوال (۵۱۷) ہوائی جہاز میں اگر کوئی سفر کرے تو کتنی مسافت میں نماز کا قصر کرنا چاہئے۔

الجواب۔ جس وقت احکام شرعیہ سفر کے متعلق موضوع ہوئے ہیں اس وقت سفر فی البر والبحر والجبل واقع تھا فی الہوا نہ تھا اور احکام تابع واقعات ہی کے ہوتے ہیں اس لئے شریعت میں نصاً یہ مسکوت عنہ ہے۔ لیکن شریعت میں اس کی ایک نظیر وارد ہے پس اس پر قیاس کر کے اس میں حکم دیا جاوے گا۔ اور چونکہ قیاس مظہر ہے نہ کہ مثبت۔ اس لئے اس حکم کو بھی حکم وارد فی الشرع کہا جاوے گا وہ نظیر یہ ہے کہ حج میں جو مواقیت متعدد ہیں ان میں اہل نجد کے لئے قرن مقرر فرمایا گیا ہے جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کوفہ و بصرہ فتح ہوا تو ان لوگوں نے عرض کیا کہ قرن ہماری راہ سے ہٹا ہوا ہے اور وہاں جانے میں مشقت ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس کے محاذی مقام کو دیکھ لو چنانچہ ذات عرق مقرر ہوا رواہ البخاری۔ اور گو اس باب میں احادیث مرفوعہ بھی ہیں مگر اول تو وہ متکلم فیہا ہیں۔ دوسرے اس اجتہاد کے وقت حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع نہ تھی تو اتنا تو ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اس میں اجتہاد سے کام لیا چنانچہ اسی جواز اجتہاد کی بناء پر ہمارے فقہاء نے فرمایا ہے کہ۔

ومن کان فی بحر اوبر لا یمر بواحد من المواقیت المذکورة فعلیه ان یحرم اذا حاذی اخرها ویعرف بالاجتهاد فان لم یکن بحیث یحاذی فعلی مرحلتین من مکة فتح القدیر۔ پس اسی طرح یہاں اس مسافت قصر کو دیکھیں گے اور اسی کا اعتبار اس مسافت ہوائی میں کر کے اس کے موافق حکم دیں گے احتیاطاً اس میں دوسرے علماء سے بھی رجوع کر لیا جاوے۔ ۷ر ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ (حوادث خامس ص ۱۰)

حکم فسخ قصد سفر در اثنائے سفر

سوال (۵۱۸) یا حضرت گھر سے چلتے وقت ارداہ دہرے کا ہوا جو کہ مسافت قصر ہے لیکن بعد کاندھلہ آنے کے جو کہ مسافت قصر نہیں ارادہ واپس گھر جانے کا ہو گیا پھر تخمیناً بعد چھ گھنٹے کے ارادہ ہو گیا کہ دہرے جاؤں گا جو کہ کاندھلے سے بھی مسافت قصر ہے اس نے بعد ارادہ بدلنے کے عشاء کی نماز پوری پڑھی اور اس (۱) وقت بوجہ عزم دہرہ ظہر کی قصر کی اب اس میں کیا حکم شرع شریف ہے۔؟

(۱) یہ استفتاء ریل میں بعد نماز ظہر کے دیا تھا۔ ۱۲ منہ

الجواب۔ فی الدر المختار حتی یدخل موضع مقامه ان سار مدة السفر والا فلیتم بمجرد نیة العود لعدم استحکام السفر فی ردالمحتار قوله ان سار قید لقوله حتی یدخل ای انما یدوم علی القصر الی الدخول ان سار ثلثة ایام ج۱ ص ۸۲۲۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ سائل نے جو کیا ٹھیک کیا۔
۱۲ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۳۵)

قصر در دورۂ اہل کاران

سوال (۵۱۹) دورہ کی صورت یہ ہے کہ پانچ سو چھ سو کوس کے علاقہ میں گشت کرنے کی نیت سے سفر کیا جائے گا لیکن منزل عموماً چھ سات کوس پوربی یعنی چودہ یا پندرہ میل پر ہوا کرے گی اور بعض مقامات پر دو تین روز قیام بھی ہوگا تمام سفر مسلسل طے کیا جاوے گا یعنی گوالیار بعد اتمام گشت واپسی ہوگی کوچ و مقام سب تجویز ہوگیا ہے ایسی صورت میں نماز قصر پڑھی جاوے گی یا پوری۔ فقط۔؟

الجواب۔ نماز قصر ہوگی۔ فقط۔ ۱۵ رشعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۷۳ ج۱)

سوال (۵۲۰) سرکاری ملازم جو دورہ کرتے ہیں ان کو نماز قصر جائز ہے یا نہیں طریق غیر معروف سے اپنی آسائش کے موافق دیہات کا دورہ وطن سے وطن تک چھتیس کوس یا تین یوم کی پوری مسافت ہوجاتا ہے اور یہی ان کے سفر کی غایت ہے یعنی بصورت دائرہ ○ جس میں وطن کے علاوہ کسی شہر کو غایت سفر نہیں کہہ سکتے۔؟

الجواب۔ [1] صورت مسئولہ میں قصر درست نہیں۔ ۱۵ رصفر ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۵ ج۱)

سوال (۵۲۱) نماز قصر کے متعلق مجھ کو استفتاء کی ضرورت ہے اور حالت یہ ہے کہ میری ملازمت گشت و گرد آوری کی ہے میں حکماً مستقر پر دس روز سے زیادہ قیام نہیں کرسکتا اور صورت سفر یہ ہے کہ جب گشت کے واسطے مستقر سے روانہ ہوتا ہوں کہیں دو کہیں تین کہیں چار کہیں پانچ کہیں چھ دس کوس تک سفر کر کے قیام کا موقع ملتا ہے لیکن اس کے اندر تعین مدت اور تعین مسافت نہیں ہوتی حسب ضرورت قیام اور سفر کرتا ہوں لیکن مستقر سے جب چلنا ہوتا ہے کل ضلع کی گشت کا ارادہ ہوتا ہے جس کے اندر گیارہ قصبے شامل ہیں اور کل مسافت طولاً چالیس میل ضرور ہوگی

(۱) طبع اول میں اس جگہ قصر درست ہونے کا حکم مذکور تھا تصحیح الاغلاط ص ۱۶ میں اس سے رجوع فرمایا اس کے موافق یہاں نقل کیا گیا اور مزید توضیح اسکی تتمہ ثانیہ امدادالفتاویٰ ص ۱۳ میں مذکور تھی جس کو اسکے نیچے نقل کردیا گیا ۱۲ محمد شفیع۔

اور محیط کو اگر لیا جاوے تو یقین ہے کہ ستر اسی میل سے زائد ہی مسافت ہوگی پس ان صورتوں میں میرے واسطے قصر نماز درست ہوگی یا نہیں جبکہ منجملہ گیارہ قصبوں کے ایک قصبہ مستقر ہے اور دس قصبوں اور اس کے مفصلاتی چوکیوں پر مجھ کو گشت کے لئے بصورت معروضہ صدر گرد آوری و گشت کے واسطے سفر کرنا ضروری ہے۔؟

الجواب۔ قواعد سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس دور میں جو مقام ایسا ہو کہ وہاں پہنچ کر آگے بڑھنے کو واپسی مستقر کی سمجھا جاتا ہو یعنی وہ مقام کہ وہاں تک جانے سے تو مستقر وقتاً فوقتاً بعد بڑھتا جاتا ہے اور وہاں سے جب سفر کیا جاوے تو مستقر سے قریب ہوتا جاتا ہے اس مقام کو منتہائے سفر کہا جاویگا۔ اور مستقر سے اس مقام تک کی مسافت دیکھی جاوے گی اگر وہ مسافت قصر پر ہوگا تو قصر کیا جاوے گا جبکہ دوسرے شرائط بھی پائے جاویں اور اگر وہ مسافت قصر پر نہ ہوگا تو قصر نہ ہوگا جبکہ دوسری شرائط اتمام کی بھی پائی جاویں مثلاً دائرہ ذیل میں (ا ب) نقطۂ (ا) مستقر ہے اور (ب) تک پہنچ کر پھر (ا) سے قرب شروع ہوا تو (ب) کو منتہی سمجھا جاوے گا اور اس میں وہی تفصیل بالا جاری ہوگی اگر (ب) مسافت قصر پر ہے تو ہر حال قصر ہوگا اور اگر (ب) مسافت قصر پر نہیں ہے تو اس میں یہ تفصیل ہوگی کہ اگر مستقر پر بحکم شرعی یہ اتمام کرتا ہے تو پھر اس محیط کے سفر میں قصر نہ کیا جاوے گا اور اگر مستقر پر اتمام نہیں کیا جاتا تو پھر تمام سفر میں قصر ہوگا نہ اس وجہ سے کہ یہ مسافت قصر پر ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ہنوز یہ شخص مقیم نہیں ہوا مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس کے قبل اور طرح سے فتویٰ (۱) دیا ہے۔ یعنی مستقر سے قبل کے ایک مقام کی مسافت کا اعتبار کیا ہے اور اس کا منتہا سفر کا قرار دیا ہے کیونکہ اس کے بعد تو مستقر ہی کا قصد ہے مگر اس وقت قواعد سے یہ حکم مذکور اقرب معلوم ہوتا ہے لہذا ضروری ہے کہ اس کو دوسرے علماء سے بھی یا مدرسۂ دیوبند وسہارنپور سے تحقیق فرمالیا جاوے اور میری یہ تحریر بھی پیش کر دی جاوے۔

۷ رصفر ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۳)۔

عدم قصر در قطع مسافت سفر بصورت عدم عزم مسافت قصر

سوال (۵۲۲) زید وطن سے مظفرنگر کا عازم ہو کر چلا اور قصد ہے کہ دو یوم میں واپس ہو جائے گا وہاں پہنچ کر ضرورت محسوس ہوئی کہ سہارنپور ہو آئے اور سہارنپور سے واپس میرٹھ ہو لیا میرٹھ سے مظفرنگر سفر شرعی نہیں اور نہ مظفرنگر سے سہارنپور ہاں میرٹھ سے سہارنپور سفر ہے پس

(۱) یہ جواب امدادالفتاویٰ مجتبائی صفحہ ۸۵ میں چھپا ہے۔ اب اس جواب پر وثوق نہ کریں۔ ۱۲ منہ

سفر کے دو ٹکڑے علیحدہ و مستقل نیت سے مظفر نگر سے روانگی کے وقت سفر بنیں گے یا نہیں یعنی سہارنپور سے میرٹھ آتے وقت تو سفر کا حکم ہو ہی گا مظفر نگر سے سہارنپور تک بھی حکم سفر ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار ومن طاف الدنیا بلاقصد لم یقصر فی ردالمحتار قوله بلا قصد بان قصد بلدة بينه وبينها يومان فلما بلغها بدأله ان يذهب الى بلدة بينه وبينها يومان وهلم جراح قال فی البحر وعلى هذا قالوا امير خرج مع جيشه في طلب العدوولم يعلم اين يدركهم فانه يتم وان طالت المدة او المكث اما فی الرجوع فان كانت مدة سفر قصر اهـ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ شخص مظفر نگر سے سہارنپور جاتا ہوا قصر نہ کرے گا اور سہارنپور سے میرٹھ آتے ہوئے قصر کرے گا۔ فقط ۱۸ رصفر ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۵ ج ۱)

طریق اتمام رکعات مسبوقہ مقتدی با مسافر

یہ مسئلہ جلد ہذا کے ص ۳۱۹ نمبر ۴۲۸ پر آچکا ہے۔ (ترجیح ثانی ص ۱۹۱)

حکم فوت سجدہ

سوال (۵۲۳) (۱) اگر نماز میں ایک سجدہ بھول جاوے تو کیا کرنا چاہئے (۲) بعد مرنے کے مرد اپنی بی بی کا منہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں، اور قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟ (۳) اور مقیم نے مسافر کی اقتداء قعدۂ اخیرہ میں کی تو اب یہ مقیم مسبوق کس طریقہ سے نماز کو ادا کرے؟ (۴) اور معصوم بچے کی یعنی نابالغ کی نماز جنازہ پڑھائی اس میں سلام نہ پھیرا تو کیا اس میں نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب۔ (۱) جب یاد آوے اسی وقت ادا کرلے پھر جس رکن سے اس سجدہ میں آیا ہے اسی کی طرف چلا جاوے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے، فی ردالمحتار عن شرح المنية لو ترك سجدة من ركعة ثم تذكرها فيما بعدها من قيام او ركوع اوسجود فانه يقضيها ولا يقضى مافع قبل قضائها مما هو بعد ركعتها من قيام او ركوع او سجود يلزمه سجود السهو، فقط [1] لكن اختلف لزوم قضاء ما تذكرها فقضاها فيه ففى الهداية انه لا تجب اعادة بل تستحب و فى الخانية انه يعيد والا فسدت

(۱) یہ اضافہ تصحیح الاغلاط ص ۸ سے کیا گیا ہے ۱۲ منہ

صلوٰته و مثله في الفتح والمعتمد ما في الهداية فقد جزم به في الكنز وغيره باب الاستخلاف و صرح في البحر بضعف ما في الخانية هذا انتهى ملتقطاً۔

(۲) دیکھ سکتا ہے في الدرالمختار و يمنع زوجها من غسلها و مسها لامن النظر اليها على الاصح منيه۔ اور قبر میں اتارنا جب محارم نہ ہوں زوج کو درست ہے۔ لانه مس من حائل (۳) یہ مقیم بعد سلام امام کے کھڑا ہو کر اول دو رکعت بلا فاتحہ پڑھے اور ان دو رکعت میں اگر سہو ہو جائے سجدۂ سہو بھی واجب نہیں بعد قعدہ کے پھر دو رکعت مع فاتحہ وسورت کے پڑھے اور ان دو رکعت میں اگر سہو ہو جائے سجدۂ سہو کرے۔

(٤) في الدرالمختار صلوة الجنازة وركنها شيئان التكبيرات الاربع والقيام و سننها ثلثة التحميد والثناء والدعاء فيها اھ، روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ سلام پھیرنا فرض نہیں لہٰذا نماز ہوگئی۔ فقط واللہ اعلم۔ ۲۷؍ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد جلد اول ص ۳۹)

☆☆☆

رسالہ نافع الاشارۃ الی منافع الاستخارۃ

(یعنی ایک شخص کے علی الترتیب چند خطوط کے جوابات)

خط اول مع جواب

سوال (۵۲۴) بخدمت شریف عالی جناب معلّی القاب مو لانا مولوی اشرف علی صاحب دام ظلکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہاں اس علاقہ کے قریب ایک جگہ ہے جہاں ہیرے ملتے ہیں اور ہزاروں آدمی تلاش کرتے ہیں اور ہر سال ایک دو ہیرے ملتے رہتے ہیں بارش کے موسم میں ہیرے تلاش کئے جاتے ہیں اور بہت سے آدمیوں کو ملے ہیں، لہٰذا گزارش ہے کہ سات روز استخارہ کر کے اگر دل رجوع ہو تو ہیرے ڈھونڈنے اس جگہ جانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ اگر دل رجوع ہو تو کیا اعتقاد ہوگا کہ ہیرے ضرور ملیں گے۔

تتمۂ سوال۔ اور ہیرا ڈھونڈنے جانے کے لئے استخارہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ استخارہ کی غرض تمہارے اعتقاد میں کیا ہے۔

خط ثانی مع جواب

سوال۔ بخدمت شریف عالی جناب مولانا مولوی اشرف علی صاحب دام ظلکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا عنایت نامہ ہمدست ہوا جو ملفوف ہے آپ نے لکھا ہے (اگر دل رجوع ہو تو کیا اعتقاد ہوگا کہ ہیرے ضرور ملیں گے) جواباً عرض ہے اگر دل رجوع ہو تو امید رہتی ہے کہ ہیرے ملیں گے اگر خدا نے چاہا؟

جواب۔ السلام علیکم یقینی امید یا مشکوک۔

تتمۂ سوال۔ پھر آپ نے لکھا ہے کہ (استخارہ کی غرض تمہارے اعتقاد میں کیا ہے) جواباً عرض ہے کہ میری غرض یہ ہے کہ استخارہ سنت ہے اور استخارہ کرنے سے برکت ہوتی ہے اور کام میں کامیابی ہوتی ہے۔

جواب۔ بالکل غلط یہ اعتقاد کامیابی کا تم نے کہاں لکھا دیکھا ہے۔

تتمۂ سوال۔ اگر کام پورا نہ ہو تب بھی قیامت میں اس کا ضرور ثواب ملے گا یہ اعتقاد ہے؟

جواب۔ استخارہ کا ثواب کہاں لکھا ہے یعنی خصوصیت استخارہ کا، اور اس میں دعاء ہونے کی حیثیت سے کلام نہیں۔

خط ثالث مع جواب

سوال۔ بخدمت شریف عالی جناب معلی القاب خورشید رکاب مولانا مولوی اشرف علی صاحب دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا عنایت نامہ ملا جو ملفوف ہے آپ نے لکھا ہے (اگر دل رجوع ہو تو یقینی امید رہتی ہے یا مشکوک) جواباً عرض ہے کہ اس جیسے مسئلے کے اعتقاد رکھنے کا خدا اور رسول کا حکم ہوا ہے رکھنا چاہتا ہوں۔ مطلع فرماویں۔

جواب۔ یقینی امید کی کوئی دلیل نہیں ثمرہ کا مرتب ہونا مشکوک ہی رہتا ہے اور درجۂ شک میں بھی استخارہ کا کوئی دخل نہیں بلکہ قبل استخارہ جیسا کہ مشکوک تھا ویسا ہی مشکوک رہتا ہے۔

تتمۂ سوال۔ دیگر آپ نے میرے اس لکھنے پر کہ استخارہ کرنے سے برکت ہوتی ہے اور کام میں کامیابی ہوتی ہے یہ لکھا ہے (بالکل غلط یہ اعتقاد تم نے کہاں لکھا دیکھا ہے) جواباً عرض ہے کہ آپ بہشتی زیور میں لکھ رہے ہیں کہ (اور کوئی کام کرے تو بھی استخارہ کئے بغیر نہ کرے تو ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی اپنے کئے پر پشیمانی نہ ہوگی) اب پشیمانی نہ ہونا تو کام کے کامیاب ہونے پر ہی ہوگا ورنہ پشیمانی ہی ہوگی۔

جواب۔ غلط بلکہ اس دعا کی یہ برکت ہوتی ہے کہ اگر کامیابی بھی نہ ہو تو اس لئے پشیمانی نہیں ہوتی کہ کامیابی ہی نہ ہونے کو خیر سمجھے گا جیسا کہ اہل تفویض کا مسلک ہے کہ جو حال پیش آوے اس کو مصلحت سمجھتے ہیں۔

تتمۂ سوال۔ میں نے لکھا تھا استخارہ کرنے سے قیامت میں ضرور ثواب ملے گا، آپ نے اس جملہ پر لکھا ہے کہ (استخارہ کا ثواب کہاں لکھا ہے) جواباً عرض ہے آپ نے بہشتی زیور میں صاف لکھا ہے کہ حدیث شریف میں استخارہ کی بہت ترغیب آئی ہے تو جس کام کی حضور ﷺ نے ترغیب دی تو اس کام کے کرنے سے قیامت میں ثواب ملے گا یہ سمجھ کر میں نے یہ لکھا ہے کہ (قیامت میں ضرور استخارہ کا ثواب ملے گا)

جواب۔ اس ہی کی کیا دلیل ہے حدیث میں تو دوا کرنے کی بھی ترغیب ہے مگر اس میں ثواب کا کوئی بھی قائل نہیں وجہ یہ ہے کہ وہ موضوع نہیں ثواب کے لئے بلکہ دنیوی مصلحت کے لئے موضوع ہے اسی طرح استخارہ بھی مصلحت دنیویہ کے لئے موضوع ہے اور ثواب اس میں ہوتا ہے جو مصلحت دینیہ کے لئے موضوع ہو باقی نیت سے ثواب مل جانا اور بات ہے اس طرح تو اکل وشرب میں بھی ثواب ہے مگر اس سے وہ عبادت موجبہ ثواب نہیں بن جاتا۔

تتمۂ سوال۔ استخارہ کے بارہ میں آج تقریباً گیارہ ماہ سے آپ سے استفسار کر رہا ہوں براہ مہربانی مطلع کریں، ہمیشہ استخارہ کر کے معاملہ کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب۔ ہاں ٹھیک ہے مگر اس معاملہ میں یہ قید ہے کہ اس میں احتمال نفع وضرر دونوں کا ہو اور جو عادۃً یا شرعاً یقیناً نافع ہو یا یقیناً مضر ہو اس میں استخارہ کرنے لگے یا چوری کرنے کے لیے استخارہ کرنے لگے یا کسی اپاہج عورت سے نکاح کرنے کے لئے استخارہ کرنے لگے۔

تتمۂ سوال۔ کیونکہ آپ کے آخری خط سے دل کو ذرا خلجان ہے آپ نے لکھا کہ (کامیابی کے ہونے کا اعتقاد غلط ہے اور ثواب کا ملنا بھی کہاں لکھا ہے) بے ادبی معاف اب سوال یہ رہا کہ پھر استخارہ کرنے کی کیا ضرورت ہے جب کامیابی بھی نہیں ہوتی ہے اور ثواب بھی نہیں ملتا ہے؟

جواب۔ استخارہ ایک دعا ہے کہ اے اللہ اگر یہ معاملہ میرے لئے خیر ہو تو میرے قلب کو متوجہ کر دے اور اس میں میرے لئے خیر ہو ورنہ میرے دل کو ہٹا دے اور جو میرے لئے خیر ہو اس کو تجویز کر دے سو اس کے بعد اگر اس طرف قلب متوجہ ہو تو اس کے اختیار کرنے کو ظناً خیر سمجھنا چاہئے خواہ کامیابی کی صورت میں خواہ ناکامیابی کی صورت میں اور ناکامی کا خیر ہونا باعتبار اس کے آثار خیر کے ہے خواہ دنیا میں کہ اس کا نعم البدل ملے خواہ آخرت میں کہ صبر کا اجر ملے اور استخارہ نہ کرنے میں مجموعی طور پر اس خیر کا وعدہ نہیں خواہ کلاً یا بعضاً عطا ہی ہو جاوے پس استخارہ کے بعد اگر وہ مؤثر ہوا تو قلب میں ایسی چیز نہ آوے گی جس میں بے احتیاطی ہو اور بدون استخارہ

کے ایسی چیز آنے کا بھی احتمال ہے کہ ذرا غور سے اس کا مضر ہونا معلوم ہوسکتا تھا مگر اس نے غور نہیں کیا اور بے احتیاطی سے اس کو اختیار کرلیا تو اپنے ہاتھوں جب مضرت کو اختیار کیا جاوے اس میں وعدہ خیر کا نہیں۔

تتمۂ سوال۔ میں ہر معاملہ اکثر استخارہ کرکے کیا کرتا ہوں مجھے ہمیشہ استخارہ کرکے معاملہ کرنے پر کامیابی ہوئی ہے مگر اس سال پہلی کی تخم کے معاملہ میں خسارہ ہوا ہے؟

جواب۔ اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ استخارہ میں کامیابی کا وعدہ نہیں بلکہ حصول خیر کا وعدہ ہے خواہ خیر ظاہری ہو یا خیر باطنی۔

تتمۂ سوال۔ جس کو میں اپنی غلطی سمجھ رہا ہوں؟

جواب۔ غلطی کی تقریر کرنا چاہئے تھا۔

تتمۂ سوال۔ اب آپ جیسا حکم کردیں گے کروں گا اب آپ براہ مہربانی مطلع فرماویں۔

جواب۔ میرا کام حکم دینا نہیں حقیقت بتلانا ہے جیسے طبیب دوا کی خاصیت بتلاتا ہے حکم نہیں دیتا کہ پیو یا نہ پیو مریض سمجھ کر خود اپنے لئے ایک راہ تجویز کرے۔

تتمۂ سوال۔ ہر کام میں اور کوئی مال فروخت کرنے اور خریدنے میں استخارہ کرنا ٹھیک ہے یا نہیں۔

جواب۔ اوپر لکھ چکا ہوں فی قولی ہاں ٹھیک ہے الخ

تتمۂ سوال۔ استخارہ پر کیسا اعتقاد رکھنا استخارہ سے کیا غرض رہنا (اعتقاداً)

جواب۔ اوپر لکھ چکا ہوں فی قولی استخارہ ایک دعا ہے الخ۔

تتمۂ سوال۔ باقی استخارہ کیسے کرنا یہ تو آپ نے بہشتی زیور میں بتلا دیا ہے۔

جواب۔ ہاں مسنون طریقہ وہی ہے (تمت رسالہ نافع الاشارہ) ربیع الاول ۱۳۵۲ھ (النور بابت ماہ شعبان و رمضان و شوال ۱۳۵۲ھ۔

باب

صَلوٰۃ الجُمُعَۃ وَالعِیدَین

دعاء بعد از خطبۂ عید و صلوٰۃ عید و وعظ خطبۂ عید

سوال (۵۲۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس جوار میں یہ معمول ہے کہ بعد خطبہ عید کے منبر سے اتر کر مصلے پر بیٹھ کر بعوض بعد صلوۃ عید دعاء مانگتے ہیں۔ یہ فعل شرعاً کیسا ہے۔ بینوا توجروا؟

الجواب۔ کہیں ثابت نہیں، اگر چہ دعاء ہر وقت جائز ہے مگر یہ تخصیص بلا دلیل شرعی ہے، البتہ بعد نماز کے آثار کثیرہ میں مشروع ہے اور دُبر (۱) الصلوٰۃ اوقات اجابت دعا بھی ہے بہر حال بعد نماز دعا نہ کرنا اور بجائے اس کے بعد خطبہ مقرر کرنا تغیر سنت ہے اور قابل احتراز و ھذا کلہ ظاھر...... واللہ تعالیٰ اعلم (امداد ص ۲۳ ج ۱)

سوال (۵۲۶) ایک مولوی صاحب یہاں تشریف لائے اور عید الاضحیٰ کی نماز انہوں نے پڑھائی اور نماز سے پیشتر عید گاہ میں وعظ فرمایا بعد نماز بغیر دعاء مانگے خطبہ پڑھا اور خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد بھی دعا نہ مانگی اس پر لوگ بہت برہم ہوئے، مولوی صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد لوگوں نے مجھ سے دریافت کرنا شروع کیا، میں نے سکوت کیا اور یہ خیال کرکے کہ آنجناب سے اس کے متعلق دریافت کر کے کچھ کہوں گا اب تک جواب نہیں دیا، اب جیسا ارشاد ہو ویسا عمل میں لایا جائے۔

نیز لوگوں نے مولوی صاحب پر یہ اعتراض بھی کیا کہ جب دعاء مانگنی ناجائز ہے تو عید گاہ میں وعظ کہنا کب جائز ہے۔ پس اس کے متعلق بھی تحریر فرمایئے کہ وعظ کہنا عید گاہ میں نماز سے پہلے جائز ہے یا نہیں۔ چونکہ مولانا نے خطبہ سے فارغ ہوکر یہ فرمایا تھا کہ دعاء مانگنا نماز عید اور خطبہ کے بعد صحابہ تابعین تبع تابعین سے منقول نہیں اس لئے بغرض اتباع دعاء نہ مانگنی چاہئے، اس پر ایک صاحب نے حدیث پیش کی اور کہا کہ منقول ہے اور اس حدیث سے ثابت ہے۔

---

(۱) یعنی نماز کے بعد حدیث میں ہیکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کے بعد دُعاء قبول ہوتی ہے۔ ۱۲ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔

عن ام عطیۃؓ قالت امرنا ان تخرج الحُیَّض یوم العیدین و ذوات الخدور فیشھدن جماعۃ المسلمین و دعوتھم و تعتزل الحُیَّض عن مصلاھن قالت امرأۃ یا رسول اللہ الخ ۔ مشکوۃ باب صلوۃ العیدین ، دعاء متنازعہ فیہ کے بارے میں لفظ دعوتھم سے استدلال کیا پس دریافت طلب یہ ہے کہ یہ استدلال ان کا صحیح ہے اگر صحیح نہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

الجواب ۔ واقعی بعد نماز عید یا خطبہ دعاء مانگنا بالخصوص منقول تو نہیں دیکھا گیا اور دعوتھم سے استدلال ناتمام ہے کیونکہ اس میں کسی محل کی تصریح نہیں کہ یہ دعا کسی وقت ہوتی ہے پھر محل خاص میں ان کے ہونے پر استدلال کرنا ظاہر ہے کہ غیر تمام ہے ممکن ہے کہ یہ دعا وہ ہو جو نماز کے اندر یا خطبہ کے اندر عام صیغوں سے کی جاتی ہے جو سب مسلمانوں کو شامل ہوتی ہے اور حاضرین پر اس کے برکات اول فائض ہوتے ہیں لیکن بالخصوص منقول نہ ہونے سے حکم ابتداع کا بھی مشکل ہے کیونکہ عمومات نصوص سے فضیلت دعا بعد الصلوۃ کی ثابت ہے پس اس عموم میں اس کے داخل ہونے کی گنجائش ہے اور اگر کوئی شخص بالخصوص منقول نہ ہونے کے سبب اس کو ترک کرے اس پر بھی ملامت نہیں ، بہر حال یہ مسئلہ ایسا مہتم بالشان نہیں ہے دونوں جانب میں توسع ہے ، رہا وعظ کہنا چونکہ یہ بالالتزام نہیں ہوتا اس کے جواز کے لئے دلیل منع کی نہ ہونا کافی ہے ۔

۱۶ رذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۲۰)

سوال (۵۲۷) بعد نماز عیدین کے یا بعد خطبے کے دعاء مانگنا نبی ﷺ اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے منقول نہیں اور اگر ان حضرات نے کبھی دعاء مانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی لہٰذا بالغرض اتباع دعا نہ مانگنا دعا مانگنے سے بہتر ہے انتہی ۔ ہٰکذا فی بہشتی گوہر اور الرشید جمادی الاولی ۱۳۳۴ھ صفحہ ۱۳ تحت فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں لکھا ہے اور دعاء مانگنا بعد نماز عیدین کے مثل تمام نمازوں کے مستحب ہے لعموم الادلۃ انتھی ماالتوفیق فیما بینھما؟

الجواب ۔ اول میں نفی نقل جزئی کی ہے ثانی میں اثبات کلی سے ہے فلا تعارض لیکن راجح میرے خیال میں ثانی معلوم ہوتا ہے وھو المعمول لی وان کنت نقلت الاول من علم الفقہ والامر واسع ولعل موافقۃ الجمھور اولی (ترجیح رابع ص ۸۰)

سوال (۵۲۸) بعالی جناب کرامت مآب برگزیدۂ اذکیاء پسندیدۂ اصفیاء جناب مولانا صاحب دام ظلہ ، بعد آرزوئے قدم بوسی و اشتیاق دست بوسی معروض خدمت حاشیہ

بوسان آستان قدوسی نشان میگرداند کہ آں صاحبان درتصنیف خود اعنی بہشتی گوہردرباب عیدین چنیں فرمودہ است کہ آنحضرت ﷺ واصحاب وتابعین وتبع تابعین بعدازصلوۃ عید دعاء نخواستہ اند اگرخواستہ شدہ بودے ضرورنقل کردہ بودے ازخواستن عدم خواستن افضل است وحوالہ آں صاحب بہ کتاب بحرالرائق نمودہ است، عرض ایں است مایاں ایں مسئلہ رادرباب عید نیافتیم ودرمطلب دعاء درکتاب شامی نوشتہ است (من صلی صلوۃ و لم یدع فیھا فھو خداج) ودیگرقول باری تعالی فاذا فرغت فانصب ،ازآیت وحدیث ایں سخن معلوم می شود کہ دعاء درپس ہرنمازمی بایدکردہنوزایں چنیں عرض است کہ آں صاحب توفیق کلام خودحدیث و آیۃ شریف می باید کردکہ شک مایاں رفع شودعنایت باشدازجواب سرفرازفرمایندگستاخی معاف فرمایند، چراکہ درباب دیں ایں امراولی است؟

الجواب۔ السلام علیکم

بہشتی گوہرتصنیف مستقل نیست بلکہ تلخیص است ازعلم الفقہ، پس ناقلیم ازعلم الفقہ کہ مؤلفش زندہ ہستند گوعلم الفقہ تصحیح ناقل از دیگرجاباشد۔ پس بذمۂ ناقل تصحیح نقل می باشدوبذمۂ ماتصحیح نقل از علم الفقہ است وبذمۂ علم الفقہ تصحیح نقل ازبحرالرائق است، ماذمہ دارنیستیم ایں کلام بود متعلق نقل و تصحیح آں امانفس مسئلہ اقرب الی کلیات الشرع ہماں است کہ شمانوشتہ آید وعمل من واکابرمن موافق ہمیں است یعنی بعدنمازعیدین دعاءمعمول است، بہرحال ہرقدرکہ مضمون بہشتی گوہر معارض قواعداست ازاں رجوع می کنم والسلام۔

۱۸ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ(ترجیح حصہ رابعہ ص ۸۴)

سوال (۵۲۹) بہشتی گوہرحصۂ یازدہم میں یہ مسئلہ مندرج ہے (بعدنمازعیدین کے یا بعدخطبہ کے دعاءمانگنا نبی ﷺ اوران کے صحابہ وتابعین اورتبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے منقول نہیں ہے اگران حضرات نے دعاءمانگی ہوتی توضرورنقل کی جاتی لہٰذابالغرض اتباع دعانہ مانگنا دعا مانگنے سے بہتر ہے) اورفتاوی امدادیہ کے حصۂ اول میں جواباً مرقوم ہے (البتہ بعدنماز کے آثارکثیرہ میں مشروع ہے اوردُبرالصلوٰۃ اوقات اجابت دعابھی ہے بہرحال بعدنمازدعاءنہ کرنا اوربجائے اس کے بعدخطبہ مقررکرناتغیرسنت ہے اورقابل احتراز) عبارت گوہرسے تو بعدنمازعیدین دعاءنہ کرنااولی معلوم ہوتاہے اورفتاوی امدادیہ سے نہ کرناتغیرسنت ظاہرہوتاہے؛ اندریں صورت قول راجح اوراقوی نمازکے بعددعاءکرناہے یانہ کرنا؟

الجواب۔ دونوں جواب قواعد سے ہیں اور دونوں میں تعارض نہیں، فتاویٰ امدادیہ میں مقصود نکیر ہے اس پر کہ بجائے بعد نماز دعاء کرنے کے بعد خطبہ کے دعاء کی جاوے اور اس کو بہشتی گوہر میں بھی جائز نہیں رکھا گیا (ترجیح خامس ص ۱۰۴)

سوال (۵۳۰) بعد نماز عیدین دعاء رو بہ قبلہ مسنون ہے یا یمین و یسار کو بھی بعد خطبۂ عیدین دعاء کرنا مسنون ہے اور کس شان سے کھڑے یا بیٹھے یا کس طرف کو؟

الجواب۔ بعد نماز عیدین یا بعد خطبہ دعاء کرنا یا نہ کرنا خصوصیت کے ساتھ نظر سے نہیں گزرا ظاہراً قواعد عامہ سے نماز ہی کے بعد دعاء بہتر معلوم ہوتی ہے اسی ہیئت سے جیسے اور نمازوں کے بعد ہے۔ ۱۵؍رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۶۵)

تحقیق جواز سلام امام قبل صعود علی المنبر و بعد صعود بوقت خطبہ

سوال (۵۳۱) زید ایک مسجد کا خطیب اور امام ہے اکثر اوقات وہی نماز پڑھاتا ہے اور بعض اوقات دوسروں سے پڑھواتا ہے جب یہ خطبہ پڑھنے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھتا ہے تو بعض لوگ اٹھ اٹھ کر اس کو سلام کرتے ہیں اور اس سے مصافحہ کرتے ہیں اور یہ سلام کا جواب دیتا ہوا اور مصافحہ کرتا ہوا منبر پر جا بیٹھتا ہے، آیا طرفین کا سلام و مصافحہ ایسے وقت میں ممنوع و حرام ہے یا نہیں۔ اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ و لا کلام سے اس کی ممانعت و حرمت نکلتی ہے یا نہیں ظاہر الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ صلوۃ و کلام کی ممانعت ہے تو سلام و مصافحہ کی بدرجۂ اولیٰ ہوگی، یہ اس صورت میں ہے جب خود زید نماز پڑھانے کو چلتا ہے اور جب وہ دوسروں سے پڑھواتا ہے اس وقت بھی لوگ زید سے سلام و مصافحہ کر کر اپنی جگہوں پر آ بیٹھتے ہیں، البتہ جب خطبہ شروع ہو جاتا ہے تو لوگ ایسا نہیں کرتے تاہم اتنا ہوتا ہے کہ اگر زید اثنائے خطبہ میں کسی طرف دیکھتا ہے تو دوسرا شخص ہاتھ کے اشارہ سے سلام کر لیتا ہے، کیا یہ اشارہ سے سلام کر لینا بھی ممنوع ہوگا، ہر ہر صورت کا جواب ارشاد فرمایئے ؟

الجواب۔ اذا خرج الامام میں ایک قول یہ ہے کہ خروج سے مراد صعود علی المنبر ہے چنانچہ عینی نے حاشیۂ ہدایہ میں نقل کیا ہے اور یہی راجح معلوم ہوتا ہے پس اس سے پہلے سلام و مصافحہ ہر دو جائز ہیں اور اشارہ چونکہ کلام نہیں لہٰذا وقت خطبہ کے حرمت میں مثل کلام کے تو نہیں ہے مگر چونکہ مشابہ کلام کے ہے اس لئے کراہت سے خالی نہیں، بالخصوص جبکہ خود سلام کرنا بھی

اشارہ سے مطلقاً ممنوع ہے حدیث میں ہے ومن مس الحصی (ای فی الخطبۃ) فقد لغا۔رواہ مسلم جب مس الحصی سے ممانعت ہے کیونکہ اس میں مشغولی ہے غیر خطبہ کی طرف تو اشارۂ سلام میں تو اس سے زیادہ مشغولی ہے اور حدیث میں ہے لیس منا من تشبہ بغیرنا لا تشبھوا بالیھود ولا بالنصاری فان تسلیم الیھود الإشارۃ بالاصابع و تسلیم النصاری الإشارۃ بالاکف رواہ الترمذی ۔اس سے سلام بالید کی ممانعت مفہوم ہوتی ہے۔فقط واللہ اعلم۔ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۳۳ ج ۱)

سوال (۵۳۲) دیباچہ خطب ماثورہ نمبر ۵ منبر پر چڑھ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر سلام کرتے اور بیٹھ جاتے ،اس کے متعلق یہ سوال ہے کہ فتاویٰ رشید یہ حصۂ دوم ص ۱۳۳ مطبوعہ مرادآباد میں لکھا ہے کہ جب امام اپنی جگہ سے بغرض خطبہ اٹھے تب سے مقتدیوں پر سکوت واجب ہو جاتا ہے پس خطیب سلام کرے گا تو لامحالہ سامعین کو جواب دینا پڑے گا پھر سکوت کی قید جاتی رہے گی ،لہٰذا اس کی صراحت فرمادی جائے کہ یہ فعل خاص آپ ہی کے لئے مخصوص تھا یا اب بھی عام خطباء کو اس کی پابندی کرنی چاہئے اور مقدیوں پر جو حسب صراحت صدر سکوت کا حکم ہے اس کا جواب ہے؟

الجواب ۔واقعی اس تحریر میں اجمال ہے اس کے بعد احیاء السنن میں اس مسئلہ کی اس طرح تحقیق کی گئی، وفی البحر فاستفید منه (ای من قول البدائع انه لا یسلم اذا صعد المنبر وروی انه یسلم کما فی السراج الوھاج ص۱۶۸ جلد ۲ وھو المختار عندی للحدیث وان کان المشھور فی المذھب ھو القول الاول کما فی الدرالمختار وغیرہ والمتمسك فیه العمومات وعلیه یاؤل ماورد من السلام من حمله علی ما قبل تحریم الکلام فی الصلوۃ و فی الخطبۃ قلت و اذ لیس السلام واجباً واحتمل الکراھۃ بالنسخ فلعل الاولی للعمل ترکه والاعتقاد تجویزہ ۔ واللہ اعلم۔ اھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ احتیاط یہی ہے کہ امام سلام نہ کرے، پس اپنی تحریر کے اجمال سے جو موہوم اجازت سلام بلا اختلاف ہے رجوع کرتا ہوں گو مجوز وجوب سکوت سے اس کو مخصوص کرسکتا ہے۔ ۴ رصفر ۱۳۳۵ھ (ترجیح خامس ص ۳)

سوال (۵۳۳) خطب الماثورۃ میں نمبر (۵) میں صفحہ اول پر تحریر ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر سلام کرتے اور بیٹھ جاتے ،اس سلام کی

سنت پر عمل دیکھا نہیں جاتا کیا اس سنت کو زندہ کیا جاوے اس پر عمل نہ کرنے میں کوئی مصلحت ہے ،لاعلمی کے باعث یہ استفسار ہے؟

الجواب۔ حنفیہ نے اس کو اس لئے نہیں لیا کہ عوام اس کو لوازم خطبہ سے سمجھنے لگیں گے جو کہ بدعت ہے جیسا حنفیہ نے بہت افعال کو اسی اصل پر منع کیا ہے اور شافعیؒ نے نقل کی بناء پر جائز فرمایا ہے چنانچہ اس مسئلہ میں بھی یہی اختلاف ہے، كما في الدرالمختار ومن السنة جلوسه في مخدعه عن يمين المنبر ولبس السواد وترك السلام من خروجه الى دخوله في الصلوة و قال الشافعيؒ اذا استوى على المنبر سلم مجتبى۔

اور بعض علمائے حنفیہ سے جو سلام کا استحباب یا اباحت منقول ہے اس کو غریب کہا گیا ہے، كما في رد المحتار تحت قوله ترك السلام ۔پس امام شافعیؒ بناء بر جزئی منقول سلام کا حکم کرتے ہیں، حنفیہ بناء بر کلیات منقولہ اس کے ترک کو سنت کہتے ہیں، نیز غور کرنے سے منع کی ایک نقل جزئی بھی ذہن میں آ گئی وہ حدیث ہے۔

اذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام۔ اور یقیناً سلام بھی یا ملحق بالصلوٰۃ ہے یا ملحق بالکلام اور ظاہر ہے کہ جب امام سلام کرے گا تو حاضرین جواب دیں گے جو کہ سلام ہے اور یہ بعد خروج ہوگا جو بناء بر حدیث مذکور ممنوع ہے اور قاعدہ ہے اذا تعارض المبيح والمحرم ترجح المحرم، پس سلام جو منقول ہے وہ اس قاعدہ سے منسوخ ہوگا پس حنفیہ کا مذہب روایۃً ودرایۃً قوی ہوا۔ واللہ اعلم۔ ۱۸؍رجب المرجب ۱۳۵۳ھ (النور رجب ۵۴ھ)

تاکید ادائے نماز عید در عیدگاہ

سوال (۵۳۴) زید عیدین کی نماز اپنی مسجد میں پڑھتا ہے عیدگاہ میں نہیں پڑھتا اور جو کوئی عیدگاہ میں پڑھنے کا عادی ہے اس کو بھی روکتا ہے کبھی کہتا ہے نماز عیدین مسجد میں بھی جائز ہے، چنانچہ فلاں مولوی صاحبوں کا فعل اس کے جواز کی دلیل کافی ہے جس کو مجھ سے محبت وتعلق ہو اور میرے کہنے کا کچھ پاس ولحاظ ہو میری ہی مسجد میں نماز پڑھے کبھی کہتا ہے عیدگاہ میں تو بہت لوگ ہو جاتے ہیں یہاں بھی پچاس ساٹھ آدمی ہو جائیں تو بہتر ہے کبھی کہتا ہے مسجد میں بھی خدا ہی کی نماز ہے اور عیدگاہ میں بھی خدا ہی کی نماز ہے چاہے جہاں پڑھو، غرض مختلف طریقوں سے عیدگاہ جانے سے روکتا ہے اور اس کے ملنے والوں سے جو کوئی چلا جاتا ہے اس سے ناخوش ہوتا ہے اور شکایت کرتا ہے اس شخص کے پاس ولحاظ سے بعض لوگ عیدگاہ جانے سے رک جاتے ہیں

اگر یہ شخص عیدگاہ میں پڑھے یا دوسروں کو منع نہ کرے تو اس مسجد کے پڑھنے والے سب عیدگاہ ہی میں جائیں ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے اور اس کی مسجد میں نماز عیدین پڑھنا کیسا ہے اور عموماً مسجدوں میں نماز عیدین پڑھنا اور بلا عذر بارش وضعف رفتار وغیرہ عیدگاہ کو ترک کرنا کچھ گناہ ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدرالمختار، والخروج الیھا ای الجبانة لصلوة العید سنة وان وسعھم المسجد الجامع ھو الصحیح ۔اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے بجز ایک بار کے کہ عذر بارش کی وجہ سے مسجد میں ادا فرمائی تھی ہمیشہ میدان ہی میں تشریف لے جاتے تھے حتیٰ کہ جن پر عذر شرعی سے نماز بھی نہ تھی ان کے لے جانے کا اہتمام فرماتے تھے چنانچہ بکثرت احادیث وارد ہیں پس جس امر کا حضور کو قولاً وفعلاً اہتمام ہو اس کے خلاف کا قولاً وفعلاً اہتمام کرنا صریحاً مخالفت سنت کی ہے جس کے گناہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں حدیث میں ہے فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ واللہ اعلم۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۴۳ ج ۱)

اشتراط عدد مصلیان در صلوة جمعہ

سوال (۵۳۵) اگر کیمپ کے مسلمان جماعت کثیر ہو جاویں یا آٹھ دس آدمی تک ہوں جمعہ کی نماز حالت سفر میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب۔ جمعہ کے لئے کم از کم چار آدمی شرط ہیں اس سے کم میں جمعہ صحیح نہیں اور چار اور زائد سے جائز ہے بشرطیکہ وہ جگہ قابل جمعہ کے ہو ایسا کہ (۱) آگے آتا ہے اور ایسی جگہ گو مسافر پر جمعہ فرض نہیں لیکن پڑھ لے تو صحیح ہے۔ فقط۔ ۱۵ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۱ ص ۳۸)

جواز جمعہ بر کوٹھی وبنگلۂ حکام بشرط قرب از بلدہ

سوال (۵۳۶) کوٹھی رزیڈنٹی شہر سے علیحدہ ہے؛ اور ہر جامع مسجد ایک میل سے تین میل کے فاصلہ تک ہے اس فاصلہ کے ملازمین کو کوٹھی سے بغیر تعطیل باہر نکلنے کی اجازت بھی نہیں ایسی حالت میں کوٹھی کے احاطہ میں یا کسی مکان میں جمعہ پڑھا جا سکتا ہے کیونکہ کیمپ کی آبادی توابع شہر میں ہے گاؤں تو کہا نہیں جا سکتا نماز جمعہ تو غالباً فرض ہوگی بغیر مسجد کے بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اگر یہ جگہ توابع شہر سے ہو جیسا ظاہر ہے تو جمعہ اس میں صحیح ہے اور یہاں سے کسی کو باہر جانے کی اجازت نہ ہونا تو مضر نہیں لیکن یہ دیکھنا چاہئے کہ اس حد کے اندر باہر والے

---

(۱) یعنی سوال آئندہ کے جواب میں ۱۲ منہ۔

بھی آسکتے ہیں یا نہیں اگر آسکتے ہیں تب بلا تردد جمعہ جائز ہے، اور اگر نہیں آسکتے ہیں تو جواز جمعہ میں تردد ہے اس لئے مسافر کو اس صورت میں اولیٰ یہ ہے کہ ظہر پڑھے کیونکہ جمعہ مسافر پر فرض نہیں تو غیر فرض کے لئے تردد میں کیوں پڑے اور جامع مسجد جمعہ کے لئے شرط نہیں ہے۔

وجه التردد ما في الدرالمختار والاذن العام الى قوله فلا يضر غلق باب القلعة لعدو ولو لعادة قديمة،وفي رد المحتار بعد نقل عدم جواز الجمعة ان منعوا عن الدخول ما نصه قلت و ينبغي ان يكون محل النزاع ما اذا كانت لا تقام الا فى محل واحد اما لو تعدد فلا لانه لا يتحقق التقريب كما افاده التعليل تامل و فيه عن المنح و كذا اى لا يصح لو جمع فى قصره بحشمه ولم يغلق الباب ولم يمنع احد الا انه لم يعلم الناس بذلك اهـ۔

۱۵رشعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۸۳ ج ۱)

حکم اقامت جمعہ درمکان دفتر سرکاری وقلعہ

سوال (۵۳۷) دفتر کے اندر عام لوگوں کو آنے کی اجازت نہیں مگر حاکم نے اجازت دیدی ہے کہ جمعہ کے روز صرف نماز پڑھنے کے واسطے جس کا جی چاہے وہ چلا آوے ممانعت نہیں ہے، اس حالت میں نماز جمعہ دفتر کے اندر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ جب اذن عام ہے درست ہے ورنہ بالکل باہر نکل کر میدان میں پڑھ لیں۔

سوال (۵۳۸) آنجناب کو معلوم ہوگا کہ اب جمعہ کے دن ہر ایک سرکاری دفتر میں نماز جمعہ ادا کرنے کی اجازت مل گئی ہے مگر کمترین بدقسمتی سے قلعہ میں ملازم ہے، عرض یہ ہے کہ سنا ہوا ہے کہ قلعہ میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی مگر اب جبکہ سرکار اجازت دیتی ہے اور خوشی سے اجازت دیتی ہے تو قلعہ میں جمعہ جائز ہے یا نہیں ایک اور شرط جو کہ جمعہ کے متعلق ہے وہ شاید شارع عام کا ہونا ضروری ہے سو اس کے متعلق عرض یہ ہے قلعہ چھاونی فیروز پور ایک بڑے گاؤں کے مانند ہے اور اس کی مختلف شاخیں جو کہ اسی کے احاطہ کے اندر ہیں بمنزلہ مکانات کے ہیں اور ہر ایک آدمی کو خواہ مزدور ہو یا کلرک ہو ایک بجے کی چھٹی میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے تو کیا اس حالت میں بھی شارع عام کی ضرورت ہے یہ قید جو کہ سرکار نے لگائی ہے وہ صرف نقصان سے بچاؤ کی غرض سے ہے، اور ایسا ہم بھی عموماً اپنے بڑے کارخانہ میں کرلیا کرتے ہیں۔ فقط؟

الجواب۔ اذن عام ہونا بھی منجملہ شرائط صحت جمعہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا وہاں مقصود نہ ہو، باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو وہ اذن عام میں مخل نہیں، فی الدرالمختار والاذن العام من الإمام وهو يحصل بفتح ابواب الجامع للواردين كاف فلا يضر غلق باب القلعة لعدو او لعادة قديمة لان الإذن العام مقرر لاهله و غلقه لمنع العدو لا المصلي نعم لو لم يغلق لكان احسن اهـ في رد المحتار و ينبغي ان يكون محل النزاع ما اذا كانت لا تقام الا في محل واحد اما لو تعددت فلا لانه لا يتحقق التفويت كما افاده التعليل تامل (ج۱ص۸۵۱)

پس بناء بر روایت بالا اس قلعہ میں نماز جمعہ درست ہے۔ ۸ رشعبان ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ۲ ص ۱۱۱)

حکم جمعہ در آبادیہائے متفرق الاجزاء

سوال (۵۳۹) ایک بستی میں قریب تین چار سو مسلمان مرد بالغ عاقل اور قریب تین سو مرد بالغ کافر مقیم ہیں اس میں ایک بازار جس میں اشیائے ضروریہ ہمیشہ موجود رہتی ہیں اور منصفی، تھانہ، ڈاکخانہ، تارخانہ، سب موجود ہیں اب یہ بستی شہر کہلا سکتی ہے یا نہیں اگر قریہ مانا جاوے تو ان مقیم مسلمانوں پر جمعہ فرض ہے یا نہیں اگر فرض نہ ہو تو وہاں جمعہ ادا کرنے سے صلوۃ ظہر ذمہ سے ساقط ہوگی یا نہیں؟

(۲) ہمارے ملک برما کی بستیوں میں کہیں کہیں تو مسلمان مرد مکلّف ہزار دو ہزار تک مقیم ہیں مگر ایسی بستی بہت کم ہیں اور ادنیٰ درجہ میں بعضے قریہ میں سات آٹھ سو تک بھی مقیم ہیں اب ان بستیوں میں سے کوئی بستی بحکم شہر ہو سکتی ہے یا نہیں اگر سب کو قریہ مانا جاوے تو ان بستیوں کے مقیموں پر جمعہ فرض ہے یا نہیں اگر فرض نہیں ہے تو ان قریوں میں سے اگر کسی میں جمعہ ادا کیا جاوے تو ان کے ذمہ سے صلوٰۃ ظہر ساقط ہوگی یا نہیں اگر بڑے بڑے قریوں میں جمعہ صحیح ہو تو ان بستیوں میں سے کونسی بستی بڑی کہلاوے گی۔

(۳) بعض قریہ زراعت وغیرہ کی وجہ سے فقط میل آدھ میل کے فاصلہ پر بسا ہے، آپس میں ہر ایک کا نام بھی جدا جدا ہے مگر اطراف میں دونوں ایک ہی نام سے مشہور ہیں اب کیا دونوں کو علیحدہ علیحدہ قریہ مانیں گے یا دونوں ملا کر ایک بڑی بستی مانی جاوے گی، ان سب سوالوں کے جواب مفصل اور مدلل سے ہم نابیناؤں کی رہنمائی فرمائیں؟

الجواب۔ عبارت سوال سے تو ان آبادیوں کی صورت وحالت اچھی طرح ذہن میں نہیں آئی البتہ ایک دوست سے جو اس نواح کے رہنے والے ہیں تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ گو آبادی وہاں کی متفرق حصے ہو کر بستی ہے اور ہر حصہ کا نام جدا ہے لیکن تاہم کئی کئی حصے مل کر ان سب کا مجموعہ ایک نام سے مشہور ہے اور وہ حصہ پارہ کہلاتے ہیں مثلاً دولت پور عرف میں ایک آبادی کا نام ہے جس میں چھوٹے چھوٹے کئی حصے ہیں اور ہر حصہ بھی جدا نام سے موسوم ہے لیکن جس حصہ میں کوئی مسافر جانا چاہتا ہو پوچھنے پر بجائے اس حصہ کے نام کے یہ کہتا ہے کہ دولت پور جاؤں گا اس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ پارے بجائے محلوں کے ہیں اور مجموعہ ان پاروں کا ایک آبادی ہے گو ان کے اندر ہم کسی قدر فصل بھی ہے لیکن ظاہر ہے کہ ایک آبادی کے اجزاء میں کچھ فصل ہونا اس آبادی کے واحد ہونے کے منافی نہیں جیسے عموماً جن شہروں کے متعلق انگریزی چھاؤنیاں ہیں ان کی یہی حالت ہے اور بعض امصار وقصبات کی بلا چھاؤنی بھی خود یہ حالت ہے جیسے شاہجہاں پور اور بعض قصبات ضلع سہارنپور ومظفر نگر کے کہ ان کی متفرق آبادی کے مختلف حصے ہیں اور درمیان میں میدان اور کھیت اور باغ فاصل ہیں مگر جدا جدا آبادی نہیں سمجھی جاتی سو ہمارے ان اضلاع میں جیسے بعض آبادیوں کی حالت ہے ان نواح میں کل یا اکثر آبادیاں ایسی ہی ہیں، یہ حالت تو وہاں کی کل آبادیوں میں امر مشترک ہے پھر باہم ان میں ایک تفاوت یہ ہے کہ ان ہی مجموعی آبادیوں میں سے بعض میں تو تھانہ، ڈاکخانہ منصفی وغیرہ ہے گو اس مجموعہ کے کسی خاص حصہ و پارہ میں سہی ایسے مجموعہ آبادی کو محکمہ کہتے ہیں اور بعض میں یہ چیزیں نہیں اور بعض کے رہنے والوں کو جب کوئی حاجت تھانہ ڈاکخانہ وغیرہ کے متعلق واقع ہوتی ہے تو ان محکموں میں جاتے ہیں اور ایک ایک محکمہ کے متعلق ایسی ایسی بہت آبادیاں ہوتی ہیں اور ایسی آبادیوں کو گاؤں کے نام سے مشہور کرتے ہیں پس اس حکایت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اول قسم کا مجموعہ جو کہ وہاں محکمہ کہلاتا ہے مصر ہے اور عرفاً لفظ محکمہ مصر کا مرادف ہے اور دوسری قسم کا مجموعہ قریہ ہے، پس اس بناء پر مجموعہ آبادی قسم اول میں جمعہ صحیح ہے اور مجموعہ آبادی قسم ثانی میں جمعہ درست نہیں، اب مستفتی صاحب اپنی صورت مسئول عنہا کو اس قاعدہ پر خود منطبق کر کے اس کے موافق جواب سمجھ لیں، پس جہاں جمعہ صحیح ہوگا وہاں نماز ظہر ساقط ہو جاوے گی، اور جہاں جمعہ صحیح نہیں نماز ظہر فرض رہے گی، اور اشتراط مصر کی روایات سے تمام متون وشروح وفتاویٰ مذہب حنفی کے مملو ومشحون ہیں۔ واللہ اعلم۔ ۶/ شوال ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۷)

جواز جمعہ درقصبات

سوال ۔(۵۴۰) زید کہتا ہے کہ ہندوستان کے قصبوں میں جمعہ عیدین حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ جمعہ وعیدین کے لئے مصر (شہر) ہونا شرط ہے اور قصبے کسی طرح شہر نہیں نہ عرف عام میں نہ اور کسی عرف میں حدیث وفقہ حنفیہ میں دو لفظ آئے ہیں یا مصر (شہر) کا لفظ یا قریہ (گاؤں) کا لفظ قصبہ کا لفظ کہیں نہیں آیا ہے، قصبے میں دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت سے تو اسے شہر یا مشابہ شہر کہہ سکتے ہیں دوسری حیتیت سے گاؤں یا گاؤں کے مشابہ کہہ سکتے ہیں کھینچ کھانچ کے شہر میں داخل کرتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں بلکہ اسے قریہ (گاؤں) میں داخل کرنا چاہئے چیز ہمیشہ ارزل کے تابع ہوتی ہے اعلیٰ کا ارزل کے تابع ہونے میں کچھ شک نہیں بلکہ یقینی ہوتا ہے اور اعلی کے تابع کرنے میں بے احتیاطی ہے اس لئے قصبوں میں جمعہ وعیدین کو منع کرنا چاہئے زید کا یہ کہنا کیسا ہے۔

(۲) شہر اور قصبے اور گاؤں کی کیا تعریف ہے، ان تعریفوں میں رقبے اور آبادی کو بھی دخل ہے یا نہیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ جہاں کا اتنا رقبہ ہو اتنی آبادی ہو تو وہ گاؤں ہے اور جہاں کا اتنا رقبہ اتنی آبادی ہو وہ قصبہ اور جہاں کا اتنا رقبہ اور آبادی ہو وہ شہر ہے اور رقبے اور آبادی کی مقدار معین کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ تھوڑے رقبے اور تھوڑی آبادی گھٹ بڑھجانے سے تعریفوں میں فرق نہ آئے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جامع مانع تعریف نہیں بتاتے جو تعریف بتاتے ہیں وہ ٹوٹ جاتی ہے، یہ تو ہر حنفی جانتا ہے کہ ہمارے مذہب کی رو سے گاؤں میں جمعہ وعیدین جائز نہیں مگر گاؤں کی جامع تعریف نہ جاننے سے اور تعریف میں رقبے اور آبادی کو داخل سمجھ کر عمل کرنے سے اکثر خلط و اختلاف وتنازع پیدا ہے اس لئے جامع مانع تعریف کی اشد ضرورت ہے جو لوگ تعریفوں میں معین رقبے اور معین آبادی کو داخل سمجھتے ہیں، ان کا استناد کسی حدیث وروایت فقہ سے ہے یا نہیں۔

(۳) ایک مقام عرف عام میں قصبہ دوسرا گاؤں کہا اور سمجھا جاتا ہے لیکن یہ قصبہ اپنے رقبہ یا اپنی آبادی کے لحاظ سے اتنا چھوٹا ہے کہ اس کو گاؤں سمجھنا اور کہنا مناسب تھا تو کیا اس قصبہ میں جمعہ وعیدین سے منع کریں گے علی ہذا القیاس وہ گاؤں اپنے رقبے یا اپنی آبادی کے لحاظ سے اتنا بڑا ہے کہ اس کو قصبہ سمجھنا اور کہنا مناسب تھا تو کیا اس گاؤں میں جمعہ وعیدین کی اجازت دیں گے۔

(۴) ضلع سلطان پور ملک اودھ میں مسافر خانہ ایک مقام ہے اگر اس کی آبادی پر نظر ڈالی جاوے تو ایک چھوٹا گاؤں ہے مگر یہ عرف عام میں قصبہ بولا اور لکھا جاتا ہے اور عرف عام ہی کے

لحاظ سے غالباً سرکاری کاغذوں میں بھی قصبہ لکھا جاتا ہے اس کی حیثیت یہ ہے کہ یہاں پختہ سڑک ہے سواری کو یکے ملتے ہیں بازار ہے جو روزمرہ کی ضروری اشیاء دیتا ہے آبادی سے باہر ہفتے میں غالباً دوبار بڑا بازار لگتا ہے جس میں باہر کی خرید وفروخت کرنے والے آتے ہیں تیل کا کارخانہ ہے ڈاک خانہ اور بہت بڑا ڈاکخانہ ہے یعنی برانچ پوسٹ آفس نہیں ہے؛ سرکاری ہاسپٹل (شفا خانہ) ہے، سرکاری اسکول ہے مگر آبادی کی کمی سے مڈل کلاس تک خواندگی نہیں ہے جیسے عام طور پر قصبوں میں ہوتی ہے درجۂ سوم تک خواندگی ہے جیسے دیہات میں ہوتی ہے تھانہ (پولیس اسٹیشن) ہے، کانجی ہاوس ہے تحصیل کی کچہری ہے منصفی کی کچہری ہے تحصیل کا خزانہ الگ ہے ڈاکخانہ کے متعلق سیونگ بنک الگ ہے ڈاک بنگلہ بنا ہوا ہے جس میں حکام انگریزی آکر ٹھہرتے ہیں اور مقامی حکام کے لئے علیحدہ پختہ سرکاری مکان بنے ہوئے ہیں۔

پختہ تالاب ہے مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے متعدد سرائیں ہیں، دو مسجدیں ہیں ایک میں جمعہ ہوتا ہے آبادی کے باہر عیدگاہ بنی ہوئی ہے خلاصہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑے قصبے میں جو باتیں آج کل عرف عام وعرف سرکار انگریزی کے لحاظ سے ہوتی ہیں وہ سب بحیثیت مجموعی یہاں بدرجۂ اتم موجود ہیں تو کیا آبادی کی کمی پر لحاظ کر کے اور اس کو قریہ اور گاؤں قرار دیکر یہاں جمعہ وعیدین سے لوگوں کو منع کرنا چاہئے یا عرف عام ومؤیدات عرف عام پر لحاظ کر کے جمعہ وعیدین کی اجازت دینا چاہئے۔

(۵) اگر کوئی شہر یا قصبہ کسی وجہ سے بالکل خالی ہوجاوے اور کوئی آدمی وہاں نہ رہ جائے اب اتفاق سے چند مسافر یا مقیم وہاں آئیں اور جمعہ یا عیدین پڑھیں تو جمعہ وعیدین پڑھنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب۔(۱) فی رد المحتار عن القهستاني و تقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیها اسواق اھ۔(جلد اول ص ۸۳۶) یہ روایت صریح ہے قصبات کے محل جمعہ وعیدین ہونے میں اور مانع کے شبہ کا جواب یہ ہے کہ قصبہ عرف عام میں شہر نہ ہونا غیر مسلم ہے ہم نے خود اہل عرف کو دیکھا ہے کہ کسی قصبہ کے گردونواح کے دیہاتی لوگ جب مطلق شہر بولتے ہیں تو وہی قصبہ مراد ہوتا ہے اور قصبہ کے آنے جانے کو شہر کا آنا جانا محاورات میں بولتے ہیں پس فقہ اور حدیث میں جو لفظ مصر آیا ہے وہ اس کو بھی شامل ہوا، آگے تمام تقریر اس پر متفرع ہے اصل کے جواب سے فرع کا جواب بھی ہوگا۔

(۲) خود صاحب مذہب سے مصر کی یہ تعریف منقول ہے انه بلدۃ کبیرۃ فیها سکك

واسواق ولھار ساتیق وفیھا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم الخ اور جس قدر تعریفیں فقہاء نے کی ہیں سب کا مرجع ومآل یہی ہے کہ سب عنوانات مختلفہ ہیں معنون واحد کے اور اس سے زیادہ جامع مانع تعریف جس سے تحدید تام ہو جاوے امور غیر مقدرہ فی النص میں خود امام صاحب کے مسلک کے خلاف ہے لانہ زیادۃ فی الدین باقی رہی ضرورت رفع نزاع سو مثل دیگر غیر مقدرہ کے اس میں بھی تردد کے وقت اغلب رائے مبتلی بہ اور وقت تعارض آراء کے عدول ثقات کا قول معتمد ومعتبر ہوگا اور جس کو نزاع ہی مقصود ہو اس کے لئے تعریف جامع مانع بھی کافی نہیں۔

(۳) تعریف بالا سے ظاہراً یہ مستفاد ہوتا ہے کہ رقبہ کی کم متصل یعنی مقدار یا آبادی کی کم منفصل یعنی شمار پر اس کا مدار نہیں بلکہ ہیئت آبادی اس کا معیار ہے کما نقل فی الجواب عن السوال الاول من تقیید القریٰ بالتی فیھا سکک و اسواق اس بناء پر اگر ہیئت آبادی کی مثل شہر وقصبہ کے ہے محل جمعہ کہیں گے ورنہ گاؤں سمجھیں گے۔ فاعتبر ہذا۔

(۴) عبارت سوال سے جو صورت اس مقام کی ذہن میں آتی ہے اس کے اعتبار سے اس کو قصبہ کے حکم میں سمجھنا ارجح ہے۔

وقد مرفی الجواب عن السوال الثالث اعتبار ھیئتہ العمارۃ لا المقدار ونحوہ۔ واللہ اعلم۔ (۵) لانہ وان لم یعتبر حد خاص من العمارۃ لکن یشترط نفس العمارۃ کما فی الدر المختار و جازت الجمعۃ بمنی فی موسم الی قولہ وجود الاسواق والسکک ولمامر فی الجواب من السوال الثانی من قولہ و فیھا والی الخ فدل علی اشتراط وجود الناس فیھا الحاکم والمحکومین وھذا ظاھر جدا واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ ۱۶؍ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۹ ج ۱)

جواز جمعہ در قریۂ کبیرہ

سوال (۵۴۱) بڑا قریہ کو جس میں چار سو یا ہزار دو ہزار تین ہزار آدمی رہتے ہوں اور سوائے قتل وقصاص وقطع ید کے احکام شرع شریف کے بجالاتے ہیں اور امور متنازعہ میں علمائے وقت کی جانب رجوع کرتے ہیں موافق شرع شریف کے عملدرآمد کرتے ہیں اور اس موضع میں مدرسہ علوم دینیہ کا موجود ہے اور بازار بھی موجود ہے جن میں اکثر حوائج وضروریات کی اشیاء ہر وقت ملتی ہیں اس موضع میں گورغریباں یا معین کوئی قبرستان نہیں ہے بلکہ مردہ کو اپنے اپنے باغیچہ

میں دفن کرتے ہیں، غرض اکثر موضع ایسے ہیں جن میں بازار موجود ہیں اور جس میں بازار نہیں ہے اس میں اور بازار والے موضع میں صرف آدھ میل کا فاصلہ ہے چار پانچ موضع مل کر مجموعہ کا ایک نام ہے اور یہ موضع بمنزلہ محلہ جات شہر کے ہیں ان میں زیادہ فاصلہ نہیں لیکن ایام برسات میں دوتین مہینے کشتی کی ضرورت پڑتی ہے اور مہینوں میں مثل ہندوستان کے بلا کشتی کے پھرتے ہیں پس اگر ایسے بڑے قریہ میں جمعہ وعیدین قائم کرلیں عندالشرع صحیح ہوگا یا نہیں، جواب مع حوالۂ کتب تحریر فرمایئے؟

الجواب۔ یہ مذہب حنفی میں مصرح ومتفق علیہ ہے کہ مصر شرائط جمعہ سے ہے اور اہل فتاویٰ نے قصبات وقریٰ کبیرہ کو حکم مصر میں فرمایا ہے، کما فی ردالمحتار عن القھستانی و تقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرۃ التی فیھا اسواق الی قولہ لا تجوز فی الصغیرۃ التی لیس فیھا قاض ومنبرو خطیب کما فی المضمرات، رہا یہ کہ مصر اور قریہ کبیرہ کی کیا حقیقت ہے سو مصر کے باب میں خود صاحب مذہب کا جو قول ہے اس کو علامہ شامی نے تحفہ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ عن ابی حنیفۃ انہ بلدۃ کبیرۃ فیھا سکک و اسواق و فیھا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم الی قولہ وھذا ھو الاصح ،اور قصبات اور قریٰ کبیرہ کی تعریف اوپر کی عبارت سے مفہوم ہوتی ہے جس کا حاصل لفظ اسواق وقاضی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی آبادی مصر کی سی ہو اور اس میں بھی ہو پس جو قری سوال میں مذکور ہیں وہ نہ مصر ہیں نہ قصبہ نہ قریۂ کبیرہ لہٰذا وہاں جمعہ صحیح نہیں البتہ اگر کوئی آبادی ایسی ہو کہ اہل عرف اس کے مجموعہ اجزاء کو باوجود کسی قدر فصل کے آبادی سمجھتے ہوں وہاں مجموعۂ کا اعتبار کیا جاوے گا لیکن صرف ایک نام کافی نہیں کیونکہ ضلع وقسمت کا نام بھی ایک ہی ہوتا ہے بلکہ وحدۃ تسمیہ کے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ اس کو ایک آبادی سمجھتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

۲۷ محرم ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۱۱)

سوال (۵۴۲) جناب مولانا صاحب السلام علیکم

بعد سلام کے عرض ہے کہ موضع ساران ضلع میرٹھ کا ایک قریہ ہے اور اس میں جاٹ مسلمان رہتے ہیں اور ہر چہار جانب اس کے دیگر دیہات میں جاٹ ہندو رہتے ہیں پانچ پانچ چار چار کوس کوئی گاؤں مسلمانوں کا نہیں ہے اس گاؤں ساران میں تین مسجدیں ہیں اور قدیم سے اس جگہ جمعہ اور عیدین کی نماز ہوتی ہے دیگر دیہات قرب وجوار کے مسلمان جو بطور رعیت کے رہتے ہیں وہ ہمیشہ عیدین کی نماز یہاں آکر پڑھتے ہیں اپنے اپنے قربانی کے جانور یہاں لاکر ذبح

کرتے ہیں کیونکہ یہ موضع بطور مرکز کے ہے درمیان دائرہ کے یعنی ہر چہار جانب ہندو اور یہاں مسلمان ہیں مردم شماری یہاں کی تین ہزار تین سو ہے بائیس دوکانیں مہاجنان کی ہیں مدرسہ سرکاری بھی قائم ہے اور خلیفہ عبدالرحمان صاحب یہاں منجانب سرکار واسطے انفصال مقدمات کے منصف مقرر ہیں اور پیش امام سید ساکن گنگر و باپ دادا سے امامت کراتے چلے آتے ہیں بیس تیس بلکہ زیادہ ناظرہ خواں و حافظ قرآن خواں اور دس بیس آدمی منشی و حکیم وغیرہ یہاں موجود ہیں قدیم سے جمعہ ہوتا ہے لیکن جب سے یہ چرچا ہوا کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا دیہات گرد و نواح کے نمازی نہیں آتے اور یہاں کے بھی اکثر سستی کرتے ہیں اور مسجد اس قدر بڑی ہے کہ شاید دس بیس قصبوں میں نہ نکلے اور پنجگانہ نماز سو سوا سو جمع ہو جاتے ہیں او مولوی مظفر حسین صاحب بھی یہاں تشریف لائے ایک دو دفعہ تو انہوں نے بھی یہاں جمعہ پڑھا، اب دیگر علماء یہاں آتے رہے اور وہ بھی نماز جمعہ پڑھتے رہے او اب بھی جمعہ ہوتا ہے مگر برادری کے دو گروہ ہو گئے ہیں ایک ابھی پڑھتا ہے اور ایک انکار کرتا ہے لہٰذا یہ پرچۂ قرطاس حضور کی خدمت میں ارسال کر کے امیدوار ہیں کہ جواب اس کا مفصل و مشرح تحریر فرما کر بھیجدیں کہ یہاں جمعہ ہوتا ہے یہ درست ہے یا نہیں۔ فقط؟

الجواب۔ یہ مسئلہ تو صحیح ہے کہ دیہات میں جمعہ وعیدین کی نماز مذہب حنفی میں درست نہیں مگر مراد ان دیہات سے وہ قریے ہیں جن کی حالت قصبہ کی سی نہ ہو اور جن کی حالت قصبات کی سی ہو اس کا حکم مثل قصبات و امصار کے ہے اور موضع ساران کی جو حالت سوال میں لکھی ہے کہ مردم شماری تین ہزار تین سو کی ہے وغیرہ وغیرہ اس حالت کے اعتبار سے وہ حکم میں قصبہ کے ہے جس کو فقہاء نے قریۂ کبیرہ سے تعبیر کر کے جمعہ وعیدین کو صحیح کہا ہے اس بناء پر موضع مذکور میں عیدین و جمعہ درست ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۰/ ذی قعدہ ۱۳۲۷ھ۔

اس جواب کے لکھنے کے بعد جس کی نقل اوپر موجود ہے احقر نے خود موضع ساران کو دیکھا تحقیق سے معلوم ہوا کہ مردم شماری میں تعداد مندرجۂ سوال بالا سے اور بھی اضافہ ہوا ہے اور وہ بھی زیادہ ثابت ہوئیں یعنی قریب چالیس کے، البتہ متصل نہیں ہیں اور باقی حالات جو سوال میں مذکور ہیں بعض میں افراط ہے بعض میں تفریط، بعض عدل و اوسط ہیں اور وہی احق بالقبول ہیں اور ہر حال میں موضع مذکور اعدل الاقاویل پر مصر ہیں تو داخل نہیں لیکن فقہاء کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے قصبات و قریٰ کبیرہ بھی حکم مصر میں ہیں چنانچہ ردالمختار ج ۱ ص ۸۳۶ میں مصرح ہے وعبارة القهستاني و تقع فرضافي القصبات والقرى الكبيره التيٰ فيها اسواق

الی قولہ لایجوز فی الصغیرۃ التی لیس فیھا قاض ومنبر وخطیب اھ اور نظر بر حالت مذکورۂ سوال وتحققہ بعد السوال موضع مذکور قریٰ کبیرہ میں ضرور داخل معلوم ہوتا ہے اور کبیرہ وصغیرہ میں ما بہ الفرق اگر آبادی کی مقدار لی جاوے تو اس کا مدار عرف پر ہوگا اور عرف کے تتبع سے معلوم ہوا کہ حکام وقت جو کہ حکمائے تمدن بھی ہیں چار ہزار آبادی کو قصبہ میں شمار کرتے ہیں اور چار ہزار کے قریب بوجہ معتبر نہ ہونے کسر کے حکم میں چار ہزار کے ہے پس موضع مذکور اگر قصبہ نہیں ہے تو قریۂ کبیرہ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں اور مؤید اس کی وہ حکایت ہے جو بعض احباب ساکناں بڑوت سے جو کہ موضع مذکور میں ملاقی ہوئے مسموع ہوئی کہ باغپت کے تحصیلدار صاحب سے معلوم ہوا کہ سرکار کا ارادہ چند مواضع کو قصبات میں شمار کرنے کا ہے اور بعض جگہ اس کا انتظام بھی شروع ہوگیا ہے منجملہ ان کے موضع مذکور بھی ہے اور اگر ما بہ الفرق وہ صفات لی جاویں جو روایت مرقومہ میں کبیرہ صغیرہ کی صفت میں وارد ہیں یعنی اسواق وحاکم وخطیب ومنبر کا ہونا نہ ہونا تو بھی موضع مذکور قریٰ کبیرہ میں داخل ہے کیونکہ اسواق بقرینۂ مقام اسم جنس ہے جو واحد کو بھی شامل ہے سواتنی دوکانوں سے ایک سوق کا مہیا ہوجانا متیقن ہے اب صرف شبہ عدم اتصال سے ہوسکتا ہے سو تامل کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوق کے اشتراط کا حاصل یہ ہے کہ ہر وقت کے حوائج ضروری میں وہاں کے مکان دوسرے مصر کے محتاج نہ ہوں سو اس غرض کے حصول میں اتصال وانفصال برابر ہے چنانچہ مولانا بحر العلوم نے رسالۂ ارکان اربعہ میں اپنے والد قدس اللہ سرہ کا قول جو نقل کیا ہے اس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حیث قال وکان مطلع الاسرار ابی قدس سرہ یفتی ان المصر موضع یندفع حاجۃ الانسان الضروریۃ من الاکل بان یکون ھناك من یبیع طعاماً والکسوۃ الضروریۃ وان یکون ھناك اھل حرف یحتاج الیھم کثیرا اھ ص ۱۱٤ وایضاً یؤیدہ ما فی المضمرات فی تعریف المصرھوان یعیش کل محترف بحرفتہ من سنۃ الی سنۃ من غیر ان یحتاج الی حرفۃ اخریٰ (مجموع الفتاویٰ لمولانا عبدالحی ج ۳ ص ۶۲)

اسی طرح حاکم کا ہونا عام ہے کہ بڑا ہو یا چھوٹا ہو سو موضع مذکور میں منصف کے مقرر ہونے سے یہ امر بھی حاصل ہے اور منبر اور خطیب کا ہونا تو خود فرع ہے حالت مذکورہ کی کہ ایسی جگہ عادۃً خطیب ومنبر ہوتا ہی ہے و نیز چند صاحبوں سے مسموع ہوا کہ کسی وقت میں جبکہ یہاں افغان آباد تھے بارہ تیرہ ہزار کی مردم شاری تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ درمیان میں کوئی زمانہ ویرانی محض کا اسپر نہیں گزرا پس اس وقت تو صحت جمعہ یہاں یقینی تھا اور بقاعدہ الیقین لا یزول بالشك جب تک

کہ کسی وقت ایسی حالت نہ ہو کہ بالیقین جمعہ غیر صحیح ہو اس وقت تک بحکم استصحاب حال صحت مذکورہ کو باقی سمجھیں گے اور ایسی حالت کا تخلل نہ درمیان میں ثابت ہوا اور نہ اب ہے پس حالت اشتباہ میں بھی جانب صحت کی راجح ہوگی و نیز ترک جمعہ سے جو آثار وہاں واقع ہوئے یا متوقع ہیں مثل ترک کر دینے جوار کے بعض لوگوں کے نماز کو اور مثل نا اتفاقی باہمی کے جس سے ان لوگوں کے مساعی متعلقہ اصلاح الرسوم میں ضعف قوی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے ان کا مقتضا بھی یہی ہے کہ اگر جواز جمعہ کی بقول مرجوح بھی گنجائش ہو تو حکم جواز کا کر دیا جائے ہاں اگر عدم صحت متیقن ہوتی تو دوسری بات تھی مگر عدم صحت درجۂ یقین میں نہیں غایت ما فی الباب حالت اشتباہ کی ہے کما یظهر بالامعان اور اشتباہ کو قوی سمجھا جاوے تو ظہر احتیاطی کا بھی امر کر دیا جاوے بعد تحریر تقریر ہذا اسلام نگر ضلع سہارنپور سے فیض محمد خاں صاحب ابن حاجی محمد یٰسین خان صاحب کا میرے خط کے جواب میں خط آیا انہوں نے وہاں کی مردم شماری تین ہزار تین سو چھ آدمی لکھی ہے اور دکانیں ۱۹ بطور مختلف اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کی اجازت واسطے جماعت نماز جمعہ کے لکھی ہے جس کی روایت اپنے والد و دیگر اشخاص سے لکھی ہے اس سے تائید فتویٰ ہذا کی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اس پر مولانا صدیق احمد صاحب کاندھلوی کا والا نامہ آیا جو ذیل میں منقول ہے

ملجائے نیاز مندان جناب مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم العالی۔

از بندۂ ناچیز صدیق احمد عفی عنہ بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

معروض خدمت فیض درجت اینکہ والا نامہ شرف صدور لا کر باعث افتخار ہوا بندہ نے چاہا کہ فتویٰ عالیہ کو فی الفور ساران روانہ کر دے لیکن کوئی آدمی نہیں ملا اور نیز بندہ بڑوت چلا گیا تھا کل لفافہ ملا لیکن بندہ کو آپ کی تحقیق کے بعد چند خلجان فقہاء کے کلام میں لاحق ہو گئے اس لئے مؤدبانہ ان کی استکشاف کا متدعی ہے اولاً ارشاد ہے کہ موضع ساران اگر قصبہ نہیں ہے تو قریۂ کبیرہ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے آپ نے شامی میں و يقع فرضا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها اسواق کا حاشیہ لکھا ہے القصبات جمع قصبة وهي القرية فيكون عطف القرىٰ عليه عطف تفسيری جبکہ فقہاء کے نزدیک قصبہ اور قریۂ کبیرہ ایک چیز ہے یہ تفرقہ کیوں کیا جاتا ہے اگر یہ غرض ہے کہ ہمارے عرف میں قصبہ نہیں تو یہ امر خارج از بحث ہے آبادی کی مقدار کو قصبہ یا قریۂ کبیرہ کی تحقیق میں اگر دخل ہے تو اس وجہ سے ہے کہ تتبع سے معلوم

ہوا کہ اس مقدار میں شروط مصریت کا تحقق غالباً ہوجاتا ہے یعنی چار ہزار سے زائد میں وجود سکک واسواق وابنیہ مثل ابنیہ منیٰ قائم ہوجاتا ہے اور فقہائے سابقین سے بھی تخمین وتتبع منقول ہے چنانچہ عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں لا نسلم ان جواثی قریة بل هي مدينة كما حكينا عن البكري حتى قيل كان يسكن فيها فوق اربعة الاف والقرية لا يكون كذلك یعنی چار ہزار سے زائد میں مقدار قریہ نہیں ہوتی بلکہ قصبہ یا شہر ہوتی ہے اور حکام وقت کے عرف کا مقتضی بھی یہی ہے کہ چار ہزار سے کم قصبہ نہیں بناتے تو عرف شرعی اور عرف حکمائے تمدن کے اعتبار سے چار ہزار سے کم ہرگز قصبہ یا قریۂ کبیرہ نہ ہوا اور چونکہ عدد مذکور حد محدود ہے تو کسر کالعدم نہ سمجھی جاوے گی، اور حضرت خان کی حکایت غ پ شپ سمجھئے وہ ہرگز قابل التفات نہیں، باقی رہا اسواق وسکک وابنیۂ منیٰ سو بندہ ناچیز کے خیال میں یہ امور قری کبیرہ صغیرہ میں فارق و مابہ الامتیاز ہوئے ملاحظہ فرمایئے شیخ کمال الدین ابن الہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے۔

و قد و قع الشك في بعض قرى مصر مما ليس فيها وال و قاض نازلان بها بل لها قاض يسمى قاضي الناحية فياتي القرية احيانا ووال كذلك بل هومصر نظراً الى ان لهاواليا اولا نظراً الى عد مهمابها والذى يظهر اعتبار كونهما مقيمين بها و الا لم يكن قرية اصلا او كل قرية مشمولة بحكم قال في النهر مقتضى الشرط ان تبلغ ابنيتها ابنية منى وكذا ما هو عن الإمام من اشتراط ان يكون لها سكك و اسواق تمصرها ولو كانا مقيمين بها ويوافقه مامر عن الخلاصة اى من قوله الخليفة اذا سافر وهو في القرىٰ ليس له ان يجمع بالناس و سياتي مايؤيده ايضاً انتهى قلت ينبغي حمل كلام هذا الإمام المحقق على القرية المستو فية بقية الشروط لانه اجل من ان يخفي عليه مثل ذلك حاشية البحر لابن عابدين۔

حاصل کلام یہ ہے کہ محقق ابن الہمام کے کلام کا تبادر یہ ہے کہ قاضی اور والی اگر مقیم قریہ ہوں گے تو مصر اصطلاحی محقق ہوجائے گا، صاحب نہر نے اعتراض کیا کہ یہ غلط ہے وجود ابنیہ مثل منیٰ اور سکک اور اسواق کا وجود تحقق مصر اصطلاحی میں ضروری ہے چنانچہ اگر بادشاہ سفر کرکے مقیم قریہ ہو تو نماز جمعہ نہیں پڑھ سکتا اور مصر میں پڑھ سکتا ہے، صاحب ردالمحتار نے اعتراض تسلیم کرکے عذر کردیا کہ محقق کا کلام قریہ مستوفیہ شروط پر محمول ہے تو معلوم ہوا کہ مصر اصطلاحی کا تحقق وجود سکک واسواق وابنیہ پر موقوف ہے تو کم از کم ہر مصر میں تین کوچے اور تین بازار ہونے

چاہئیں اور عرف میں بازار دکاکین مجتمعہ مسلسلہ کا نام ہے لیکن مجمع البحار میں ہے۔ السوق سمیت بها لان التجار تجلب اليها و تساق المبيعات نحوها یعنی اس لئے سوق نام ہوا کہ تجار اس کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور اموال مبیعہ اس کی طرف لائے جاتے ہیں اور حد مصر میں بازار اس کا نام ہے کہ کثرت تجار و کثرت امتعہ خواہ متصل ہوں خواہ منفصل مگر کم سے کم تین جگہ بھیڑ بھڑ کا ہو علامہ عینی شعر امراء القیس کو استدلال میں لائے ہیں ورحنا كانا من جواثى عشية تعالى النعاج بين عدل و معقب يريد كانا من تجار جواثى بكثرة ما معهم من الصيد واراد كثرة امتعة تجار جواثى قلت كثرة الامتعة يدل غالباً على كثرة التجار و كثرة التجار على ان جواثى مدينة قطعا، انتهى۔ تو انصاف کی ضرورت ہے کہ قریہ ساران میں کہاں بھیڑ بھڑ کا تجار کی ہے اور کس جگہ کثرت ہے اور دکاکین متفرقہ کا مقامات متفرقہ میں بلا کثرت امتعہ و تجار کون سے بازار پر محمول کریں عرفی یا شرعی۔

میرا خیال ہے یہ ہے کہ بازار اصلا نہیں مگر چونکہ ہر قریہ میں بقدر جماعت سکان دو چار دکانیں ہوا کرتی ہیں اور ان دکانوں سے وہ قریہ ہونے سے خارج نہیں ہوتا اسی قسم کی سمجھئے اور مصر مصطلح میں جو بازار ہے وہ اہل سوق اور اہل تجارت بنانے کے لئے ہے جو خواص امصار و قصبات سے ہے جس کے اتصاف سے اہل قریٰ معریٰ ہیں غالباً یہی وجہ ہوگی کہ نماز کے باب میں جہاں کہیں امر کیا ہے جیسے اقم الصلوٰة لدلوك الشمس اور اقم الصلوٰة طرفى النهار وغیرہ وغیرہ اس میں تجارت وغیرہ سے کچھ تعرض نہیں کیا اور اطلاق رکھا اور خاص جمعہ میں اہل اسواق اور اہل تجارت کو خاصۃً خطاب فرمایا ہے يا ايها الذين امنوا اذا نودى للصلوة من يوم الجمعةفاسعوا الى ذكرالله وذرواالبيع اور آگے واذاراء تجارة او لهوان انفضوا اليها اور حاصل کلام والد مرحوم بحر العلوم یہ ہے کہ مصر وہ ہے کہ جس میں جميع ما يحتاج ملتی ہو بندہ کو تجربہ صحیحہ مکررہ سے معلوم ہو چکا کہ ما یحتاج اس قریہ میں نہیں ملتی کیا سونف کاسنی ہے وہ بھی ٹیکری سے لاتے ہیں اور جوامیر کی جگہ منصف مقرر کیا ہے قال في رد المحتار ثم المراد من الامير من يحرس الناس و يمنع المفسدين و يقوى احكام الشرع كذا في الدقائق، انتهى۔ اور ان حضرات کا کام صرف اتنا ہی ہے کہ بیس روپیہ کا دعویٰ مع سود وگری کر دیتے ہیں اور جو کہا جاتا ہے زمانۂ افغان میں بارہ تیرہ ہزار کی آبادی تھی اول تو دعوی بلا دلیل ہے علاوہ ازیں وجازت الجمعة بمنى فى الموسم فقط لوجود الخليفة او امير الحجاز والعراق او مكة ووجود الاسواق والسكك در مختار اى فلا يصح فى

منی فی غیر ایام اجتماع الحاج فیھا لفقد بعض الشروط رد المحتار۔

یہاں استصحاب حال کا محل نہیں بلکہ ارتفاع الحکم بارتفاع العلۃ ہے یعنی جواز جمعہ کی علت مفقود ہوئی اور عدم جواز یقینی ہوگیا الیقین لایزول بالشك کا محل نہیں رہا بلکہ الیقین لایزول الا بالیقین کا محل ہے اور جو حضرات قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی نسبت افتاء جواز جمعہ کیا گیا وہ محض افتراء ہے مجھ کو یقینی معلوم ہے کہ حضرت قدس سرہ چار ہزار سے زائد پر فتویٰ دیتے تھے لا غیر اور جو کچھ مفاسد جواز جمعہ کے فتویٰ سے لاحق ہوتے ہیں علماء کو ان کا لحاظ ضروری ہے نفل کی جماعت تداعی کے ساتھ بدعت اور مکروہ تنزیہی ہے اور ظہر جو اصل فریضۂ وقت ہے اس کا ترک یا جماعت کا ترک لازم آتا ہے اب بندہ منتظر ہے کہ ان مضایق سے میری خلاصی فرماویں۔ بینوا توجروا؟ راقم بندہ صدیق احمد از کاندھلہ۔

الجواب عن المکتوب السابق

بخدمت مولنا المخدوم والمکرّم دامت برکاتہم از احقر اشرف علی عفی عنہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ارشادات عالیہ کے بعد کچھ عرض کرنا بلا شبہ سوء ادب سے خالی نہیں لیکن جناب کا اذن اول رقیمۂ کریمہ میں اور امراس کے آخر میں حامل اظہار مافی الضمیر پر ہوا رجاعفو کے ساتھ یہ بھی التماس ہے کہ اس معروضہ پر اگر اور کچھ ارشاد ہوتو بدیں سبب کہ مکرر عرض کرنے کی میری ہمت نہیں مجھ کو اطلاع کی بھی حاجت نہیں ہے بلکہ اس سے احسن بشرطیکہ طبع سامی کو ناگوار نہ ہو یہ ہے کہ قلمبند فرما کر مع دیگر تحریرات سابقہ متعلقہ شقین کے دیوبند حضرت مولٰینا محمود الحسن صاحب مدظلہم کی خدمت میں یا سہارنپور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب دام فیضہم کے پاس ارسال فرمادی جاویں اور اگر مصلحت ہوتو دونوں شق کے مضامین کی محض نقل بلا اظہار نام صاحب مضمون بھیجدی جاوے تاکہ وہ حضرات اپنی رائے آزادی سے ظاہر فرماسکیں اور اگر حکم ہوتو وہاں بھیجنے کی خدمت کو انجام دیدوں پھر اگر باحتمال بعید احقر کے موافق ہوتب بھی اس کے مقتضائے پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے اور اگر جناب کے موافق ہوتو میں اس پر ضرور عمل کروں گا، اور اگر وہاں بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتو میں آخری رائے کا اعلام یا ان کے موافق فتویٰ نہ دوں گا، اب مدعا عرض کرتا ہوں، یہ ارشاد کہ حاشیہ لکھا ہے الخ حاشیہ میں نے نہیں دیکھا معلوم نہیں محشی کون ہیں اور علی تقدیر التسلیم صرف تسامح عنوان میں ہوگا معنوں پر نظر کر کے یوں کہدیا جاوے گا کہ یہ قصبہ

وقریۂ کبیرہ ہے باعتبار حقیقت کے گو باعتبار تسمیہ کے نہ ہو اور عمدۃ القاری کے قول والقریۃ لا یکون کذلک سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اتنی آبادی کو قریہ نہ کہیں گے مگر یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ اس سے کم کو قصبہ نہ کہیں گے چونکہ جواثی میں اتفاق سے چار ہزار سے زیادہ آبادی نہ تھی اس لئے کلام میں اسی عدد کا ذکر آ گیا اور ہر حال میں عدد مذکور چونکہ منصوص شرعی نہیں لہٰذا تحدید حقیقی نہ کہیں گے محض تخمین کہیں گے جس میں کسر کی کی بیشی غیر معتبر ہوتی ہے اور یہ صحیح ہے کہ تمصر میں وجود سکک اسواق وابنیہ مثل منیٰ کو دخل ہے لیکن قریۂ معہودہ میں سکک کا وجود تو ظاہر ہے ابنیہ بھی ہیں اور کثرت سے ہیں رہا منیٰ کی حد کو پہنچنا سو خود ابنیۂ منی ہی کا عدد معلوم نہیں کہ نفی اثبات میں مماثلت کا دعویٰ ہو سکے غالباً مقصود مثال سے کثرت معتد بہا ہے سو وہ حاصل ہی رہے اسواق سو میرے نزدیک اشتراط سوق کی جو بناء ہے کہ وہ لوگ دوسرے مصر کے غالب حوائج میں محتاج نہ ہوں اس پر نظر کر کے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ جمعیت اسواق کی عدد کے لئے نہیں بلکہ جنسیت کے لئے ہے ورنہ تین بازار تو بعض قصبات میں بھی نہیں اور اس بناء پر اتصال حوانیت کا شرط نہیں معلوم ہوتا، رہا مجمع کا قول سو وہ وجہ تسمیہ ہے جس کی غرض محض مناسبت مصححۃ الاطلاق کا بیان کرنا ہوتا ہے نہ کہ اس کا مدار حکم وجوداً و یقیناً ہوتا ہے جیسا کہ سفر کی وجہ تسمیہ میں کہا ہے لانہ یسفر ای یکشف عن اخلاق الرجال، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر کوئی سفر کاشف نہ ہو تو اس پر احکام سفر قصر وغیرہ مرتب نہ ہوں گے پھر بعد تسلیم تجار وامتعہ عام ہے قدر ضروری وزائد علیہ کو البتہ کم کالعدم ہے اور عینی کا قول و کثرۃ التجار علی ان جواثی الخ استلزم الکثرۃ للمدینۃ کو بتلاتا ہے اور ظاہر ہے کہ انتفاء ملزوم مستلزم نہیں ہے انتفاء لازم کو اور بعض اوقات ما یحتاج الیہ کا نہ ملنا یہ بسا اوقات ان قصبات میں بھی پیش آتا ہے جن کا قصبہ ہونا مسلم و متفق علیہ ہے اسی طرح ایسا امیر نہ ہونا بعض ان قصبات میں بھی پیش آتا ہے جن کا قصبہ ہونا مسلم و متفق علیہ ہے، جلال آباد ولوہاری میں پولیس کا افسر تک نہیں صرف چوکیدار رہتے ہیں مگر چونکہ یہ صرف امارات ہیں اس لئے ان کا فقدان مضر نہیں اور استصحاب کا حکم اس تقدیر پر کیا تھا کہ بعد قریۂ کبیرہ ثابت ہونے کے یقینی صغیرہ ہونا متخلل نہ ہوا ہو گو کبیرہ ہونا نہ ہونا مشتبہ ہو سو اگر کبیرہ ہونا مظنون بھی نہ ہوتا ہم مشتبہ ضرور ہے اس سے الیقین لا یزول بالشك کا یہ محل ہو سکتا ہے باقی اتنی آبادی کا ثبوت شہریت یا کاغذ اہل قریہ کے پاس ہوگا مجھ کو تحقیق نہیں اور اگر نہ بھی ہو تو یہ محض تائید تھی مدار حکم نہیں اور اسلام نگر میں فتویٰ صحت کا افتراء ہرگز نہیں حاجی محمد یٰسین خاں نہایت ثقہ آدمی ہیں اور مولانا کے نہایت جاں نثار اور فرماں بردار مخصوصین میں سے ہیں ان سے میں نے بھی سنا ہے اور مولانا

کا فتویٰ چار ہزار سے کم پر نہ ہونا باعتبار خاص حالات کے ہوگا جہاں دوسرے امارات بھی مرجح قریہ ہونے کے ہوں حاجی جی اب مدینہ طیبہ میں ہیں مگر خط منگایا جا سکتا ہے اور غالباً اسلام نگر میں اور بھی ثقہ راوی اس کے مشاہد موجود ہوں گے اور فیض محمد خان مقیم بڑوت سے میں نے مکرر اس حکایت کی تحقیق کو کہا ہے دوسرے یہ بھی محض تائیدتھی اور مفاسد جواز جمعہ فی القریٰ کے سب مسلّم ہیں مگر جبکہ یقین ہو عدم جواز جمعہ کا موضع معہود میں اسی میں کلام ہے۔ والسلام مع الاکرام خیر ختام۔ ۲۵ رصفر ۱۳۲۸ھ۔

اس کے بعد پھر ایک بار مراجعت مکاتبت کی ہوئی جس کی نقل محفوظ نہیں جس کے بعد خود اس احقر کو اپنے جواب میں تردد ہوگیا اور عمل میں مولانا صدیق احمد صاحب کے ساتھ میں نے موافقت کی۔ فقط (ترجیح ثانی ص ۱۷۱)

تحقیق شرط وجود امام در جمعہ

سوال (۵۴۳) نماز جمعہ کے انعقاد کے شرائط سے جو سلطان اور امام کا ہونا نزدیک امام صاحب کے معتبر ہے اب زمانۂ موجودہ میں یہ شرط نہیں پائی جاتی تو اس صورت میں جمعہ ہوسکتا ہے اگر ہے تو کیا اسباب ہیں جن سے احناف علماء نے اس شرط کو شرط نہ سمجھا، بحوالۂ کتب و اقوال تحریر فرمایئے، اگرچہ فی زماننا سب جگہ جمعہ ہورہا ہے؟

الجواب۔ **فی الهداية ولا يجوز اقامتها الالسلطان او لمن امره السلطان لانها تقام بجمع عظيم و قد تقع المنازعة فی التقديم و التقديم الخ وفی الدر المختار و نصب العامة الخطيب غير معتبر مع وجود من ذكر اما مع عدمهم فيجوز للضرورة،**

روایت اولیٰ سے معلوم ہوا کہ شرط وجود سلطان مقصود لذاتہ نہیں ہے بلکہ بحکمت سد فتنہ کے ہے پس اگر تراضی مسلمین سے یہ حکمت حاصل ہوجاوے تو معنیً یہ شرط مفقود نہ ہوگی چنانچہ روایت ثانیہ میں اس کی تصریح موجود ہے البتہ جہاں اور کوئی شرط صحت جمعہ کی مفقود ہو وہاں جائز نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ۲۰ رذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ج ا ص ۶۲)

حکم عدم اعادہ نماز عید بعد وقت

سوال (۵۴۴) بعد دو روز عید کے معلوم ہوا کہ نماز باطل ہوگئی تو دوہراویں یا نہیں؟

الجواب۔ نہ دوہراویں(۱) فی الدرالمختار وتوخر بعذر کمطر الی الزوال من الغد فوقتها من الثانی کالاول وتکون قضاء لاداء اھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ عید کی قضا صرف اگلے دن کے زوال تک ہے اس کے بعد نہیں وقال فی الرد تحت قوله مع الامام متعلق بمحذف حال من ضمیر الامن فاتت لان المعنی ان الإمام اداها وفاتت المقتدی لانها لوفاتت الإمام والمقتدی لقضی کما یاتی افاده فی معراج الدرایة وقال تحت قوله بعذر کمطر دخل فیه ما اذا لم یخرج الإمام وما اذا غم الهلال فشهدوابعد الزوال او قبله بحیث لا یمکن جمع الناس او صلاها فی یوم غیم وظهر انها و قعت بعد الزوال کما فی الدرر و شرحه للشیخ اسمعیل و فیه عن الحجه امام صلی العید علی غیر وضوء ثم علم بذلك قبل ان یتفرق الناس یتوضأ و یعیدون وان تفرق الناس لم یعید لهم و جازت صلاتهم صیانة المسلمین واعمالهم اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

ذیقعدہ ۲۲ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۲ ج ۱)

حکم خواندن خطبہ قاعداً

سوال (۵۴۵) خطبۂ جمعہ وعیدین بیٹھ کر جائز ہے یا نہیں، اگر خطیب ضعف کے سبب مجبور ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب۔ فی الدرالمختار ویسن خطبتان الی قوله وطهارة و سترعورة قائما

اس سے معلوم ہوا کہ قیام خطبہ کا سنت مؤکدہ ہے اور اگر واجب بھی ہوتا تب بھی عذر میں ساقط ہو جاتا کقیام الصلوٰۃ اور عیدین کا خطبہ مثل خطبہ جمعہ کے احکام میں ہے پس عذر میں خطبہ جمعہ وعیدین بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے (امداد ص ۶۵ ج ۱)

حکم جمعہ در قریٰ باذن سلطان اسلام

سوال (۵۴۶) در ملک افغانستان ایں قاعدہ است کہ بفرمائش امیر صاحب خلد اللہ تعالیٰ ملکہ بتحریک بعض عالم در قریٰ جمعہ قائم می کنند و برائے چار پنج قریہ یک خطیب از طرف بادشاہ مقرر باشد فقط اذن بادشاہ را از اشتراط مصر معنی می پندارند دریں علاقہ اگر کدام یکے بجمعہ حاضر نشود و خطیب صاحب انکاری کنند گا ہے نوبت بشکایت نزد حاکم ملک می رسد در صورت مذکورہ

(۱) یہاں پر تصحیح الاغلاط ص ۹ کالم نمبر ۲ سے عبارت میں ترمیم کی گئی ہے۔ ۱۲ مرتب

دو رکعت جمعہ از ظہر خلف میشود یا نہ در تاخیر ازاں بعذر رحیلہ آ ثم خواہد شد یا نہ؟

الجواب۔ قال الشامی قال ابوالقاسم ھذا بلا خلاف اذا اذن الوالی القاضی الی قولہ وصلوا فی القریٰ لزمھم اداء الظھر وھذا اذا لم یتصل بہ حکم فان فی فتاویٰ الدیناری واذا بنی مسجد بامرالإمام فھو امر بالجمعۃ اتفاقاً پس در صورت مسئولہ جمعہ صحیح است، لکن وقت تبدیل حکومت اذن امیر سابق غیر کافی ست اذن امیر جدید شرط ست قال الشامی لا یبقی الی الیوم الأذن بعد موت السلطان الأذن بذلک الا اذا اذن بہ ایضا سلطان زماننا نصرہ اللہ ص ۸۴۰ واللہ اعلم

۲۰ محرم ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۵ ج ۱)

اگر اثنائے خطبہ جمعہ وعیدین یاد آوے کہ صلوۃ فجر نہیں پڑھی تو کیا کرے

سوال (۵۴۷) اگر خطبۂ عیدین یا جمعہ میں امام کو خیال آیا کہ نماز فجر نہیں پڑھی تو کیا کرے؟

الجواب۔ فی الدرالمختار باب الجمعۃ ولو خطب جنبا ثم اغتسل و صلی جاز وفیہ و اذا خرج الإمام فلا صلٰوۃ ولا کلام الی تمامھا خلا قضاء فائتتہ لم یسقط الترتیب بینھا و بین الوقتیۃ فانھا لا تکرہ سراج وغیرہ لضرورۃ صحۃ الجمعۃ۔

اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ تو درست ہو جائے گا، لیکن جمعہ نہ پڑھاوے اگر صاحب ترتیب ہو بلکہ دوسرے سے پڑھاوے اور خطبۂ عیدین میں یاد آوے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ ترتیب خود فرائض وعیدین کی نماز میں بھی واجب نہیں اور خطبہ میں تو کہیں بھی واجب نہیں ہوتی، فی الدرالمختار باب قضاء الفوائت الترتیب بین الفروض الخمسۃ والوتر اداء وقضاء لازم وفی ردالمحتار ودخل فیہ الجمعۃ۔ فان الترتیب بینھا و بین سائر الصلوات لازم فلوتذکرانہ لم یصل الفجر یصلیھا ولو کان الإمام یخطب اسمعیل عن شرح الطحاوی۔اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ۶۲ ج ۱)

حکم بودن امام در جمعہ وعیدین غیر خطیب

سوال (۵۴۸) جمعہ وعیدین میں امام اور ہو اور خطیب دوسرا شخص ہو تو کچھ مضائقہ تو نہیں اگر عذر ہو مثلاً امام جماعت باعتبار تقوی طہارت قراءت قرآن وغیرہ کے افضل ہو اور خطبہ

میں بوجہ عدم عربیت غلطیاں کرتا ہو تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے۔

الجواب۔ في الدرالمختار في الشرط الخامس للجمعة لكن سيجيئ انه لا يشترط اتحاد الإمام والخطيب ثم و في وعده بقوله فيما بعد لا ينبغي ان يصلي غير الخطيب الى قوله جاز هو المختار ۔ اس سے معلوم ہوا کہ بلا عذر بھی جائز ہے مگر خلاف اولیٰ اور عذر سے خلاف اولیٰ بھی نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۵ ج ۱)

حکم جمعہ در آبادی متصل شہر

سوال (۵۴۹) مدت سے اس بابت میں شک ہے کہ جمعہ ہمارے محلّہ میں جو کہ شہر الہ آباد سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور بالکل دیہات ہے اور ہم لوگوں کو تمام اشیاء ضروری استعمال کی شہر ہی سے لانا پڑتا ہے جائز ہے یا نہیں اور پھر لوگ جو چار رکعت نماز جمعہ کی پڑھ لیتے ہیں یہ کیسا ہے چنانچہ میں بھی ایک بزرگ کے کہنے سے اپنے محلّہ میں بعد ادائے جمعہ چار رکعت فرض بھی پڑھ لیتا ہوں امید ہے کہ جواب شافی سے مطلع فرمائیں؟

الجواب۔ في الدرالمختار او فناؤه وهو ماحوله اتصل به اولا كما حرره ابن كمال ابن الكمال لا جل مصالحه كد فن الموتى وركض الخيل في رد المحتار وان اعتبرت لتكية قرية مستقلة فهي مصر على تعريف المصنف۔

ان روایات سے مفہوم ہوا کہ اگر یہ مقام جس کی نسبت سوال ہے مستقل آبادی شمار کی جاتی ہے تب تو بوجہ قریہ ہونے کے اس میں جمعہ جائز نہیں اور اگر مستقل آبادی نہیں سمجھی جاتی بلکہ شہر کے متعلق قرار دی جاتی ہے اور شہر کے مصالح عامہ اس سے متعلق ہیں جیسے گھوڑ دوڑ اور چاند ماری اور لشکر کا پڑاؤ اور گورستان و مثل ذلک تو اس میں جمعہ جائز ہے اور ظہر احتیاطی کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۴ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۷۱ ج ۱)

عذر بودن حر شدید کہ از وخوف مرض بود در جمعہ

سوال (۵۵۰) اگر کسی کو ایسا مرض ہوا کہ اگر صبح کو وہ جامع مسجد جمعہ کے دن جانا چاہے تو جا سکتا ہے اور اگر دو پہر کے وقت یا ۱۰ بجے جانا چاہئے تو نہیں جا سکتا اس وجہ سے کہ آج کل دھوپ سے اس کو سخت مضرت ہوتی ہے تو ایسے شخص کو جمعہ پڑ کے لئے صبح کو جانا واجب ہے یا نہیں یا جمعہ اس سے معاف ہے؟

الجواب۔ فی ردالمحتار تحت قول الدر المختار فی اعذار ترك الجماعة و برد شديد مانصه لم يذكر الحر الشديد ايضاً ولم ار من ذكره من علمائنا ولعل وجهه ان الحر الشديد انما يحصل غالباً فی صلوة الظهر وقدكفينا مؤنته بسنية الابراد نعم قديقال لو ترك الإمام هذه السنة وصلی فی اول الوقت كان الحرالشديدعذرا تامل وفی اعذار ترك الجماعة من الدرالمختار وحل و ثلج ونحوهما فی رد المحتار ای كبرد شديد كما قد منا ہ فی باب الإمامة ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر دھوپ [1] سخت مضر ہو اور چھتری کی حفاظت کافی نہ ہو تو ترک جمعہ کے لئے عذر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ ۵؍ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۷۱ ج ۱)

مسئلۂ احتیاط ظہر بعد جمعہ

سوال (۵۵۱) بعد ادائے صلوۃ جمعہ جو لوگ چار رکعت بوجہ اشتباہ ادائے جمعہ وفقدان بعض شرائط جمعہ پڑھتے ہیں ان کا ادا کرنا احتیاط ہے یا ادا نہ کرنا احتیاط ہے یا خواص کو درست ہے اور عوام کو نہیں یا خواص وعوام دونوں کو درست ہے نفس مسئلہ کیا ہے اور آجکل کے اعتبار سے کیا حکم ہے؟

الجواب۔ ردالمختار میں بعد ایک بحث طویل کے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے نعم ان ادی الی مفسدة لا تفعل جهاراوالكلام عند عدمها ولذا قال المقدسی نحن لانامر بذلك امثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة اليهم اھـ۔ اور چونکہ اس میں کہا گیا ہے کہ لانا مر العوام اس لئے میں بھی کہتا ہوں لم اترجم هذة العبارة لا نی لا ادل عليها العوام لان الدلالة نوع من حملهم عليه ۔ والله اعلم۔

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۷۸ ج ۱)

سوال (۵۵۲) آیت پہلی ﴿ومن يبتغ غير الاسلام ديناً فلن يقبل منه وهو فی الاٰخرة من الخٰسرين﴾۔

دوسری آیت:- يا اهل الكتاب لا تغلوا فی دينكم ۔

تیسری آیات:- اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتی۔

(۱) جمعہ کو جماعت پر قیاس کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ جمعہ فرض ہے اور جماعت مستحب یا سنت موکدہ یا واجب فلا یقاس علیہا اور اگر صحیح ہو تو پھر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ہندوستان میں ایسی گرمی ہوتی بھی ہے یا نہیں کیونکہ اندیشہ ہے کہ نازک مزاج لوگ اس فتوے کو حیلہ بنا کر جمعہ وجماعت کا اہتمام چھوڑ دیں۔ ۱۲ (تصحیح الاغلاط ص ۱۰)

چوتھی آیت:۔ ام لھم شرکاء شرعوالھم من الدین مالم یأذن به الله ۔

پہلی حدیث میں من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو رد ۔

دوسری حدیث من عمل عملا لیس علیه امرنا فھورد۔

تیسری حدیث۔وایاکم محدثات الامور فان کل محدث بدعة وکل بدعة ضلالة۔

چوتھی حدیث من ابتدع بدعة ضلالة لا یرضٰھا الله ورسوله کان علیه من الاثم مثل اٰثام من عمل بھا لا ینقص ذلك من اوزارھم شیئا، موافق مطلب ان آیات کریمہ اوراحادیث صحیحہ کے نماز احتیاط الظہر پڑھنا منع ہوگا یانہیں؟

الجواب۔صحاح میں مروی ہے کہ سعد بن ابی وقاص اورعبداللہ بن زمعہ نے زمعہ کی لونڈی کے بچہ میں نزاع کیا جناب رسالت مآب ﷺ نے حسب قاعدۂ شرعیہ الولد للفراش اس بچہ کوزمعہ کا بیٹا قرار دیا اور بسبب مشابہت عتبہ بن ابی وقاص کے آپ نے اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت ام المؤمنین سودہ بنت زمعہ کواس سے حجاب کرنے کا حکم فرمایا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تعارض ادلہ کے وقت گوان ادلہ میں ایک دلیل ضعیف ہی ہو جمیع بین الادله و عمل بمقتضیات کل منھا احتیاط مشروع ومسنون ہے پس اسی کی نظیر ہے جمع بین الجمعة والظھر جس کو ظہر احتیاطی کہتے ہیں اور گوعدم صحت جمعہ کی کوئی دلیل ضعیف ہی ہو مگر حدیث مذکور نص ہے کہ مقتضا احتیاط کا دلیل ضعیف کا بھی اعتبار کرنا ہے جیسا کہ مشابہت دلیل ضعیف ہے اور پھر بھی اس کا اعتبار کیا گیا پس ظہر احتیاطی کی اصل سنت سے نکل آئی تو اس کا پڑھنا آیات واحادیث مذکورۂ سوال کے خلاف نہ ہوگا اور اس سے اصرح وہ حدیثیں اس کا ماخذ ہوسکتی ہیں جن میں وقوع شک کی صورت میں بناء علی الاقل کا اورصلوۃ مؤداۃ مع الکراہۃ کے اعادہ کا حکم ہے بناء علی الاقل میں احتمال تکرار رکعت کا ہے اس سے مشکوک کے تدارک بمثلہ کی مشروعیت ثابت ہوئی کیونکہ غیر مشروع کا تو احتمال بھی مانع جواز ہے اوراعادہ میں تو یہ تدارک یقینی ہے پس جہاں جمعہ مشکوک ہواس کا تدارک بالظہر بالیقین اس کی نظیر ہے لان الجمعة الفائتة تجبر بالظھر اجماعاً وھھنا کالفائتة حیث احتمل فقد شرط اووجود مانع فافھم، اور یہ تقریر ظہر احتیاطی کی فی نفسہ مشروعیت کی ہے اوراگرکسی عارض خارجی سے منع کیا جاوے تو وہ اس کے منافی نہیں چنانچہ اس وقت اکثر علمائے محققین عوام کے غلو اعتقادی وعملی کو دیکھ کر منع فرماتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مبنی اس کی

مشروعیت کا محض احتیاط تھی جس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود احتیاط ہے جب غلو ہو گیا تو اب پڑ سے اصل مقصود فوت ہو گیا کہ اس احتیاط سے زیادہ بے احتیاطی ہو گئی اس لئے اب احتیاط نہ پڑ میں سمجھی جاوے گی۔ واللہ اعلم۔ ۶ رمحرم ۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۲۶)

سوال (۵۵۳) کسی آیت کریمہ و احادیث صحیحہ و اجماع قویہ و قیاس جلیہ سے نماز احتیاط ظہر پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب۔ سوال اول کے جواب میں ہمیں اس کا ماخذ سنت(۱) سے مذکور ہو چکا ہے پس باعتبار ثبوت کے سنت سے ثابت ہے اور باعتبار ظہور کے قیاس سے ظاہر ہے۔ (تاریخ و حوالۂ بالا ص ۲۷)

ائمہ مجتہدین سے احتیاط الظہر الخ

سوال (۵۵۴) امام ابوحنیفہؒ و مالکؒ و شافعیؒ و احمدؒ محمدؒ و ابو یوسفؒ و زفرؒ و حسنؒ سے خود احتیاط الظہر پڑھنا یا دیہات والوں کو حکم دینا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اور ائمہ کے مذہب پر تو نظر نہیں مگر امام صاحب کے قول معمول بہ جمع بین الوضوء بالماء المشكوك والتيمم کا اس کی نظیر ہونا معنی اس ظہر کا ان کی طرف منتسب ہونا ہے کیونکہ جو قول امام صاحب کے قواعد سے ماخوذ ہو وہ بھی حسب تصریح فقہاء ملحق باصل المذہب ہے اور صریحاً اس کا منقول نہ ہونا اس لئے مضر نہیں کہ اس وقت اس کا داعی پیش نہ آیا ہو لعدم الشک فی الشروط، کتبہ اشرف علی۔ ۶ رمحرم ۱۳۲۸ھ۔

سوال (۵۵) احتیاطی ظہر پڑھنا قرآن و حدیث کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ جہاں صحت جمعہ میں شبہ ہوا ایسا کرنا جمع بین الادلہ ہے جو شرعاً ثابت ہے حدیث الولد للفراش واحتجبی منہ یا سورۃ اس کی دلیل ہے۔ (تتمۂ خامسہ ص ۲۴۳)

حکم جماعت کردن معذورین در صلوۃ ظہر بیوم جمعہ

سوال (۵۵۵) مسافرین خواہ مقیمین جنہوں نے کہ نماز جمعہ نہیں پائی ظہر کی جماعت کر سکتے ہیں یا نہیں اور جامع مسجد میں بھی کر سکتے ہیں یا کسی دوسری مسجد میں، بینوا توجروا؟

الجواب۔ في الدرالمختار وكره تحريماً لمعذور ومسبحون ومسافر اداء ظهر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة و صورة المعارضة

(۱) یعنی قصہ زمعہ کا ۱۲

وافادان المساجد تغلق یوم الجمعۃ الا الجامع وکذا اھل مصر فاتتھم الجمعۃ فانھم یصلون الظھربغیراذان ولااقامۃ ولا جماعۃ ویستحب للمریض تاخیرھا الی فراغ الإمام وکرہ ان لم یوخر ھو الصحیح فی رد المحتار قولہ الا الجامع ای الذی تقام فیہ الجمعۃ لئلا یجتمع فیہ احدٌ بعدھا الی قولہ لکن لا داعی الی فتحہ بعدھا فیبقی مغلوقاً الی وقت العصر (ج ۱ص۸۵۶)

اس سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ ظہر جماعت سے نہیں پڑھ سکتے نہ جامع مسجد میں نہ کسی دوسری مسجد میں۔ ۱۷رشوال ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص۹۱)

سوال (۵۵۷) اگر چند مسافر بروز جمعہ مجتمع شوند نماز ظہر را بجماعت خواندن روااست یا نہ اگر بارے کسے خواند بوداوراچہ حکم است وہر جاکہ شرط جمعہ یافتہ نشود دوران جامسجد جامع ہم نیست حکمش چیست؟

الجواب۔ فی الدرالمختار وکرہ تحریماً لمعذور ومسبحون ومسافر اداء ظھر بجماعۃ فی مصر قبل الجمعۃ وبعدھا فی رد المحتار قولہ لمعذور وکذا غیرہ بالاولی قولہ فی مصر بخلاف القری لانہ لا جمعۃ علیھم فکان ھذا الیوم فی حقھم کغیرہ من الایام شرح المنیۃ وفی المعراج عن المجتبی من لا تجب علیھم الجمعۃ لبعد الموضوع صلوا الظھر بجماعۃ (ج ۱ص۸۵۶)

ازیں روایات جواب ہر سہ سوال برآمد یعنی ایں جماعت روانیست واگر جماعت گزارند فرض ادا شد وجائکہ جمعہ واجب نیست دراں ظہر بجماعت گزارہ شود۔ ۱۹ رذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص۱۰۱)

سوال (۵۵۸) چونکہ برمسافر جمعہ واجب نیست ہر جاکہ مقیمان ومسلمانان کثیرانداد را نماز ظہر منفرد خواندن ہیچ گناہ عنداللہ شود یانہ؟

الجواب۔ نہ۔لان الاثم بترکھا یستلزم وجوبھا وقد فرض انہ لاوجوب۔ البتہ اگر درعین وقت جماعت درمسجد جمعہ حاضر باشد دریں صورت خاص تردد دارم، قیاساً علی توقف صاحب البحر فیما لواقیمت وھو(ای الاعمی)حاضر فی المسجد واجاب بعض العلماء بانہ ان کان متطھراً فالظاھر الوجوب لان العلۃ الحرج وھو منتف الخ ۱ ص ۸۵۳۔ (تاریخ وحوالہ بالاص۱۰۲)

اگر عیدین بروز جمعہ واقع ہوں تو جمعہ کی نماز واجب رہتی ہے یا نہیں

سوال (۵۵۹) اگر جمعہ کے روز عید الفطر یا عید الضحیٰ ہو تو جمعہ کی نماز واجب رہتی ہے یا نہیں؟

الجواب۔ دونوں واجب ہیں۔ **فی رد المحتار ، اما مذهبنا فلزوم کل واحد منهما اھ۔** ۱۸؍ شوال ۱۳۲۵ھ (امداد اول ص ۹۴)

جواب مصالح جمعہ در قریٰ

سوال (۵۶۰) جن گاؤں اور قریوں میں سوسو پچاس پچاس نمازی ہوں ان کا جمعہ قائم کرنا مستحسن ہے یا نہیں نہ فرض اور واجب تجربہ سے ثابت ہے کہ ان کو جمعہ کی عظمت اور وقعت ہے اس کے ادا کرنے سے اور پنجگانہ نماز کا بھی شوق رہتا ہے ورنہ کسل اور سستی ہو جاتی ہے حتیٰ کہ نمازیں چھوڑ دیتے ، ایسی حالت میں اگر ان کو کوئی منع کرے تو مصیب ہے یا مخطی اور ایسے وقت پر حنفیہ کو مذہب شافعی جواز جمعہ فی القریٰ اور گاؤں پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب۔ **فی الدرالمختار نواقض الوضوء لکن یذهب لخروج من الخلاف لاسیما للإمام لکن بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروه مذهبه و فی رد المحتار فی بعض المسائل لو افتی به ای بمذهب مالك فی موضع الضرورة الخ۔**

ان روایات سے معلوم ہوا کہ دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنا یا تو اس وقت جائز ہے جب اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب نہ آوے اور یا موضع ضرورت میں جائز ہے اور ظاہر ہے کہ جمعہ میں نہ تو کوئی ضرورت ہے اور جو مصلحتیں لکھی ہیں یہ حد ضرورت کو نہیں پہنچیں کیونکہ ضرورت کی حقیقت یہ ہے کہ بدون ان کے کوئی ضرر لاحق ہونے لگے اور ضرر سے مراد حرج اور تنگی اور مشقت ہے سو یہ امور متحقق نہیں اور جمعہ پڑھنے سے اپنے مذہب کے چند مکروہات کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے۔

اول :۔ نفل کی جماعت۔

دوم :۔ نوافل نہار میں جہر۔

سوم :۔ غیر لازم کا التزام۔

چہارم :۔ ترک جماعت فرض ظہر۔

پنجم :۔ اگر کوئی ظہر نہ پڑھے تو ترک فریضہ کہ حرام اور فسق ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ مصر

شرائط جواز جمعہ سے ہے شرائط وجوب سے نہیں پس یہ احتمال بھی دفع ہوگیا کہ اگر واجب نہیں تو جائز تو ہو جائے گا، لہٰذا صورت مسئولہ میں جمعہ پڑھنا حنفیہ کے نزدیک ممنوع اور ناجائز ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۶؍ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۹ ج ۱)

نیت اداء در گزاردن سنت قبلیہ بعد جمعہ

سوال (۵۶۱) ظہر کی چار سنتیں جو فرض سے پہلے پڑھی جاتی ہیں جماعت کے فوت ہونے کی وجہ سے اگر ان کے پڑھنے کی نوبت نہ آوے تو بعد ادائے فرض ان چار سنتوں کی قضا کی جاوے گی یا ادا کی؟

الجواب۔ ان سنتوں میں ادا کی نیت ہوگی کیونکہ وقت ظہر باقی ہے صرف ترتیب بدلی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ ۱۸؍شوال ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۴ ج ۱)

حکم خواندن جمعہ برائے اجیر ممنوع از جمعہ

سوال (۵۶۲) زید نے بوجہ تہیدستی و غریب الوطنی کے عمر کی نوکری کی لیکن عمر بوجہ ہرج ہونے کام کے زید کو مہلت نماز جمعہ پڑھنے کی نہیں دیتا ہے اور زید مجبور ہے آیا اس حالت میں نماز ظہر مجبوراً پڑھنے سے فرض جمعہ کا اس سے ساقط ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ مستاجر یعنی آقا کو جائز نہیں کہ اجیر یعنی نوکر کو نماز جمعہ سے کہ فرض ہے منع کرے اور نہ اجیر کو اس کا چھوڑنا جائز ہے اور اگر باوجود اس کے جمعہ میں حاضر نہ ہوا اور ظہر پڑھ لیا تو جمعہ ساقط ہو جائے گا لیکن ترک جمعہ سے گنہگار رہوگا۔ البتہ اگر اجیر کو جمعہ میں آنے جانے سے چوتھائی دن خرچ ہوگیا تو چوتھائی اجرت اس دن کی کم کردی جائے گی اور اگر اس سے کم صرف ہو تو پوری اجرت واجب ہے۔

والاصح وجوبها على مكاتب ومبعض واجير ويسقط من الاجر بحسابه لو بعيد اوالا لا۔ درمختار۔ قوله واجير مفاده انه ليس للمستاجر منعه وهو احد قولين وظاهر المتون يشهدله كما في البحر قوله بحسابه لو بعيدا فان كان قدر ربع النهار حط عنه ربع الاجرة وليس للاجيران يطالبه من الربع المحطوط بمقدار اشتغاله بالصلوة تاترخانية ردالمحتار۔ والله اعلم

۱۹؍صفر ۱۳۰۴ھ (امداد ص ۹۶ ج ۱)

حکم خواندن خطبہ

سوال (۵۶۳) (۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

السلام علیکم ورحمۃالله علیه وبرکاته۔ماترشدون ایهاالکرام الراسخون فی العلوم الدینیة فی قرأة الخطبة باللسان العجمی علی قوم لا یعلم العربی منهم الا البعض فهل جائزة ام لا۔

الجواب۔ مکروهة والدوام علی المکروه یزیده کراهة والاکتفاء علی العجمی اشد فی الکراهة من اختلاطه بالعربی۔

سوال (۲) فان لم تجز فهل هی کراهة ام غیرها وماذاحکم الترجمة بالعجمی مع قراء ة العربی فی هذه الصورة۔

الجواب۔ ان کان احیانا لضرورة وقتیة بدون جعلها جزءً من الخطبة فلا باس۔

حکم تعداد نماز عید وادا شدنش درہماں روز

سوال (۵۶۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ میں نماز عید الاضحیٰ دو مقام پر ہوتی ہے عیدگاہ میں اور جامع مسجد میں اور ہر دو جگہ جماعت کثیر ہوتی ہے چند لوگ نماز پڑھنے کے لئے عیدالاضحیٰ کی طرف چلے عیدگاہ کے قریب پہونچے تو معلوم ہوا کہ نماز عیدالاضحیٰ ہوگئی وہاں سے واپس پلٹے اور طرف جامع مسجد کے چلے اور جب یہاں آئے تو جامع مسجد میں بھی نماز نہ ملی اور نماز کا وقت ابھی بہت باقی ہے پس یہ لوگ اور اور لوگ جن کو نماز نہیں ملی سب مل کر کسی مسجد میں اسی قصبہ کے نماز عیدالاضحیٰ ساتھ وجماعت وامام کے پڑھیں تو یہ نماز ان کی قضا میں شمار کی جاوے گی یا ادا میں اور ان لوگوں نے نماز قبل زوال پڑھی ہے۔

الجواب۔صورۃ مذکورہ میں نماز عید صحیح ہوگئی وتودی بمصر واحد بمواضع کثیرة اتفاقا درمختار، اور ادا ہوگی کیونکہ ادا کہتے ہیں واجب کو اس کے وقت میں کرنے کو، ثم الاداء فعل الواجب فی وقته درمختار، اور وقت عیدین کا ارتفاع شمس سے قبل زوال تک ہے، ووقتها من ارتفاع الزوال باسقاط الغایة، درمختار، پس جب زوال سے پہلے پڑھے تو اپنے وقت میں واقع ہوئی اس لئے ادا ہوگی۔ واللہ اعلم۔ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۰۴ھ (امداد ج ۱ ص ۹۷)

متعدد مساجد میں صلوۃ عیدین کا حکم

سوال (۵۶۵) حضور کے رسالہ بہشتی گوہر میں تحریر ہے کہ نماز عیدین بالاتفاق متعدد مساجد میں جائز ہے اور فقہاء نماز عیدین کے لئے خروج الی الجبانہ سنت مؤکدہ لکھتے ہیں اور خلاف سنت مؤکدہ مکروہ تحریمی ہے لہٰذا حضور کی تحریر جواز میں شبہ پڑا کہ جائز مع الکراہت ہے یا بے کراہت ہے اور کراہت بھی تحریمی ہے یا تنزیہی، اس شبہ کا دفعیہ فرماویں؟

الجواب۔ بہشتی گوہر میں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ درمختار کا ہے اس میں بموضع کثیرہ کا لفظ ہے یہ مترجم کی لغزش ہے، مقصود یہ ہے کہ جیسا جمعہ کے جواز تعدد میں اختلاف ہے اس میں وہ اختلاف نہیں اس لغزش کی یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ مسجد کو معنی لغوی پر محمول کرلیا جاوے یا مساجد کو معنی شرعی پر محمول کرلیا جاوے یا مساجد کو معنی شرعی پر محمول رکھ کر معذورین کے حق میں اس کو کہا جاوے جو عیدگاہ نہ جاسکیں۔ فقط۔ واللہ اعلم۔ ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۱۴)

تاخیر نماز عیدالضحیٰ بعذر تا یوم ثانی

سوال (۵۶۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ نماز عیدالضحیٰ قصبۂ ہسوہ میں روز سہ شنبہ ۱۰ ذی الحجہ کو ہوئی اور شہر فتح پور میں کہ اس قصبہ سے تین کوس ہے وہاں نماز عیدالاضحیٰ بروز چہارشنبہ ۱۱ ذی الحجہ کو ہوئی۔ چند شخص نمازی اس قصبہ کے کسی مقدمہ میں ماخوذ ہوکر عدالت فتح پور میں گئے اور بروز شنبہ بسبب مقدمہ کے فتح پور میں رہے اور بروز چہارشنبہ ۱۱ ذی الحجہ وقت صبح وہ لوگ ہسورہ میں آئے پس ان بارہ تیرہ آدمیوں نے ایک شخص کو امام کیا اور نماز عیدالضحیٰ ۹ بجے دن ۱۱ ذی الحجہ چہارشنبہ کو پڑھی موافق شہر فتح پور کے تو یہ نماز ان کی درست ہوئی یا نہیں یہ نماز عیدالضحیٰ کی نماز میں شمار ہوگی یا نفل میں۔ بینوا توجروا؟

الجواب۔ تاخیر نماز عیدالضحیٰ کی بارہویں تک اگر بعذر ہو تو بے کراہت اگر بے عذر ہو تو بکراہت جائز ہے لكن هنا يجوز تاخيرها الى اخر ثالث ايام النحر بلا عذر مع الكراهة وبه بدونها درمختار، پس صورت مسئولہ میں نماز بلا کراہت صحیح ہوئی اور نفل شمار نہ کی جاوے گی۔ واللہ اعلم۔ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ (امداد ص ۹۷ ج ۱)

جواز صلوۃ عید بجماعۃ بعد فراغ امام در جائے دیگر

سوال (۵۶۷) حضور کا کارڈ مرسلہ کمترین کے سوالات کے جوابات کا پہنچا کمترین کو

سوال (۱) کے جواب میں [۱] میں شبہ ہے امید ہے کہ حضور تسلی فرمائیں گے وہ شبہ یہ ہے کہ عبارت قدوری ومن فاتته صلوة العيد مع الإمام لم يقضها (ص۳۸ باب صلوۃ العیدین) سے اس کے عدم جواز کا شبہ ہوتا ہے، اب اس میں حسب ذیل سوالات ہیں۔

(۱) اس جملہ کے کیا معنی ہیں۔

(۲) اس جملہ سے عدم جواز ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔

(۳) کمترین نے اس کے معنی یہ سمجھے ہیں کہ اگر کسی شخص کو عید کی نماز جماعت کے ساتھ نہ ملے تو مثل نماز جمعہ کے پھر اس کو نہیں پڑھ سکتا، اگر چہ وقت باقی ہو، کیونکہ اگر لم یقضها سے مراد وقت گزرنے پر قضاء کرنا ہوتا تو مع الإمام کی قید لا حاصل تھی اگر یہ کہا جائے کہ اگر ایک یا دو یا چار شخصوں کو جماعت عید نہ ملے تو ان کے لئے لم یقضها کا حکم ہے نہ کہ جماعت کثیر کے لئے تو کنز الدقائق کی عبارت ولم تقض ان فاتت مع الإمام (باب العیدین) اس کی تائید کرتی ہے کہ فعل مجہول ذکر کیا گیا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب۔ درمختار میں بہت صاف عبارت ہے جس سے دوسری عبارات کی شرح ہوجاوے گی، ولا يصليها وحده ان فاتت مع الامام ولو بالافساد اتفاقاً في الاصح ولو امكنه الذهاب الى الإمام اخر فعل لانها تؤدى بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقا فان عجز صلى اربعاً كالضحىٰ و في ردالمحتار قوله مع الإمام متعلق بمحذوف حال من ضمير فاتت لا بفاتت لان المعنى ان الإمام اداها و فاتت المقتدى۔ اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ لا یقضی یا لم تقض کے یہی معنی ہیں کہ منفرداً نہ پڑھے اگر چہ شروع کر کے فاسد کردی ہو باقی اگر ایک امام کے ساتھ نہ ملی ہو دوسرے امام کے ساتھ پڑھ لینا بہتر ہے اور اس تقریر میں سب نمبروں کا جواب ہوگیا۔ ۱۹/ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۱۰۲)

دراثنائے خطبہ ترجمہ وغیرہ کردن

سوال (۵٦۸) جمعہ کے خطبوں کے درمیان میں یا آخر بطور وعظ خطبہ کا ترجمہ کردینا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) وہ سوال وجواب یہ ہے۔

سوال۔ عید کی نماز ہونے کے بعد اگر بہت سے آدمی جمع ہو کر کسی دوسری مسجد یا جامع مسجد میں دوسری جماعت عید کریں تو جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ جائز ہے۔ ۱۲۔

الجواب۔[1] جائز ہے ھکذا یستفاد من العالمگیریہ۔ واللہ اعلم۔
۲؍رمضان ۱۳۱۹ھ (امداد جلداول ص ۹۶)

سوال (۵۶۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطبۂ جمعہ میں قرآن شریف اوراحادیث کی عبارت پڑھ کے اس کا ترجمہ زبان ہندی میں سمجھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک سے اب تک امت میں یہی تعامل و توارث رہا کہ خطبہ میں اورکوئی غیر چیز لاحق نہیں کرتے اس لئے فقط خطبۂ عربی پر اکتفا کرنا چاہئے ترجمہ وغیرہ کرنا بہتر نہیں ہاں اگرکوئی نصیحت مناسب وقت کسی واقعہ درپیش شدہ میں کردے جائز ہے۔ یکرہ للخطیب ان یتکلم فی حال الخطبۃ الا ان یکون امر المعروف کذا فی الفتح القدیر عالمگیریہ (ج۱ص ۱۴۵) و یروی رجوعہ فی اصل المسئلۃ الی قولھما و علیہ الاعتماد والخطبۃ والتشھد علی ھذا الاختلاف ۱۲ ھدایہ اقول فلما ثبت الرجوع عنہ فی القراء ۃ بالفارسیۃ ثبت فی الخطبۃ بھا۔ فقط واللہ اعلم
(امداد ص ۱۰۳ ج ۱)

ایضاً

سوال (۵۷۰) ما قولکم رحمکم اللہ ربکم اندرین مسئلہ، کہ جمعہ کے خطبوں کے درمیان یا آخر بطور وعظ خطبہ کا ترجمہ کردینا جائز ہے یانہیں؟

جواب سوال۔ جائز ہے۔ ھکذ ایستفاد من العالمگیریہ واللہ اعلم و فتاوی اشرفیہ حصہ اول مطبوعہ قیومی پریس ۱۳۴۵ھ ص ۱۳۴ اس سوال وجواب مرقومہ بالا میں بندہ کو شبہ ہے کہ یہ جواب حضرت والا مقام کی تحریرات سے ہے یانہیں۔

الجواب۔ اس وقت فتاویٰ اشرفیہ میرے پاس نہیں، اس لئے وثوق سے کچھ نہیں سکتا، لیکن غالب یہ ہے کہ میرا ہی جواب ہے، مگر ابتدائی زمانہ کا ہوگا، اس لئے مجمل ہے، میرے بعد کی تحریرات میں اس کی تفصیل مذکور اور بذریعہ طباعت مشہور ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسا کرنا گاہ گاہ کسی ضرورت سے، قلیل مقدار سے مضائقہ نہیں، باقی اس کی عادت کرلینا بلاضرورت ایسا کرنا یازیادہ حصہ کا ترجمہ یا طویل وعظ کہنا اثنائے خطبہ میں خلاف سنت ہے۔

۲۴؍جمادی الثانی ۴۹ھ (النور ص ۶۱ ذیقعدہ ۴۹ھ)

---

(۱) تفصیل ذیل کے سوال وجواب میں دیکھو ۱۲ منہ

اشعارخواندن بزبان غیرعربی درخطبۂ جمعہ

سوال (۵۷۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل مفصلہ ذیل میں کہ خطبۂ جمعہ مشتمل بر اشعار اردو فارسی وغیرہ کے پڑھنا کیسا ہے جائز ہے یانہیں اور اگر ہے تو بلاکراہت جائز ہے یا باکراہت اور درصورت جواز کے کہ بلا کراہت ہو اولیٰ کیا ہے اور کس طرح خطبہ کی عادت کرنی چاہئے یعنی اردو وغیرہ کے اشعار والا خطبہ پڑھا کرے یا فقط عربی کے الفاظ اور عبارات پر اقتصار لازم ہے کہ علی وجہ المسنون ادا ہووے اور طریقۂ سلف صالحین وعمل علمائے عاملین کیا ہے؟

الجواب ۔ (مسئلہ مذکور از مولوی ارشاد حسین صاحب) واللہ سبحانہ الموفق للصواب اشعار فارسی وغیرہ خطبہ میں پڑھنا جائز ہیں اس واسطے کہ جب خطبہ بقدر تشہد مسنون کے زبان عربی میں پڑھا اور کچھ اشعار فارسی یا اردو وغیرہ میں تو خطبہ بقدر مسنون زبان عربی میں ادا ہو گیا، اور اشعار فارسی وغیرہ واسطے تفہیم عوام کے اور پند ونصیحت کے کچھ منافی خطبہ کے نہیں، پس جواز اشعار فارسی وغیرہ میں کچھ تامل نہیں اور اگر بالفرض خطبہ بالکل کسی زبان میں سوائے عربی کے پڑھا جب بھی عند الامام ابی حنیفہ جائز ہوا اور اسی پر فتویٰ ہے ۔

قال فی الدرالمختار وکفت تحمیدة او تهليلة اوتسبيحة للخطبة المفروضة مع الكراهة و قالا لا بد من ذكر طويل و اقله قدر التشهد الواجب انتهى و قال ايضاً و صح شروعه بتسبيح و تهليل و سائر كلم التعظيم كما صرح لو شرع بغير عربية اى لسان كان و شرطا عجزه وعلى هذا الخلاف الخطبة و جميع اذكار الصلوة انتهى، وقال فی رد المحتار و شرطا عجزه عن التكبير بالعربية و المعتمد قوله بل سياتى مايفيد الاتفاق على ان العجز غير شرط انتهى ۔

اور ان اشعار فارسی وغیرہ پڑھنے میں کراہت (۱) نہیں لیکن سلف صالحین اور علمائے معتمدین سے منقول خطبہ بتامہ زبان عربی میں ہے اور یہی اولیٰ ہے بسبب موافقت سنت کے اور اسی کی عادت کرنا چاہئے: فقط واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ اتم ۔ العبد محمد ارشاد حسین)۔

---

(۱) اگر کراہت تحریمی کی نفی مقصود ہے تو صحیح ہے اور اگر کراہت تنزیہی کی نفی مقصود ہے تو صحیح نہیں اور جب اس پر اصرار ہوگا تو کراہت میں شدت ہو جائے گی اور اوپر جو استدلال میں کہا گیا ہے کہ بقدر مسنون زبان عربی میں ادا ہو گیا الخ یہ اس لئے صحیح نہیں کہ خطبہ اگر قصیر ہو تو وہ تمام خطبہ ہے اور اگر طویل ہو تو وہ بھی تمام خطبہ ہے جیسا کہ قراءت مفروضہ میں تصریح ہے اگر قدر فرض سے زائد قراءت ہو تو وہ مجموعہ فرض ہوگی، اور امام صاحب کا رجوع جیسا صلوٰۃ میں ہے اسی کے حکم میں خطبہ کا ہونا بھی کتب فقہ میں مصرح ہے اور عبارت درمختار میں جو عجز کو غیر شرط کہا ہے تو نفس صحت یعنی ادائے فرض کے لئے نہ کہ جواز بلا کراہت کے لئے ۱۲ اشرف علی عفی عنہ ۔

اقول (جواب دوم از حضرت مولانا مدظلہم بر جواب مولوی ارشاد حسین صاحب)

مستعیناً باللہ سبحانہ وتعالی دونوں جواب (۱) صحیح ہیں واقعی خطبہ میں اشعار وغیرہ پڑھنا غیر مستحسن ہے اور مکروہ کے دو معنی ہیں ایک بوجہ دلیل مستقل کے دوسرے بوجہ مخالفت سنت کے پس اگر اشعار مذکورہ تغنی کے ساتھ پڑھے جاویں تو مکروہ بالمعنی الاول ہے ورنہ بالمعنی الثانی۔

یؤیدہ ما فی اکام النفائس و سئلت ایضاً عما اعتادہ اکثر خطباء زماننا من قراء ۃ الخطبۃ بالعربیۃ و تضمین بعض الاشعار الفارسیۃ او الھندیۃ ھل یجوز ذلک فاجبت بان قراء ۃ الاشعار فیھا ان کان بالغناء الممنوع عنہ فی الشریعۃ فلا ریب فی کراھتھا وان کان بالعربیۃ لما فی نصاب الاحتساب ھل یجوز للمذکران یقرء علی المنبر دو بیتی کما اعتادہ مذکر زماننا فالجواب انہ ورد فی الحدیث من اشتراط الساعۃ ان توضع الاخیار و ترفع الاشرار وان تقرأ المثناۃ علی رؤس الناس والمثناۃ ھی التی تسمی بالفارسیۃ دوبیتی من صحاح الجوھری و الفقہ فی منعہ انہ غناء وانہ حرام فی غیر المنبر فما ظنک فی موضع یعد للوعظ والنصیحۃ قال العبد اصلحہ اللہ و قد ظفرت علی ھذا الحدیث بعد ما کنت اجلس للعامۃ فی المنابر بتوفیق اللہ اکثر من ثلاثین سنۃ فحمدت اللہ علی انی و ان کنت لم اعلم بحرمۃ ھذا الفعل ولکنی لم اذکر مثناۃ یعنی دوبیتی قط فی منبر ما جلست فیہ انتھی کلامہ وان لم یکن بالغناء فالکراھۃ لکونہ مخالفا للسنۃ داخلا فی اصناف البدعۃ وکذا قراء ۃ بعض الخطبۃ بالعربیۃ و بعضھا بالفارسیۃ لا تخلو عن الکراھۃ للتقریرات السابقۃ فلیحفظ ھذا کلہ فان الناس عنہ غافلون یرتکبون امراً شنیعاً ویحسبون انھم یحسنون۔

اور اہلسنت وجماعت سے خروج بسبب بدعت کے ہوتا ہے اور بدعت کے معنی درمختار میں یہ لکھے ہیں وھی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندۃ بل بنوع شنیعۃ اھ۔

اور صاحب ردالمحتار نے اس تعریف کو ابن حجر کی طرف نسبت کیا ہے اور دشمنی سے دوسری تعریف کہ صدق میں اسی کے مساوی ہے نقل کی ہے ما احدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول اللہ ﷺ من علم او عمل او حال بنوع شبھۃ واستحسان و جعل دینا قویما و صراطا مستقیما اھ۔ فقط۔ کتبہ اشرف علی عفی عنہ۔

(۱) جواب اول کی تصحیح اس کے جز مقصود کے اعتبار سے ہے لیکن سلف صالحین الی قولہ عادت کرنا چاہئے۔ ۱۲ منہ

من اجاب فقد اجاد و اصاب فیما افاد حررہ محمد عبدالغفار عفی عنہ رب العباد بجاہ الرسول و الہ الا مجاد۔الجواب صحیح۔ شیر علی عفی عنہ قد اصاب من اجاب، محمد صدیق دیوبندی (امداد ص ۲۳)

سوال (۵۷۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ جمعہ کے خطبہ کی اذان کے وقت سے پہلے چار پانچ منٹ منبر سے علیحدہ خطبہ کا ترجمہ سنانا حسب فرمائش مصلیان اور پھر فوراً اذان خطبہ کے وقت منبر پر جانا اور حسب معمول اذان خطبہ ہونا اور عربی میں خطبہ کا پڑھنا، اس میں کوئی کراہت یا مفسد نماز ہے یا نہیں۔ زیادہ ادب۔ ۲۲؍ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ؟

الجواب۔ یہ خطبہ کا ترجمہ سنانا تذکیر ہے اور آیت **وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین** اپنے عموم سے ہر وقت کے تذکیر کی اجازت دیتی ہے، بجز ان مواقع کے جو مستقل دلیل سے ممنوع ہیں اور جو قیود سوال میں مذکور ہیں ان میں دو قیدیں اور قابل اضافہ ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ عوام الناس اس کو ہمیشہ کے لئے لازم نہ سمجھیں۔ دلیل اس کی مشہور ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ مذکر اس وقت منبر سے دور ہوتا کہ ہیئت خطبہ کا ایہام نہ ہو، دلیل اس کی مجوزین تکرار جماعت کی یہ تقیید ہے کہ عدول عن المحراب ہو، پس ان سب قیود کے ہوتے ہوئے کوئی امر جواز سے مانع نہیں، لہٰذا جواز کا حکم کیا جائے گا اور کراہت کی کوئی وجہ نہیں نہ اس فعل میں اور نہ اس فعل سے نماز میں۔ اور فساد صلوۃ میں وسوسہ کا بھی درجہ نہیں، البتہ اگر خود خطبہ ہی غیر عربی میں ہوسوہ چونکہ بقول راجح خطبہ ہی نہیں اور خطبہ شرط ہے نماز جمعہ کی اس لئے اس صورت میں فساد صلوۃ کے حکم گنجائش ہے، اور اس جواز کی تائید شیخین کی احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

روی مسلم مسلم عن جابر فی قصۃ یوم الفطر ثم خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الناس فلما فرغ نزل فاتی النساء فذکر ھن الحدیث وروی البخاری عن ابن عباس بعد وعظ النساء ثم انطلق ھو وبلال الی بیتہ الحدیث۔ یہ احادیث اس میں نص ہیں کہ اس تذکیر کے وقت میں (جو کہ خطبہ نہ تھی جس کا قرینہ یہ ہے کہ یہ تذکیر بعد فراغ خطبہ تھی، اور نیز منبر پر نہ تھی، اور اس کے بعد عود الی المنبر نہیں ہوا) اور خطبہ کے وقت میں کوئی فصل نہ تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس تذکیر کے اور خطبہ کے وقت میں فصل نہ ہونا مانع جواز نہیں اور تقدیم و تاخیر کو اس میں کوئی دخل نہیں پس اس کا جواز سنت سے بھی ثابت ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

۲۴؍ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ (النور ربیع الاول ۵۷ھ)

تعدد جمعہ کا حکم

سوال (۵۷۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کمپ میرٹھ لال کورتی بازار میں دومسجدوں یعنی سیدہ والی اور شیخ الٰہی بخش والی میں ہمیشہ سے جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور اب قریب ایک ماہ کے چند اشخاص نے بوجہ نفسانیت چند اشخاص کوٹھی کے ضد میں مسجد کوئلہ والی میں جمعہ پڑھنا شروع کردیا ہے اور موجد لوگ اپنا کاروبار چھوڑ کر ہمہ تن درستی مسجد کوئلہ والی میں مصروف ہیں اس مسجد میں جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور اگر یہ جمعہ بوجہ نفسیانیت بھی ہو تو اس مسجد میں جمعہ پڑھ کر لال کورتی میں تین جگہ جمعہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب۔ اول تو اسی میں اختلاف ہے کہ ایک بستی میں کئی جگہ جمعہ جائز ہے یا نہیں اگر چہ واسطے دفع حرج کے اکثر علماء اسی طرف ہیں کہ جائز ہے پھر مجوزین کی تعداد اس میں مختلف ہے کہ آیا دو جگہ سے زیادہ بھی جائز ہے یا نہیں اگر چہ بوجہ اطلاق دلیل راجح یہی ہے کہ جائز ہے۔

وتؤدى في مصرواحد بمواضع كثيرة مطلقاً على المذهب وعليه الفتوىٰ شرح المجمع للعيني واما فتح القدير دفعا للحرج و على المرجوح فالجمعة لمن سبق تحريمته و تفسد بالمعية والاشتباه .درمختار.وبه اندفع ما في البدائع من ان ظاهر الرواية جوازها في موضعين لا في اكثر وعليه الاعتماد.

(شامی مصری جلداول ص ۵۴۱)

یہ سب اختلاف اس صورت میں ہے کہ از راہ نفسانیت نہ ہو ورنہ کسی کے نزدیک جائز نہیں اگر چہ سقوط واجب ہو جائے گا۔ پس صورت مسئولہ میں اگر از راہ نفسانیت بھی نہ ہوتا جب بھی بہتر نہ تھا کیونکہ خواہ مخواہ اختلاف علماء میں پڑنا کون ضرور ہے، دوسری وجہ جواز تعدد دفع حرج ہے کہ ایک مسجد میں دور و دراز سے سب کا آنا دشوار ہوگا اور لال کورتی جیسی چھوٹی جگہ میں یہ بھی حرج نہیں فاذا فائت العلة فات المعلول چہ جائیکہ یہ تفریق از راہ نفسانیت ہو تو بہت بیجا اور مشابہت ہے اہل مسجد ضرار کے ساتھ کہ جن کی شان میں ہے وَالَّذِيْنَ اتخذوا مسجد اضراراً وكفراً و تفريقا بين المؤمنين الخ اعاذنا الله منه و جميع المسلمين، ہاں جس جگہ پہلے سے جمعہ ہوتا ہے اگر وہاں کوئی خرابی شرعی ہو اور اس کا تدارک بجز کنارہ کشی کے ممکن نہ ہو تو بیشک اس علیحدگی میں کچھ مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم۔ ۱۳؍شعبان ۱۳۰۲ھ (امداد ص ۱۰۴ ج ۱)

سوال (۵۷۴) دیہاتوں میں جہاں چند جگہ جمعہ ہوتا ہے تو ان میں جہاں پہلے ہو ان کا

جمعہ صحیح ہونا اور باقی کا غیر صحیح ہونا کسی ادلۂ شریعت سے ثابت ہے یا نہیں۔ فقط؟

الجواب۔ روی الشیخان عن ابن عباس ان النبی ﷺ صلی یوم الفطر رکعتین لم یصلی قبلھما ولا بعدھما، اس حدیث اور نیز دوسری بہت سی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سلف سے لے کر خلف تک جس طرح فعل نبوی سے کسی حکم پر استدلال کرتے رہے ہیں اسی طرح ترک سے بھی استدلال کیا گئے ہیں اسی بناء پر عید کے قبل اور بعد کی نوافل کو فقہاء نے مکروہ کہا ہے اور اپنے محل میں ثابت ہے کہ آپ کے زمانہ میں قاطبۃً کسی امر کا معمول ہونا یا عامۃً کسی امر کا متروک ہونا اور آپ کا اس پر سکوت فرمانا یہ حدیث تقریری اور مثل حدیث قولی یا فعلی کے اثبات حکم میں ہے۔ اس کے بعد غور کرنا چاہئے کہ عہد نبوی یا خلفائے راشدینؓ میں ایک مصر میں چند مساجد میں جمعہ ہونا کہیں منقول نہیں دیکھا گیا اور اگر کہیں ہوتو کہا جاوے گا مانع تعدد کو وہ روایت نہیں پہنچی، پس اس بناء پر نظر الی الامرین المذکورین مانع اس طرح استدلال کرسکتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں تعدد کا بالعموم متروک ہونا دلیل اس کے عدم مشروعیت کی ہے اور مقصود اس استدلال کے نقل کرنے سے اس منع کی تقویت نہیں ہے کیونکہ خود علمائے مذہب نے اس قول کے مرجوح ہونے کی تصریح کردی ہے۔

کما فی الدرالمختار وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ مطلقاً علی المذھب وعلیہ الفتویٰ، شرح المجمع للعینی وامامتہ فتح القدیر دفعاً للحرج ، اور یہ مجوزین اس استدلال کا یہ جواب دے سکتے ہیں کہ ترک وہ حجت ہے جو قصداً ہو اور یہ امر مجتہد کو ذوقاً قرائن سے معلوم ہوجاتا ہے اور تعدد جمعہ کا ترک اتفاقاً تھا ادھر اجتماع کا شوق تھا اور حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا ذوق تھا ہفتہ میں ایک بار ذرا اہتمام کر لینے میں کچھ حرج نہیں تھا اس لئے تعدد کی نوبت نہ آئی اس سے عدم مشروعیت ثابت نہیں ہوتی خصوص جبکہ اس میں حرج بھی ہو جو خود مستقل مقتضی ہے توسع کو چنانچہ دفعاً للحرج کہنا اس طرف مشیر ہے اور چونکہ اس جواب کے بعد دلیل منع کا ضعف خود ثابت ہو گیا اس ضعیف ہونے کو مثل دلیل مفقود ہونے کے کہہ دیا گیا ہے:

کما فی ردالمحتار ولم یوجد دلیل عدم جواز التعدد بل قضیۃ الضرورۃ عدم اشتراطہ اھ اور اسی حرج کے مبنی ہونے پر نظر کر کے موضعین یا مواضع کثیرہ کے اقوال میں بھی تطبیق ہوگئی کہ مختلف مقامات پر مختلف ضرورتیں معلوم ہوئیں اور گو یہ دلیل منع کی ضعیف تھی مگر موقع احتیاط میں ضعیف پر نظر ہونا[1] جواب سوال اول میں بیان ہو چکا ہے۔ فقط ۶ محرم ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۸)

---

(۱) مراد اس سے وہ سوال ہے جو اس سوال سے کچھ پہلے نمبر ۵۵۲ ص ۴۶۶ پر درج ہے۔ ۱۲

عصا گرفتن وقت خطبہ

سوال (۵۷۵) (۱) خطیب کو وقت خطبہ عصاء یا لکڑی ہاتھ میں لینا سنت ہے یا مستحب ہے۔

(۲) نیز داہنے ہاتھ میں لیوے یا بائیں میں، اگر داہنے ہاتھ میں عصا لیوے اور بائیں میں خطبہ تو خلاف ادب تو نہیں۔

(۳) آں رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتکاء علی العصا یہ کبرسنی یا ضعف پر محمول ہے یا سنت مستمرہ۔

الجواب۔ (۱) عادت نہ کرے۔ ضرورت میں مضائقہ نہیں **وھو وجه الجمع بين حديث ابی داؤد فقام ﷺ متوكئاً على عصى اوقوس و بين قول الفقهاء يكره ان يتكئ على قوس او عصا۔**

(۲) ظاہراً کچھ حرج نہیں۔

(۳) استمرار کا کوئی صیغہ نظر سے نہیں گزرا۔ ۲۳ ررجب ۵۹ھ۔

تکرار جماعت جمعہ کا حکم

سوال (۵۷۶) تکرار جماعت نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں اور اگر ہے تو بلا کراہت جائز ہے، یا بکراہت اور درصورت جواز کے کہ بلا کراہت ہو اولیٰ نماز جمعہ پڑھنا ہے یا نماز ظہر؟

الجواب۔ **في الدرالمختار وكذا اهل مصر فاتتهم الجمعة فانهم يصلون الظهر بغير اذان ولاإقامة ولا جماعة و فيه قبل هذه العبارة وافادان المسجد تغلق يوم الجمعة الا الجامع في ردالمحتار الا الجامع اى الذى تقام فيه الجمعة فان فتحه في وقت الظهر ضروری والظاهر انه يغلق ايضاً بعد إقامة الجمعة الخ۔**

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ تکرار جماعت نماز جمعہ مشروع نہیں ہے ورنہ فوت جمعہ سے علی التعیین ادائے ظہر کا امر اگرچہ کسی مجمع ہی کا جمعہ فوت ہوگیا ہو نہ ہوتا اور خود جامع مسجد اور دوسری مساجد کا اغلاق بعد نماز جمعہ مامور بہ نہ ہوتا کیونکہ احتمال تکرار جمعہ کا رہتا **اما الصحة او عدم الصحة فلم يتعرضوا لها وان كان مقتضى القواعد هى الصحة مع الكراهة واما التعدد فجوازه للضرورة ولا ضرورة فى التكرار** ۔ پس ایسے لوگوں کو نماز ظہر ہی بلا

جماعت پڑھنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ ۲۵؍شوال ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۱۳)

سوال (۵۷۷) چہ میفر مایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ صلوۃ جمعہ از چند کس اگر اتفاقاً فوت شدہ باشد پس اوشاں صلوٰۃ جمعہ را خوانند یا نماز ظہر منفرداً ادا سازند بتقدیر اول نماز بصحن مسجد کہ برائے نماز موضوع نیست بلکہ دراں کفشہا میدارند جائز است یا نہ دہلیز اوشاں ہم موجود ست، و پوشیدہ نماند کہ در ہمہ مسجد چاٹگام بل بنگالہ جمعہ میشود۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار وافادان المساجد تغلق یوم الجمعۃ الا الجامع وکذا اھل مصر فاتتھم الجمعۃ فانھم یصلون الظھر بغیر اذان ولا إقامۃ ولا جماعۃ الخ فی رد المحتار قولہ الا الجامع ای الذی تقام فیہ الجمعۃ (ج ۱ ص ۸۵۶) اس روایت سے معلوم ہوا کہ جن مساجد میں جمعہ ہوتا ہے اگر ان سے کسی مسجد میں جمعہ مل سکے تو وہاں پڑھ لے لجواز تعدد الجمعۃ اور اگر ان میں سے کسی میں نہ ملے تو منفرداً ظہر پڑھے نئی جگہ جمعہ نہ پڑھے۔
۸؍شعبان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۵۹)

حکم خواندن خطبہ بزبان غیر عربی مع جواب دلیل مجوزین

سوال (۵۷۸) حضرت والا السلام علیکم ورحمۃ اللہ

یہاں خطبہ غیر زبان عربی کے بارہ میں شبہ پیدا ہوا ہے، بہشتی گوہر میں ہے کہ دونوں خطبوں کا عربی زبان میں ہونا اور کسی زبان میں خطبہ پڑھنا یا اس کے ساتھ کسی اور زبان کے اشعار وغیرہ ملا دینا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں بعض عوام کا دستور ہے خلاف سنت مؤکدہ اور مکروہ تحریمی ہے آھ۔

اس وقت تک جن کتابوں میں دیکھا گیا یہ الفاظ بتصریح نہ ملے لہٰذا رجوع الی المؤلف کے سوا چارہ نہ دیکھ کر یہ عریضہ ارسال خدمت ہے امید کہ اصل منقول عنہ کی عبارت سے دستگیری فرمائی جائے تاکہ رفع نزاع ہو۔

الجواب۔ رسول اللہ ﷺ کی مواظبت خطبہ بالعربیہ پر ظاہر ہے اور اس کی عربیت کی مقصودیت حضرات صحابہؓ کے ممالک عجم میں باوجود بعض صحابہؓ کے عارف بالفارسیہ ہونے اور باوجود حاجت سامعین کے غیر عربی میں نہ پڑھنے سے ثابت ہے جب یہ عربیت مقصود بالمواظبت ہوئی تو اس قید کی رعایت سنت مؤکدہ ہوگئی اور سنت مؤکدہ کے ترک کو فقہاء نے موجب اثم (وان کان دون اثم ترک الواجب) اور بعض جزئیات میں موجب فسق قرار دیا ہے، جو

کراہت تحریمیہ پر دلالت کے لئے کافی ہیں اور اس کی بعض جزئیات کو خود اسی عنوان مکروہ تحریمی کا محکوم علیہ بنایا ہے وہ عبارات یہ ہیں۔

فی الدرالمختار فی (ای السنة المؤكدة) كالواجبة فی لحقوق الا ثم و فی ردالمحتار،یعنی وان كان مقولاً بالتشكيك(نہر ج۱ ص۳۹۸)و فی رد المحتار والصحيح انه يأثم (بترك السنن الصلوت الخمس) ذكره فی فتح القدير وتصريحهم بالا ثم لمن ترك الجماعة مع انها سنة مؤكدة على الصحيح ج ۱ ص۱۰۸ وفيه ايضاًوصرحوا بفسق تاركها(ای الجماعة مع كونها سنة مؤكدة على الصحيح كمامر)وتعزيره وانه ياثم الى قوله مع ان صلاته منفردا مكروهة تحريما او قربية فی التحريمه (ج ۱ ص۴۷۵)

اگر اس جواب سے اطمینان نہ ہوتو علم الفقہ کے (کہ بہشتی گوہر اسی کا اختصار ہے جس میں سرسری نظر سے نشان بنانے سے کام لیا گیا ہے بوجہ اعتماد کے تعمق نظر کی نوبت نہیں آئی) مصنف سے جو مضمون کے اصل کاتب ہیں تحقیق کرلیا جاوے امید ہے کہ اس سے زیادہ کافی وشافی جواب ملے۔ ۲؍جمادی الاول ۱۳۳۵ھ (تتمۂ خامسہ ص۱۰)

سوال(۵۷۹) فان لم تجز ايضا فما المراد فی هذه الصورة بالقول بانها نصيحة و وعظ فی اكل سبوع بينوا بالدليل الشافية الكافية على مذهب الحنفية؟

الجواب۔هذا بيان الحقيقة الخطبة ولا يلزم منها اختيار لسان المخاطب و ليت شعری ما ذا يفعل الخطيب لو حضر الخطبة جمع مختلف الالسنة على انه منقوض بقوله تعالى فی شان القران وانه لتذكرة للمتقين وقوله تعالى اِنَّ فی ذلك لذكرىٰ ونحوهما من الايات التی لاتحصى فهل يحكم بجواز قرائة فی الصلوة باللسان العجمی بناء على انه نصيحة ووعظ،وفقه المسئله ان الخطبة امر تعبدی كالقراء ة فيجب فيها اتباع المنقول ولو لا ذلك لنقل عن الصحابة قرأتها بالفارسية لما فتح فارس واقيم فيها الجمعة وكونها غير منقول ظاهر فاذن الامر باهر على كل ماهر والله اعلم،لثالث عشرمن ربيع الاول ۱۳۴۳ھ

(تتمہ ص ۳۵۸)

سوال (۵۸۰) اگر خطبۂ جمعہ وعیدین میں حمد ونعت عربی زبان میں پڑھ کر بقیہ تمام خطبہ مقتدیوں کے سمجھنے وفائدہ اٹھانے کی غرض سے اردو زبان میں پڑھا جائے تو کیا شرعاً جناب کے نزدیک جائز ہے، خطبہ کا اصلی مقصد کیا ہے، بعض لوگ اردو زبان کے داخل کرنے کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں یہ کہاں تک جناب کے نزدیک صحیح ہے، براہ مہربانی نہایت ہی تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کو تحریر فرمایئے گا، جناب کی اس تکلیف فرمائی کا بہت ہی ممنون احسان ہوں گا؟

الجواب۔قرآن مجید اور خطبہ کا دونوں کا اصلی مقصد ایک ہی ہے، چنانچہ خطبہ کو قرآن مجید میں ذکر اللہ فرمایا ہے یہی لفظ ذکر قرآن مجید کے لئے فرمایا ہے انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون بلکہ قرآن مجید کے لئے لفظ ذکریٰ بمعنی تذکیر بھی وارد ہے، ان ھو الا ذکری للعلمین، پس اگر لفظ ذکر اس پر دال ہے کہ اس سے لوگوں کو ان کی زبان میں نصیحت کی جاوے تو چاہئے کہ قرآن مجید کی جگہ بھی یا اس کے ساتھ نماز میں حاضرین کی زبان میں ترجمہ پڑھا جاوے بلکہ لفظ ذکریٰ اس پر زیادہ دال ہے، اور اگر قرآن مجید سے تفہیم ناس کو خارج نماز کے ساتھ مخصوص کیا جاوے اور نماز میں محض تلاوت کا حکم کیا جاوے تو خطبہ سے تفہیم ناس کو بھی خارج ہیئت خطبہ سے تفہیم ناس کو بھی خارج ہیئت خطبہ کہا جاوے، مثلاً خطبہ سے قبل یا نماز کے بعد پھر ضرورت تفہیم کو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہم سے زیادہ جانتے تھے اور روم و فارس اس وقت فتح ہو چکا تھا اور حضرات صحابہ میں ان زبانوں کے جاننے والے بھی موجود تھے، پھر کیا وجہ کہ اس وقت ایسا نہیں کیا گیا، پھر اگر سامعین میں آٹھ زبانوں والے ہوں تو کیا خطیب کے لئے یہ شرط ہوگی کہ وہ سب زبانوں کا ماہر ہو، اگر نہیں تو دوسری زبانوں والوں کی کیا رعایت ہوئی۔

۱۱ر جمادی الاولی ۴۳؁ھ (تتمۂ خامسہ ص ۴۶۲)

تمہید سوال و جواب آئندہ:-فرمان شریعت ایک عالم کا رسالہ ہے جس میں خطبہ کے عربی زبان میں ہونے کی ضرورت اور غیر عربی میں ہونے کی کراہت روایات فقہیہ سے ثابت کی گئی ہے اس پر احقر کی بھی تقریظ تھی، ایک مقام سے احقر کے پاس ایک خط آیا جس میں دو سوال تھے ایک میں حوالہ روایات کے متعلق خلط کا اثبات اور دوسری میں غیر عربی سے کراہت کی نفی کی گئی ہے، احقر نے اس خط کا جواب لکھا یہ سب ذیل میں منقول ہے۔

سوال (۵۸۱) (سوال اول) اس کا خلاصہ تمہید میں لکھ چکا، اور چونکہ جواب میں بھی اس سے محض اجمالی تعرض ہے اس لئے اس سوال کو بعینہ نقل نہیں کیا گیا۔

(سوال ثانی) صاحبین نے عاجز عن العربیۃ کو معذور اور عاجز قرار دیا ہے اور اس لئے غیر

عربی والوں کو غیر عربی میں خطبہ پڑھنا جائز ہوگا یانہیں، کیونکہ تکبیر تحریمہ کے متعلق قاضی خان نے لکھا ہے، کہ اگر عربی نہیں جانتا ہے تو فارسی میں نماز کو شروع کرے گا ورنہ غیر عربی میں نہیں شروع کرسکتا تھا، بالکل یہی اختلاف بقول درمختار خطبہ میں بھی ہے ہے اس لئے عربی نہ جاننے والے کیا صاحبین کے نزدیک غیر عربی میں خطبہ نہیں پڑھ سکتے اور اگر بکراہت جائز ہے تو مکروہ تنزیہی مراد ہے یا مکروہ تحریمی۔

کیا وہ مکروہ تنزیہی بحالت موجودہ نہ سمجھ میں آنے کے عذر سے معاف نہیں ہوسکتا اور زمانہ کی ضرورت ہم کو شرعی ضروریات کے لئے اردو میں خطبہ کو جائز قرار نہیں دیتی حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں آداب القراءۃ میں حضرت علیؓ کا مقولہ پیش فرمایا ہے کہ عبادت بے سمجھے ہو اس میں برکت نہیں ہوتی اور جو تلاوت بلا تامل ہو وہ تلاوت نہیں اس لئے اگر کوئی شخص خطبہ شرعیہ کے حدود میں رہ کر اردو میں خطبہ پڑھتا ہے تو وہ مثاب ہوگا یانہیں نیت اس کی یہ ہے کہ عبادت بے سمجھے نہ ہونا چاہئے خصوصاً خطبہ جو تذکیر کے لئے بھی ہو جس میں سامعین کو سنانا مقصود ہو۔

الجواب۔تنبیہات سے ممنون ہوا، جزاکم اللہ تعالیٰ۔ غالباً اکثر اہل علم کا تصدیق رسائل کے باب میں یہی معمول ہے کہ نفس مسئلہ کا توافق پیش نظر رہتا ہے اور روایات کو بنا بر اعتماد صاحب رسالہ ماخذ پر منطبق نہیں کیا جاتا چنانچہ اس وقت اپ کی تحریری روایات میں بھی اسی اعتماد کی بناء کی تطبیق کا اہتمام نہیں کیا، اگر یہ کوتاہی ہے تو میں اپنی کوتاہی کا مقر ہوں بلکہ اس کی اشاعت کی اجازت دیتا ہوں البتہ نفس مسئلہ میں اب بھی میرا یہی خیال ہے اگر اس میں مجھ کو اپنی غلطی معلوم ہو جاوے گی حسب معمول رجوع کرلوں گا، یہ تو سوال اول کا جواب ہے باقی سوال ثانی کے متعلق یہ عرض ہے کہ کلام غیر عاجز میں ہے اس کے لئے جواز یعنی صحت بلا کراہت نہیں اور عاجز کے معنی ہیں پڑھنے سے عاجز نہ کہ سمجھنے سے، کما سیاتی۔ رہا یہ امر کہ کونسی کراہت ہے سو تنزیہی بھی عوارض سے تحریمی ہوسکتی ہے، مسئلہ متکلم فیہا میں بڑا عارض اس وقت میں یہ ہے کہ سنت پر اس مکروہ کو ترجیح دی جانے لگی، اس لئے تغییر مشروع کے سبب کراہت تحریمہ کا حکم بعید نہیں اور یہ عجز اور عدم عجز عن القراءۃ ہے نہ کہ عن الفہم چنانچہ کسی سے بھی یہ احتمال اخیر منقول نہیں اور قیاس ایک کا دوسری پر ہمارا منصب نہیں اور امام غزالیؒ سے جو قول نقل کیا گیا ہے یہاں سمجھنے سے مراد توجہ ہے چنانچہ اس قول کی عبارت اس عبادت کو بھی شامل ہے جس میں کوئی قراءۃ نہیں ورنہ اگر ترجمہ مراد ہو تو کیا تلاوت میں بھی ترجمہ پڑھنا اصل قرآن پڑھنے سے افضل ہوگا، رہا حکمت تذکیر سے استدلال یہ تو قرآن میں بھی جاری ہے، بلکہ قرآن مجید میں خطبہ کا لقب تو ذکر

آیا ہے اور قرآن کا ذکریٰ تو کیا یہ حکم اس حکم میں بھی جاری ہوگا۔ ۱۴؍ربیع الاول ۴۲ھ۔

اس کے بعد رسائل بالا سے حسب ذیل مکاتبت ہوئی

(سوال) حضور والا نے تحریر فرمایا ہے کہ عجز و عدم عجز عن القراءۃ مراد ہے نہ کہ عن الفہم صرف اتنی بات میں مجھے شبہ باقی رہ گیا ہے، اس لئے مؤدبانہ طور پر چند جملے عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں تحقیق الخطبہ میں امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ (شافعی المذہب) کی حسب ذیل عبارت نقل فرمائی گئی ہے۔ وھل یشترط کون الخطبة کلھا بالعربیة وجھان الصحیح اشتراط فان لم یکن فیھم من یحسن العربیة خطب بغیرھا ویجب علیھم التعلم والاعصوا ولا جمعة لھم (منقول من شرح الاحیا للسید المرتضی الزبیدی ج ۳)

الجواب۔ اس عبارت کے معنی اول عرض کرتا ہوں اس سے آپ کو اپنے استدلال کا حال معلوم ہو جائے گا کہ صحیح یہی ہے کہ عربیت شرط ہے، لیکن اگر ان حاضرین جمعہ میں کوئی ایسا شخص نہ ہو جو عربی میں پڑھ سکے تو فی الحال غیر عربیت میں پڑھ لے لیکن آئندہ کے لئے ان لوگوں پر واجب (علی الکفایۃ) ہوگا کہ عربی سیکھیں تا کہ عربی میں خطبہ ہو سکے ورنہ سب عاصی ہوں گے اور ان کا جمعہ بھی صحیح نہ ہوگا جیسا بعض فقہائے حنفیہ نے بعینہ اسی طرح تجوید کے متعلق فتوی دیا ہے کہ جب سیکھنا چھوڑ دیگا نماز صحیح نہ ہوگی اور عربی نہ سمجھنا مراد ہو تو کیا اس فتوے کو بھی مانا جاوے گا کہ عربی نہ سمجھنے والوں پر عربی کا سیکھنا واجب ہے ورنہ ان کا جمعہ نہ ہوگا۔ اگر یہ فتویٰ مانا جاتا ہے تو اس سے آپ کے خلاف مدعا ثابت ہے۔ ۲؍ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ۔

تتمۂ سوال بالا:- رہا کلام مجید کے متعلق کہ اس کو ذکریٰ کہا گیا ہے اور خطبہ کو ذکر، اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ قرآن مجید کو بھی ذکر کہا گیا ہے جیسا کہ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس معلوم ہوا کہ ذکر کے لئے تبیین کی ضرورت ہے، اسی طرح اگر خطبہ کو ذکر کہا گیا ہے تو اس کے لئے بھی تبیین کی ضرورت ہے بہترصورت ذکری اور ذکر میں ارتفاع نہیں ہے بلکہ اجتماع ہے ورثۃ الانبیاء پر جس طرح قرآن کی تبیین عاید ہے اسی طرح خطبہ کی بھی اور تبیین مفہوم لغت ہی میں ممکن ہے، ولا تطع من اغفلنا قبله عن ذکرنا فرمایا گیا ہے ذکرنا سے مراد انزلنا الیك الذکر کے مطابق کلام مجید ہی ہے اسی لئے فاسئلوا اھل الذکر ای عالم القران فرمایا ہے، پس جب خطبہ بھی ملقب بہ ذکر اللہ ہے تو اس کو بھی مبین للناس ہونا ضروری ہے اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ خطیب ذکر (قرآن) ہی سے نصائح کرے ورنہ خطبہ ذکر نہ ہوگا؟

الجواب ۔ میرا یہ مطلب نہ تھا کہ قرآن کو ذکر نہیں کہا گیا بلکہ یہ مطلب تھا کہ ذکر ئی بھی کہا گیا ہے اور خطبہ کو کہیں ذکر ئی نہیں کہا گیا پس قرآن میں جب دونوں صفتیں ہیں تو ان دونوں کا حق ادا کرنا ضروری ہے تو پھر ترجمہ سمجھ کر کیوں نہیں پڑھا جاتا۔

تتمہ سوال بالا :- جناب والا نے مکتوب گرامی میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس مکروہ کو سنت پر ترجیح دی جاتی ہے، اس لئے اس عارض سے مکروہ تحریمہ بعید نہیں مگر حضور والا جب اس نیت سے اس کو مادری زبان میں پڑھا جاوے کہ اس طرح بہت سی مردہ سنتوں کا احیاء کیا جاوے تو پھر مکروہ کیوں ہوگا بہت سے جہلاء ایسے ہیں جو نماز روزہ کی ضرورت سے بے خبر ہیں وہ صرف جمعہ میں آتے ہیں اگر خطبہ میں ان کی زبان میں سمجھا دیا جاوے تو کیا اثر کی امید نہیں ہے ممکن ہے کہ خدا کچھ لوگوں کو اس طریقہ سے ہدایت نصیب کرے؟

الجواب ۔ امورتعبدیہ میں مصالح سے تغیر نہیں ہوتا۔ تاریخ بالا۔

سوال تتمہ بالا ۔ اور پھر کیا خطبہ میں یہی ایک سنت ہے، یہ بھی تو سنت ہی ہے کہ بلا کتاب خطبہ دیا جائے، حضور ﷺ نے کبھی کتابی خطبہ نہیں دیا نہ صحابہ کرام نے ایسا کیا اس سنت کا ترک دھڑلے سے ہو رہا ہے اور کچھ خیال بھی نہیں ہوتا حالانکہ خطبہ میں مخاطبین کی طرف رخ اسی لئے ضروری ہے کہ مخاطبین کو باحسن پیرانہ نصیحت کی جائے مگر جب کتاب پر آنکھ لگی ہوگی تو ہرگز توجہ الی المخاطبین نصیب نہ ہوگی جو مقصود ہے اور جو کیفیت آں حضور ﷺ کی ہوتی تھی وہ یہ ہے کہ مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں۔ اذا خطب احمرت عیناہ وعلا صوتہ واشتد غضبہ حتی کانہ منذر جیش یقول صبحکم و مساکم الخ پھر بھلا اس طریقہ سے کون خطبہ دیتا ہے سب اس کو ترک کر رہے ہیں مگر کوئی اس کو مکروہ تحریمی نہیں کہتا۔

الجواب۔ یہ سنن مستحبہ ہیں اور عربیت مؤکدہ فلا یقاس احدھما علی الاخر، تاریخ بالا۔ (تتمہ خامسہ ص ۲۵۲)

سوال (۵۸۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ خطبہ جمعہ کے خطبہ عربی زبان کے سوا کسی اور زبان میں پڑھنا یا عربی زبان کے ساتھ کسی اور زبان کے اشعار وغیرہ ملا دینا جس طرح بعض لوگوں کا اس زمانہ میں دستور ہے جائز ہے یا نہیں، مجوزین یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ چونکہ خطبہ میں وعظ وپند بھی مسنون ہے اور عوام کے عربی نہ جاننے کے باعث عربی زبان میں خطبہ پڑھنے سے یہ وعظ ونصیحت کی غرض متروک ہوئی جاتی ہے لہٰذا ضروری

ہے کہ وعظ و پند کا مضمون ہندوستان میں تو اردو ہی زبان میں ہونا چاہئے اس کا کیا جواب ہے۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔خلاف سنت متوارثہ ہے اس لئے ممنوع ہے اور حجت کا جواب ظاہر ہے کہ اسی طرح قراءت قرآن مجید میں بھی وعظ و پند مقصود ہے چنانچہ جا بجا اس میں ذکری و تذکرہ و ھدی للناس و موعظۃ وغیرہ الفاظ کا وارد ہونا اس کی واضح دلیل ہے پس چاہئے کہ نماز میں بھی قرآن کا ترجمہ پڑھا جاوے۔ ۳۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۳۸)

سوال (۵۸۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطبۂ جمعہ کے وجوب کے ساتھ کوئی خاص زبان بھی واجب ہے یا نہیں اگر کوئی خاص زبان واجب نہ ہو تو اپنی مادری زبان سے فائدہ اٹھانا انسب ہے یا کسی غیر زبان کو جس کے نہ سمجھنے سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچے اور مقصد خطبہ فوت ہونے کے باوجود ترجیح دینا بہتر ہے۔ بینوا توجروا؟

الجواب۔کیا واجب سے کم کوئی درجہ مؤکد نہیں ہوسکتا۔ ۴؍ رجب ۵۳ھ۔

نوٹ۔اس جواب میں اس طرف اشارہ ہے کہ سنت مؤکدہ بھی مؤکد ہے اور بوجہ مواظبت نبویہ علی الخطبۃ العربیہ وہ سنت موکدہ ہے پس عدم وجوب مضر تاکید نہیں بلکہ بعض فقہاء کے قول پر ایسی مواظبت جس میں احیاناً بھی ترک نہ ہوا ہو وجوب کی دلیل ہے اس صورت میں وجوب کا حکم بھی کیا جا سکتا ہے، کما قال صاحب الھدایۃ فی دلیل وجوب صلوۃ العیدین، پس اس کا وجوب سنت مؤکدہ مختلف فیہ ہوئی جس میں تاکد مشترک اور متفق علیہ ہے۔

۵؍ رجب ۱۳۵۳ھ (النور ص ۹ رجب ۵۴ھ)

سوال (۵۸۴) میں نے دریافت کیا تھا کہ ہمارے یہاں کے پیش امام یہ کہہ کر خطبہ کا ترجمہ ہر جمعہ میں کر رہے ہیں کہ آپ نے اس کو جائز لکھا ہے تو کیا یہ صحیح ہے آپ نے اس پر تجویز فرمایا کہ جواز ترجمہ کو جو میری طرف منسوب کیا گیا ہے وہ عبارت پوری پیش کرنا چاہئے تو مولوی.........صاحب امام جامع مسجد نے آپ کے فتویٰ کی عبارت کی نقل علیحدہ پرچہ پر لکھ کر اس میں شامل کی ہے بغرض ملاحظہ و تحقیق حقیقت حال ارسال خدمت ہے و ہو ہذا۔ فتاویٰ اشرفیہ حصہ اول مطبوعہ مطبع مجیدی واقع کانپور ص ۴۴۔

سوال (۵۸۵) مشتمل بر مسائل عدیدہ ماقولکم رحمکم ربکم، اندریں مسائل کہ (۱) جمعہ کے خطبوں کے درمیان یا آخر بطور وعظ خطبہ کا ترجمہ کر دینا جائز ہے یا نہیں۔ الخ؟

الجواب۔ مشتمل برچند جواب۔جواب سوال (۱) جائز ہے،ھکذایستفاد من العالمگیریہ واللہ اعلم۔

الجواب من اصل السوال:-مراد بلا التزام و بلا اعتیاد ہے اعتماداً علی الاصول اس قید کی تصریح نہیں کی جس کوعبارت کی کوتاہی بھی کہا جا سکتا ہے۔ ۱۳رشعبان ۱۳۲۹ھ (ترجیح خامس ص ۱۱۶)

سوال (۵۸۶)۔دوسری بات یہ ہے کہ اسی رسالہ مذکور کے ص ۹۸ پر آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے، کہ خطبہ جمعہ کا عربی ہی زبان میں ہونا ضرور ہے اور کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے حالانکہ مولانا محمد علی شاہ مونگیری (سابق ناظم ندوہ) کے رسالہ القول المحکم فی خطاب الاعجم میں آپ کے تائیدی دستخط خطبہ کے اردو زبان میں ہونے کے جواز کے فتوے پر منقول ومندرج ہیں، ان دونوں میں سے کونسا قول صحیح ہے؟

الجواب۔اس تائیدی مضمون کی عبارت لکھئے،تو دیکھوں اس کے معارض ہے یا کیا۔باقی بہشتی گوہر میں جولکھا ہے اس کو صحیح سمجھتا ہوں۔ ۱۹شوال ۱۳۴۳ھ (ترجیح خامس ص ۱۵۹)

التقریظ علی رسالۃ الاعجوبۃ فی عربیۃ خطبۃ العروبہ

سوال (۵۸۷) بعد الحمد والصلوۃ میں نے یہ رسالہ مؤلفہ جامع الکمالات العلمیہ والعملیہ مولانا محمد شفیع صاحب و مفتی مدرسہ دارالعلوم دیوبند دام فیضہ نہایت شوق ورغبت سے دیکھا بیحد پسند کیا، بلا تکلف کہہ سکتا ہوں کہ اس موضوع میں بے نظیر ہے اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور شبہات کا دافع فرمادے، بطور تذنیب میں بھی بعض فوائد مناسبہ اس کے ساتھ ملحق کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) بڑی بناء عقلی غیر عربی میں خطبہ جائز رکھنے والوں کی یہ ہے کہ یہ تذکیر ہے اور تذکیر مخاطبین کی زبان میں ہونا چاہئے ورنہ عبث ہے، اس کا ایک تحقیقی جواب ہے اور ایک الزامی تحقیقی یہ ہے کہ اس کا تذکیر ہی ہونا مسلم نہیں خود قرآن مجید میں اس کو ذکر فرمایا گیا ہے۔قال اللہ تعالیٰ فاسعوا الی ذکر اللہ، الایہ، خصوص مذہب حنفی کی اس تصریح پر وکفی تسبیحۃ او تحمیدۃ اور تسبیح وتحمید کا تذکیر نہ ہونا ظاہر ہے معلوم ہوا کہ وہ صرف ذکر ہے تذکیر نہیں۔ الا تبعاً۔اور الزامی یہ ہے کہ قرآن مجید بنص قرآنی تذکیر ہے قال تعالیٰ ان ھوالا ذکری للعلمین تو چاہئے اُس کو بھی نماز میں حاضرین کی زبان میں پڑھا کریں پس جس طرح اس کا عربی زبان میں پڑھنا امر تعبدی ہے اسی طرح خطبہ کا عربی زبان میں پڑھنا۔

(۲) اور بڑی بناء عقلی دعویٰ مذکور کی یہ ہے کہ امام صاحب نے نماز میں قرأت کو فارسی میں جائز فرمایا ہے اس کا ایک جواب نقلی ہے ایک عقلی، نقلی جواب تو یہ ہے کہ امام صاحب نے اس قول سے رجوع فرمالیا ہے پس اس سے استدلال کرنا ایسا ہے جیسا آیت منسوخہ یا حدیث منسوخ سے استدلال کرنا، اور عقلی یہ ہے کہ امام صاحب کے اس قول کو مرجوع عنہ کی بناء یہ نہ تھی کہ قرآن تذکیر ہے اس لئے عربی میں پڑھنا جائز ہے اگر یہ بناء ہوتی تو جزئیہ کفایت تسبیح یا تحمید کا اس سے تعارض ہوتا، وھو باطل، پس اس سے استدلال کرنا تاویل القول بما لا یرضی بہ القائل کی قبیل سے ہے۔

(۳) رسالہ میں عیدین کے خطبۂ عربی کے بعد اس کے ترجمہ وغیرہا کی اجازت دی ہے اس میں بھی ہیئت اوفق بالسنۃ یہ ہے کہ خطبۂ سے فارغ ہو کر منبر سے نیچے اتر کر بیان کردے اس کی دلیل اپنے ایک رسالہ سے بلفظہا نقل کرتا ہوں

وھو ھذا تقریر المرام انہ روی مسلم عن جابر فی قصۃ یوم الفطر ثم خطب النبی ﷺ الناس فلما فرغ نزل فاتی النساء فذکرھن الحدیث وروی البخاری عن ابن عباس بعد وعظ النساء ثم انطلق ھو وبلال الی بیتہ فقولہ فرغ و نزل وانطلق الی بیتہ نص فی کون ھذا التذکیر بعد الخطبۃ وانہ لم یکن علی المنبر وانہ لم یعد الی المنبر ولما کان ھذا الکلام غیر الخطبۃ لخلوہ عن الخطاب العام الذی ھو من خواص الخطبۃ ثبت بہ ان غیر الخطبۃ لا ینبغی ان یکون فی اثناء الخطبۃ ولا علی ھیئۃ الخطبۃ ولا شك ان التذکیر بالھندیۃ لیس من الخطبۃ المسنونۃ فی شیئی لان من خواصھا المقصودۃ کونھا بالعربیۃ لعدم نقل خلافھا عن صاحب الوحی او السلف فلما لم یکن ھذا التذکیر بالھندی خطبۃ مسنونۃ کان الاوفق بالسنۃ کونھا بعد الفراغ عن الخطبۃ وتحت المنبر وھو المرام اھ۔ شوال المکرم ۱۳۵۰ھ (النور ص ۸ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ)

جمعہ میں قعدہ پانے والا جمعہ پورا کرے یا ظہر

سوال (۵۸۸) میں نے ایک آدمی سے سنا ہے کہ مشکوۃ شریف میں ایک حدیث لکھی ہے کہ نماز جمعہ میں جس نمازی نے اخیر میں التحیات پائی تو اس کو چاہئے کہ بعد سلام امام کے اٹھ کر چار رکعت پڑھے؟

الجواب ۔مشکوۃ میں حدیث مذکور اس طرح ہے۔ **عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من ادرك من الجمعه ركعة فليصل اليها اُخرى ومن فاتت ركعتان فليصل اربعا او قال الظهر۔ رواه الدارقطني**۔ سو اس سے وہ مضمون جو کہ سوال میں لکھا ہے بالیقین ثابت نہیں ہاں محتمل ضرور ہے چنانچہ امام محمدؒ کا مذہب اسی احتمال کے موافق ہے اور شیخین کا مذہب دوسرے احتمال کے موافق ہے جس کی ترجیح کا قرینہ دوسری حدیث ہے جو اس سے ذرا اوپر مذکور ہے **وعن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من ادرك ركعة من الصلوة مع الامام فقد ادرك الصلوة متفق عليه** اور اگر دوسرے احتمال کو مدلول حدیث نہ کہا جاوے تب بھی تعارض کے وقت حدیث بخاری ومسلم کو ترجیح ہوگی اور اربعاً والی حدیث کی نسبت حاشیہ میں شیخ سے نقل کیا ہے لم یثبت ۔ پھر یہ کہ عوام کی تحقیق ادلہ کی ضروری نہیں ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

۲۶؍رجب ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۱۳)

جمعہ وعیدین اس گاؤں میں جس کے بہت قریب دوسرا گاؤں ہے اور دونوں ملکر قصبہ کے برابر ہیں

سوال (۵۸۹) ایک گاؤں جس کی آبادی قریب ایک ہزار آدمی کے ہے اور اس کے اتنے قریب دوسرا گاؤں ہے کہ اس بستی کی اذان کی آواز اُس گاؤں میں جاتی ہے اور اس گاؤں اور دوسرے گاؤں کو ملا کر آبادی قریب چار پانچ ہزار کے آدمی ہیں بلکہ زائد ہوں لیکن رقبہ و ڈاکخانہ بعض بستی کا علیحدہ ہے اور بعض گاؤں میں کافر بستے ہیں مسلمان نہیں ہیں ۔ ان سب تقادیر پر جمعہ وعیدین ہر گاؤں والے الگ الگ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ۔ اس کے جواز کا شبہ فقہاء کے ایک جزئی سے ہوتا ہے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسافر دو گاؤں میں اقامت کی نیت کرلے اور دونوں گاؤں اتنے قریب ہوں کہ ایک گاؤں کی اذان کی آواز دوسرے گاؤں میں جاتی ہے تو وہ مسافر حد قصر سے خارج ہو جائے گا مثلاً ایک گاؤں میں دس یوم کی اقامت کی نیت کی اور دوسرے گاؤں میں پانچ دن کی لیکن چونکہ یہ دونوں قریب بہت ہیں کہ اذان کی آواز جاتی ہے اس لئے اس پر قصر جائز نہ ہوگا ۔ تو اس جزئی سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء نے دونوں گاؤں کو متحد قرار دیا ہے تو باب قصر میں متحد قرار دے کر اس پر قصر کو ناجائز کیا اس طرح باب جمعہ میں بھی متحد قرار دیا جاوے اگر یہاں پر قرار نہ دیا جائے تو دونوں میں ما بہ الفرق کیا ہے ۔ اور بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ جس گاؤں کی آبادی تین یا چار ہزار ہو وہاں جمعہ جائز ہے ان دونوں تردیدوں میں بہت فرق ہے تو اگر صرف تین ہزار آبادی میں جمعہ جائز ہے تو چار ہزار کی قید کیسی ۔ اور اگر

کسی گاؤں میں صرف تین ہزار کی آبادی ہو اور حوائج ضروریہ کی چیزیں نہیں ملتیں تو کیا اس گاؤں میں جمعہ وغیرہ جائز ہوگا اور اگر کوئی گاؤں ایسا ہو کہ وہاں تمام حوائج ضروریہ کی چیزیں ملتی ہیں لیکن آبادی تین ہزار سے کم ہے تو وہاں بھی جمعہ جائز ہوگا تو رفع حوائج اور تین ہزار آبادی دونوں شرط ہیں یا احد هما لا علی التعیین ۔ جواب مع حوالہ کتب تحریر ہو۔ فقط ۔؟

الجواب ۔ قصر وعدم قصر کا مدار تو بالاتفاق موضعین پر ہے اور وجوب جمعہ وعدم وجوب کے مدار میں اختلاف ہے بعض اقوال میں اتحاد موضعین پر ہے اور سماع اذان وعدم سماع کا اس میں کوئی دخل نہیں جس کے کلام سے اس کے ساتھ تحدید مفہوم ہوتی ہے مقصود اس سے محض تمثیل کے طور پر امارۃ کا بیان کرنا ہے۔ اور بعض اقوال میں عدم لحوق مشقت پر چنانچہ روایات ذیل شاہد ہیں۔

فی الدرالمختار باب الصلوۃ المسافر اوکان احدهما تبعاً للاٰخر بحیث تجب الجمعة علی ساکنه للاتحاد کمافی ردالمحتار قوله او کان احدهما تبعاًللاٰخر کالقریة التی قربت من المصری بحیث یسمع النداء علی ما یاتی فی الجمعة وفی البحر لوکان الموضعان من مصر واحد او قریة واحدة فانها صحیحة لانهما متحدان حکما الاتری انه لوخرج الیه مسافرالم یقصراه (ج ۱ ص ۸۴۴)وفی الدرالمختار باب لصلوة الجمعة واما المنفصل عنه (ای عن المصری) فان کان یسمع النداء تجب علیه عند محمد وبه یفتی کذا فی الملتقی وقدمنا عن الولوالجیة تقدیره یفر سخ ورجح فی البحر اعتبار عودة لبیته بلا کلفة فی ردالمحتار وصح فی مواهب الرحمن قول ابی یوسف بوجوبها علی من کان داخل حد الاقامة الذی من فارقه یصیر مسافراً واذا وصل الیه یصیر مقیماً وعلله فی شرح المسمی بالبرهان بان وجوبها مختص باهل مصروالخارج عن هذاالحد لیس اهله وفیه بعد اسطرعن الخانیة والمقیم فی موضع من اطراف المصران کان بینه وبین عمران المصر فرجة من مزارع لاجمعة علیه وان بلغه الندا الخ ثم قال بعد تصحیح هذا القول وترجیحه وینبغی تقیید ما فی الخانیة والتتارخانیة بما اذالم یکن فی فناء المصر لما مرانها تصح اقامتها فی الفناء ولو منفصلاً بمزارع فاذا صحت فی الفناء لانه ملحق بالمصر یجب علی من کان فیه ان یصلیها لانه من اهل المصر کما یعلم من تعلیل البرهان (ج ۱ ص ۸۵۲۔)

پس قول اوپر ان دونوں موضعوں کو دیکھا جاوے گا کہ عرفاً دونوں مستقل سمجھے جاتے ہیں یا متحد۔ پہلی صورت میں تو عدم صحت جمعہ ظاہر ہے اور دوسری صورت میں اتحاد کافی نہیں غایۃ مافی الباب دونوں مل کر ایک قریہ ہوجاوے گا مگر جس قریۂ کبیرہ میں جمعہ کو جائز کہا گیا ہے اس کی تفسیر التی فیھا اسواق سے کی گئی ہے۔ کما فی ردالمحتار الجلد الاول ص ۸۳۶ جس کا حاصل یہ ہے کہ صورت اس کی قصبات کی سی ہو اگر یہ شان ہو تو جمعہ درصورت اتحادہما عرفاً جائز ہوجاوے گا والا فلا اور قول ثانی پر یعنی جبکہ مدار وجوب جمعہ کا لعدم لحوق مشقت پر ہو وجوب جمعہ کا دونوں موضعوں کے اتحاد کو مستلزم نہ ہونا اور بھی ظاہر ہے کیونکہ اس تقدیر پر جمعہ من آواہ اللیل پر واجب ہے اور یقیناً وہ موضع مصر سے متحد نہیں اور خود وہاں جمعہ جائز نہیں اور بہشتی گوہر اصل میں کتاب علم الفقہ کا ملخص ہے اگر یہ مسئلہ اس میں ہے تو مجھ کو یاد نہیں کہ تلخیص کے وقت اس پر نظر پڑی ہے یا نہیں۔ بہرحال اس میں جو کچھ لکھا ہوا اس کو اس وقت کی تحریر پر منطبق کرنا چاہئے اگر انطباق نہ ہو تو میری رائے یہی ہے جو اس وقت لکھ رہا ہوں کہ کوئی تعداد خاص تحدید کے لئے نہیں بلکہ امارۃ ہے اور اصل مدار مصر یا قصبہ یا قریۂ کبیرہ بالمعنی المذکور ہوتا ہے۔ ۱۸؍رمضان ۲۷ھ بعد تحریر جواب ہذا ایک ثقہ مشاہد سے معلوم ہوا کہ جن قریوں کی نسبت سوال ہے وہ باہم اتنے متقارب نہیں ہیں کہ ان کو متصل و متحد کہہ سکیں تو جواب اور بھی اظہر ہے کہ احتمال ہی صحت جمعہ کا نہیں۔

۲۰؍رمضان ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص۱۹)

مصر کی تعریف میں کثرت مکان کی تحدید

سوال (۵۹۰) دربارۂ مصر وشہر فقہاء تعریف فرمودہ اند و مرجع ہر یک کثرت مردمان معلوم می نماید لیکن تعداد کثرت معلوم نگردد فلا جرم در اداء جمعہ اختلافات دفع نگردد تعداد کثرت تعین فرمودہ دہند با دلائل فقہاء پس ہر جاء موافق فرمودہ کثرت یافتہ شود جمعہ قائم کردہ شود و اگر نہ ترک کردہ شود اگر عرفاً و اصطلاحاً ہر جاء کہ شہر گویند آں را اختیار کردہ شود در بعض دہ چناں کثرت مردمان ست کہ ہم برابر قصبۂ کبیرہ گردد لیکن نامش دہ نہادہ اند الغرض تعین کثرت از دلیل فقہاء لازم و ضروری امر است۔ فقط۔؟

الجواب۔ عددے معین دریں باب از نظرم نگزشتہ و کتب ہم نزدم اندک است لہذا اقول فیصل نتوانم گفت آرے نظر برعرف و اصطلاح حکماء و حکام تمدن ایں ملک کہ آبادی چہار ہزار مردم را قصبہ می شمارند مع نظر بر قول فقہاء التی فیھا اسواق در تعریف قریۂ کبیرہ کہ صالح اقامت

جمعہ است معمول خود درفتویٰ چنیں کردہ ام کہ ہر جا کہ ہر دو شرط یافتہ شود اجازت اقامت جمعہ میدہم وزیادہ ازیں تحقیق نیست۔ ۲۷؍شوال ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۲۱)

تکبیرات عیدین میں رفع یدین کی دلیل

سوال (۵۹۱) عیدین کی تکبیر میں ہاتھ اٹھانے کا کہیں ثبوت ہے۔ ہم لوگوں کو ملانہیں اور یہاں غیر مقلدوں نے اشتہار چھاپا ہے کہ نماز جنازہ کی طرح تکبیر کہنا چاہئے یعنی ہاتھ نہ اٹھانا چاہئے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔؟

الجواب۔آثارالسنن۔ج ۲ ص ۱۸ میں باسناد صحیح طحاوی سے ابراہیم نخعی کا فتویٰ اس میں نقل کیا ہے۔**قال ترفع الایدی فی سبع مواطن فی افتتاح الصلوٰۃ وفی التکبیر للقنوت فی الوتر وفی العیدین۔ الحدیث** ۔اور اجلۂ تابعین کے فتوے کا حجت ہونا حنفیہ نے اپنے اصول فقہ میں بدلیل ثابت کیا ہے۔ ۱۳؍ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۲۲)

قریۂ صغیرہ میں جمعہ نہ ہونا

سوال (۵۹۲) ایک گاؤں میں تخمیناً چالیس گھر ہیں اوراس گاؤں میں فقط ایک ہی مسجد ہے اور وہ مسجد کی جگہ سرکار کی جانب سے وقف ہے اور پنجگانہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور وہ مسجد اس کی قسم کی ہے کہ اگر فقط اس محلّہ کے مصلی لوگ حاضر ہو جائیں تو مسجد بھر جاتی ہے اوراس گاؤں میں سرکار کی طرف سے حاکم مقرر ہے وہ سرکار کے قانون کے مطابق انصاف کرتے ہیں اوراس گاؤں کے پورب طرف تخمیناً ایک میل کے فاصلہ پر دوسرا گاؤں ہے اس میں بھی اسی نوے گھر ہونگے اوراس کے اتر طرف پاؤمیل فاصلہ پر دوسرا گاؤں ہے اس میں بھی تخمیناً تیس گھر ہیں اور تینوں سے کسی میں بھی بازارنہیں ہے۔ بلکہ تین میل فاصلہ پر بازار موجود ہے تو اس گاؤں میں جمعہ کی نماز درست ہے یانہیں۔بینواتوجروا۔؟

الجواب۔گاؤں مذکور قریۂ صغیرہ ہے اس لئے مذہب حنفی کی موافق اس میں جمعہ درست نہیں۔ ۱۲؍ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۲۲)

حکم جمعہ درقریٰ بنگال

سوال (۵۹۳) بندہ کو ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ میں اتفاق سفر ڈھاکہ کا ہوا ایک ماہ بعد واپس

آیا اس اثناء میں قصداً جا کر بعض دیہات کو دیکھا اور نیز وہاں کے فہیم اور ذی علم باشندوں سے بھی تحقیق کیا بعض دیہات کو اسٹیمر پر سے دیکھا اور بعض احباب اہل ملک سے جو کہ ہم سفر تھے اس کی حالت بھی سنی۔ اس مجموعہ سے جو مستفاد ہوا اس کو بطور کلیہ کے لکھتا ہوں تا کہ اس سے قریٰ بنگال میں سے ہر جگہ کا حکم صحت وعدم صحت جمعہ جو عندالحنفیہ ہے معلوم ہو جاوے۔ وھی ھذہ اگر ایک قریہ اتنا بڑا ہے کہ اس میں چار ہزار کی مردم شماری ہے اور اس میں ضروری حوائج کے لئے بازار بھی ہے وہاں جمعہ بلا تکلف جائز ہے اور اگر ایک قریہ اتنا بڑا نہیں ہے مگر اس کے قریب دوسرا قریہ بھی ہے کہ مجموعہ دونوں کا اس سابق ایک کے مثل ہے تو دیکھنا چاہئے کہ اس دوسرے قریہ کو پہلے قریہ سے کیسا اتصال ہے اگر ایسا اتصال ہو کہ دیکھنے والے کو اگر یہ نہ بتلا دیا جاوے کہ فلاں جگہ سے دوسرا قریہ شروع ہوا ہے تو دونوں کو ایک ہی سمجھے ایسے اتصال سے ان دونوں کو متحد سمجھا جائے گا اور اس مجموعہ میں وہ دو پہلی قیدیں دیکھی جاویں گی۔ اور ان کے تحقق کی صورت میں جمعہ صحیح ہوگا۔ اور اگر ایسا اتصال نہیں ہے گو زیادہ فصل بھی نہ ہو تو دونوں کو جدا جدا سمجھا جاوے گا اور جب کہ ہر واحد صغیرہ ہے تو جمعہ کسی میں صحیح نہ ہوگا۔ اور وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض قریٰ متصل چلے گئے ہیں مگر مجموعہ سے دائرہ کی صورت بنتی ہے اور اس محیط کے درمیان میں بہت جگہ غیر آباد ہے جس میں کاشت و باغ وغیرہ ہے اور بازار کسی ایک حصہ میں نہیں ہے بلکہ منتقل ہوتا رہتا ہے۔ سو عندالتامل مجھ کو ان کا حکم بھی مثل واحد کے معلوم ہوتا ہے۔ البتہ اگر ایک قریہ سے دوسرے قریہ میں مفازہ قطع کر کے جاویں اور مفازہ مسافت قصر ہو تو قصر واجب[1] ہو جاوے گا (حوالۂ بالا)

تعریف قریۂ کبیرہ

سوال (۵۹۴) ایک بڑی ضروری بات قابل گزارش ہے جس سے سخت تشویش رہتی ہے کہ احقر کا مکان ایک موضع میں ہے جس کو عرفاً دیہات ہی کہتے ہیں گو اس کی آبادی تین چار ہزار کی ہے احقر کو معلوم تحقیقاً یہی تھا کہ جس کو عرفاً قصبہ یا شہر کہتے ہوں اسی میں جمعہ فرض ہے اسی بناء پر اس دفعہ مکان گیا تو جمعہ کی نماز میں شریک نہیں ہوا لوگ چونکہ مانتے ہیں اس لئے زیادہ الجھتے نہیں البتہ دریافت کیا ان کو نرمی سے سمجھا دیا اور کہہ دیا کہ میں آپ لوگوں کو منع نہیں کرتا ہاں مجھے خود معذور سمجھیں۔ مگر درمختار میں قریۂ کبیرہ کو بھی داخل حکم قصبہ یا شہر لکھا ہے۔ اب سخت تردد

(۱) اس کے بعد وہاں کے علماء کی تحریرات سے قدرے تردد ہو گیا جس کے بعد یہ معمول کر لیا گیا وہاں کے جمعہ کے باب میں لکھ دیا جاتا ہے کہ وہاں کے علماء سے پوچھنا بہتر ہے۔ ۱۲ منہ

ہے کہ کبیرہ صغیرہ کا معیار کیا ہے نیز قریہ خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ اس کو نص مصر جامع کے ہوتے ہوئے کیسے حکم دیا گیا۔ اب مشکل یہ ہوئی کہ احقر اپنے مکان پر کیا کرے تمام ہندو مسلمان مل کر کم از کم تین ہزار سے زیادہ ہوں گے نیز دوکان بھی پچیس تیس گھر موجود ہے ہر قسم کی ضروری چیز بھی ملتی ہے البتہ کوئی تھانہ وغیرہ نہیں ہے احقر کو سخت پریشانی ہے کہ خدا جانے کیا فرض ہے جمعہ چھوڑتے ہوئے پڑھتے ہوئے دونوں میں مشکل معلوم ہوتی ہے براہ شفقت جناب ہی اس کے متعلق دو چار حرف لکھتے تو تشفی ہو جاتی۔؟

الجواب۔ میں قریۂ کبیر کے معنی قصبہ سمجھتا ہوں قرینہ اس کا یہ ہے کہ فقہاء قریۂ کبیرہ کی صفت میں التی فیھا اسواق بڑھاتے ہیں گویا یہ تفسیر ہے اور یہ شان قصبہ کی ہوتی ہے اور عرف میں مصر قصبہ کو بھی کہتے ہیں۔ (تتمۂ خامسہ ص ۴۵)

سوال (۵۹۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک موضع کی آبادی تخمیناً چار ہزار کی ہے ضرورت کی ساری چیزیں حتیٰ کہ دوا اور من بھی مل جاتی ہے ڈاکخانہ ہے۔ سرکاری مدرسہ ہے پہلے تحصیلداری بھی تھی اب اٹھ کر دوسری جگہ چلی گئی۔ ہفتہ میں دو مرتبہ بازار لگتا ہے۔ بازار میں دس بارہ دوکانیں ایسی ہیں جو مستقل طور سے روزمرہ کھلی رہتی ہیں جن میں سے مسلسل پانچ چھ ایک طرف اور پانچ چھ دوسری طرف درمیان میں دس بارہ قدم کا فاصلہ ہے اور یہ دوکانیں بازار کے نام سے موسوم ہیں۔ سابق یعنی شاہی زمانہ میں یہاں قلعہ بھی تھا جس کے آثار اب تک کثرت سے موجود ہیں۔ باوجود نمازیوں کی قلت کے ہر جمعہ میں کم وبیش سو آدمی ہو جاتے ہیں اور رمضان شریف میں اس سے زیادہ قاضی وملا کے خاندان کے لوگ بھی ہیں۔ ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے زمانہ میں کوئی بڑی جگہ تھی۔ لہٰذا یہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ اس کی موجودہ حالت مقتضی ہے جواز جمعہ کو۔ آبادی بھی چھوٹے قصبات کی سی ہے اور حوائج ضروریہ کی مستقل دوکانیں بھی ہیں جو عرف میں بازار کہلاتا ہے اور تحقیق شرط مصر کا مدار عرف ہی پر ہے علی الاصح۔ اور اس سے قطع نظر کر کے بھی جب آثار وقرائن قویہ سے اس کی حالت ماضیہ مصر جیسی تھی تو بعض آثار مصریہ کا باقی رہنا بھی (جیسا کہ چار ہزار کی آبادی مصریہ کا اثر اعظم ہے) صحت جمعہ کے لئے کافی ہے۔ دلیلہ ما فی شرح السیر الکبیر ص ۸۱۔ فلا تصیر دار الاسلام الا بانقطاع ید اھل الحرب عنھا من کل وجہ وھذا لان ما کان فانہ یبقی ببقاء بعض اثار ولا یرتفع الا باعتراض معنی ھو مثلہ او فوقہ اھ قلت

وشمل هذا لكلي الجزئي المتكلم فيه۔ البتہ چونکہ ایسے امور میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس لئے فاعلین و تارکین اس اختلاف کو صدر معارضہ وتشویش تک نہ پہنچاویں۔

۱۷ محرم ۱۳۵۳ھ۔ (النور جمادی الاولیٰ ص ۷ ۵۴ھ)

قبل صلوٰۃ عید اشراق پڑھنے کا حکم

سوال (۵۹۶) بروز عیدین نماز اشراق وچاشت کیوں نہیں پڑھتے ممانعت کی وجہ کیا ہے۔ اگر یہ خیال کیا جاوے کہ وقت نماز عیدین کا اشراق سے لیکر چاشت یعنی زوال سے قبل تک ہے اس وجہ سے نہیں پڑھتے تو یہ بظاہر کوئی وجہ ممانعت کی معلوم نہیں کیونکہ ہر ایک کا وقت علیحدہ ہے تشابہ نماز عیدین نہیں ہوسکتا کہ وہ نماز بجماعت ہے اور یہ نمازیں فرادیٰ فرادیٰ ہیں۔؟

الجواب۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ سے اس روز پڑھنا اس کا ثابت نہیں اور چاشت پڑھنے کا بعد واپس آنے کے کچھ حرج نہیں۔ ۲۱ ذی الحجہ ۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۲۳)

جمعہ کے واسطے مصر کی شرط

سوال (۵۹۷) یاایُّھاالذین امنوا اذانودی للصّلوٰۃ من یوم الجمعة فَاسْعَوا اِلیٰ ذکر اللّٰہ اور حدیث الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعةٍ الاعلی اربعة عبد مملوك اوا مرأة اوصبی اومریض۔ دوسری حدیث میں من کان یومن باللہ والیوم الاخر فعلیه الجمعة یوم الجمعة الالمریض او مسافر اوامرأة اوصبی او مملوك۔ موافق مطلب آیۃ کریمہ اور ہر دو حدیث کے سوائے ان کے جن کو شارع نے استثناء کیا ہے نماز جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے یا فقط شہر والوں پر۔؟

الجواب۔ جس طرح احادیث مذکورۂ سوال بعض کے استثناء کی دلیل ہیں اس طرح اہل قریٰ کے استثناء کی دوسری شرعی دلیل بھی موجود ہے پس وہ بھی مستثنیٰ ہوئی۔ اس لئے صرف اہل مصر پر فرض رہی تحقیق اس کی مشبع ومبسوط وکافی رسالہ اوثق العریٰ میں اور تدقیق اس کی رسالہ احسن القریٰ میں موجود ہے۔ ۶ محرم ۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۲۷)

سوال (۵۹۸) گزشتہ خط میں اس مضمون کو لکھا تھا کہ کہاں پر جمعہ وعیدین درست ہے اور کہاں پر نہیں حضور نے ارشاد فرمایا کہ جس جگہ تقریباً چار ہزار کی کل مردم شماری ہو یعنی چھوٹے

بڑے کافر مسلمان سب مل کر۔ اور بازار بھی ہو وہاں جمعہ وعیدین درست ہے اور جہاں یہ شرطیں نہ ہوں۔ درست نہیں۔ اب عرض کرتا ہوں کہ آپ اس مضمون کو کون کون سی کتاب سے فرماتے ہیں بتلا دیجئے۔ درمختار وتنویرالابصار وبحرالرائق کی یہ تحریر کہ المصر هو مالا يسع اكبر مساجده اهله المكلفين بها وعليه فتوىٰ اكثر الفقهاء عن ابی یوسفؒ انه اذا اجتمعوا فی اكبر مساجدهم للصلوات الخمس لم يسعهم وعليه الفتوىٰ لاكثر الفقهاء کیوں معتبر نہیں۔؟

الجواب۔ میرا ماخذ علامہ شامی کی نقل ہے خود امام صاحب سے هو بلدة كبيرة فيها سكك واسواق۔ اور بلدہ ایک امر عرفی ہے خود امام صاحب کا قاعدہ ہے کہ جس میں تحدید شرعی نہ ہورائے مبتلی بہ پر اس کا مدار ہوتا ہے اور جس طرح آب کثیر میں دہ دردہ انتظام کے لئے مقرر کیا گیا اس طرح یہاں انتظام کے لئے حکمائے تمدن یعنی حکام وقت کی عرف واصطلاح کا اعتبار ہوگا اور وہ چار ہزار آدمی کی آبادی کو قصبہ کہتے ہیں اور قصبہ بتصریح فقہاء حکم مصر میں ہے اور یہ تعریف هو ما لايسع الخ۔ حدتام نہیں رسم ناقص ہے اس وقت یہ حالت امصار کی تھی۔ فقط

۱۰رشعبان ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۶)

جمعہ وصلوٰۃ عیدین میں امام وخطیب کا علیحدہ علیحدہ ہونا

سوال (۵۹۹) عیدین کی نماز ایک شخص یعنی قاضی شہر پڑھاتا ہے اور خطیب دوسرا آدمی ہے وہ خطبہ پڑھتا ہے اور اسی طرح زمانہ شاہی سے ہوتا آیا ہے لہٰذا ایسا فعل یعنی نماز ایک شخص پڑھاوے اور خطبہ دوسرا پڑھے شرعاً جائز ہے۔ اور یہ فعل قرون ثلثہ میں پایا گیا ہے۔؟

الجواب۔ في الدرالمختار لا ينبغي ان يصلي غير الخطيب لانهما كشيئ واحد الخ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ ایسا فعل جائز تو ہے مگر خلاف اولیٰ ہے اور قرون ثلثہ میں پایا جانا نہ پایا جانا کسی روایت میں نہیں دیکھا۔ والرواية المذكورة وان ذكرت في الجمعة لكن حكم خطبة العيدين كالجمعة لما في الدرالمختار وما يُسَنُّ في الجمعة ويكره ويسن فيها ويكره ج ۱ ص ۸۷۴ واللہ اعلم۔ ۹رصفر ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۲۹)

اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا

سوال (۶۰۰) اذان جمعہ کے بعد اکل وشرب وغیرہما میں جو کہ باعث فوت جماعت ہو مصروف رہنے میں کیا حکم ہے۔؟

الجواب۔سب حرام ہے ۔لما فی ردالمحتار تحت قوله ووجب سعی الیها وترك البیع بالاذان الاول مانصه ارادبه کل عمل ینافی السعی وخصه اتباعاً للاٰية نھر ج۱ص ۸۶۰۔ ۱۴رذی الحجہ ۲۸ھ(تتمۂ اولیٰ ص ۳۲)

حرمت ہر فعل مخل درسعی جمعہ

سوال (۶۰۱) جمعہ کی پہلی اذان سن کرتمام کاموں کوچھوڑ کر جمعہ کی نماز کے واسطے جامع مسجد میں جانا واجب ہےخرید وفروخت یا کسی اور کام میں مشغول ہونا حرام ہے۔ یہ مسئلہ فقہی ہے تو کیا جمعہ کے روز ایسے وقت سونا اور قیلولہ کرنا اور مطالعہ کتب دینی وغیرہ کرنا حرام ہوگا۔؟

الجواب۔فی الدرالمختار ووجب سعی الیها وترك البیع فی ردالمحتار قوله وترك البیع ارادبه کل عمل ینا فی السعی وخصه اتباعاً للاٰية نھر ج۱ص ۸۶۰۔اس سے معلوم ہوا کہ جس عمل میں مشغول ہونے سے سعی میں خلل پڑے وہ حکم بیع میں ہے۔
۳ رجمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۳۸)

خطبہ سننا واجب ہے

سوال (۶۰۲) عیدین اور جمعہ میں خطبہ پڑھنا یا سننا واجب ہے یا کیا اور خطبۂ اول دوم کے لئے ایک حکم ہے یا علیحدہ یعنی اول واجب ودوم سنت ہے یا کیا۔؟

الجواب۔فی الدرالمختار ویشترط لصحتها ای (الجمعة) تسعة اشیاء الی ان قال والرابع الخطبة ثم قال ویسن خطبتان وفیه ویخطب بعدها (ای صلوة العیدین) خطبتین وهماسنة۔ اس عبارت سے یہ امور ثابت ہوئے (۱)عیدین کا خطبہ سنت ہے۔(۲) جمعہ کا خطبہ فرض ہے اوراس کے دوحصے ہونا سنت ہے(۳)اول ثانی میں دونوں کے کچھ فرق نہیں۔(۴)سننا سب خطبوں کا واجب ہے۔۵رجمادی الاول ۱۳۲۹ھ(تتمۂ اولیٰ ص ۳۵)

صلوٰۃ عیدین کا گرجا کے میدان میں یا رنڈی کی بنائی ہوئی عیدگاہ میں پڑھنا

سوال (۶۰۳) کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ اس مقام میں نماز عیدین چند سال سے لوگ ایسے مقام میں پڑھتے ہیں جس کا نقشہ بھی منسلک استفتاء ہے بعض لوگوں کو اس وجہ سے کہ یہ میدان گرجا کا میدان کے نام سے مشہور ہے یہاں نماز پڑھنے میں شبہ اور اعتراض ہے اس سے

اچھا اور صاف شہر کے قریب اور کوئی دوسرا میدان بھی نہیں ہے ایسی صورت میں یہاں نماز پڑھنا ممنوع ہے یا نہیں۔ اس میدان میں نماز پڑھنے کی کوئی ممانعت بھی حکام کی طرف سے اب تک نہیں ہوئی اور سابق سے جو عیدگاہ ہے اولاً وہ شاید کسی رنڈی کی بنائی ہوئی ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ عیدگاہ قدیم اور اس کے متصل جو امام باڑہ ہے وہ کسی رنڈی کا بنایا ہوا ہے۔ پہلے وہ غیر مسقّف تھی اب ایک دوسری رنڈی نے اس کو مسقّف کر دیا ہے۔ ثانیاً عیدین میں وہاں رنڈیوں کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ مقام مذکور جو گرجا کے نام سے مشہور ہے گرجا کا حلقہ محدود ہے باقی میدان میں گھوڑ دوڑ ہوتا ہے۔ یہ بھی ارقام فرمایا جاوے کہ صورت مسئولہ میں سابق عیدگاہ میں نماز پڑھنا افضل ہے یا گرجا کے میدان میں یا دونوں مقام سے مساجد شہر کے اندر نماز عیدین پڑھنا افضل واولیٰ ہے۔؟

الجواب۔ اگر کوئی میدان تجویز کرلیا جانا ممکن ہو تو سب سے زیادہ بہتر ہے اور اگر ایسا موقع نہ ملے تو رنڈیوں کی عیدگاہ میں نماز کی کراہت فی نفسہ ہے اس سے اس میدان میں نماز پڑھنا غنیمت ہے کیونکہ اس میں کراہت محض لعارض ہے اور وہ عارض عوام کی تشویش ہے جس کے لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے ترمیم خانہ کعبہ کو موقوف رکھا تھا اس پر نظر کر کے میرے نزدیک مساجد شہر میں پڑھ لینا ارجح ہے کہ صرف ایک سنت یا مستحب کا ترک ہے اور ترک بھی مصلحت شرعیہ سے جو کہ عذر معتبر ہے اس لئے غائلہ ترک سنت کا بھی لازم نہ ہوگا۔ ۲۲؍رمضان ۱۳۳۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۸)

جمعہ کو فرض نہ جاننے والے اور احتیاط الظہر پڑھنے والے کی جمعہ میں امامت کا حکم

سوال (۶۰۴) جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنے والوں کے دو فریق ہیں ایک تو جمعہ کو بالکل فرض نہیں کہتا اس واسطے کہ بادشاہ اسلام شرط ہے اور وہ مفقود ہے اور جمعہ کو شعائر اسلام سے بتلاتا ہے۔ اور دوسرا فریق ایسا ہے کہ جمعہ کو تو فرض مانتا ہے اور احتیاط الظہر بھی پڑھتا ہے۔ اب یہ امر قابل استفسار ہے کہ ان دونوں فریق کے پیچھے اس شخص کی نماز جو جمعہ کو فرض مانتا ہے اور احتیاط الظہر نہیں پڑھتا ہو جائے گی یا نہیں یا کس فریق کے پیچھے ہوگی اور کس کے پیچھے نہ ہوگی اقتداء قوی بالضعیف کسی صورت میں لازم آتی ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدرالمختار باب الإمامة صح اقتداء متنفل ومن یری الوتر واجباً بمن یراہ سنة ومن اقتدی فی القصر وھو مقیم بعد الغروب بمن احرم قبله للاتحاد فی ردالمحتار قوله للاتحاد ای اتحاد صلاة الإمام مع صلاة المقتدی فی الصور الثلث اما فی الاولی فظاھر واما فی الثانیة فلا ن ما اتی به

کل واحد منهما هو الوتر في نفس الامرو اعتقاد احدهما سنية والاخير وجوبه امر عارض لايوجب اختلاف الصلاتين واما الثالثة فلان كلا منهما عصر يوم واحد الخ (ج۱ص۶۱۸)

اور اقتداء الاقوی بالاضعف کا اثر عدم اتحاد صلاتین میں ظاہر ہوتا ہے پس صورت مسئولہ میں ہر ایک کی نماز دوسرے کے پیچھے درست ہو جائے گی۔ فقط ۱۵؍ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۰)

قبل از جمعہ سنتیں مؤکدہ ہیں یا نہیں اور بعد جمعہ چار سنتیں مؤکدہ ہیں یا دو

سوال (۶۰۵) جمعہ کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں یا نہیں۔ اور بعد کی سنتوں میں سے چار مؤکد ہیں یا دو یا سب۔؟

الجواب۔ جمعہ کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں۔ کذا فی الدرالمختار۔ اور بعد کی چار مؤکدہ ہیں کذا فی الدرالمختار۔ (حوالۂ بالا)

حکم دعائے مروجہ بروز جمعہ

سوال (۶۰۶) ہماری مسجد محلہ میں ہمیشہ پنج وقت تو نہیں خاص جمعہ کے روز یہ دستور قرار پاچکا ہے کہ پیش امام بعد ادائے سنن ونوافل ختم نماز پر ٹھہرا رہتا ہے جب سب نمازی فارغ ہو جاتے ہیں سب ملکر دعا کرتے ہیں اگر اس کے خلاف ہو جائے تو اس پر اعتراض بھی ہوتا ہے اس مسئلہ میں حکم شرع لطیف کیا ہے۔؟

الجواب۔ تخصیص عام اور تقلید مطلق ایک حکم ہے اور ہر حکم کے لئے دلیل شرط ہے اور اس تخصیص وتقلید مذکور فی السوال کی کوئی دلیل نہیں لہٰذا اس کی مشروعیت کا اعتقاد اور اس سے بڑھ کر لزوم کا اعتقاد یا عمل اختراع واحداث فی الدین ہے اور ایک بار دعاء کرنا جو کہ منقول بھی ہے مگر بلا تاکد خود اس کے تاکد کا اعتقاد احداث ہے لیکن چونکہ مشاہدہ ہے کہ اس کے ترک پر کوئی ملامت نہیں کرتا جو قرینہ ہے عدم اعتقاد تاکد کا اس کے۔ اس پر دوام کی اجازت دی جاتی ہے بخلاف عمل مذکور فی السوال کے کماذکر فافترق۔ واللہ اعلم۔ ۱۹؍ذیقعدہ ۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۷۰۶)

تحقیق خواندن تسمیہ بالجہر در خطبہ

سوال (۶۰۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک

صاحب خطبہ اولیٰ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بآواز بلند پڑھتے ہیں۔ ایسا کرنا چاہئے کہ نہیں اگر کرنا چاہئے تو یہ طریقہ مستحب ہے یا سنت مؤکدہ یا کیا۔ اور اگر نہیں کرنا چاہئے تو مکروہ ہے یا کیسا جواب کے لئے جوابی کارڈ ارسال خدمت ہے۔ بینوا توجروا۔ مستحب اور سنت طریقہ سے بحوالۂ کتب اگر ممکن ہو تو سرفراز فرمایئے اور قبل خطبہ اعوذ باللہ و بسم اللہ آہستہ پڑھنا مسنون ہے اور مستحب یا جہر کے ساتھ۔؟

الجواب۔ فی البحر الرائق واما سننها فخمسة عشر الی قوله رابعها قال ابویوسف فی الجوامع التعوذ فی نفسه قبل الخطبة ثم قال وهی تشتمل علی عشرة احدها البداء ة بحمدالله الخ۔ (ج ۲ ص ۱۵۹) وفی الدرالمختار ویبدأ بالتعوذ سرافی ردالمحتار ای قبل الخطبة الاولی بالتعوذ سراثم بحمدالله الخ۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے قبل صرف اعوذ باللہ آہستہ پڑھے۔ نہ تو بسم اللہ پڑھے اور نہ اعوذ باللہ پکار کر پڑھے اور کسی نے قبل خطبہ بسم اللہ پڑھنے کو نہیں لکھا جس سے معلوم ہوا خود بسم اللہ پڑھنا مطلوب ہی نہیں اور بعض نے جو لکھا ہے کہ بجز قرآن کے اور کسی پر اعوذ نہ پڑھے سو دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ خطبہ بحکم قرآن ہے لہٰذا خطبہ اس عموم میں داخل نہ ہوگا۔

۲۹ رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۷۱)

عدم سقوط جمعہ از طلبۂ انگریزی بوجہ اجازت اسکول

سوال (۶۰۸) عبداللہ نامی ایک شخص انگریزی مدرسہ میں پڑھتا ہے اور اس میں جمعہ کی نماز کے واسطے چھٹی نہیں ملتی ایسی صورت میں اس کو ترک اسکول کرنا موافق شرع کے ضروری ہے یا نہیں۔ مکرر یہ ہے کہ ایک بزرگ اس کے بزرگوں میں سے کہتا ہے کہ بضرورت امتحان کے سال میں چار جمعہ چھوڑ دینا جائز ہے ایسے شخص کی نسبت آپ کیا فتویٰ دیتے ہیں۔؟

الجواب۔ جو عذر سقوط جمعہ کے فقہاء نے لکھے ہیں یہ عذر ان میں سے نہیں ہے لہٰذا اس پر اسکول کا ترک کر دینا ضروری ہے اور اس بزرگ کا قول محض غلط ہے۔

قلت هذا لایفوق فی الحبس علی مدیون موسر جلس فی الدین وقد وجب علیه الجمعة کما فی ردالمحتار علی قوله وعدم حبس مانصه ینبغی تقییده بکونه مظلوما کمدیون معسر فلو موسرا قادراعلی الادا حالا وجبت (ج ۱ ص ۸۵۳) وکذا لا یفوق عذره علی عذر والا جیروقد یجب علیه الجمعة کما فی

الدرالمختار اجیر و تسقط من الاجر بحسابه لو بعیدا والا لا ۔ج۱ص ۸۵۲۔
واللہ اعلم ۔ ۱۲؍ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۸۲)

عصا گرفتن بوقت خطبہ

سوال (۶۰۹) الخطب الماثورہ میں مذکور ہے کہ امام خطبہ کے وقت عصا ہاتھ میں لے کر کھڑا ہوا اور بہشتی زیور سے ممانعت مفہوم ہے ۔ فکیف التوفیق وعلی ای القولین العمل ۔

الجواب ۔ درمختار میں قوس یا عصا پر سہارا لگانے کو مکروہ کہا ہے اور ردالمختار میں اس پر دو اشکال کئے ہیں ایک ابوداؤد کی روایت سے کہ حضور ﷺ نے عصا یا قوس کا سہارا لیا ہے دوسرا محیط کی روایت سے کہ اخذ عصا کو سنت کہا ہے مثل قیام کے ۔ (ج۱ص ۸۶۲) اور ترجیح ردالمختار کے قول کو ہے پس بہشتی زیور میں گو اس مسئلہ کا ہونا بعید ہے اس لئے کہ اس میں احکام مختصہ بالرجال نہیں لئے گئے اگر کہیں ایسا ہے تو غالبًا درمختار کی روایت کی بناء پر لکھدیا ہوگا جس کا مرجوح ہونا ابھی معلوم ہوا ۔ ۱۵؍ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۸۵)

سوال (۶۱۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ یہاں رنگون کی اکثر مساجد میں قاعدہ یہ ہے کہ بروز جمعہ خطیب اپنے ہاتھ میں عصا لیکر خطبہ پڑھا کرتا ہے ۔ پس ارشاد ہو کہ اگر امام وقت خطبہ عصا کے بجائے تلوار ہاتھ میں لیکر خطبہ پڑھے تو شرعاً کیا حکم ہے اور اگر تلوار کو ہاتھ میں لینے کی صورت میں نئی بات دیکھ کر کچھ لوگ اعتراض کرنے لگیں تو ان کے اعتراض کرنے کی وجہ سے آیا اس فعل کو چھوڑ دینا چاہئے یا نہیں ۔ بینوا توجروا ۔؟

الجواب ۔ فی الدرالمختار یخطب الإمام بسیف فی بلدة فتحت به کمکة والا لاکالمدینة فی ردالمحتار فی بلدة فتحت به ای بالسیف لیریهم انها فتحت بالسیف فاذارجعتم عن الا سلام فذلك باق فی ایدی المسلمین حتی ترجعوا الی الاسلام۔ درر ص ۸۶۲ ج۱ ۔
متن کی قید اور حاشیہ کی حکمت صاف بتلا رہی ہے کہ یہ فعل مخصوص ہے امام المسلمین یعنی سلطان اسلام یا اس کے نائب کے ساتھ پس دوسرے خطیبوں کے لئے مشروع نہیں ۔

۲۶؍رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ (تتمۂ خامسہ ص ۵۹۲)

سوال (۶۱۱) ماقولکم رحمکم الله تعالیٰ فی الدارین ۔ اندریں کہ بوقت

خطبہ پڑھنے کے لاٹھی ہاتھ میں لینا زید مسنون کہتا ہے مگر عمرو بحوالۂ عالمگیری مکروہ تحریمی بتاتا ہے اب مصلی طرفین اور زید وعمرو متفق الرائے ہوکر جناب فیض مآب سے مسئلہ طلب کرتا ہے کہ اگر قول وفعل زید کا معتبر ہوتو اس پر عمل کرے گا وگرنہ نہیں۔؟

الجواب۔ کیا عالمگیری میں تحریم کی تصریح ہے مدعی سے پوچھو ذرا شامی بھی دیکھ لی ہوتی کہ اس میں سنت کا بھی قول ہے اور حدیث بھی نقل کی ہے۔ اب صورت تطبیق کی یہ ہے کہ فی نفسہ سنت ہے مگر غیر مؤکدہ۔ اگر مؤکدہ سمجھا جائے گا تو مکروہ ہے میرا یہی اعتقاد ہے۔

یکم صفر ۱۳۵۱ھ (النور۔ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ ص ۷)

نماز جمعہ کا در کارخانہ کہ از جبل پور سہ میل است

سوال (۶۱۲) یہاں کارخانہ میں جس میں ملازم ہوں شہر جبل پور سے قریباً تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور وہ اشخاص جو باہر کے رہنے والے ہیں کارخانہ کے پاس سرکاری مکانوں میں اقامت گزیں ہیں۔ سوا اتفاق سے یہاں مسلمانوں کے لئے کوئی مسجد وغیرہ نہیں ہے جس میں وہ سب مل کر نماز باجماعت ادا کرسکیں۔ اب چونکہ گورنمنٹ نے از راہ عنایت فریضۂ جمعہ ادا کرنے کی چھٹی عطا فرمائی ہے اس لئے ہم یہاں یہ نماز ادا کرنے کا یہ انتظام کر رہے ہیں کہ ایک معمولی لکڑی کا جنگلہ لگا کر احاطہ بنالیا جاوے اور اس میں نماز جمعہ ادا کی جاوے لیکن اس پر بعض معترض ہیں کہ اس جگہ نماز درست نہیں اس لئے مکلّف خدمت ہوں کہ اپنی رائے روشن سے مطلع فرما کر ممنون فرماویں کہ آیا حالت مذکورۃ الصدر میں نماز جمعہ درست ہے یا نہیں ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ شہر جا کر کسی مسجد میں نماز ادا کرسکیں۔ اور آدمی تقریباً سو سے زیادہ ہی نماز کے لئے جمع ہوں گے۔ امید ہے کہ جواب سے بہت جلد سرفراز فرماویں۔؟

الجواب۔ جبل پور سے جیسے بڑے شہر کا فنا تین میل ہونا ممکن ہے اور کارخانہ چونکہ مصالح بلد سے ہے اس لئے اس مقام کا فناء ہونا واقع بھی ہے لہٰذا نماز جمعہ صحیح ہے۔

۱۸ر شعبان ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ۲ ص ۱۱۳)

جواز صلوٰۃ عیدین بر سقف جہاز مربوط بر کنارۂ شہر

سوال (۶۱۳) میں ایک انگریز کمپنی کی طرف سے ایک چھوٹے آگبوٹ کی آمد و رفت کا اسٹیشن ماسٹر اور مختار ہوں اور وہ آگبوٹ موافق حکم کمپنی کے ٹھیک آٹھ بجے صبح کو صدر گھاٹ سے

روانہ ہوتا ہے شام کے وقت پھر لوٹ آتا ہے اس جلدی کی وجہ سے ہم کو عیدگاہ میں ایک جم غفیر کے انتظار کے ساتھ نماز ادا کر کے جہاز چھوڑنے کا وقت نہیں ملتا ہے اس واسطے ہم اپنے نوکروں کے ساتھ جو تیس یا چالیس آدمی تک ہیں نماز عیدین جہاز کی چھت پر جو دھو دھا کر بہت پاک وصاف کیا جاتا ہے جس وقت جہاز خشکی کے ساتھ خوب مضبوطی سے بندھا ہوا رہتا ہے ادا کرتے ہیں اور یہ گھاٹ شہر کے بالکل متصل ہے۔ اب اس صورت میں نماز عیدین ادا کرنا درست ہوگی یا نہیں مگر اگر جائز نہ ہو ہم کو یا نوکری چھوڑ دینا پڑے گا یا کہ عیدین کی نماز حلال ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ جہاز کی روانگی روزانہ جاری ہے۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار و (السفینة) المربوطة فی الشط کا لشط فی الاصح اھ وفی الدرالمختار ایضاً فناء ہ وھو ماحوله لا جل مصالحه وفی ردالمحتار و کما ان المصر اوفناء ہ وشرط جواز الجمعة فھو شرط جواز صلاة العید۔(ج۱ص۸۳۷)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں نماز عیدین درست ہے۔

۱۳ رذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (حوادث ج او ۲ ص ۱۲۳)

تقدیم رعایت جمعہ بر رعایت جماعت

سوال (۶۱۴) جب سے دیہات میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے تو نماز جمعہ کے لئے الٰہ آباد جایا کرتا ہوں لیکن ایک وقت کی جماعت کم از کم ضرور راستہ میں فوت ہو جاتی ہے کیونکہ اکثر دیہات میں نماز کی جماعت کا اہتمام نہیں جس سے قلق بھی ہوتا ہے اس صورت میں کونسی صورت اختیار کرنا بہتر ہوگا۔؟

الجواب۔ جزئیہ تو دیکھا نہیں مگر فقہاء نے ایک کلیہ لکھا ہے کہ خلافیات میں مراعات خلاف کی اولیٰ ہے بشرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آوے۔ سو چونکہ فرضیت جمعہ قریٰ مختلف فیہ ہے تو شہر میں جا کر جمعہ پڑھنے میں اس کی رعایت ہے اور اپنے مذہب کا کوئی مکروہ لازم نہیں آیا اس لئے جمعہ کی رعایت اولیٰ معلوم ہوتی ہے۔ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۳۲)۔

اگر سہواً عیدین میں تکبیرات زائدہ چھوڑ کر رکوع میں چلا جاوے اور پھر لقمہ دینے سے رکوع کے بعد ان کو ادا کرے اور پھر سجدۂ سہو کرے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں۔

سوال (۶۱۵) اگر نماز عیدالاضحیٰ میں امام کو سہو ہوا اور رکعت ثانیہ میں بعد قرأت بلا تکبیر

کہے رکوع میں چلا گیا اور جماعت میں سے کسی مقتدی نے سبحان اللہ کہہ کر امام کو اس سہو پر آگاہ کیا اور امام متنبہ ہوکر رکوع سے پھر کھڑا ہوا اور ہر سہ تکبیرات کہی اور پھر رکوع کیا اور سجدۂ سہو بھی کیا۔ تو کیا اس صورت میں نماز عید ہوئی یانہیں اور اگر نماز عید نہیں ہوئی تو قربانی بھی ہوئی یانہیں ہوئی ۔اس قصبہ میں دوجگہ نماز اور بھی ہوتی ہے مگر اس امام کے مقتدیوں نے اپنی نماز پڑھکر قربانی بھی کرلی اس وقت تک اور کہیں نماز نہیں ہوئی تھی تو قربانی بھی ہوئی یانہیں۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار کما لورکع الإمام قبل ان یکبر فان الامام یکبر فی الرکوع ولا یعود الی القیام لیکبرفی ظاهر الروایات فلو عاد ینبغی الفساد فی ردالمحتار قوله فی ظاهر الروایة تبع فیه المصنف فی المنح والذی فی البحر والحلیة ان ظاهر الروایة انه لا یکبر فی الرکوع ولا یعود الی القیام وعلی ماذکره الکرخی ومشی علیه فی البدائع وهو روایة النوادر یعود الی القیام ویکبر ویعید الرکوع دون القراءة اه وهذة الروایة ایضاً تخالف ما فی المتن نعم صرح لمثله فی البحر والحلیة والفتح والذخیرة فی باب الوتر والنوافل الخ قوله فلو عادینبغی الفساد تبع فیه صاحب النحر وقد علمت ان العودروایة النوادر علی انه یقال علیه ما قال ابن الهمام فی ترجیح القول بعدم الفساد فیما لوعاد الی القعود الاول بعد مااستتم قائماً بان فیه رفض الفرض لاجل الواجب وهو وان لم یحل فهو بالصحة لایخل (ج۱ص ۸۷۳وص ۸۷۴) و فی الدرالمختار والسهو فی صلوة العید والجمعة والمکتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتاخرین عدمه فی الاولیین لدفع الفتنة کما فی جمعة البحرو اقره المصنف وبه جزم فی الدرر فی ردالمحتار قوله عدمه فی الاولیین الظاهر الجمع الکثیر فیما سواهما کذلك کما بحثه بعضهم (ط) وکذابحثه الرحمتی وقال خصوصاً فی زماننا وفی جمعة حاشیة الی السعود عن الغرمیة انه لیس المراد عدم جوازه بل الاولیٰ ترکه لئلا یقع الناس فی فتنة اه۔ (ج۱ص ۸۷۷)

ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے۔(۱) رکوع سے لوٹنا نہ چاہئے تھا بلکہ وہ تکبیرات رکوع میں کہہ لینا چاہئے تھا۔(۲) لیکن لوٹنے سے نماز فاسد نہیں ہوئی۔(۳) سجدۂ سہو بھی مناسب نہ تھا۔(۴) لیکن کرلیا تو بھی جائز ہوگیا۔خلاصۂ جواب یہ کہ نماز اور قربانی سب صحیح ہوگئی۔

۱۵؍ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۱۹)

تحقیق خطبۃ الوداع

سوال (٦١٦) چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں کہ درخطبۂ عید وآخر جمعہ ماہ رمضان الفاظ الوداع والفراق والسلام خواندن موافق سنت نبوی است یا بدعت سیئہ و ناجائز برتقدیم عدم جواز برمجوزین ومعتقدین آں کہ بجان ودل درابقاء ایں رسم قدیم کوشند حسب شریعت غراء وملت بیضاء چہ حکم نافذ کردو منسوب بفسق خواہند شد یا نہ۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ حاصل خطبۃ الوداع اظہار تاسف است برانقضائے رمضان وایں چنیں تاسف از حضرت نبویہ یا از سلف صالحین درخیر القرون جائے منقول نشد البتہ تنویہ بجیئ رمضان و تنبیہ برفضل آں دراحادیث آمدہ است کہ درآخر جمعہ شعبان درخطبہ فرمودند پس اوراگزاشتہ برائے آخر جمعہ رمضان خطبۂ خاص مقرر نمودن ظاہر است کہ تغییر مشروع وقلب موضوع است بلکہ اگر نیک نگرند بجائے تاسف گونہ سرور وفرح برختم آں مطلوب می نماید چنانچہ درحدیث منصوص است للصائم فرحتان فرحة عند الإفطار وفرحة عند لقاء ربه وظاہر است کہ اگر تاسف وقت انقضاء رمضان مشروع بود حصۂ ازاں تاسف وقت انقضاء اجزائش کہ صوم ہرروزہ است نیز مشروع بودے ہرگاہ وقت انقضائے اجزائش کہ افطار صغیر است فرح وسرور محمود شد لامحالہ انقضای مجموعہ افطار کبیر است نیز فرح وسرور مقصود شد پس اظہار تاسف مزاحمت است بدیں مامور بہ۔ ونیز وعدہ وبشارت مغفرت کہ متعلق بقدوم عید درنصوص وارد شدہ مشعر است بعدم استحسان تاسف بمقدمہ اش کہ انقضائے رمضان است لان مقدمه الشيئ في حكم ذلك الشيئ واگر ازیں دلائل قطع کردہ قائل باباحت اوشوند غایت مافی الباب اباحت مطلق آں مسلم خواہد شد مگر ہرگاہ دراں منکرات علمیہ وعملیہ از التزام واعتقاد لزوم آں درعامل وعوام منضم شدہ لامحالہ مثل دیگر بدعات کہ بعضے ازاں فی نفسہ مباح باشد لیکن بانضمام ایں چنیں مفاسد واجب الانکار می شود ایں ہم قبیح وشنیع خواہد بود وچوں قبح بعضے بدعات غامض می باشد مصلحین ومنکرین رالازم است کہ درہمچو ایں بدعات برعامل وملتزم عنف وتشدد نہ کنند کہ اکثر منجر بزیادت اصرار ووقوع مضمون اذا قبل له اتق الله اخذته العزة بالاثم شود بلکہ برفق ولطف ایشاں رابرآرند۔ واللہ الموفق واللہ اعلم۔ ۲۸ ر رمضان ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالث ص ۱۵۲)

طریق احتیاط بوقت وقوع فتنہ از ترک جمعہ درقریہ

سوال (٦١٧) یہاں مبتدعین کا از حد زور ہے چنانچہ شدت بدعت کی یہ حالت ہے کہ ہر

کام میں ایک نئی صورت پیدا کر رکھی ہے میرے رفع سبابہ سے بھی بہت کچھ ناک بھوں چڑھاتے ہیں چونکہ ایک گاؤں ہے اس لئے یہاں جمعہ جائز نہیں اور یہ لوگ پڑھتے ہیں میں نہیں پڑھتا اس لئے انہوں نے مجھے غیر مقلد قرار دیا ہے ممکن ہے کہ کچھ عرصہ بعد یہ منافرت اور مخالفت نازک صورت اختیار کر لے دعا فرماویں کہ خداوند کریم اس فرقہ کے مکائد سے مامون رکھیں۔ نیز مجھے جمعہ پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے۔؟

الجواب۔ اگر فتنہ ناقابل تحمل کا احتمال قوی ہو مقتدی بن کر جمعہ پڑھ لیجئے پھر منفرداً ظہر پڑھ لیجئے۔ (تتمۂ خامسہ ص ۴۶)

حکم خواند جمعہ حنفیہ را درقریٰ باختیار مذہب شافعیہ

سوال (۶۱۸) چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان متین دریں مسئلہ کہ در بعض دیار بہ ہر قریہ جمعہ می گزارند خواہ در وشمار مرد ماں ومکانان کثیر باشد یانہ وگروہے از علمائے احناف می گویند کہ گرچہ بمذہب ما درقریٰ جمعہ روانیست مگر ما یاں دریں مسئلہ بر سلک ائمۂ دیگراں عمل می نمائیم قول اوشاں چگونہ است واگر کسے از احناف درقریٰ جمعہ ادا کند از ذمہ اش نماز ظہر او ساقط خواہد شد یانہ جواب صافی مدلل تحریر فرمایند۔؟

الجواب۔ عدم صحت جمعہ درقریٰ عند الاحناف ظاہر است وآنانکہ بر مذہب شافعیہ می گزارند وظاہر است کہ ایشاں سائر فرائض صلوٰۃ کہ نزد شافعیہ ثابت اند بعمل نمی آرند مثل قراۃ خلف الامام وہمچنیں رعایت عدد مصلیین کہ عند الشافعیہ معتبر ست بجانمی آرند پس جمعہ ایناں نہ عند الحنفیہ درست شد لعدم قول الحنفیہ بالجمعہ فی القریٰ ونہ عند الشافعیہ درست باشد لعدم شرائط صحۃ الصلوٰۃ وایں را تلفیق می گویند فقہاء آں را باطل گفتہ فافہم۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص ۱۶)

تحقیق عدم صحت قیاس جواز جمعہ درقریٰ باجتماع مسلمانان برامامے بر جمعہ درقریٰ بحکم سلطان

سوال (۶۱۹) امدادالفتاویٰ جلد اول ص......سطر......میں جو مسئلہ در بارۂ جواز جمعہ فی القریٰ بامر سلطان مذکور ہے اس میں مجھ کو اشکال ہوا ہے عبارت امدادالفتاویٰ یہ ہے۔ س۔ در ملک افغانستان ایں قاعدہ است کہ بفرمائش امیر صاحب خلد اللہ تعالیٰ ملکہ بتحریک بعض عالم درقریٰ جمعہ قائم می کنند وبرائے چار پنج قریہ یک خطیب از طرف بادشاہ مقرر باشد فقط اذن

بادشاہ راازاشتراط مصر مغنی می پندارند۔ دریں علاقہ اگر کدام یکجا بجمعہ حاضر نشود خطیب صاحب انکارمی کند گاہے نوبت بشکایت نزد حاکم ملک می رسد درصورت مذکورہ دورکعت جمعہ از ظہر خلف میشود یانہ درتاخیر ازاں بعذر وحیلہ آثم خواہد شد یانہ۔؟

الجواب۔قال الشامی قال ابو القاسم هذا بلاخلاف اذا اذن الوالی القاضی الی قوله وصلوا فی القریٰ لزمهم اداء الظهروهذا اذالم یتصل به حکم فان فی فتاویٰ الدیناری واذابنی مسجد بامر الإمام فهو امر بالجمعة اتفاقاً ۔پس درصورت مسئولہ جمعہ صحیح است لکن وقت تبدیل حکومت اذن امیر سابق غیرکافی ست اذان امیر جدید شرط است۔ قال الشامی لایبقی الاالیوم الاذن بعدموت السلطان الاذن بذلك الااذا اذن به ایضاً سلطان زماننا نصره الله ۔ ص ۸٤۰ ۔ والله اعلم۔

اشکال اس میں مجھ کو یہ ہے کہ جب ازروے فقہ بڑے شہروں میں بھی اذن بادشاہ جمعہ کے لئے شرط ہے تو اگر وہاں بادشاہ کسی عناد وغیرہ کے سبب اذن جمعہ کا نہ دیوے یا بادشاہ غیرمسلم ہو تو مسلمین آپس میں اتفاق کر کے ایک کو امام بنا کر جمعہ ادا کر لیویں۔ پس صورت مذکور امدادلفتاویٰ سے لازم آتا ہے کہ فقط بادشاہ کا امر برائے جمعہ ضروری ہے شہر ہو یا نہ ہو۔ لہٰذا جب شہر میں بغیر اذن بادشاہ کے بھی اتفاق قوم سے جمعہ ہو جاتا ہے تو گاؤں میں بھی بغیر اذن بادشاہ کے (کیونکہ اس وقت خصوص مسلم بادشاہ نہیں ہے) اگر قوم اتفاق کر کے جمعہ پڑھ لیں تو اس میں جواز کی گنجائش ہے یا نہیں ۔ کیونکہ فقہ میں اتفاق قوم کو اذن بادشاہ کے قائم مقام کیا گیا تو جیسا اذن بادشاہ سے صورت مذکور میں گاؤں میں جمعہ ہوتا ہے ایسا ہی اب اس زمانہ میں اتفاق قوم سے گاؤں میں جمعہ ہونا چاہئے ۔بس یہی اشکال ہے جواب تحریر فرما کر اشکال دفع فرماویں فقط۔؟

الجواب عن الاشکال ۔ اقامت جمعہ فی القریٰ باذن بادشاہ کے مبنی یہ مسئلہ ہے کہ فصل مجتہد فیہ یعنی مسائل مختلف فیہا کے ساتھ جب امر سلطان یا قضائے قاضی ملاقی ہوتا ہے تو پھر مامور کو اس مسئلہ میں اپنے مجتہد کی تقلید ترک کر دینا واجب ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس امر میں جماعت مسلمین قائم مقام سلطان کے نہیں چنانچہ اگر جماعت مسلمین کسی مسئلہ میں ترک تقلید کا امر کریں وہاں ترک تقلید جائز نہیں اور نیابت جماعت کی مناب سلطان کے صرف امور انتظامیہ میں ہے سو چونکہ جمعہ کے لئے وجود سلطان کا مقصوداً شرط نہیں صرف رفع نزاع فی التقدیم والتقدیم ہے ۔ چنانچہ ہدایہ میں مصرح ہے اور یہ امر انتظامی ہے اس میں جماعت قائم مقام امام کے ہو جاوے گی پس ایک امر کا قیاس دوسرے پر مع الفارق ہے۔

۳۰رمضان ۱۳۳۶ھ (تتمۂ خامسہ ص ٦٤)

رفع عدم نفاذ حکم سلطان در ادائے جمعہ بقریہ وقتے کہ آں سلطان حنفی باشد

سوال (۶۲۰) جب سلطان اور والی مقلد امام ابوحنیفہؒ ہوں تو ان کو اپنے امام کے مذہب کے خلاف کسی مبنی پر اذن اقامت جمعہ فی القریٰ کی گنجائش ہوگی ۔ کما فی الدر المختار وإمام المقلد فلا ينفذ قضائه بخلاف مذهبه اصلا كما في القنيه قلت ولاسيما في زماننا ۔ اور اگر خلاف مذہب امامؒ کے یا شافعی مذہب وغیرہ ہونے کی وجہ سے اذن اقامت جمعہ فی القریٰ دیں تو مقلد حنیفہ کے لئے بھی یہی اذن صحت جمعہ فی القریٰ کافی ہوگا یا نہ ۔؟

الجواب ۔ یہ الگ بات ہے کہ خود سلطان وغیرہ کے لئے یہ فعل کس حالت میں کیسا ہے اس حکم کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ اگر سلطان ایسا کرے تو اس کا اثر کیا ہوگا سو اثر اس کا صحت جمعہ ہے اور اس اثر کو قبول کرنا خود اتباع ہے مذہب حنفی کا گو وہ فعل سلطان کا مذہب کے موافق کسی خاص حالت میں نہ ہو اور درمختار کی عبارت اس کے معارض نہیں کیونکہ مراد اس سے وہ مقلد ہے جس کو سلطان نے تولیت کے وقت قضا بخلاف مذہبہ سے منع کر دیا ہو صراحۃً یا دلالۃً ورنہ اگر سلطان اس کا اذن دیدے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور سلطان پر چونکہ کوئی والی نہیں ہوتا اس کا اذن مطلقاً نافذ ہے ۔ ۱۳ / ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ (تتمۂ خامسہ ص ۷۲)

شرط بودن در جواز جمعہ بقریہ آنکہ دراں قریہ نزد مجتہد آخر جمعہ صحیح باشد

سوال (۶۲۱) وہ کون سے قریٰ ہیں جن میں اذن سے صحت جمعہ ہوتی ہے علی العموم خواہ دس بارہ گھر ہی ہوں یا ان کی کوئی تخصیص ہے ۔

الجواب ۔ صرف ایک تخصیص ہے یعنی وہ قریہ ایسا ہو جہاں کسی نہ کسی مجتہد کے نزدیک جمعہ صحیح ہوتا ہو اور یہ امر مذاہب اربعہ کی کتب دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کیونکہ مبنی اس فرع کا یہ اصل ہے کہ الحكم اذا لاقى فصلاً مجتهداً فيه نفذ ۔ ۱۳ / ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ (تتمۂ خامسہ ص ۷۳)

جواب سوال متعلق اختلافات در تعریف مصر

سوال (۶۲۲) ایک چھوٹا گاؤں ہے جس کو ہر شخص گاؤں کہتا ہے کوئی بھی شہر یا قصبہ نہیں کہتا ہے اس میں تین مسجدیں ہیں اور اگر وہاں کے رہنے والے وہاں کی بڑی مسجد میں نہ سماسکیں تو وہاں جمعہ قائم کرنا بحسب روایت ذیل کے صحیح ہوگا یا نہیں ۔ درمختار میں ہے المصر وهو

مالایسع اکبر مساجد اھلہ الخ۔ یا علاوہ اس تعریف کے کوئی اور قید بھی ہے تو بیان فرماویں تتمۂ سوال قول البدیع ص ۱۳۱س ۶ میں ہے کہ یہ اختلاف عنوان ہے نہ مضمون اور علامہ شامی نے تحت قول درمختار یہ لکھا ہے۔ (**قولہ مالا یسع الخ) ھذا یصدق علی کثیر من** قریٰ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری تعریفیں ان اکثر قریٰ پر صادق نہیں آتیں گو اگر مابین اس تعریف اور دوسری تعریفوں کے تباین نہیں ہے تو عموم وخصوص ضرور ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ اختلاف معنونہ میں بھی ہے فقط عنوان اس کا تصفیہ فرماویں۔؟

الجواب۔ ان تعریفات میں احتمال دونوں ہیں اختلاف عنوان واختلاف معنون تو شامی یا طحطاوی کا اختلاف معنون سمجھنا دوسروں پر حجت نہیں کیونکہ یہ ایک توجیہ ہے فتویٰ اور حکم نہیں ہے پس وہ تطبیق کے قائل نہ ہوں گے ہم تطبیق کے قائل ہیں رہا یہ کہ عدم قول التطبیق کے بعد ان کا فتویٰ کیا ہے یہ الگ بات ہے اور بعد اللتیا والتی خلاصہ یہ ہے کہ احقر کی توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ مصر کی تعریف فقہائے حنفیہ میں مختلف نہیں ہے سو اگر کسی مصنف ومحشی کے نزدیک مختلف فیہ ہو تو ہم کو کیا مضر ہوا ہم اس مختلف فیہ میں بدلیل ایک کو ترجیح دیں گے۔ ۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ (تتمۂ خامسہ ص ۴۷)

ایک سوال مع جواب آیا تھا اور یہاں اس پر تصحیح کی گئی تھی بوجہ مفید ہونے کے سب نقل کیا جاتا ہے

سوال (۶۲۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں جن مقاموں پر اسلامی آبادی کو اتنی وسعت ہو کہ وہاں کی بڑی مسجد میں سب مسلمان سمانہ سکیں (عام اس سے کہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد دوسرے مقاموں کی چھوٹی سے چھوٹی مسجد ہو اور اس مقام پر لفظ گاؤں ہی کیوں نہ اطلاق کیا جاتا ہو) ایسے مقام کو بقول **اصح المصر ما لا یسع اکبر مساجد اھلہ** کے مصر شرعی کہا جائے گا اور جمعہ وہاں درست ہوگا یا نہیں فناء مصر کی تعریف اور اس کی مسافت کیا ہے اور مصر فناء مصر کے خارج کے باشندوں پر جمعہ واجب ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا؟

الجواب من مخلص الرحمٰن موضع حافظ پور ڈاکخانہ منہری ضلع ڈھاکہ

حامداً ومصلیاً، مصر کی تعریف میں جو اقوال مذکور ہیں ان میں سے کوئی حد مصر نہیں جو اس شان کی ہو کہ **کل ما صدق علیہ الحد صدق علیہ المحدود وبالعکس ای کل**

ما صدق علیه المحدود صدق علیه الحد، بلکہ وہ سب تعریفیں رسوم ہیں کیونکہ حد کا تعدد محال ہے اور رسوم کا جائز، مصر کی تفسیر میں جو فقہاء نے مختلف تعریفیں بیان فرمائی ہیں ان میں بغور ملاحظہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اختلافات اختلاف عنوان ہے نہ اختلاف معنون یعنی الفاظ کا بیان جدا جدا ہے اور مصداق سب کا ایک ہے سب لوگوں نے اپنے اپنے زمانہ کے اعتبار سے جو علامات کہ مصری پائی جاتی تھیں بیان کردی ہیں زمانہ اول میں امصار میں اکثر اوقات حدود اور قصاص ہوتا تھا اور فیصل خصومات کے لئے قاضی ہوتا تھا دیہات میں یہ امور نہ تھے جیسے آج کل کچہری فوجداری منصفی وغیرہ دیہاتوں میں نہیں ہوتی ہے، اس لئے اگلے لوگوں نے یہی علامات بیان کیں، پھر جب زمانہ میں تغیر ہوا تو علامات زائل ہوگئیں اور مختلف تعریفیں لوگوں نے کیں بلکہ ایک نہ ایک شخص سے کئی کئی تعریفیں فقہ کی کتابوں میں مروی ہیں اور یہ تعریف المصر مالایسع اکبر مساجده اهله بھی اسی بناء پر صحیح ہے جبکہ اس کو رسم ناقص اور علامت کہا جاوے اور اگر حد کہا جاوے تو اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ مکہ اور مدینہ مصر نہ رہے اور ان دونوں جگہ میں جمعہ درست نہ ہو کیونکہ موسم حج میں تمام دنیا کے حجاج جمع ہوتے ہیں پھر بھی مسجد خالی رہتی ہے تو لایسع کہاں ہوا بلکہ یسع صادق آ گیا اور جو تعریف مکہ مدینہ پر صادق نہ آوے وہ صحیح نہیں جیسا کہ کبیری میں ہے۔

اختلفوا فی تفسیر المصر اختلافاً کثیراً والفصل فی ذلك ان مکة والمدینه مصر ان تقام بهما الجمعة من زمانه علیه الصلوة والسلام الی الیوم فکل موضع کان مثل احدهما فهو مصر وکل تفسیر لا یصدق علی احدهما فهو غیر معتبر حتی التعریف الذی اختاره جماعة من المتاخرین کصاحب المختار والوقایة وغیرهما وهو مالو اجتمع اهله فی اکبر مساجده لایسعهم فانه منقوض بهما اذ کل منهما یسع اهله و زیادة ولم یعلم ان مکة والمدینة فی زمان النبی علیه الصلوة والسلام واصحابه رضی اللہ عنہم اکبر مما هی الان ولا ان مسجدها کان اصغر مما هو الان فلا یعتبر هذا التعریف۔

اس سے بعد فرماتے ہیں والحد الصحیح ما اختار صاحب الهدایة انه الذی له امیر و قاض ینفذ الاحکام و یقیم الحدود و تزئیف صدر الشریعة له عند اعتذاره عن صاحب الوقایة حیث اختار الحد المتقدم ذکره لظهور التوانی فی احکام الشرع سیما فی إقامة الحدود فی الامصار مزیف۔

اور جو اس تعریف میں اقامت حدود کی قید لگائی ہے ان کی مراد قدرت اقامت حدود ہے نہ اجراء حدود بالفعل کما فی الشامی بان المراد القدرۃ علی إقامۃ الحدود، ہاں تعریف مذکور یعنی المصر مالا یسع الخ کی صحت کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جب اس کو رسم ناقص اور علامات مصر کہا جاوے کیونکہ مصر میں اکثر متعدد مساجد ہوا کرتی ہیں اور ایک اکبر مساجد بھی ایسی ہوتی ہے وہاں کے لوگ اس میں سمانہ سکیں یہ علامات وعوارض سے ہیں نہ حقیقت مصر تاکہ لازم آوے کہ ان کے ارتفاع سے وہ بلاد مصر نہ رہے بلکہ مصر اور قریہ ہونے کا مدار عرف پر ہے کہ عرف میں جو آبادی بڑی ہو اس قدر کہ لوگ اسے شہر یا قصبہ کہتے ہوں اور وہ بڑا قریہ جو مشابہ قصبہ ہو اور وہاں بازار اور دوکانیں اور مسلمان کثرت سے ہوں اور اس شان کی ہو کہ اطلاق کے وقت اگر چہ فلاں گاؤں یا بازار سے موسوم کرتے ہیں لیکن اگر کوئی اس کو شہر کہدے تو اس کو تسلیم کرتے ہیں اور کوئی اس کو رد اور تکذیب نہیں کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ آبادی کے علاوہ جہاں بازار اور دوکانیں ہوں اور خرید فروخت کے لئے کہیں باہر دوسری جگہ نہ جانا پڑتا ہو ایسی آبادی کو قریۂ کبیرہ اور مصر شرعی کہتے ہیں عرف بھی اس کے مصر ہونے کا انکار نہیں کرتا ہے ایسی آبادی میں جمعہ جائز ہے۔

کما فی الشامی و تقع فرضاً فی القصبات و القری التی فیہا اسواق۔اور جو گاؤں اس شان کا نہ ہو اس پر لفظ شہر اطلاق کرنے سے ہر خاص و عام رد کرتے ہوں وہ قائل اگر اس پر اصرار کرے تو کذاب اشر او مجنون فیداوی کہہ کر دفع کرتا ہو ایسی آبادی کو عرفاً و شرعاً گاؤں کہتے ہیں ایسے گاؤں میں اگر اکبر مساجد ہو تو اتفاقی امر ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں ازروئے مذہب حنفیہ نماز جمعہ اور عیدین ایسے گاؤں میں ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے؛ کما فی القنیہ صلوٰۃ العید فی القری تکرہ تحریما ،اور شامی میں ہے قولہ صلوٰۃ العید الخ و مثلہ الجمعۃ یعنی عیدین کی طرح نماز جمعہ بھی مکروہ تحریمی ہے؛ فناء مصر کی تعریف یہ ہے کہ جس موضع سے مصر کے باشندوں کے مصالح واغراض متعلق ہوں کسی مقدار اور مسافت کی تحدید نہیں ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں و التعریف احسن من التحدید لانہ لایوجد ذلک فی کل مصر وانما ھو بحسب کبر المصر وصغرہ بیانہ ان التقدیر بغلوۃ او میل لا یصح فی مثل مصرلان القرافۃ والترب التی یلی باب النصر یزید کل منہما علی فراسخ من کل جانب نعم ھوممکن لمثل بولاق فالقول بالتحدید بمسافۃ یخالف التعریف المتفق علی ما صدق علیہ بانہ المعد لمصالح مصر فقد نص

الائمة على ان الفناء ما اعد لدفن الموتى وحوائج المصر كركض الخيل والدواب و جمع العساكر والخروج للرمي و غير ذلك ، مصر اور فناء مصر کے باہر کے باشندوں پر جمعہ واجب نہیں جیسا کہ فتاویٰ خانیہ میں ہے ومن كان مقيما في عمران و اطرافه و ليس بين ذلك الموضع و بين المصر فرجة فعليه الجمعة ولو كان بين ذلك الموضع و بين عمران المصر فرجة من المزارع و المراحل نحو القلع ببخارا لا جمعة على اهل ذلك الموضع وان كان النداء يبلغهم والغلوة والميل والاميال ليس بشيئ هكذا روى الفقيه ابو جعفر عن ابي حنيفة و ابي يوسف رحمهما الله تعالى وهو اختيار شمس الائمة الحلواني ۔ والله اعلم وعلمه اتم۔

تصحیح الجواب من صاحب الفتاویٰ

نعم التحقيق و نعم التطبيق في الجزء الاول يعني ما يتعلق بتعريف المصر واما الجزء الثاني اى وجوب الجمعة او عدم وجوبها على اهل الفناء فمختلف فيه ونقل هذا الاختلاف مع تصحيح بعضها في رد المحتار (ص ۸۵۲ ج۱) ولم يحضرني الى الان التنقيح فبه لكن يلتصق بالقلب وجوبها عليهم ۔ والله أعلم ۔

۱۲ رشوال ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ ص ۹۶)

جواب سوالات متعلق اختلافات در تعریف مصر

سوال (۶۲۴) ایک شرذمۂ قلیلہ اور فتنۂ شاذہ کا دعویٰ یہ ہے کہ عملداری نصاریٰ میں جیسے بھارت کے ہندوستان و بنگالہ میں خواہ عرفی شہر ہو یا قصبہ وقریۂ کبیرہ کہیں جمعہ کی نماز صحیح نہیں اور پڑھنے والے مخطی اور مغالطہ میں ہیں اور ان کا مستدل یہ ہے کہ صحت جمعہ کے لئے مصر شرط ہے اور مصر کی تعریف ظاہر روایت میں یہ ہے المصر كل موضع له امير و قاض اھ۔ جس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ امیر و قاضی کے بغیر مصر نہیں ہوسکتا خواہ کتنی بڑی آبادی ہو چنانچہ قاضی خان کی عبارت ہمارے دعوے کو صاف طور واضح کر دیتی ہے کیونکہ قاضی خان میں حصر کے ساتھ لکھا گیا، ولا يكون الموضع مصرا في ظاهر الرواية الا ان يكون فيه مفت و قاض اھ۔

اور نیز مالا بدمنہ کی عبارت بھی اس مدعا پر صاف دلیل ہے حیث قال یکے مصر یعنی شہر یکہ درآن امیر وقاضی باشد، اور اکبر مساجد والاقول اولا اس کا مصداق مکہ معظّمہ بھی نہیں ہوتا ہے اس

لئے کہ وہاں کے سب مصلی حرم شریف میں سما جاتے ہیں علاوہ بریں اکبر مساجد کی کوئی تعیین نہیں، سو بعض چھوٹی بستی باعتبار صغر مسجد مصر کہلا سکتی ہے اور بعض بڑی بستی بھی کبر مسجد کی تقدیر پر گاؤں کہلائے گی، اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ظاہر روایت کے مقابلہ میں اس کی کوئی ہستی ہی نہیں کیونکہ بنابر قواعد فقہیہ ظاہر روایت ہمیشہ مطلقاً ماخوذ بہا ہوتی ہے اور اس کی مخالف جانب مرجوح، اور عمل بالمرجوح خرق الاجماع ہے اور نیز اکبر مساجد کے قول پر جن فقہیوں نے فتویٰ دیا ان میں سے ایک تن بھی اصحاب ترجیح اور ارباب تصحیح میں سے نہیں ہے، لہٰذا ساقط عن الاعتبار ہے اور صاحب ہدایہ جو اصحاب ترجیح میں ہیں انہوں نے بھی ظاہر رایت والے قول ہی کو ترجیح دی، حیث قال والاول اختیار الکرخی والثانی اختیار الثلجی، اس لئے کہ نقل اقوال میں ماھو المذکور اولاً ان کا مختار ہوتا ہے چنانچہ ان کے مصطلحات سے واقف کار بخوبی واقف ہیں اور مختار کرخی مختار ثلجی سے یوں بھی بدرجہاں مختار ہونا چاہئے اس لئے کہ بینھما تفاوت فی المرتب بسیار ہے؛ اور بلاد کفار میں جمعہ پڑھنے کی جو صورت معراج الدرایہ میں بیان کی گئی ہے اس میں بھی شرط یہ ہے کہ مسلمان والی مسلم کا التماس کر کے والی مسلم مقرر کریں اور پھر بتراضی مسلمین ایک قاضی بھی معین ہو اور ہمارے دیار میں یہ بھی نہیں، بہر حال شہر یا قصبہ یا قریۂ کبیرہ میں جواز جمعہ کی بابت اذن حاکم ضروری ٹھہرا اور نیز جمعہ کی صحت کے لئے سلطان ایک جداگانہ مستقل شرط ہے یہ بھی نہیں، علاوہ بریں اذن عام جو ایک تیسری شرط ہے صحت جمعہ کے لئے اس کا وجود بھی متعلقات سلطان میں سے تھا واذ لیس فلیس لہٰذا بھارت میں جمعہ قائم کرنا شروط ثلثہ کے خلاف پر کمر باندھنا ہے بلکہ فقہ حنفیہ کی سخت مخالفت کرنی ہے، پس بحسب فقہ حنفیہ عملداری نصاریٰ میں جو کہ اکثر کی رائے کے بموجب دار الحرب ہے جواز جمعہ کی صحیح دلیلیں بیان فرما کر مانعین کے شبہات کے کافی وشافی جواب عنایت فرماویں؟

الجواب۔ فی النہایۃ شرح الہدایۃ للعینی قولہ والمصر الجامع الخ قد اختلفوا فیہ فعن ابی حنیفۃؒ ھو ما یجمع فیہ مرافق اھلہ وعن ابی یوسفؒ کل موضع فیہ امیر و قاض ینفذ الاحکام و یقیم الحدود وھکذا روی الحسن عن ابی حنیفۃ فی کتاب صلاتہ و فیہ ایضاً قال سفیان الثوریؒ المصر الجامع ما یعد الناس مصراً عند ذکر الامصار المطلقۃ کبخارا وسمرقند و قال الکرخی ھو ما اقیمت فیہ الحدود نفذت فیہ الاحکام وھو اختیار الزمخشری وعن ابی عبداللہ البلخی انہ قال احسن ما سمعت انہ اذا اجتمعوا فی اکبر مساجد ھم

لم يسعوا فيه فهو مصر جامع و عن ابی حنيفةؒ هو بلدة كبيرة فيها سكك و اسواق و يرجع الناس اليه فيه ما وقعت لهم من الحوادث اھ و فی الهداية فی علة اشتراط السلطان لانها تقام بجمع عظيم و قد تقع المنازعة فی التقديم و قد تقع فی غيره فلا بد منه تتميما لامرها و فی ردالمحتار عن التحفة بعد نقل تعريف ابی حنيفةؒ وهذا هو الاصح اھ الاّ ان صاحب الهداية ترك ذكر السكك والرساتيق لان الغالب ان الامير و القاضی الذی شانه القدرة علی تنفيذ الاحكام و اقامة الحدود لايكون الا فی بلد كذلك اھ وفی الدرالمختار و نصب العامة الخطيب غير معتبر مع وجود من ذكر امامع عدمهم فيجوز للضرورة و فيه السابع الاذن العام من الإمام فی ردالمحتار قوله من الامام قيد به بالنظر الی المثال الأتی (من قوله دخل امير حصنا الخ) والافالمراد الاذن من مقيمها فی البرجندی من انه لو اغلق جماعة باب الجامع وصلوا فيه الجمعة لا يجوز اسمعيل اھ۔

مجموعہ روایات بالا سے امور ذیل مستفاد ہوئے

اول.....مصر کی تعریف ائمہ سے مختلف عبارات میں منقول ہے اور اصل کلام ائمہ میں عدم تعارض ہے الا ان يتعذر پس اس کی صورت یہی ہے کہ ان سب تعریفات کو معنون واحد کے عنوانات کہا جاوے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ جو عرفاً شہر کہا جاوے وہ شہر ہے اور وجود قضاۃ وغیرہ سب امارات ہیں بس اس بناء پر ہندوستان میں صدہا امصار ہیں اور قصبات بھی امصار میں داخل ہیں کیونکہ عوام اپنے محاورات میں ان کو بھی شہر کہتے ہیں، محاورہ میں فرق کرنا یہ عادت خواص کی ہے۔

دوم.....سلطان کا اشتراط متعلل ہے قطع تنازع کے ساتھ پس اگر عامۂ مسلمین مل کر کسی پر اتفاق کرلیں گو وہ حاکم نہ ہو تو کافی ہے البتہ امام کے ہوتے ہوئے عامہ کا مقرر کر لینا کافی نہیں۔

سوم.....اذن عام میں امام شرط نہیں پس ہندوستان میں بہت سے مواقع میں تینوں شرطیں پائی جاتی ہیں اس لئے بلاشبہ جمعہ صحیح ہے یہ تو رفع ہے سلب کلی کا جو کہتے ہیں کہ جمعہ کہیں جائز نہیں، باقی رفع سلب کلی سے تحقیق ایجاب کلی کا لازم نہیں کہ ہر جگہ جمعہ کو صحیح کہیں بلکہ صرف ایجاب جزئی لازم ہے کہ جہاں یہ شرائط مع دیگر شرائط کے پائے جاویں گے وہاں جمعہ صحیح ہے۔ و الا فلا۔

۱۱ ررجب المرجب ۱۳۵۲ھ (النورص ۸ جمادی الاخریٰ ۵۳ھ)

مشروط بودن محاذات وقرب امام دراذان بین یدی المنبر

سوال (۶۲۵) کیا تحقیق ہے علماء کی اس باب میں کہ اذان ثانی جمعہ کا فعل جو عند المنبر یا ما بین یدی خطیب لکھا ہے آیا مراد اس سے مطلق قرب ہے خواہ بالمعنی المتبادر یا عام اس سے اور خواہ مع المحاذاۃ عام اس سے افیدونا وتم مفیدین؟

الجواب۔ اکثر کتب کی عبارت تو محتمل وجہین کو ہے مگر جامع الرموز کی عبارت صریح ہے قرب متبادر و محاذات میں۔ وهو هذه بين يديه اى بين الجهتين المسامتتين اليمين المنبر او الإمام ويساره قريباً منه ووسطهما بالسكون فيشمل ما اذا اذن في زاوية قائمة او حادة او منفرجة حادثة من خطين خارجين من هاتين الجهتين اهـ قلت تحدث القائمة اذا كان المؤذن حذاء وسط المنبر بالحركة والمنفرجة والحادة اذا كان في غير حذائه وصورتهما هكذا
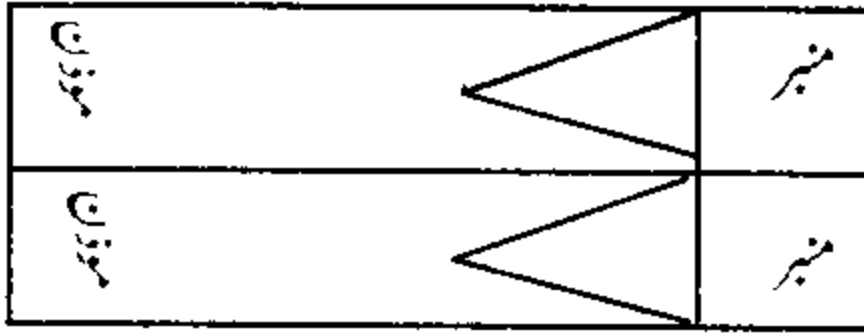
منبر		مؤذن
منبر		مؤذن

وقلت دليل ذلك كله التوارث۔

قرب ۱۳۳۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۷۷)

خلاصۃ الکلام فی اذان الجمعۃ بین یدی الامام

سوال (۶۲۶) یہ امر تو محقق ہے کہ اذان ثانی یوم الجمعۃ کی داخل مسجد جائز ہے۔ بلکہ یہی متوارث ہے واذا نودى للصلوة من يوم الجمعة الأية، النداء الاذان اهـ تفسير نسفي اى اذا اذن لهااهـ بيضاوى اطلقه وله اذا نان اذان خارج المسجد واذان بعده يدى المنبر اذا جلس الخطيب على المنبر اهـ تبصرة الرحمن والمعتبر اول اذان بعد زوال الشمس سواء كان المنبرا وعلى الزوراء يجب السعي وترك البيع بالاذان الاول لقوله تعالى﴿ فاسعوا الى ذكر الله وذرواالبيع﴾ واختلف المراد بالاذان الاول قيل الاول باعتبار المشروعية وهو الذى بين يدى المنبر لانه كان اولا في زمنه عليه السلام وزمن ابوبكرؓ و عمرؓ حتى احدث عثمانؓ الاذان الثانى على الزوراء حين اكثر الناس والاصح ان الاول باعتبار الوقت وهو الذى يكون على المنارة بعد الزوال انتهى مستملى وكذلك في

الهداية وحاشية الكفاية والعناية وغيرها من المتون والشروح والحوا شي والفتاوى، و في حاشيته الشيخ و جيه الدين على شرح الوقاية اذن ثانيا بذلك جرى التوارث من لدن رسول الله ﷺ الى هذا الزمان والاذان امام المنبر اهـ و في العناية شرح الهداية وكان الحسن بن زياد يقول المعتبر هو الاذان على المنارة لانه لو انتظر الاذان عند المنبر تفوته اداء السنة و سماع الخطبة كذا في تنشيط الاذان (ص ١٠) و فيه ايضاً عن مبسوط السرخسي والمعتبر اول اذان بعد زوال الشمس سواء كان على المنبر او على الزوراء اهـ۔

ان عبارات میں على المنبر عند المنبر، امام المنبر، بين يدى المنبر، یہ سب الفاظ اس کو ظاہر کرتے ہیں کہ اذان ثانی منبر کے سامنے اور اس کے نزدیک ہونا چاہئے، باقی اس قرب کو صف اول کے ساتھ محدود کرنا صحیح نہیں۔ قال في جامع الرموز اذا جلس الإمام على المنبر اذن اذاناً ثانياً بين يديه اى بين الجهتين المسامتتين ليمين المنبر او الإمام ويساره قريباً منه ووسطهما بالسكون فيشتمل ما اذا اذن في زاوية قائمة او حادة او منفرجة اهـ من التنشيط (ص ١٠) اس میں قریباً کی قید تو ہے؛ لیکن صف اول کی قید نہیں، اور جس عبارات خلاصہ سے بعض مفتیان رام پور نے صف اول کی قید کو ثابت کیا ہے اس سے استدلال نہیں ہوسکتا، کیونکہ خلاصہ کی صحیح عبارت یہ ہے ويكره البيع والشراء يوم الجمعة اذا اذن المؤذن والبيع جائز والاذان المعتبر اذان الخطبة الصف الاول في المقصورة ومنهم من قال ما يلى المقصورة وبه اخذ الفقيه اهـ (ص ٢١٣ ج ١)

اور بعض نسخوں میں جو یہ عبارت زیادت لفظ فی کے ساتھ اس طرح ہے والاذان المعتبر اذان الخطبة في الصف الاول في المقصورة الخ سو یہ زیادت فی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اذان خطبہ صف اول میں ہو اور مقصورہ میں ہو، حالانکہ مقصورہ میں اذان ہونے سے امام اور منبر کی مسامتت بالکل فوت ہوجائے گی اور فقہاء کے الفاظ مذکورہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اذان امام اور منبر کے سامنے ہو كما صرح به في جامع الرموز وقد مر قال الشامي اقول والظاهر ان المقصورة في زمانهم اسم لبيت في داخل الجدار القبلي من المسجد كان يصلي فيها الامراء الجمعة ويمنعون الناس من دخولها خو فامن العدو فعلى هذا اختلف في الصف الاول هل هو مايلي الامام من داخلها ام ما يلي المقصورة من خارجها فاخذ الفقيه بالثاني توسعة على العامة

کی لا تفوتهم الفضیلة اهـ (ص ۵۹۵ ج ۱)۔

اورظاہر ہے کہ منبر خارج مقصورہ ہوتا ہے پس اذان اگر داخل مقصورہ ہوگی تو اس پر بین یدی الامام و بین یدی المنبر وعند المنبر وغیرہ کا اطلاق صحیح نہ ہوگا، بلکہ عبارت صحیح وہی ہے جو بدون لفظ فی کے اول لکھی گئی ہے اور الصف الاول فی المقصورة یہ کلام مستقل ہے جس میں صاحب خلاصہ نے اول صف جمعہ کی بحث کو بیان کرنا چاہا ہے کیونکہ یہ مسئلہ اس وقت متکلم فیہ تھا، چنانچہ بحر میں بھی اس بحث کو لکھا ہے، قال ثم تکلموا فی الصف الاول قیل هو خلف الامام فی المقصورة وقیل مایلی المقصورة وبه اخذ الفقیه ابواللیث لانه یمنع العامة عن الدخول فی المقصورة فلا تتوصل العامة الی نیل فضیلة الصف الاول اه

(ص ۱۵۷ جلد ۲)

اس بحث کو دیکھتے ہوئے کوئی عاقل ہرگز الصف الاول فی المقصورة کو اذان خطبہ سے متعلق نہیں کہہ سکتا بلکہ یقیناً اس کو کلام مستقل مانا جائے گا۔ اب رہی یہ بات کہ خطبۂ جمعہ کی اذان کے سوا دیگر اذانیں مسجد میں بلا کراہت جائز ہیں یا اس میں کچھ کراہت ہے، اس کے متعلق روایات ذیل ہیں۔

قال فی ردالمحتار، لانه صلی الله علیه وسلم صلی اخر صلوته قاعداو هم قیام و ابوبکر یبلغهم تکبیره به علم جواز رفع المؤذنین اصواتهم فی جمعة وغیرها (ای فی تبلیغ تکبیر الامام) یعنی الاصل الرفع و اماما تعارفوه فی زماننا فلا یبعد انه مفسد اذا الصباح ملحق بالکلام اهـ من التنشیط (ص۸) وفیه ایضاً من السعایة شرح شرح الوقایة لغزای اذان لا یستحب رفع الصوت فیه قل هو الاذان الثانی یوم الجمعة الذی یکون بین یدی الخطیب لانه کالا قامة لا علام الحاضرین اه (ص ۹) وفیه ایضاً، عن فتح القدیر فالاولی ما عینه فی الکافی جامعاً وهو ذکر الله فی المسجد ای فی حدوده لکراهة الاذان فی داخل ویزاد ایضاً فیقال ذکرفی المسجد یشترط لها الوقت فیستحب الطهارة فیه و تعاد استحبابا اذا کانا جنبا کالا ذان انتهی (ص ۲٤) و فیه ایضاً عن جامع الرموز و فیه ایذان بوجوب الجهر بالاذان کاعلام الناس ظواذن لنفسه خافت لانه الاصل فی الشرع کما فی کشف المنار وبانه یؤذن فی موضع عالٍ وهو سنة کما فی القنیة وبانه لایؤذن فی المسجد فانه مکروه کما فی

النظم و فی الجلالی انه يؤذن فی المسجد او ما فی حکمه لا فی البعيد عنه اهـ (ص ۲۵) و فی العالمگيرية و ينبغی ان يؤذن علی المئذنة او خارج المسجد ولايؤذن فی المسجد کذا فی فتاوی قاضی خان والسنة ان يؤذن فی موضع عال يکون اسمع لجيرانه ويرفع بها صوته ، کذا فی البحر الرائق اهـ (ص ۳۴ جلد ۱)۔

ان سب میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ اذانیں مسجد میں کہنا کراہت تنزیہیہ یعنی خلاف اولیٰ ہونے سے خالی نہیں اور علت غالباً یہ ہے کہ اذان میں رفع صوت زائد اور صیاح ہوتا ہے اور صیاح خود ملحق بالکلام ہے گو صیاح بالذکر ہی ہو نیز صیاح ادب مسجد کے بھی خلاف ہے۔

قَالَ اللہ تعالی: ﴿لَاتَرْفَعُوْا اَصوَاتکُمْ فَوْقَ صوتِ النَّبِیِّ وَلاَ تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ﴾ والمسجد محل مناجات الحق ويکون الحق فيه تجاه العبد فلا ينبغی الصياح فيه وروی عن واثلة بن الاسقع مرفوعاً جنبوا مساجد کم صبيانکم ومجانينکم و قال وفع اصواتکم و اقامة حدود کم الخ من الترغيب (ص ۵۲ رواہ البیہقی والطبرانی وغیرہما)

اور اذان جمعہ وقت خطبہ میں اس قدر جہر و صیاح نہیں ہوتا بلکہ وہ تو مثل اقامت کے ہوتی ہے، اس لئے وہ مسجد میں جائز ہے، علاوہ ازیں وہ مسجد ہی میں متوارث ہے، رہا یہ کہ حدیث ام زید بن ثابت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بلالؓ سقف مسجد پر اذان دیتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے لئے سقف مسجد پر کچھ حصہ بلند بنا دیا گیا تھا جو مئذنہ تھا اور مئذنہ پر اذان دینا داخل مسجد بھی بلا کراہت جائز ہے

کما يشعر به مادر فی عبارة العالمگيرية ينبغی ان يؤذن علی المئذنة او خارج المسجد الخ، من التقابل بين المئذنة وخارج المسجد والله أعلم ولعل السرفيه کون المئذنة خارجاً عن المسجد فی نية البانی والواقف فلا يکون لهاحکم المسجد نقل فی السعاية عن طبقات ابن سعد حدثنی محمد بن عمر قال ثنی معاذ بن محمد عن يحيی بن عبدالله بن عبدالرحمن بن سعد بن زرارة قال اخبرنی من سمع النوارام زيد بن ثابت تقول کان بيتی حول المسجد فکان بلال يؤذن فوقه من اول مايؤذن الی ان بنی رسول الله ﷺ المسجد فکان يؤذن بعد علی سقف المسجد وقدرفع له شيئ فوق ظهره اه من التنشيط (ص ۱۹) وما فی حديث عبدالله بن زيد انه ﷺ قال له فاخرج مع بلال الی

المسجد فالقها عليه وليناد بلال فانه اندى صوتا منك قال فخرجت مع بلال الى المسجد فجعلت القيها عليه وهو ينادى بها اهـ فيحمل على فى حدود المسجد او يراد به سقف المسجد ومارفع له فوقه ،والله تعالىٰ اعلم ۔ قلت وقال فى ردالمحتار فى تعريف المكروه هو ضد المحبوب قد يطلق على الحرام وعلى مكروه تحريما وعلى المكروه تنزيها وهو ما تركه اولى من فعله و يرادف خلاف الاولى اهـ من التنشيط (ص ۲۰)۔

اورعذر کی حالت میں یہ کراہت مرتفع ہوجائے گی ،مثلاً مسجد کے سوا اذان کے لئے قریب مسجد کےکوئی جگہ نہ ہو، قال فى الدر بعد بيان كراهة قيام الإمام فى المحراب وانفراده على الدكان و عكسه ان هذا كله عند عدم العذر (واما عند العذر) كجمعة وعيد فلو قاموا على الرفوف والامام على الارض اوفى المحراب لضيق المكان لم يكره اه قال الشامى حكى الحلوانى عن ابى الليث لا يكره قيام الإمام فى الطاق عند الضرورة بان ضاق المسجد على القوم اهـ (ص۶۷۶ جلد ۱)

حررہ الاحقر ظہیر احمد عفا اللہ عنہ ۲۷ رشعبان ۴۴ھ (تتمہ خامسہ ص ۴۲۵)۔

جمعہ کی اذان ثانی کا مسجد میں ہونا

سوال (۶۲۷) حضرت اقدس مرشدی ومولائی ادام اللہ ظلالہم ، بعد ادائے آداب فدویانہ التماس ہے مدرسۂ ہذا میں پہلے یہ استفتاء[۱] آیا تھا جس کا جواب مندرجہ پرچۂ (۲) ہذا لکھ کر بھیج دیا تھا اب دوبارہ اس پر چند شکوک لکھ کر سائل نے بھیجے ہیں اصل استفتاء کی نقل اور وہ شکوک بعینہ مرسل خدمت خدام عالی ہیں، نیز سنن ابی داؤد پر جو حاشیہ غیر مقلدین کا عون المعبود نام ہے اس کی عبارت کی نقل بھی بھیجی جاتی ہے انہوں نے خارج مسجد ہونے پر بہت زور دیا ہے عنایہ اور کفایہ کی عبارت سے بظاہر قریب منبر کے معلوم ہوتا ہے اس میں تاویل خارج مسجد کی مشکل ہے اس کی عبارت بھی منضم ہے نیز مولوی احمد رضا خان صاحب کا ایک استفتاء مطبوعہ بھی منسلک ہے اگر اس موقع پر آثار السنن جلد دوم صفحہ ۹۴ کو ملاحظہ فرمایا جاوے تو مناسب ہے، انہوں نے مسجد کے اندر قریب منبر کے ہونے کی تائید کی ہے اور حدیث ابی داؤد پر جرح کیا ہے، فقہاء سے یہ تعجب ہے جہاں اذن سے مسجد کے اندر ممانعت کرتے ہیں وہاں اگر اذان ثانی مسجد

---

(۱) وہ استفتاء اور پرچہ یہاں منقول نہیں مگر اصل مضمون جواب ذیل سے معلوم ہوجاوے گا ۱۲ منہ

میں ہوتی تھی تو اس کا استفتاء کیوں نہیں کرتے اگر چہ ان عام طویل طویل تحریروں کا دیکھنا حضرت اقدس کا وقت عزیز ضائع کرے گا لیکن چونکہ آج کل اس کی نسبت اختلاف پھیل رہا ہے اس لئے توجہ از بس ضرور ہے، مولوی عبدالحی صاحب مرحوم نے حاشیہ شرح وقایہ میں خارج مسجد ہونے کی نسبت ترجیح دی ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمالیا جاوے سب کی نقل موجب تطویل تھی اس لئے اس پر اختصار کیا گیا، بین یدیہ میں تو خیر تاویل بھی ہوسکتی ہے لیکن عندالمنبر کے الفاظ جو عنایہ میں مذکورہ ہیں اس کی تاویل از بس دشوار ہے؟

الجواب :-عزیزم ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں نے سب تحریرات کو گوغور سے تو نہیں مگر سرسری نظر سے کسی قدر زیادہ دیکھا، آثار السنن کو بھی دیکھا، مجموعہ کو دیکھ کر بشہادت ذوق میرے ذہن میں جو بات آئی ہے وہ یہ ہے کہ اذان ثانی جمعہ کی افضل واولیٰ مسجد ہی کے اندر ہے اور ابوداؤد کی روایت اگر مجروح بھی نہ ہوتو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت یہی اذان اعلان عام کے لئے تھی لہٰذا مسجد سے خارج ہونا مناسب تھا کہ بہ نسبت داخل مسجد کے اس میں اعلان زیادہ ہوسکتا تھا جب حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں باتفاق صحابہؓ اذان اول بڑھائی گئی تو اب جو علت خارج مسجد ہونے کی اس ثانی میں تھی وہ اول میں متحقق ہوگئی ۔اس لئے اس کا خارج مسجد ہونا مناسب ہوگا اور وہ علت خارج مسجد ہونے کی اس ثانی سے منتفی ہوگی اس لئے خارج مسجد ہونے کا حکم بھی اس سے منتفی ہوجائے گا اور بجائے حکمت اعلان عام کے اب حکمت اس میں صرف توجہ الحاضرین الی الخطبہ ہے،تو جولوگ محل خطبہ یعنی مسجد میں موجود ہیں ان کو متوجہ کرنے کی مصلحت زیادہ مقتضی اس کی ترجیح کو ہے کہ داخل مسجد ہو جس طرح اقامت کہ متوجہ الی الصلوٰۃ کرنے کے لئے بالاجماع مسجد کے اندر ہی ہوتی ہے اور فقہاء نے جواذان کو داخل مسجد کے منع فرمایا ہے وہ بھی محمول ہے خلاف اولیٰ پر اور حکمت اس میں وہی اعلان کا ابلغ ہونا ہے اور گوفقہاء نے تصریحاً اذان ثانی جمعہ کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا لیکن لفظ بین یدی بالمعنی المتبادر اور عندالمنبر اور علت اعلان عام کا اس میں نہ پایا جانا یہ دلیل استثناء کی کافی ہے، **هذا ما اطمأن اليه قلبي ولعل الله يحدث بعد ذلك امراً ۔ فقط واللہ أعلم**

(۲۸؍جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۱۱)

سوال (۶۲۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ جو اذان حضرت عثمانؓ نے مروج کیا ہے وہ اذان مسجد کے باہر سامنے یا بغل میں ہوتی ہے اور مسجد سے

کتنے فاصلے پر ہوتی ہے اوراذان کا مقام جوحضرت عثمانؓ نے مقرر کیا ہے وہ صحن سے کتنے فاصلہ پر ہے، فاصلہ کا حساب شرعی گز سے لکھنا؟

الجواب ۔ وہ مقام زوراء ہے جیسا صحیح بخاری وغیرہ میں ہے مجمع البحار میں اس کے متعلق یہ اقوال لکھے ہیں (۱) موضع بسوق المدینه (۲) وقیل انه مکان مرتفع کالمنارة (۳) وقیل حجرة کبیرة عندباب المسجد (۴) الزوراء هو دار فی سوق یقف المؤذن علی سطحه للنداء الثالث (ای باعتبار الشرعیة وهوالاول باعتبار الوقوع) باقی سامنے ہونا یا بغل میں ہونا اور فاصلہ کی مقدار اور صحن سے اس کی سمت اور بعد خصوص گزوں سے یہ نظر سے نہیں گزرا نہ اس تحقیق کی کوئی ضرورت شاید سائل کا یہ خیال ہو کہ اب جو مسجد میں ہوتی ہے یہ خلاف سنت ہو، سو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ نداء سے جس مقام کی طرف بلایا جاتا ہے اسی مقام پر ہو مگر اس اصل سے عدول اس لئے کیا گیا تھا کہ نئی چیز تھی لوگوں کو اطلاع ہو جاوے کہ نماز جمعہ کے بہت قبل بھی اذان ہوتی ہے جس سے جمعہ کی تیاری شروع کردیں اس لئے ایسے مقام پر اس کا ہونا مناسب تھا کہ سب متوجہ ہو جاویں پھر جب اس کا معمول ہو گیا اب لوگ خود بخود اس کے استماع کی کوشش کرنے لگے پھر اصل کی موافق تعامل ہو گیا جو ایک قسم کا اجماع ہے اب اس کی مخالفت جائز نہیں۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ (النور ماہ محرم ص ۷ ۵۲ھ)

بیان معنی حدیث کہ در بارۂ قصر خطبہ وطول صلوۃ وارد است

سوال (۶۲۹) خطبات الاحکام جو حضور والا نے تصنیف فرمائے ہیں اول تو وہ سب مختصر ہیں جب ضعفاء کی رعایت سے قراءت مختصر کی جاوے اور دو چار سطر خطبہ کی بڑھ جاویں تو اس میں کوئی کراہت وغیرہ تو نہیں ہے اور تعمیلاً خطبہ میں اختصار کیا جاوے گا آئندہ جو ارشاد ہو خادم تو یہی خطبہ پڑھتا ہے؟

الجواب ۔ حدیث میں جو قصہ خطبہ وطول صلاۃ وارد ہے کما رواہ مسلم عن عمار اس میں صلاۃ سے مراد پوری نماز ہے نہ کہ صرف قراءت، سو میرے خطبات جن میں کوئی خطبۂ سورۂ مرسلات سے بڑا نہیں مسنون قراءت اور مسنون اذکار کی حالت میں اگرچہ چھوٹی ہی سورتیں ہوں مجموعی نماز سے عادۃً بڑھ نہیں سکتے البتہ صرف عیدین کے خطبہ کی مقدار بہ نسبت دوسرے سات آٹھ تکبیر کی قدر زیادہ ہے مگر مسنون قراءت واذکار کی حالت میں وہ بھی مجموعی نماز سے نہیں بڑھ سکتے اس لئے قرأت وغیرہا کے اختصار کی حالت میں بھی جبکہ سنت کے موافق ہو خطبات مذکورہ میں

تصرف اختصار کی حاجت نہیں۔ واللہ اعلم۔ ۸ رصفر ۵۵ھ (النور ص ۲۶ ذیقعدہ ۵۵ھ)

جمعہ کی اذان ثانی کے مسجد کے اندر ہونے پر شبہ اور اس کا جواب

سوال (۶۳۰) فی زماننا اکثر مقامات میں اذان ثانی جمعہ کی جو بین یدیہ کہی جاتی تھی اب مسجد کے دروازہ کے قریب یا کسی دوسرے مقام پر امام کے محاذی کہی جاتی ہے اور اس کی تائید ابوداؤد کی روایت کان یوذن بین یدی رسول اللہ ﷺ اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد الخ و نیز طبرانی کی روایت بھی جیسے عینی نے شرح بخاری میں کی ہے وھکذا فی فتح الباری پورے طور سے کرتی ہے اور اس کے جواز وثبوت کے لئے کافی شاہد ہے لیکن روایات فقہیہ متناً وشرحاً ایک ہی پکار پکار کہہ رہی ہیں و اذا صعد الامام المنبر جلس و اذن المؤذنون بین یدی المنبر انتھی۔ ھدایہ و یوذن ثانیاً بین یدیہ ای الخطیب در مختار، اگر صرف بین یدیہ پر اکتفاء کیا جاتا تو بالفرض ہو بھی سکتا تھا مگر جبکہ بین یدی المنبر کہا جارہا ہے اور مؤذنون لفظ جمع لایا گیا ہے اس سے اعلام بھی کافی ہوجاتا ہے پھر باب مسجد یا اور کسی مقام پر اذان کرنے کی ضرورت بھی نہیں معلوم ہوتی اور کلام کو ماوّل بھی نہیں کرسکتے مشکل ہے حاشیہ عون المعبود جو ابوداؤد پر غیر مقلدین کا ہے اس میں بہت زور دیا گیا ہے کہ اذان خارج مسجد ہونی چاہئے مولانا عبدالحی صاحب نے بھی حاشیہ شرح وقایہ میں اسی کی تائید کی ہے اور روایت کا لکھنا خدام کے وقت عزیز کو ضائع کرتا ہے اس لئے اسی پر اکتفاء کرتا ہوں گو یہ بھی تطویل محل سے خالی نہیں مگر مجبوراً عرض کیا؟

الجواب۔ فقہاء پر شبہ جب ہوتا جبکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان بین یدی الامام اذان ثانی ہوتی مگر اس وقت تو یہ اذان اول تھی تو خارج مسجد ہونا اس کا ضروری تھا اور جب باجماع صحابہ اس کے قبل ایک اذان اور بڑھادی گئی اور اذان بین یدی الإمام کا کام اس سے لیا گیا تو صرف اس کا خارج عن المسجد ہونا کافی ہوا، اب ثانی کا خارج عن المسجد ہونا کیا ضرور، پس اس تبدل حالت کے سبب جس کا ماخذ اجماع ہے اذان ثانی کی ہیئت منقولہ فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ہیئت متأخرہ کا مقیس علیہ نہیں بن سکتا اگر اب بھی کوئی شبہ باقی ہوتو بلحاظ تقریر مذکور مکرر لکھئے۔ ۲۸ رمحرم ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۲۲۷)۔

رواج مصافحہ بعد عیدین

سوال (۶۳۱) عیدین میں مصافحہ ومعانقہ روا ہے یا نہیں؟

جواب۔ قاعدۂ کلیہ ہے کہ عبادات میں حضرت شارع علیہ السلام نے جو ہیئت و کیفیت معین فرمادی ہے اس میں تغیر وتبدل جائز نہیں اور مصافحہ چونکہ سنت ہے اس لئے عبادات میں سے ہے حسب قاعدۂ مذکورہ اس میں ہیئت و کیفیت منقولہ سے تجاوز جائز نہ ہوگا اور شارع علیہ السلام سے صرف اول لقاء کے وقت بالاجماع یا وداع کے وقت بھی علی الاختلاف منقول ہے وبس اب اس کے لئے ان دو وقتوں کے سوا اور کوئی محل وموقع تجویز کرنا تغییر عبادت کرنا ہے جو ممنوع ہے لہٰذا مصافحہ بعد عیدین یا بعد نماز پنجگانہ مکروہ و بدعت ہے شامی میں اس کی تصریح موجود ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ ۲؍شعبان ۱۳۲۰ھ (امداد ص ۸۰ ج ۴)

جواز وعظ قبل خطبۂ جمعہ

سوال (۶۳۲) کسی شہر کی جامع مسجد میں جو ایسی وسیع ہے کہ جس کی نصف تک نمازی نماز جمعہ میں جمع ہوتے ہیں اس کے علاوہ مسجد کے متصل دالان وغیرہ موجود ہیں کہ جس میں سنت پڑھنے والے سنت پڑھ سکتے ہیں، مطلب یہ کہ قبل جمعہ وعظ ہونے سے کسی کی نماز میں خلل نہیں پڑتا، مبتدعین نے اپنا برا اثر عام مسلمانوں پر ڈال رکھا ہے یہ ضرورت ہے وعظ کی اس پر کوئی واعظ یا مولوی مبتدعین کی تردید یا دینی فوائد کی ضروری باتیں مسلمانوں کو قبل نماز جمعہ وعظ میں بیان کرتا ہے عام مسلمانان بوجہ پیشہ ور ہونے کے بعد نماز جمعہ نہیں ٹھہر سکتے پس ایسی حالت میں وعظ یا مولوی صاحب کا وعظ بیان کرنا اور ضروری عقائد سے واقف کرنا اور اسلام کے فوائد بیان کرنا قبل خطبہ جائز ہے یا نہیں اور یہ وعظ ہمیشہ اور ہر جمعہ میں نہیں ہوتا بلکہ گاہ بگاہ؟

الجواب۔ فی الدرالمختار احکام المسجد ویحرم فیہ السوال الی قولہ ورفع صوت بذکر الا لمتفقۃ و فی ردالمحتار قولہ و رفع صوت بذکر الی قولہ اجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جھر ھم علی نائم او مصلی او قارئ الخ ج۱ ص۶۹۰ استثناء الا للمتفقۃ و استثناء الا ان یشوش الخ سے معلوم ہوا کہ جب درصورت عدم تشویش مصلین ذکر جائز ہے تو مسائل دین کا بیان کرنا عدم تشویش کی صورت میں بدرجۂ اولیٰ جائز ہے اور صورت مسئولہ میں عدم تشویش ظاہر ہے کہ مسجد بھی وسیع ہے اور دالان وغیرہ بھی موجود ہیں خصوص جبکہ کبھی ہو کبھی نہ ہو۔ ۶؍رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۱۷)۔

حکم خطبہ دادن زن در جمعہ

سوال (۶۳۳) جمعہ میں خطبہ اگر عورت مردوں کے بیچ میں مسجد میں عام مسلمانوں کے سامنے منبر پر بیٹھ کر پڑھے تو یہ کیسا ہے، عورت گنہگار ہوگی یا نہیں، اور خطبہ دوبارہ پڑھا جاوے یا کہ وہی خطبہ کافی ہے اور نماز میں کچھ نقص ہوا یا نہیں کیونکہ نماز جمعہ عورت نے نہیں پڑھائی، مرد نے پڑھایا، یہ معاملہ ایسا ہوا ہے یہاں پر کیونکہ اس دن جمعہ کی روز کوئی شخص خطبہ کا پڑھانے والا نہ تھا، مجبوری درجہ عورت کو خطبہ پڑھانا پڑا، یہ معاملہ غیر مقلد کے ہاں ہوا ہے؟

الجواب۔**فی العالمگیریہ واما الخطب فیشترط فیه الخطبة ان یتاھل الامامة فی الجمعة کذا فی الزاھدی وفیھا شرائط صلوة الجمعة ومنھا الخطبة قبلھا حتی لو صلوا بلا خطبة او خطب قبل الوقت لم یجز کذا فی الکافی و فیھا فرائض الخطبة والثانی ذکر الله تعالٰی کذا فی البحر الرائق و کفت تحمیده او تھلیله او تسبیحه کذا فی المتون** (ج۱ص۹۴)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ عورت کا خطبہ صحیح نہیں ہوا، اور جب خطبہ شرائط صحت جمعہ سے ہے تو جمعہ بھی صحیح نہیں ہوا، ان سب لوگوں کو ظہر کی نماز قضاء پڑھنی چاہئے، اگر کوئی خطبہ پڑھنے والا نہ تھا تو جس نے نماز پڑھائی ہے وہی کچھ ذکر اللہ یا کچھ قرآن پڑھ دیتا، حتی کہ سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر ہی کہہ لیتا تو فرض خطبہ کا ادا ہو جاتا جس سے فرض نماز ادا ہو جاتی۔

۲۱ رمضان المبارک ۴۲ھ (تتمہ ص ۳۴)

حکم خواندن خطبہ ایستادہ در وسط نمازیاں

سوال (۶۳۴) اب کے جامع مسجد میں امام صاحب نے یہ جدت کی بجائے منبر کے باہر کے درجہ میں خطبہ جمعۃ الوداع پڑھا اور عذر یہ کیا تا کہ لوگ سن سکیں، اگر یہ دلیل خطبہ کے لئے ہے تو نماز کے لئے بھی کہ بجائے آگے کھڑے ہونے کے امام بیچ میں کھڑا ہو، بہر حال یہ کہاں تک جائز ہے اس کے متعلق اطلاع فرمائی جاوے تو مناسب ہوگا؟

الجواب۔**فی العالمگیریة احکام الخطبة واما سننھا فخمسة عشر و ثالثھا استقبال القوم بوجھه** (ج۱ص۹۴) اس میں تصریح ہے کہ تمام قوم کا خطیب کے سامنے ہونا سنت ہے پس بعض کا پشت پر ہونا بدعت ہوگا، اور ظاہر ہے کہ ایسا اتفاقاً نہیں کیا گیا، بلکہ اس

کو سنت استقبال پر ترجیح دی گئی اور اس کے مقابلہ میں مستحسن سمجھا گیا تو بدعت عملیہ کے ساتھ بدعت اعتقادیہ منضم ہو کر کراہت و شناعت میں اشد واقبح ہو گیا، خطیب پر واجب ہے کہ اس بدعت کی ترک کے ساتھ اپنی غلطی کا اعلان بھی کرے تا کہ آئندہ اس کا بالکلیہ انسداد ہو جاوے۔

۱۱ شوال ۱۳۴۲ھ (تتمۂ خامسہ ص ۳۱۳)

حکم درآمدن بجامع مسجد برسواری برائے معذور

سوال (۶۳۵) اگر کوئی نمازی آدمی بوجہ ضعیفی یا بیماری کے جامع مسجد میں پیادہ پا جانے سے مجبور ہو، مگر اس کو اس قدر مقدرت ہے کہ وہ کرایہ کی سواری پر جا سکتا ہے پس ایسی حالت میں اگر نہ جائے تو کیا گنہگار ہوگا اور فرض نماز ترک کر دینا سمجھا جائے گا۔

الجواب۔ **في الدرالمختار شروط الجمعة صحته والحق بالمريض الممرض والشيخ الفاني في رد المحتار فلو وجد المريض ما يركبه ففي القنية هو كالا عمى على الخلاف اذا او جد قائد او قيل لا يجب عليه اتفاقا كالمقعد و قيل هو كالقادر على المشي فتجب في قولهم وتعقبه السراجي بانه ينبغي تصحيح عدمه لان في التزامه والحضورزيادة المرض قلت فينبغي تصحيح عدم الوجوب ان كان الامر في حقه كذلك حليه (ج۱ ص ۸۵۲) و في ردالمحتار ايضاً باب الجماعة ولا تجب على المريض الى قوله ، وشيخ كبير عاجزواعمى وان وجد قاعدا ، في رد المحتار و كذا الزمن لو كان غنيا وله مركب وخادم فلا تجب عليهما عنده خلافا لهما حليه عن المحيط و ذكر في الفتح ان الظاهر انه اتفاق والخلاف في الجمعة لا في الجماعة اهـ ، بين السطور في الكتب المشهورة خلافه حلية ۔** (ج ۱ ص ۵۸۰۔)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اس میں اقوال مختلفہ ہیں، قواعد سے تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی کلفت نہ ہو تو حاضر ہونا چاہئے، ورنہ معذور ہے، واللہ اعلم۔ ۶ رصفر ۱۳۴۳ھ (تتمۂ خامسہ ص ۳۲۱)

جواز زیادت تکبیر تشریق از مرۃ واحد

سوال (۶۳۶) ہمارے یہاں تکبیر تشریق کے متعلق دو فریق ہو گئے بعض کہتے ہیں کہ تکبیر تشریق نماز کے بعد صرف ایک مرتبہ الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله الخ کہنا ہے اس سے

زیادہ کہنا خلاف سنت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کہنا واجب ہے اگر اس پر زیادہ کیا تو مستحب ہوگا، اب دونوں فریق حضرت والا کے دستخط شدہ جواب کے منتظر ہیں اس لئے امید ہے کہ براہ کرام صورت مسئولہ کا مدلل جواب باصواب سے ممنون فرماویں۔

الجواب۔ فی الدرالمختار بعد قوله مرة وان زاد عليها يكون فضلا قاله العينی فی ردالمحتار تحت قوله زاد الخ افادان قوله مرة بيان للواجب لكن ذكر ابو السعود ان الحموی نقل عن القراحصاری ان لا يتان به مرتين خلاف السنة اهـ قلت و فی الاحكام عن البر جندی ثم المشهور من قول علمائنا انه يكبر مرة و قيل ثلاث مرات۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مشہور قول مرۃ ہی کا ہے، اور قول مقابل ضعیف ہے۔ اور قطع نظر ضعف سے مرۃ والے زیادت کو خلاف سنت کہتے ہیں اور اہل زیادت مرۃ کے سنت ہونے پر متفق ہیں پس احتیاط مرۃ ہی میں ہوئی۔

۱۵ محرم الحرام ۱۳۴۷ھ (تتمۂ خامسہ ص ۶۲۹)

وعظ در خطبۂ عیدین

سوال (۶۳۷) عیدین میں ضروری مسائل اور وعظ کہنا ہو تو بعد ختم خطبہ کہے یا وسط خطبہ میں۔

الجواب۔ وسط میں اگر ہو قلیل ہونا چاہئے لانه تكلم فی اثناء الخطبة ولو امرا بالمعروف فلا يعتاده ولا يكثره اور بعد میں ہو تو کوئی قید نہیں۔ ۱۵ رمضان ۱۳۳۲ھ۔

فصل فی الاستسقاء

وقت قلب رداء در نماز استسقاء

سوال (۶۳۸) نماز استسقاء میں قلب رداء کا وقت کون ہے دعاء کے قبل یا بعد؟

الجواب۔ یاد پڑتا ہے کہ بالکل اخیر میں ہے یعنی بعد دعاء کے اشارة الى التفاول لقبول الدعاء۔ ۱۴ شوال ۱۳۳۹ھ (تتمۂ خامسہ ص ۹۶)

بَابُ الْجَنَائِزِ

حکم استعمال کلوخ وسرمہ برائے میت

سوال (۶۳۹) مردہ کو غسل کے وقت کلوخ لینا شرعاً مسنون ہے یا نہیں؟ (۲) مردہ کو سرمہ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب (۱) **فی الدر المحتار و یمسح بطنه رقیقا وما خرج منه یغسله اهـ۔** اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کے موضع استنجاء پر اگر نجاست حقیقی لگی ہو اس کا دھونا مشروع ہے اور کلوخ کا مسنون ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں، (۲) **فی ردالمختار التزیین بعد موتها والامتشاط و قطع الشعر لا یجوز نهر۔** اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کو سرمہ لگانا بھی جو کہ زینت ہے ناجائز ہے، فقط۔ واللہ اعلم۔ ۱۴ر رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ (امداد اول ص ۱۴۵)

عدم جواز تکفین زن از دست مرد

سوال (۶۴۰) عورت کو کفن مرد پہنائے گا یا عورت؟

الجواب۔ یہ مسئلہ بہت ظاہر ہے جب مرد کے لے عورت کو دیکھنا اور مس کرنا جائز نہیں تو لامحالہ کفن عورت ہی پہناوے گی واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۲۲ھ (امداد اول ص ۱۴۵)

مسنونیت وضع مردہ درقبر بر پہلوئے راست

سوال (۶۴۱) مردہ کو قبر میں لٹانا داہنی کروٹ پر مسنون ہے قبلہ رخ یا چت لٹا کر فقط چہرہ کعبہ کی طرف کر دینا، یہاں کے بعض علماء اول کو مسنون کہتے ہیں اس میں کیا تحقیق ہے۔ اور ہدایہ اولین میں یوجہ الیہا کے کیا معنی ہیں۔؟

الجواب۔ **فی الدرالمختارویوجه الیها الی قوله و ینبغی کونه علی شقه الایمن فی رد المحتار عن الحلیة بخلاف ما اذا کان بعد إقامة اللبن قبل إهالة**

التراب فانه یزال و یوجه الی القبلة عن یمینه اھ ، یہ روایات صریح ہیں اس میں کہ مردہ قبر میں داہنے کروٹ پر قبلہ رخ لٹایا جائے پس ہدایہ میں یوجہ الیہا بھی اسی پر محمول ہوگا، واللہ اعلم۔
۱۱ر رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ (امداد اول ص ۱۴۵)

سوال (۶۴۲) مردہ کو قبر میں چت لٹا کر منہ کعبہ کی طرف کردیا جاوے یا داہنی کروٹ کردیا جاوے تو چونکہ میری طرف یہ رواج ہے کہ مردہ کو قبر میں چت لٹا کر صرف منہ کعبہ کی طرف کردیا جاتا ہے تو اب دونوں میں کون بہتر و جائز ہے؟

الجواب۔ مردہ کو داہنی کروٹ پر روبقبلہ رکھنا چاہئے۔ فی الدرالمختار و یوجه الیها و جوبا و ینبغی کونه علی شقه الایمن فی رد المحتار لکن صرح فی التحفة بانه سنة اھ۔
۱۲ر ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۸)

حکم نماز بر جنازہ رافضی

سوال (۶۴۳) یہاں پر ایک جماعت اہل تسنن نے مع اپنے امام کے ایک رافضی کے میت کی نماز پڑھی، آیا اس امام پر اور ان پڑھنے والوں پر کیا حکم لگایا جائے گا۔ بعض ان کو فاسق کہتے ہیں، اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی نے تحریر فرمایا ہے کہ کچھ حرج نہیں؟

الجواب۔ رافضی دو قسم کے ہیں ایک وہ جس کے عقائد حد کفر تک پہنچ گئے ہوں ایسے شخص کے جنازہ کی نماز اصلا درست نہیں کیونکہ شرائط صلوۃ جنازہ سے اسلام میت کا ہے اور دوسرا وہ جس کے عقائد صرف حد بدعت تک ہوں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کے جنازے کی نماز کسی نے نہ پڑھی ہو تب تو پڑھ لینا چاہئے کیونکہ جنازہ مسلم کی نماز فرض علی الکفایہ ہے اور اگر کسی نے پڑھ لی ہو مثلاً اس کے ہم مذہب لوگ موجود ہیں اور وہ پڑھ لیں گے تو اس صورت میں اہل سنت ہرگز نہ پڑھیں۔ کما روی احمد وابوداؤد عن ابن عمر قال رسول الله ﷺ القدریة مجوس هذه الامة ان مرضوا فلا تعودوهم وان ماتوا فلا تشهدوهم کذا فی المشکوة ، فقط والله تعالی اعلم و علمه اتم ۔ ۲۱ر ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ (امداد اول ص ۱۴۵)

حکم مردہ کہ بلا غسل وکفن دفن کردہ شود

سوال (۶۴۴) مردہ کو غسل وکفن دے کر دفنانا لازم وفرض مگر کوئی وجہ یا موقع ایسا ہو کہ بے غسل وکفن ویسے ہی دبا دیا یا دفن کردیا بعد اس کے علم ہونے کے اس کی نماز و غسل وکفن کا کیا

تدارک ہوگا آیا اس کونکال کرغسل وکفن دے کرنماز پڑھی جائے اوردفن کریں، یا نہ نکالا جاوے اورنماز پڑھیں۔؟

الجواب۔فی ردالمحتار امالودفن بلا غسل و لم یھل علیه التراب فانه یخرج و یغسل و یصلی علیه جوھرہ۔اس روایت سےمعلوم ہوا کہ بےغسل وکفن اگر دفن ہوگیا تو نکالا نہ جائے ویسے ہی قبر پرنماز پڑھ لے فقط واللہ اعلم۔۹رصفر ۱۳۲۴ھ (امدادص ۱۴۶ ج۱)

جوازکفن رنگین برائے زنان

سوال (۶۴۵) بعض حدیث اورفقہی روایتوں سےمیت عورت کورنگین کپڑے کا کفن دینے کا جوازمعلوم ہوتا ہےلیکن اولیٰ اوربہتران ہی روایات سےسفید ہےاصح کون سمجھا جاوے گا، اوراگر رنگین ہی دیوے تو سارا کفن رنگین ہو یا کفن میں سے چند کپڑے رنگین اور چند سفید ہوں اس کی بابت تشفی کافی ہو؟

الجواب۔ فی الدرالمختارولاباس فی الکفن ببردوکتان وفی النساء بحریر و مزعفرو معصفر لجوازہ بکل ما یجوز فیه حال الحیوۃ واحبه البیاض او ما کان یصلی فیه اھ ۔اس سےمعلوم ہوا کہ زیادہ بہترتو عورتوں کے لئے بھی سفید ہےلیکن رنگین بھی جائز ہے،خواہ کل کفن رنگین ہو یا بعض اوراصح کوتو جب پوچھا جاوے کہ روایات میں تعارض ہو اور جائزاوراولیٰ میں کوئی تعارض نہیں۔فقط ۲۰ رربیع الاول ۱۳۲۵ھ (حوالۂ بالا)

حکم تاخیرکردن درنماز جنازہ بسبب انتظار جنازۂ دیگر

سوال (۶۴۶) ایک ہی وقت دومیتوں کی تیاری ہوئی اورقبربھی دونوں کی تیار ہے پر صفائی کےقریب ہے،لیکن ایک میت آ گئی اوردوسری میت کی پختہ تیاری کی خبر پرانتظار کیا،اور پھر دونوں کوایک ہی دفعہ جنازہ پڑھ کر دفن کیا تو کیسا ہوا۔حالانکہ کئی جنازوں کا ایک دفعہ بوقت حاضری پڑھنادرست ہے،لیکن اس قدرتوقف کی بابت تشریح ہوجاوے آیا یہ انتظار جائز ہے یانہیں؟

الجواب۔فی الدرالمختار وکرہ تاخیر صلوۃ ودفنه لیصلی علیه جمع عظیم اس سےمعلوم ہوا کہ محض دوسری میت کے انتظار میں ایک جنازہ کی نماز میں تاخیر کرنا بدرجۂ اولیٰ مکروہ ہے۔فقط۔ ۲۰ رربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداداول ص ۱۴۷)

عدم جواز کفن از جامہائے احرام وتر کردہ آب زمزم

سوال (۱۴۷) حاجیے جامہائے احرام خود را بدیں نیت نگاہداشت کہ بعد مردنش از اں کفن او سازند بعضے مردم تھانہائے پارچہ، در آب زمزم تر کردہ بہمیں غرض نگاہ مے دارند آیا از روئے سنت سنیہ یا آثار سلف صالحین برائے ایں امور سندے بہم میر سید یا نہ در صورت ثانیہ بدعت حسنہ یا سیئہ خواہد بود یا چہ؟

الجواب۔ (۱) جزئیہ مصرحاً از نظر نگذشتہ لیکن حکم فقہاء بکراہت استنجاء از ماءِ زمزم دلیلے صریح است بر وجوب احترام او و در دیگر جا تصریح کردہ اند بوجوب صیانت الخ از تعریض برائے صدید میت ونجاست او چنانچہ امر اول در کتاب الطہارت و کتاب الحج از در مختار و امر ثانی در کتاب الجنائز از رد المحتار مصرحاً مذکور ست واز مجموعہ مستفاد می شود کراہت ایں فعل البتہ اگر چیزے باشد کہ صیانتش واجب نباشد و بوجہ من الوجوہ از اں رجائے برکت باشد لا باس بہ است۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

۲۴ / جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ (امداد اول ۱۴۷)

خلاصۂ سوال:- از کفن مبلول بماءِ زمزم

خلاصۂ جواب:- عدم جواز

تسامح...... از قدیم در تمام حجاج عرب وعجم ایں عمل جاری ست بلا نکیر کافہ انام ایں کار می کنند حتی الامکان فعل اوشاں بر محل صحیح آوردن بہتر ست بخیال حقیر از دلائل قیاسیہ مجیب علیہ الرحمۃ وقدس سرہ ایں جزئی تفسیر روح البیان اولی است، ولذا قال فی **الاسرار المحمدیة لو وضع شعر رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وعلی الہ وسلم اوعصاہ او سوطہ علی قبر عاص لنجا ذلک العاصی ببرکات تلک الذخیرہ من العذاب ومن ہذا القبیل ماء زمزم والکفن المبلول بہ و بطانۃ استار الکعبۃ والتکفن بہا** انتہی ۱۲ (تفسیر روح البیان ص ۵۵۹ مطبوعہ مصر) وجواز غسل انسان بہ ماءِ زمزم در تمام کتب فقہ مصرح است...... وآب زمزم از کفن مبلول مانند از بدن انسان خشک خواہد شد ذات او غیر موجود است وتبرک امر معنوی است فافہم فانہ دقیق (تتمۂ اولیٰ ص ۲۳۲)

---

(۱) اس جواب پر بھی علماء نے کلام کیا ہے جو ملحقات اولیٰ امدادالفتاویٰ میں درج ہے اور کلام صحیح ہے یعنی کفن کو آب زمزم میں تر کرنے میں کوئی خرابی نہیں۔ مزید تفصیل اصلاحات ملحقات میں دیکھو ۱۲ (تصحیح الاغلاط ص ۲۱)

رفع شبہات درعدم جواز غسل زوج زوجۂ خودرا

سوال (۶۴۸) ابن ماجہ ودارقطنی ودارمی ومسند احمد وغیرہا میں یہ حدیث موجود ہے عن عائشہؓ قالت رجع النبی ﷺ ذات یوم من جنازۃ من بقیع فوجدنی وانا اجد صداعاًوانا اقول واراساہ قال بل انایا عائشہؓ واراساہ قال وما ضرك ان متِ قبلی فغسلتكِ وكفنتكِ و صليت عليك ، الحديث، اس سے صراحۃ ثابت ہے کہ زوج زوجہ کو بعدممات غسل دے سکتا ہے ونیز ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہؓ کو بعد وفات غسل دیا تھا مگر حنفیہ بغیر کسی حدیث کے عدم جواز کے قائل ہیں محض رائے سے کہتے ہیں کہ بعد وفات زوجہ کے نکاح فسخ ہوجاتا ہے پس حنفیہ کا کلام باطل ہے بچند وجوہ (اول) زوجیت زوجین تقابل تضایف ہے زوجیت حقیقیہ اگر بعد وفات زائل ہوگئی تو طرفین سے اورزوجیت حکمیہ اگر باقی رہے گی تو طرفین سے زوجہ کی جانب سے ثبوت اورزوج کی جانب سے انتفاء ممکن نہیں (دوم) چونکہ حق ارث طرفین سے جاری اس وجہ سے زوجیت حکمیہ طرفین سے باقی ہے (سوم) جس طرح بعدممات زوجہ کا اطلاق قرآن میں آیا ہے زوج کا اطلاق بھی موجود ہے پس زوج کومثل اجنبیہ یا اجنبی کہنا صحیح نہیں (چہارم) امام حنیفہؒ الخ کے نزدیک حدیث ضعیف رائے سے بڑھ کر ہے کیا وجہ محض رائے سے حدیث ترک کی جاتی ہے باقی جوحنفیہ حدیث وقصہ فاطمہؓ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مرادتہیۂ غسل یا امر بالغسل ہے ونیز قرابت رسول بعدوفات باقی ہے کما جاء فی الحدیث كل نسب و سبب منقطع يوم القيمة الا سببی و نسبی اخرجه الطبرانی والبيهقی والحاكم اولاً بغیر قرینہ صارفہ معنی حقیقی ترک کرنا درست نہیں ثانیاً قرابت عامۂ مومنین بعد وفات باقی رہتی ہے قال اللہ تعالی هم وازواجهم فی ظلال علی الارائك متكؤن و قال تعالی لهم فيها ازواج مطهرة، ثالثاً اگر قرابت رسول باقی رہتی ہے تو چاہئے سید اپنی زوجہ سیدہ کو بعدممات غسل دے سکے کیا حنفیہ اس کے قائل ہیں۔

رابعاً جوازعقدازدواج کے سبب رسول پاک ہیں پس سببی میں عامۂ مومنین داخل ہوگئے ان اعتراضات کا جواب مدلل تحریر فرمائیے کہ وقت ارث کب ہے، قال فی الأشباه اختلفوا فی وقت الارث فقال مشائخ العراق فی اخر جزء من اجزاء حيوة المورث و قال مشائخ عند الموت و فائدة الاختلاف فی مالو قال الوارث لجارية مورثه اذا مات

مولاك فانت حرة فعلى الاول تعتق لا على الثانی اور سبب ارث زوجیت ہے یا موت زوجین اگر یوں کہا جاوے زوجیت حقیقیہ وحکمیہ میں قبلیت وبعدیت ذاتیہ ہے تعلق ارث کا بعد زوال زوجیت حقیقیہ کے وقبل عروض زوجیت کے ہوجاتا ہے توصحیح ہے یا نہیں اور زوجہ کی جانب سے اگر زوجیت حقیقیہ بعد وفات تا زمان عدت باقی ہو اور زوج کی جانب سے زائل بلکہ زوجیت حکمیہ عارض تو اس میں کیا حرج ہے، تضایف کے لئے مطلق زوجیت کا تعقل کافی ہے قرآن شریف میں ازواج وزوج کا اطلاق بیوہ پر بہت ہے، مگر شوہر پر بعد وفات زوجہ کے کہیں زوج کا اطلاق نہیں معلوم ہوتا اس سے پتہ چلتا ہے کہ زوجہ کی جانب سے تا بقائے عدت زوجیت حقیقیہ باقی رہتی ہے؟

الجواب۔[1] تحقیق المقام انه لاخلاف فی جواز غسل المرأة زوجها كما نقله غير واحد من العلماء وانما الخلاف فی جواز غسل الزوج امرأته فقال ابوحنيفة و موافقوه لا وقال اٰخرون نعم واحتج المجوزون بوجوه الاول بقوله ﷺ لعائشة رضی الله عنها ما ضرك ان مت قبلی فغسلتك الخ وجوابه ان البخاری روى هذه القصة ولم يذكر هذه الزيادة بل تفرد بها ابن اسحق وعنعن فی الرواية وهو غيرصحيح فيما تفردبه لاسيما اذا عنعن فسقط الاحتجاج بهذا الحديث ولو سلم فقوله غسلتك يحتمل التولی بالغسل كما يحتمل المباشرة و معلوم من عادته ﷺ انه كان لا يباشر الغسل فيحمل على التولی لا المباشرة والثانی بغسل علی فاطمة رضی الله عنها وجوابه من وجوه اما الاول فبانه اختلفت الروايات فی غسل فاطمة ففی رواية انها اغتسلت فی حيوتها واوصت ان لا يكشفی احد بعد موتی لانی تطهرت كما فی الزيلعی وغيره و فی الرواية انه غسلته الملئيكة كما فی تذكرة خواص الأمة لسبط ابن الجوزی وفی رواية انها غسلته ام ايمن كما فی الشامی و فی رواية منها غسلها علی واسماء اما الرويتان الاوليان فظنی انها مكذوبتان اخترعهما الروافض خذلهم الله تفصيلا لفاطمة بفضائل غير واقعية كما هو دابهم خذلهم الله واما الرويتان الاخريان فالا ولی منهما اقوى من حيث الرواية وثانيهما اقوى من حيث الدراية اماقوة الاولی من حيث الرواية فلانه لم يثبت للثانيه سند ولم

[1] یہ جواب تصحیح الاغلاط ص ۲۱ سے نقل کیا گیا ہے ۱۲ ظ

اعلم من اخرجه من المحدثين واما قوة الثانيه من حيث الدراية فلان اختصاص ام ايمن باهل بيت النبوة معروف بخلاف اسماء فبعيد كل البعد ان تنكفل اسماء غسلها او توصيها فاطمةؓ مع قصورام ايمن لاسيما اذا كانت اسماء بنت ابی بكرؓ وعلیؓ يجتهد فی اخفاء موتها عن ابی بكرؓ كما يروی عنه فان كانت الرواية الثانية ثابتة والاولی غير ثابتة فالجواب ظاهر واما ان كانت الرواية الاولی ثابتة فالجواب ان تشارك اسماء وعلی فی الغسل يحتمل وجوها،الاول ان يكون كلاهما مباشرين والثانی ان يكون علی مباشراواسماء عوناله الثالث العكس فاحتجنا الی الترجيح فلما نظرنا فی وجوه الترجيح علمنا ان الراجح هو الاحتمال الثالث لانه لما كان احدهما كافيا فی المباشرة لم تكن فاطمةؓ محتاجة الی الوصية لكليهمابالمباشرة وايضا لوجاز لعلی غسلها فای حاجة كانت لها الی الوصية لاسماء فلما اوصت لكليهما علمنا ان وصية المباشرة لاسماء ووصية الاعانة كانت لعلی اما الوصية بالمباشرة لاسماءِ فلعلمها رضی الله عنها بعقلهاوحسن سليقتها لمااشارت عليها باتخاذ التابوت كما و قع فی رواية ابی نعيم و لفظها هذا ان فاطمةؓ بنت رسول الله ﷺ قالت يا اسماء انی استقبح ما يفعل بالنساء انه يطرح علی المرأة الثوب فيصفها فقالت اسماء يا بنت رسول الا اريك شيئارأيته بالحبشه فدعت بجرائد رطبة فلوتها ثم طرحت عليها ثوبا فقالت فاطمهؓ ما احسن هذا واجعله تعرف به المرأة من الرجل فاذا انا مت فاغسلينی انت وعلی فلما توفيت غسلها علیؓ واسماء اھ واما الوصية بالاعانة لعلی فلانه كان اعلم باحكام الغسل من اسماء فاوصت له به ليعينها بتعليم الاحكام ان احتاجت اليه ولانها كانتؓ تحب عليا فاحبت ان يشارك فی غسلها وايضاً كانت تعلم حب علی اياها فرأت رضی الله عنها انهؓ لا يقصر فی تحسين غسلها فلهذه الوجوه او صت اليه بالاعانة فلما انتقش علی صحيفة خاطرك ماتلونا عليك علمت ان حديث غسل فاطمة ان ثبتت فلنا لا علينا والثالث بحديث ابن مسعود انه غسل امرأته وجوابه ان حديث غسل ابن مسعود ضعيف كما صرح به البيهقی كما ان حديث اغراضه علیؓ الذی نقله الشامی غير ثابت والرابع بحديث ابن

عباس انه قال الرجل احق بغسل امرأته اهـ وجوابه انه من رواية حجاج بن ارطاة عن داؤد بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس و قال ابن المدينى فى داؤد ماروى عن عكرمة فمنكرو قال ايضاً مرسل الشعبى احب الى من داؤدعن عكرمة عن ابن عباس و قال ابوداؤد احاديثه عن شيوخه واحاديثه عن عكرمة مناية و قال ابن عيينة كنا نتقى حديث داؤد قال ابوزرعة لين وقال ابوحاتم ليس بالقوى ولولا ان مالكا روى عنه لترك حديثه و قال اسالى منكر الحديث يتهم برأى الخوارج وقال الجوز قانى لايحمد الناس حديثه وعاب غير واحد على مالك الرواية عنه و تركه عن سعد بن ابراهيم وهو إن الخ الائمة ايضاً لكن توثيقهم اياه فى نفسه لا يعارض حكم الائمة بالنكارة على حديثه عن عكرمة عن ابن عباس و ايضاً فيه الحجاج بن ارطاة المختلف فيه والمدلس المشهور و قد عنعن فى الرواية فلا تقبل و بالجملة حديث ابن عباس ضعيف لا يحتج به ولوسلم فهو محمول على التولى بالغسل لاالمباشرة كماعلمت فى حديث غسل فاطمةؓ والخامس بغسل علقمة و غيره من التابعين نساء هم وجوابه ان فعل التابعين ليس بحجة على الامام وهذه الحجج كانت للمجوزين من المنقول و قد علمت حالها اما من المعقول فقالوا موت الرجل كموت المرأة و بالعكس فأن كان موت المرأة رافعا للنكاح بحيث لايكون للرجل حق غسلها يكون موت الرجل ايضاً رافعا له كذلك وكذلك العكس وان لم يكن موت المرأة رافعا لها بالحيثية المذكورة لم يكن موت الرجل ايضاً رافعا لها بتلك الحيثية وكذلك العكس اذا علمت هذا فاعلم ان موت الرجل ليس برافع له بتلك الحيثية فلا بد أن لا يكون موت المرأة ايضاً رافعا بتلك الحيثية واجيب بمنع المماثلة بين الموتين كما سيجيئ بفضله واحتج المانعون بوجوه الاول بقول عمرؓ نحن كنا احق بها حين كانت حية واما اذا ماتت فانتم أحق به اويرد عليه او لا بانه لم يثبت هذا النقل عنه و ثانيا بانه يدل على احقية اهل المرأة بعد الموت لا على نفى الحق عن الزوج اصلا و نحن لا ننكر الا حقية بل نقول به لان حق القرابة باق بحلها وحق الزوجية اضمحل بالموت فبطل الاستدلال به والثانى بانا تتبعنا الشريعة فوجد نا انها تبقى النكاح فى صورة

موت الزوج فی الجملة حیث توجب العدة علی المرأة و لیس هذا الابقاء النکاح فی الجملة ولا تبقیه فی صورة موت الزوجة لانها تحلل للزوج نکاح اختها بمجرد موتها فلو کان النکاح باقیا لم یحل له نکاحها ویرد علیه انا لا نسلم انعدام النکاح بالکلیة بل هو باق من وجه وزائل من وجه کما قلتم فی صورة موت الزوج و یجاب عنه بان بقاء الشیئ یعرف باثره واثر النکاح باق فی صورة موت الزوج بخلاف موت الزوجة فقلنا ببقائه فی الاول دون الثانی ویرد علیه ان ثبوت المیراث للزوج بحق الزوجیة اثر للنکاح وهو باق فکیف یحکم بانعدام النکاح مطلقا و یجاب عنه بان من اثار الشیئ ما یثبت مع ذلك الشیئ ومنها ما یترتب علیه بعد انعدامه کما هوشان المعدات فثبوت المیراث للزوج یحتمل ان یکون من القسم الاول ویحتمل ان یکون من القسم الثانی فلما نظرنا الی ثبوت حل نکاح اختهاله علمنا انه من القسم الثانی ویرد علیه ان ثبوت حل نکاح الاخت لا یدل علی المراث من القسم الثانی لان من احکام الشیئ ما یثبت مع بقاء ہ ومنها مالا یثبت معه فیجوز ان یثبت له المیراث ولا یثبت له حرمة نکاح فی الجملة الثالث انهم موت الزوجة یعدم المحل فلا یبقی النکاح معه بخلاف موت الزوج فانه لا یعدم المحل فیبقی ففی صورة موت زوج الخ الزوجة غسل الزوج و فی صورة موت الزوجة لا یحل للزوج غسل الزوجة و یرد علیه انه کما لایبقی المحلیة فی صورة موت الزوجة کذلك لایبقی الاهلیة فی صورة موت الزوج والشیئ کما ینعدم بانعدام المحلیة کذلك ینعدم بانعدام الاهلیة فکیف یبقی النکاح فی صورة موت الزوج ویجاب عنه باناﻻنسلم انعدام الاهلیة بالکلیة ویرد علیه انا لا نسلم انعدام الأهلیة بالکلیة و یجاب عنه بان الشرع احل للزوج نکاح الاخت فعلمنا منه انه اعتبرانعدام الامحلیة بالکلیة والزم المرأة العدة فعلمنا انه لم یعتبر انعدام المحلیة بالکلیة ویرد علیه ان تحلیل النکاح لا یقتضی ان یعتبر الشرع انعدام المحلیة بالکلیة کما مر سابقا وایضا الزام المرأة العدة لا یقتضی عدم اعتبارانعدام الاهیلة بالکلیة لانه یجوز ان یکون الزام الشرع العدة لا جل احتمال العلوق لا لاجل بقاء النکاح و یجاب عنه انه یستلزم ان لا یکون

علی غیر المدخول بها عدة و یرد علیه انه لا یستلزم ذلك لجواز إقامة السبب ای النکاح مقام المسبب کما فعل الشرع فی غیر موضع و یؤید ما قلنا انقضاء العدة بوضع الحمل اقول هذا النموزج من الکلام بین الفریقین و یتضح من ذلك ان المسئلة اجتهادیة و لکل فریق سعة فی الکلام و لیس عنده أحد مایسکت المخالف فلا یجوز الطعن لاحد الفریقین علی الاخر هذا مایتسر فی هذا المقام ، و الله اعلم۔ (امداد اولیٰ ص ۱۴۷)

تحقیق غسل دادن زناں محارم مرد میت را

سوال (۶۴۹) بہشتی زیور مدلل و مکمل طبع ثانی اشرف المطابع حصۂ دوم ص ۷۷ میں اول مسئلہ یہ درج ہے۔

مسئلہ...... اگر کوئی مرد مر گیا اور مردوں میں سے کوئی نہلانے والا نہیں ہے تو جو عورت اس کی محرم ہو وہی نہلا دے غیر محرم کو ہاتھ لگانا درست نہیں اور اگر کوئی محرم عورت نہ ہو تو اس کو تیمم کرادو، الخ اس کے متعلق یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مسئلہ کہاں سے اخذ کیا گیا ہے بظاہر جہاں تک کتب فقہیہ کو دیکھا گیا ہے اس کے خلاف ہی ملا، فی البدائع ، وان لم یکن معهن ذلك فانهن لا یغسلنه سواء کن ذوات رحم محرم اولا لان المحرم فی حکم النظر الی العورة والاجنبیة سواء فکما لا تغسله الاجنبیة فکذا ذوات محارمه و لکن تیممه (ج ۱ ص ۳۰۵) وفی العالمگیریہ (ج ۱ ص ۱۰۲) والاصل فیه ان کل من یحل له وطئها لو کان حیا بالنکاح یحل لها ان تغسله والا فلا و مثله فی نور الایضاح ، امید کہ حضرت اپنی رائے عالی سے مطلع فرما کر اس اشتباہ کو دور فرمائیں گے؟

الجواب۔ واقعی نقل میں غلطی ہوگئی جس کی وجہ خیال میں نہیں آتی منقول وہی ہے جو آپ نے لکھا، تتمۂ ، اس تحریر کے بعد بعض احباب نے ذیل کی تحریر پیش کی، وہی ہذہ ولیکن شامی باب الرضاع ص ۶۷۰ ج ۲ میں ہے (فیممها) ای بلا خرقة اذا ماتت بین رجال فقط اما غیر المحرم فیممها بخرقة و قیل تغسل فی ثیابها افاده: اس روایت طحاوی سے بہشتی زیور کی تائید ہوتی ہے و نیز مسئلہ بہشتی زیور درایت کے بھی موافق ہے کیونکہ غیر محرم کو چھونا جائز نہیں اور جتنا دبیز کپڑا لپٹنے کے بعد چھونا جائز ہے اس کے بعد غسل متعذر ہے اور محرم کو مابین السرة والرکبة کے علاوہ چھونا جائز ہے اس لئے غسل کا فریضہ ترک کرنے کی ضرورت نہیں، واللہ اعلم۔ انتہت العبارة۔

میں کہتا ہوں کہ یا تو مسئلہ میں دو روایتیں ہیں یا نہی عن الغسل مقید ہے اس صورت کے ساتھ جبکہ حائل نہ ہو اور جواز غسل کی روایت میں حائل کی قید (یعنی ثیاب کا بدن پر ہونا) مصرح ہے ہی۔ کتبہ اشرف علی۔ ۷ رجمادی الثانی ۱۳۵۱ھ (النور ص ۵)

توجہ میت سوئے قبلہ وقت غسل

سوال (۶۵۰) وقت غسل کے منہ مردہ کا کس طرف ہووے؟

الجواب۔ غسل کے وقت تختہ پر مردہ کو رکھنے کی دو صورتیں لکھی ہیں ایک تو قبلہ کی جانب پاؤں کر کے لٹانا دوسرے قبلہ کی طرف منہ کرنا جیسے قبر میں رکھتے ہیں اور دونوں صورتوں میں سے جو صورت ہو سکے جائز ہے۔ وکیفیة الو ضع عند بعض اصحابنا الوضع طولا کما فی حالة المرض اذاارادالصلوة بایماء ومنهم من اختارا لوضع کما یوضع فی القبر والا صح انه یوضع کما تیسر کذا فی الظهیریة۔ (عالمگیری ج اص ۵۵) مگر زیادہ مستحسن صورت ثانیہ ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ خانہ کعبہ قبلہ ہے زندوں کا بھی اور مردوں کا بھی روی ابو داؤد ان رجلا سال رسول اللهﷺ صلی الله علیه وسلم عن الکبا ئر فقال هی تسع وذکرها الی ان قال واستحلال البیت قبلتکم احیاء واموا تا۔ واللہ اعلم۔

۱۹ رصفر (امداداول ص ۱۵۰)

حکم جہت راس بوقت غسل مردہ

سوال (۶۵۱) مردہ کے غسل دیتے وقت سر اس کا کس جانب ہونا چاہئے؟

الجواب۔ کئی قول ہیں مگر صحیح یہ ہیں کہ جس طرح آسان ہو۔ کما فی الدر المختار۔

۱۴ ررمضان المبارک ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۷۰)

طریق حمل جنازہ

سوال (۶۵۲) حمل جنازہ کس طرح کرنا چاہئے؟

الجواب۔ میت اگر چھوٹا بچہ ہے تو ایک آدمی اپنے ہاتھوں پر اٹھاوے تو کافی ہے اور اگر بڑا بچہ یا بالغ ہے تو اس کو چارپائی پر رکھکر چار آدمی اٹھاویں۔ پھر اس میں ایک تو نفس سنت ہے اور ایک کمال سنت ہے نفس سنت تو یہ ہے کہ بلا ترتیب چاروں پایوں کو پکڑ کر دس دس قدم چلے اور کمال سنت یہ ہے کہ اول جنازہ کے سرھانے کی داہنی جانب کو داہنے کندھے پر رکھ کر دس قدم

چلے پھر پائنتی کے داہنی جانب داہنے کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے پھر سرہانے کے بائیں جانب بائیں کندھے پر رکھکر دس قدم چلے پھر پائنتی کے بائیں جانب بائیں کندھے پر اور جنازہ کے لیجاتے وقت سرمیت کا آگے رکھے اور جنازہ کو ذرا لپک کر لے چلے لیکن دوڑے نہیں۔

سن فی حمل الجنازة اربعة من الرجال اذا حملوه علی سریرا خذوه بقوائمه الاربع ثم ان فی حمل الجنازة شیئین نفس السنة و کما لها اما نفس السنة فهی ان تاخذ بقوائمها الاربع علی طریق التعاقب بان تحمل من کل جانب عشر خطوات وهذا یتحقق فی حق الجمیع و اما کمال السنة فلا یتحقق الا فی واحد وهو ان یبدأ الحامل بحمل یمین مقدم الجنازة فیحمله علی عاتقه الایمن ثم المؤخر الایمن علی عاتقه الایمن ثم المقدم الایسر علی عاتقه الایسر ثم المؤخر الا یسر علی عاتقه الا یسر و ذکر الاسبیجابی ان الصبی الرضیع او الفطیم او فوق ذلك قلیلا اذا مات فلا باس بان یحمله رجل واحد علی یدیه و یتد اوله الناس بالحمل علی ایدیهم وان کان کبیرا یحمل علی الجنازة و یسرع بالمیت و قت المشی بلا خبب و فی حالة المشی بالجنازة یقدم الراس۔

(عالمگیری کلکتی ج ۱ ص ۲۲۶ مع اختصار یسیر) جمادی الاولیٰ ۱۳۰۲ھ (امداد اول ص ۱۵۱)

تقدیم براس میت وقت حمل جنازہ

سوال (۶۵۳) وقت لے جانے جنازہ کے سر آگے کیا جاوے یا پیر؟

الجواب۔ جنازہ لے جانے کے وقت مردہ کا سر آگے رکھنا چاہئے وفی الحالة المشی بالجنازة یقدم الراس کذا فی المضمرات ،عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۹ واللہ أعلم۔

۱۹ رصفر ۱۳۰۱ھ (حوالۂ بالا)

حکم آلمٓ خواندن بر بالین و پائیں میت

سوال (۶۵۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بعد دفن جنازہ آلمٓ سے المفلحون تک قبر میت پر انگشت ٹیک کر سرہانے میت کے پڑھنا جائز و مسنون ہے یا کیا، بینوا توجروا؟

الجواب۔ بعد دفن اول سورۂ بقر اور آخر اس کا قبر پر پڑھنا ابن عمرؓ [1] سے ثابت ہے، فکان ابن عمرؓ یستحب ان یقرأ علی القبر بعد الدفن اول سورة البقر و خاتمتها

(۱) یہ دونوں روایتیں کتب حدیث میں تلاش کرنے کا اتفاق نہیں ہوا ۱۲ منہ۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۶۰۱) اور انگشت رکھنا عاجز کی نظر سے نہیں گزرا فلیتحقق، اور نیز رسول اللہ ﷺ سے قبر کے سرہانے اول سورۂ بقر اور پائتی پر آخر اس کا پڑھنا ثابت [1] ہے فقد ثبت انه عم قرأ اول البقرة عند راس الميت واخرها عند رجليه، ردالمحتار (ص ۶۰۵ ج ۱) اور قرأت اول بقرہ سے مفلحون تک اور آخر سے آمن الرسول ختم تک ہے، فليحفظ ۔ واللہ اعلم ۔ (امداد ص ۱۵۲ ج ۱)

اجتماع جنائز کے وقت نماز جنازہ کا حکم

سوال (۶۵۵) دس نفر مرد اور دس نفر لڑکے اور دس نفر عورت ایک دفعہ مرے تو نماز جنازہ یکجا پڑھنا چاہئے یا علیحدہ علیحدہ، بینوا توجروا۔

الجواب۔ جب بہت سے جنازہ جمع ہو جاویں تو اولیٰ تو یہ ہے کہ ہر ایک کی نماز علیحدہ پڑھی جاوے اور افضل کی تقدیم افضل ہے اور اگر سب کی ایک نماز پڑھنا چاہیں جب بھی جائز ہے، پھر تین صورتوں میں جس کو چاہیں اختیار کریں، پہلی صورت یہ کہ ان کی ایک صف بنائی جاوے اس طور سے کہ ایک کے پاؤں دوسرے کے سر سے متصل ہوں، دوسری یہ کہ ایک میت کو دوسری کے پہلو میں یوں رکھا جاوے کہ دوسرے کا سر پہلے کے کندھے کے برابر ہو اور تیسرے کا دوسری کے کندھے کے برابر و ہٰکذا اس زینہ کی سی شکل بن جاوے گی وشکلہ ہٰکذا۔
تیسرے یہ کہ ان کو آگے پیچھے رکھے کہ سب کا سینہ امام کے مقابل رہے وصورتہ ہٰکذا
آخر کی دو صورتوں میں ترتیب یوں ہونی چاہئے کہ امام کے قریب مرد رہے اس کے پہلو نابالغ لڑکا اس کے پیچھے خنثی اس کے پیچھے بالغ عورت اس کے پیچھے نابالغ لڑکی اور پہلی صورت میں سب ایک صف میں ہوں گے اس لئے امام کو افضل کے قریب کھڑا ہونا چاہئے و اذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلوة اولى وان جمع جاز ثم ان شاء جعل الجنائز صفا واحداو قام عند افضلهم وان شاء جعلها صفا ممايلى القبلة واحد خلف واحد بحيث يكون صدر كل جنازة ممايلى الامام ليقوم بحذاء صدر الكل وان جعلها درجا فحسن لحصول المقصود فيقرب منه الافضل الى اخر ما قال درمختار، والله اعلم ۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد اول ص ۱۵۲)

---

(۱) یہاں پر تصحیح الاغلاط ص ۲۵ سے عبارت میں ترمیم کی گئی ہے۔

وضع جنازہ پیش امام برسریر یا برزمین

سوال (۶۵۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نماز جنازہ چار پائی پر رکھ کر یا زمین پر جنازہ رکھ کر یا کسی شئے پر سنت ہے اور مقتدی و امام جوتا اتار کر پڑھیں یا اوپر جوتا یا اندر جوتے کے پاؤں رکھ کر پڑھی جاوے، بینوا توجروا؟

الجواب۔ جنازہ کا امام کے روبرو رکھا جانا ضرور ہے خواہ چار پائی پر ہو یا زمین پر، فی الدرالمختار، ووضعه، امام المصلی فلا تصح علی غائب ومحمول علی نحو دابة اه، لیکن اولیٰ چار پائی پر رکھنا ہے قیاساً[1] علی حالة الحمل ، فی الدرالمختار وان کان کبیرا حمل علی الجنازة اهـ۔

جواب (۲) سوال ثانی، اگر جوتا پاک ہے یا ناپاک تھا لیکن پاک ہوگیا یعنی اگر نجاست ذی جرم لگی تھی اور مَلنے چلنے سے جھڑ گئی یا غیر ذی جرم تھی اور تین بار دھوڈالا اس صورت میں جوتہ پہن کر بھی پڑھنا جائز ہے، ویطهر خف ونحوه کنعل تنجس بذی جرم بذلك ومالا جرم لها فیغتسل، درمختار، اور اگر ناپاک ہے خواہ اوپر سے یا اندر سے یا نیچے سے تو پہن کر درست نہیں، فی الدرالمختار، هی طهارة بدنه من حدث وخبث و ثوبه وکذا ما یتحرک بحرکته او یعد حاملاله اه، اور اگر اتار کر پڑھتا ہے سو اگر اندر سے یا اوپر سے نجس ہے تب تو جائز نہیں لنجاسة موضع قدمیه اور اگر اوپر اور اندر سے پاک ہے اور نیچے سے ناپاک ہے پس بنا بر قیاس قول امام ابو یوسفؒ کے جائز نہیں اور بنا بر قیاس قول امام محمدؒ کے جائز ہے اور فتویٰ اکثر علماء کا قول محمدؒ پر ہے لیکن احتیاط قول ابو یوسفؒ میں ہے، فی الدر المختار، و صلاته علی مصلی مضرب نجس البطانة اهـ، فی ردالمحتار ثم هذا قول

---

(۱) اقول فی القیاس تامل والاولی فی الجواب ان یقال فی الدر المختار فی القنیة الطهارة من النجاسة فی ثوب و بدن و مکان و ستر العورة شرط فی حق المیت والامام جمیعا و فی الرد قوله فی القنیه مثله فی المفتاح والمجتبیٰ معزیا الی التجرید اسمعیل لکن فی التاتارخانیه سئل قاضی خان عن طهارة مکان المیت هل تشترط لجواز الصلوٰة علیه قال ان کان المیت علی الجنازة لا شك انه یجوز والا فلا روایة لهذا و ینبغی الجواز وهکذا اجاب القاضی بدر الدین اهـ قد علم من هذه الروایات ان فی اشتراط طهارة مکان المیت اختلافا و معلوم ان الاحوط هو الاشتراط والوضع علی السریر الطاهر یقلع شبهة نجاسة الارض فیکون هو الاولی والحصیر والثوب و نحوهما فی حکم السریر ۱۲ والله أعلم (تصحیح الاغلاط ص ۲۵)۔

ابی یوسف و عن محمد یجوز الی ان قال و ظاهرہ ترجیح قول محمدؒ وھو الاشبہ و رجح فی الخانیۃ فی مسئلۃ الثوب قول ابی یوسفؒ بانہ اقرب الی الاحتیاط و تمامہ فی الحلیۃ اھ، واللہ اعلم۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد اول ص ۱۵۳)

حکم خشب وسنگ وخشب پختہ درقبر

سوال (۶۵۷) آج کل قبر میں لکڑی رکھنے کا علی العموم دستور ہے حالانکہ فقہاء نے آجر اورخشب دونوں کوممنوع لکھا ہے البتہ بانس کی اجازت دی ہے اور علت ممانعت استحکام بیان کی ہے تو کیا یہ عمل مروج ناجائز ہے اس کی ممانعت کرنی چاہئے، نیز اس علت پر پتھر رکھنا بھی درست نہ ہونا چاہئے جو کہ کانپور میں رواج پاتا جاتا ہے نیز بانس میں مثل خشب ہی کے استحکام ہے اس کو اس حکم سے کیوں مستثنیٰ کیا؟

الجواب۔ (۱) خشب وغیرہ رکھنے کے دومقام ہیں لحد اور سقف قبر سولحد میں تو یہ تفصیل ہے کہ بلاضرورت قصب ولبن کے سوا مکروہ ہے، لانہ خلاف السنۃ المعھودۃ من السلف والتعلیل بالتفاول فی الأجر والاستحکام فی الخشب والاجر فلا اصل لہ اما الاول فلانہ نوع من الطیرۃ و ھی شرك علی ما نص علیہ صاحب الشرع (ولما فی فتح القدیر قولہ لانھما من احکام البناء) ومنھم من علل بان الاجر مسعد النار ودفع بان السنۃ ان یغسل بالماء الحار فعلم ان مس النار لم یعتبر مانعاً من الشرع والاولی ما فی الکتاب و فی الدفع نوع نظر انتھی و اما الثانی فلا نہ منقوض بتجویز التابوت فی ارض رخوۃ ووضع الخشب والاجر فوق المیت ای علی سطح القبر والتعلیل بکونھا عصمۃ من السبع غیر مختص بالوضع فوق المیت بل ھو جاء فی اللحد ایضا ھی سطح قبر، سو اس میں خشب وآجر وغیرہ رکھنا سب جائز ہیں، قال فی رد المحتار قال فی لحلیۃ وکرھوا الأجر والواح الخشب قال الامام التمر تاشی ھذا اذا کان حول المیت فلو فوقہ لا یکرہ لانہ یکون عصمۃ من السبع الخ ،اس تفصیل سے تمام سوال کا جواب معلوم ہوگیا، واللہ اعلم۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۵۳)

سوال (۶۵۸) جونپور میں اہل تشیع کی دیکھا دیکھی قبر میں بیر کا تختہ اہل تسنن بھی دیتے

---

(۱) یہ جواب تصحیح الاغلاط ص ۲۶ سے درج کیا گیا ہے ۱۲۔

ہیں اور فضیلت سمجھتے ہیں، میں نے ایک عالم سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کچی اینٹ سے قبر بند کرنا تو مسنون ہے اگر اینٹیں پکی نہ ہوں تو بانس کے تختے قبر میں دیئے جائیں بانس خشک یا تر ہو یعنی سبز ہو یا دیر کا کٹا خشک ہو باقی لکڑی کا تختہ عام اس سے کہ وہ صندل کی لکڑی کیوں نہ ہو مکروہ ہے لہٰذا اس کی تصدیق حضور سے چاہتا ہوں؟

الجواب۔ فی الدرالمختار و یسوی اللبن علیه والقصب الا الاجر المطبوخ والخشب لوحول المیت اما فوقه فلا یکره ابن ملك، اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ عالم صحیح فرماتے ہیں لیکن میت کے اوپر تختے رکھے جاویں تو کچھ حرج نہیں لحد میں اس کے گرد نہ لگائے جاویں اصل مسئلہ میں تو یہ تفصیل ہے مگر خاص بیری کے تختہ میں چونکہ مشابہت ہے اہل باطل کے ساتھ اس عارض سے میت کے اوپر بھی نہ رکھنا چاہئے۔

۲۹ رصفر ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانی ص ۱۲۷)

جنائز مشتبہ مسلم وکافر پر نماز کا طریقہ

سوال (۶۵۹) ایک جگہ میں چار آدمی آگ میں جل گئے اب یہ شناخت نہیں ہوتی کہ وہ ہندو ہیں یا مسلمان اب موتیٰ مذکورہ کے واسطے کیا کریں یعنی مدفون نماز پڑھ کر کرائے جاویں یا اور کوئی صورت ان کے واسطے ہوگی؟

الجواب۔ فی الدرالمختار فروع لولم یدرالی قوله دفنهم فی ردالمحتار قوله فان فی دار نا الی قوله منهی عنه ص۸۹۹و۹۰۰۔ بنابر روایت مذکورہ کے بعد تصحیح و ترجیح جواب یہ ہے کہ سب کو غسل دیں اور سب کو سامنے رکھ کر یہ خیال کر کے نماز پڑھیں کہ ان میں جو مسلمان ہیں ان کی نماز پڑھتے ہیں اور پھر سب کو دفن کر دیں۔

۲۹ رصفر ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۶)

امامت جنازہ کے لئے سلطان وامام حی ولی سے احق ہیں

سوال (۶۶۰) بادشاہ یا قاضی یا امام حی حاضر ہونے کے ساتھ ولی میت یا وصی میت کے واسطے نماز پڑھانا جائز ہے یا نہیں مگر اتفاق سے پڑھاوے تو نماز دہرانا ہوگا یا نہیں؟

الجواب۔ وصی میت کا تو اس میں کوئی حق نہیں البتہ ولی صاحب حق ہے مگر سلطان وقاضی و امام حی اس سے مقدم ہے لیکن اگر ولی نے باوجود حاضر رہنے ان مذکورین کے نماز پڑھائی تو گو ترک واجب کیا مگر نماز ہوگئی اعادہ اس کا نہ کیا جاوے گا، علامہ شامی نے اقوال مختلفہ میں اس کی

تصحیح اور ترجیح لکھی ہے، جلد ا ص ۹۲۲۔ واللہ اعلم۔ ۲۰ رذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۶)

تحقیق تلقین قبور

سوال (۶۶۱) تلقین القبور کے جواز وعدم جواز میں کونسی صورت مفتیٰ بہ ہے؟

الجواب۔ فی الدر المختار ولا یلقن بعد تلحیده، فی رد المحتار ذكر في المعراج انه ظاهر الرواية اھ (جلداول ص ۸۹۰)، اور ترجیح ظاہر روایت کو ہوتی ہے اور اس کے بعد جو تلقین کی مشروعیت کو نقل کیا ہے سو اول تو اس کے دلائل ضعیف ہیں بعض ثبوتاً بعض دلالۃً پھر اس پر سب متفق ہیں کہ ضروری نہیں اور غیر ضروری میں جب کوئی مفسدہ ہو متروک ہو جاتا ہے اور اس میں تشبہ بالروافض ہے اس لئے قابل ترک ہوا۔ واللہ اعلم۔ ۲۰ رذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۶)

مردہ کے ہاتھ حضور ﷺ کی خدمت میں سلام کہنا

سوال (۶۶۲) بعض جگہ دستور ہے کہ جب مردہ کو نہلا کر کفن پہنایا جاتا ہے اس وقت اس مردے کے کان میں کہہ دیتے ہیں کہ میرا رسول اللہ ﷺ کو سلام کہنا یہ کیسا ہے؟

الجواب۔ بعض سلف سے ثابت ہے کہ مردہ کے ہاتھ برزخ والوں کو سلام کہہ دیتے تھے اس بناء پر جائز ہے مگر یہ اسی حالت میں ہو سکتا ہے جب مردہ بات سننے سمجھنے کے لائق ہو یعنی موت کے قبل ہوش میں ہو نہ کہ بعد کفنانے کے کہ محض مہمل ہے۔ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۷)

وضوء کا پانی قبر پر گرانا

سوال (۶۶۳) قبر کے اوپر وضو کا پانی گرانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی رد المحتار من الفتح و يكره الجلوس على القبر ووطؤه، وفي الدر المختار آداب الوضوء والجلوس في مكان مرتفع تحرزا عن الماء المستعمل، وفي ردالمحتار لوقوع الخلاف في نجاسته ولانه مستقذر ولذا كره شربه والعجن به على القول الصحيح بطهارته وفيه مكروهات الوضوء او في المسجد، ان روایات میں تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ قبر بھی محترم اور ماء وضو مستقذر ہے اس لئے قبر پر وضوء کا پانی گرانا نہ چاہئے باقی جزئیہ نظر سے نہیں گزرا۔ فقط (تتمۂ اولیٰ ص ۴۷)

قبر کو مسجد کے اندر داخل کرنا

سوال (۶۶۴) مسجد بڑھا کر قبر کو اندر کر لینا درست ہے یا نہیں؟ اور اس کے اوپر جوتیاں وغیرہ اتارنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب۔ في ردالمحتار اذا بلي الميت وصار ترابا يجوززرعه والبناء عليه ومقتضاه جواز المشي فوقه (ص ۹۴۵ ج ۱)، اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر قبر پرانی ہوجاوے کہ بغالب گمان اس میں مردہ خاک ہوگیا ہوتو یہ سب امور مذکورۂ سوال جائز(۱) ہیں۔
(تتمۂ اولیٰ ص ۴۷)

قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا

سوال (۶۶۵) قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے یا نہ؟

الجواب۔ فی رد المحتار اٰداب زیارۃ القبور ثم یدعو قائماً طویلا۔
اس سے دعا کا جائز ہونا ثابت ہوا اور ہاتھ اٹھانا مطلقاً آداب دعا سے ہے پس یہ بھی درست ہوا۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تتمۂ ص ۴۷)

قبرستان میں جوتہ سمیت چلنا

سوال (۶۶۶) قبرستان میں جو راستہ پڑا ہوا ہے اس پر سے جوتیاں پہن کر چلا جانا درست ہے یا نہیں اور بغیر راستے کے قبرستان میں جوتیاں پہن کر یا بغیر جوتیوں کے چلنا درست ہے یا نہیں، قبر کے نشانات نہیں ہیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار یکرہ المشی فی طریق ظن انه محدث حتی اذا لم یصل الی قبرہ الا بوطأ قبر ترکه اھ، اس سے معلوم ہوا کہ اگر نیا راستہ ہوتو اس پر چلنا درست نہیں۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۸)

غسل کے وقت میت کے نجس کپڑے کو پاک کرنا

سوال (۶۶۷) میت کو غسل دینے کے وقت جو کپڑا ناف سے گھٹنے تک رکھا گیا ہے پہلی دفعہ

---

(۱) یعنی بعد نشان مٹا دینے قبر کے ۱۲ منہ

جب نجاست دور کی گئی تو وہ پانی کپڑے کو بھی لگا تو اب وہی کپڑا کفایت کرے گا یا دوسرا رکھا جاوے؟

الجواب۔ دوسرا یا پہلے کو پاک کر کے رکھیں۔ ۲۹ ربیع الثانی ۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۸)

ظاہری نجاست اگر نہ ہو تب بھی کپڑے پر اول جو تری لگے گی کپڑا ناپاک ہو جائے گا

سوال (۶۶۸) اور اگر وہی کپڑا رہے تو صاف کر کے رکھا جاوے یا ویسے ہی بدستور رہے اور اگر نجاست ظاہری نہ ہو تو تر ہونے سے کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے یا نہیں اور میت کی شرمگاہ سے نجاست بذریعہ کلوخ دور کرنا بہتر ہے یا بذریعہ پانی؟

الجواب:– فی رد المحتار باب الجنازة تحت قول الدر المختار قيل نجاسته خبث الخ ويؤيده اطلاق محمد نجاسة غسالته ، اس سے معلوم ہوا کہ قبل غسل جو پانی اس کو لگا ہے وہ ناپاک ہے پس تر ہونے سے کپڑا ناپاک ہو جائے گا، اور نجاست کا ازالہ پانی سے کافی ہے۔
۲۹ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۸)

قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنے کی تحقیق

سوال (۶۶۹) قبرستان میں اکثر دیہات میں جنازہ کی نماز پڑھی جاتی ہے قبرستان کو پس پشت یا داہنے یا بائیں کرلیا جاوے اس وقت یہ نماز یا اور نماز پڑھ لینے سے بے کراہت درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب۔ نماز جنازہ درست ہے اور دوسری نماز میں داہنے بائیں طرف بھی قبر نہ چاہئے[1] قياسا على التمثال حيث يكره اذا كان بحذائه يمنة ويسرة۔فقط
۴ رشعبان ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۸)۔

سوال (۶۷۰) حد گورستان خواہ احاطۂ گورستان کے اندر جہاں قبریں متعدد ظاہر بھی ہیں اور زمین برابر ہوگئی ہے مگر قبریں ظاہر معلوم ہوتی ہیں اس جگہ نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے۔فقط؟

الجواب۔ جائز ہے کیونکہ قبر نفس نعش سے زیادہ نہیں اور نعش کا سامنے ہونا جب جائز ہے تو قبر کا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے، فقط ۳ رذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۹)۔

---

(۱) اس عنوان کے تحت جتنے فتاویٰ آئے ہیں حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے ان سب سے رجوع فرمالیا تھا جس کی تحقیق امداد المفتین ص ۶۶۵ و۶۶۶، سوال نمبر ۹۶۷ کے تحت مذکور ہے، اور رجوع کے بعد حضرتؒ نے قبروں کے درمیان نماز جنازہ کو بھی مکروہ فرمایا ہے جس سے مراد غالباً کراہت تنزیہی ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد تقی عثمانی عفی عنہ

سوال (۶۷۱) ایک مسجد کہنہ قناتی وسط قبرستان میں واقع ہے غرض بارہ سال سے پہلے اس میں کبھی کبھی جماعت ہوا کرتی تھی فی الحال کسی وقت اس میں کوئی نماز نہیں ادا کرتا ہے اور اس کے اطراف خراب ہو رہے ہیں اور مسجد کے چاروں طرف قبریں ہیں ایسی صورت میں اس مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب۔ نہیں۔ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ

تتمۂ سوال بالا، سوا اس مسجد کے جہاں کہیں جنازہ رکھا جائے گا قبر کا سامنا ہوگا؟

الجواب۔ کچھ حرج نہیں، جب خود جنازہ ہی سامنے ہے پھر قبر کا کیا حرج ہے۔

تتمۂ سوال بالا۔ عرصہ ۷ یا ۸ سال سے اس میں نماز جنازہ ادا کرتے ہیں گویا وہ اسی مصرف میں خاص کر لیا ہے؟

الجواب۔ کسی کو اختیار نہیں البتہ اگر بناء اس کی اسی نیت سے ہوتی تو پھر وہ مسجد نہ ہوتی (تتمۂ ثانی ص ۲۷)

سوال (۶۷۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ نماز جنازہ اس میدان میں جہاں سے کہ بعض قبور نظر آتی ہوں اور درمیان میں دیوار حائل ہو یا نہ ہو بلا کراہت جائز ہے یا نہ، بینوا توجروا؟

الجواب۔ قبر کی طرف جو نماز مکروہ ہے تو بوجہ اس کے کہ وہ مشتمل ہے میت پر جس میں احتمال ہے عبادت غیر اللہ کا اور نماز جنازہ میں خود میت ہی کا روبرو ہونا جائز رکھا گیا ہے تو قبر کا سامنے ہونا بدرجۂ اولیٰ، یہ تو تحقیقی جواب ہے اس سوال کا اور سائل نے خط میں جو بعض غیر مقلدین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے عدم جواز نماز جنازہ قبور کے قریب کا حکم لگا دیا ہے تو اگر وہ اہل انصاف ہوں تب تو ان کے جواب کے لئے یہ حدیث کافی ہے جس کو شیخین نے روایت کیا ہے، **عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ مر بقبر دفن لیلا فقال متی دفن ھذا قالوا البارحۃ قال افلا اذ نتمونی قالوا دفناہ فی ظلمۃ اللیل فکرھنا ان نوقظک فقام فصففنا خلفہ فصلی علیہ۔**

دیکھئے اس حدیث میں تصریح ہے کہ آپ نے نماز جنازہ اس طرح پڑھی کہ قبر سامنے تھی اور اگر وہ اہل اعتساف ہوں تو ان سے خطاب بیکار ہے اپنی تسلی حاصل کر کے عمل کرنا چاہئے۔

۲۶ رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۴۴)

چادر نکالنے کے لئے قبر کھودنا

سوال (۶۷۳) میت کے اوپر کی فالتو چادر قبر میں رہ گئی اور منہ قبر کا بند کرنے کے بعد مٹی ڈالنے کے بعد یاد آئی اس کا نکالنا جائز ہے یا نہیں اور اس چادر کے اندر رہنے سے کوئی گناہ ہے یا نہیں؟

الجواب۔ نکالنا جائز ہے، في الدرالمختار ولا يخرج منه بعد إهالة التراب الا لحق آدمي في ردالمحتار كما اذا سقط في القبر متاع الى قوله ولو كان المال درهما بحر اور ظاہر یہ ہے کہ اگر نہ نکالیں گناہ ہے کہ مال کی اضاعت ہے۔ فقط
۴ر شعبان ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۸)۔

بچۂ کافر پر نماز جنازہ کی تحقیق

سوال (۶۷۴) زید نے جو مسلمان ہے ایک غیر قوم کے شیر خوار بچے کو جس کا کوئی وارث نہ تھا اپنے یہاں پالا بچہ دو برس کے قریب زندہ رہ کر مر گیا ایسے بچہ کا جنازہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب۔ غیر قوم سے مراد اگر کافر ہے تو جواب یہ ہے کہ اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی جاوے گی، لكونه تبعاً لابويه في الاحكام الدنيوية۔ ۳ر ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۹)۔

مشرک کے بچہ پروردۂ مسلم پر نماز جنازہ پڑھنا

سوال (۶۷۵) زید نے ایک بچہ ایک سالہ یا دو سالہ ایک مشرک یا مشرکہ سے بعوض زر خرید کیا یا یوں ہی لے کر لے پالک بنا کر رکھا اور نام بھی اس کا اسلامی رکھ دیا اور ختنہ بھی کرا دیا، بعد گزرنے دو چار ماہ کے وہ لڑکا مر گیا، تو اب سوال یہ ہے کہ اس بچہ کی تجہیز و تکفین بطریق اسلام کی جاوے گی یا نہیں اور نماز جنازہ اس پر پڑھی جاوے گی یا نہیں، اگر از روئے اسلام اس کی تجہیز و تکفین نہ کی جاوے تو اس کی لاش کیا کیا جاوے، بینوا توجروا۔

الجواب۔ في الدرالمختار كصبي سبي مع احد ابويه لا يصلي عليه لانه تبع له اى في احكام الدنيا في ردالمحتار قوله كصبي سبي مع احد ابويه و بالاولى اذا سبي معهما الى قوله لانه مع وجود الابوين لا عبرة للدار ولا للسابي بل هو تابع لا حد ابويه الى البلوغ مالم يحدث اسلاما وهو مميز كما صرح به في البحر اهـ ح۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب کہ وہ بچہ خود سن تمیز کو نہیں پہنچا اور ماں باپ اس کے کافر ہیں اس لئے نہ اس کی تجہیز و تکفین مسلمان کی طرح ہوگی اور نہ اس کی نماز پڑھی جاوے گی بلکہ اس کو مثل ثوب نجس کے دھوکر ایک کپڑے میں لپیٹ کر بدون رعایت سنت کے ایک گڑھے میں ڈال دیں گے، فی الدرالمختار و یغسل المسلم و یکفن و یدفن قریبه کخاله الکافر الاصلی عند الاحتیاج فلو له قریب فالا ولی ترکه لهم من غیر مراعاة السنة الخ، اقول ترك الاوىی اولی ههنا للحقوق العار بالمسلمین۔

۱۶ / شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۹)۔

نماز جنازہ میں سلام سے پہلے ہاتھ چھوڑنا چاہئیں یا بعد سلام

سوال (۶۷۶) زید کہتا ہے کہ نماز جنازہ میں بعد چوتھی تکبیر کے تحریمہ چھوڑ کر سلام پھیرنا چاہئے اور حوالہ سعایہ کا دیتا ہے، لیکن بکر کہتا ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد تحریمہ چھوڑنا چاہئے، زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا؟

الجواب۔ جزئیہ تو اسوقت ملا نہیں مگر فقہائے نے جو قاعدہ لکھا ہے اس کے اعتبار سے زید کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے وہ قاعدہ یہ ہے، وهو سنة قیام له قرار فیه ذکر مسنون کذا فی الدر المختار فصل صفة الصلوة ، فقط واللہ اعلم ۔ ۲۵ / جمادی الاخریٰ ۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۰)

فوت سلام صلوۃ جنازہ

سوال (۶۷۷) معصوم بچہ کی یعنی نابالغ کی نماز جنازہ پڑھائی اس میں سلام نہ پھرا تو کیا نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدرالمختار صلوة الجنازة ورکنها شیئان التکبیرات الاربع والقیام و سننها ثلثة التحمید والثناء والدعاء فیها اھ ۔ روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ سلام پھیرنا فرض نہیں لہٰذا نماز ہوگئی، فقط واللہ اعلم ۔ ۲۷ / شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد اول ص ۳۹)

نظر شوہر بروئے زوجۂ میّتہ

سوال۔ (۶۷۸) بعد مرنے کے مرد اپنی بی بی کا منہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں اور قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ دیکھ سکتا ہے، فی الدرالمختار ویمنع زوجها من غسلها ومسها لا

من النظر الیها علی الاصح منیة اور قبر میں اتارنا جب محارم نہ ہوں زوج کو درست ہے، لانہ مس من حائل، ۲۷؍شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد اول ص ۳۹)

صلوٰۃ جنازہ بر مخنوق بہ پھانسی

سوال (۶۷۹) پھانسی والے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہ؟

الجواب۔ پڑھی جاوے گی اس لئے کہ اگر وہ مظلوم ہے تو ظاہر ہے اور اگر ظالم تھا اور سزائے جرم میں مارا گیا تب بھی مثل بغاۃ وقطاع طریق کے ہوگا اور وہ جب غیر حرب میں قتل کئے جاویں ان کے جنازہ پر نماز پڑھی جاتی ہے، کذا فی الدر المختار۔

یکم جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (حوادث اول وثانی ص ۹۸)

حکم نہادن بوریا در قبر زناں

سوال (۶۸۰) مردہ اگر زن باشد بعد از نماز آں میت را با بوریا ئیکہ دراں پیچیدہ و برسر نہادہ بودند بغرض پردہ بجہت عدم تیسر محارم غالباً بہمیں ہیئت در قبر میگزارند مجوزین باصل اصل کل شیئ اباحۃ استدلال میکنند ومنکرین ممانعت فرش قبور از بوریا وغیرہ را پیش می نمایند اما دلیل اول وقتے مسلم ست کہ حکمے از اصول اربعہ بریں صورت متحقق نباشد حالانکہ ہیچ کدامے از مجوزین محیط ایں جملہ نیست ودلیل منکرین معلل ست ووجود علت دریں صورت مفقود ازیں رد ناکافی ست لہٰذا الحکم مصرع'' کہ ہیچکس نزند بر درخت بے برسنگ'' تصدیع میدہد کہ از حوابش با دلیل شافی بندگان راہ راست دعوت فرمایند؟

الجواب۔ فی ردالمحتار قال فی الحلیة و یکرہ ان یوضع تحت المیت فی القبر مضربة اومخدۃ او حصیرا ونحو ذلك اھ ولعل وجھه اتلاف مال بلاضرورۃ فالکراھة تحریمیة ولذا عبر بلا یجوز (ج۱ص ۹۳۴) ایں روایت صریح ست در ممانعت ایں فعل وظاہر ست کہ بعد دفن حاجت پردہ نمی ماند و پردہ موقوف برگزاشتن نیست بوریا در قبر۔

۲۶؍ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۹۸)

حکم نماز جنازہ در مقامیکہ مردم از نماز واقف نباشند

سوال (۶۸۱) کسی موضع میں جنازہ فوت ہوا نماز پڑھانے والا چار چار پانچ پانچ کوس تک نہیں ہے اس کے دفن میں کیا کرنا چاہئے؟

الجواب۔ اگر پوری نماز نہ آتی ہو تو صرف ایک شخص وضو کر کے جنازہ سامنے رکھ کر چار بار اللہ اکبر اللہ اکبر کہد ے فرض ادا ہو جائے گا پھر دفن کر دیں گے۔

۲۸ رذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۰۵)

ترتیب درنماز جنازہ ونماز وقتی

سوال (۶۸۲) اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ نماز جنازہ بعد زوال قبل فرض ظہر جائز نہیں و بعد فرض ظہر بھی قبل جنازہ کی نماز کے سنت ظہر جائز نہیں ہے رائے شریف جناب عالی کی کیا ہے اگر جائز ہے مع الکراہۃ یا بلا کراہۃ؟

الجواب۔ عدم جواز کا دعویٰ تو بلا دلیل ہے البتہ ترتیب میں اقوال مختلف ہیں میرے نزدیک ترجیح اس قول کو ہے، وروی الحسن انه یخیر کذا فی رد المحتار۔

(ج ۱ ص ۸۶۶) یکم محرم ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص ۷)

سوال (۶۸۳) جنازہ جب حاضر ہو اس وقت کوئی نماز کا وقت ہو تو فرض وقت وسنت و نوافل کے آگے فرض کفایہ ادا کیا جاوے یا اس میں سے فرض کفایہ کس کس نماز پر مقدم کیا جاوے؟

الجواب۔ اس میں کئی قول ہیں اقرب الی الفقہ اور مفتی بہ یہ ہے کہ فرض وقت وسنت کو جنازہ پر مقدم کریں اور نوافل کو جنازہ سے مؤخر کریں، والبسط فی ردالمحتار، باب العیدین۔　۶ محرم ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۳)

تقدیم صلوٰۃ عید وخطبہ بر نماز جنازہ

سوال (۶۸۴) نمبر ۱-عیدگاہ میں قبل نماز عید جنازہ آیا اس کی نماز قبل نماز عید سے ادا کی جاویگی یا کس وقت؟

نمبر ۲-بعد نماز عید جنازہ آیا اس کی نماز قبل خطبہ کے ادا کی جاوے گی یا کس وقت؟

نمبر ۳-اگر قبل خطبۂ عید نماز جنازہ پڑھی جاوے تو جنازہ کو خطبہ سن کر قبر پر لے جاویں یا پہلے ہی لے جاویں۔

الجواب۔ درمختار میں صلوٰۃ عید کو صلوٰۃ جنازہ پر مقدم اور صلوٰۃ جنازہ کو خطبۂ عید پر مقدم کرنے کو لکھا ہے لیکن شامی نے عید کی تقدیم کی ایک وجہ جو حلبی سے نقل کی ہے بان العید تؤدی بجمع عظیم یخشی تفرقه ان اشتغل الإمام بالجنازة، یہ علت خطبہ میں زیادہ جاری

ہے اس کا مقتضایہ ہے کہ خطبہ سے بھی مؤخر پڑھے۔

وجوب غسل ونماز برآں کہ غرق شدہ ریزہ ریزہ گشتہ

سوال (۶۸۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی مسلمان شخص بالغ یا نابالغ پانی میں ڈوب مرے یا آگ میں جل مرے اور آلائش شکم باہر نکل پڑے نیز جل جانے سے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں بھی گر پڑیں، آیا اس کے لئے نماز جنازہ وغسل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ضروری ہے۔ ۱۲ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۳۰)

حکم نشانیدن خاک قبر بپائیہا

سوال (۶۸۶) دفن کے بعد برابر کرنے کے لئے قبر کو پاؤں سے روندنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔في رد المحتار و يكره الجلوس على القبر ووطؤه وُبعد ا سطر عن ابي حنيفة لا يؤطأ القبر الا لضرورة (ج ا ص ۹۴۵) اس روایت سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا بدون ضرورت کے مکروہ ہے، اور اس میں کوئی ضرورت نہیں لہذا مکروہ ہے۔

۱۸ رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۶۶)

حکم قطع سرۂ طفل بعد موت

سوال (۶۸۷) طحطاوی مراقی الفلاح باب الجنائز ص ۳۲۹ میں ہے و قد قالوا ان السقط يحيا في الأخرة و ترجي شفاعته واستدلوا بما روى ابو عبيدة مرفوعاً ان السقط ليقف محبنطاً [۱] على باب الجنة فيقول لا ادخل حتى يدخل ابواى وروى ابن ماجة من حديث علىؓ ان السقط ليراغم ربه اذا دخل ابواه النار فيقال ايها السقط المراغم ربه ادخل ابويك الجنة فيجرهما بسرره حتى يدخلهما الجنه اهـ والسرر بفتحتين وهوماتقطعه القابلة من سرة الصبي ويحشر على مامات عليه كغيره من اهل الموقف الخ وملخصاً۔

ہندی میں سر رصبی کی نال کو کہتے ہیں، زید کہتا ہے کہ جب نال کے ساتھ یہ لڑکا ماں باپ کو

قوله محبنط يروى بغيرهمزوبهمز فعلى الاول المغتضب المستبطئ للشيئ وعلى الثاني معناه العظيم البطن المنتفخ يعني يغضب وينفخ بطنه من الغضب حتى يدخل ابواه الجنة، كذا قال الطحطاوي۔ نور احمد

کھینچ کرلائے گا تو جوکوئی لڑکا قبل کاٹنے نال کے مرگیا تو اس کی نال اب نہ کاٹنی چاہئے کیونکہ اس کے ساتھ ماں باپ کو کھینچے گا اس کی شفاعت اسی طور سے ہوگی کیا زید کا کہنا درست ہے اور اس عبارت سے یہ نکلتا ہے کہ قبل کاٹنے کے اگر مرگیا تو نال نہ کاٹنی چاہئے اور فی الواقع مسئلہ ایسا ہی ہے یا بعدموت کے بھی وہ نال لڑکے لڑکی کی جو درازمقدار بالشت بھر کے ہوتی ہے کاٹی جائے گی اور یہ سابق حدیث کون کتاب میں کون باب میں ہے اور اس میں سرہ کا کیا معنی ہے اور مضمون اس حدیث کا موافق احناف کے ہے یا نہ۔

عن جابر انه قال کان النبی صلی الله علیه وسلم جالسا فی مسجد فجاء عامر بن فهیرة فسأل النبی یا رسول الله نفست امرأتی و مات ولدها ما استهل ما اصنعه فقال النبی ﷺ الولد و قطع السرة واغسله و کفنه و صل علیه و ادفنه اهـ، کیاابوداؤدیانسائی یااورکسی کتاب میں ہے یانہیں؟

الجواب۔ ابوعبیدہؓ کی روایت تو نظر سے نہیں گزری اور دوسری حضرت علیؓ کی مشکوۃ میں بھی ہے اور اس سے مسئلہ فقہیہ قطع یا عدم قطع سرر کا اثبات تو نہیں ہوسکتا البتہ تائید عدم قطع کی اشارۃً ہوسکتی ہے وجہ عدم اثبات یہ ہے کہ سرر سے کھینچنا اگر عدم قطع پر موقوف ہو تو چاہئے کہ تخلف بشارت کا باختیار قاطع ہوجائے وہو خلف بلکہ اگر قطع بھی کردی جاوے حق تعالیٰ قیامت میں متصل کرسکتے ہیں البتہ فقہ کی روایات اس کی دلیل ہیں گوخصوصیت سے تو قطع سرر کے متعلق کوئی روایت نہیں دیکھی مگر اشتراک علت سے اس کے لئے یہ روایت کافی ہے۔

فی الدرالمختار ولا یسرح شعره ای یکره تحریما ولا یقص ظفره الا المکسور ولاشعره ولا یختن اه فی رد المحتار لما فی القنیة من ان التزئین بعد موتها والامتشاط وقطع الشعرلایجوزنهر فلوقطع ظفره اوشعره ادرج معه فی الکفن قهستانی عن العتابی (ج ۱ ص ۸۹۷)

اور اخیر حدیث معلوم نہیں کیسی ہے اور کہاں ہے آپ نے کہاں سے نقل کی ہے ظاہراً تو قواعد کے خلاف ہے عدم استہلال میں صلاۃ بھی نہیں ہے کیونکہ صلاۃ کے لئے سبق حیات شرط ہے اور اگر ثابت ہو تو یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ استہلال کے علاوہ اور کسی قرینہ سے حیات ثابت ہوگئی ہوگی مگر سائل نے حکم کا مدار استہلال پر سمجھا ہوگا۔ (۱۴ رذیقعدہ ۱۳۳۲ھ تتمہ ثانیہ ص ۱۸۳)

نماز بربعض جسدمیت

سوال (۶۸۸) ایک لڑکے کو بھیڑیا اٹھا لے گیا بعد تلاش سخت کے گردن کے اوپر کا

حصہ دستیاب ہوا تو کیا اس کی نماز جنازہ پڑھی جاوے گی اگر گردن کے نیچے کا جسم ملتا تو کیا حکم ہوتا۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختاروجدراس ا دمی اواحد شقیه لایغسل ولایصلی علیه بل یدفن الاان یوجد اکثرمن نصفه ولوبلاراس فی ردالمحتارقوله ولوبلا راس وکذا یغسل لووجد نصف مع الراس بحراهـ (ج ۱ص ۸۹۸)

اس سے معلوم ہوا کہ صورت واقعہ میں تو غسل اور نماز نہ ہوگی اور صورت مفروضہ میں غسل ونماز ہوتی اور دفن دونوں حال میں واجب ہے۔ ۱۸ر ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۲۰۱)

وضع زوج زوجہ رادرقبر

سوال (۶۸۹) خاوند بیوی کو قبر میں اتارسکتا ہے یا نہیں اور مساس بحائل کرسکتا ہے یا نہیں، آیا اس کو اجنبیہ عورت زندہ کے مس بحائل پر قیاس کرکے منع کریں گے والجامع بینهما هو احتمال عدم امن الشهوة ؟

الجواب۔ فی الدرالمختار ویمنع زوجها من غسلها و مسهالا من النظر الیها علی الاصح منیة فی رد المحتار عزاه فی المنح الی القنیة و نقل عن الخانیة انه اذا کان للمرأة محرم یممها بیده واما الاجنبی فبخرقة علی یده وبغض بصره عن ذراعها و کذا الرجل فی امرأته الا فی غض البصراه ولعل وجهه ان النظر اخف من المس فجاز لشبهة الاختلاف (ج ۱ص ۸۹۷)

اس سے یہ امور مستفاد ہوئے (۱) زوج بعد موت زوجہ مثل اجنبی کے ہے پس جبتک کوئی محرم ہو اس وقت تک زوج کو مس بحائل بھی نہ کرنا چاہئے (۲) اور جب کوئی محرم نہ ہو اور اجنبیوں سے یہ مقدم ہے لشبہۃ الاختلاف۔ ۱۷ر صفر ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۱۸)۔

کفن کے بند کو قبر میں چھوڑ دینا

سوال (۶۹۰) کفن جن دھجیوں سے باندھا جاتا ہے اس کا قبر میں رکھنا مکروہ یا حرام ہے یا نہیں اگر رکھدی جاوے تو حرج تو نہیں ہے؟

جواب۔ فی الدرالمختار و تحل العقدة للاستغناء عنها و فیه ولا یجوز ان یوضع فیه مضربة فی ردالمحتار قوله ولا یجوز الخ ای یکره ذلك قال فی الحلیة و یکره ان یوضع تحت المیت فی القبر مضربة او مخدة اوحصیرا ونحو ذلك اهـ ولعل و جهه انه اتلاف مال بلا ضرورة فالکراهة تحریمیة

ولذا عبر بلا یجوز ۔ (ج ا ص ۹۲۴، ۹۲۵)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ دھجیاں کسی دوسرے کام آسکیں تو ان کا قبر میں چھوڑنا ناجائز ہے۔ لاشتراک العلة ورنہ کچھ حرج نہیں۔ ۱۶؍ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۴۱)

ترتیب در ولایت نماز جنازہ

سوال (۶۹۱) ایک عورت نے شوہر اور عینی بھائی اور ماں چھوڑ کر وفات پائی اب اس کے جنازہ کا ولی کون ہوگا؟

الجواب۔ فی الدر المختار ثم الولی بترتیب عصوبة الانکاح الا الاب فیقدم علی الابن اتفاقاً الا ان یکون عالما والاب جاهلا فالابن اولیٰ، فان لم یکن له ولی فالزوج الخ فی ردالمحتار فلا ولایة للنساء ولا لزوج الا انه احق من الاجنبی الخ (ج ا ص ۹۲۰) اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں عینی بھائی ولی صلوٰۃ ہوگا۔

۸؍ شعبان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۶۰)

ترتیب در وجوب صرفۂ کفن

سوال (۶۹۲) ایک عورت نے شوہر اور عینی بھائی چھوڑ کر وفات پائی اس صورت میں اس کی تجہیز و تکفین کا خرچ کون دے گا؟

الجواب۔ فی الدر المختار و کفن من لا مال له علی من تجب علیه نفقة فان انعدموا فعلی قدر میراثهم واختلف فی الزوج والفتوی علی وجوب کفنها علیه عند الثانی الخ وفی ردالمحتار عن شرح المنیة ان قول ابی حنیفة کقول ابی یوسف اهـ واطال فی تفصیل المسئلة (ج ا ص ۹۰۴ و ۹۰۵) اس روایت سے معلوم ہوا کہ شوہر پر واجب ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ۸؍ شعبان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۶۰)

شق لاش و تاخیر دفن بعض اعضاء

سوال (۶۹۳) جب کوئی شخص زہر وغیرہ کھا کر یا کسی کے کھلانے سے مرجاتا ہے یا زخم و ضرب شدید سے مرجاتا ہے تو اس مردہ لاش کو ڈاکٹر لوگ چیر کر دیکھتے ہیں اور بعض بعد چیرنے کے تمام لاش تو دبوا دیتے ہیں اور صرف دل و کلیجی وگردہ وغیرہ نکال کر بڑے ڈاکٹر کے پاس برائے ملاحظہ لاہور بھیجتے ہیں اور وہ بعد ملاحظہ وہیں کہیں داب یا پھینک دیتا ہے پس عرض ہے کہ کوئی مسلمان ڈاکٹر ہو تو وہ ایسا کام کرے یا شرع شریف میں اجازت نہیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار حامل ماتت وولدھاحی یضطرب شق بطنھا الی قولہ و لو بلع مال غیرہ ومات ھل یشق قولان والاولیٰ نعم فتح۔ فی رد المحتار قولہ ولو بلع مال غیرہ ای ولا مال لہ کما فی الفتح و شرح المنیۃ و مفھومہ انہ لو ترک مالا یضمن بلغہ لا یشق اتفاقاً قولہ والاولی نعم لانہ وان کان حرمۃ الأدمی اعلی من صیانۃ المال لکنہ ازال احترامہ بتعدیہ کما فی الفتح و مفادہ انہ لو سقط فی جوفہ بلا تعد لا یشق اتفاقا (ج۱ص۹۳۸)

اس سے معلوم ہوا کہ فی نفسہ میت کا چیرنا امرنا جائز ہے صرف کسی دوسرے زندہ کی جان بچانے کے لئے یا مال محترم کے محفوظ کرنے کے لئے جبکہ اس کا بدل بھی نہ ہو سکے بضرورت شدیدہ اجازت دی گئی ہے اور صورت مسئولہ میں یہ ضرورت شدیدہ متحقق نہیں اور جو ضرورت و مصلحت اس کا سبب ہے وہ اس درجہ کی نہیں اس لئے عدم جواز ہی کا حکم باقی رہے گا، اور جس شخص کو کلیجی و گردہ وغیرہ مل جاویں واجب ہے کہ ان کو دفن کردے پھینک کر بے حرمتی نہ کرے اور جس شخص کو ملازمت کی ضرورت سے ایسی چیر پھاڑ کا اتفاق ہو وہ اس فعل کو ناجائز سمجھے اور استغفار کرے اور جب تک دوسری نوکری قابل بسر میسر نہ ہو یہ نوکری نہ چھوڑے کہ من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما۔ ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ رابعہ ص۷۱)

عدم جواز نماز جنازہ وقتیکہ میت بر چار پائی نجس باشد

سوال (۶۹۴) جنازہ ناپاک چار پائی پر رکھ کر نماز پڑھی تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدرالمختار وفی القنیۃ الطھارۃ من النجاسۃ فی ثوب و بدن و مکان و ستر العورۃ شرط فی حق المیت و الإمام جمیعاً فی ردالمحتار لکن فی التاتارخانیۃ سئل قاضی خان عن طھارۃ مکان المیت ھل یشترط لجواز الصلوٰۃ علیہ قال ان کان المیت علی الجنازۃ لا شک انہ یجوز والا فلا روایۃ لھذا و ینبغی الجواز وھکذا اجاب القاضی بدر الدین (ج۱ص۹۰۷)

۱۳/ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ (تتمۂ خامسہ ص۹۱)

جواز نماز بر جنازۂ قاتل نفس خود

(۶۹۵) اگر کسی شخص نے عمداً خودکشی کی افیون پی کر یا اور کسی وسیلہ سے تو اس پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ في الدرالمختار من قتل نفسه ولوعمدًا يغسل و يصلى عليه به يفتي اه و اجاب في ردالمحتار عن استدلال الثاني۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جاوے گی۔ ۱۰ر جمادی الاول ۴۳ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۶۱)

عمامہ دادن میت علماء وسرداررا

سوال (۶۹۶) عمامہ دادن میت علماء وسرداررادرشرع جائزست یانہ؟

الجواب۔ مکروہ است۔ ۲۳ر ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۷۲)

دلیل جواز بناء روضۂ مطہرہ وقبۂ منورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سوال (۶۹۷) آج اخبار الجمیعۃ میں ایک مضمون سید سلیمان صاحب ندوی کا میری نظر سے گزرا جس میں سید صاحب موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ، نجدیوں کے دست تظلم سے بعض مزارات وموالید کی تخریب جو بعض اخباروں میں شائع کی گئی ہے اوّل تو وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ دوسرے مزارات وموالید مذکورہ اصلی نہیں، بلکہ خلفاء بنی امیہ وعباسیہ کے تعمیر کردہ ہیں اور ان کو منہدم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، تیسرے ان مقامات پر بدعاتی رسوم جاری ہیں جن کا انسداد ضروری ہے، چوتھے ان قبور میں مساجد کے ساتھ مماثلت پائی جاتی ہے؛ اگر یہ توضیح درست ہے تو کیا سرور کائنات ﷺ کا قبہ شریف اس حد میں نہیں آتا اگر آتا ہے تو کیا اس کے ساتھ بھی ایسا سلوک جائز ہے، جواب باصواب سے مطلع فرمایا جاوے؟

الجواب۔ سید القبور یعنی قبر سید اهل القبور ﷺ ما اختلف القبول والدبور کا قیاس دوسری قبور پر قیاس مع الفارق ہے حدیثوں میں منصوص ہے کہ آپ کا دفن کرنا موضع وفات ہی میں مامور بہ ہے اور موضع وفات ایک بیت تھا جو جدران وسقف پر مشتمل تھا اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی قبر شریف پر جدران وسقف کے مبنی ہونے کی اجازت ہے اور بناء علی القبر سے جو نہی آئی ہے وہ وہاں ہے جہاں بناء للقبر ہو اور یہاں ایسا نہیں، اب رہا اس کا بقاء یا ابقاء سو چونکہ بعد دفن کے خلفاء راشدین میں سے کسی نے اس بناء کی بقاء پر نکیر نہیں فرمایا بلکہ ایک موقع پر استسقاء کی ضرورت شدیدہ سے صرف سقف میں ایک روشندان کھولا گیا تھا جس سے اس بناء کی بقاء کا مشروع ہونا بھی معلوم ہوگیا اور ظاہر ہے کہ بقاء ایسی اشیاء کا بدون اہتمام ابقاء کے عادۃً ممکن نہیں اس لئے اہتمام ابقاء کی مطلوبیت بھی ثابت ہوگئی اور چونکہ عمارت کا استحکام ادخل فی الابقاء ہے اس لئے اس کی مقصودیت بھی ثابت ہوگئی خصوص جب اس میں اور مصالح شرعیہ

بھی ہوں، مثلاً حضور اقدس ﷺ کے جسد مطہر کو اعداء دین سے محفوظ رکھنا کہ ان کا تسلط (نعوذ باللہ منہ) یقیناً مفوت احترام ہے اور جسد مبارک کے احترام کا مقصود ہونا اجلیٰ بدیہیات سے ہے اور اسی حکمت پر علماء اسرار نے آپ کی شہادت جلیہ کے انتفاء کو مبنی فرمایا ہے اور مثلاً آپ کی قبر معطر کو عشاق کی نظر سے مستور رکھنا کہ اس کا نظر آنا غلبہ عشق میں محتمل تھا افضاء الی التجاوز عن الحدود الشرعیة کو جیسا مرض وفات میں کئی وقت کے بعد حضور ﷺ کا چہرۂ انور دیکھ کر قریب تھا کہ نماز کا انتظام ہی درہم برہم ہو جائے جس کا فوٹو حضرت شیخ دہلویؒ نے اس شعر میں کھینچا ہے۔

در نمازم خم ابروئے تو چوں یاد آمد
حالتے رفت کہ محراب بفر یاد آمد

اور یہ دونوں امر (جو کہ حافظ للمصالح الشرعیہ ہونے کے سبب مقصود ہیں) بدون بقاء بناء کے خاص اہتمام و استحکام کے محفوظ نہیں رہ سکتے اس لئے مقدمہ مقصود ہونے کے سبب یہ اہتمام بھی مقصود ہو گیا، نیز قبر منور ایسے موقع پر ہے کہ اس کے پیچھے مسجد کا حصہ ہے بدوں حائل کے قبر کی طرف سجدہ واقع ہوتا تو اس بناء پر حیلولت کی بھی مصلحت ہے؛ پس ثابت ہو گیا کہ ایکم مثلی کی طرح قبر ایکم مثل قبری کا حکم بھی کیا جاوے گا۔ واللہ اعلم۔

لطیفہ...... اس تحریر کے بعد مثنوی معنوی لے کر دعاء کی کہ الٰہی اگر یہ حق لکھا گیا ہے تو مثنوی میں اس کے حق ہونے کی تائید میں کوئی مضمون نکل آوے اور بسم اللہ کر کے کھولا یہ اشعار شروع صفحہ ہی میں نکلے جن کا مؤید ہونا بالکل ظاہر ہے۔

ایں نہ کردی تو کہ من کردم یقین	اے صفاتت در صفات ما دفین
تو دریں مستعملی (۱) نے عاملی	زانکہ محمول منی نے حاملی
مارمیت از رمیت گشتۂ	خویشتن درموج چوں کف ہشتۂ
لاشدی پہلوئے الاخانہ گیر	اے عجب کہ ہم اسیری ہم امیر

(دفتر چہارم سرخی کردن بادشاہ الخ)

تنبیہ...... میں اس جواب کو علم (۱) پر مبنی سمجھتا ہوں، ممکن ہے کہ کوئی صرف محبت پر مبنی سمجھے۔

۲۰ صفر ۱۳۴۴ھ۔

(۱) بصیغۂ اسم مفعول ۱۲ منہ

اس جواب پر ایک دوسرے مقام سے اور سوال آیا جو مع جواب ذیل میں مذکور ہے

سوال۔ اب رہ گیا یہ شبہ کہ اس میں حضرات شیخین کی قبریں کیوں بنیں اس کا جواب کوئی سمجھ نہیں آتا ہے سوائے اس کے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے خواب دیکھا تھا کہ میرے حجرہ میں تین سورج یا تین چاند نکلے ہیں (اس وقت صحیح یاد نہیں کہ سورج ہے یا چاند) اور بروقت وفات کے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا تھا کہ ایک چاند آنحضرت سرور کائنات ہیں اور اس کے علاوہ بھی بشارات (ادلہ مبشرہ بالفضل نہ کہ منامات) شاید ہوں گی جس کی وجہ سے حضرات شیخین یہاں دفن فرمائے گئے، خلاصہ یہ کہ حضرات شیخین تبعاً وہاں دفن ہوئے ہیں اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے جو تعمیر جدید فرمائی وہ اصل میں آنحضرت سرور کائنات کے لئے تھی نہ بالقصد حضرات شیخین کے لئے اس کے علاوہ کوئی جواب سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

الجواب۔ سب جواب ٹھیک ہے اور قواعد کے موافق اسی کی تائید دوسری روایات سے ہوتی ہے، وهي هذه ، عن ابن عمر ان النبي ﷺ خرج ذات يوم و دخل المسجد و ابوبكر و عمر احدهما عن يمينه والاخر عن شماله وهو اخذ بايديهما فقال هكذا نبعث يوم القيمة رواه الترمذى وقال هذا حديث غريب و عن ابن عباس قال اني لواقف في قومي فدعوا الله لعمر و قد و ضع على سريره اذا رجل من خلفي قد و ضع مرفقه على منكبي يقول يرحمك الله انی لارجوان يجعلك الله مع صاحبيك لاني كثير اما كنت اسمع رسول يقول كنت و ابوبكر و عمرو فعلت وابوبكر وعمر وانطلقت و ابوبكر و عمر و دخلت و ابوبكرو عمروخرجت و ابوبكر وعمر فالتفت فاذا على ابن ابى طالب متفق عليه باب مناقب ابی بکر و عمر و فی المشكوة باب نزول عیسیٰ بن مریم عن عبدالله بن عمر قال قال رسول الله ﷺ ينزل عيسى بن مريم الى الارض فيزوج و يولد له و يمكث خمسا واربعين سنة ثم يموت فيدفن معى فى قبرى فاقوم انا و عیسی بن مریم فی قبر واحد (ای فی مقبرة واحدة) بين ابى بكر و عمر

(۱) ويكره الدفن فى البيوت لاختصاصه بالانبياء عليهم الصلوٰة والسّلام قال الكمال لايدفن صغير ولا كبير فى البيت الذى مات فيه فان ذلک خاص بالانبياء عليهم السلام بل يدفن فى مقابر المسلمين (مراقی الفلاح ۱۲ منه)

رواه ابن الجوزی فی کتاب الوفاء و روی الترمذی فی اٰخر باب من ابواب المناقب عن ابی مودود المدنی نا عثمان بن ضحاك عن محمد بن یوسف بن عبدالله بن عبدالله بن سلام عن ابیه عن جده قال مکتوب فی التوراة صفة محمد وعیسیٰ بن مریم یدفن معه قال فقال ابو مودود قد بقی فی البیت موضع قبرهذا حدیث حسن غریب وفی خلاصة الوفاء للسمهودی اٰخر الفصل العاشر فی الحدیث المذکور لفظ الطبرانی فی روایة یدفن عیسی بن مریم علیه السلام مع رسول الله ﷺ و ابی بکرؓ و عمرؓ فیکون قبرا رابعا و فیه عثمان بن الضحاك و ثقه ابن حبان و ضعفه ابو داؤد۔

روایت اولیٰ مثل صریح کے ہے کہ تینوں حضرات ایک جگہ مدفون ہوں گے اور شارع کی خبر بلانکیر دلیل اذن ہے اور یہ احتمال کہ بعد بعث کے پھر مجتمع ہو جاویں لفظ ہکذا انبعث سے بعید ہے، یہ تو عین بعث کی کیفیت پر دال ہے، دوسری روایت میں اس معنی کا لطیف استنباط کیا گیا ہے جو مؤید بالنص ہونے کے سبب حجت ہے؛ تیسری روایت بھی مثل روایت اولیٰ کے صریح ہے بلکہ اس سے بھی اصرح ہے لفظ اقوم میں اس مجاز کا احتمال اور زیادہ بعید ہے اور بلا ضرورت غیر مسموع، چوتھی پانچویں روایت کا مجموعہ مخبر ہے کہ حضرات شیخین کا بیت میں دفن ہونا توراۃ میں بھی مذکور ہے تو شرائع من قبلنا سے بھی ثابت ہوا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ صحابہ کے وقت میں ایسا ہوا اور کسی نے نکیر نہیں فرمایا تو اس کے اذن پر اجماع ہو گیا اب اس اجماع کی سند خواہ کچھ ہی ہو ہمارے لئے اجماع استثناء کے لئے حجت کافیہ ہے۔ ۲۷ ربیع الاول ۳۴ھ (تتمۂ خامسہ ص ۳۹۵)

جواب شبہ عدم نفع موصل از ایصال ثواب

سوال (۶۹۸) ایصال ثواب کی نسبت بعض وقت خدشہ گزرتا ہے کہ اگر عمل نیک کا ثواب دوسروں کی روح کو بخشا جاوے تو بخشنے والے کے لئے کیا نفع ہوا البتہ مردوں کو اس سے نفع پہنچتا ہے حضور اس خدشہ کو رفع فرماویں تو فدوی کو اطمینان ہو جاوے گا؟

الجواب۔ فی شرح الصدور بتخریج الطبرانی عن ابی عمرو قال قال رسول الله ﷺ اذا تصدق احدکم صدقة تطوعا فلیجعلها عن ابویه فیکون لهما اجرها و لا ینقص من اجره شیئا یہ حدیث نص ہے اس میں کہ ثواب بخش دینے سے بھی عامل کے پاس پورا ثواب رہتا ہے اور صحیح مسلم کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ من

سن سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها من غير ان ينقص من اجره شيئا او کما قال، وجہ تائید ظاہر ہے کہ دوسرے شخص کی طرف تعدیہ ثواب سے بھی عامل کا ثواب کم نہیں ہوتا اتنا فرق ہے کہ حدیث طبرانی میں تعدیہ بالقصد ہے اور حدیث مسلم میں بلا قصد سو یہ فرق حکم مقصود میں کچھ مؤثر نہیں اور فقہاء نے بھی ان روایات کے مدلول کو بلا تاویل متلقی بالقبول کیا ہے، کما فی ردالمحتار عن زكاة التا تارخانية عن المحيط الافضل لمن يتصدق نفلا ان ينوی بجمع المؤمنين والمؤمنات لانها تصل اليهم ولا ينقص من اجره شيئ اهـ۔

اور راز اس میں احقر کے ذوق میں یہ ہے کہ معانی میں توسع اس قدر ہے کہ تعدیہ الی المحل الاخر سے بھی محل اول سے زوال نہیں ہوتا، چنانچہ تعدیہ علوم و فیوض میں مشاہد ہے بخلاف اعیان کے کہ وہاں ایسا نہیں بلکہ ہبہ کرنے کے بعد شے موہوب واہب کے پاس نہیں رہتی، وذكر العارف الرومی فی المثنوی بعض آثار التوسع المعنوی فقال ؎

در معانی قسمت واعداد نیست در معانی تجزیہ و افراد نیست

فقط ۲۹ر صفر ۱۳۴۴ھ

اس جواب پر ایک دوسرے مقام سے اور سوال آیا جو مع جواب ذیل میں مذکور ہے

سوال۔ مسئلہ مذکورہ عریضہ سابق میں ایک امر قابل تحقیق اور بھی معلوم ہوا جس کے متعلق کوئی نص نہ معلوم ہونے سے اکثر متردد رہا، امید کہ اس کے متعلق بھی اگر کوئی نص حضور والا کو معلوم ہو تو شرف آگاہی بخشیں اللہ تعالیٰ اجر جزیل فی الدارین عطا فرماویں وہ جزئیہ یہ ہے کہ وہ اجر متجزی ہو کر مساوی درجہ میں جن جن کو ایصال ثواب کیا گیا ہے انہیں پہنچے گا جیسا کہ عدل کا مقتضا ہے یا ہر ایک کو بلا تجزی پورا پورا اجر اس عمل کا ملے گا جیسا کہ اس کے فضل کا مقتضا ہے۔

الجواب۔ اس میں پہلے بھی کلام ہوا ہے، کما فی ردالمحتار ويوضحه انه لو اهدى الى اربعة يحصل لكل منهم ربعه فكذا لواهدى الربع لواحد و ابقى الباقي لنفسه اهـ، ملخصاً قلت لكن سئل ابن حجر المكی عما لو قرأ لاهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثواب بينهم او يصل لكل منهم مثل ثواب ذلك كاملا فا جاب بانه افتى جمع بالثانی وهو اللائق بسعة الفضل (ج ا ص ۹۴۴)

مگر کسی نے دلیل میں کوئی نص ذکر نہیں کی اور ظاہر ہے کہ مسئلہ قیاسی ہے نہیں اس لئے بدون نص اس میں کوئی حکم نہیں کیا جا سکتا البتہ سوال بالا کے جواب میں جو حدیث طبرانی کی مذکور ہے اس کو ظاہر الفاظ سے عدم تجزی پر دال کہا جا سکتا ہے کیونکہ اجرہا کا مرجع صدقہ ہے جس کا حقیقی مفہوم کل الصدقہ ہے نہ کہ جزو الصدقہ اور لھما سے تبادر اور شائع اطلاق کے وقت کل واحد ہوتا ہے اور مجموعہ مراد ہونا محتاج قرینہ ہوتا ہے اور قرینہ کا فقدان ظاہر ہے پس معنی یہ ہوئے کہ دونوں میں سے ہر ہر واحد کو پورے صدقہ کا اجر ملے گا، اور دوسرے احتمالات مخالفہ غیر ناشی عن دلیل ہیں اس لئے معتبر نہیں اور مسئلہ قطعیات میں سے نہیں اس لئے بھی ایسے احتمالات مضر نہیں۔

نیز سوال سابق کے جواب میں جیسے معلوم ہوا کہ تعدیہ ثواب من محل الی محل موجب نقص فی احد المحلین نہیں اسی طرح اس سے یہ بھی لازم آیا کہ تجزیہ جیسا کہ مقتضائے ظاہری تشریک محل مع محل کا ہے، نیز موجب نقص فی احد المحلین نہیں کیونکہ تعدیہ و تجزیہ آثار میں متماثل ہی ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ۱۹ ربیع الاول ۴۴ھ (تتمۂ خامسہ ص ۳۹۹)

جواب شبہ بر تعمیر دکان در مقبرہ

سوال (۶۹۹) بحضور حضرت سیدنا و مولانا دامت برکاتہم علینا

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، ادنیٰ خادم خاکپا عرض می نماید کہ در رسالہ النور ماہ شوال ۱۳۴۴ھ ص ۱۸، حضور نوشتہ (زائرین قبور کی راحت کے لئے اس قطعہ میں ایک سہ دری اور ایک چاہ تیار کرا دیا گیا، اور اسی غرض سے سایہ دار درختوں کے نصب کرنے کا خیال ہے اور ان چیزوں کی نگرانی کے لئے ایک آدمی بھی وہاں مشاہرہ پر رکھ دیا گیا ہے) حضرت قبلہ جان ما بندگان در ملک ما ایں چنیں رواج است غالباً در ملک قبلہ ہم ایں چنیں خواہد بود کہ جائیکہ بر قبور اولیاء کرام ایں چنیں اسباب راحت زائرین مہیا ہستند بدعات ہم ہستند د جائیکہ بر قبور نیند بدعات ہم نیند و گمان است کہ ملفوظات مبارکہ قبلہ دیدہ ام و یا از دیگر جا شنیدہ ام کہ شخصے سفارش نامہ از حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ و رضوانہ نزد حضرت مولانا گنگوہیؒ در بارۂ بناء نزد مزار حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ برائے استراحت زائرین آوردہ بود مولانا قبول نہ کردو فرمود کہ در ایں چنیں امور ما مقلد حضرت حاجی صاحب نیستیم امروز عرلیش بنا شود آہستہ آہستہ فردا قبہ بناء خواہد شد، و حضرت اکثر زائرین امداد داد دہش با مجاور میکنند حضور بعد انتقال چناں اور امنع قبول کرد احتمال غیر ابعد است کہ از برائے خوشامد اوشان خواہہائے کاذب کہ صاحب قبر از شمار اضی

است و دعاء گواست خواہد ساخت پس ناچار نذور وغیرہ خواہند شد وخواہند افزود وایں راہم دلیل قطعی نیست کہ آں مجاور برطرز حضور والا خواہد ماند متغیر نخواہد شد خود حضور عالی دریں وصیت نامہ نوشتہ (اوران کے بعد مدرسہ امداد العلوم اور خانقاہ امداد القلوب کا جو متولی ہو بشرط اس کے کہ اپنے بزرگوں کے طرز پر ہو) معلوم شد کہ طرز ماندن قطعی نیست حضرت در دل من ناکارہ ایں چنیں اثر پریشان کنندہ پدید کہ من گویم کہ کدام بدعتی ایں حصۂ وصیت نامہ نہ بیند اگر دید حجت خواہد گرفت و اعتراض خواہد نمود حضرت ہرچہ در دل بے ساختہ بدوں تفکر آمدہ عرض نمودہ ام چنانکہ طالب العلم از معلم سوال شبہ خود ظاہر میکند خواہ غلط یا صحیح؟

الجواب ۔ بخدمت مخدومی مکرمی دام فیضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ صحیفۂ عنایت کہ مشتمل بر دو مشورہ بود مسرور وممنون فرمودہ جزاکم اللہ تعالیٰ علی ہذا النصح، نسبت امر اول ایں کہ مصالحے کہ قبل بنایش در ذہن آمدہ ایں بود رفع اذی حر ومطر شدیدہ کے در وقت تہیہ دفن عارض شد وسہولت وضوء نماز کہ در چناں وقت ضرورت افتد وراحت زائرین کہ داعی باشد بر غبت آمدن وآں سبب باشد کثرت ایصال را با موات وایں ہم از مطلوبات شرعیہ است ومفسدہ کہ تحریر فرمودہ اند بوجہ عدم وقوع آں دریں نواح بذہن احقر ونیز بذہن مخاطبین علماء کہ استشارۃ در خدمت شان پیش کردہ بودم خطور نہ کردہ اکنوں نیز احتمالش بدل نمی چسپد ونہ ایں چنیں عمارات کوتاہ وتنگ برائے ایں چنیں خرافات کافی میتواں شد چنانچہ بر مزار حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مسجدے ساختہ اند وازیں منکرات نامے ونشانے ندارد دوچوں ضعفش بدیں مشابہ است ہدم عمارت کہ یقیناً اتلاف مال ست گنجائش ندارد باز تصریحات بانی بانکار چنیں امور جواب کافی ست احتجاج محتمل را ورنہ حکایت فقالوا ابنوا علیھم بنیانا جائز نداشتہ شدے، وبایں ہمہ بر طبق سنت میگویم لو استقبلت من امری ما استدبرت، الحدیث۔ ونسبت امر دوم یعنی تقرر اجیر آنجا ایں کہ آں انتظام مستمر نیست ونہ آں اجیر در نظر زائرین وقعتے دارد کہ ایں چنیں سخناں را از وقبول کنند پس قیامش محدود است بہ پرورش اشجار کہ در اسرع زماں ان شاء اللہ تعالیٰ دست دہد پس دریں ہم مفاسد محتمل نیست ودر حقیقت میان رائے سامی ورائے ایں نحیف تعارض نیست مبنی رائے آں مکرم کہ عزیمت است عوارض خارجیہ است ومبنی رائے احقر ذات فعل است ورخصت وچوں مفاسد مذکورہ بغایت مرجوح است عمل بر رخصت گنجایش دارد واز سالف زماں در چنیں امور مباحہ بنا برہمیں درجات بکثرت اختلاف آراء رونمودہ ولکل وجھۃ ھو مولیھا باقی بر دعا استدعا ختم می کنم ۔ اشرف علی ۔ ۲۶ رذی الحجہ ۱۳۴۴ھ (تتمۂ خامسہ ص ۴۳۸)

نماز جنازہ پڑھانے کے وقت میت کے مقروض ہونے کی تحقیق کرنے کا حکم

(۷۰۰) اکثر اوقات مجھ کو .... اتفاق اس کا ہوتا ہے کہ میں جنازہ کی نماز پڑھاؤں، حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ جنازہ آنے پر استفسار فرماتے تھے کہ مقروض تو نہیں ہیں جب کوئی صحابہؓ میں سے قرض کی ذمہ داری لے لیتے تب آپ نماز پڑھاتے، تو کیا میں بھی اتباع سنت میں پوچھ لیا کروں اور اگر اس کا بیٹا یا رشتہ دار قرض کی ذمہ داری نہ لیوے تو کیا کروں، کیا یکدم پڑھانے سے انکار کردوں یا نماز جنازہ بے پوچھے یا بے استفسار کئے امر کے پڑھادیا کروں؟

الجواب۔ حضور ﷺ کے نہ پڑھانے میں جو حکمت تھی وہ آپ کے پڑھانے میں نہیں، اس لئے آپ کا ایسا کرنا اتباع سنت نہ ہوگا۔ ۵ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ (النور ص ۱۰ محرم الحرم ۱۳۵۵ھ)

دفع غلطی در بعض احکام شہید

سوال (۷۰۱) یہاں فی الحال ایک واقعہ پیش آیا ہے ایک شخص مذہب حنفی جو کہ ریلوے لائن پر سے جارہا تھا، پیچھے سے گاڑی نے آکے ٹھوکر ماری جس سے اس کے ہر دو پا تا بہ زانو ناکام ہوگئے اسے اٹھا کر قریب کی مسجد کے سامنے لے گئے وہاں کے پیش امام صاحب (حنفی) کی تحریک سے مجروح نے پانچوں کلمے بخوبی ادا کئے اور اپنے کہے سنے کی معافی کا خواستگار ہوا اس کے بعد اسے ہسپتال لے گئے، وہیں کچھ مرہم پٹی وغیرہ کی گئی، قصہ مختصر قریباً ۹ بجے کے گھائل ہوا تھا اور ساڑھے گیارہ کو جاں بحق تسلیم ہوا جب اس کے غسل وکفن کی تیاری کرنے لگے تو پیش امام صاحب مذکور نے یہ فتویٰ دیدیا کہ چونکہ مرحوم دولوہوں کے درمیان دب کر راہی عدم ہوا ہے اس لئے وہ شہید کا درجہ رکھتا ہے اور غسل وکفن کی ضرورت نہیں چنانچہ اسی طرح میت پر جنازہ کی نماز پڑھ کر بے غسل وکفن دفن کی گئی، اب سوال یہ ہے کہ آیا شرع محمدی و مطابق مذہب حنفی کا یہی حکم ہے جو کہ اوپر بیان ہوا یا عکس اس کے غرض جو حکم ہو اس کا فتویٰ درکار ہے، حوالۂ کتاب بھی ضرور ہو تا کہ حجت کی گنجائش نہ رہے از راہ عنایت اسی سوال نامہ کی پشت پر تحریر فرما کر ارسال فرماویں خدا آپ کو اجر عظیم دے گا، جواب کے لئے ٹکٹ چسپاں ہیں۔ والسلام۔

الجواب۔ شہید کی یہ تعریف کسی نے نہیں کی کہ جو لوہے سے ہلاک ہوجائے، بلکہ تعریف اس کی کتب فقہ میں یہ ہے، **هو كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلماً بجارحة اى بما يوجب القصاص**

و لم يجب بنفس القتل مال الى قوله و كذا لو قتله باغ او حربى او قاطع طريق و لو تسببا او بغير الة جارحة اووجد جريحا فى معركتهم كذا فى الدر المختار۔

اور یہ تعریف اس مجروح پر صادق نہیں آئی، پس امام صاحب نے اس فتوے میں سخت غلطی کی ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۰ ربیع الاول ۳۵ھ (حوادث خامس ص ۳)

حکم بناء علی القبر

سوال (۷۰۲) روضہ مقابر مشائخ پر بنانا درست ہے یانہیں؟

الجواب۔ فى تيسير الوصول عن جابرؓ قال نهى رسول الله ﷺ ان يجصص القبر وان يبنى عليه وان يكتب عليه وان يقعد عليه وان يوطأ اخرجه الخمسة الا البخارى وفيه عن ابن عمرؓ انه راى فسطاطا على قبر عبدالرحمن فقال يا غلام انزعه فانما يظله عمله اخرجه البخارى ،و فى رد المحتار، واما البناء عليه فلم ار من اختار جوازه الى قوله وعن ابى حنيفة يكره ان يبنى عليه بناء من بيت او قبة او نحو ذلك لما روى جابر و ذكر الحديث المذكور انفا اھ۔ ان روایت حدیثیہ وفقہیہ اور خود صاحب مذہب کی تصریح سے اس بناء کی کراہت وممانعت ثابت ہوگئی۔ فقط کم شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ثانی ص ۱۵۶)

قلعی برقبور

سوال (۷۰۳) خام قبروں کو خفیف چونہ سے قلعی کردینا کیسا ہے؟

الجواب۔ اگر استحکام کے لئے ہو جائز ہے اور زینت کے لئے نہیں جائز ہے۔ واللہ اعلم۔
۶ رمضان ۱۳۱۹ھ (امداد ثانی ص ۱۸۵)

ایصال ثواب عمل فرض وواجب خود بمیت

سوال (۷۰۴) کوئی غریب آدمی کہ اپنے مردہ کی فاتحہ کا کھانا اپنے ہی چھوٹے بچہ کو کھلا کر ایصال ثواب کردے تو جائز ہے یانہیں؟

الجواب۔ اگر اس بچہ کا نان ونفقہ اس کے ذمہ فرض وواجب نہیں تب تو اس کو کھلا کر کسی کو ثواب بخش دینا جائز ہے اور اگر فرض وواجب ہے تو اس میں اختلاف ہے، كما فى

ردالمحتار وانہ لا فرق بین الفرض والنفل اھ۔ و فی جامع الفتاویٰ و قیل لا یجوز فی الفرائض اھ۔ ج ۱۔ ص ۹۴۳ اور میرے نزدیک احتیاط اسی میں ہے کہ فرض کا ثواب کسی کو نہ بخشے۔ ۳ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۲۱)

سوال (۷۰۵) علامہ ابن کثیر نے زیر آیت ان لیس للانسان الا ما سعی ذکر کیا ہے کہ اس سے امام شافعیؒ اور ان کے متبعین نے استدلال کیا ہے کہ قرآن شریف کا ثواب مردہ کو نہیں پہنچتا کیونکہ یہ خود میت کی سعی سے نہیں ہے اسی واسطے نہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی جانب کسی کو دعوت کی اور نہ صحابہ میں سے کسی سے یہ ایصال ثواب تلاوت قرآن منقول ہوا گو علامہ ابن تیمیہ نے عموماً اس پر زور سے استدلال کیا ہے کہ میت کو دوسرے کے عمل سے فائدہ پہنچتا ہے مگر اس جزئی خاص اہداء ثواب تلاوت قرآن کو ذکر نہیں کیا اس کے متعلق تحریر فرمایئے کہ تلاوت قرآن شریف کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اس باب میں تین مذہب ہیں ایک معتزلہ کا کہ وہ کسی قسم کی عبادت کا ثواب میت کو پہنچنے کے قائل نہیں۔ دوسرے شافعیہ و مالکیہ کا وہ عبادت مالی کے ثواب پہنچنے کے قائل ہیں اور عبادت بدنیہ کے منکر ہیں جس میں نماز روزہ و تلاوت سب داخل ہیں، تیسرا حنفیہ کا کہ وہ ہر قسم کی عبادت کا ثواب پہنچنے کے قائل ہیں، کذا فی ردالمحتار باب الجنائز۔

معتزلہ نے آیت مذکورہ فی السوال سے استدلال کیا ہے جس کا جواب قائلین بوصول ثواب العبادات المالیہ یعنی شافعیہ وغیرہم کے ذمہ بھی ہے، پس جب معتزلہ کے جواب میں انہوں نے آیت کو عام نہ رکھا تو پھر نفی وصول ثواب عبادت بدنیہ میں اس سے کیسے استدلال کر سکتے ہیں پس استدلال کا ضعف اسی سے ظاہر ہے اب آیت کے معنی سمجھئے، درمنثور میں بروایت ابن جریر کے ابن زید سے نقل کیا ہے کہ کوئی شخص اسلام لے آیا تھا کسی نے اس کو ملامت کی اس نے کہا میں عذاب سے ڈرتا ہوں وہ بولا تو مجھ کو کچھ دے میں تیری طرف سے عذاب اپنے سر رکھ لوں گا، چنانچہ کچھ دیا اس نے اور مانگا نہایت کشاکشی سے اور بھی کچھ دیا اور بقیہ کی دستاویز مع گواہیوں کے لکھ دی اھ۔

اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر (ایسے طور سے) نہیں لے سکتا (کہ گناہ کرنے والا بری ہو جائے پھر یہ شخص کیسے سمجھ گیا کہ میرا سارا گناہ یہ ملامت گر اپنے سر رکھ لے گا) اور انسان کو (ایمان کے بارہ میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی (یعنی کسی دوسرے کا ایمان اس کے کام نہ آوے گا پس اگر اس ملامت گر کے پاس ایمان ہوتا

بھی تب بھی اس شخص کے کام نہ آتا چہ جائیکہ وہاں بھی ندارد) الخ اس تفسیر پر جو کہ شان نزول سے چسپاں بھی ہے اضلال سے گناہ ہونا اور ثواب پہنچانے سے ثواب پہنچنا جو بظاہر آیت لاتزر اور لیس للانسان کے معارض معلوم ہوتا ہے یہ تعارض دفع ہوگیا، اور اگر عموم الفاظ آیت سے شبہ ہو تو جواب یہ ہے کہ اس عموم میں یہ شرط ہے کہ مراد متکلم سے متجاوز نہ ہو، جیسے لیس من البر الصیام فی السفر میں سب ائمہ کے نزدیک یہ قید ہے علاوہ اس کے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال مسئلہ مسلمہ ہے یہ تو استدلال کا جواب ہے اب مسئلہ کی دلیل سنئے۔

فی شرح الصدور عن ابن ابی شیبة بروایة الحجاج بن دینار قال رسول الله ﷺ ان من البر (ای بالوالدین) ان تصلی عنهما مع صلوٰتك و تصوم عنهما مع صیامك وایضاً فیه عن علی مرفوعا من مرعلی المقابر قرأ قل هو الله احد احد عشر مرة ثم وهب اجره للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات اخرجه ابو محمد السمر قندی فی فضائل قل هو الله احد و فیه عن ابی هریرة قال رسول الله ﷺ من دخل المقابر ثم قرأ، فاتحة الکتاب و قل هو الله احد والهاکم التکاثر ثم قال اللهم انی جعلت ثواب ما قرأت من کلا مك لا هل المقابرمن المومنین والمؤمنات کانوا شفعاء له الی الله تعالیٰ اخرجه ابو القاسم بن علی الزنجانی فی فوائده قال السیوطی وهی وان کانت ضعیفة فمجموعها یدل علی ان لذا لك اصلاً ویؤیده بظاهره ما فی جمع الفوائد عن الشیخین وابی داؤد عن عائشةؓ مرفوعاً من مات وعلیه صوم صام علیه ولیه اهـ ،و اقرب محامله اهداء ثواب الصوم الیه وما ورد عن ابن عمر وقد سئل هل یصوم احد عن احد و هل یصلی احد عن احد فیقول لارواه مالك محمول علی عدم اجزاء القضاء عنه و فی جمع الفوائد عن ابی داؤد عن صالح بن درهم قال لنا ابوهریرة الی جنبکم قریة یقال لها الایلة قلنا نعم قال من یضمن لی منکم ان یصلی فی مسجد العشاء رکعتین او اربع رکعات و یقول هذه لا بی هریرة الحدیث۔

اخیر کی حدیث اس پر دال ہے کہ عبادت بدنیہ کا ثواب زندہ کو بھی پہنچتا ہے باوجودیکہ وہ خود عمل پر قادر ہے پس میت جو کہ عاجز ہے بدرجۂ اولیٰ اس کا مستحق ہے چنانچہ ردالمحتار میں ابن القیم سے بعض علماء کا قول یہ بھی نقل کیا ہے، هکذا اختلف فی اهداء الثواب الی الحی

فقیل یصح لإطلاق قول احمد یفعل الخیر و یجعل لا بیہ و امہ اھ۔ روایت مذکورہ میں سے بعض میں تو تلاوت کی تصریح ہے اور جن میں تصریح نہیں وہ بھی اس طرح اس کی مثبت ہیں کہ عبادات بدنیہ میں اجماعاً تماثل ہے۔ واللہ اعلم

۲۵ رجمادی الثانی ۱۳۵۰ھ (النور ص ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ)

زیارت قبور مرزناں را

سوال (۷۰۶) زیارت قبور مستورات کو حرمین شریفین میں کیوں اجازت ہوئی حالانکہ لعن اللہ علی زائرات القبور وارد ہے کسی صورت میں عجم میں عجمیہ مستورات کو جواز ہوگا یا نہیں، بینوا توجروا؟

الجواب۔ عورتوں کے لئے زیارت قبور میں تین قول ہیں ایک منع مطلقاً لقولہ علیہ السلام لعن اللہ زوارات القبور دوسرا جواز مطلقاً لقولہ علیہ السلام کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا فانھا تزھد فی الدنیا وتذکر الاخرۃ الحدیث قالوا لما نسخ النھی بلغ الرخصۃ الرجال والنساء جمیعا تیسرا قول تفصیل اس طرح کہ اگر مقصود زیارت سے مدبہ ونوحہ وغیرہ کرنا ہو تب تو حرام وہو محمل قولہ علیہ السلام الاول اور اگر عبرت اور برکت کے لئے ہو تو بڈھیوں کو جائز وہو محمل قولہ علیہ السلام الثانی اور جوانوں کو ناجائز جیسا مساجد میں آنا لقول عائشۃ رضی اللہ عنہا لو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی ما احدث النساء بعدہ لمنعن کما منعت نساء بنی اسرائیل۔ یہ تفصیل ردالمحتار میں خیر رملی سے نقل کر کے کہا ہے وھو توفیق حسن اھ اور اس حکم میں عربیات وعجمیات سب برابر ہیں ہماری شریعت سب اسود واحمر کے لئے یکساں ہے۔ واللہ اعلم۔ (امداد ثانی ص ۱۳۶)

سوال (۷۰۷) مضمون اخبار جس میں عورتوں کا قبرستان جانا جائز قرار دیا ہے ارسال خدمت ہے کہ حضور بھی اس کے متعلق کچھ ارشاد فرماویں گے؟

الجواب۔ اس مضمون میں صرف ایک پہلو پر نظر کی گئی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مضمون لکھتے وقت اصول نظر سے غائب تھے اصل یہ ہے کہ قبیح کی ایک قسم قبیح لغیرہ ہے اس تمام تر مضمون کا حاصل تو قبیح لعینہ کی نفی ہے مگر اس سے قبیح لغیرہ کی نفی کیسے لازم آ گئی اور جب قبیح لغیرہ ہے تو جہاں غیر غالب الوقوع یہ ہے وہاں ممانعت کی جاوے گی اور ممانعت میں تفصیل نہ کی جاوے گی اور یہی حاصل ہے فتوی ممانعت کا اور جہاں غالب الوقوع نہیں وہاں تفصیل کریں گے اور یہی حقیقت ہے آثار قبیحہ کی۔　۲ رذیقعدہ ۱۳۴۸ھ

خلاصہ مضمون اخبار تہذیب نسواں جس کا حوالہ سوال میں ہے

پہلے زیارت قبور کی سب کو ممانعت تھی پھر سب کے لئے منسوخ ہوگئی اور حضرت عائشہؓ کے بعض آثار سے اس کی تائید کی گئی ہے اور درمیان میں علماء پر طعن کیا ہے اسی طرح سوال میں عورتوں کے لئے ممانعت کے احتمال پر حکم شرعی میں ناگواری ظاہر کی ہے جس کے یہ الفاظ ہیں یا ان کے لئے اللہ تعالی نے تسلی کی یہ راہ بھی بند کردی ہے مجیب صاحب نے اس گستاخی پر کوئی مواخذہ نہیں کیا اور علماء پر حکم شرعی اجتہادی کے تحقیق کرنے میں طعن کیا گیا اللہ اکبر ایک شخص طاعت کرے اور مطعون ہو اور دوسرا شخص گناہ قریب بکفر کرے اور اس کو اس پر مطلع بھی نہ کیا جاوے نہ توبہ کی اس کو تاکید کی جاوے انا للہ- شوال ۱۳۳۸ھ (تتمۂ خامسہ ۱۵۸)

سوال (۷۰۸) چونکہ زیارت قبور عورتوں کو منع ہے بدیں وجہ اگر مستورات کو زیارت قبور خانہ کعبہ و مدینہ طیبہ و دیگر اطراف سے منع کیا جاوے تو جائز ہے یا نہیں، اور زیارت روضہ جناب رسول اللہ ﷺ و ازواج مطہرات و صحابۂ کرام سے بھی روکا جاوے یا نہیں، مشرح بیان فرمایئے؟

الجواب۔ زیارت قبور عورتوں کے لئے جبکہ احتمال جزع فزع کا نہ ہو مثل حضور مساجد و جماعات ہے ایک کی اجازت دوسرے کی ممانعت بے معنی ہے (ذیقعد ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ۲۱۰)

تعزیت کفار

سوال (۷۰۹) چہ می فرمایند علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ کہ مسلمانان را تعزیت اہل ذمہ جائز است یا نہ خصوصاً بہ نیت دوستی ایشاں وطمع دنیاوی در مال ایشاں، مفصل جواب درکاراست؟

الجواب۔ اگر حق شرکت بلد یا محلّہ پنداشتہ عیادت کند جائز است، فی الدر المختار وجاز عیادۃ (الذمی) بالإجماع و دوستی وطمع فی نفسہ مذموم است لہذا تخلیص عیادت ازاں ضروری ست۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ (امداد ثانی ص ۱۷۰)۔

کافر کے ولد نابالغ مربوب مسلم پر نماز جنازہ حکم

سوال (۷۱۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بے دین کے پیدا ہوا بچہ ماں کے مرنے کے بعد اس کے باپ نے پرورش کرنے سے عاجز ہوکر

ایک شخص مسلمان مسمی احمد شاہ کے پاس آ کر بولا کہ میں بخوشی و رضا ایک ماہ کی پیدا ہوئی دختر کو واسطے پرورش اور اسلام کے لئے تم کو دیا اور آج کی تاریخ سے مجھے کچھ واسطہ اور دعویٰ اس دختر پر نہیں، احمد شاہ کے گھر میں کوئی اولاد موجود نہ تھی اس وجہ سے اس کا کہنا پسند آیا بخوشی و رضا دختر مذکورہ کو اپنے قبضہ اختیار میں لے لیا اور کچھ زر نقد دے کر اس کے باپ کو رخصت کیا، بعد پرورش ایک سال کے احمد شاہ نے مولوی بذل الرحمٰن صاحب کو بلا کر لڑکی کا نام عزیزہ بیگم رکھا پس احمد شاہ کے گھر میں کل دو برس تین مہینے پرورش ہوئی، شان ایزدی احمد شاہ کے علاقہ میں دختر موصوفہ بیمار ہو کر بعد چندے وفات ہوئی، اب اس کی نماز جنازہ مطابق شرع شریف پڑھی جائے گی یا نہیں؟

الجواب۔ کافر کا نابالغ بچہ جب تک عاقل و ممیّز ہو نہ مستقلاً مسلمان نہیں سمجھا جائے گا بلکہ تبعاً للدار الإسلامي یا تبعاً لاحد الابوین المسلم مسلمان کہا جائے گا صورت مسئولہ میں نہ احد الابوین مسلم ہے نہ خود بچہ ممیّز ہے تو اس کے مسلمان ہونے کا حکم صرف تبعاً لدار الاسلام ہوسکتا ہے پس اگر ہندوستان دارالاسلام نہیں تو اس بچہ کو مسلمان نہ کہا جائے گا اور اگر دارالاسلام ہے تو اس کو مسلمان کہا جائے گا، اور اس میں اختلاف ہے لیکن ایسے اختلاف میں بچہ کی نفع کی رعایت کو ترجیح دی جائے گی اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جاوے گی۔

۲ر رمضان ۴۹ھ (النور ص ۷ جمادی الاولیٰ ۵۰ھ)

سوال (۷۱۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مفصلہ ذیل مسئلہ میں جواب مدلل و محقق سے سرفراز فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

ایک مسلمان نے ایک ننھا بچہ مشرک والدین سے بغرض پرورش ہمیشہ کے لئے حاصل کیا عرصۂ چند ماہ کے بعد بچہ مسلمان کے قبضہ میں فوت ہوا بوقت تدفین علماء میں تنازع ہوا ایک فریق نے بچہ پر نماز پڑھی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا، ان کا استدلال یہ ہے کہ ہر ایک بچہ فطرۂ اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور ماں باپ اس کو یہود و نصاریٰ و مجوسی بناتے ہیں، چونکہ بچہ کو غیر اسلام کی طرف لے جانے والے والدین کا قبضہ منقطع ہو گیا بلکہ اسلام کی طرف لانے والے کے قبضہ میں آ گیا اب مسلمان کے ہاتھ مردہ بچہ کو غیر اسلامی طریقہ پر تدفین کرنے سے پرورش کرنے والے کے استحقاق کو فراموش کرنا پڑتا ہے اور اس امر میں فتاوی عالمگیری کی ایک روایت تائید کرتی ہے کہ دارالحرب میں اگر کوئی بچہ لشکر اسلام میں آ جائے اور مسلمان کے ہاتھ پر مر جائے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی کیونکہ وہ بچہ مسلمان کے قبضہ میں تھا، علاوہ ازیں مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہ مفتی دارالعلوم دیوبند ایک استفتاء کے جواب میں اس طرح فرماتے ہیں کہ مقتضاء احتیاط

اس مسئلہ میں یہی ہے کہ اس بچہ پر نماز جنازہ پڑھی جائے اور استدلال فریق اول کا صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اھ- اور فریق ثانی کا قول ہے کہ نماز جنازہ کے لئے اسلام شرط ہے اور بچۂ مردہ کا اسلام معتبر نہیں، اور حدیث ہر ایک مولود فطرت اسلام پر ہوتا ہے احکام دنیا کے لئے نہیں بلکہ آخرت کے لئے ہے اور اس امر کو بحرالرائق درمختار وغیرہ سے ثابت کرتے ہیں، مذکورۂ بالا امور میں تحقیق فرما کر جواب سے سرفراز فرماویں تاکہ ہم نالائقوں کو ہدایت ہو اور جو تشویش پیش ہے رفع ہو کر اطمینان کا باعث ہو، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کا سایہ ہم پر تادیر قائم رکھے آمین ثم آمین۔ والسلام۔

الجواب۔ تتبع روایات کی تو نہ فرصت نہ ہمت باقی احکام قواعد سے جو سمجھا ہوں وہ عرض کرتا ہوں۔

(۱)۔ عالمگیریہ کی روایت کے یہ الفاظ **والصبی اذ وقع فی ید المسلم فی الجند فی دارالحرب وحده ومات هناك صلى عليه تبعاً لصاحب اليد كذا في المحيط (الفصل الخامس في الصلوٰة على الميت)**۔

(۲)۔ احکام باب میں تصریح ہے کہ اصل تبعیت میں والدین ہیں چنانچہ ابوین کے ساتھ اگر صبی اسیر ہو کر دارالاسلام میں بھی آجاوے تب بھی وہ تبعاً غیر مسلم ہے **كما في الدرالمختار وصبي سبي مع احد ابويه لا يصلي عليه لانه تبع له اى في احكام الدنيا لا العقبى اھ**۔

(۳)۔ اگر ابوین کی معیت منقطع ہو جاوے تب صاحب ید کی تبعیت کا حکم کیا جاوے گا۔

(۴)۔ اور اس ید کی قوت اس وقت ظاہر ہوگی جب یہ ید غلبہ کا ہو۔

(۵)۔ اور صورت مسئولہ میں اس مسلم کا ید ید تغلب نہیں اس لئے عالمگیریہ کی روایت میں یہ داخل نہیں، من الجند کا لفظ بھی اس کا قرینہ ہے۔

(۶)۔ ید تغلب نہ ہونا ظاہر ہے کہ والدین کی رضا سے یہ ید حاصل ہوا ہے تو یہ نائب ہے ید ابوین کا۔

(۷)۔ پس اس حالت میں ید ابوین منقطع نہیں ہوا اس لئے صاحب ید کے تبعیت کا ظہور نہ ہوگا۔

(۸)۔ اس بناء پر وحدہٗ کی قید بھی متحقق نہ ہوگی پس وہ صبی اور اس کے ابوین سب میں معیت ہے۔

(۹)۔ اور ابوین کی تبعیت حالت اسر واحراز فی دارالاسلام میں بھی قاطع نسبت الی الابوین نہیں ہوتی (کمافی نمبر ۲ ایضاً)

(۱۰)۔ اس مجموعہ کا مقتضا یہ ہے کہ اس پر نماز نہ پڑھے البتہ صبی اگر ایسا سمجھ دار ہو کہ خود

اسلام کوقبول کر لے تب وہ مسلم ہے۔

(۱۱)۔البتہ اگر کسی مفتی کو ید میں تغلب کی قید کے متعلق شرح صدر نہ ہو بلکہ دونوں احتمال ہوں وہ صلوٰۃ احتیاطاً کا فتویٰ دے سکتے ہیں۔

(۱۲)۔اور حدیث کا تو اس مسئلہ سے کوئی تعلق ہے نہیں ورنہ ہر صبی پر بشرط قدرت نماز مشروع ہوتی اور احکام فقہیہ باطل ہوتے پس حدیث کا وہ محمل ہے جو نمبر ۲ میں مذکور ہے یعنی صلوٰۃ احکام دنیویہ سے ہے اور حدیث کا مدلول احکام عقبی سے، واللہ اعلم۔

۹ رذی الحجہ ۳۵۳ھ (النورص ۸ شوال ۳۵۴ھ)

حکم تعین ایصال ثواب دررمضان بوجہ تضاعف

سوال (۷۱۲) رمضان المبارک میں ہمیشہ اضعاف ثواب کی غرض سے اگر ایصال ثواب ہونے کی غرض سے مساکین کو کھانا وغیرہ دیا جائے تو تعینات میں تو داخل نہ ہوگا؟

الجواب۔عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ اجود الناس بالخیر و کان اجود ما یکون فی رمضان الحدیث متفق علیہ کذا فی المشکوۃ باب الاعتکاف وعن سلیمان قال خطبنارسول اللہ ﷺ و فیہ من تقرب فیہ بخصلۃ من الخیر کان کمن ادی فریضۃ فیما سواہ ومن ادی فریضۃ فیہ کان کمن ادی سبعین فریضۃ فیما سواہ و فیہ وشھر المواساۃ و فیہ ومن اشبع صائماً سقاہ اللہ من حوضی وعن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ اذا دخل شھر رمضان اطلق کل اسیر واعطی کل سائل رواھما البیھقی فی شعب الإیمان کذا فی المشکوۃ اخر کتاب الصوم۔

چونکہ منشاء ان تعینات کا اعتقاد تضاعف ثواب ہے اور یہ تضاعف خود ان روایات میں منصوص ہے اس لئے یہ ان تعینات کے مشابہ نہیں ہیں جن کا منشاء محض رسم اور رائے ہے پس یہ عمل بلا کراہت جائز ومطلوب ہے۔واللہ اعلم ۱۳ رشعبان ۳۷ھ (تتمۂ خامسہ ص ۸۹)

قبر پر دوبارہ مٹی ڈالنے کا حکم

سوال (۷۱۳) قبر پر دوسری مٹی ڈالنا چھ مہینے کے بعد یا برس کے بعد جب قبر بیٹھ جاوے تو اس پر مٹی دوسری جگہ سے کھود کر ڈالنا جائز ہے یا نہ؟

الجواب۔ جائز ہے بشرطیکہ کسی معین تاریخ یا معین مہینہ میں نہ ہو فی ردالمحتار عن السراجیة کما نقله الرحمتی ذکر فی تجرید ابی الفضل ان تطیین القبور مکروہ والمختار انه لا یکرہ اہ وورد فی کراھة تقیید المطلق نصوص مشهورة۔

۱۰ رشوال ۲۹ھ (النور ص ۶ جمادی الثانی ۵۰ھ)

میت کے ہاتھ کس جگہ رکھے جائیں

سوال (۷۱۴) میت کے ہاتھ سینہ پر رکھنا چاہئے یا دونوں بغل میں؟

الجواب۔ سینہ پر نہیں بلکہ دونوں پہلوؤں میں۔ فی الدر المختار ویوضع یداہ فی جانبیه لا علی صدرہ لانه من عمل الکفار۔ ۱۹ رشوال المکرم ۲۹ھ (النور ص ۷ جمادی الثانی ۵۰ھ)

قبرستان میں جو درخت لگائے جائیں وہ بھی وقف ہوں گے

سوال (۷۱۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قبرستان مسلمانوں کا بہت پرانا ہے جس میں کچھ اراضی میں قبریں خام وپختہ بن چکی تھیں اور کچھ اراضی خالی رہ گئی تھی اور اب عرصہ تیس چالیس برس سے وہ قبرستان بحکم سرکار بند کردیا گیا ہے مگر اس کی حفاظت وغیرہ زیرنگرانی انجمن اسلامیہ لکھیم پور ضلع کھیری ہے قبرستان مذکور میں متفرق جگہوں میں آٹھ قبریں پختہ موجود ہیں اور بقیہ اراضی افتادہ واراضی جس میں خام قبریں تھیں یکسر ہوکر مثل بنجر اراضی کے ہوگئی ہے جس میں گھاس پیدا ہوتی ہے اور اس کا نیلام ہوکر زر نیلام (۱) انجمن میں داخل ہوتا ہے اراضی بنجر میں جو قبریں تھیں ان کا اب کسی طرح سے نام ونشان نہیں باقی رہا ہے موجود معمر لوگ بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ کہاں کہاں پر قبریں تھیں، ایک صاحب قبرستان مذکور میں درختان نصب کرنا چاہتے ہیں جن کی درخواست کی نقل بجنسہ شامل استفتاء ہذا کی جاتی ہے اور وجہ ان صاحب کے اس خیال کی یہ ہے کہ اس میں ایک بزرگ کا مزار ہے جو ان کے استاد بھی ہیں اس لئے اس طریق سے اس کو بے حرمتی سے بچانا چاہتے ہیں اور ان درختوں کی گری پڑی لکڑی اور پھل سے خود مستفید ہوں گے مگر حق انتقال نہ ہوگا جیسا درخواست کی (۴) میں تصریح ہے، نیز درخواست کنندہ اس زمین کا کچھ کرایہ دینے پر آمادہ ہیں جس کو (۱) و (۵) میں بعنوان لگان ونذرانہ لکھا ہے، لہٰذا بموجب شرع شریف اس قبرستان کا حسب درخواست منسلکہ ٹھیکہ

(۱) اس نیلام کا حکم بھی قابل تحقیق ہے ۱۲ منہ

نگرانی وغیرہ دینے میں کوئی امر مانع تو نہیں ہے اور واضح ہو کہ جب یہ ضلع لکھیم پور قائم ہوا تھا اس وقت مسلمانوں نے کچھ اراضی قبرستان کے لئے حکام وقت سے مانگ لی تھی اور ایک انجمن اسلامیہ بھی جب ہی سے قائم کر لی تھی اور جملہ مساجد وعیدگاہ وقبرستان کا انتظام بھی اس انجمن کی سپردگی میں ہوگیا؟

نقل درخواست مذکورۂ سوال بالا

بخدمت جناب صدر انجمن صاحب انجمن اسلامیہ لکھیم پور

جناب صدر انجمن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کھیری جاتے ہوئے ایک قدیم قبرستان ہے جو ویران و ناگفتہ بہ حالت میں ہے میں چاہتا ہوں کہ اراضی قبرستان مذکور کو لگان سالانہ یا جو ممبران انجمن تجویز فرمائیں مجھ کو بغرض لگانے باغ دے دی جائے۔

(۱) قبرستان کی پیمائش ذریعہ ماہران فن کرا کر ہر چہار جانب دیوار پختہ جھنجری دار بنوادوں گا اور وہ دیوار ملکیت موقوفہ متصور ہوگی (۲) بظاہر دو قبریں اور ایک مزار مولانا ممتاز الحق صاحبؒ نمایاں حیثیت رکھتا ہے ان کی احتیاط و تعظیم وتکریم کروں گا اور مزار مذکور کے گرد پھول وغیرہ لگائے جائیں گے (۳) اراضی مذکور کو کھدوا کر تھانولے بنوائے جائیں گے ہل استعمال نہیں ہوگا اور دوران کھدوائی میں جو قبر برآمد ہوگی اس کا نشان و احترام قائم رکھا جائے گا (۴) درختان منصوبہ بھی موقوفہ متصور ہوں گے مگر گری پڑی لکڑی واثمار کے لینے کا مجھ کو اختیار ہوگا انجمن کو اور مجھ کو اور میرے ورثاء کو اختیار کسی قسم کے انتقال کا حاصل نہ ہوگا (۵) انجمن تحریری اجازت تعمیر دیوار ونصب درختان سائل کو بحیثیت متولی قبرستان مذکورادائے نذرانہ سالانہ پر عطا فرمائے جس کو ممبران حالت موجودہ میں مناسب تصور فرما کر تجویز فرمائیں وہ سالانہ یا ششماہی وارادا ہوتا رہے گا۔ (۶) اور جو مزید شرائط مناسب نسبت تحفظ قبرستان انجمن تجویز فرمائے اس کی پابندی مجھ پر اور میرے وارثان وقائم مقامان پر واجب التعمیل ہوگی۔

الجواب۔ في العالمگيرية في فصل الالفاظ التي يتم بها الوقف ولو قال جعلت حجرتي هذه لدهن سراج المسجد ولم يزد على ذلك قال الفقيه ابو

جعفر یصیر الحجرة وقفا علی المسجد اذاسلمها الی المتولی وعلیه الفتوی کذا فی فتاوی قاضی خان اسی طرح جب حکام نے یہ کہدیا کہ ہم نے اس اراضی کو قبرستان کے لئے تجویز کردیا تو یہ بھی قبرستان کے لئے وقف ہوگئی اور چونکہ درختوں کا اتصال ارض سے اتصال قرار ہے وہ درخت بحکم عمارت ہوں گے کما فی الهداية كتاب البيوع ومن باع ارضا دخل ما فيها من النخل والشجر وان لم يسمه لانه متصل به للقرار فاشبه البناء اور وقف زمین میں عمارت بنانے کا حکم یہ ہے کہ وہ مثل اصل ارض کے مصرفاً وشروطاً وقف ہوتی ہے تو یہ درخت بھی اسی طرح وقف ہوں گے اور اس زمین سے انتفاع کا کسی خاص شخص کو حق حاصل نہیں اسی طرح ان درختوں کی لکڑی یا پھل سے کسی خاص شخص کو انتفاع کا حق نہیں پس شرط نمبر ۴- کے ساتھ یہ زمین کسی کو دینا جائز نہیں اور جو کرایہ درخواست کے نمبر ۱- ونمبر ۵- میں مذکور ہے ظاہر ہے کہ یہ درختوں کی بقاء تک کا معاملہ ہے اور وقف زمین کا تین سال سے زائد کے لئے کرایہ پر دینا جائز نہیں نیز یہ زمین ہمیشہ کے لئے متولی کے قبضہ سے نکل کر کرایہ دار کے قبضہ میں جاتی ہے جو احکام وقف کے خلاف ہے یہ تو قواعد سے حکم ہے علاوہ اس کے نظر برمصالح شرط نمبر ۴ کا نتیجہ ایک مدت کے بعد یہ ہوگا کہ یہ زمین بھی ناصب کی ملک سمجھی جائے گی جس میں وقف کی مضرت عظیمہ ہے لہٰذا ایسی اجازت دینا درست نہیں۔

۳رصفر ۵۰ھ (النور ص ۹ شعبان ۵۰ھ)

تحقیق حمل جنازہ برسواری

سوال (۷۱۶) تحقیق حمل جنازہ برمرکب درجواب سوال زبانی۔ فی مراقی الفلاح و یکره حمله علی ظهر و دابة بلا عذر و قال الطحطاوی اما اذاکان عذر بان کان المحل بعیدایشق حمل الرجال له اولم یکن الحامل الاواحدا فحمله علی ظهره فلا کراهة اذن ص ۳۵۲۔ حاصل روایت یہ ہے کہ عذر سے اس کی اجازت ہے مثلاً گورستان دور ہے کندھوں پر لے جانا شاق ہے اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ جتنی دور شاق نہ ہو کندھوں پر لے جاویں جب شاق ہونے لگے مرکب پر رکھدیں۔

۲۲رشعبان ۱۳۵۰ھ (النور ص ۷ ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ)

اجساد انبیاء کا عدم تغیر

سوال (۷۱۷) اجساد انبیاء کے تغیر سے محفوظ رہنے کے بارہ میں صرف ایک روایت نظر سے گزری کہ ما سلطت الارض علی اجساد الانبیاء او کما قال۔لیکن آپ کی

وفات کے بعد جو حالات نظر سے گزرے اس میں ایک روایت یہ ہے کہ آپ کے ناخن سبز ہو گئے تھے، ایک یہ ہے کہ اثناء خنصر سے آپ کی وفات معلوم ہوئی ایک روایت یہ ہے کہ آپ اس وقت تک دفن نہ ہوئے حتی ربا قمیصہ اور ایک میں ہے کہ حتی ربا بطنہ اور اسی تغیر سے حضرت صدیقؓ نے مانعین دفن پر حجت قائم کی کہ دیکھو تمہارے نبی کی وفات ہوگئی پھر حضرت عباسؓ نے بھی فرمایا کہ ان رسول اللہ ﷺ یا سن کما یا سن البشر، میں نے اس تغیر جسد سے یہ نتیجہ نکالا کہ مانعین دفن کے لئے ایسا خفیف تغیر ظاہر کیا گیا تا کہ وہ دفن ہو جانے دیں اور معراج روحی کے خیال سے باز آ جائیں۔ واللہ اعلم۔ ورنہ بالیقین آپ کا جسد مبارک قبر شریف میں اپنی اصلی حالت میں محفوظ ومصون ہے زیادہ تعجب یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں احد میں ایک نہر جاری کی گئی نہر میں قبور شہداء مانع تھیں تو ماہرین نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ سوائے قبور پر سے نکالنے کے ہمیں اور کوئی راستہ نہیں ہے تو انہوں نے اجازت دیدی، جب نہر کے لئے قبور کھودی گئیں تو بروایت جابر بن عبداللہؓ شہداء کی لاشیں اس طرح برآمد ہوئیں کہ معلوم ہوتا تھا سو رہے ہیں پھر انہیں کندھوں پر لادلادکر وہاں سے علیحدہ کیا گیا اور اسی سلسلہ میں حضرت حمزہؓ کے پاؤں میں پھاوڑہ لگ گیا تو خون نکل آیا حالانکہ یہ واقعہ کم ازکم شہادت کے چالیس سال بعد کا ہے مجھے جہاں تک معلوم ہے ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ جس سے اجساد شہداء کے محفوظ رہنے کا وعدہ ہو جب شہداء کے اجساد محفوظ رہے تو انبیاء علیہ السلام کے اجساد بدرجۂ اولیٰ محفوظ ہوں گے کیونکہ ان کے لئے تو وعدہ بھی ہے؟

الجواب۔ فی التفسیر المظھری اخرج الحاکم و ابوداؤد عن اوس بن اوس قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء واخرج ابن ماجۃ عن ابی الدرداء نحوہ۔

اس باب میں اور بھی احادیث ہیں جو تغیرات سوال میں نقل کئے ہیں وہ تاثیرات ارض کی نہیں اس لئے تعارض نہیں بلکہ تغیرات خواص موت سے بھی نہیں ایسے تغیرات احیاء میں بھی مرض کے سبب ہو جاتے ہیں اور حضرت عباسؓ کا قول ایسے ہی تغیرات پر محمول ہوگا اور استدلال تقریب فہم کے لئے ہوگا اور یہ سب جب ہے کہ ان روایات کے رجال ثقات ہوں ورنہ روایات ہی حجت نہیں پس تعارض ہی نہیں باقی شہداء کے لئے بھی بلکہ بعض دوسرے صلحاء کے لئے بھی وعدہ کی احادیث وارد ہیں۔

فی التفسیر المظھری بروایۃ الطبرانی، قال قال رسول اللہ ﷺ المؤذن

المحتسب کالشهید المتشخط فی دمه اذا مات لم یدود فی قبره و اخرج ابن منده عن جابر بن عبدالله قال قال رسول الله ﷺ اذا مات حامل القران اوحی الله تعالی الی الارض ان لا تاکل لحمه فتقول الارض یارب کیف اکل لحمه و کلامك فی جوفه قال ابن منده و فی الباب عن ابی هریرةؓ وابن مسعودؓ واخرج المروزی عن قتادةؒ قال بلغنی ان الارض لا تسلط علی جسد الذی لم یعمل خطیئة۔

اور مجھ کوان روایات کی صحت یاحسن کی تحقیق نہیں لیکن تعدد خود اسباب تقویت سے ہے اور کوئی دلیل معارض نہیں اس لئے قبول کرنا ضروری ہے اور صاحب روح المعانی کا یہ قول وما یحکی من مشاهدة بعض الشهداء الذین قتلوا منذمأئة سنة وانهم الی الیوم تشخب جروحهم دماً اذارفعت العصابة فذلك ممارواه هیان بن بیان و ماهو الاحدیث خزافة، و کلام یشهد علی مصدقیه تقدیم السخافة اھ۔ واجب الرد ہے لکونه مخالفاً للمشاهدة المتواترة فمنهامافی المظهری اخرج مالك عن عبدالرحمن بن صعصعة انه بلغه ان عمرو بن الجموح وعبدالله بن جبیر الانصاری کان قد حفر السیل قبرهما الی قوله فوجدالم یتغیرا کانهماماتابالامس وکان بین احد وبین حفر عنهما ستة واربعین سنة واخرج البیهقی ان معاویةؓ لما ارادان یجری کظامة نادیٰ من کان له قتیل باحد فلیشهد فخرج الناس الی قتلاهم فوجد وهم رطابا ینثنون فاصابت المسحاة رجل رجل منهم فانبعث دما واخرج ابن ابی شیبة نحوه واخرج البیهقی عن جابرؓ وفیه فاصابت المسحاة قدم حمزةؓ فانبعث دما اھ۔

اور اگر کوئی واقعہ اس کے خلاف پایا جاوے اس کا جواب بیان القرآن کے متن وحاشیہ وموائد العوائد میں مذکور ہے، الحاشیہ علی قولہ۔ اور یہ سب جب ہے کہ روایات کے رجال ثقات ہوں ورنہ روایات ہی حجت نہیں اھ۔ اور اس احتمال میں مضمون ذیل سے اور قوت ہوگئی۔ فی اصح السیر لمولانا عبدالرؤف القادری۔ طبقات ابن سعد عرصہ سے مفقود تھی مسلمانوں کے پاس اس کا مکمل نسخہ کہیں بھی موجود نہ تھا، اب یورپ کے عیسائیوں نے اس کو چھپوایا ہے اور وہی میرے پیش نظر ہے مگر اس کی کوئی سند نہیں ہے کہ یہ نسخہ اصل تصنیف کے موافق ہے وفات رسول اللہ ﷺ کے متعلق اور امہات المؤمنین کے متعلق بعض ایسی روایتیں اس میں موجود ہیں

جن کا اسلافی تصنیفات میں باوجود تلاش کے مجھ کو پتہ نہ ملا، ابن سعد کی اکثر روایتوں کو متاخرین نے نقل کیا ہے مگر ان مہملات کو کسی نے نہیں لکھا میں یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا کہ یورپ کا الحاق ہے اس لئے کہ طبقات ابن سعد خود کوئی ایسی کتاب نہیں جس کی ساری روایتیں قابل قبول ہوں تاہم چونکہ یہ پوری کتاب ہمیں یورپ کے واسطہ سے ملی ہے اس کے بھروسہ پر ابن سعد کا حوالہ بھی جائز نہیں جب تک اس کی سند متداول کتابوں سے نہ مل جائے، حدیث، سیرت اور تفسیر کی اور کتابیں بھی عیسائیوں نے چھاپی ہیں ان کتابوں کی بھی کوئی سند نہیں ہے اور نہ ان پر اعتماد ہے ان میں سے صرف وہی باتیں قابل قبول ہوں گی جس کی سند متداول کتابوں میں مل جائے۔

ملاعلی قاری موضوعات کبیر میں لکھتے ہیں **قلت ومن القواعد الكلية ان نقل الاحاديث النبوية والمسائل الفقهية والتفاسير القرآنية لا يجوز الا من الكتب المتداولة لعدم الاعتماد على غيرها من وضع الزنادقة والحاق الملاحدة بخلاف الكتب المحفوظة فان نسخها يكون صحيحة متعددة،** یہ قاعدہ ان کتابوں کے لئے بھی ہے جس کا اتفاقیہ کوئی نسخہ کسی مسلمان کے پاس پایا جائے مگر وہ کتاب متداول نہ ہو تو جو کتاب مسلمانوں کے پاس بالکل نہ ہو محض عیسائیوں کے ذریعہ سے آئی ہو اس کا کیا اعتبار ہے۔

(النور ص ۹ ربیع الاولیٰ ۱۳۵۲ھ)

ضمیمہ از مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی دام فیضہم

حضرت اقدس مدظلہ العالی بعد تسلیمات کے عرض ہے، خدا حضور کو بعافیت رکھے خیریت سے مطمئن فرماویں (النور) بابت ربیع الاول ۱۳۵۲ھ ص ۹ میں تغیر کے متعلق سوال ہے جس کا حضور نے جواب مرحمت فرمایا ہے، تغیر کے متعلق وکیع بن الجراح نے اسمٰعیل بن ابی خالد سے روایت کی ہے اور اسمٰعیل اور وکیع گو بڑے پائے کے ہیں اور اسمٰعیل تابعی ہیں مگر بعد ان کے کون ہے اس کا پتہ نہیں اور کتنے راوی محذوف ہیں اس کا ٹھکانہ نہیں اور اس روایت پر اس قرن میں جو قرن تابعین کا ہے سخت انکار ہوا اور صدر ثانی میں جب از حد انکار ہوا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت محض بے اصل اور غلط ہے۔ (فی نسیم الریاض ص ۳۹۰ ج ۱)

شرح شفاء القاضي عياض لشهاب الخفاجي، وقد حرم الله جسده على الارض واحياه في قبره كسائر الانبياء عليهم الصلوة والسلام وقد رايت في بعض الكتب ان السلف اختلفوا في كفر من قال ان النبي ﷺ لما انتقلت روحه

للملأ الا علی تغیر بدنه وروی ان وکیع بن الجراح حدث عن اسمعیل بن ابی خالد ان رسول الله ﷺ لما توفی لم یدفن حتی ربابطنه وانثنی خنصره واخضرت اظفاره لانه ﷺ توفی یوم الاثنین و ترکه للیلة الاربعاء لاشغالهم بامر الخلافة واصلاح امر الامة وحکمته ان جماعة من الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم قالوا لم یمت فاراد الله ان یریهم اية الموت فیه، ولما حدث وکیع بهذا بمکة رفع الی الحاکم العثمانی فاراد صلبه علی خشبة لضبها له خارج الحرم فشفع فیه سفیان بن عیینة واطلقه ثم ندم علی ذلك ثم ذهب وکیع للمدینة فکتب الحاکم لا هلها اذا قدم الیکم فارجموه حتی یقتل فابرد له بعض الناس بریداا خبره بذلك فرجع للکوفة خیفة من القتل،وکان المفتی لقتله عبدالمجید بن ابی ارداد وقال سفیان لا یجب علیه القتل وانکر هذا الناس وقالو رأینا بعض الشهداء نقل من قبره بعد اربعین سنة فوجد رطبا لم یتغیر فیه شیئ فکیف بسید الشهداء والانبیاء علیه وعلیهم الصلوة والسلام۔وهذا زلة قبیحه لا ینبغی التحدث بها اهـ۔

ونیز چہار شنبہ کی شب تک لاش مبارک کو بے دفن چھوڑ نا غلط ہے، فی الطبقات لابن سعد ص ۳ ج ۳ وتوفی صلوات الله علیه یوم الاثنین (حین زاغت الشمس (ص ۱۳۰ ج ۲) ودفن یوم الثلاثاء حین زاغت الشمس اھ چوبیس گھنٹے میں معمولی لاشوں میں تغیر نہیں ہوتا ہے، فکیف بسید المرسلین ، اس غرض سے مقصود یہ ہے کہ اگر حضور والا پسند فرماویں تو ضمیمۂ جواب فرما کر شائع کرنے کا حکم فرماویں، النور میں اس مضمون کو دیکھ کر سخت پیچ وتاب میں تھا اوراس مضمون کو عرصہ ہوا میں نے دیکھا تھا مگر بعد تفحص ملتا نہ تھا کل بنام خدا دیکھا تو فوراً نکل آیا، الحمدلله علی هدایته، زیادہ حد ادب۔

۲۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ (النور ص ۹ جمادی الاولی ۱۳۵۲ھ)

ضمیمۂ ثانیہ از مولوی عبدالماجد صاحب دریا بادی

عبارت ذیل سیرۃ ابن ہشام میں مل گئی غسل کے موقع پر ولم یرمن رسول الله ﷺ شیئ مما یری من المیت، اب اس سے بڑھ کر صراحت اور کیا ہوگی پھر بلحاظ استناد بھی سیرۃ ابن ہشام کا پایہ طبقات ابن سعد سے کہیں بڑھا ہوا ہے، یہ کتاب خاص سیرۃ نبویہ ہی پر تحقیق

کر کے لکھی گئی ہے طبقات تو دراصل صحابہ وتابعین کی تاریخ ہے سوانح نبویہ محض ضمناً آ گئے ہیں پھر اسی سیرۃ ابن ہشام میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت علیؓ غسل دیتے جاتے تھے اور یہ الفاظ کہتے جاتے تھے **وعلی یقول بابی انت وامی ما اطیبك حیا و میتا**، اس سے بھی بڑھ کر ایک اور روایت خود صحابہ میں مل گئی، ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی غسل النبی ﷺ میں ہے **عن علی ابن ابی طالب قال لما غسل النبی ﷺ ذهب یلتمس منه مایلتمس من المیت فلم یجده فقال بابی الطیب طبت حیا وطبت میتا**، اب تو (طبقات کی) اس لغو روایت کی تردید میرے خیال میں بالکل واضح ہوتی جاتی ہے مناسب ہو تو اسے بھی بطور ضمیمہ النور میں درج فرما دیا جاوے۔ والسلام۔ (النور ص ۹ محرم ۵۴ھ)

جواز پشت نہ کردن بسوئے مقابر در بعض احوال

سوال (۷۱۸) بندہ نے حضور سے دریافت کیا تھا کہ عوام لوگ مقابر سے نکلتے ہوئے ادباً پشت نہیں کرتے ہیں آپ نے تحریر فرمایا کہ یہ ادب طبعی ہے یا اور بھی کوئی عقیدہ ہے بندہ عرض کرتا ہے کہ صرف ادب طبعی ہے اور کوئی عقیدہ نہیں، بینوا تو جروا؟

الجواب۔ اس حالت میں کچھ حرج نہیں بشرطیکہ ایسے عوام کے سامنے نہ ہو جن کے تجاوز عن الحدود کا احتمال ہو۔ والسلام۔ ۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ (تتمۂ خامسہ ص ۱۰)۔

تظلیل قبر بہ نیت حفظ اوز اہانت کفار

سوال (۷۱۹) یہاں قلعہ کی دیوار کے نیچے ایک قبر ہے جس کو یہاں کے ہندو مسلمان فتح پیر کا مزار کہتے ہیں اور یہ روایت بھی مشہور ہے کہ سابق رئیس کے وقت شاید کسی نے ادھر غیر ذبیحہ کی ہڈی یا اور کوئی ناپاک چیز پھینکدی تو رات کو رئیس کو (جو ہندو راجپوت ہیں) خواب میں صاحب قبر نے تنبیہ کی جس پر رئیس نے قبر کی چار دیواری بنوادی مگر چونکہ اوپر سائبان یا چھت نہیں ہے اور قبر کے اوپر ہی محل بنا ہوا ہے جس میں سے کوڑا کرکٹ یا مردار گوشت کی ہڈیاں یا شراب کے چھینٹے پڑنے کا احتمال ہے ریاست ہذا اس وقت زیر اہتمام کورٹ آف وارڈس ہے خرچ کے بجٹ میں چھ روپے سالانہ چراغی کے نام سے اور تین روپے فقیر کو اسی خدمت کے دیئے جانے درج ہو گئے مگر میں نے مندرجہ بالا بے ادبی کے بچاؤ کے لئے اوپر سائبان کرا دینے کے واسطے یہ رقم تین برس کی بچا کر رکھی ہے اب خیال آیا کہ نہ معلوم ایسا کرنے میں کوئی وبال

شرعی تو نہیں ہے اس لئے عرض ہے کہ اس بارہ میں جو حکم شرعی ہو ارشاد فرمایا جاوے اگر حفاظت کے لئے سائبان جست کی چادروں کا یا اور کسی قسم کا کر دینا جائز ہو جب تو یہ بنوا دیا جاوے اور آئندہ سالوں میں رقم چراغ بتی اور حق الخدمت فقیر میں صرف ہوتی رہے اور اگر یہ جائز نہ ہو تو جو رقم تین سال کی جمع ہے اس کو واپس ریاست میں جمع کرایا جاوے یا کہاں خرچ کی جاوے واپس جمع کرانے میں احتمال غالب ہے کہ آئندہ بجٹ میں ایسی رقم منظور نہ ہوگی کیونکہ جب پہلی ہی خرچ میں نہیں آئی تو پھر منظوری نہ ملے گی، بہر حال جیسا کہ حکم شرعی ہو عمل درآمد کیا جاوے تاکہ مجھ پر کوئی مواخذہ نہ رہے؟

الجواب۔ خصوصیت موقع سے آپ کی تجویز مناسب ہے حسن نیت سے گناہ نہ ہوگا بلکہ مصلحت حفاظت قبر من الاہانت کے سبب اجر ہے۔ ۸ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۶)

تحقیق کراہت نماز جنازہ در مسجد

سوال (۲۲۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین رحمہم اللہ تعالیٰ امور ذیل میں ......

(۱) نماز جنازہ ایسی صورت میں کہ جنازہ اور امام ومقتدی سب لوگ مسجد میں ہوں تو کیسی ہے؟

الجواب۔ مکروہ۔

(۲) اگر جنازہ اور امام مع چند مقتدیوں کے مسجد سے خارج ہے اور باقی لوگ مسجد میں ہیں تو ایسی صورت میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ مکروہ علی الارجح کما فی الشامی مگر صرف ان ہی کی جو مسجد میں ہیں۔

(تتمہ ۲) اگر جائز نہیں ہے مکروہ ہے تو یہ کراہت کیسی ہے، تنزیہی یا تحریمی؟

الجواب۔ اختلاف ہے۔

(۳) جن احادیث سے صلوٰۃ جنازہ فی المسجد مکروہ ثابت ہوئی ہے ان کے رواۃ کی سند کیسی ہے کیا اس میں کسی نے جرح کی ہے یا نہیں؟

الجواب۔ آثار السنن میں اس کی اسناد کو حسن کہا ہے اور اعلاء السنن میں زیادہ تفصیل ہے مگر اس کا مسودہ چھپنے گیا ہے ورنہ اس سے بھی نقل کیا جاتا اور جرح جس کا جواب دیدیا گیا ہو مضر نہیں اور جواز کی حدیث فعلی ہے اور عدم جواز کی قولی اور قولی کو فعلی پر ترجیح ہوتی ہے۔

(۴) سہیل ابن بیضاء رضی اللہ عنہ کے جنازے کی نماز جو مسجد میں ہوئی ہے وہ کس عذر سے تھی؟

الجواب۔ مختلف عذر نقل کئے گئے ہیں لیکن مطلق عذر یقینی ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کی ایسی درخواست پر صحابہ نے نکیر فرمایا اور اس حدیث کو ان سے سن کر بھی رجوع نہیں کیا (رواہ مسلم)۔

(۵) صلوٰۃ جنازہ فی المسجد میں دیگر ائمہ کا کیا مسلک ہے؟

الجواب۔ نووی نے شرح مسلم میں شافعی اور احمد حنبل اور بعض مالکیہ کا مذہب جواز کا لکھا ہے اور امام صاحب اور خود امام مالکؒ کا عدم جواز کا۔

(۶) مقابر اور شارع عام میں صلوٰۃ جنازہ کیسی ہے۔؟

الجواب۔ مقابر اور شارع عام میں اگر تنگی ہوتی ہو مکروہ ہے اور مقابر میں غیر صلوٰۃ جنازہ تو مکروہ ہے اور صلوٰۃ جنازہ کے کراہت کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس میں جب میت کا سامنے ہونا گوارا کرلیا تو قبر میں کیا حرج ہے، پھر بعض حالات میں خود صلوٰۃ علی القبر بھی مشروع ہے۔

(تتمہ ۶) اگر مجمع کثیر ہو اور کوئی جگہ سوا مسجد کے ایسی نہیں کہ جہاں پر یہ مجمع سما جائے تو ایسی صورت میں اگر جنازہ اور امام چند مقتدیوں کے ساتھ مسجد سے خارج ہو اور سب لوگ مسجد میں ہوں تو کیا یہ صورت اعذار میں شمار ہوسکتی ہے یا نہیں فقہاءؒ نے ایسی صورت کو کراہت سے مستثنیٰ کیا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ گنجائش نہ ہونا عذر ہے مگر میت کے مسجد میں ہونے سے مصلین کا مسجد میں ہونا اہون ہے

(۷) چونکہ نماز فرض کفایہ ہے ایسی صورت میں جبکہ مجمع زیادہ ہو اور سوائے مسجد کے اور کوئی جگہ اتنی وسیع نہ ہو کہ جس میں مجمع آجائے تو کیا اس مجمع میں سے چند آدمی صلوۃ جنازہ کے لئے منتخب کرلئے جاویں اور باقی کو روک دیا جائے یہ فعل کیسا ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ یہ فعل بے اصل ہے۔

(۸) آج کل مسجد حرام میں صلوۃ جنازہ کس جگہ ہوتی ہے؟

الجواب۔ مجھ کو معلوم نہیں لیکن اگر وہاں مسجد میں پڑھتے بھی ہوں تو اصل فعل یہ دوسرے مذہب والوں کا ہے اور ممکن ہے کہ مسئلہ کے مجتہد فیہ ہونے کے سبب احناف بھی شریک ہوجاتے ہوں تو اس فعل سے تمسک نہیں ہوسکتا۔ ۵ رجمادی الاولی ۱۳۵۳ھ (النور ص ۷ ماہ جمادی الاولی ۵۴ھ)

تحقیق آمدن ارواح بخانہ درشب

سوال (۷۲۱) فتاویٰ رشیدیہ حصہ دویم ص ۹۸ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مردوں کی روحیں شب جمعہ میں گھر نہیں آتیں یہ روایت غلط ہے اور اس کے خلاف نور الصدور ص ۱۶۸ پر بروایت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ شب جمعہ کو مومنوں کی روحیں اپنے اپنے مکانوں کے مقابل کھڑی ہوکر پکارتی ہیں کہ ہم کو کچھ دو اور ہر روح ہزار مردوں اور عورتوں کو پکارتی ہے روایت کیا اس حدیث کو شیخ ابن الحسن بن علی نے اپنی کتاب میں اب عرض یہ ہے کہ صحیح معاملہ شرعاً کیا ہے؟

الجواب۔ اول تو اس کی سند قابل تحقیق ہے، دوسرے بر تقدیر ثبوت مقید ہے، اِذن کے ساتھ اور حکم نفی دعویٰ عموم کے تقدیر پر ہے، پس دونوں میں تعارض نہیں۔

۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ (النور ص ۹ ماہ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ)

حکم دفن باللیل

سوال (۷۲۲) حضرت والا کیا فرماتے ہیں اس حدیث کے متعلق جو حسب ذیل موجود ہے لا تدفنوا امواتاکم باللیل الا ان تضطروا، حدیث ابن ماجہ کتاب الجنائز صفحہ ۱۱۰ باب ماجاء فی الاوقات التی لا یصلی فیھا علی المیت و لا یدفن اس حدیث کی رو سے میت کو رات میں دفنانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے لیکن موجودہ زمانہ میں کسی مقام پر بھی رات میں میت کو نہ دفنانا رائج نہیں اور نہ کسی علماء کرام سے سنا گیا، کیا اس حدیث کو عمل میں لایا جائے یا نہیں، اور فتاویٰ عالمگیری کی غالباً یہ عبارت ہے، لا باس بہ؟

۲۰/ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ۔

الجواب۔ الحدیث المذکور فی السوال ضعیف بابراھیم بن یزید نعم روی مسلم عن جابر بن عبداللہ ان النبی ﷺ خطب یوماً فذکر رجلا من اصحابہ قبض فکفن فی کفن غیر طائل وقبر لیلاً فزجر النبی ﷺ ان یقبر الرجل باللیل حتی یصلی علیہ الا ان یضطر انسان الی ذلک و قال النبی ﷺ اذا کفن احدکم اخاہ فیمسن کفنہ قال النووی قولہ ﷺ حتی یصلی علیہ ھو بفتح اللام واما النھی عن القبر لیلاً حتی یصلی علیہ فقیل سببہ ان الدفن نھا را یحضرہ کثیرون من الناس ویصلون علیہ ولا یحضرہ فی اللیل الاافراد، و قیل

لانهم كانوا يفعلون ذلك بالليل لردائة الكفن فلا يبين بالليل ويؤيده اول الحديث وآخره قال القاضي العلتان صحيحتان قال والظاهر ان النبي ﷺ قصدهما معاً قال وقد قيل قوله ﷺ الا ان يضطر انسان الى ذلك دليل انه لا باس في وقت الضرورة وقد اختلف العلماء في الدفن بالليل فكرهه الحسن البصري الا بضرورة وهذا الحديث مما يستدل له به قال جما هير العلماء من السلف والخلف لا يكره واستدلوا بان ابا بكر الصديقؓ وجماعة من السلف دفنوا ليلاً من غير انكارو بحديث المرأة السوداء اوالرجل الذي يقم المسجد فتوفي بالليل فدفنوه ليلاً وسألهم النبيؐ عنه فقالوا توفي ليلاً فدفناه في الليل فقال الا اذنتموني قالوا كانت ظلمة ولم ينكر عليهم و اجابو عن هذا الحديث ان النهي لمن ترك الصلوة ولم ينهه عن مجرد الدفن بالليل وانما نهى لترك الصلوة او لقلة المصلين او عن اسائة الكفن اوعن المجموع كماسبق اه وقال المحشي قوله حتى يصلي عليه الخ قال الإمام النووي يصلي هو بفتح اللام وقال الشيخ ابن حجر في شرح صحيح البخاري قوله يصلي عليه هو مضبوط بكسر اللام اى يصلي النبي ﷺ فهذا سبب اخر للنهي غير سبب عدم تحسين الكفن يقتضي انه ان رجي بتاخير الميت الى الصباح صلوة من ترجي بركته عليه استحب تاخيره والافلا وبه جزم الطحاوي اهـ۔

قلت وقد دفن (مبنيا للفاعل) النبي ﷺ بالليل كما في جمع الفوائد عن الترمذي انه ﷺ دخل قبراليلا فاسرج له سراج فاخذه من قبل القبلة معترضاً وقال رحمك الله ان كنت لاواها تلاءً للقران فكبر عليه اربعا وايضاً قد دفن (مبينيا للمفعول) النبي صلى الله عليه وسلم بالليل كما في جمع الفوائد عن القزويني انه دفن صلى الله عليه وسلم وسط الليل من ليلة الاربعاء الحديث وكان كل ذلك دليلاً فعليا على الجواز والدليل القولي عليه بل على كراهة انتظار النهار بلا ضرورة ما في جمع الفوائد عن ابي داؤد ان طلحة بن البراء لما مرض اتاه رسول الله ﷺ يعوده فقال لااراه الا قد حدث به الموت فاذنوني به وعجلوا فانه لا ينبغي لجيفة مسلم ان تحبس بين ظهراني اهله وبذلك كله قال فقهائنا كما في ردالمحتار ولذاكره تاخير صلا ته ودفنه ليصلي عليه جمع

عظیم بعد صلوۃ الجمعۃ و فی الدر المختار لا یکرہ الدفن لیلاً اھ۔

۲۲/ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ (النور ص ۱۰ شوال ۱۳۵۴ھ)

طریق ایصال ثواب اعمال

سوال (۷۲۳) ایصال ثواب دختر متوفاہ میں آنحضرت ﷺ کو بھی شریک کیا جاوے یا بلا شرکت صرف متوفاہ کا نام لیا جاوے اور درود شریف اول و آخر پڑھا جاوے، جونسا طریقہ افضل ہو اس سے حضرت مطلع فرماویں مثلاً یٰسین شریف پڑھ کر یہ کہا جاوے کہ اس کا ثواب آنحضرت ﷺ مع اصحاب کو پہنچے اور متوفاہ کو پہنچے (۲) ایصال ثواب بالاشتراک یا بالافراد (۳) اور مردہ کو جو ثواب پہنچتا ہے بلا شرکت ﷺ وہ مردہ اس ثواب کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا ہے جیسا کہ ہمرشتۂ مکتوب ملفوف میں لکھا ہے یہ حدیث سے ثابت ہے یا حضرت مجددؒ کا محض کشف ہے۔ بینوا توجروا؟

الجواب۔ مکتوبات کے متعلق جو تحقیق ذیل میں آتی ہے اس سے سب سوالوں کا جواب ہو جائے گا۔

نقل مکتوب

ازمکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ دفتر سوم (مکتوب نمبر ۲۸) اس بیان میں کہ مردوں کے ارواح کو صدقہ کرنے کی کیفیت کیا ہے ملا صالح ترک کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، ایک دن خیال آیا کہ اپنے قریبی رشتہ دار مردوں میں سے بعض کی روحانیت کے لئے صدقہ کیا جائے، اس اثناء میں ظاہر ہوا کہ اس نیت سے اس میت مرحوم کو خوشی حاصل ہوئی اور خوش وخرم نظر آئی جب اس صدقہ کے دینے کا وقت آیا پہلے حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے اس صدقہ کی نیت کی جیسی کہ عادت تھی................ بعد ازاں اس میت کی روحانیت کے واسطے نیت کر کے دیدیا اس وقت اس میت میں ناخوشی اور اندوہ محسوس ہوا اور کلفت و کدورت ظاہر ہوئی، اس حال سے بہت متعجب ہوا اور ناخوشی اور کلفت کی کوئی وجہ ظاہر نہ ہوئی، حالانکہ محسوس ہوا کہ اس صدقہ سے بہت برکتیں اس میت کو پہنچی ہیں لیکن خوشی اور سرور اس میں ظاہر نہیں ہوا۔ اسی طرح ایک دن کچھ نقدی آنحضرت ﷺ کی نذر کی اور اس نذر میں تمام انبیاء کرام کو بھی داخل کیا اور ان کو آنحضرت

ﷺ کا طفیل بنایا، اس امر میں آنحضرت ﷺ کی مرضی و رضا مندی معلوم نہ ہوئی، اسی طرح بعض اوقات جو میں درود بھیجتا تھا اگر اسی مرتبہ میں تمام انبیاء پر بھی درود بھیجتا تو اس میں آنحضرت ﷺ کی مرضی ظاہر نہ ہوتی حالانکہ معلوم ہو چکا ہے کہ اگر ایک کی روحانیت کے لئے صدقہ کر کے تمام مومنوں کو شریک کرلیں تو سب کو پہنچ جاتا ہے اور اس شخص کے اجر سے کہ جس کی نیت پر دیا جاتا ہے کچھ کم نہیں ہوتا، ان ربك واسع المغفرة (بے شک رب تیرا بڑی بخشش والا ہے) اس صورت میں ناخوشی اور ناراضگی کی وجہ کیا ہے، مدت تک یہ مشکل بات دل میں کھٹکتی رہی آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہوا کہ ناخوشی اور کلفت کی وجہ یہ ہے کہ اگر صدقہ بغیر شرکت کے مردہ کے نام پر دیا جائے تو وہ مردہ اپنی طرف سے اس صدقہ کو تحفہ اور ہدیہ کے طور پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے جائے گا اور اس کے وسیلہ سے برکات و فیوض حاصل کریگا اور اگر صدقہ دینے والا خود آنحضرت ﷺ کی نیت کرے گا تو میت کو کیا نفع ہوگا شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو میت کو صرف اسی صدقہ کا ثواب ملے گا اور عدم شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو اس صدقہ کا ثواب بھی ملے گا اور اس صدقہ کے تحفہ اور ہدیہ کرنے کے فیوض و برکات بھی حبیب رب العالمین علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس سے پائے گا اسی طرح ہر شخص کے لئے کہ جس کو شریک کریں یہی نیت موجود ہے کہ شرکت میں ایک درجہ ثواب ہے اور عدم شرکت میں دو درجہ کہ اس کو مردہ اپنی طرف سے اس کے پیش کر سکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہدیہ و تحفہ جو کوئی غریب کسی بزرگ کی خدمت میں لے جائے بغیر کسی کی شراکت کے اگرچہ طفیلی ہو تو اس تحفہ کا خود پیش کرنا بہتر ہے یا شرکت کے ساتھ کچھ شک نہیں کہ بغیر شرکت کے بہتر ہے اور وہ بزرگ اپنے بھائیوں کو اپنے پاس سے دیدے تو اس بات سے بہتر ہے کہ یہ شخص بے فائدہ دوسروں کو داخل کرے، اور آل و اصحاب جو آنحضرت ﷺ کے عیال کی طرح ہیں ان کو جو طفیلی بنا کر آنحضرت ﷺ کے ہدیہ میں داخل کیا جاتا ہے پسندیدہ اور مقبول نظر آتا ہے ہاں متعارف ہے کہ ہدیات مرسولہ میں اگر کسی بزرگ کے ساتھ اس کے ہمسروں کو شریک کریں تو اس کے ادب و رضا مندی سے دور معلوم ہوتا ہے اور اس کے خادموں کو طفیلی بنا کر ہدیہ بھیجیں تو اس کو پسند آتا ہے کیونکہ خادموں کی عزت اسی کی عزت ہے، پس معلوم ہوا کہ زیادہ تر مردوں کی رضا مندی صدقہ کے افراد میں ہے نہ صدقہ کے اشتراک میں لیکن چاہئے کہ جب میت کے لئے صدقہ کی نیت کریں تو اول آنحضرت ﷺ کی نیت پر ہدیہ جدا کرلیں، بعد ازاں اس میت کے لئے صدقہ کریں کیونکہ آنحضرت ﷺ کے حقوق دوسرے کے حقوق سے بڑھ کر

ہیں اس صورت میں آنحضرت ﷺ کے طفیل اس صدقہ کے قبول ہونے کا بھی احتمال ہے، یہ فقیر مردوں کے بعض صدقات میں جب نیت کے درست کرنے کے لئے اپنے آپ کو عاجز معلوم کرتا ہے تو اس سے بہتر علاج کوئی نہیں جانتا کہ اس صدقہ کو آنحضرت ﷺ کی نیت پر مقرر کردے اور اس میت کو ان کا طفیلی بنائے امید ہے کہ ان کے وسیلہ کی برکت سے قبول ہو جائے گا علماء نے فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ وسلم کا درود اگر ریا وسمعہ سے بھی ادا کیا جائے تو مقبول ہے اور آنحضرت ﷺ تک پہنچ جاتا ہے اگر چہ اس کا ثواب درود بھیجنے والے کو نہ ملے کیونکہ اعمال کا ثواب نیت کے درست کرنے پر موقوف ہے اور آنحضرت ﷺ کے قبول کے لئے جو مقبول ومحبوب ہیں بہانہ کافی ہے۔ آیت کریمہ وکان فضل الله علیك عظیما۔ آنحضرت ﷺ کی شان میں نازل ہوئی ہے علیه وعلی اٰله الصلوة وعلی جمیع اعوانه الکرام من الانبیاء والعلماء العظام الی یوم القیام۔

تحقیق متعلق مکتوب

اس مکتوب کے مضمون کی بناء کوئی منقول نہیں غایت مافی الباب ایک کشف ہوسکتا ہے اور وہ بھی صرف اول کا حصہ یعنی شرکت میں سرور نہ ہونا، باقی آخر کا حصہ یعنی ناخوشی کی وجہ یہ محض ذوق معلوم ہوتا ہے جو اصطلاحی کشف نہیں اور اگر اس میں داخل بھی ہو ایسے واقعات میں بالکل ادنیٰ درجہ کا کشف ہے اور کشف کسی درجہ کا بھی حجت نہیں خصوص غیر صاحب کشف کے لئے اس کی رعایت واتباع کسی درجہ میں بھی مطلوب نہیں خصوص جب ذوق بھی ذوق کو نہ لگے کیونکہ ہدیہ پیش کرنا شرکت میں بھی ممکن ہے اپنا حصہ پیش کر سکتے ہیں، اگر عدم سرور کے انکشاف کو صحیح بھی مان لیا جاوے تو اس کی بناء غالباً دوسری ہے اور وہ موقوف ہے ایک مقدمہ پر وہ یہ ہے کہ بعض امور طبعیہ بعد وفات بھی باقی رہتے ہیں، چنانچہ حدیث عروج روح اور دوسری ارواح کا استقبال اور ان کا اس سے متخلفین کا حال پوچھنا اور پھر کسی روح کا یہ کہنا کہ ذرا اس کو دم لینے دو یہ سب دلیل ہے اس دعویٰ کی، جب یہ مقدمہ معلوم ہو گیا تو سمجھئے کہ یہ امر طبعی ہے کہ کوئی چیز بڑے اور چھوٹے کو شرکت میں دی جائے تو چھوٹا آدمی اس کی تقسیم میں شرماتا ہے اسی طرح وہاں ممکن ہے اسی طرح بڑا شخص اگر دوسرے شرکاء کا احترام بڑوں کا سا کرتا ہو وہ بھی ان کو اپنا طفیلی بناتا ہوا شرماتا ہے اور جن کے ساتھ تعلق خادمیت ومخدومیت جیسا ہے جیسے اپنے اتباع ان کے طفیلی بنانے سے بھی نہیں شرماتا مگر ہنوز اس امر طبعی کا وقوع برزخ میں خود ثابت نہیں اس لئے میرے نزدیک

ایسے امور کسی درجہ میں بھی لحاظ کے قابل نہیں، پس جس طرح دل چاہے ایصال کرے خواہ کسی عزیز کو ایصال ثواب کرنے کے وقت حضور ﷺ کو شریک کرے یا نہ کرے، اور درود شریف دعاء کے آداب سے ہے تلاوت کے آداب سے نہیں، اور ایصال ثواب کی کسی صورت کی ترجیح دوسری صورت پر کسی دلیل سے ثابت نہیں اور نہ یہ کہیں ثابت ہے کہ مردہ اپنا ثواب حضور اقدس ﷺ کے حضور میں پیش کرتا ہے، اس سے سب سوالات کا جواب ہو گیا۔

۲۵ ربیع الثانی ۵۴ھ (النور ص ۷ ربیع الاول ۵۵ھ)۔

طریق ایصال ثواب اعمال

سوال (۷۲۴) کوئی عمل خیر کر کے اس کا ثواب مردوں کو بخشنا جس کو عرف عام میں ایصال ثواب کہا جاتا ہے اس کا کوئی طریقہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے یا نہیں اور اس کا کوئی دستور رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یا عہد خلفائے راشدینؓ میں تھا یا نہیں اگر تھا تو کیا تھا؟

الجواب۔ کہیں نظر سے نہیں گزرا البتہ فقہاء نے اس سے تعرض فرمایا ہے چنانچہ علامہ شامی نے درمختار کی بحث زیارۃ القبور تحت قول و یقرأیٰسین شرح اللباب سے نقل کیا ہے، **ویقرأ من القران ما تیسر له الی قوله ثم یقول اللھم اوصل ثواب ماقرأ ناه الی فلان او الیھم اھ**۔ (ص ۹۶۳ ج ۱) اس کی ایسی نظیر ہے جیسے نماز کی لفظی نیت سلف سے منقول نہیں مگر فقہاء نے اس کو مستحسن کہا ہے اسی طرح اس کا حکم بھی ہے بس یہ صیغہ نہ ضروری ہے نہ بدعت ہے واللہ اعلم۔ ۱۲ رشعبان ۵۴ھ (النور ص ۷ شوال ۵۵ھ)

حکم ایصال ثواب بتعین ایام

سوال (۷۲۵) سال کے اکثر حصوں میں بزرگوں کی ارواح کے ایصال ثواب کے لئے لوگوں کو جمع کر کے بلا کسی خاص انتظام و اوقات متعینہ کے قرآن شریف پڑھا جاوے تو جائز ہے تو اپنے دوست و احباب کو شمولیت کے لئے کہنا کیسا ہے؟

الجواب۔ یہ تداعی ہے غیر مقصود کے لئے جو بدعت اور مکروہ ہے۔

۶ رجمادی الاولی ۱۳۵۴ھ (النور ص ۷ ربیع الثانی ۵۵ھ)

عدم جواز نقل میت از قبر بوجہ خواب

سوال (۷۲۶) یہاں پر ایک مدرس صاحب نے ایک عرصہ ہوا خواب دیکھا تھا اس

خواب کا مختصر استفسار طلب مضمون پیش کر کے طالب جواب ہوں، وہ خواب یہ ہے ان کی والدہ مرحومہ خواب میں اپنے بیٹے سے فرماتی ہیں کہ تم میری قبر برکت علی کی والدہ کے پاس کردو یہاں پر میری قبر کے پاس سے سانپ بکثرت نکل کر میرے قریب کی قبر میں جاتے ہیں مجھے وہ سانپ ستاتے نہیں تو کیا معذب مردہ کی قریب و جار کی مردہ ماموں ومحفوظ کو اطلاع ہوتی ہے مشاہدۂ ہوتا ہے صورت مشاہدہ عذاب میں تو عیش آرام مکدر ہو جاتا ہے یہ بھی ایک عذاب ہے۔

الجواب۔ خواب خود حجت شرعیہ نہیں خصوص جب خلاف شرع ہو اور بلا ضرورت شرعیہ مردہ کا قبر سے نکالنا خود ناجائز ہے تو جس خواب میں اس کی تعلیم ہو وہ خواب خود باطل ہے اور مردے ان قبروں میں تھوڑا ہی رہتے ہیں جو حساً متلاصق ہیں وہ تو عالم برزخ میں ہیں جس میں معذب اور ناجی کا موطن جدا جدا ہے ایک کا اثر دوسرے کو نہیں پہنچتا۔

۱۰ر ۵۴ھ جلد اول (النورص ۷ ربیع الثانی ۵۵ھ)۔

ولد الزناء من مسلم اوکافر پر نماز پڑھی جائے گی یا نہیں

سوال (۷۲۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ ولد الزنا من مسلم وکافر او نصرانیۃ بچپن میں مرجائے تو اس بچہ کی تجہیز وتکفین وصلوٰۃ جنازہ مسلمانوں کی طرح کی جائے گی اور اپنی تائید میں علامہ شامی کی تقریر شامی جلد ثانی ص ۵۴۸ باب نکاح الکافر پیش کرتا ہے جو حسب ذیل ہے:-

(والولد یتبع خیر الابوین دینا)

تنبیہ......یشعر التعبیر بالابوین اخراج ولد الزنا ورأیت فی فتاوی الشهاب الشلبی قال واقعة الفتویٰ فی زماننا مسلم زنی بنصرانیةفاتت بولد فهل یکون مسلما اجاب بعض الشافعیة بعدمه و بعضهم بإسلامه وذکران السبکی نص علیه وهو غیر ظاهر فان الشارع قطع نسب ولد الزنا و بنته من الزانی تحل له عندهم فکیف یکون مسلماً وافتی قاضی القضاة الحنبلی باسلامه ایضاً و توقفت عن الکتابة فانه وان کان مقطوع النسب عن ابیه حتی لا یرثه فقد صرحوا عندنا بان بنته من الزنا لاتحل له وبانه لا یدفع زکاته لابنه من الزنا ولا تقبل شهادته له والذی یقوی عندی انه لا یحکم بإسلامه علی مقتضی مذهبنا وانما اثبتوا الاحکام المذکورة احتیاطاً نظر الحقیقة الجزئیة

بینهما اھ قلت يظهر في الحكم بالإسلام للحديث الصحيح كل مولود يولد على الفطرة حتى يكون ابواه هما اللذان يهودانه او ينصرانه فافهم قالوا انه جعل اتفاقهما نا قلا له من الفطرة فاذا لم يتفقا بقي على اصل الفطرة او على ماهو اقرب اليها حتى لو كان احدهما مجو سياً والأخر كتابيًا فهو كتابي وهناليس له ابوان متفقان فيبقى على الفطرة ولا نهم قالوا ان الحاقه بالمسلم منهما او بالكتابي انفع له ولا شك ان النظر لحقيقة الجزئية انفع له وايضاً حيث نظر والجزئية في تلك المسائل احتياطاً فلينظر اليها هنا احتياطاً ايضاً فان الاحتياط بالدين اولى ولان الكفرا قبح القبيح فلا ينبغي الحكم به على شخص بدون امر صريح ولا نهم قالوا في حرمة بنته من الزنا ان الشرع قطع النسبة الى الزاني لما فيها من اشاعة الفاحشة فلم يثبت النفقة والإرث لذلك وهذالاينفي النسبة الحقيقة لان الحقائق لامرد لها فمن ادعى انه لابد من النسبة الشرعية فعليه البيان۔

عمرو کہتا ہے کہ یہ صرف علامہ شامی کی رائے ہے کوئی فقہی مسئلہ مصرح نہیں ہے خود علامہ شامی اقرار فرماتے ہیں کہ علی مقتضی مذہبنا اور قواعد شرعیہ کی رو سے وہ ولد مسلمان نہیں قرار دیا جائے گا اور یہ کہتا ہے کہ خود علامہ کے دلائل میں کلام ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

(۱) کل مولود يولد على الفطرة الخ ،اس حدیث پر علامہ شامی نے جو تقریر کی ہے اس میں لفظ ابوین ہے (اور خود علامہ شامی اوپر والولد يتبع خير الابوين ديناً کے تحت میں يشعر التبعية بالابوين اخراج ولد الزنا فرما چکے ہیں فكذلک في الحديث تو ولد الزنا کے لئے کسی حکم کا اس حدیث سے استنباط صحیح نہیں ہے۔

(۲) حدیث مذکور سے اتفاق الوالدین علی مذہب واحد نہیں نکلتا نیز عند عدم اتفاق الوالدین علی مذہب واحد کا کیا حکم ہے اس سے حدیث ساکت ہے اس لئے اصل فطرت یا الی ماہوا قرب الیہا کی طرف نقل کرنے کے لئے کسی خارجی دلیل کی ضرورت ہے (فاين البرهان)۔

(۳) فقہاء رحمہم اللہ نے انفع کے ساتھ الحاق کا جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی نکاح کی صورت میں ہے نہ کہ ولد الزناء کے لئے بلکہ ولد الزناء کے لئے عامۂ فقہاء رحمہم اللہ تصریح فرماتے ہیں، نیز علامہ شامی خود اقرار فرماتے ہیں کہ ولد الزناء کی نسبت اس کی ماں کی طرف ہوگی (فاين هذا بذاک)

(۴) اگر چہ زانی بچہ کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے مگر فی الواقع حقیقت جزئیت مدعی کی خصوصاً زنا میں مشکوک فیہ ہے بخلاف زانیہ کے کہ وہ اس کی ماں یقینی ہے (وھذا امر صریح) اورعمرو اپنے دلائل میں حسب ذیل امور پیش کرتا ہے:۔

(۱) شرع نے ولد الزناء کی نسبت کو زانی سے منقطع شمار کیا ہے اور اسی لئے زانی کے مال میں سے اسے ارث یا نفقہ نہیں دیا جائے گا، ہاں زانی کے لئے بنت من الزنا کو احتیاطاً حرام کہا ہے صرف اس واسطے کہ اس میں اشاعت فاحشہ ہے تو خود ایک مدعی اسلام غیر مسلمہ کے ساتھ ساری عمر بلا نکاح کے زنا کرتا رہے اور اس کے بچوں پر اسلام کا حکم لگا کر مسلمانوں کا سا معاملہ ہوتا رہے تو اس سے نہ تو زانی کو عبرت ہو نہ مزنیہ کو مسلمان بنا کر نکاح کی توفیق ہو اور نہ خود زانی کو اپنے فعل شنیع کا خیال تک گزرے تو یہ تو اقبح القبیح اور افحش الفواحش ہے اس میں تو اور بھی مزید احتیاط کی ضرورت ہے۔

(۲) عامۂ فقہاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ولد الزناء کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی جائے گی اگر اس کی ماں مسلمہ ہے تو تبعاً لہا وہ بھی مسلم اور اگر اس کی ماں کافرہ ہے تو وہ بھی اس کا تابع رہے گا۔

(۳) زانی اور زانیہ کی عبرت کے لئے یہ ضروری ہے کہ ولد الزناء کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ نہ کیا جاوے ورنہ انہیں افحش الفواحش کی اور مزید جرأت ہوگی اور اپنے فعل قبیح کے ترک کرنے اور زانیہ کو مسلمان بنا کر نکاح کرنے کا خیال تک نہ گزرے گا جو اقبح القبیح ہونے کے ساتھ اسلام کا مذلل اور محقر ہے اور قطع نسبت من الزانی کی صورت میں اگر طریق مستقیم پر چلنے کے لئے مجبور کیا جائے تو سارے کنبے کے لئے فلاح دارین یقینی ہے۔

(۴) نیز عمرو حضرت مولانا عبد الحی صاحبؒ کا یہ فتویٰ اپنی دلیل میں پیش کرتا ہے جو حسب ذیل ہے۔

سوال۔ مسلمان مرد اور کافرہ عورت سے یا کافر مرد اور مسلمان عورت سے بذریعہ زنا لڑکا یا لڑکی پیدا ہو کر قبل بلوغ یا بعد بلوغ مرجائے تو ان کی تجہیز و تکفین کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ بلوغ کے بعد اگر وہ ایمان لائیں تو مسلمانوں کی طرح ان کی تجہیز و تکفین ہوگی ورنہ کفار کی طرح اور بلوغ کے پہلے وہ ماں کے تابع ہیں کیونکہ ولد الزناء کا نسب زانیہ سے ثابت ہوتا ہے نہ زانی سے اور بحر وغیرہ میں ہے۔ **هو تابع لاحد ابويه الى البلوغ مالم يحدث إسلاما وهو**

ممیز، وہ اپنے ماں باپ میں سے سن بلوغ تک ایک کا تابع رہے گا یہاں تک کہ وہ سن تمیز کو پہنچ کر اسلام ظاہر کرے پس جب تک وہ ایام تمیز میں اسلام نہ لائے گا ماں کے تابع رہے گا۔

(حررہ محمد عبدالحی مجموعۃ الفتاویٰ جلداول باب التجہیز والتکفین ص ۳۶۸)

یہ معلوم رہے کہ یہاں پر بہت سے مدعیان اسلام اس فعل شنیع کے مرتکب ہیں اور انہیں قطعاً دین کی طرف توجہ نہیں ہے اور نہ انہیں اپنے کرتوت کا احساس ہے نہ کسی کو نکاح کی پرواہ اور نہ کفر کا خیال اگر ان کی اولاد کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جائے تو مزنیہ کو مسلمان بنا کر نکاح کرنے کی طرف کوئی شے داعی نہیں ہے، امید ہے کہ آپ بالتفصیل جواب ارسال فرما کر ممنون فرمائیں گے یہاں پر دوطرفہ رائیں ہیں زید حق بجانب ہے یا عمرو یا دونوں، نیز اگر عمرو نے مذکورۂ بالا دلائل کی رو سے عدم اسلام کا فتویٰ دیا تو آثم تو نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب...... مسئلہ بالکل ظاہر ہے حدیث **الولد للفراش وللعاهر الحجر،** دلالت میں قطعی ہے نص کے ہوتے ہوئے خود قیاس ہی کوئی چیز نہیں چہ جائے رائے محض، اگر کسی کو شبہ ہو کہ حدیث مذکور کے مقابلہ میں دوسری حدیث میں ہے **كل مولود يولد على الفطرة** اس کا جواب ظاہر ہے کہ خود فطرت کے معنی میں دو احتمال ہیں اسلام یا استعداد اسلام والثانی **اقرب لحديث ابى داؤد كل مولود يولد على الفطرة و فيه قالوا يا رسول الله افرأيت من يموت وهو صغير قال الله اعلم بما كانوا عاملين ۔ج ۲ باب في زرارى المشركين من كتاب السنة فلوكان معنى الفطرة الإسلام لما توقف ﷺ في حكمهم لان الشيئ اذا ثبت ثبت بلوازمه ومن لوازم الإسلام الحكم بدخول الجنة و في مجمع البحار يريد انه يولد على نوع من الجبلة والطبع المتهيئ لقبول الدين الخ۔**

اور اگر اقرب بھی نہ ہو تب بھی اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال، تو محتمل معارض نہیں ہوسکتا قطعی کا، اور جو مصالح حکم بالاسلام کے لکھے ہوئے ہیں اول تو رائے محض ہے دوسرے اس حکم بالاسلام میں مفاسد بھی ہیں جو سوال میں مذکور ہیں، فاذاتعارضا تساقطا، اب مدار حکم محض نص رہ گئی وقدمر تقریر النص واللہ اعلم۔ ۸ رجب ۵۴ھ۔

نوٹ ...... ایک سوال و جواب ایسے بچہ کی نماز کے متعلق لکھا گیا ہے جس کے ابوین کافرین نے کسی مسلمان کو پرورش کے لئے دیدیا وہ ۹ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ کا لکھا ہوا اور النور شوال ۵۴ھ ص ۸ تا ص ۱۰ میں طبع ہوا ہے۔ (النور ص ۷ شعبان ۵۵ھ)

رسالۃ الصلوۃ علی المیت الصبی المتولد بین مسلم و کافرۃ بغی

السوال...... حضرت مخدومنا مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اپنی جماعت کے علماء میں ٹرانسوال جنوبی افریقہ میں اولاد الزناء (من الکافرۃ) کے مسلم ہونے میں اختلاف ہوا اس کے متعلق جناب مولوی اسمعیل گارڈی صاحب نے مختلف جگہ سوالات روانہ کئے تھے اور یہ کام بندہ کے سپرد کیا تھا ہر دو جانب کے دلائل لکھ کر انہوں نے سوال یہاں بندہ کے پاس بھیجد یا تھا بندہ نے ان کی تحریر کے مطابق مختلف علماء کی خدمت میں سوال روانہ کئے تھے نصف کے قریب جوابات آ گئے اور دوسری جگہ سے جوابات ابھی تک نہیں آئے شاید بعد میں آویں، چونکہ دونوں جانب دلائل ہیں اور دونوں گروہ مختلف جیسے وہاں ہو گئے یہاں بھی مختلف ہو گئے اس لئے میں نے ٹرانسوال مولوی اسمعیل گارڈی صاحب کے پاس لکھا کہ میں ان سب جوابوں کو بھیجدوں یا کسی بڑے عالم سے محاکمہ کرا کر بھیجدوں انہوں نے محاکمہ کے لئے آپ کی خدمت میں بھیجدینے کے لئے لکھا اس لئے بندہ ہر دو جانب کی تحریریں آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہے، حضور عالی کی خدمت میں عرض ہے کہ تکلیف فرما کر محاکمہ تحریر فرمائیں گے اللہ سبحانہ تعالیٰ اجر عنایت فرماوے گا۔ نیز ایک فریق میں بندہ بھی ہے بندہ نے بھی اس کے متعلق جواب لکھا تھا اور ایسے بچوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھنا چاہئے یہی خیال تھا لیکن دوسری جانب بڑے بڑے علماء کی تحریریں اور دلائل دیکھ کر اب یہی خیال آتا ہے کہ دوسری جانب حق ہے خصوص مولانا محمد اسحق صاحب بردوانی اور مدرسہ الباقیات الصالحات کے مفتی صاحب اور مولانا محمد حسین صاحب مرادآبادی قاضی بھوپال اور ریاست ٹونک کے مفتی صاحب کی تحریریں دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا اس لئے محاکمہ ہو جانے سے حضور عالی کی تحریر سے بندہ کو بھی حق راستہ معلوم ہو جائے گا، اور افریقہ میں بھی ان شاء اللہ حضور عالی کے محاکمہ سے اختلاف باقی نہ رہے گا۔

الجواب...... مشفقی مکرمی دامت فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

صحیفۂ محبت مع کاغذات جوابات استفتاء پہنچا، گو مجھ کو نہ ہجوم اشغال سے فرصت نہ ضعف اضمحلال سے مراجعت کتب کی قوت، مگر امتثال امر کی نیت سے کاغذات لے کر بیٹھا تو میری

استعداد سے زیادہ کچھ ہمت وتوفیق عطا فرمادی گئی اور سب کاغذات دیکھ لئے گئے اگرچہ تعمق سے نہیں دیکھ سکا مگر وہ نظر سرسری سے کچھ بڑھی ہوئی تھی جن کاغذات پر نظر کی گئی ان کی مجمل فہرست یہ ہے۔

(۱) جواب:- مفتی صاحب راندیر ضلع سورت۔

(۲) جواب:- علماء مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

(۳) جواب:- دارالافتاء حسینیہ راندیریہ۔

(۴) جواب:- مدرسۂ امینیہ دہلی۔

(۵) جواب:- جامع العلوم کانپور۔ ان جوابات میں عمرو مانع صلوٰۃ کو ترجیح دی گئی ہے۔

(۶) جواب:- مدرسہ یوسفیہ مینڈو ضلع علی گڑھ۔ اس جواب میں زید مجوز صلوٰۃ وعمرو مانع صلوٰۃ کے قول کے بین بین کچھ تفصیل کی گئی ہے۔

(۷) جواب:- مدرسۂ معین الاسلام ہاٹ ہزاری ضلع چاٹگام۔

(۸) جواب:- مدرسۂ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف۔

(۹) جواب:- دارالعلوم دیوبند۔

(۱۰) جواب:- مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی

(۱۱) جواب:- مدرسہ باقیات صالحات ویلور علاقہ مدراس۔

(۱۲) جواب:- عدالت شرع شریف صدر ریاست اسلام ٹونک جس میں یہ عبارت بھی ہے بعض شوافع بھی اسلام ابن الزناء کے قائل ہیں اور قاضی القضاۃ حنابلہ نے تو اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

(۱۳) جواب:- قاضی ریاست بھوپال ان سب میں زید مجوز صلوٰۃ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے، میں اس باب میں اس کے قبل بھی کچھ مختصر کہہ چکا ہوں ان جوابات کے دیکھنے کے بعد بھی میری رائے نہیں بدلی نہ مجھ کو تردد ہوا، زید کے قول کو جن حضرات نے ترجیح دی ہے انہوں نے کوئی روایت جزئیہ یا کلیہ مذہب کی نقل نہیں کی محض قیاس واستنباط سے کام لیا ہے جو غیر مجتہد کا حق نہیں اس لئے میں عمرو کے قول کو صحیح سمجھتا ہوں اور اپنا جواب مذکور مرقوم ۸ رجب ۵۴ھ بعنوان فتویٰ اول نقل کرتا ہوں (فی الحال امدادالفتاویٰ قلمی سے نقل کر دیا گیا امید ہے کہ یہ جواب رسالہ النور بابت رجب ۵۵ھ میں تقریباً یا اس سے ایک رسالہ مقدم یا مؤخر شائع ہو جائے گا) ایک بناء ترجیح قول زید کی اس بچہ کا مسلمان کی پرورش میں ہونا بھی محتمل تھی اس کے متعلق بھی اپنا ایک جواب مرقوم ۹ رذی الحجہ ۵۳ھ بعنوان فتویٰ ثانی نقل کرتا ہوں (یہ جواب النور شوال

۵۴ھ ص ۸ تا ص ۱۰ میں شائع ہو چکا ہے اس سے زیادہ مجھ کو مفصل ومطول ومکمل کلام کرنے کی نہ فرصت نہ قوت جیسا اوپر بھی یہی عذر کیا گیا ہے، البتہ ٹونک کے فتوی میں جو بعض شوافع وحنابلہ کے اقوال سے استدلال کیا گیا، مفتی صاحب سے مکرر مراجعت کی جاوے اگر یہ قول مجتہد کا ہے تو حنیفہ کو مواقع ضرورت ومصلحت میں اس پر عمل کرنا جائز ہے اور اگر وہ علماء مقلدین کا ہے تو اس کا مرتبہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے مقلدین کے قول کا۔

اور چونکہ یہ تحریر اس مسئلہ خاص میں ایک اہم درجہ میں مفید اور جامع ہے اس لئے اس کا ایک مستقل لقب بھی تجویز کرتا ہوں، **الصلوة علی المیت الصبی المتولد بین مسلم و کافرة بغی** (اگر کوئی صاحب اس کو مع اوپر کے سب فتاویٰ کے [1] شائع کر دیں تو امید نفع کی ہے) یہ لقب معظم مقصود یعنی فتویٰ اول کے مضمون کی بناء پر رکھا گیا ہے کیونکہ فتویٰ ثانی تو محض استطرادی ہے واللہ اعلم۔

۲۹ر صفر ۵۵ھ النور ذیقعدہ ۵۵ھ۔

روپیہ دادن ہندو وارث میت را بغرض اہتمام ایصال ثواب

سوال (۷۲۸) میرے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے اس کا ایک شاگرد ہندو ہے اس نے پانچ روپیہ دیئے ہیں کہ اپنے بھائی کو قرآن پڑھوا کر بخشوا دو کیا کرنا چاہئے۔

الجواب۔ وصول ثواب کے لئے اس عمل پر اول عامل کو ثواب ملنا شرط ہے اور ثواب ملنے کے لئے ایمان شرط ہے پس غیر مومن کے اس عمل یعنی اعطاء وانفاق کا ثواب تو پہنچ نہیں سکتا اور اگر قرآن خوانی کے ثواب کا پہنچنا محتمل ہو تو طے ہو چکا ہے کہ جو قرآن اجرت پر پڑھا جاتا ہے اس کا ثواب بھی نہیں ملتا ہے پس صورت مسئولہ میں اگر اس شاگرد کو زیادہ اصرار ہو تو صرف یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ وہ شخص یہ پانچ روپیہ کسی مسلمان کی ملک کر دے اور وہ اگر چاہے روپیہ کسی مستحق کو دے کر اس کا ثواب اس میت کو پہنچا دے لیکن بعد ملک ہو جانے کے اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ روپیہ کسی کو نہ دے۔ (۲۷ر جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ حوادث الفتاویٰ حصہ ثالثہ ص ۱۴۱)

جواب استدلال القاء آلات کندن قبر پائیں قبر واستدلال بر حرمت مادر مخطوبہ

سوال (۷۲۹) بعض مواضع میں بعد دفن میت کے آلات کھودنے کے قبر کے سر سے پاؤں کی طرف ڈالتے ہیں، اور ایک پشتو کے گمنام رسالہ دو ورقہ میں یہ حدیث لکھی ہے **لقولہ**

---

(۱) اگر ایسا اتفاق ہو تو فتویٰ اول وفتویٰ ثانی کو بجائے حوالہ کے بعینہ نقل کر دیں۔ اشرف علی۔

علیه السلام من رش الماء علی القبر من الراس الی الرجل والقی آلته حفر بها القبرا منه الله من عذاب القبر، صدہا کتب فقہ وحدیث وتفاسیر وسیر میں یہ حدیث بتدبر دیکھی گئی مگر کہیں پتہ نہ چلا بعض لوگ خزانۃ الرواۃ کی طرف نسبت کرتے ہیں جناب کی رائے کیا ہے یہ فعل درست ہے یا کہ بدعت سیئہ اور یہ حدیث کہیں نظر فیض اثر سے گزری ہے یا نہیں اس کو موضوع کہیں یا کیا بینوا توجروا۔

(۲) جمیع کتب فقہ میں لکھا ہے کہ خطبہ نکاح نہیں بلکہ استنکاح ہے مگر ہدایہ مولانا عبدالحی چھاپ کی کتاب العدۃ میں قوله ولاتخطب المعتدة کے نیچے بحوالہ عینی لکھا ہے الخطبة التزوج ونکاح المعتدات لایجوز اس کا جواب کیا ہوسکتا ہے یہاں کے بعض مولوی اسی عبارت سے خطبہ کو نکاح سمجھ کر طرح طرح مباحث اور جدال برپا کررہے ہیں اور بنت کے خطبہ کو نکاح جان کر اس کی والدہ کو حرام کہہ رہے ہیں جناب اس میں کوئی کافی تحریر بحوالۂ کتب عنایت فرمائیں یہ عبارت ساری کتب معتبر سے مخالف ہے۔

الجواب۔ (۱) یہ حدیث کہیں نظر سے نہیں گزری جو اس سے احتجاج کرتے ہیں ان کے ذمہ اس کی سند ہے۔

(۲) آپ اس عبارت کو خود دیکھ کر پوری لکھیے میرے پاس کتاب نہیں ہے اس لئے عبارت معلوم نہیں کرسکا لیکن مطلب یہ ہے کہ خطبہ حکم تزوج میں ہے اور تزوج معتدہ کا جائزہ نہیں لہذا خطبہ اس کا جائز نہیں اور جو من کل الوجوہ اس کو نکاح کہتے ہیں ان سے پوچھئے کہ نکاح کی کیا تعریف ہے اور آیا وہ خطبہ پر صادق ہے یا نہیں۔ (ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ امدادالفتاویٰ تتمۂ خامسہ ص ۱۷)

تحقیق حکم شہید درو باء

سوال (۷۳۰) یہاں سال گذشتہ میں جو وبا ہوئی تھی جو کہ دنیا میں وبا ہوئی تھی اس میں ایک لڑکا جس کی عمر اکیس سال کی تھی مرگیا اور متوفی وصیت کر مرا کہ میری قبر پکی بنوانا اس کے والد نے بعد مرنے دو ماہ اور دو دن کے اس قبر کو پکی بنوایا جب واسطے پکی کرنے کے وہ قبر کھودی گئی تو اس کے اندر مردہ بدستور صحیح و سالم دیکھا گیا بلکہ یہاں قصبہ کے اکثر مرد اور عورتیں بھی واسطے دیکھنے کے قبرستان گئے اور جا کر دیکھا اب یہاں اکثر کا یہ خیال ہوگیا ہے کہ وہ لڑکا چونکہ وباء میں مرا تھا اور کفن بھی میلا نہیں ہوا اور بدن کے بھی ٹکڑے نہیں ہوئے شہید ہوا اور شہید کے ہی بدن کے ٹکڑے نہیں ہوتے ہیں حالانکہ متوفی کچھ نمازی یا پرہیزگار نہ تھا اس کا خیال کرنا چاہئے

یا ایسا عقیدہ جو کہ تحریر کیا گیا رکھنا درست ہے یا نادرست۔

الجواب۔ ممکن ہے کہ یہی سبب ہو بخار کا بھی شہادت ہونا وارد ہوا ہے اور ممکن ہے کہ اس کے بدن میں رطوبات مرنے سے پہلے فنا ہوگئی ہوں ایسا مردہ بھی نہیں گلتا باقی رہا پہلے احتمال پر اس وصیت غیر مشروع کے منافی شہادت ہونے کا شبہ سو شہادت سے اس کا بھی کفارہ ہوگیا اور وہ ناواقف ہو، اور اس کی ناوقفی معاف فرمادی ہو۔ ۲۴ رشوال ۷ ۱۳۳ھ (تتمۂ خامسہ ص ۹۹)

حکم شریک شدن در جنازۂ شیعہ بمصلحتے

سوال (۷۳۱) کسی شیعہ مذہب والے کے جنازہ میں شریک ہونا خواہ کسی دنیاوی مصلحت کی وجہ سے یا اس بناء پر کہ وہ یا اس کے گھر والے ہمارے یہاں کے جنازہ میں شریک ہوتے ہیں جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی نفسہ منہی عنہ ہے لیکن اگر کوئی ضرورت ہو جائز ہے اور ضرورت کی حقیقت دفع مضرت ہے نہ کہ جلب مصلحت۔ ۱۸ رمحرم ۳۲ھ تتمۂ خامسہ ص ۲۴۸)

معنی قول طعام المیت یمیت القلب

سوال (۷۳۲) طعام المیت یمیت القلب بہت عام ہے خواہ اولیاء انبیاء ہوں یا عامہ مومنین لیکن طعام اموات عامہ سے جو کراہت وتکدر قلب میں محسوس ہوتا ہے وہ طعام اولیا وانبیاء سے نہیں ہوتا اس کی کیا وجہ ہے اگر چہ انبیاء واولیاء حقیقۃً مثل اموات عامہ کے میت نہیں ہیں لیکن بظاہر اموات ہیں اور طعام اموات عامہ واولیاء وانبیاء صدقہ ہونے میں برابر ہے۔

الجواب۔ یہ قول خدا جانے کس کا ہے اگر کوئی شخص اس کو نہ مانے اس پر تو کوئی اشکال نہیں اور اگر کوئی شخص زکوۃ کے وسخ ہونے سے استنباط کرلے کہ جب صدقہ واجبہ میں وسخیت ہے تو صدقہ نافلہ میں بوجہ اشتراک معنی صدقہ کے شاید کوئی کیفیت قریب وسخ کے ہو اسی کا اثر موت قلب تعبیر کیا گیا ہو اس صورت اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ فرق خیالی ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ عرفاً عام اموات کے طعام کا کھانا تذلیل سمجھا جاتا ہے وہ کدورت اسی تذلل کی ہے جو ایک طبعی امر ہے نہ کوئی امر ذوقی اور باطنی اور بعض کے لئے یہ وجہ ہے کہ عام اموات چونکہ اکثر نزدیک کے مرے ہوئے ہوتے ہیں ان کے طعام سے ان کی موت کا اور ان کے معاصی کا استحضار ہوجاتا ہے یہ سبب ہوتا ہے دلگیری اور انقباض کا بخلاف اولیاء اور انبیاء کے کہ اکثر کی

موت کا ان میں سے مشاہدہ بھی نہیں ہوا اور خیال میں ظاہر اور نیز مثل دیگر احیاء کے معلوم ہوتے ہیں اس لئے انقباض نہیں ہوتا آگے اللہ کو معلوم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵ محرم ۱۳۱۳ھ امداد ص ۱۴۳ ج ۳)

تحقیق کل یا جزو ثواب رسیدن باموات متعددہ

سوال (۷۳۳) ایصال ثواب جو چند مردگان کو کیا جاتا ہے وہ سب کو برابر پہنچتا ہے یا تجزی سے پہنچتا ہے۔[1]

الجواب۔(۱) سب کو برابر پہنچے گا کیونکہ رحمت اللہ تعالیٰ کی واسع ہے سئی ابن حجر المکی عمالو قرلاهل المقبرة الفاتحة هل قسم الثواب بینهم اویصل لکل منهم ثواب ذلك کا ملافاجاب بانه افتی جمع بالثانی وهو اللائق بسعة الفضل شامی (ج ا ص ۶۰۵) وعن علیؓ عنه...... قال من مر علی المقابر و قرء قل هو الله احد احدی عشرة مرة ثم وهب اجرها للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات طبرانی فتح القدیر و الله أعلم، حرره عنایت الله الهی عفی عنه۔

الجواب۔(۲) یہ مسئلہ مختلف فیہا بین العلماء ہے بعض تجزی کے قائل ہیں وہوالاقیس اور بعض عدم تجزی فرماتے ہیں وہوالاوسع واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ خلیل احمد عفی عنہ

الجواب۔(۳) اصل مذہب وموافق قواعد شرعیہ یہ ہے کہ ثواب متجزی ہوتا ہے کمافی الشامی ویوضحه ولو اهدی الکل الی اربعة یحصل لکل منهم ربعه فکذا لو اهدی الربع لواحد وابقی الباقی لنفسه البتہ اگر حق تعالیٰ اپنی وسعت رحمت سے ہر ایک کو پورا ثواب دیوے تو یہ اس کا فضل ہے ولا مانع منہ کماافتی بہ جمع اور اس میں بحث کرنے کی ضرورت بھی نہیں جس قدر حق تعالیٰ کو منظور ہے ثواب پہنچ جائے گا بعض اجر بسبب اخلاص نیت کے اگرچہ قلیل ہو کثیر سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔فقط۔واللہ اعلم۔ کتبہ عزیز الرحمٰن دیوبندی عفی عنہ۔

الجواب۔(۴) جس امر میں نص ہو اگر وہ احکام فقہیہ جواز وعدم جواز میں سے ہو تو اس میں قیاس کرنا فاعتبروا یا اولی الابصار وغیرہ نصوص سے مامور بہ ہے اور اگر وہ احکام فقہیہ سے نہ ہو تو اس میں قیاس کرنا لا تقف ما لیس لك به علم وغیرہ نصوص سے منہی عنہ ہے اور امر مسئول عنہ احکام فقہیہ سے نہیں اور نص موجود نہیں لہٰذا قیاس سے کلام کرنا منہی عنہ ہوگا اور جن

---

(۱) اس سوال کے تین جواب لکھے ہوئے آئے تھے چوتھا جواب اخیر احقر کا ہے۔ ۱۲ منہ

علماء سے کلام منقول ہے مقصود ان کا حکم لگانا نہیں بلکہ محض بعض احتمالات کی اقربیت بیان کرنا۔
واللہ اعلم بخفیات اسرارہ۔ کتبہ اشرف علی۔ ۱۶ر محرم ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۴۶ ج ۳)

تحقیق روایت کتابت علی الکفن

سوال (۷۳۴) یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں وہ یہ ہے کہ **عن طاؤس انه امر بهذه الكلمات فكتب في كفنه** یہ حدیث صحیح ترمذی میں ہے یا کس کتاب میں صفحہ اور نام کتاب وغیرہ ارقام فرماویں۔

الجواب۔ ترمذی میں تو یقیناً نہیں اور کسی جگہ بھی نظر سے نہیں گزری۔

۱۴ ر ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۴۷ ج ۳)

☆☆☆

مسائل منثورہ متعلقہ بکتاب الصلوۃ

حکم تارک صلوٰۃ عمداً

سوال (۵۳۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین حق میں اس شخص کے جو عذر شرعی سے فرض نماز کو ترک کرے شرعاً اس کا کیا حکم ہے اور اس کے ساتھ اختلاط اور ساتھ کھانا پینا اور بولنا کیسا ہے، اور اگر زوجین میں ایک ایسا ہو تو نکاح باقی رہے گا یا نہیں اور صحبت حلال ہوگی یا حرام اور اولاد کیسی ہوگی اور اگر بعد مرنے اس شخص کے زجراً اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں تو کیسا ہے اور اگر نصیحت نماز سے برا مانے یا کوئی کلمہ استخفاف و انکار کا کہے تو کیا حکم ہے بینوا توجروا فقط۔

الجواب۔ تارک الصلوۃ عمداً کے باب میں علماء کے اقوال مختلف ہیں صحابہ میں سے حضرت عمرؓ و حضرت عبداللہ بن مسعودؓ و حضرت عبداللہ بن عباسؓ و حضرت معاذ بن جبلؓ و حضرت جابر بن عبداللہؓ و حضرت ابوالدرداءؓ و حضرت ابوہریرہؓ و حضرت عبدالرحمن بن عوف اور غیر صحابہ میں سے امام احمد بن حنبلؒ و اسحاق بن راہویہؒ و نخعیؒ و ایوب السختیانیؒ و ابوداؤد الطیالسیؒ و ابوبکرؒ بن ابی شیبہؒ کا قول ہے کہ وہ شخص کافر ہو جاتا ہے اور حماد بن زیدؒ و مکحول و امام شافعیؒ و امام مالکؒ کے نزدیک کافر تو نہیں ہوتا مگر قتل کیا جاوے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفر اور قتل کا حکم نہیں کیا جاتا مگر قید شدید میں رکھنا چاہئے اور خوب سزا دینا چاہئے اور اس قدر ماریں کہ بدن سے خون بہنے لگے یہاں تک کہ توبہ کرے یا اسی حالت میں مر جاوے (تفسیر مظہری و نفع المفتی و درمختار) اور اس سے اختلاط و خور و نوش و گفتگو ترک کر دینا چاہئے کہ اس وقت بجائے حبس اس قدر ممکن ہے اور حبس کی غرض بھی یہی ہے کہ تنگ ہو کر توبہ کرے (حدیث کعب بن مالک کی اس باب میں دلیل ہے) اور ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب بنی اسرائیل معاصی میں واقع ہوئے عالموں نے منع کیا وہ باز نہ آئے پس ان کے پاس بیٹھنے لگے اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے پس ان کے دلوں کا ان کے دلوں پر اثر پڑ گیا پس لعنت کی ان پر او پر زبان داؤد اور عیسیٰ بن مریمؑ کے یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔

راوی کہتے ہیں کہ آپ تکیہ لگائے بیٹھے تھے، اٹھ بیٹھے فرمایا کبھی تم کو نجات نہ ہوگی جب تک اہل معاصی کو مجبور نہ کرو گے۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد) اور جن علماء نے اس شخص کو کافر کہا ہے ان

کے نزدیک نکاح باقی نہ رہے گا اور صحبت حرام ہوگی اور اولا د ولد حرام ہوگی، معاذ اللہ منہ اور زجر کے لئے اگر اہل (۱) علم و فضل اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں تو جائز ہے جیسا رسول اللہ ﷺ نے مدیون و قاتل نفس پر نماز نہ پڑھی تھی اور جیسا فقہاء نے قاطع طریق و مکابر و باغی و قاتل احد الابوین پر نماز پڑھنے سے بغرض ان کی اہانت کے منع کیا ہے (درمختار) اور امام مالکؒ سے منقول ہے کہ اہل فضل فساق پر (جیسے بے نماز) نماز نہ پڑھیں تا کہ ان کو عبرت ہو (نووی شرح مسلم) اور اگر نماز سے تنفر یا اعراض ظاہر کیا یا تحقیر و استہزاء سے پیش آیا کافر ہو جائے گا کیونکہ اہانت حکم شرعی کی کفر ہے، واللہ اعلم وعلمہ اتم کتبہ اشرف علی عفی عنہ ہو العلیم الخبیر، صد آفریں مجیب مصیب کو کہ امر حق تو کریز قلم فرمایا۔ اشرف علی ۱۳۰۰ از گروہ اولیاء

جزاه الله سبحانه خير الجزاء حرره العبد الحامل محمد عادل عامله الله تعالیٰ بفضله الشامل محمد عادل حاكم محكمه شرعي و اصلح حاله بلطفه الكامل في العاجل و الآجل۔

صح الجواب۔ حرره سيد محمد احسان الحق عفي عنه، سيد محمد احسان الحق هو المصيب واقعی نماز کا ترک کرنے والا بحیثیت ترک صلوٰۃ ایسی ہی زجر و توبیخ کا مستحق ہے جو مجیب مصیب نے تحریر فرمایا ہے، کتبہ العبد الضعیف محمد علی عفی عنہ۔ محمد علی عفا اللہ

ذلك الجواب لاريب فيه حرره العبد الراجي غفران الله القوی محمد عبدالغفار اللكهنوی عفي عنه۔

الجواب صحیح والمجیب نجیح احمد حسن عفی عنہ مدرسہ دار العلوم کانپور (امداد ص ۲۷ ج ۱)

سوال (۶۳۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص آزاد و خود مختار نہ کسی کا تابع ہے بلکہ متبوع ہے دس بارہ برس سے اس ملک جنوبی افریقہ میں پیری مریدی اور تالیف و تصنیف کا شغل رکھتا ہے اور اکثر ایک ہی جگہ پر برس ڈیڑھ برس سے زائد قیام رکھتا ہے سال دو سال کے بعد اپنے مریدوں میں ایک دو ماہ کے لئے دورہ کرتا ہے پھر وہیں اپنی جگہ پر آکر وہی تالیفات کے کام میں مشغول رہتا ہے یہ شخص اپنے محلّہ کی مسجد میں نہ نماز پنجگانہ کے لئے آتا ہے نہ جمعہ و تراویح بلکہ عیدین میں بھی نہیں آتا گھر پر ہی نماز پنجگانہ پڑھ لیا کرتا ہے اور جمعہ کے بجائے ظہر اپنے گھر پڑھ لیتا ہے ان سے جب دریافت کیا جاتا ہے کہ آپ نماز جماعت اور

---

(۱) مگر اور کسی شخص سے نماز پڑھوا دیں۔ ۱۲ منہ

جمعہ میں مسجد میں کیوں نہیں آتے جواب یہ دیتے ہیں کہ میں تو مسافر ہوں مجھ پر مسجد میں جا کر جماعت سے نماز ادا کرنا لازم نہیں ہے میں تو بوجہ مسافر ہونے کے قصر ادا کرلیا کرتا ہوں لہٰذا کیا یہ جواب اس شخص کا موافق کتاب وسنت کے ہے یا برخلاف۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ في الدرالمختار اعذار ترك الجماعة وارادة سفر في رد المحتار اى واقيمت الصلوة ويخشي ان تفوته القافلة واما السفر نفسه فليس بعذر كما في القنيه (ص ۵۸۱ ج ۱) اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسافر ہونا ترک جماعت کے لئے عذر نہیں البتہ جمعہ وعیدین مسافر پر واجب نہیں لیکن منجملہ احکام شرعیہ کے ایک حکم یہ بھی ہے، اتقوا مواضع التهم، چنانچہ حدیث میں حضرت صفیہؓ کا قصہ وارد ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے اعتکاف کی حالت میں مسجد میں آپ کی زیارت کے لئے تشریف لائی تھیں سامنے سے دو شخص گزرنے لگے آپ نے ان کو پردہ کی وجہ سے اول روک دیا اس کے بعد فرمایا کہ یہ میری بی بی صفیہ تھیں یعنی کوئی شبہ نہ کرنا اس سے معلوم ہوا کہ مقتدا کو شبہات سے بھی بچنا واجب ہے پس جب اس شخص کی ظاہری حالت مسافرت کی نہیں ہے تو اس شخص کے تخلف عن الجماعت سے لوگوں کا دین ضرر ہوتا ہے معتقدین کو جماعت کی سستی کا اور غیر معتقدین کو طعن وغیبت کا لہٰذا اس شخص کو جمعہ وعیدین میں بھی حاضر ہونا ضروری ہے کیونکہ ایسی حالت قیام مقیمانہ میں اس شخص کی نیت سفر کی تصدیق نہایت مستبعد ہے۔ ۳ر شوال ۱۳۴۵ھ ہجری (تتمۂ خامسہ ص ۵۳۲)

تحقیق دراعادۂ محتلم عشاء را بعد بیداری بوقت فجر و دیدن اثر منی بر پارچہ

سوال (۷۳۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بہشتی گوہر مطبوعہ امداد المطابع ص ۶۱ پر یہ مسئلہ چھپا ہوا ہے کہ اگر کوئی لڑکا عشاء کی نماز پڑھ کر سوئے بعد طلوع فجر کے بیدار ہو کر منی کا اثر دیکھے جس سے معلوم ہو کہ اس کو احتلام ہو گیا ہے تو اس کو چاہئے کہ عشاء کی نماز کا پھر اعادہ کرے (فتاویٰ قاضی خان) دریافت طلب امر ہے کہ اس جگہ لڑکے سے مراد نابالغ لڑکا ہے یا بالغ۔

الجواب۔ ہاں نابالغ لڑکا مراد ہے اگر یہ قید الفاظ میں بھی ہوتی تو بہتر ہوتا غالباً محاورہ و مقام کے قرینہ سے ضرورت نہ سمجھی یہ تو سوال کا جواب ہوا اب تبرعاً خود مسئلہ کی بھی ضروری تفصیل لکھتا ہوں بحرالرائق میں خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ اگر طلوع صبح کے قبل ایسا واقعہ ہوا تب تو بالاتفاق عشاء کی قضاء واجب ہے اور اگر بعد طلوع صبح صادق ایسا ہوا تو ایک روایت یہ ہے کہ

اس پر قضاء عشاء واجب نہیں (لان الحادث یضاف الی اقرب الأوقات) اور ایک روایت یہ ہے کہ یہ بھی عشاء کی قضاء کرے اور اس کو مختار کہا ہے (ولعل مبناہ الاحتیاط) ص ۹۰ واللہ اعلم۔ کتبہ اشرف علی۔ ۷ رمحرم الحرام ۱۳۳۹ھ (ترجیح الراجح خامس ص ۱۱۱)۔

رفع شبہ جواز صلوۃ در جامع مسجد دہلی

سوال (۷۳۸) سنا ہے دہلی کی جامع مسجد میں تمام پتھر وغیرہ راجاؤں سے شاہی نذرانہ کا مال لگایا گیا ہے لہٰذا دہلی کی جامع مسجد میں نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اگر وہ لوگ حربی تھے تب تو یہ لینا جائز ہی تھا اور ایسے ہی مواقع اس کے مصارف ہیں فی ردالمحتار باب المغنم وما اخذ منھم بلا حرب ولا قھر کالھدیة والصلح فھولا غنیمة ولا فیئ وحکمه حکم الفیئ لا یخمس و یوضع فی بیت المال، اور اگر وہ ذمی تھے تو یہ ہدیہ جائز نہیں ہوسکتا لیکن خود اسی کا کیا ثبوت ہے کہ ایسا ہوا تھا، شہرت عوام کا اعتبار نہیں اور اس وقت کے علماء سے نکیر کا منقول نہ ہونا مؤید ہے اس روایت کے غلط ہونے کو اس لئے ہر حال میں جامع مسجد دہلی میں نماز درست ہے۔

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۵ ج ۱)

دلیل تخصیص انحراف عادی در فجر وعصر

سوال (۷۳۹) قال کان رسول اللہ ﷺ یؤمنا فینصرف علی جانبیه جمیعا علی یمینه وعلی شماله (کذا فی الترمذی ص ۷۰) مطبوعہ اصح المطابع صغیری شرح منیہ میں انصراف نماز عصر وفجر میں قرار دیا ہے اس تخصیص کی کیا دلیل ہے۔

الجواب۔ فی رد المحتار عن البدائع ان المقصود من الانحراف ھو زوال الاشتباہ ای اشتباہ انه فی الصلوٰة (ج ۱ ص ۳۵۴) قلت ویؤیدہ ما رواہ مسلم عن الصائب ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم امران لانوصل لصلوٰة حتی نتکلم او نخرج (مشکوٰة باب السنن) ومارواہ ابوداؤد عن ابی رمثة فی حدیث طویل انه قام الرجل الذی ادرك معه ای مع رسول اللہ ﷺ التکبیرة الاولیٰ من الصلوة یشفع فوثب عمر فاخذ بمنکبه فھزہ ثم قال اجلس فانه لم یھلك اھل الکتاب الا انه لم یکن بین صلوتھم فصل فرجع النبی ﷺ اصاب اللہ بك

یابن الخطاب (مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ۔)

اس روایت سے حکمت انحراف کی معلوم ہوئی کہ زوال اشتباہ ہے اور جن نمازوں کے بعد تطوع مشروع ہے وہاں زوال اشتباہ تبدل مکان کر کے تطوع مشروع کرنے سے ہوسکتا ہے اور جس نماز کے بعد تطوع نہیں جیسے فجر اور عصر وہاں ازالۂ اشتباہ انحراف سے سہل ہے اس لئے ان دو نمازوں کی تخصیص کی گئی لیکن تخصیص بایں معنیٰ نہیں کہ ان میں مؤکد ہو اوروں میں مشروع نہ ہو۔

في ردالمحتار عن المنية ان كان في صلوة لا تطوع بعدها فان شاء انحرف عن يمينه او يساره اوذهب الى حوائجه او استقبل الناس بوجهه وان كان بعدها تطوع وقام يصليه يتقدم او يتاخر او ينحرف يمينا اوشمالا او يذهب الى بيته فيتطوع ثمه الخ ۔ (ج ۱ ص ۵۵۴، ۱۵/ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ، امداد ص ۸۷ ج ۱)

دلیل تخصیص انحراف عادی درنماز فجر وعصر

سوال (۷۴۰) ایک صورت تو یہ کہ فجر اور عصر کی نمازوں سے فارغ ہوتے ہی سلام پھیرنے کے معاً قبلہ رو بیٹھے بیٹھے امام اور مقتدی دونوں ہاتھ اٹھا کر مختصر سی مثلاً اللهم انت السلام......الخ دعا کر کے ہاتھوں کو منہ پر پھیر کر امام بائیں یا دائیں طرف مڑ کر بیٹھے، اور پھر امام اور مقتدی تسبیح فاطمہؓ وغیرہ پڑھ کر پھر دونوں امام و مقتدی ہاتھوں کو اٹھا کر طول طویل دعا کر کے مسجد سے رخصت ہوں جیسا کہ تمام ملک گجرات میں مروج ہے، دوسری صورت یہ کہ مذکورہ نمازوں سے فارغ ہو کر سلام پھیرنے کے ساتھ ہی بغیر دعا مانگے ہوئے امام صاحب دائیں یا بائیں مڑ کر تسبیح وتہلیل کر کے طویل دعاء ہاتھوں کو اٹھا کر امام ومقتدی مانگیں، جیسا کہ تمام ہندوستان دہلی، سہارنپور، دیوبند، امروہہ، مرادآباد، کانپور، لکھنؤ، الہ آباد، پٹنہ، بہار، لاہور، پانی پت، وغیرہ میں دستور ہے، اب عرض یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں کونسا طریقہ موافق سنت کے ہے، پہلی صورت میں اول وآخر دعائیں ہیں، اور یہ دو دعائیں ہوئیں، اور ان کے بیچ میں تسبیح وغیرہ، دوسری صورت میں اول تسبیح وغیرہ پھر دعاء اس میں ایک ہی دفعہ دعاء ہوئی، بینوا وعنداللہ توجروا۔

الجواب۔ کوئی خاص ہیئت خصوص اس کا التزام تو منقول نہیں، لیکن خصوصیت مقصود ہی نہیں، اصل فرق کہ وہی مقصود بھی ہے، دعاء کا تو حد و تعدد ہے، سو کسی نماز کے بعد تعدد ثابت نہیں اور مطلق دعاء ثابت ہے کہ ادنیٰ اس کا تو حد ہے، اس لئے اقرب الی السنة دوسری صورت ہے

اور پہلی صورت کے ترک پر اگر طعن وملامت ہوتو وہ بدعت ہے۔

۶ ؍جمادی الاول ۱۳۴۹ھ (النورص ۷ شعبان ۴۹ھ)

قنوت نازلہ میں رفع یدین اور جہر واخفاء وارسال کے احکام

سوال (۷۴۱) ایام نازلہ میں دعاء قنوت کا پڑھنا نماز فجر میں بعد الرکوع عند الحنفیہ عام فتاویٰ فقہ مثل درمختار وفتح القدیر وشامی وغیرہا میں ثابت ہے لیکن ہاتھوں کا اٹھانا بطور دعاء کے ثابت ہے یا نہیں اور حدیث ابی ہریرۃؓ کی جس کو حاکم نے صحیح کہا ہے، **عن ابی هريرةؓ كان النبی ﷺ اذا رفع رأسه الثانية من صلوة الصبح فی الركعة الثانية يرفع يديه فيد عو** آیا یہ ہاتھوں کا اٹھانا کانوں تک ہے واسطے تکبیر قنوت کے یا ہاتھوں کا پھیلانا واسطے دعا کے اور نیز ہاتھوں کو بعدہ سینہ یا منہ پر پھیرنا چاہئے یا نہیں۔

الجواب۔ حدیث دونوں کو محتمل ہے اور حنفیہ میں سے صرف ابو یوسفؒ کے نزدیک قنوت پڑھنے کی حالت میں رفع یدین مشروع ہے جمہور اس کے قائل نہیں کمافی ردالمحتار۔

۲۶ ؍ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۳۰)

سوال (۷۴۲) طاعون کے زمانہ میں حنفیہ کے نزدیک قنوت ہے باقی جہر سے پڑھے یا آہستہ ہاتھ اٹھاوئے یا نہیں قبل رکوع کے یا بعد رکوع کے اولیٰ ہے؟

الجواب۔ جہر واخفاء میں اختیار ہے اور رکوع کے بعد علی الارجح **كذا فی ردالمحتار** اور رفع یدین نہیں لعدم الروایۃ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۴)

سوال (۷۴۳) میرے موضع کے ایک شخص نے حضور سے چند مسائل دریافت کئے تھے اور حضور نے اس کا جواب بھی تحریر فرمایا تھا، خادم نے جواب دیکھا تھا ایک امر اس میں اور بھی دریافت طلب ہے جو فہم ناقص میں نہیں آیا جو درج ذیل ہے۔

(سوال) (۱) نماز فجر کے قنوت میں ہاتھ اٹھانا چاہئے یا نہیں، حضور کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اٹھانا آیا نہیں۔

(سوال) (۲) قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی جائز ہے یا نہیں۔

جواب۔ ہاتھ اٹھانا جائز ہے اس لئے کہ حدیث میں مطلق دعاء میں ہاتھ اٹھانا آیا ہے، شبہ یہ ہوتا ہے کہ جب حدیث شریف میں مطلق ہاتھ اٹھانا آیا ہے تو سوال نمبر ۱ کے جواب میں عدم جواز اور سوال نمبر ۲ کے جواب میں جواز کی صورت بتائی گئی ہے تو دونوں میں تطبیق کیونکر ہوگی، فقط۔

الجواب۔نماز میں رفع یدین محتاج دلیل مستقل ہے، خارج نماز کے لیئے اطلاق کافی دلیل ہے دیکھئے آخر صلوٰۃ میں جو دعاء پڑھی جاتی ہے بالا جماع اس میں رفع یدین مشروع نہیں۔
۲۹ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ

سوال (۷۴۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حنفیوں کے صحیح مذہب کے اعتبار اور راجح قول کے لحاظ سے قنوت نازلہ صرف فجر کی نماز میں پڑھنی چاہیئے یا تمام جہری نمازوں میں پڑھنا ضروری ہے اگر کوئی امام صرف فجر کی نماز میں قنوت پڑھے اور دوسری جہری نمازوں میں نہ پڑھے تو کیا باعتبار صحیح وراجح مذہب حنفی کے اس پر جبر کر کے تمام جہریہ نمازوں میں قنوت پڑھنا چاہیئے یا نہیں قنوت نازلہ علاوہ فجر کی نماز کے اور نمازوں میں حنفیوں کے یہاں منسوخ ہے یا نہیں طحطاوی بر درمختار اور تحریر مختار وغیرہ کتابوں میں جو حنفی مذہب کی کتابیں ہیں یہ لکھا ہے کہ صرف فجر کی نماز میں قنوت نازلہ حنفیوں کے مذہب میں ہے اور کسی نماز میں نہیں یہ قول صحیح ہے یا نہیں۔

آنحضرت ﷺ نے جو قنوت نازلہ پڑھی ہے کیا اس وقت تک آپ پڑھتے رہے جبتک وہ کام پورا نہیں ہوا جس کے واسطے شروع کی تھی یا اس سے پہلے ترک کر دی حنفی مذہب کی معتبر کتابوں سے جواب تحریر فرمانا چاہیئے، بینوا توجروا۔

الجواب۔مراجعت کتب مذہب سے اصل مذہب حنفیہ کا یہی معلوم ہوتا ہے کہ قنوت نازلہ صرف صلوٰۃ فجر کے ساتھ مخصوص ہے دوسری نمازوں میں مطلقاً یا صرف جہریات میں پڑھنے کا قول ضعیف ہے اور اصل مذہب کے خلاف ہے اور اس قنوت کے پڑھنے کا منتہا کہیں روایت حدیثیہ یا فقہیہ میں نظر سے نہیں گزرا (اور میرے پاس سامان تتبع کا کم ہے) لیکن اصول روایت سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ منتہا اس کا حصول مقصود یا قنوط من حصول المقصود ہے۔واللہ اعلم۔
۲۰ شعبان ۱۳۲۹ھ (تتمۂ خامسہ ص ۱۶۴)

مشغول بالذکر کو سلام کی ممانعت

سوال (۷۴۵) اگر کچھ لوگ مسجد میں ذکر اذکار میں مشغول ہوں ایسے وقت میں مسجد میں آنے والے کو یا جانے والے کو السلام علیکم کہنا سنت ہے یا نہیں۔

الجواب۔ نہیں فی الدر المختار مفسدات الصلوٰۃ سلامك مكروه الى قوله مصل و تال و ذاكر و محدّث اهـ (تتمۂ اول ص ۳۴)

حالت ذکر میں جواب سلام کا واجب نہیں

سوال (۷۴۶) ایسے سلام کرنے والوں کو جواب سلام کا دینا بعد فارغ ہونے کے دینا چاہئے یا نہیں۔

الجواب۔ واجب نہیں فی رد المحتار ولو سلم علیهم لا یجب علیهم الرد

(ص ۶۴۵ ج ا، تتمۂ اولیٰ ص ۳۴)

سجدۂ دعاء

سوال (۷۴۷) مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے اقرب ما یکون العبد من ربه هو ساجد فاکثروا الدعاء حالانکہ سجدہ میں سبحان ربی الاعلی تین بار پانچ بار یا زیادہ کہا جاتا ہے اس کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کون سا سجدہ ہے اور کیا دعا کرے اور محض دعا کے لئے جداگانہ سجدہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب۔ نفل نماز کے سجدہ میں دعا درست ہے مگر عربی زبان میں ہو اور آخرت کی ہو جیسے رحمت مغفرت اور ایک معنی بعض نے یہ کہے کہ تسبیح کو دعا اس لئے فرمایا کہ کریم کی مدح کرنا گویا سوال کی غرض سے ہوتا ہے اور جداگانہ سجدہ کہیں منقول نہیں دیکھا گیا لیکن ظاہراً کچھ حرج بھی نہیں کیونکہ صورت تذلل کی ہے مگر عادت نہ کرے اور سنت نہ سمجھے۔ فقط

۱۴ شعبان ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۷)

حکم جواز صلوۃ بر پارچہ ہائے تیار کردہ اساری نصاریٰ بطریق عقوبت

سوال (۷۴۸) جیل خانہ میں دری وغیرہ اور اکثر چیزیں قیدیوں سے تیار کرائی جاتی ہیں جس کی اجرت و معاوضہ کچھ نہیں مقرر ہے بلکہ سزائے جرم میں یہ امر مفہوم ہوتا ہے اس صورت میں جیل خانہ کی بنی ہوئی جانماز یا کمبل وغیرہ پر نماز درست ہوگی یا نہیں۔؟

الجواب۔ استیلاء سے سرکار مالک ہو جاتی ہے لہٰذا اس کا خریدنا اور برتنا سب جائز ہے۔

۱۳ ر رمضان ۱۳۳۱ھ (حوادث ص ۱۲۰ ج ا و ۲)

حکم نماز برجامہ کو بر و نقش آلات لہو یا شرک ساختہ باشد

سوال (۷۴۹) جس کپڑے پر تصویر چوسر یا شطرنج یا شوالہ کی ہو اس کو مصلی بنانا جائز

ہے یانہیں۔

الجواب۔ یہ اشیاء چونکہ شعائر کفر وفسق سے ہیں اس لئے شرعاً قابل اہانت ہیں اور مصلّی پر ہونا موجب تعظیم ہے اس لئے نماز میں کراہت ہوگی چنانچہ تصویر سے کراہت صلوٰۃ کی علت بھی مشابہت عبادت یا تعظیم ہے اور وجوب اہانت میں تصویر ذی روح کی اور ان اشیاء کی صورت مساوی ہے فی ردالمحتار، وقد ظہر من ھذاان علة الکراھة فی المسائل کلھا اما التعظیم او التشبه الخ۔ ۲۷رذی قعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۶۷ ج ۲)

حکم برخاستن قاعدہ از پیش مصلّی

سوال (۷۵۰) ایک شخص کے پیچھے کسی نے نماز کی نیت باندھ لی تو کیا وہ اس کے سامنے سے اٹھ سکتا ہے ایک مولوی صاحب فرماتے تھے کہ حدیث میں تو مرور کی ممانعت آئی ہے اور یہ مرور نہیں تو کیا ان کا یہ فرمانا صحیح ہے۔

الجواب۔ فی ردالمحتار اراد المرور بین یدی المصلی فان کان معه شیئ یضعه بین یدیه ثم یمرویاخذه ولو مراثنان یقوم احدھمااامامه ویمر الآخرو یفعل الاخر ھکذا اویمران وان معه دابة فمرراکبا اثم وان نزل وتستر بالدابة ومر لم یاثم ولو مررجلان متحاذ یین فالذی یلی المصلی ھو الآثم قنیة اقول واذ کان معه عصا لا یقف علی الارض بنفسھا و امسکھا بیده ومرمن خلفھا ھل یکفی ذلك لم اره ج اص ۶۶۵۔

ان مجموعی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کا قول صحیح ہے مگر مجھ کو اس میں شرح صدر نہیں ہوا لیکن عمل کرنے والے پر ملامت بھی نہیں کرتا۔ ۱۳رصفر ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۱۸)

حکم مرور از پیش مصلی بضرورت

سوال (۷۵۱) ایک شخص مسجد کے اندر نماز پڑھ رہا ہے اور صحن مسجد میں جماعت ہونے لگی اب جس وقت وہ بغرض شرکت جماعت باہر نکلا کسی نمازی کے سامنے ہوکر گزرنا پڑا تو کیا وہ ایسا کرنے سے گنہگار ہوگا اور ضرورت شرکت جماعت اس کے اس فعل کا عذر نہیں ہوسکتی ہے۔

الجواب۔فی رد المحتار الرابعة ان لا یتعرض المصلی ولا یکون للمار

مندوحة فلا یاثم واحد منها الخ (ج ۱ ص ۶۶۴) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت میں گزر جانا درست ہے اور یہاں ادراک جماعت کی ضرورت ظاہر ہے۔

۸ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۷۲)

حکم اضافہ کردن لفظ سیدنا در صلوٰۃ

سوال (۷۵۲) نماز کے درود میں بھی قعدہ میں لفظ سیدنا کا اضافہ مستحب ہے؟

الجواب۔ **فی الدرالمختار و ندب السیادة الی قوله ذکره الرملی الشافعی وغیره و فی رد المحتار وان تردد الا سنوی فی افضلیته الی قوله نعم ینبغی علی هذا عدم ذکرها فی واشهد ان محمداً عبده ورسوله وانه یاتی بها مع ابراهیم علیه السلام** (ج ۱ ص ۵۳۵، ۵۳۶۔)

اس عبارت سے یہ امور معلوم ہوئے بعض علماء نے اس اضافہ کے افضل ہونے میں تردد کیا ہے اور اکثر نے افضل کہا ہے اور تشہد میں یہ اضافہ نہ کیا جاوے اور ابراہیم علیہ السلام کے نام کے ساتھ اضافہ کا یہی حکم ہے۔ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۱۰۱)

سترہ بودن پارچہ یا چھتری

سوال (۷۵۳) مصلی گر اپنے آگے کپڑا یا چھتری کھول کر رکھ دے تو بجائے سترہ کے کافی ہوگا یا نہ اور غلظ انگشت کی قید سے نفی کپڑے کے سترہ کی ہوسکتی ہے یا نہ۔

الجواب۔ کپڑا چونکہ مرتفع نہیں ہوتا اس لئے وہ سترہ سترہ نہ ہوگا اور چھتری کھلنے کے بعد اگر ایک ہاتھ اونچی ہوجاوے تو وہ سترہ ہوجاوے گی اسی طرح اگر کپڑا پردہ کے طور پر سامنے لٹکا دیا جاوے تو وہ بھی سترہ ہوجاوے گا اور اشتراط غلظ اصح خود مقصود نہیں بلکہ امتیاز و استبانت کے لئے مقصود ہے اور پردہ میں استبانت ظاہر ہے۔

۸ محرم ۱۳۳۴ھ (حوادث رابعہ ص ۶۰)

مخمل کی جاءنماز پر نماز جائز ہے

سوال (۷۵۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مخمل کی جاءنماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدرالمختار ویحل توسده (ای الحریر)وافتراشه والنوم علیه وقالا والشافعی ومالک حرام وهو الصحیح قلت فلیحفظ هذا کما فی المواهب لکنه خلاف المشهور، فی رد المحتار وقال فی الشر نبلالیة قلت هذا التصحیح خلاف ما علیه المتون المعتبرة المشهورة والشروح۔[1] اس سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے لیکن ترجیح جواز کو ہے اور احتیاط ترک میں ہے۔

۱۰ رشوال ۱۳۲۹ھ (النور جمادی الاخریٰ ص ۶ ۱۳۵۰ھ)۔

تحقیق صلوٰۃ درنعال

سوال (۷۵۵) درمختار میں ہے وصلوته فیهما افضل تو اس میں کیا تحقیق ہے۔

الجواب۔ ردالمختار میں ہے (قوله وصلاته فیهما) ای فی النعل والخف الطاهرین افضل مخالفة للیهود تاتارخانیة وفی الحدیث صلوا فی نعالکم ولا تشبهوا بالیهود رواه الطبرانی کما فی الجامع الصغیر رمز الصحة واخذ منة جمع من الحنابلة انه سنة ولو کان یمشی بها فی الشوارع لان النبی صلی الله علیه وسلم وصحبه کانو یمشون بها فی طرق المدینة ثم یصلون بها قلت لکن اذا خشی تلویث فرش المسجد بها ینبغی عدمه وان کانت طاهرة واما المسجد النبوی فقد کان مفروشا بالحصا فی زمنه ﷺ بخلافه فی زماننا ولعل ذلک محمل مافی عمدة المفتی من ان دخول المسجد متنعلا من سوء الادب تامل۔

اس عبارت سے چند امور مستفاد ہوئے۔

نمبر ا۔ یہ حکم مقصود بالذات نہیں بلکہ معلل ہے مخالفت یہود کے ساتھ اور اب مخالفت عدم تنعل میں ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ وہ لوگ کنائس میں مع نعلین جاتے ہیں۔

نمبر ۲۔ علت مذکورہ کے تحقیق کے وقت بھی مقید ہے عدم تلویث فرش کے ساتھ اور یہاں اس قید کا انتفاء ظاہر ہے اور مسجد نبوی ملوث نہ ہوتی تھی فلا یصح القیاس مع الفارق۔

نمبر ۳۔ مثل لزوم تشبہ باہل الکتاب وخوف تلویث مسجد کے سوء ادب بھی مانع مستقل ہے اور معیار ادب وسوء ادب کا محض عرف وعادت ہے اور اس ہیئت کا سوء ادب ہونا ظاہر ومشاہد

---

[1] یہ حکم اس مخمل کا ہے جو خالص ریشم کا ہو یا اس میں ریشم غالب ہو، ورنہ یہ حکم نہیں بلکہ جائز ہے بلا خلاف۔ واللہ اعلم ۱۲ محمد رفیع عثمانی

ہے بس ہمارے دیار میں اس فعل سے تین امر مانع ہیں لزوم تشبہ وتلویث مسجد وسوء ادب لہٰذا ہرگز اس کی اجازت نہیں ہوسکتی۔ ۲۴؍ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (تتمۂ خامسہ ص ۸)

بعد فرائض کے اوراد وظائف

سوال (۷۵۶) اوراد وظائف مسنونہ بعد مکتوبہ پڑھنے کو فقہاء نے مکروہ فرمایا ہے کما فی الکبیری وغیرہ من الکتب الفقھیۃ اور احادیث میں تصریح فرائض کی مذکور ہے بالخصوص حدیث عمرؓ دال علی الندب ہے رفع تعارض کیسے ہوگا۔

الجواب۔ یا تو حدیث میں تاویل ہو کہ احیاناً ایسا ہوا ہو یا فقہاء کا قول مأول ہو کہ منقول سے زیادہ فصل مکروہ ہے۔ فقط ۱۹؍ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ۔

☆☆☆

رسالة اِستِحبَاب الدّعواتِ عَقِيب الصَّلوات

رسالہ دربارۂ دعاء بعد الصلوٰۃ

سوال:-(۷۵۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم،وبعد فهذا بعض من اجزاء كتاب مسلك السادات الى سبيل الدعوات،الذى الفه الفاضل الشيخ محمدعلى بن المرحوم الشيخ حسين مفتى المالكية بمكة المحمية سابقافى تحقيق احكام الدعاء عموماواستحبابه اثرالصلوات للفذولائمةالمساجد والجماعات خصوصافى عام الالفِ والثلاث مائة والاحدى والعشرين من الهجرة كما صرح فى اخر الكتاب لخصتها منه سدًّا لنكير بعض المتهورين وحكمهم بالبدعة عليه ولقبتها باستحباب الدعوات، عقيب الصلوات نفع الله تعالى بها المسلمين وجعلها الى ذخراليوم الدين وانا اشرف على التهانوى عفى عنه وحررتها فى اوائل رجب الاصم ۱۳۵٤ھ من الهجرة النبوية على صاحبها الف الف سلام و تحية۔

دعاء ونیاز بعد انواع نماز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله وكفى وسلام علىٰ عباده الذين اصطفى۔

امابعد...... یہ رسالہ ترجمہ ہے رسالہ استحباب الدعوات عقيب الصلوٰت کا جس کو بقية السلف حجة الخلف اية من ايات الله من الذين اذارؤاذكرالله مجددالملة حكيم الامة سيدى وسندى كهفى ومعتمدى حضرت مولانا اشرف على صاحب تهانوى متعنا الله تعالى سائر المسلمين بطول بقائه بالخير نے مفتی مالکیہ علامہ شیخ محمد علی

مکی کے رسالہ ''مسلك السادات'' سے انتخاب وتلخیص کر کے تالیف فرمایا ہے مکرمی مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے حسب ایماء حضرت والا اس کا اردو ترجمہ نفع عوام کے لئے لکھ دیا ترجمہ میں بغرض سہولت عوام تحت اللفظ کی رعایت چھوڑ کر خلاصۂ مطلب لیا گیا ہے،۔حق تعالیٰ اس کو بھی مسلمانوں کے لئے مفید اور سب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔واللہ ولی التوفیق وھو حسبی ونعم الوکیل۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

بعد حمد وصلوۃ کے واضح ہو کہ یہ رسالہ کتاب ''سلک السادات الی سبیل الدعوات'' کا خلاصہ ہے جس کو علامہ فاضل شیخ محمد علی بن شیخ حسین مرحوم مفتی مالکیہ مقیم مکہ مکرمہ نے ۱۳۲۱ھ میں تالیف فرمایا ہے اور اس میں عموماً احکام دعا کی تحقیق اور بالخصوص دعا کا مستحب ہونا ہر منفرد اور امام اور جماعت کے لئے (احادیث معتبرہ اور مذاہب اربعہ کی روایات فقہیہ سے) ثابت فرمایا ہے میں نے اس رسالہ کا خلاصہ لکھ دیا تا کہ ان بیباک لوگوں کی زبان بند ہو جو دعاء بعد نماز پر بدعت ہونے کا حکم کرتے ہیں اور اس تخلیص کا نام'' استحباب الدعوات عقیب الصلوات ''رکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے نفع دے اور میرے لئے اس کو روز قیامت کے واسطے ذخیرہ بنادے اور میرا نام اشرف علی تھانوی ہے اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرمادے اور میں نے یہ رسالہ اوائل رجب ۱۳۵۴ھ میں تحریر کیا ہے وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین الف الف سلام وتحیۃ۔

☆☆☆

الجزء الأول

(۱) روی الحافظ ابوبکر احمد بن اسحق المعروف بابن السنی فی کتابه عمل الیوم واللّیلة (حدثنا) احمد بن الحسن (حدثنا) ابو اسحاق یعقوب بن خالد بن یزید البالسی (حدثنا) عبدالعزیز بن عبدالرحمن القرشی (عن) خصیف (عن) انس ؓ ان النبیؐ قال ما من عبد یبسط کفیه فی دبر کل صلوٰة یقول اللهم الهی واله

ابراهيم واسحاق و يعقوب واله جبرئيل و ميكائيل واسرافيل اسألك ان تستجيب دعوتي فاني مضطر وتعصمني في ديني فاني مبتلي و تنالني برحمتك فاني مذنب وتنفي عني الفقر فاني متمكسن الاكان حقا على الله ان لا يرد يديه خائبتين و في اسناده عبدالعزيز بن عبدالرحمن فيه مقال وصرح في ميزان الاعتدال وغيره بانه حديث ضعيف لكنه يعمل به في الفضائل كما عرفت ويقويه ما اخرجه الحافظ ابوبكر بن ابي شيبة في مصنفه عن الاسود العامري عن ابيه قال صليت مع رسول الله ﷺ الفجر فلما سلم انحرف ورفع يديه ودعا، الحديث ولايخفى ان ائمة الحديث ذكروا ان رواية الضعيف مع الضعيف توجب الارتفاع من درجة السقوط الى درجة الاعتبار وقال الحافظ السيوطي في فض الوعاء في احاديث رفع اليدين في الدعاء اخرج ابن ابي شيبة قال حدثنا محمد يحى الاسلمي قال رأيت عبدالله بن الزبير ورأى رجلا را فعا يديه يدعو قبل ان يفرغ من صلوته فلما فرغ منها قال له ان رسول الله ﷺ لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلاته رجاله ثقات اهـ. هكذا في الاصل ۱۲.

افاده العلامة السيد محمد بن عبدالرحمن بن سليمان يحى بن عمر بن مقبول الاهدل الزبيدي و في المعيار اخرج عبدالرزاق عن النبي ﷺ اى الدعاء اسمع اى اقرب الى الإجابة قال شطر الليل الاخير و ادبار المكتوبة و صححه عبدالحق وابن القطان وذكر الامام المحدث ابوالربيع في كتاب مصباح الظلام عن النبي عليه الصلوٰة والسلام انه قال من كانت له الى الله حاجة فليسأ لها د بر صلاة مكتوبة اهـ.

الجزء الثاني

(۲) وروى ابن السني ايضا عن ابى امامة ما دنوت من رسول الله ﷺ في دبرصلاة مكتوبة ولا تطوع الاسمعته يقول اللهم اغفرلي ذنوبي و خطاياى كلها اللهم انعشني واجبرني واهد ني لصالح الاعمال والاخلاق انه لا يهدى لصالحها ولايصرف سيئها الا انت وروى النسائي وغيره اللهم اصلح لي ديني الذى جعلته لي عصمة واصلح لي دنياى التي جعلت فيها معاشي اعوذ برضاك من سخطك واعوذ

بعفوك من نقمتك واعوذ بك منك لا مانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولاينفع ذاالجد منك الجد،وابوداؤد اذاانصرفت من المغرب فقل اللهم اجرني من النار سبع مرات اذ اقلت ذلك ثم مت من ليلتك كتب لك جواز منها واذا اصليت الصبح فقل كذلك ان مت من يومك كتب لك جواز منها۔

ف: قال الجامع وحديث النسائي اخرجه في كتاب الصلوة باب نوع اخر من الدعاء عند الانصراف من الصلوة وتمامه عن عطأ بن مروان عن ابيه ان كعبا حلف له بالله الذى فلق البحر لموسى انا لنجد في التوراة ان داؤد نبي الله ﷺ كان اذا انصرف من صلوته قال اللهم اصلح لي ديني الذى جعلته لي عصمة واصلح لي دنياى التي جعلت فيها معاشي اللهم انى اعوذ برضاك من سخطك واعوذ بعفوك من نقمتك واعوذ بك منك لا مانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد قال وحدثني كعب ان صهيبا حدثه ان محمد ﷺ كان يقولهن عند انصرافه من صلاته قال الجامع واخرج الحاكم في باب الدعاء بعد الصلوة عن معاذ بن جبلؓ انه قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اخذ بيدى يوما ثم قال يا معاذ والله انى لاحبك فقال معاذ بابى انت وامى يا رسول الله ﷺ وانا والله احبك فقال او صيك يا معاذ لا تدعن في دبر كل صلوٰة ان تقول اللهم اعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك قال و واوصى بذلك معاذ الصنابحي واوصى الصنابحي ابا عبدالرحمن الحبلي واوصى ابوعبدالرحمن عقبة بن مسلم هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه (وقال الذهبي في التلخيص على شرطهما) (مستدرک ص ۲۷۳ ج۱)

الجزء الثالث

(۳)۔اعلم انه لا خلاف بان المذاهب الاربعة في ندب الدعاء سرا للإمام والفذ واجاز المالكية والشافعية جهرا لإ مام به لتعليم الماموين او تامينهم على دعائه فاما نصوص المالكيه ففي المعيار قال ابن عرفة مضى عمل من يقتدى به في العلم والدين من الائمة على الدعاء باثر الذكر الوارد اثر تمام الصلاة وماسمعت من ينكره الاجاهل غيرمقتدى به ورحم الله بعض الاندلسيين فانه لما

انتهى اليه ذلك الف جزء رداً على منكره اهـ وفى نوازل الصلاة منه ايضا من الامور التي هى كالمعلوم بالضرورة استمرارعمل الائمة فى جميع الاقطار على الدعاء ادبارالصلوات فى مساجدالجماعات واستصحاب الحال حجة واجتماع الناس عليه فى المشارق والمغارب منذ الازمنة المتقادمة من غير نكير الى هذه المدة من الادلة على جوازه واستحسان الاخده به وتاكده عند علماء الملة اهـ باختصار،وقال القاضي محمد بن العربى والدعاء بعد المكتوبة افضل من الدعاء بعد النافلة اوفى الاكمال ذكر عبدالحق اماكن قبول الدعاء وان منها الدعاء اثر الصلاة وانكر الامام ابن عرفة وجود الخلاف فى ذلك وقال لااعرف فيه كراهة قلت ان عنى بقوله لا اعرف فيه كراهة اى لمتقدم فصحيح وان عنى به مطلقا ففيه شيئ لان الشيخ الشهاب الدين القرافى رحمه الله تعالى ذكره فى اخرقواعده وعللها بما يقع بذلك فى نفس الامام من التعاظم اهـ واقول مقتضاه ان القرافى كرهه مطلقا سرا اوجهراوليس كذلك ففى ابى انحسن على الرسالة ما نصه القرافى كره مالك رضـ وجماعة من العلماء لائمة المساجد والجماعات الدعاء عقيب الصلوات المكتوبة جهر اللحاضرين فيجتمع لهذا الامام التقدم و شرف كونه نصب نفسه واسطة بين الله تعالى وعباده فى تحصيل مصالحهم على يديه فى الدعاء فيوشك ان تعظم نفسه و يفسد قلبه و يعصى ربه فى هذه الحالة اكثر مما يطيعه۔ ف۔ قال الجامع الكراهة لوجود العارض الغير الغالب لا ينفى الإباحة اذا انعدم العارض۔

الجزء الرابع

(٤) وقد اكثر الناس فى هذه المسئلة اعنى دعاء الامام عقب الصلاة و تامين الحاضرين على دعائه و حاصل ما انفصل عنه الإمام ابن عرفه والغبرينى ان ذلك ان كان على نية انه من سنن الصلاة و فضائلها فهو غير جائز وان كان مع السلامة من ذلك فهو باق على حكم اصل الدعاء والدعاء عبادة شرعية فضلها من الشرعية معلوم عظمه۔

الجزء الخامس

(٥) واما نصوص الشافعية ففى فتح المعين مع المتن وسُن ذكر و دعاء سرا

عقبها ای الصلاة ای یسن الاسراربهماالمنفرد ومأموم وامام لم یرد تعلیم الحاضرین ولا تامینهم لدعائه بسماعه اهـ و فی شرح العباب لابن حجر وفتاویه الکبری و یسن للمصلی اذا کان منفرداً او مأموماً کما فی المجموع عن النص بعد السلام عن الصلٰوة اکثار ذکر الله تعالی والدعاء سرا للاحبار الصحیحة لکن قال الاسنوی الحق انه یسن للإمام ان یختصر فی الذکر والدعاء بحضرة المامومین فاذا انصرفوا طول ـ

الجزء السادس

(۶) بعد قوله واما نص الحنابلة باسطر فیوخذ من مجموع ذلك ان الدعاء اثر الصلوات مسنون عند الحنابلة لانه من ساعات الإجابة کما دلت علیه الاحادیث المارة بل قال الشیخ منصور بن ادریس الحنبلی فی شرح الاقناع مع المتن یسن ذکر الله والدعاء والاستغفار عقب الصلٰوة المکتوبة الی ان قال ویدعو الامام بعد فجر وعصر لحضور الملٰئکة فیهما فیؤمنون علی الدعائا فیکون اقرب للاجابة و کذایدعو بعدغیرهما من الصلٰوة لان من اوقات الإجابة ادبارالمکتوبات و یبدأ الدعاء بالحمد لله والثناء علیه و یختم به ویصلی علی النبی ﷺ اوله وآخره ووسطه.

ویستقبل الداعی غیر الإمام هنا القبلة لان خیر المجالس ما استقبل به القبلة ویکره للامام استقبال القبلة بل یستقبل المامومین لما تقدم انه ینحرف الیهم اذا سلم ویلح الداعی فی الدعاء ویکرره ثلاثا لانه نوع من الالحاج والدعاء سراافضل منه جهر القوله تعالی ادعواربکم تضرعا و خفیة لانه اقرب الی الاخلاص قال ویکره رفع الصوت به فی الصلاة وغیرها الالحاج فان رفع الصوت له افضل لحدیث افضل الحج العج والثج اه المراد والظاهر انهم لایکرهون الجهر بالدعاء لقصد التعلیم والتامین فتدبر ـ

الجزء السابع

(۷) واما نص الاحناف ففی شرح نورالایضاح للشیخ حسن الشرنبلانی

الحنفی مع المتن یستحب للإمام بعده ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم یکن بعده نافلة ان یستقبل الناس ان شاء وان لم یکن فی مقابله مصل لما فی الصحیحین کان النبی ﷺ اذا صلی اقبل علینا بوجهه وان شاء الامام انحرف عن یساره وجعل القبلة عن یمینه وان شاء انحرف عن یمینه وجعل القبلة عن یساره وهذا اولی لما فی مسلم کذا، اذا صلینا خلف رسول الله ﷺ احببنا ان نکون عن یمینه حتی یقبل علینا بوجهه وان ذهب لحوائجه قال تعالی فاذا قضیت الصلوة فانتشر وا فی الارض وابتغوا من فضل الله والامر لاباحة الی قوله رافعی ایدیهم حذاء الصدور وبطونها ممایلی الوجه بخشوع و سکون الخ۔

الجزء الثامن

(۸) فتحصل من هذا کله ان الدعاء دبر الصلوات مسنون ومشروع فی المذاهب الاربعة لم ینکره الا ناعق مجنون قد ضل فی سبیل هواه ووسوس له الشیطان فاغواه ۔

ظن الجهول بان مطلق عقله یهدیه یوما اللسبیل المستوی
فاضله حتی الشریعة ردها بمجرد البهتان والسفه القوی
یارب سلمنا وسلم دیننا واهد العباد لمنهج الحق السوی

الجزء التاسع

(۹)فیما یتعلق برفع الیدین عند الدعاء قال السید محمد بن عبدالرحمن الاهدل اعلم و فقنی الله واباك لمرضاته ان رفع الیدین فی الدعاء ای دعاء کان فی ای وقت کان بعد الصلوات الخمس وغیرها دلت علیه الاحادیث خصوصا وعموماً فمن العموم ما اخرجه ابوداؤد والترمذی حسنه وابن ماجه و ابن حبان فی صحیحه والحاکم و قال صحیح علی شرط الشیخین من حدیث سلمان قال قال رسول الله ﷺ ان الله حیی کریم یستحیی اذا رفع الرجل الیه یدیه ان یرد هما صفرا خائبتین واخرج الحاکم و قال صحیح الاسناد من حدیث انسؓ قال قال رسول الله ﷺ ان الله رحیم کریم یستحیی من عبد ن یرفع الیه یدیه ثم لا یضع

فیهما خیرا واخرج احمد و ابوداؤد من حدیث مالك بن یسار قال قال رسول الله ﷺ اذا سألتم الله فاسألوه ببطون اکفکم ولاتسألوه بظهورها واخرج ایضا من حدیث ابن عباس نحوه وزاد فیه فاذا فرغتم فامسحوابها وجوهکم واخرج الترمذی من حدیث عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال کان رسول الله ﷺ اذا رفع یدیه فی الدعاء لم یحطهما حتی یمسح بهما وجهه و قال فی فتح الباری فی کتاب الدعوات فی باب رفع الیدین فی الدعاء و قد وردت الاخبار فی مشروعیة الرفع و قد اخرج ابوداؤد والترمذی و حسنه وغیرهما من حدیث سلمان رفعه ان ربکم حیی کریم یستحیی من عبده اذا رفع یدیه ان یردهما صفرابکسرالمهملة وسکون الفاء ای خالیة و سنده جید اهـ و من الخصوص مامر فی الفصل الاول ۔

ف : (۱) قال جامع ای من اصل الکتاب وهو ما سبق فی الجزء الاول من هذا الانتخاب ۔

ف:(۲) قال الجامع اما استحباب رفع الایدی للدعاء علی کل حال فمراده اذا قراء الفاظ الدعاء و بنیة الدعاء وطلب الحاجة کما هو داب الداعی واما اذا ذکر بعض الادعیة الماثورة بنیة الذکر والاستنان بسنة النبی ﷺ کما فی ادعیة الصباح والمسأ والنوم والیقظة ودخول الخلاء والخروج عنه ودخول المسجد والخروج عنه والدعاء عند الوضوء والقیام من المجلس ودخول السوق وامثال ذلك علی ما بسطه علماء هذا الفن کما فی عمل الیوم واللیلة لابن السنی والاذکار للنووی والحصن الحصین وغیرها فلم یسمع بمن قال بسنیة رفع الیدین فی هذه المواضع ولم یسمع فی السلف والخلف بمن یفعل ذلك کیف ولوکان کذلك لرأیت الناس فی عامة احیانهم واحوالهم رافعی ایدیهم وهذا الفرق فی ذکر الفاظ الادعیة قدرعاه الفقهاء حق الرعایة حیث قالو فی الجنب انه لا یجوز له قرائة الادعیة اذا کان بنیة التلاوة واما اذا ذکرها بنیة الدعاء فیجوز کما فی عامة کتب الحنفیة انتهی۔

الجزء العاشر

(۱۰) فی حکم رفع الیدین علی المذاهب الاربعة ،اما عند المالکیة ففی

عتبية قال مالك رأيت عامر بن عبدالله يرفع يديه وهو جالس بعد الصلاة يدعو فقيل لمالك اترى بهذا بأسا قال لا ارى به بأسا ولا يرفعهما جداوقال ايضا رفع اليدين الى الله تعالى عند الرغبة على وجه الاستكانة والطلب محمود،وقال القاضى ابو محمد ابن العربى اختلفوا فى الرفع الى اين يكون فقيل الى الصدر و قيل الى الوجه وجاء عن النبى ﷺ انه كان يرفع يديه فى الدعاء حتى يبد و بياض ابطه۔

الجزء الحادى عشر

(۱۱) واما عند الشافعية ففى فتح المبين على الاربعين لابن حجر ورفع اليدين فى الدعاء سنة فى غير الصلوٰة و فيها فى القنوت اتباعا له ﷺ۔

الجزء الثانى عشر

(۱۲)واما عند الاحناف فقد مر عن الشرنبلانى طلب رفعهما فى الدعاء دبر الصلوٰة حذاء الصدر و بطونهما مما يلى الوجه بخشوع و سكون ۔

ف: قال الجامع و سبق ما عن الشرنبلانى فى الجزء السادس۔

الجزء الثالث عشر

(۱۳)واما عند الحنابلة فمقتضى قول الشيخ البهوتى فى شرح المقنع فى باب الاستسقاء ويرفع يديه استحبابا فى الدعاء لقول انس كان النبى ﷺ لا يرفع يديه فى شيئ من دعائه الا فى الاستسقاء و كان يرفع حتى يرى بياض ابطه متفق عليه و ظهورهما نحو السمأ لحديث رواه مسلم اھـ ان رفعهما مكروه فى غير الاستسقاء لكن مرعنه رفعهما فى القنوت بل قال الشيخ منصوربن ادريس الحنبلى فى شرح الاقناع مع المتن ومن اداب الدعاء بسط يديه ورفعهما الى صدره لحديث مالك بن يسار مرفوعاً اذا سألتم الله فاسئلوه ببطون اكفكم ولا تسألوها بظهورها رواه ابوداؤد باسناد حسن و تكون يده [۱] مضمومتين لما روى الطبرانى فى الكبير عن ابن عباس كان النبى ﷺ اذا دعا ضم كفيه وجعل بطونهما يلى وجهه وضعفه فى المواهب۔

(۱) هكذا فى الاصل والظاهر يداه ۱۲

الجزء الرابع عشر

(۱٤)فيما يتعلق بمسح الوجه باليدين بعد الدعاء قد مر ما يدل على طلبه من الاحاديث واما حكمه على المذاهب الاربعة فعند المالكية قال في المعيارقال ابن زرقون ورد الخبر بمسح الوجه باليدين عند انقضاء الدعاء واتصل به عمل الناس والعلماء و قال ابن رشد انكر مالك مسح الوجه بالكفين لكونه لم يردبه اثر وانما اخذ من فعله الصلوٰة والسلام للحديث الذى جاء عن عمر رضى الله تعالى عنه قلت قال بجواز مسح الوجه باليدين عند ختم الدعاء الامام الاستاذ ابو سعيد بن لب وابوعبدالله ابن علاق وابوالقاسم بن سراج من متاخرى ائمة غرناطة وابن عرفة والبرزلي والعنبر يني من ائمة تونس والسيد ابويحيى الشريف وابوالفضل العقباني من ائمة تلمسان وعليه مضى عمل ائمة فاس اهـ والمراد بالحديث الذى جاء عن عمرؓ ما اخرجه الترمذى عنه قال كان رسول الله ﷺ اذا رفع يديه في الدعاء لم يحطهما حتى يمسح بهما وجهه اهـ نقل ذلك المارزى وغيره كذا في شرح الشيخ محمد بن ابى القاسم المالكى على نظمه للمسائل التى جرى بها عمل الائمة قال الشيخ ابوالقاسم البرزلي وهذايرد انكارعزالدين بن عبدالسلام المسح اهـ وعند الشافعية والاحناف انه سنة في كل دعاء الا في القنوت كما في كتبهم، ومرعن الحنابلة انه سنة في كل دعاء حتى في القنوت وقد عده ابن حجر في شرح العباب كما مرمن آداب الدعاء وقال قال الحليمي والمعنى فيه التفاؤل بان كفيه قد ملئتا خيراً فيفيض منه على وجهه والله اعلم۔

ف: قال الجامع وهذا القول من مسح الوجه في القنوت مذكور في اصل الكتاب في اٰخر المطلب الثاني من الفصل الاول تحت عنوان نص الحنابلة بهذه العبارة و فيه ايضاً في مبحث صلوٰة الوتر ويقنت فيها اى في الثالثة الى قوله ويمسح و جهه بيديه اذا فرغ من دعائه هنا و خارج الصلوة اهـ

......اردو ترجمہ......

پہلا جز

ا۔(امام نسائیؒ کے شاگرد) ابن سنیؒ نے اپنی کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں اسناد مندرجہ متن کے ساتھ حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی اللہ کا بندہ ہر نماز کے بعد ہاتھ پھیلا کر یہ دعا مانگتا ہے تو حق تعالیٰ اپنے ذمہ لازم کر لیتے ہیں کہ اس کے ہاتھوں کو محروم کر کے نہ لوٹائیں (بلکہ اس کی دعا قبول فرماتے ہیں اور ترجمہ دعا کا یہ ہے) یا اللہ اے میرے معبود اور حضرات ابراہیم واسحٰق و یعقوب کے معبود اور جبرئیل و میکائیل و اسرافیل کے معبود میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری دعا قبول فرما اس لئے کہ میں مضطر (مجبور) ہوں اور دین کے معاملہ میں میری حفاظت فرما کیونکہ مبتلاء معاصی ہوں اور مجھے اپنی رحمت کے اندر لے لیجئے کیونکہ میں گناہگار ہوں اور مجھ سے فقر و محتاجی کو دور کر دیجئے کیونکہ میں مسکین ہوں اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی عبدالعزیز عبدالرحمٰن بھی ہیں جن کے بارہ میں علماء کو کلام (اختلاف) ہے اور میزان الاعتدال وغیرہ میں اس کی تصریح کی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جاوے گا جیسا کہ ہر اہل علم جانتا ہے اور اس حدیث کی تقویت اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں بروایت اسود عامری عن ابیہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی جب آپ نے سلام پھیرا تو جانب قبلہ سے ہٹ کر دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی (آگے دعا وہی ذکر کی ہے جو اوپر والی حدیث میں گزری) اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ائمہ حدیث نے ذکر فرمایا ہے کہ ایک ضعیف روایت کے ساتھ جب دوسری ضعیف روایت (اس کی مؤید) مل جاتی ہے تو وہ ساقط وغیرہ معتبر ہونے کی درجہ سے ترقی کر کے درجۂ اعتبار و اعتماد پر پہنچ جاتی ہے اور حافظ (جلال الدین) سیوطیؒ نے اپنے رسالہ فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء میں بحوالہ ابن ابی شیبہ محمد یحی اسلمی سے نقل کیا ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن الزبیر کو اس طرح دیکھا کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہا ہے جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو اس سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب تک نماز سے فارغ نہ ہو جاتے تھے دعاء کے لئے ہاتھ نہ اٹھاتے اور سب راوی اس روایت کے ثقہ ہیں

اھ۔ یہ تحقیق علامہ سید محمد عبدالرحمٰن بن سلیمان بن یحییٰ بن عمر بن مقبول اہدل زبیدیؒ نے بیان فرمائی ہے اور کتاب المعیار میں ہے کہ (امام حدیث) عبدالرزاق نے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے (یعنی زیادہ قبولیت کے قریب ہے) آنحضرت نے فرمایا کہ آخری نصف رات کے وقت اور فرض نمازوں کے بعد اس حدیث کو محدث عبدالحق اور ابن قطان نے صحیح کہا ہے اور امام محدث ابوالربیع نے اپنی کتاب مصباح الظلام میں نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت مانگنا ہو وہ نماز فرض کے بعد مانگے اھ۔

جزو دوم

۲۔ امام ابن سنیؒ نے حضرت ابوامامہؓ سے روایت کیا ہے کہ میں جب کبھی نماز فرض یا نفل کے بعد آنحضرت ﷺ سے قریب ہوا تو ہمیشہ یہ دعا کرتے ہوئے سنا کہ یا اللہ میرے سب گناہ اور خطائیں معاف فرما دیجئے یا اللہ مجھے بلند کیجئے اور میرا جبر نقصان کر دیجئے اور مجھے عمدہ اخلاق و اعمال کی طرف ہدایت فرمایئے کیونکہ اچھے اعمال و اخلاق کی طرف آپ کے سوا کوئی ہدایت نہیں کرسکتا اور نہ برے اعمال و اخلاق سے آپ کے سوا کوئی ہٹا سکتا ہے اور امام نسائی (۱) نے حضرت کعبؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ قسم ہے اس اللہ کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا کو شق کر دیا تھا کہ ہم تورات میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ نبی اللہ حضرت داؤد علیہ اسلام جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تھے تو یہ دعا کرتے تھے اے اللہ میرے دین کو درست فرما دے جس کو آپ نے میرے لئے پناہ بنایا ہے اور میری دنیا کو درست کر دیجئے جس میں آپ نے میرا گزارہ رکھا ہے یا اللہ میں آپ کے غصہ سے آپ کی رضا کے ساتھ پناہ لیتا ہوں اور آپ کے عذاب سے آپ کی معافی کے ساتھ پناہ پکڑتا ہو اور میں آپ سے آپ ہی کے ساتھ پناہ لیتا ہوں جو کچھ آپ عطا فرماویں اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو آپ روکیں اس کو کوئی عطا کرنے والا نہیں اور آپ کے مقابلہ میں کسی کوشش کرنے والے کی کوشش نہیں چلتی، راوی کہتا ہے حضرت کعبؓ نے یہ بھی فرمایا کہ آنحضرت ﷺ بھی نماز ختم کرنے کے بعد یہ دعا فرمایا کرتے تھے، اور تلخیص رسالہ میں بضمن فائدہ مستدرک حاکم باب الدعاء بعد الصلوٰۃ سے اس روایت کا بھی

(۱) اصل رسالہ میں چونکہ نسائی کی حدیث ناتمام لکھی تھی جس کو تلخیص میں بعنوان فائدہ مکمل لکھا گیا ہے، اس لئے ترجمہ میں مکمل حدیث کا ترجمہ لیا گیا ہے، پھر اصل رسالہ میں جس قدر جز ولیا ہے اس کے ترجمہ کی حاجت نہ رہی ۱۲ منہ۔

اضافہ کیا گیا ہے کہ حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اے معاذ خدا کی قسم! میں تم سے محبت رکھتا ہوں، معاذؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان خدا کی قسم میں بھی آپ سے محبت رکھتا ہوں، پھر فرمایا: اے معاذ! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد اس دعا کو کبھی نہ چھوڑنا (دعا یہ ہے) یا اللہ اپنے ذکر و شکر اور اچھی طرح عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔

راوی کہتا ہے کہ پھر حضرت معاذؓ نے یہی وصیت صنابحی کو فرمائی اور صنابحی نے ابوعبدالرحمٰن کو اور ابوعبدالرحمٰن نے عقبہ بن مسلم کو حاکم نے اس حدیث کو علی شرط البخاری و مسلم صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے بھی تلخیص میں اس کو تسلیم کیا ہے (تمت الفائدہ) اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا) جب تم مغرب کی نماز سے فارغ ہو تو سات مرتبہ یہ دعا پڑھو یا اللہ مجھے آگ سے نجات دیجئے اگر تم نے یہ دعا پڑھ لی اور پھر اسی رات میں تمہیں موت آ گئی تو تمہارے لئے جہنم کی آگ سے نجات لکھ دی جاوے گی اور جب صبح کی نماز پڑھ چکو جب بھی یہی دعا اسی طرح پڑھو اگر اس دن میں تمہیں موت آ گئی تو تمہارے لئے جہنم سے نجات لکھ دی جاوے گی۔

تیسرا جزو

۳۔ خوب سمجھ لیجئے کہ مذاہب اربعہ (یعنی حنیفہ، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ) میں اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ (نماز کے بعد آہستہ دعا مانگنا امام اور منفرد کے لئے مستحب ہے اور مالکیہ اور شافعیہ امام کے لئے اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ دعا جہراً پڑھے تاکہ مقتدیوں کو تعلیم ہو یا وہ اس کی دعا پر آمین کہہ سکیں، مالکیہ کی روایات فقہیہ اس بارہ میں یہ ہیں، (۱) معیار میں ہے کہ ابن عرفہ نے کہا ہے کہ علم اور دین میں جن ائمہ کی اقتداء کی جاتی ہے ان کا عمل اس پر رہا ہے کہ نماز ختم کرنے کے بعد ادعیۂ ماثورہ پڑھتے تھے اور میں نے کسی کو نہیں سنا جو اس سے انکار کرتا ہو بجز اس جاہل کے جس کا اتباع نہیں کیا جا سکتا اور اللہ تعالیٰ رحم فرمائے بعض علماء اندلس پر کہ جب انہوں نے یہ سنا کہ بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں تو ایک رسالہ اس کی تردید میں تصنیف فرمایا اھ۔

اور (کتاب معیار کے) نوازل الصلوٰۃ میں مرقوم ہے ان امور میں سے جن کا ثبوت مثل ضروریات و بدیہیات کے ہے تمام اطراف دنیا میں ائمہ کرام کا یہ عمل بھی ہے کہ نمازوں کے بعد مساجد اور جماعات میں دعا مانگتے تھے اور استصحاب حال ایک حجت شرعیہ ہے اور مشرق و مغرب

میں تمام مسلمانوں کا اس پر قدیم زمانہ سے مجتمع اور متفق ہو جانا اور کسی کا انکار نہ کرنا اس عمل کے جائز اور اس کو اختیار کرنے کے مستحب و مستحسن ہونے اور علماء مذہب کے نزدیک اس کے مؤکد ہونے کے دلائل میں سے ہے۔ انتہی باختصار، اور (۳) قاضی محمد ابن العربی فرماتے ہیں کہ دعاء بعد نماز فرض کے افضل ہے دعاء بعد النفل سے، اور (۴) اکمال میں ہے کہ عبدالحقؒ نے ان مواضع کو جمع کیا ہے جن میں دعا قبول ہوتی ہے ان میں سے ایک دعا بعد نماز بھی ہے اور امام ابن عرفہ نے اس بارہ میں کسی کا خلاف ہونے کا انکار فرمایا ہے اور کہا ہے کہ میں اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں سمجھتا ہوں کہ امام ابن عرفہ نے اگر اپنے قول میں کسی قسم کی کراہت نہ سمجھنے سے یہ مراد لی ہے کہ کسی متقدم بزرگ نے اس کو مکروہ نہیں کہا تو صحیح ہے اور اگر مطلقاً مکروہ نہ کہنا مراد ہے تو اس میں ایک تردد ہے وہ یہ ہے کہ شیخ شہاب الدین قرافیؒ نے اپنے قواعد کے آخر میں کراہت ذکر کی ہے اور علت کراہت کی یہ بیان کی ہے کہ امام کے نفس میں اس کی وجہ سے تعاظم و تکبر پیدا ہوتا ہے انتہی۔

اور میں کہتا ہوں کہ مقتضا اس کا یہ ہے کہ قرافی نے اس کو مطلقاً مکروہ کہا ہے خواہ سراً ہو یا جہراً حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ابوالحسن کے حاشیہ رسالہ میں یہ الفاظ ہیں قرافی کہتے ہیں کہ امام مالکؒ اور علماء کی ایک جماعت نے ائمہ مساجد و جماعات کے لئے فرض نمازوں کے بعد حاضرین کو سنانے کے لئے جہراً دعا مانگنا مکروہ سمجھا ہے کیونکہ اس صورت میں اس کے لئے دو چیزیں بڑائی اور سیادت کی جمع ہو جائیں گی بوجہ امامت کے سب کے آگے ہونا دوسرے یہ کہ اس نے آپ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان دعا میں ایک واسطہ بنا کر قائم کر دیا ہے تو عجب نہیں کہ اس کے نفس میں تکبر پیدا ہو جائے اور اس کا قلب فاسد ہو جاوے اور اس حالت میں حق تعالیٰ کی جتنی عبادت کر رہا ہے اس سے زیادہ گناہ میں مبتلا ہو جاوے۔ ف۔ حضرت جامع (رسالہ استحباب الدعوات میں) فرماتے ہیں کہ جو کراہت کسی ایسے عارض کی وجہ سے ہو کہ اس کا وجود اکثر اور غالب نہ ہو وہ کراہت عارض کے معدوم ہونے کے وقت اباحت فی نفسہ کی معارض و مخالف نہیں۔

چوتھا جزو

۴۔ لوگوں نے اس مسئلہ میں بہت بحث و گفتگو کی ہے یعنی نماز کے بعد امام کا دعا کرنا اور حاضرین کا اس پر آمین کہتے رہنا اور خلاصہ اس تحقیق کا جو امام ابن عرفہ اور عبرینی نے فرمائی ہے یہ ہے کہ ایسی دعاء اگر اس نیت سے ہو کہ یہ نماز کی سنتوں اور مستحبات میں سے ایک سنت و مستحب

ہے تب تو ناجائز ہے اور اگر اس عقیدہ سے سلامتی کے ساتھ (محض ایک دعا مستجاب ہونے کی حیثیت سے) ہے تو وہ اصل دعا کے حکم میں ہے اور دعاء ایک عبادت شرعیہ ہے جس کی فضیلت نصوص شریعت سے معروف ومشہور ہے آھ۔ یہاں تک عدوی کا کلام ختم ہوا کسی قدر تصرف و زیادت کے ساتھ۔

پانچواں جزو

۵۔ اور مذہب شافعیہ کی روایات فقہیہ (اس مسئلہ میں) یہ ہیں فتح المعین اور اس کے متن میں ہے اور مسنون ہے ذکر اور دعاء بعد نماز کے آہستہ یعنی دعا کا آہستہ پڑھنا مسنون ہے منفرد کے لئے بھی اور امام اور مقتدی کے لئے بھی ور اس امام کے لئے بھی جو اس کا ارادہ نہ رکھے کہ حاضرین کو تعلیم ہو یا حاضرین اس کی دعا سن کر پھر آمین کہیں اھ اور ابن حجرؒ کی شرح عباب میں اور ان کے فتاویٰ کبریٰ میں ہے مسنون ہے نمازی کے لئے جبکہ وہ منفرد یا مقتدی ہو (جیسا کہ کتاب مجموع میں بحوالۂ نص مذکور ہے) یہ کہ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد کثرت سے ذکر اللہ کرے اور پست آواز سے دعا مانگے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے لیکن امام اسنوی فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ امام کے لئے مسنون یہ ہے کہ مقتدیوں کے ساتھ ذکر و دعاء میں اختصار کرے جب کرے جب وہ چلے جائیں (یا منتشر ہو جائیں) پھر طویل ذکر و دعاء کرسکتا ہے۔

چھٹا جزو

۶۔ اور مذہب حنابلہ کی روایات فقہیہ کے متعلق کچھ عبارات صاحب رسالہ نے نقل کرنے بعد فرمایا ہے کہ ان عبارات کے مجموعہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ دعا بعد تمام نمازوں کے حنابلہ کے نزدیک مسنون ہے اس لئے کہ یہ وقت ساعات اجابت میں سے ہے جیسا کہ احادیث مذکورہ اس پر دلالت کرتی ہیں بلکہ شیخ منصور ابن ادریس حنبلی نے شرح اقناع میں فرمایا ہے کہ مسنون ہے ذکر اللہ اور دعاء و استغفار بعد نماز فرض کے یہاں تک فرمایا اور دعا کرے امام بعد نماز فجر و عصر کیونکہ ان دونوں نمازوں میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں تو وہ اس کی دعا پر آمین کہیں گے جس سے وہ اقرب الی القبول ہو جاوے گی اور اسی طرح ان دونوں نمازوں کے علاوہ اور نمازوں میں دعا کرے کیونکہ اوقات اجابت میں سے ایک وقت فرض نمازوں کے بعد بھی ہے اور چاہئے کہ دعا کو حمد و ثنا سے شروع کرے اور اسی پر ختم کرے اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے دعا کے اول و آخر

میں بھی اور وسط میں بھی اور سب دعاء کرنے والے اس وقت قبلہ کی طرف کو منہ کریں علاوہ امام کے کیونکہ بہترین مجلس وہ ہے جس میں استقبالِ قبلہ ہو لیکن امام کے لئے استقبال قبلہ (بعد نماز کے) مکروہ ہے بلکہ وہ مقتدیوں کی طرف تو جہ کر کے بیٹھے کیونکہ اوپر گزر چکا ہے کہ امام کو بعد سلام کے مقتدیوں کی طرف پھر جانا چاہئے اور چاہئے کہ دعا کرنے والا دعا میں الحاح و اصرار کرے اور دعا کو تین مرتبہ مکرر کرے کیونکہ مکرر کرنا بھی صورت الحاح کی ہے اور دعاء پست آواز سے بہ نسبت جہر کے افضل ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ادعوا ربکم تضرعا و خفیۃ یعنی اپنے رب کو پکارو الحاح و زاری کے ساتھ خفی آواز سے کیونکہ خفیہ اور سراً دعا کرنا اخلاص کی طرف اقرب ہے فرمایا (یعنی شیخ منصور نے) اور دعا میں جہر اور بلند آوازی نماز اور غیر نماز میں مکروہ ہے مگر حج کرنے والا اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کے لئے آواز بلند کرنا ہی افضل ہے بوجہ اس حدیث کے کہ افضل حج کا وہ ہے جس میں آوازیں دعا و تلبیہ کی بلند ہوں اور خون (قربانیوں کے) بہائے جائیں اھ۔ مراد بظاہر یہ ہے کہ اگر دعا کا جہر تعلیم حاضرین اور ان کے آمین کہنے کے قصد سے ہو تو علماء اس کو مکروہ نہیں کہتے۔

ساتواں جزو

۷۔ اور مذہب حنفیہ کی روایات فقہیہ یہ ہیں علامہ شرنبلانی کی شرح نور الایضاح اور اس کے متن میں ہے مستحب ہے امام کے لئے بعد نفل کے اور بعد فرض کے اگر بعد اس فرض کے کوئی نفل نہ ہو یہ کہ اگر چاہے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائے بشرطیکہ اس کے مواجہہ میں کوئی شخص نماز نہ پڑھ رہا ہو، کیونکہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز پڑھ لیتے تھے تو ہماری طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور اگر چاہے تو امام یہ بھی کر سکتا ہے کہ اپنی بائیں جانب کی طرف پھر جائے اور قبلہ کو اپنی داہنی جانب کرے اور اگر چاہے تو اپنی داہنی جانب پھر جائے اور قبلہ کو اپنی بائیں جانب کرے اور یہ اخیر صورت اولیٰ و بہتر ہے اس لئے کہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو یہ چاہتے تھے کہ ہم آپ ﷺ کی داہنی جانب کھڑے ہوں تا کہ آپ کا چہرہ مبارک ہماری طرف ہو اور امام کو یہ بھی اختیار ہے کہ بعد نماز کے نہ بیٹھے بلکہ اپنی حاجات کے لئے اٹھ کھڑا ہو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب نماز پوری ہو جائے تو اطراف زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے رزق و روزی کو طلب کرو اور یہ حکم (منتشر ہو جانے کا) اباحت و جواز کے لئے ہے (الی قولہ) دعا کے وقت ہاتھ اٹھائے ہوئے

ہوں اپنے سینوں کے برابر اور ہاتھ کے اندرونی جانب یعنی ہتھیلی کی طرف اپنے چہرہ کی جانب ہو اور یہ تمام افعال خشوع وسکون کے ساتھ ہونا چاہئیں۔

آٹھواں جزو

۸۔ پس ان تمام احادیث اور عبارات مذاہب سے یہ حاصل ہوا کہ تمام نمازوں کے بعد دعا کرنا چاروں مذہبوں میں مسنون ومشروع ہے اس کا انکار سوا اس جاہل مجنون کے کسی نے نہیں کیا جو اپنی ہوائے نفسانی کے راستہ میں گمراہ ہوگیا اور شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈال کر اس کو بہکا دیا (ترجمۂ نظم) جاہل نے یہ سمجھ لیا کہ محض اس کی عقل کسی وقت اس کو سیدھے راستہ کی ہدایت کردے گی، اس کے اس گمان نے اسے گمراہ کردیا یہاں تک کہ شریعت پر محض بہتان اور اپنی انتہائی بیوقوفی سے رد کرنے لگا، اے ہمارے پروردگار ہمیں اور ہمارے دین کو سلامت رکھ اور اپنے بندوں کو صحیح اور سیدھے راستہ کی ہدایت فرما۔

نواں جزو

۹۔ دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کے متعلق سید محمد ابن عبدالرحمٰن اہدل فرماتے ہیں سمجھ لو حق تعالیٰ مجھے اور تمہیں اپنی رضا کی توفیق عطا فرمائے کہ دعا کے وقت خواہ وہ کوئی دعا ہو اور کسی وقت ہو نمازوں کے بعد ہو یا ان کے سوا دوسرے اوقات میں ہاتھ اٹھانے پر احادیث نبویہ دلالت کرتی ہیں خاص خاص اوقات کے لئے بھی اور عام اوقات کے لئے بھی الفاظ عموم کی روایات تو یہ ہیں ابوداؤد وترمذی وابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے اور ابن حبان نے اس روایت کو اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور حاکم نے مستدرک میں اس کو صحیح علی شرط الشیخین لکھا ہے وہ حدیث یہ ہے حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ بہت حیا کرنے والے اور کریم ہیں اور اس سے حیا کرتے ہیں کہ کوئی شخص اس کی طرف دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور وہ انہیں خالی اور محروم لوٹادے اور حاکم نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح الاسناد کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحیم وکریم ہے اس بندہ سے حیا کرتا ہے جو اس کی طرف ہاتھ اٹھائے کہ اس کے ہاتھوں پر کوئی خیر وعطا نہ رکھے اور امام احمد وابوداؤد نے حضرت مالک بن یسارؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو ہاتھوں کے باطنی جانب سے سوال کرو ظاہری طرف سے نہ کرو (یعنی ہتھیلیاں چہرہ کی طرف ہو اور پشت دست نیچے کی طرف) اور حضرت ابن

عباسؓ سے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے اور اس میں یہ زیادہ کیا ہے کہ جب دعا سے فارغ ہو جاؤ تو ہاتھ اپنے منہ پر پھیرلو اور ترمذی نے حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تھے تو ان کو نہ ڈالتے تھے جب تک کہ ان سے چہرہ مبارک پر مسح نہ فرمالیں اور فتح الباری کتاب الدعوات باب رفع الیدین فی الدعاء میں ہے کہ وارد ہوئی ہیں بہت سی احادیث ہاتھ اٹھانے کی مشروعیت میں اور حضرت ابوداؤد نے حضرت سلیمان سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے روایت کر کے حسن کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا رب حیا کرنے والا کریم ہے اپنے بندہ سے حیا کرتا ہے کہ جب وہ ہاتھ اٹھائے ان کو خالی لوٹا دے اور سند اس حدیث کی عمدہ ہے اور وہ روایات جن میں خاص خاص اوقات کی دعاؤں میں ہاتھ اٹھانے کا ارشاد ہے وہ اس رسالہ کی فصل اول میں گزر گئی ہیں۔

ف: (۱) اس رسالہ کی تلخیص کرنے والے حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ فصل اول سے اصل رسالہ مسلک السادات کی فصل اول مراد ہے اور اس تلخیص رسالہ میں یہ روایات جزاول کے زیرعنوان گزری ہے۔

ف: (۲) حضرت جامع فرماتے ہیں کہ مصنف کا یہ فرمانا کہ دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا ہر حال اور ہر وقت میں بعد نماز ہو یا یا دوسرے اوقات میں بہرحال مستحب ہے یہ اس وقت ہے جبکہ الفاظ دعا کو طلب حاجت کے قصد و نیت سے پڑھے لیکن جب یہ قصد نہ ہو بلکہ بطور ذکر مسنون کے پڑھنا ہو جیسے صبح و شام اور خواب و بیداری کے اوقات کی دعائیں یا بیت الخلاء میں جانے اور نکلنے کی اور مسجد میں جانے اور نکلنے کی اور وضوء کی دعائیں اور مجلس سے اٹھنے اور بازار میں داخل ہونے وغیرہ کی دعائیں جیسا کہ کتاب عمل الیوم واللیلة واذکار نووی اور حصن حصین میں دعائیں مفصل مذکور ہیں تو ان دعاؤں میں ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں اور سلف وخلف میں کسی عالم یا فقیہ کو نہیں سنا گیا کہ وہ ان میں ہاتھ اٹھانے کے مستحب یا مسنون ہونے کا قائل ہوا اور کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو مسلمان کا کوئی وقت بھی ہاتھ اٹھانے سے خالی نہ رہتا کیونکہ یہ دعائیں تو انسان کی ہر نقل وحرکت پر مسنون ہیں اور یہ فرق جو مذکور ہوا حضرات فقہا نے اس کی رعایت دوسرے موقعہ پر بھی فرمائی ہے مثلاً جنب کے لئے حکم ہے کہ اگر تلاوت قرآن بہ نیت تلاوت کرے تو جائز نہیں اور اگر بہ نیت ذکر ماثور یا طلب حاجت کرے تو جائز ہے جیسا کہ عام کتب فقہ میں موجود ہے۔

دسواں جزو

۱۰۔ (رفع یدین فی الدعاء کے متعلق مذاہب اربعہ کی تصریحات) حضرات مالکیہ کی روایات تو یہ ہیں عتبیہ میں ہے کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عامر بن عبداللہؒ کو دیکھا کہ نماز کے بعد بیٹھے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہے ہیں امام مالکؒ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آپ اس میں کچھ کراہت سمجھتے ہیں فرمایا کہ میں اس میں کوئی کراہت نہیں سمجھتا البتہ ہاتھوں کو بہت زیادہ نہ اٹھائے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ اٹھانا بوقت رغبت کے اظہار عاجزی وطلب کے طور پر محمود و مستحسن ہے اور قاضی ابومحمد ابن العربی فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ رفع یدین کس حد تک ہونا چاہئے بعض نے فرمایا ہے کہ سینہ تک اور بعض نے چہرہ تک اور نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ دعا میں اس حد تک ہاتھ اٹھاتے تھے کہ آپ کی بغل مبارک کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔

گیارہواں جزو

۱۱۔ اور مذاہب شوافع کی روایت فقہی یہ ہے کہ فتح المبین حاشیہ اربعین ابن حجر میں ہے اور اٹھانا ہاتھوں کا دعا میں سنت ہے غیر نماز میں اور نماز میں صرف قنوت کے وقت حسب اتباع نبی کریم ﷺ۔

بارہواں جزو

۱۲۔ اور مذہب حنفیہ کی روایات فقہی بحوالۂ شرح نورالایضاح شرنبلانی اوپر گزر چکی ہے جس میں تمام نمازوں کے بعد خشوع وخضوع کے ساتھ سینہ تک ہاتھ اٹھانے اور ان کے اندرونی حصہ کو چہرہ کی طرف کرنے کا مطلوب ومستحب ہونا مذکور ہے۔

ف: حضرت جامع مدظلہم فرماتے ہیں کہ شرنبلانی کی یہ عبارت ساتویں جزو میں مذکور ہوئی ہے۔

تیرہواں جزو

۱۳۔ اور حنابلہ کی روایات مذہب یہ ہیں شرح مقنع باب الاستسقاء میں شیخ بہوتی کا قول ہے کہ اٹھائے اپنے دونوں ہاتھ دعا میں استحبابا بوجہ ارشاد حضرت انسؓ کے کہ نبی کریم ﷺ نہیں اٹھاتے تھے ہاتھ کسی دعا میں سوائے استسقاء کے اور آپ (استسقاء میں) اس حد تک ہاتھ اٹھاتے تھے کہ بغل مبارک کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی، یہ روایت بخاری ومسلم میں ہے اور

(استسقاء میں) پشت ہاتھوں کی آسمان کی طرف رہنا چاہئے روایت کیا اس کو مسلم نے اور مقتضی قول کا یہ ہے کہ اٹھانا ہاتھوں کا نماز استسقاء کے سوا دوسرے مواقع میں مکروہ ہے لیکن خود شیخ بہوتی کا قول یہ بھی گزر چکا ہے کہ قنوت میں بھی ہاتھ اٹھائے جاویں بلکہ شیخ منصور بن ادریس حنبلی شرح اقناع میں فرماتے ہیں کہ آداب دعا میں سے ہے پھیلانا ہاتھوں کا اور اٹھانا ان کا اپنے سینہ تک بوجہ حدیث حضرت مالک بن یسارؓ کے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو ہاتھوں کی باطنی جانب سے سوال کرو ظاہری جانب سے نہ کرو روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اسناد حسن سے اور ہاتھ ملے ہوئے ہونے چاہئیں اس لئے کہ طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا فرماتے تھے تو دونوں ہتھیلیوں کو ملاتے تھے اور ہاتھوں کی اندرونی جانب اپنے چہرہ کی طرف کرتے تھے اور مواہب میں اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

چودھواں جزو

۱۴۔ دعاء کے بعد چہرہ پر ہاتھ پھیرنے کے متعلق وہ احادیث و روایات اوپر گزر چکی ہیں جن سے دعا کے بعد چہرہ پر ہاتھ پھیرنے کا مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے اب رہا چاروں مذاہب میں اس کا حکم سو مالکیہ کے مذہب کی روایت تو یہ ہے کہ معیار میں ابن زرقون کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث میں آیا ہے مسح کرنا اپنے چہرہ کا دونوں ہاتھوں سے بوقت اختتام دعاء کے اور اس کے ساتھ تمام عوام و خواص اور علماء کا عمل مل گیا جس سے اس روایت کی تقویت ہوگئی اور ابن رشد فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے دونوں ہاتھوں کے چہرہ پر پھیرنے کا بایں وجہ انکار کیا ہے کہ اس کے لئے کوئی حدیث نہیں آئی البتہ اس حدیث سے اس کو لیا جاتا ہے جو حضرت عمرؓ سے منقول ہے، میں کہتا ہوں کہ امام استاد ابوسعید بن لب اور ابوعبداللہ ابن علاق اور ابوالقاسم بن سراج جو متاخرین علماء غرناطہ میں سے ہیں اور ابن عرفہ اور برزلی اور غبرینی جو ائمہ تونس میں سے ہیں اور سید ابویحییٰ شریف اور ابوالفضل عقبانی جو ائمہ تلمسان میں سے ہیں یہ سب حضرات دعاء کے بعد چہرہ پر دونوں ہاتھ پھیرنے کے جواز کے قائل ہیں اور اسی پر ائمہ فارس کا عمل رہا ہے اور مراد اس حدیث سے جو حضرت عمرؓ سے منقول ہوئی ہے وہ ہے جو ترمذی نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اٹھاتے تھے اپنے ہاتھوں کو دعاء میں تو نہ ڈالتے تھے جب تک کہ نہ پھیر لیتے تھے ان کو اپنے چہرہ مبارک پر اھ۔ اس کو مازری وغیرہ نے نقل کیا ہے ذکر کیا اس کو شیخ

محمد بن ابی القاسم مالکی نے شرح نظم میں جس میں وہ مسائل جمع کیے ہیں جن پر ائمہ امت کا عمل رہا ہے شیخ ابوالقاسم برزلی فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت عزالدین ابن عبدالسلام کے انکار مسح وجہ کی تغلیط ہوتی ہے اور مذہب شافعیہؒ کا اس میں یہ ہے کہ وہ سنت ہے ہر دعا میں سوائے دعا قنوت کے جیسا کہ شوافع کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے اور مذہب حنابلہ کی نقل گزر چکی ہے کہ وہ سنت ہے ہر دعاء میں بجز دعاء قنوت کے اور ابن حجر نے شرح عباب میں اس کو آداب دعا میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ حلیمی فرماتے ہیں کہ راز اس فعل کے مستحب ہونے میں نیک فال لینا ہے کہ گویا اس کے ہاتھ خیر سے بھر گئے ہیں اس کو اپنے چہرہ پر ڈالتا ہے۔اھ واللہ اعلم۔

ف:۔حضرت جامع دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہ قول مسح وجہ فی القنوت کا اصل کتاب میں مطلب ثانی فصل اول میں زیر عنوان نص الحنابلہ اسی عبارت مذکورہ کے ساتھ منقول ہے اور اس میں صلوٰۃ وتر کی بحث میں بھی یہ مذکور ہے کہ تیسری رکعت میں دعاء قنوت کرے (الی قولہ) اور مسح کرے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرہ پر جبکہ اپنی دعا سے فارغ ہو اس موقعہ (قنوت) میں بھی اور خارج نماز بھی اھ تمام ہوا ترجمہ رسالہ استحباب الدعوات عقیب الصلوٰت کا والحمدللہ الذی لعزته وجلاله تتم الصالحات۔

(النورص ۹ ربیع الثانی ۵۵ھ تا النورص ۴ شعبان ۵۵ھ)

تمت الرسالة

بیان سن بلوغ مرد

سوال (۷۵۸) سن بلوغ شریعت نے کیا مقرر کیا ہے۔

الجواب۔ بارہ برس کے بعد جب علامات بلوغ کی ظاہر ہو جائیں بلوغ کا حکم کر دیا جائے گا اگر کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو بقول مفتی بہ پندرہ سال کی عمر میں بلوغ کا حکم کر دیا جائے گا، واللہ اعلم، اشرف علی، سلخ ذی الحجہ ۵۵ھ والمسئله مشهورة فی کتب الفقه مذکورة۔

(النور ربیع الاول ص ۵ ۵۷ھ)

ترک صلوٰۃ پر جرمانہ

سوال (۷۵۹) خادم جس موضع میں رہتا ہے لوگوں نے بے نمازی مسلمانوں پر جرمانہ مقرر کر رکھا ہے ابھی چندروز سے اہتمام بعض نمازیوں نے یہ کیا ہے جس کی وجہ سے اور لوگ جو بے نمازی تھے نماز پڑھنے لگے اور جرمانہ کے متعلق آنحضور نے کانپور میں وعظ میں کچھ تحقیقات بیان فرمائی تھیں جو یاد نہیں رہا یعنی وہ حدیثیں جن سے جرمانہ مقرر کرنا اپنے نفس پر جو کہ جائز ہے اور دوسرے لوگ کسی پر مقرر کریں اس کا ناجائز ہونا پھر اس مال جرمانہ کا وصول کر کے کسی نیک کام میں صرف کرنا اس کا ناجائز ہونا غرض اس کے متعلق جو حدیثیں یا دلائل فقہیہ ہیں آنحضور ان دلائل کو تحریر فرماویں تاکہ صورت جواز و عدم جواز سے لوگ مطلع کر دیئے جاویں اور دلائل کی خادم نے اپنی یاد کے لئے تکلیف دی ہے کہ تحریر فرمادیویں۔

الجواب۔ جرمانہ کے مسئلہ کو فقہاء نے تعزیر کے باب میں لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حنفیہ اس کے قائل نہیں ہیں اور جو آثار صحابہ کے اس بارہ میں ہیں یا اجتہاد ہے یا اگر مرفوع حکمی ہیں تو منسوخ ہیں اور ناسخ یہ حدیث ہے لا یحل مال امرء الا بطیب نفسه اور یہ آیت لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (تتمۂ اولیٰ ص ۲۰۰)

صبح کے لئے فرض اور سنن کے درمیان لیٹنے کا حکم

سوال (۷۶۰) صبح کی فرضوں اور سنتوں کے درمیان قدرے داہنی کروٹ پر لیٹنا اس کے مسنون وغیرہ ہونے کی کیا اصل ہے۔

الجواب۔ مسنون بایں معنی تو ہے نہیں کہ شرع میں مقصود ہو اور بایں معنی کہ آپ سے

منقول ہے گو بطور عادت ہی سہی۔ ۹ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۲۰۱)

تقدیم اوراد بعد الصلوٰۃ بر صلوٰۃ

سوال (۷۶۱) اکثر مسجدوں میں نماز کا وقت مقرر نہیں جب چار آدمی ہوئے جماعت ہوگئی اگر دیر سے جاوے تو جماعت نہیں ملتی اور اگر پہلے چلا جاوے تو بیٹھے بیٹھے تھکن سی معلوم ہوتی ہے تو اس بیٹھنے میں جو اپنا وظیفہ پڑھے جو بعد نماز پڑھا کرتا ہے تو کیا نہیں ہوسکتا۔

الجواب۔ ہوسکتا ہے۔ ۱۰ رجب ۱۳۳۵ھ (تتمۂ خامسہ ص ۱۹)

اختلاف در تکفیر بے نماز

سوال (۷۶۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مقدمہ میں کہ جس شخص کی زوجہ نماز نہ پڑھتی ہوگی تو اس کی اولاد حرامی ہوگی یا کیا۔

الجواب۔ صحابہ وتابعین و تبع تابعین نے تارک صلوٰۃ کے کفر میں اختلاف کیا ہے فی التفسير المظهری تحت قوله تعالیٰ حافظوا على الصلوات واما تارك الصلوٰة عمدا فقال احمد يكفر و قال مالك والشافعي وهو رواية عن احمد انه لا يكفر لكن يستتاب فان تاب والا قتل وقال ابوحنيفة لا يقتل لكن يحبس ابداحتي يموت او يتوب اهـ و في نفع المفتي والسائل و قد اختلف الصحابة والتابعون في كفر من ترك الصلوٰة متعمداوجزائه فقال من الصحابة سيدنا عمروعبدالله بن مسعود وعبدالله بن عباس ومعاذ بن جبل وجابر بن عبدالله وابوالدرداء وابوهريرة وعبدالرحمن بن عوفؓ ومن غير الصحابة احمد بن حنبل و اسحق بن راهويه والنخعي و ايوب السجستاني وابوداؤد والطيالسي و ابوبكر بن ابی شيبه ان من ترك الصلوٰة في وقت عمداً بلا عذر يكفر و قال حماد بن زيد و محكول والشافعي ومالك لا يكفر ولكن يقتل وعندنا يكفر ولا يقتل ويعزر تعزيرا اهـ۔

پس جنہوں نے تارک صلوٰۃ کو کافر کہا ہے چونکہ ارتداد احد الزوجین مبطل نکاح ہے ان کے نزدیک نکاح ٹوٹ جائے گا اس کے بعد جو وطی کرے گا حرام ہے اور جو اولاد ہو ولد الحرام ہے جمہور کہ ترک صلوٰۃ کو موجب کفر نہیں کہتے ان کے نزدیک نکاح باقی ہے اور وطی حلال اور

اولا دولدالحلال اور مذہب جمہور کا راجح ہے لقوله عليه السلام في حديث طويل ومن لم يفعل اى احسان الوضوء والصلوٰة بوقتها وإتمام الركوع والخشوع فليس على الله عهدان شاء غفرله وان شاء عذبه رواه احمد وابوداؤد والنسائى نحوه تفسیر مظہری، پس ہمارا مذہب یہی ہے کہ صورت مسئولہ میں اولاد حرامی نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

(امداد ص ۱۲۴ ج ۴)

حکم مصافحہ بعد الصلوٰۃ ومطلب عبارۃ طحطاوی موہم جواز

سوال (۷۶۳) بعض احباب نے کتاب طحطاوی کی عبارت جو کہ مطبع مصر صفحہ ۳۰۸ میں واقع ہے وكذا تطلب المصافحة فهي سنة عقيب الصلوٰة كلها وعند كل لقي) مصافحہ بعد صلوٰۃ فجر وعید وغیرہ سنت ہونے کا دعوی کیا مگر میں چونکہ اس کو خلاف جانتا ہوں اور یقینی خلاف جانتا ہوں لہٰذا جو کچھ بن پڑا اس کا جواب دیا مگر خود اپنے کو اس جواب سے اطمینان نہیں ہوا لہٰذا خدام آستانہ سے خواستگار ہوں کہ کوئی تشفی بخش جواب مرحمت ہو۔

الجواب۔ میرے پاس طحطاوی نہیں کہ اس میں دیکھتا لیکن اگر اس میں یہ عبارت ہو تو یہ اس شخص کے حق میں ہے جو ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرتا ہو کیونکہ اس صورت میں تخصیص نہ رہے گی جو علت تھی بدعت ہونے کی عند كل لقي اس کا قرینہ ہے اس مصافحہ کا حکم سلام کا سا ہو جاوے گا اس لئے کہ حسب حدیث ان من تحيا تكم المصافحه، مصافحہ متمم ہے سلام کا اور سلام کا افشاء اس حد تک وارد ہے کہ سلام کے بعد اگر درمیان میں دیوار حائل ہو جاوے پھر سلام کرلے اس طرح اس کے متمم میں عموم ہو جاوے گا اور جو ان اوقات کی تخصیص کرتا ہو اس کے حق میں بدعت ہونا دوسرے محققین کی تصریحات سے ثابت ہے چنانچہ شامی جلد ۵ میں ہے نقل في تبئين المحارم عن الملتقط انه تكره المصافحة بعداداء الصلوٰة بكل حال لان الصحابة رضى الله تعالى عنهم ماصا فحوا بعداداء الصلوٰة الخ۔

۲۷ رجمادی الاولی ۴۳ھ (تتمۂ خامسہ ص ۳۶۳)

عدم جواز آلۂ مکبر الصوت

سوال (۷۶۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک مشین ایسی ایجاد ہوئی ہے کہ مقرر کی آواز کو بہت فاصلہ تک اسی طرح پہنچادیتی ہے جس طرح پاس کے اشخاص کو پہنچتی ہے

پس کیا یہ جائز ہے کہ ان مشینوں کے ذریعہ سے خطیب کی آواز کو تمام سامعین تک پہنچادی جائے۔

الجواب۔ اول یہ ہے کہ قاعدہ سمجھ لیا جاوے جو کہ عقلی بھی ہے اور نقلی بھی اور فقہاء حنفیہ نے اس قاعدہ پر بہت احکام کو متفرع کیا ہے وہ یہ کہ جو مباح یا مندوب درجہ ضرورت ومقصودیت فی الشرع تک نہ پہنچا ہو اور اس میں کوئی مفسدہ باحتمال قریب محتمل ہو تو اس مباح یا مندوب کا ترک اور اس سے منع کرنا لازم ہے عقلی ہونا تو اس کا ظاہر ہے اور قول فقہاء کے بعد اس کے ماخذ نقلی کے نقل کی ضرورت نہ تھی مگر تبرعاً اس کو بھی نقل کرتا ہوں سو اس کے نقلی ہونے کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَسبّوا الَّذِيْنَ يَدْعُونَ مِنْ دُوْنِ اللهِ فَيَسبوا الله عدوا بغير علم﴾ ظاہر ہے کہ سب الہتہ باطلہ مباح تو ضرور ہی ہے اور بعض حالات میں مندوب بھی مگر مقصود مستقل نہیں کیونکہ اس کی غایت دوسرے طریق سے بھی حاصل ہوسکتی ہے یعنی حکمت وموعظت ومجادلۂ حسنہ سے اور اس میں مفسدہ تھا سبِّ مشرکین للالہ الحق کا اس لئے اس سے نہی فرمادی گئی اب اس قاعدے کی تمہید کے بعد جواب ظاہر ہے کہ تبلیغ صوت سامعین بعید تک شرعاً غیر ضروری ہے کیونکہ بعیدین کو دوسرے غیر مخدوش ذریعہ سے تبلیغ ممکن ہے اور اس میں یہ مفسدہ محتمل کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جاویں گے اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی یا دوسرے آلات لہو کے استعمال کرنے کی لہٰذا ترک اور منع لازم ہوگا یہ تو اس وقت ہے جب خطیب سے مراد مطلق واعظ ولیکچرار ہو اور اگر اس سے مراد خطیب جمعہ وعیدین کا ہے تو اس وقت تبلیغ صوت کا غیر ضروری ہونا اظہر ہے اس لئے کہ خطبہ میں حضور مقصود ہے نہ کہ سماع صوت اور مفسدہ اقوی ہے کیونکہ اس آلہ کو مسجد میں داخل کرنا ہوگا جو کہ اس کے احترام کے خلاف ہے نیز تشبہ ہے مجالس غیر مشروعہ کے ساتھ اس تشبہ کی بناء پر فقہاء نے غرس اشجار فی المسجد کو منع فرمایا ہے اور تشبہ بالبیعۃ والکنیسہ سے معلل کیا واللہ اعلم۔

۱۳ رمضان ۱۳۴۶ھ (تتمۂ خامسہ ص ۵۹۱)

التحقیق الفرید فی حکم آلۃ تقریب الصوت البعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً!

حکم آلہ مکبر الصوت در صلوٰۃ و خطبہ

سوال (۷۶۴) استفتاء عالم و اشیاء عالم اور ان کے خالق اعظم کے علم و معرفت کا آخری اور کامل ذریعہ خاتم الانبیاء حضرت رسول اکرم ﷺ روحی فداہ ﷺ نے جن ذوات علیہ کو انبیاء بنی اسرائیل کا ہم سنگ رتبہ عطا فرمایا ہے اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے ان کے ایک غلبہ عبادت میں فیلسوف ارسطا طالیس نے جن نفوس قدسیہ کو **اولئك هم الفلاسفة حقا** کہا ہے ان کی خدمت عالیہ میں بلحاظ تحقیق حق و اطمینان اہل دین و دیانت عرض ہے۔

اول۔ یہ کہ آپ اور کسی شخص سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ نماز عیدین میں عموماً ہر جگہ اور خصوصاً بڑے بڑے شہروں میں مصلیوں کی تعداد اور ان کی جماعت کا سلسلہ اس قدر طول طویل (۱) ہوتا ہے کہ امام کی آواز تو کل مصلیوں تک پہنچتی ہی نہیں لیکن بسا اوقات مکبرین کے متعین و مقرر کرنے کے بعد ان کی آواز سے تمام مصلیوں کو صحیح طور پر اس کا علم نہیں ہوتا کہ امام نے نیت کب باندھی؟ رکوع و سجدہ کب کیا؟ اور امام کس وقت کیا پڑھ رہا اور کیا کر رہا ہے؟ اور وہ محض اپنے آگے کے مصلیوں کی حرکات کو دیکھ کر یا اپنے خیال سے ایک اندازہ لگا کر ارکان نماز ادا کرتے ہیں۔

تاہم اس میں بھی غلطی ہوتی ہے اور اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ امام ابھی قراءت کر رہا ہے اور پچھلے مصلی رکوع میں چلے گئے یا امام رکوع میں گیا ہے اور آخری مصلی سجدہ میں چلے گئے اور اسی طرح اور غلطیاں بھی ہوتی ہیں بالخصوص تکبیرات واجبۂ عیدین میں تو تقریباً ہمیشہ اور ہر جگہ دھوکہ ہوا ہی کرتا ہے، اور یہ حال بھی وہاں کا ہے، جہاں امام اور منتظمین مصلی عیدگاہ) کو

---

(۱) یہ کوئی نئی چیز نہیں جو ابھی پیش آئی ہو عہد نبوت میں بھی عظیم الشان اجتماع ہوتے تھے اور مکبرین کے درمیان میں قائم کر دینے کو کافی سمجھا جاتا تھا اور اس کے باوجود اگر کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو اتفاقی غلطی کے لئے انتظام نہیں بدلا جا سکتا۔ ۱۲ محمد شفیع عنہ

مسلمانوں کے اجتماع اور جماعت کی بڑائی کا پہلے سے اندازہ ہوتا ہے اور وہ اس کے لحاظ سے مکبرین کے تعیین وتقرر کا پیشتر سے انتظام کر سکتے ہیں اور جہاں آخر نماز تک مصلیوں کے آنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور نیت باندھنے کے بعد سے آخر نماز تک بمقابلہ ابتداء کے ہزاروں مصلیوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور امام اور منتظمین مصلی ان کے خیال سے مکبروں کے مزید تعین و تقرر کا انتظام پہلے سے کر نہیں سکتے وہاں کا حال تو قابل ذکر ہی نہیں وہاں کوئی نظام (۱) اور باقاعدگی ممکن ہی نہیں اسی طرح ایسے مواقع ومجامع میں اور بالخصوص (۲) عیدین کے موقعہ پر خطیب کا خطبہ بھی بجز تھوڑے سے لوگوں کے کسی کو سنائی نہیں دیتا اور وہاں اس وقت لوگ اپنا بیٹھنا بیکار سمجھ کر وہاں سے اٹھ جاتے ہیں اور خطبہ سننے کے فوائد اور خطبہ ہونے تک بیٹھے رہنے کے ثواب سے محروم رہتے ہیں بلکہ اس سے زیادہ یہ کہ ایک امر شرعی مؤکد اور ضروری کے ترک کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔

دوم...... یہ کہ علامہ شیخ محمد نجیت المطیعی رئیس مجلس علمی محکمہ شرعیہ اور مفتی دیار مصریہ کے قول کے مطابق افلاطون کے مخترعات قدیم میں سے اور مشاہدہ و رواج عام کے مطابق مخترعات جدیدہ میں سے ایک شے ایسی بھی موجود ہے جس کو آلۂ مکبر الصوت کہتے ہیں اور جس کا ہم معنی انگریزی نام لاؤڈ اسپیکر ہے اور جو علم البرق اور علم الصوت کے اختلاط وترکیب سے صوت وبرق کے فلسفہ کو پیش نظر رکھ کر اس لئے اختراع کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ لاسلکی سے یا برقی تاروں سے وصول شدہ آواز کو دور ونزدیک دونوں جگہ نہایت صاف اور واضح طریق سے بلا کسی تغیر و تبدل کے اصلی حالت میں سنا جا سکے اس کی ظاہری صورت وشکل متوسط درجہ کے اس ٹائم پیس

---

(۱) بعد میں مجمع کا بڑھ جانا اور پہلے سے اس کا اندازہ نہ ہونا بھی کوئی جدید واقعہ نہیں قرون سلف میں بھی ایسے واقعات پیش آتے تھے مگر اس کے باوجود انہوں نے کسی جدید انتظام کی ضرورت محسوس نہ فرمائی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے زمانہ میں آلات مکبر الصوت نہ تھے اس لئے توجہ نہ ہوئی کیونکہ اول تو اس کے نظائر مثلاً مکبرین کا احتیاطی طور پر زیادہ مقرر کر دینا یا آخری صفوف میں دو چار آدمیوں کو اس کی ہدایت کر دینا کہ اگر صفوف بڑھ جاویں تو تم تکبیر بآواز بلند کہدینا وغیرہ۔ دوسرے اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ اسلامی عبادات میں سے سب سے بڑی اور اہم عبادت اور اس کے انتظام کی تکمیل آلۂ مکبر الصوت کی ایجاد پر موقوف تھی اور تمام قرون اسلامیہ اسی بدنظمی ونقصان پر چلتے رہے تا آنکہ موجودہ زمانہ کے نصاری یا دہریوں نے اسلام پر احسان کیا کہ ان کی عبادت کا انتظام صحیح کر دیا ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ۔

(۲) اس کا بھی یہی جواب ہے کہ یہ کوئی نئی ضرورت نہیں اور یہ اعتقاد رکھنا کہ ضرورت تو پہلے سے تھی اور بغیر اس آلہ کے ان عبادات کے انتظام میں نقص بھی تھا مگر وہ قرون خیر میں پوری نہ ہو سکی عہد حاضر کے نصاریٰ نے پوری کی کسی مسلمان سے متصور نہیں بلکہ اس سے کھلے طور پر یہ سمجھا جاوے گا کہ ضرورت ہی نہ تھی ورنہ حق تعالیٰ اس ایجاد کو اسی وقت ظاہر فرما دیتے ۱۲ محمد شفیع

(گھڑی) سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے جس کے ڈائل پر سوئیں اور ہند سے نہ ہوں۔

اس کے نصب واستعمال کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو بولنے والے سے دو چار گز کے فاصلے پر بلا رعایت تقابل وتواجہ کے کسی جگہ رکھ دیا جاتا ہے کہ بولنے والے کے منہ سے الفاظ نکلتے وقت ہوا میں جو لہریں پیدا ہوں وہ اس آلہ کی بیرونی سطح تک (جس کو ڈائل کہتے ہیں) پہنچ کر اس سے ٹکرا سکیں۔

پھر دور نزدیک جہاں تک آواز کا پہنچانا مقصود ہوتا ہے اس کے وسط میں یا آخر میں یا کسی دوسرے مناسب مقام پر قد آدم سے تقریباً سہ چند بلند چند بلیاں حسب ضرورت نصب کی جاتی ہیں پھر اس آلہ کی پشت سے بجلی کے چند ایسے تار لگا دیئے جاتے ہیں جو متذکرہ بلیوں کے بالائی حصے سے بھی بندھے ہوئے ہیں گاؤدم یا سینگ کے ساخت کے کہئے یا مخروطی شکل کے کہئے ہر چہار جانب یا جس جانب آواز پہنچانا مقصود ہو تو نہایت چوڑے منہ کے ایسے چونگے لگا دیئے جاتے ہیں جن کو عربی میں ابنوبہ اور انگریزی میں ہارن کہتے ہیں جس کے لفظی معنی ہیں سینگ ہیں۔

اس کے بعد اگر مقام پر بجلی کا کوئی ایسا کارخانہ ہوتا ہے جس سے بجلی کے پنکھے چلتے اور روشنی وغیرہ ہوتی ہے تو اس آلہ کو وہاں کے کارخانہ کے بجلی کے روئیعنی کرنٹ سے ورنہ بجلی کی ایسی مشین سے جو اپنے اندر اسی وقت بجلی پیدا کرنے کی قوت رکھتی ہو وابستہ کر کے بجلی کو جاری کر دیا جاتا ہے اب یہ سب ہو چکنے کے بعد جب بولنے والا کچھ بولتا ہے اور اس کی زبان کی حرکت سے ہوا میں تموج پیدا ہوتا ہے تو وہ اس آلہ کو وہاں کے کارخانہ کے بجلی کے رو ہوا میں تموج پیدا ہوتا ہے تو وہ اس آلہ کے بیرونی حصے یعنی ڈائل سے ٹکراتا ہے اور چونکہ وہ ڈائل نہایت درجہ سبک اور نازک ہوتا ہے اس لئے وہ اسے زیادہ محسوس کرتا اور اس سے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے اور اسی تاثر کی زیادتی وکمی پر اس میں قوت بلندی اور بڑائی پیدا ہوتی ہے مگر چونکہ واضع نے اس کی زیادتی وکمی کو بھی قانون فلسفہ کے ماتحت اختیاری بنا کر اس کے مدارج قائم کر دیئے ہیں اس لئے اس وقت آواز کو جس قدر بلند و بڑا کرنا منظور ہوتا ہے اس کے لحاظ سے اس کا ایک درجہ قائم کر دیا جاتا ہے۔

بالآخر یہ ٹکراہٹ مع فرط تاثر جس کا نام قرع قوی ہے جب برقی قوت کے ذریعہ اس ہوا تک منتقل ہوتی ہے جو متذکرہ مخروطی شکل کے چونگوں سے خارج فضا میں پھیلی ہوئی ہے اور وہ انسانی قوت سماعت تک پہنچتی ہے تو وہ زیادہ بلند اور زیادہ بڑی ہو کر سنی جاتی ہے، اور یہ تمام

باتیں کتب فلسفہ میں اپنی اپنی جگہ قدیم سے ثابت ہیں اور تفسیر کبیر وشرح مواقف میں بھی صوت و سماعت کی بحث کے ماتحت ان میں سے حسب ذیل امور پر روشنی پڑسکتی ہے۔

(۱) قارع ومقروع کے درمیان کی رکی ہوئی ہوا کی لہروں سے پیدا شدہ کیفیت کا نام آواز ہے۔

(۲) قارع کے قرع میں جس قدر زیادہ قوت ہوگی اسی قدر زیادہ قوی اس سے تموج پیدا ہوگا اور اس تموج سے اس قدر زیادہ قوی وہ کیفیت بھی پیدا ہوگی جس کی حامل ہوا اور جس کا نام آواز ہے۔

(۳) اس تموج میں جس قدر زیادہ قوت ہوگی اسی قدر اس کی موجیں زیادہ ضخیم وعریض ہوں گی۔

(۴) ان موجوں میں جس قدر زیادہ ضخامت وعرض ہوگا اسی قدر وہ زیادہ دور تک پھیلیں گی۔

(۵) جہاں تک پھیلیں گی چونکہ ان کے ساتھ وہ کیفیت جس کا نام آواز ہے وہ بھی ہوگی اس لئے وہاں تک وہ سنی جائے گی۔

اور کتب فلسفہ کی اس تصریح سے یہ عیاں ہے کہ آلۂ زیر بحث یعنی مکبر الصوت کے ذریعہ بولنے والے کی آواز کا بلند ہونا اور دور تک سنا جانا ایک فلسفی وقدرتی امر ہے جس میں بولنے والے کو کوئی تکلف ومشغولیت نہیں ہوتی اور اس کی طرف کسی قسم کی توجہ وتقابل کی بھی ضرورت نہیں پڑتی اور آلۂ زیر بحث نہ آلۂ سرود غنا ہے اور نہ آلہ لہولعب الا یہ کہ کوئی شخص اس کو اس کام میں استعمال کرے مگر اس سے اس کا آلۂ غنا وسرود اور آلۂ لہو ولعب ہونا لازم نہیں آتا۔

سوم...... یہ کہ موقع ومحل پر حسب ذیل چھ شرعی اصلیں بھی جاذب توجہ ہیں۔

اصل اول...... آیت کریمہ۔ **هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً**، جس سے فقہائے اسلام نے اصلاً ہر شی کی اباحت [(۱)] پر استدلال کیا ہے۔

اصل دوم...... اصل: **کل شیئ اباحة الا ان یرد علیه المنع**۔ جو اصل فقہ کا ایک مشہور کلیہ ہے ان دونوں اصلوں سے یہ مفہوم ہوسکتا ہے کہ آلۂ مکبر الصوت [(۲)] اصلاً مباح ہے کیونکہ اس کے حق میں نہ راساً کوئی منع وارد ہے اور نہ ضمناً وہ کسی امر ممنوع کے تحت میں شمار کیا جاتا ہے۔

---

(۱) یہ استدلال یہاں بھی صحیح ہے کہ فی نفسہ اس کا استعمال مباح ہے مگر اس آیت سے یہ کس طرح لازم آیا کہ نماز میں بھی مباح ہو۔

(۲) صحیح ہے مگر گفتگو مطلق اباحت میں نہیں بلکہ عبادت اصلیہ کے اندر اباحت میں بحث ہے اور ان دونوں اصلوں سے کسی طرح عبادات میں اباحت پر استدلال نہیں ہوسکتا ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

اصل سوم...... اذان دینا پھر اذان کا مینارہ پر چڑھ کر دینا امام کے پیچھے مکبرین کا آواز بلند تکبیرات کہنا مکبّرین کا بعض مواقع میں مکبرہ پر چڑھ کر تکبیرات کہنا، میدان عرفات میں یوم النحر کو امیر الحج کا اونٹنی پر چڑھ کر خطبہ دینا پھر اس اونٹنی کا جبل رحمت پر چڑھا کر خطبہ دینا جمعہ اور عیدین کے خطبہ کے وقت خطیب کا ممبر پر چڑھ کر خطبہ دینا، پھر قبلہ کی طرف رخ پھیر کر قوم کی طرف منہ کر کے خطبہ دینا وغیرہ جیسے احکام شریعت میں موجود ہیں اور ان سب کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ اس وقت مصلیوں کو جو کچھ سنانا مطلوب ہے اس کو وہ سن سکیں اور آواز میں اتنی رفعت (۱) پیدا ہو جائے کہ بلا تکلف وہ ان تک پہنچ سکے۔

اس سے یہ مستفاد ہوسکتا ہے کہ جہاں اللہ کے ذکر کی طرف دوسروں کو متوجہ کرنا مقصود ہو وہاں اللہ کے ذکر کو بلند آواز سے کرنا چاہئے اور اس بلندی آواز میں سوائے ان صورتوں کے جن کی ممانعت کی شریعت میں تصریح (۲) موجود ہے ہر وہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے جس کی اصل کسی طرح بھی شریعت میں پائی جاتی ہو یا اس کی طرف سے سکوت کلی ہو (۳)۔

اصل چہارم...... تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ ۳۴۳ میں **واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتو** کے ماتحت عبارت ذیل مرقوم ہے۔

اعلم ان قار یاً یقرأ القران بصوت عاحتی یمکنهم استماع القران ومعلوم ان ذلك القاری لیس الاالرّسول علیه الصلوٰة والسلام وکانت هذه الأیة جاریة مجری امر الله محمداً صلی الله علیه وسلم بان یقرأ القران علی القوم بصوت عال رفیع وانما امره بذلك لیحصل المقصود من تبلیغ الوحی والرسالة۔

اس سے متخرج یہ ہوسکتا ہے کہ قرات قرآن کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ دوسرے اسے سنیں اور جہاں یہ غرض ہو وہاں اس کو بلند آواز سے (۴) ہی پڑھنا چاہئے تاکہ سامعین اس کو فہم کریں اور اس کے سنانے کی اصل غرض حاصل ہو۔

اصل پنجم...... فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ ۷۵ مطبوعہ مصر میں عبارت ذیل مسطور ہے،

---

(۱) مگر اس سے سادہ طریق پر آلات کے ذریعہ رفعت پیدا کرنے پر اس سے استدلال نہیں ہوسکتا ہے۔

(۲) یہ تصریح کی قید قابل غور ہے کیا وہ احکام شرعیہ ماننے کے قابل نہیں جو قواعد شرعیہ سے مستنبط ہیں اور اگر وہ مانے جاسکتے ہیں تو اس کی ممانعت بھی ان سے مستفاد ہے جیسا اصل رسالہ میں موجود ہے۔

(۳) صحیح ہے مگر اس جگہ سکوت کلی نہیں۔

(۴) صحیح ہے مگر اس میں کلام ہی نہیں کلام اس میں ہے کہ بلند آوازی کا اس قدر اہتمام مزید کیا جاوے کہ آلات استعمال کرنے پڑے اس کے لئے دلیل مستقل کی ضرورت ہے جو موجود نہیں ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

لان الإمام انما يجهر لا سيما للقوم ليدبروا فى قراته ليحصل احضار القلب۔

اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ امام کو مقتدیوں کی ضرورت کے مطابق [1] اپنی قرءات میں جہر کرنا چاہیے تاکہ قوم اس کی قرات پر تدبر و تفکر کرسکے اور قوم کو حضور قلب حاصل ہو۔

اصل ششم۔ آیت کریمہ **ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذلك سبيلا** سے قرات میں جس اعتدال وتوسط کا حکم دیا گیا ہے اور مفسرین نے اس کی جو علت بتائی ہے یعنی نماز میں خشیت وتذلل ہونا چاہیے اور اس کا اقتضاء یہ ہے کہ قرأت میں کوئی تصنع وتکلف نہ پیدا ہو جو جرأت وعدم خشیت کی جانب منجر ہے۔

اس کے امتثال کے باوجود اس سے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اگر اصل نمبر ۳ اصل نمبر ۴ اور اصل نمبر ۵ کے ماتحت مصلیوں تک قرات کی آواز پہنچانا، اس طرح سے ممکن ہو کہ امام کو اپنے قراءت میں کوئی تکلف وتصنع نہ کرنا پڑے اور اس کو کسی جانب مشغولیت بھی نہ ہو تو وہ [2] جائز ہوگا جیسا کہ نماز میں پنکھا جھلوانا ناجائز ومکروہ ہے مگر برقی پنکھوں کا چلانا جائز سمجھا گیا ہے کیونکہ اس میں مصلیوں کو کوئی تکلیف ومشغولیت نہیں ہوتی۔

بناءعلیہ اگر نماز عیدین میں متذکرہ غلطیوں سے بچنے اور امام کی قرأت پورے طور پر سننے اور اس کے اعمال کی پوری پوری پیروی واقتدا ہونے کے خیال سے موصوف الصدر آلۂ مکبّر الصوت کو جو کسی نہج آلۂ غنا وسرود اور آلۂ لہو ولعب نہیں ہے نصب کیا جائے اور اس سے اس وقت فلسفی وقدرتی یہ فائدہ اٹھایا جائے کہ امام کی آواز بلند ہو جائے اور اس کو ہر مصلی چاہے وہ کتنی ہی دور کیوں نہ ہو اپنی جگہ پر بلا ادنی تغیر کے سن سکے تو تحقیق طلب امر یہ ہے کہ شریعت غراء مصطفوی کا اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔ ۱۵ر ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۶ر مئی ۲۸ء)

مکرمی ومحترمی زادمجدکم

سلام مسنون! استفتاء ارسال خدمت شریف ہے جہاں تک ممکن ہو اس کے جواب سے جلد از جلد مشرف فرمایئے عیدالضحیٰ سے دو تین روز پہلے یہاں اس کی سخت ضرورت محسوس کی جارہی ہے جواب کے لئے ٹکٹ بھی مرسل ہے۔

---

(۱) یہ صحیح ہے مگر اپنی طاقت ومقدور کے مطابق اس سے زائد کے اہتمام کا مکلّف نہیں بنایا گیا۔
(۲) بشرطیکہ اس میں کوئی دوسرا محذور شرعی نہ ہو جیسا کہ مکبر الصوت میں ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ احقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ

الجواب۔ من اشرف علی۔

السلام علیکم .... رمضان گزشتہ میں ایک ایسا ہی سوال آیا تھا مگر مجمل تھا اس کا جو جواب لکھا گیا اس کا نقل کردینا کافی سمجھتا ہوں جو درج ذیل ہے۔

جواب۔ اول ایک قاعدہ سمجھ لیا جاوے جو کہ عقلی بھی ہے اور نقلی بھی اور فقہاء حنفیہ نے اس قاعدہ پر بہت احکام کو متفرع کیا ہے وہ یہ کہ جو مباح یا مندوب درجۂ ضرورت و مقصودیت فی الشرع تک نہ پہنچا ہو اور اس میں کوئی مفسدہ باحتمال قریب محتمل ہو تو اس مباح یا مندوب کا ترک اور اس سے منع کرنا لازم ہے عقلی ہونا تو اس کا ظاہر ہے اور قبول فقہاء کے بعد اس کے ماخذ نقلی کے نقل کی ضرورت نہ تھی مگر تبرعاً اس کو بھی نقل کرتا ہوں سو اس کے نقلی ہونے کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے **ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم** ظاہر ہے کہ سب آلہیۃ باطلہ مباح تو ضرور ہی ہے اور بعض حالات میں مندوب بھی مگر مقصود مستقل نہیں کیونکہ اس کی غایت دوسرے طریق سے بھی حاصل ہوسکتی ہے یعنی حکمت وموعظت ومجادلۂ حسنہ سے اور اس میں مفسدہ تھا **سب مشرکین للالہ الحق** کا اس لئے اس سے نہی فرمادی گئی اب اس قاعدے کی تمہید کے بعد جواب ظاہر ہے کہ تبلیغ صوت سامعین بعید تک شرعاً غیر ضروری ہے کیونکہ بعیدین کو دوسرے غیر مخدوش ذریعہ سے تبلیغ ممکن ہے اور اس میں یہ مفسدہ محتمل کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جاویں گے اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی یا دوسرے آلات لہو کے استعمال کرنے کی لہٰذا ترک اور منع لازم ہوگا یہ تو اس وقت ہے جب خطیب سے مراد مطلق واعظ و لیکچرار ہو اور اگر اس سے مراد خطیب جمعہ وعیدین کا ہے تو اس وقت تبلیغ صوت کا غیر ضروری ہونا اظہر ہے اس لئے کہ خطبہ میں حضور مقصود ہے نہ کہ سماع صوت اور مفسدہ اقوی ہے کیونکہ اس آلہ کو مسجد میں داخل کرنا ہوگا جو کہ اس کے احترام کے خلاف ہے نیز تشبہ ہے مجالس غیر مشروعہ کے ساتھ اس تشبہ کی بناء پر فقہاء نے غرس اشجار فی المسجد کو منع فرمایا ہے اور تشبہ بالبیعۃ والکنیسہ سے معلل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۳؍ رمضان ۱۳۴۶ھ۔

الزيادة على الجواب المذكور

حسب اقتضاء خصوصیۃ السوال الحاضر (وھی ھذہ) باقی سوال میں جن احکام کی مطلوبیت سے اس کی تقویت وتائید کی گئی ہے وہ مفید مدعا نہیں، کیونکہ یہ احکام گو مطلوب ہیں مگر شریعت نے ان کی مطلوبیت کے درجات اور حدود مقرر کئے ہیں جو کتب مذہب میں مضبوط ومبسوط ہیں ان سے تجاوز کرنا تعمق وغلو فی الدین ہے جو شارع کی نظر میں غیر مرضی ہے، چنانچہ

حدیث میں ایک نظیر وارد ہے۔

فی جمع الفوائد قضاء الحاجة ابووائل کان ابوموسیٰ یشدد فی البول ویبول فی قارورة و یقول ان بنی اسرائیل اذا اصاب جلد احدهم بول قرضه بالمقاریض فقال حذیفة لوددت ان صاحبکم لا یشدد هذا التشدید فلقد رأیتنی انا ورسول الله ﷺ نتماشی فاتی سباطة قوم خلف حائط الی قوله فبال الحدیث۔

دیکھئے تنزہ عن البول شریعت میں اس درجہ مطلوب ہے کہ اس میں کوتاہی کرنے پر وعید شدید بھی وارد ہے، اور ایسا مبالغہ فی التنزہ آسانی سے ممکن بھی ہے کیونکہ شیشی قارورہ کی ہر شخص کو میسر ہوسکتی ہے، مگر پھر بھی نہ حضور اقدس ﷺ نے اس کا اہتمام فرمایا نہ حضرات صحابہ نے، اور اگر حضرت ابوموسیٰؓ نے غلبۂ حال سے اس کا اہتمام کیا بھی تو حضرت خذیفہؓ نے ان پر نکیر فرمایا اور ابوموسیٰؓ نے نہ اس نکیر پر کچھ کلام فرمایا نہ دوسروں کو ایسا کرنے کی رائے دی، اور فروع مذکورہ فی السوال کی تکمیل انتظام میں تساہل پر اخفض صوت فی التکبیر یا فی القراءۃ پر نہ وعید ہے اور نہ اس تکمیل مخترع کا انتظام سہل ہے تو اس میں ایسا مبالغہ کرنا اور اس کی اشاعت کا اہتمام کرنا یسر فی الدین کے سراسر خلاف ہے و فی هذا کفایة لمن طلب الحق"۔

۲۰ رذیقعدہ ۱۳۴۶ھ۔

جواب بالا پر ذیل کا خط آیا جو مع جواب منقول ہے

سوال...... بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً! مکرمی ومحترمی دام فضلکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بجواب استفتاء مرسلہ ۱۸ ر ذوالقعدۃ الحرام ۱۳۴۶ھ جناب کا گراں قدر فتویٰ مورخہ ۲۱ رذوالقعدہ سنہ مذکور ۲۳ رذوالقعدہ کو موصول ہوا۔

جناب اعلیٰ نے اپنے زرین فتوی میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ سروآنکھوں پر، لیکن جناب والا کے تبحر علمی ووسعت نظری سے اس تحریر کے ماتحت گیارہ امور کے متعلق جو پانچ دفعات کے ماتحت ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں مزید استفادہ مطلوب ہے لہٰذا وہ معروض ہیں۔

دفعہ اول...... جناب اقدس نے اپنے فتوی میں یہ عبارت جو تحریر فرمائی ہے۔

''تبلیغ صوت سامعین بعید تک شرعاً غیر ضروری ہے کیونکہ بعیدین کو دوسرے غیر مخدوش ذریعہ سے تبلیغ ممکن ہے، اور اس میں یہ مفسدہ محتمل کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جائیں گے، اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی یا دوسرے آلات لہو کے استعمال کرنے کی الخ۔

اس کے ماتحت یہ امور سمجھ میں نہیں آئے ضرورت ہے کہ ان کی بھی تشریح فرما دی جائے۔

(امر اول) دوسرے غیر مخدوش ذرائع تبلیغ کون سے ہیں۔

(امر دوم) جس عبارت پر خط کھینچا ہوا ہے اس کا مطلب کیا ہے۔

(امر سوم) خط کشیدہ عبارت میں اگر لفظ'' آلہ'' اور لفظ'' لہو'' کے درمیان لفظ'' کو'' غلط ہے اور لفظ'' لہو'' کے بعد لفظ'' کو'' ہونا چاہئے تھا، اور اصل عبارت یوں ہے'' اس آلۂ لہو کو استعمال کرنے کی الخ تو اس آلہ کے آلات ملاہی میں سے ہونے کی دلیل کیا ہے۔

دفعہ دوم...... جناب امجد نے اپنے فتوی میں یہ عبارت جو قلمبند فرمائی ہے۔

''اگر اس سے مراد خطیب جمعہ وعیدین کا ہے تو اس وقت تبلیغ صوت کا غیر ضروری ہونا اظہر ہے اس لئے کہ خطبہ میں حضور مقصود ہے نہ کہ سماع صوت اور مفسدہ اقوی ہے، کیونکہ اس آلہ کو مسجد میں داخل کرنا ہوگا جو کہ اس کے احترام کے خلاف ہے، نیز تشبہ ہے مجالس غیر مشروعہ کے ساتھ الخ۔

اس کے ماتحت: یہ خدشات پیدا ہیں، ضرورت ہے کہ جناب اعظم ان کو رفع فرماویں۔

(امر چہارم) اگر درحقیقت شریعت کا مقصود خطبہ میں حضور محض ہے تو جمعہ وعیدین کے خطبوں میں خطیب کے صعود علی المنبر وادبار عن القبلہ واقبال الی القوم اور میدان عرفات میں یوم النحر کے خطبہ کے وقت خطیب کے رکوب علی الناقۃ وتطلیعہا علی جبل الرحمۃ کا حکم کیوں ہے؟

کیونکہ ان تینوں امروں کے نہ ہونے کی حالت میں بھی خطیب کا خطبہ اور قوم کا حضور ممکن تھا، اور کیا اس سے یہ ظاہر ہونے میں کچھ شبہ ہے کہ اس وقت کے موجودہ اسباب کے ماتحت شریعت نے اپنی رخصت میں خطیب کی آواز کو قوم تک پہنچانے کی ہر ممکن طریق سے تعلیم دی ہے، اور حضور محض کو مقصد بنالینا اس لئے ہوا کہ اس وقت کی طرح کوئی ذریعہ سماعت کل قوم کے لئے پیش نظر نہ تھا۔

(امر پنجم) جب تک آلۂ زیر بحث کا آلات ملاہی میں سے ہونا ثابت نہ ہو جائے مسجد میں

اس کے داخل کرنے سے کیا نقصان ہوگا، اوراس میں مفسدہ کیا ہے؟

(امر ششم) مجالس غیر مشروعہ سے وہ کونسی مجالس مراد ہیں؟ جن میں وہ آلہ نصب کیا جایا کرتا ہےاوران سے تشبہ نہ ہونا ضروری ہے۔

دفعہ سوم...... جناب محترم نے اپنے فتویٰ میں یہ عبارت جوحوالۂ قلم فرمائی ہے،'' کیونکہ یہ احکام گومطلوب ہیں، مگر شریعت نے ان کی مطلوبیت کے درجات اور حدود مقرر کئے ہیں، جو کتب مذہب میں مضبوط ومبسوط ہیں ان سے تجاوز کرنا تعمق وغلوفی الدین ہے جوشارع کی نظر میں غیرمرضی ہے۔

اس کے ماتحت: مصرحۂ ذیل وجوہ سے خلجان لاحق ہے،ضرورت ہے کہ جناب مکرم اس کورفع فرماویں۔

(امر ہفتم) اس مقصد خاص کے لئے شریعت متعینہ ومقررہ درجات وحدود میں سے کوئی درجہ وحد'' آیت کریمہ'' ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذلك سے زیادہ صریح بھی موجود ہے؟ اوراگرنہیں اوریقیناً نہیں تو یہ امر بہت زیادہ قابل لحاظ ہے کہ مفسرین نے اس کی علت کے بیان میں جو یہ تصریح فرمادی ہے کہ عدم اعتدال جہرواخفاء کی صورت میں خشیت وتذلل کے رفع کا احتمال ہے جوروح صلوٰۃ ہے کیا یہ تصریح اس امر صریح کا اظہار نہیں ہے، کہ جس جہرفی الصلوٰۃ میں یہ علت نہ پائی جاتی ہو وہ حدود معینۂ شریعت سے باہر نہ ہوگا، اوروہ جائز ہوگا۔ اور یہ امرواقع ہے کہ اس آلہ کے ذریعہ جو جہر ہوتا ہے، اس میں علت ممنوعہ نہیں پائی جاتی، کیونکہ امام کا جہر بحالہ معتدل ہے، اوراس کا وصول ماموبین تک امام سے بالکل غیرمتعلق ہے، اورامام کے عمل کواس میں کوئی دخل نہیں۔

(امر ہشتم) شریعت نے جوحدود ودرجات مقرر کئے ہیں کیا وہ توقیفی ومبنی برحصر عقلی ہیں؟ اگرنہیں! اوریقیناً نہیں! توجس طرح جمعہ کی اذان ثانیہ اورمکبرین کا مکبرہ پرسے تکبیرات کہنا نظم وترتیب جماعت کے بقاء وتحفظ کی نیت سے آنحضرت ﷺ کے بعد جاری ہوااور جائز سمجھا گیا اسی طرح اس آلہ کا استعمال صیانت عن خطاء المصلین فی اقتداء الامام اورحصول المقصد من خطبۃ الخطیب کے نیت وغرض سے کیوں نہ جاری ہو سکے؟ اورکیوں نہ جائز سمجھا جائے؟

دفعہ چہارم...... حضرت ابوموسیٰ اشعری اورحضرت حذیفہؓ کے واقعہ کی جونظیر جناب معظم نے اپنے فتویٰ میں پیش فرمائی ہے اس پر یہ اعتراضات دماغ میں پیدا ہوتے ہیں، ضرورت ہے

کہ جناب مفخم ان کا سد باب فرما دیں۔

(امرنہم) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا فعل ایک جلیل المرتبہ صحابی کا فعل تھا جس سے یہ ہوسکتا تھا کہ آئندہ کے لئے وہ ایک اساس بن جائے اور مسلمان اس کو ضروری قرار دے لیں اور دین میں بجائے یسر کے عسر پیدا ہوجائے، اور اسی خیال سے حضرت حذیفہؓ نے اس پر بقول اپ کے نکیر فرمائی۔

مگر یہاں وہ صورت نہیں ہے، یہاں اگر کوئی شخص جہر صوت کے لئے آلہ مکبّر الصوت کا استعمال کرے گا اور وہ شخص بھی کیسا ہوگا؟ تو اس کا یہ فعل نہ تو کسی وقت اساس قرار پاسکتا ہے اور نہ اس کو مسلمان کبھی ضروری قرار دے سکتے ہیں، اور اس وجہ سے اس سے دین میں یسر وعسر کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اور اس موقع پر جو قیاس کیا گیا ہے وہ قیاس مع الفارق ہے۔

(امردہم) حضرت ابوموسیٰ شعریؓ کے فعل پر حضرت خذیفہؓ نے ''**لوددت ان صاحبکم لا یشدد هذا التشدد**'' سے محض اپنی ذاتی رائے بیان فرمائی ہے نہ یہ کہ ان کو ان کا فعل ایک امرممنوع قرار دے کر منع فرمایا ہو، مگر جناب مقدس یہاں میرے سوال کو ایک امرممنوع دینی قرار دے کر مجھے منع فرمارہے ہیں۔

دفعہ پنجم...... جناب معلیٰ نے بجواب استفتاء اپنے فتوی میں مجموعی حیثیت سے جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے اس کے متعلق یہ خیال پریشان کئے ہوئے ہے، ضرورت ہے کہ جناب عالی اپنے اشادات کے ذریعہ اس سے بھی مطمئن فرمائیں۔

(امریازدہم) جناب گرامی کا تمام فتویٰ محض قیاس واجتہاد پر مبنی ہے، اور اس میں کوئی بات بھی اوامر ونواہی صریحیہ ومستقیمہ میں سے نہیں ہے۔ اور جب جناب سامی خود اس کو جائز رکھتے ہیں تو کیا یہی قیاس واجتہاد کسی دوسرے کے لئے بھی اس کی عقل وفہم برعایت دین و دیانت کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو اس موقع پر استفتاء میں جن امور وقیاسات سے بقول آپ کے تقویت دی گئی اور تائید کی گئی ہے وہ مفید مدعا کیوں نہیں ہیں، وران میں کونسی قباحت ہے؟ امید کہ جناب مستغنی عن الالقاب بغیر کسی گرانی وانقباض طبع کے اپنے اخلاق عالیہ سے میرے ان معروضات وخدشات کا جواب باصواب مگر نمبر وار اور جدا جدا ضرور اور جلد مرحمت فرمائیں گے تاکہ طبیعت مطمئن ہو، اور اس مسئلہ زیر بحث کے متعلق مزید بصیرت وعلم حاصل ہو۔

میرے دل میں آپ کے اوصاف وعلومرتبت کا عرصہ سے سکہ جما ہوا ہے، اور مجھے اس کا یقین ہے کہ اگر میرے معروضات کا کوئی لفظ بھی صحیح نکل آئے گا تو جناب فضیلت مآب نہایت فراخی قلب سے اس کا حق ہونا بھی تسلیم فرمالیں گے۔

شریعت مصطفویہ نے ہر چیز کے متعلق صاف و کھلے ہوئے احکام بتائے ہیں، حرام یا حلال جائز یا ناجائز اور میرے نزدیک کسی چیز کو بین بین حالت میں نہیں چھوڑا، للہذا میں چاہتا ہوں کہ اس آلہ کے متعلق صاف صاف حکم معلوم ہوجائے، حرام ہوتو وہ ظاہر ہوجائے اور حلال ہوتو وہ معلوم ہوجائے، اور یہی امر مقتضائے زمانہ ہے، کیونکہ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ یہ آلہ ہو یا اسی قسم کے دوسرے آلات وغیرہ وہ عام طور پر استعمال کئے جائیں گے، اور اگر علماء کے فتاویٰ اسی طرح مذبذب اور بین بین حالت میں رہے تو لوگ ان کی پروا کئے بغیر ان کو استعمال کریں گے، اور یہی وہ مواقع ہیں جن میں علماء کا احترام ووقار کھورہا ہے ایسی صورت میں جو شرعی صورت ہو اس کو نہایت صاف صورت میں مگر بالدلائل والبراہین ظاہر کردینا ناگریز ہے، وماعلینا الا البلاغ وما ارید الا الا صلاح وما توفیقی الا باللہ۔

۲۷/ذوالقعدہ ۱۳۴۶ھ ۱۸/مئی ۱۹۲۸ء۔

مزید آنکہ...... مجھے اپنے مطبوعہ استفتاء کی ضرورت بالکل نہیں ہے اس کا خیال آپ نہ فرمایئے اور میرے پاس اس عریضہ کی نقل بھی موجود ہے اس لئے اس کو بھی رکھ لیجئے گا، اور جواب میں میری عبارات کی نقل کی بھی ضرورت نہیں حوالہ کافی ہے، میں نقل سے اس کا پتہ چلالوں گا۔ فقط۔

جواب......مخدومی! لسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ نے مشرف فرمایا گو بوجہ اس کے کہ سب اجزاء کا جواب میرے عریضہ سابقہ میں موجود ہے، احتیاج جواب نہیں سمجھتا مگر امتثالاً للامر توضیح کے طور پر کچھ مختصراً عرض کرتا ہوں۔

تمہید۔ میرے جواب سابق کے شروع میں تصریح ہے کہ یہ جواب مستقلاً ایک دوسرے سوال کا ہے تو ممکن ہے کہ اس جواب کے بعض اجزاء اس سوال کی خصوصیت کی بناء پر لکھے گئے ہوں مگر سوال جدید کے جواب میں اس کو نقل کرنا اس بناء پر تھا کہ جو اجزاء دونوں سوالوں میں مشترک ہیں، ان کا جواب تو اس میں منقول سے ہوجاوے گا، اور جو اجزاء سوال جدید کے ساتھ مختص ہیں ان کا جواب زیادت جدیدہ سے ہوجاوے گا اس تمہید کے بعد اجزاء مسئول عنہا کے متعلق عرض کرتا ہوں۔

امر اول۔ اس عبارت میں تبلیغ خطبہ وعیدین کی مراد نہیں بلکہ تبلیغ وعظ ولیکچر کی مراد ہے چنانچہ آئندہ کی قریب ہی عبارت میں اس کی تصریح ہے فی قولی یہ تو اس وقت ہے جب خطیب سے مراد مطلق واعظ ولیکچرار ہوالخ تو اس صورت میں وہ ذرائع دوسرے واعظین ہیں کہ بعیدین کو وہ سنا سکتے ہیں۔

امر دوم۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے استعمال سے عوام یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس آلہ کا استعمال مطلقاً جائز ہے گولہو ہی میں ہو یا یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس آلہ میں اور دوسرے آلات لہو میں مثلاً گراموفون میں کیا فرق ہے جب اس کا استعمال جائز ہے بقیہ کا بھی جائز ہے۔

امر سوم۔ لفظ کو اپنے مقام میں ہے، غلط نہیں لکھا گیا۔

امر چہارم۔ میری عبارت میں تبلیغ صوت سے مراد مطلق تبلیغ نہیں بلکہ تبلیغ الی الکل ہے یعنی اگر مجموعہ حاضرین نہ سنیں تو بعض کا سماع اور بقیہ کا حضور کافی ہے اسی لئے میری عبارت میں لفظ حضور کے ساتھ لفظ محض نہیں ہے، اور مطلق سماع کی مقصودیت کی نفی مقصود نہیں، پس سماع بھی ضرور مقصود ہوا، اس لئے شریعت نے اس کا اہتمام بھی فرمایا، مگر اسی حد تک جو یسر کے ساتھ ہو، اس کی دلیل قواعد کلیہ شرعیہ اور ایسے واقعات کے متعلق احکام جزئیہ ہیں، جو اس واقعہ کی نظیر ہیں، جس کی طرف میں نے حضرت ابوموسیٰؓ کی حدیث میں اشارہ کیا ہے۔

امر پنجم۔ اس کا جواب جواب سابق کی اس عبارت میں مذکور ہے، اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی الخ اور افضاء الی المفسدہ حسب تصریح فقہاء مفسدہ میں داخل ہے۔

امر ششم۔ مثلاً مجلس رقص وسرود اس میں تبلیغ صوت الی البعید کے لئے اس کا استعمال کیا جاوے، اگر اس کا وقوع بھی نہ ہوا ہو تو قرب وقوع عادۃ یقینی ہے۔

امر ہفتم۔ ایک علت کے ارتفاع سے دوسرے علل موثرہ کا ارتفاع لازم نہیں، اور وہ علل مؤثرہ احقر کے فتوی میں مذکور ہیں اور جو ان کے مؤثر ہونے میں خدشات ہیں ان کو اس وقت رفع کررہا ہوں۔

امر ہشتم۔ وہ حدود کماً تو توقیفی نہیں مثلاً اسماع کی کوئی مقدار معین ہوتی لیکن کیفاً توقیفی ہیں، یعنی یہ کہ تعمق وتکلف کی حد تک نہ پہنچے، اور اذان ثانی وغیرہ تعمق کی حد تک نہیں پہنچی اور یہ آلہ تعمق کی حد تک پہنچا ہے، اور مدار اس انطباق کا سلف کے ذوق واجتہاد پر ہے، پس ان کا اذان ثانی کو تجویز کرنا اور اس آلہ کے نظائر کو باوجود تیسر ان نظائر کے تجویز نہ کرنا اس فرق کی دلیل

ہے، ان ہی نظائر میں سے حضرت ابوموسیٰؓ کا ایک واقعہ ہے۔

امر نہم۔ اگر یہ بات ہوتی تو فقہاء یہ قاعدہ مطلقاً خواص کے لئے مقرر نہ فرماتے کہ خواص کا فعل اگر عوام کے لئے موہم ہو جاوے تو خواص کے لئے بھی اس کی اجازت نہیں نیز عوام کی حالت کا اب بھی مشاہدہ ہو رہا ہے کہ وہ اہل علم کے فعل کو متمسک قرار دے کر حدود سے نکل جاتے ہیں۔

امر دہم۔ رائے محض نہیں بلکہ رائے ماخوذ عن فعل الشارع ہونے کے سبب حکم شرعی ہے اور صحابی کا ایسا قول حنفیہ کے نزدیک حجت اور مجتہد تک کے لئے واجب التقلید ہے جس کے ہوتے ہوئے اس کو اپنے اجتہاد پر عمل جائز نہیں کما صرح بہ فی اصول الفقہ باقی عنوان لسو ددت الخ کا اختیار کرنا یہ ادب فی التعبیر ہے، منافی فتویٰ ہونے کا نہیں جیسے خود ہمارے مجتہدین مذہب مکروہ کو لا احب اور حرام کو اکرہ سے تعبیر فرماتے ہیں غرض بقاعدہ القیاس مظہر لا مثبت یہ فتوی نبوی ہے، مگر بواسطہ اجتہاد صحابی کے اب تبرعاً ایک فتوی نبوی بلا واسطہ بھی نقل کرتا ہوں (ابن عمر) قلت یا رسول الله انتوضاء من جر جديد مخمر احب اليك ام من المطاهر قال لا بل من المطاهر إن دين الله ليسر الحنفية السمحاء قال وكان النبي صلى الله عليه وسلم يبعث إلى المطاهر فيوتي بالماء فيشربه يرجوبركة ايدى المسلمين للاوسط كذا في جمع الفوائد احكام المياه، اور اس کے نظیر ہونے کی ویسی ہی تقریر ہے جیسی نظیر سابق میں لکھی گئی۔

امر یازدہم۔ مفید مدعا نہ ہونے کی دلیل خود فتوی میں مذکور ہے، باقی مقدمات دلیل میں کلام یہ آپ کا اجتہاد ہے جس میں مجھ کو توافق نہیں، اور یہی فرمانے کا آپ کو بھی حق ہے، آگے اپنے اپنے عمل کے سب ذمہ دار ہیں، جواب ختم ہوا۔ اس کے بعد آپ نے جو کلمات محبت سے ارشاد فرمائے ہیں اس کا صلہ بجز اس دعا کے کیا کر سکتا ہوں کہ ''احبكم الله كما تحبونني'' اس کے بعد آپ نے دینی خیر خواہی سے جو مشورہ دیا ہے گو مجھ کو اس کے اجزاء میں کلام ہے، مگر آپ کی صدق نیت پر نظر کر کے اتنا ہی عرض کرنا کافی سمجھتا ہوں کہ آپ اپنا حق ادا فرما چکے جزاکم اللہ تعالیٰ آگے اپنے اور آپ کے لئے یہ دعا ہے اور اسی دعاء کی آپ سے بھی استدعاء ہے اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه والباطل باطلا وارزقنا اجتنابه سب سے اخیر میں کاغذات رکھ لینے کی اجازت عطا فرمانے پر خاص شکر یہ عرض کرتا ہوں کہ مجھ کو صعوبت نقل سے بچا لیا۔

'' فالله تعالٰى سهل صعبكم كما سهلتم صعبي والسلام خير ختام''

نیاز مندانہ گزارش: چونکہ مسئلہ ہذا کے متعلق میرے معلومات ختم ہو چکے، آئندہ کے لئے مزید کلام سے معافی کی اور معافی کے ساتھ دعاء کی درخواست کرتا ہوں۔ فقط کیم ذی الحجہ ۶۴ھ۔

اس کے بعد سوال بالا کا ایک جواب مدرسہ دارالعلوم دیوبند سے بغرض دریافت رائے آیا وہ مع رائے ذیل میں منقول ہے

الجواب۔ حواشی درمختار للعلامۃ بن عابدین الدمشقی الشامیؒ جلد اول مبحث سنن صلوٰۃ میں ہے، "ثم اعلم ان الإمام اذاكبر للافتتاح فلا بد لصحة صلوته من قصده بالتكبير الاحرام والا فلا صلوة له اذا قصد الاعلام فقط فان جمع بين الامرين بان قصد الاحرام والاعلان للاعلام فذلك هو المطلوب منه شرعاً وكذلك المبلغ اذا قصد التبليغ فقط خالياً عن قصد الاحرام فلا صلوة له ولا لمن يصلي بتبليغه في هذه الحالة لانه اقتدى بمن لم يدخل في الصلوة فان قصد بتكبيره الاحرام مع التبليغ للمصلين فذلك هو المقصود منه شرعاً كذا في فتاوى الشيخ محمد بن الغززى الملقب بشيخ الشيوخ اهـ۔

اور درمختار باب مفسدات نماز میں ہے وفتحه على غير امامه الا اذا اراد التلاوة وكذا الاخذ اهـ حواشی ابن عابدین میں ہے قوله وكذا الأخذ اى اخذ المصلى غير الامام بفتح من فتح عليه مفسد ايضاً كما في البحر عن الخلاصة لواخذ الإمام بفتح من ليس في صلوته فيه عن القنية۔

اور درمختار باب سجود التلاوۃ میں لا يجب سماعه من الصدى والطير، حواشی میں ہے قوله من الصدى هو ما يجيبك مثل صوتك في الجبال والصحارى ونحوهما كما في الصحاح۔

مذکورہ بالا نصوص سے ظاہر ہو گیا کہ چونکہ آلۂ مکبّر الصوت اور ابنوبون (ہارنز) آواز میں جو کہ ڈائل وغیرہ سے آواز کے ٹکرانے سے مثل صدی (گنبد وغیرہ میں گونجنے اور ٹکر کھانے سے پیدا ہونے (والی آواز) ایک یا چند واسطوں سے پیدا ہوتی ہیں، اور چونکہ یہ آلات اور بلیوں کے پر کے ابنوب (ہارنز) نہ خود مکلف ہیں اور نہ داخل نماز و جماعت بلکہ خارجی ایسی چیزیں ہیں جن کے ذریعہ سے مقتدیوں کو تلقین اور تعلیم دی جاتی ہے، اور چونکہ ان تکبیروں میں محض تبلیغ کا

قصد ہوتا ہے یہ آلات نہ نمازی ہیں اور نہ ان سے نماز پڑھنے کا ارادہ رکھا جا سکتا ہے، اس لئے جو لوگ فقط ان آلات کے ذریعہ سے نمازیں ادا کریں گے، ان سبھوں کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور غیر مصلی سے تعلیم اور استفادہ کا زہریلا اثر ان کی تمام نمازوں کو معنوی موت کے گھاٹ اتار دے گا لہٰذا اس سے بچنا لازم ہے، جو وجوہ سوال میں جواز یا استحباب کے لئے دکھلائے گئے ہیں فقہی نقطۂ نظر سے ایک جو کے برابر بھی قدر و منزلت نہیں رکھتے ہیں۔

(ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ)

رائے الاحقر فی ہذا الجواب

اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ اس آلہ سے عین صوت بلند نہیں ہو جاتی، بلکہ گونجنے اور ٹکرانے سے اس کی حکایت پہنچ جاتی ہے تو صواب منحصر فی الجواب ہے اور مظنون یہی ہے، اور کسی ماہر سائنس (۱) کی تحقیق سے یہ ظن درجۂ تقین تک پہنچ سکتا ہے، اور اگر ثابت (۲) ہو جائے کہ عین صوت بلند ہو جاتی ہے تو اس صورت میں حکم وہ ہے جو احقر نے اپنے جواب میں عرض کیا ہے، اور

---

(۱) بعد اس تحریر کے اس کے متعلق سوال ذیل متعدد ماہرین کے پاس بھیجا گیا۔ دو مقام سے جو جواب آیا وہ اس پر متفق ہیں کہ جو آواز دور تک پہنچتی ہے عین صوت ہے جو بلند ہو جاتی ہے۔ صوت کی حکایت اور صدائے بازگشت نہیں ہے چنانچہ ذیل میں وہ سوال اور جوابات منقول ہیں۔

(۲) ماہرین سائنس کی مکمل تحقیق جو حال میں مملکت پاکستان کے ماہرین فن سے حاصل ہوئی اس سے یہی ثابت ہوا کہ عین صوت دور تک پہنچ جاتی ہے، بازگشت یا آواز کی صورت نہیں لہٰذا اس تحقیق کی بناء پر خود حضرت سیدی حکیم الامت کے جواب کا خلاصہ یہ ہوگا کہ اس کی آواز پر نماز میں نقل وحرکت کرنے سے حکم فساد نماز کا نہ دیا جائے گا البتہ احتمال فاسد کی بناء پر اس کا ترک کرنا اور سادہ طریق پر نماز ادا کرنا بہتر ہوگا، اس مسئلہ پر ماہرین سائنس کی مکمل تحقیق اور اس سے متعلق مسئلہ زیر بحث پر دوسرے اکابر علماء خصوصاً حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ سید زاہد کوثری مصری وغیرہم کے فتاویٰ اور ان کی تحقیق پھر مسئلہ کا مکمل فیصلہ احقر کے رسالہ مکبر الصوت میں شائع ہو چکا ہے، ضرورت ہو تو اس کو ملاحظہ فرمایا جاوے۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ۔

تحقیقات اہل سائنس متعلقہ مکبر الصوت

سوال...... لاؤڈ اسپیکر کے ڈائل پر سے مقرر کی جو آواز بلند ہوتی ہے، اور دور تک کام کرتی ہے وہ عین آواز ہے یا حکایت آواز (یعنی صدائے بازگشت کی طرح ہے کہ آواز ڈائل پر آ کر ختم ہو گئی اور صدائے بازگشت لوگوں تک پہنچی اسی طرح دوسرے ڈائل سے تیسرے پر صدائے بازگشت کی کاپی ہے اور تیسرے سے چوتھے پر صدائے بازگشت کی کاپی ہے (مطلب یہ ہے کہ ڈائل پر اصل آواز سنائی دیتی ہے یا نری کاپی ہے اس آواز کے مثل جو پہاڑوں، جنگلوں میں گونجتی ہے کہ اس کو یہاں پر (اس آلہ میں) برقی رو کی استعانت سے باقاعدہ اور اصل کے متشابہ کر لیا ہے، کیا اچھا ہو کہ مستند حوالے بھی جواب میں دو۔ (بقیہ اگلے صفحے پر)

اگر دونوں احتمال ہوں تو پھر بھی جواب وہی ہے جو حضرت مصیب سلمہ اللہ الرقیب القریب نے تحریر فرمایا ہے، مگر توجیہ مختلف فیہ ہے، اور وہ توجیہ یہ ہے کہ عین صوت کا عدم بلوغ الی البعید پہلے سے متیقن ہے اور اب اس میں شک واقع ہوگیا، اور **الیقین لا یزول بالشك** اس لئے عدم

(گذشتہ صفحے کا حاشیہ) جواب……از سید شبیر علی ایم اے پروفیسر محکمۂ سائنس علی گڑھ بمشورہ دیگر اصحاب محکمۂ مذکورہ معرفت منشی سراج الحق صاحب ماسٹر مسلم یونیورسٹی اسکول علی گڑھ۔

لاؤڈ اسپیکر کے ڈائل پر سے جو آواز بلند ہوکر دور جاتی ہے، وہ بجنسہ آواز متکلم یا خطیب ہوتی ہے، جو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ قوی ہوجاتی ہے، آواز دراصل ہوا میں لہروں کے پیدا ہونے کا نام ہے جو زبان کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے، اور کان کے پردہ پر جاکر اسی قسم کی کیفیت پیدا کرتی ہیں، کان کے پردہ تک پہنچنے سے پیشتر اگر وہ لہریں ضعیف ہوچکی ہیں جس کے مختلف اسباب ہوسکتے ہیں مثلاً باد مخالف یا شور وغل وغیرہ) اور پھر ان کو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ قوی کردیا گیا ہے تاکہ وہ زیادہ دور تک جاسکیں تو ایسی صورت میں لاؤڈ اسپیکر کے بعد جو آواز نکل رہی ہے وہ فی الحقیقت اصلی ہی آواز ڈائل پر جاکر ختم نہیں ہوجاتی بلکہ ضعیف قوی ہوجاتی ہے، لاؤڈ اسپیکر ان ضعیف لہروں میں ایک قسم کی نئی جان ڈالدیتا ہے، اور یہ فعل ان لہروں کے معدوم ہونے سے پیشتر ہوتا ہے، یعنی وہ لہریں (متکلم کے منہ سے نکلی ہوئی) بجنسہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہوتی ہیں، صدائے بازگشت میں آواز کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ مخرج یا منبع سے آواز نکل کر کسی چیز سے ٹکراتی ہے اور واپس آتی ہے، چونکہ اس فاصلہ کو طے کرنے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے، اور آواز کی رفتار زیادہ تیز نہیں ہے۔ اس لئے دوسری آواز سنائی دیتی ہے۔ صدائے بازگشت میں وہی آواز ٹکرا کر دوبارہ سنائی دیتی ہے اور لاؤڈ اسپیکر میں وہی آواز ضعیف سے قوی ہوجاتی ہے اس لئے اس میں دو آوازیں نہیں سنائی دیتیں۔ اھ

جواب دیگر: از برج نندلال صاحب بی، اے، بی، ایس، سی، ماسٹر سائنس الگزنڈر ہائی اسکول بھوپال معرفت منشی مظہر صاحب ماسٹر۔

جب کسی شے میں حرکت ہوتی ہے تو اس عالم میں بیرونی ہوا پر اس کے صدمہ سے ایک صورت تموج پیدا ہوتی ہے جو اصل حرکت بجنسہ مطابق ہوتی ہے ان کو تموج اصوات کہتے ہیں، جب کوئی شے ان کے سدراہ ہوتی ہے تو ان میں بازگشت یا لہر ہوتی ہے، اور چند اصول کے تحت ان لہروں کا اجتماع ایک مرکز پر ہوتا ہے، اور اس مرکز پر کان کو رکھا جاوے تو وہ آواز اگرچہ ابتداء نہایت آہستہ ہو بلند اور صاف سنائی دیتی ہے، دیگر درمیانی مقام پر وہ ہرگز سنائی نہیں دیتی، اگر جہاں سے آواز ہوتی ہے اور جہاں کہ یہ لہر ہوتی ہے دونوں مقامات کے درمیان ایک خاص معینہ فاصلہ سے کم نہ ہو تو اس میں گونج اور صدائے بازگشت پیدا ہوتی ہے، جو اصل آواز سے بلند ہوتی ہے، اور بعض اوقات میلوں تک سنائی دیتی ہے، جب کبھی آواز کسی تنگ نلکی میں ہوکر گزرتی ہے تو مشاہدہ میں آیا ہے کہ وہ بہت بلند ہوجاتی ہے اور دور تک جاتی ہے، وجوہات کی تفصیل طویل ہے، ایک وجہ ماہرین نے یہ بیان کی ہے کہ نلکی کے اندر کی ہوا میں بکثرت تموج ہوتا ہے جو اصل آواز کے مطابق اور بجنسہ ہوتا ہے، اس سے اصل کو تقویت حاصل ہوجاتی ہے اور سامعین کو وہ آواز بلند ہوکر سنائی دیتی ہے، جملہ لاؤڈ اسپیکر کی ساخت میں میرا خیال یہ ہے کہ ان ہی دونوں اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے کسی کسی میں ٹیلیفون کے اصول کی مدد بھی لیجاتی ہے افسوس ہے کہ میرے پاس یا میرے علم میں کوئی کتاب سردست موجود نہیں ہے کہ جس میں اس جدید ایجاد کا ذکر کیا ہو، لیکن یقین ہے کہ اگر کوئی علم طبعیات جو حال ہی میں تیار ہوئی ہو اور جس میں جدید باتوں کا ذکر ہو تو اس میں اس کی تصدیق مل سکے گی، البتہ راقم کے بیان کی صداقت ناٹھ کی طبعیات یا کسی اور علم صوت کا بیان پڑھنے پر معلوم ہوجاوے گی۔ (بقیہ اگلے ص پر)

بلوغ کا حکم کرکے اس صوت کومثل صدی کے حکم دیا جائے گا۔ ۵ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ۔

(بقیہ حاشیہ) جواب دیگر: پھر بھوپال سے ماسٹر محمد مظہر کی یہ تحریر آئی جو ذیل میں منقول ہے، آج مدرسہ میں سائنس ماسٹر (یہ وہی صاحب ہیں جن کا نام اوپر برج نندن لال آیا ہے) ملے تھے وہ کہتے تھے کہ آواز جو لاؤڈ اسپیکر سے پیدا ہوتی ہے وہ ہے تو بولنے والے کی آواز کا اثر، مگر وہ اس کے بازگشت کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ پہاڑ پر جو صدا سنائی دیتی ہے وہ غیر محسوس عرصہ کے بعد اس وجہ سے سنائی دیتی ہے کہ وہ آواز خود بخود لوٹتی ہے۔ لیکن یہاں برقی رو اس میں دیر نہیں ہونے دیتی، قائل کے زبان کی حرکت صرف ایک موج پیدا کرتی ہے، اور یہاں تو کئی ایک موجیں پیدا ہوتی ہیں اور ان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے جس طرح ایک راگ گانے والے کی آواز ہوگی، اور اگر لوگ تال ملا دیں تو ہم یہ نہ بتا سکیں گے کہ کونسی کس کی آواز ہے برقی قوت یہی شکل پیدا کرتی ہے، غرض وہ یہ کہتے ہیں کہ برقی قوت کی وجہ سے میں تو کم از کم یہ ماننے میں تأمل کرتا ہوں کہ یہ اصلی آواز ہے اور اس کا انکار بھی مجھ سے ممکن نہیں کہ ثبوت مشکل ہے۔ اھ۔

نوٹ: اس جواب کا حاصل تردد ہے، اور تردد کا حکم احقر نے مولانا حسین احمد صاحب کے جواب کے متعلق اپنی جو رائے لکھی ہے اس کے اخیر میں ذکر کیا ہے۔ (اشرف علی۔ ۲۳ محرم ۴۷ھ)

جواب دیگر: پھر حیدرآباد سے مولوی عبدالحی صاحب کی تحریر آئی جو ذیل منقول ہے۔

سوال۔ بخدمت علماء سائنس وحکمت معروض ہے کہ آج کل ایک آلہ (لاؤڈ اسپیکر) جس کو مکبر الصوت بھی کہتے ہیں اس کی تحقیق کی ضرورت ہے کہ اس میں بولنے والے کی آواز بعینہ بلند ہو کر مسموع ہوتی ہے یا مثل صدائے گنبد آواز کی حکایت کرتی ہے اس کا جواب مستند حوالوں اور وجوہ سے عنایت فرمایا جائے کیونکہ اس کی تحقیق پر چند مسائل فقہیہ کی تفریع موقوف ہے۔ ۲۸ محرم ۴۷ھ۔

جواب:- آواز کے متعلق علمائے سائنس کی یہ رائے ہے کہ جس جسم سے آواز نکلتی ہے وہ ایک خاص قسم کی ارتعاشی حرکت کرتا ہے، یہ ارتعاشی حرکت مادی واسطہ میں بجنسہ منتقل ہوتی ہے، اور عام طور پر بالآخر ہوا میں منتقل ہو کر سننے والے کے کان تک پہنچتی ہے (مکبر الصوت) مختلف قسم کے ہیں، برق کی نوعیت کے (مکبر الصوت) میں بولنے والا بات کرتا ہے تو آواز کی موجیں براہ راست منعکس ہو کر سننے والے تک منتقل ہوتی ہیں، بلندی آواز کی وجہ اس خاص صورت میں یہ ہے کہ موجوں کی توانائی ہوا کے وسیع رقبوں میں پھیل کر منتشر نہیں ہونے پاتی بلکہ ایک خاص سمت میں ان موجوں کی ہدایت ہونے سے آواز تقریباً اپنی کامل ابتدائی توانائی کے ساتھ سامع تک پہونچ جاتی ہے، اس آواز کو بلاشبہ بولنے والے ہی کی آواز سمجھ سکتے ہیں، اس مکبر الصوت سے آواز کا انتقال بہت دور تک نہیں ہو سکتا۔

اگر مکبر الصوت برقی نوعیت کا ہے جیسا کہ معمولی لاسلکی ٹیلیفون کے ساتھ استعمال کرنے کا آلہ ہوتا ہے تو اس کی نوعیت بالکل جداگانہ ہے، یہاں آواز پیدا کرنے والے جسم کی ارتعاشی حرکت اپنی نوعیت بدل کر ایک دوسری قسم کی ارتعاشی صورت اختیار کر لیتی ہے، گویا کہ آواز کی نقل برقی رووں یا برقی موجوں میں تیار کر لی جاتی ہے، اور وہ سننے والے کے آلۂ سماعت میں داخل ہو کر بالآخر آواز کے مادی ارتعاش کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے جو کہ آواز کے پیدا کرنے کے لئے لازمی ہے، اور اور اس طرح سننے والا نقل در نقل یا بالواسطہ طریقہ سے آواز سن پاتا ہے، ایسے لاؤڈ اسپیکروں کی آواز ابتدائی آواز کی محض نقل یا حکایت ہی سمجھی جا سکتی ہے۔ ۳ صفر ۴۷ھ۔

نوٹ:- اس جواب کا حاصل اس کا حکم ہے کہ یہ آواز صدائے بازگشت ہے تو اس بناء پر مولانا حسین احمد صاحب کا جواب مذکورہ بالا متعین ہے۔ اشرف علی ۱۰ صفر ۴۷ھ۔

المقالات المفیدہ فی حکم اصوات آلات الجدیدہ

......مشتمل بر دو فتویٰ......

تمہید ریڈیو کے متعلق خانقاہ امدادیہ سے اول کسی نے ایک استفتاء کر کے جو جواب حاصل کیا تھا چونکہ اس میں کچھ شبہ پیدا ہوا تھا اس لئے [1] احقر نے دوسرا استفتاء کیا دونوں استفتاء مع جواب ذیل میں منقول ہیں۔

استفتاء اول......کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں آج کل ریڈیو کا رواج بہت ہو رہا ہے جس میں خبریں بھی ہوتی ہیں اور تقریریں بھی اور گانا بجانا بھی اور بعض اوقات خوش الحان قاریوں کا قرآن بھی اس میں سنایا جاتا ہے اور جو قاری خوش الحان ریڈیو پر قرآن پڑھتے ہیں ان کو معقول معاوضہ دیا جاتا ہے، پس بایں صورت ریڈیو گھر میں لگانا اور اس کا کسی طور سے سننا یا اس پر قرآن پڑھنا اور معاوضہ لینا یا ریڈیو سے قرآن سننا جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب......اگر کوئی ریڈیو لہو ولعب اور گانے بجانے سے بالکل پاک ہو یعنی اس کے کسی پروگرام میں بھی یہ خرافات نہ ہوں اور اس میں صرف کسی واعظ یا مقرر اسلام کی تقریر ہو یا خبریں ہوں تو ایسے ریڈیو پر قرآن پڑھنا اور اس سے قرآن سننا فی نفسہ جائز تھا گو قرآن پڑھنے کا معاوضہ لینا حرام ہی ہوتا اور جس ریڈیو میں گانا بجانا بھی ہو تو اس میں تو کسی طرح بھی نہ قرآن پڑھنا جائز ہے نہ سننا، بلکہ اس پر قرآن پڑھنا یا سننا قرآن کی بے حرمتی کا سبب ہے کہ قرآن کے ساتھ تلاعب ہے یہ تو اس کا فی نفسہ حکم تھا جس میں تفصیل مذکور تھی، لیکن عوام الناس کا حدود میں رہنا عادۃً قریب ناممکن ہے اس لئے علی الاطلاق اس پر قرآن مجید سننے کو روکنا واجب ہے اور اسی تفصیل سے ریڈیو کو گھر پر لگانے اور کسی طور سے اس کے سننے کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ قسم اول کا لگانا فی نفسہ جائز اور قسم دوم کا حرام ہے مگر چونکہ قسم اول کا تحقق ہے ہی نہیں عام طور سے صرف قسم دوم ہی کا تحقق ہے اس لئے اس کا لگانا اور سننا علی الاطلاق حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

دستخط **الجواب صحیح**

(مولانا) ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۲ر رمضان ۱۳۵۶ھ......اشرف علی عفی عنہ۔ ۲۳ر رمضان ۱۳۵۶ھ

(۱) استفتاء کرنے والے وصل بلگرامی مرحوم ہیں۔ ۱۲ محمد شفیع

استفتاء ثانی

سوال و جواب مندرجہ بالا کے بعد گزارش ہے کہ شاید جواب تحریر فرماتے وقت یہ ذہن میں تھا کہ ریڈیو مثل گراموفون کے ریکارڈ کے ہے جس میں ہر قسم کی آواز محفوظ ہوسکتی ہے اور جب چاہیں اس ریکارڈ کو کام میں لاسکتے ہیں اور ایسے ریکارڈ تیار ہوکر فروخت ہوسکتے اور خریدے جاسکتے ہیں اس لئے ضرورت اس امر کی ہوئی کہ ریڈیو کا مفہوم اور اس کی حقیقت بیان کردی جائے اس کے بعد جو شرعی حکم ہو وہ تحریر فرمادیا جاوے، ریڈیو کی حقیقت مثل ٹیلیفون کے ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ ٹیلیفون کی آواز صرف ایک شخص سن سکتا ہے اور ریڈیو کی آواز جتنے سننے والے وہاں موجود ہوں سن سکتے ہیں، گراموفون ایک کمپنی کے انتظام میں ہے جس کی غرض صرف تجارت ہے خواہ اس کے ریکارڈ لہولعب گانے بجانے ہنسی مذاق کھیل تماشہ کے ہوں یا علمی مضامین یا قرآن شریف کی آیات کے ہوں لیکن ریڈیو کا محکمہ گورنمنٹ کے انتظام میں ہے اس میں جو کام ہوتا ہے فنی ترقی یا سننے والوں کی دلچسپی کی غرض سے خواہ وہ ہر قسم کا گانا بجانا ہی کیوں نہ ہو، اس میں ایک مرتبہ جو آواز سنائی دیتی ہے وہ دوسری مرتبہ نہیں سنائی جاسکتی اس میں سناتے وقت سنانے والے کا موجود رہنا اور اپنی زبان سے سنانا لازمی ہے اور یہ کلام دوسری مرتبہ قائم نہیں رہ سکتا، اس میں قرآن شریف ہو یا حدیث وید کے اشلوک ہوں یا رامائن کا کوئی باب یا اس کا کوئی ٹکڑہ علمی، فنی جذباتی، افادی مضامین ہوں یا تمدنی اور شعروسخن کے، غرض ہر قسم کا مضمون خواہ کسی قسم کا ہو اور کسی زبان کا ہو، نثر ہو یا نظم، سنایا جاسکتا ہے محکمہ ایسے لوگوں کو جو محنت کرتے اور سناتے ہیں ایک مقررہ معاوضہ دیتا ہے اور ان کی قدر کرتا ہے، یہ مختصر حقیقت ہے ریڈیو کی، ایسی حالت میں ریڈیو لگانا سننا، خواہ کسی قسم کا مضمون ہو یا اجرت پر کوئی مضمون پڑھنا اور سنانا جس میں قرآن شریف اور ہر قسم کے مضامین نظم ونثر شامل ہیں جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ......سوال میں جن تین آلات کا ذکر ہے وہ اپنی تین اغراض کے اعتبار سے قابل تحقیق ہیں، وہ تین آلات یہ ہیں، گراموفون، ٹیلیفون، ریڈیو اور تین اغراض یہ ہیں، (۱) اصوات مباحۃ (۲) اصوات محرمہ (۳) اصوات طاعات، اور ان تینوں اصوات کے بعض احکام مشترک ہیں اور بعض مخصوص غیر مشترک، احکام مشترکہ یہ ہیں کہ اصوات مباحہ مباح، اور اصوات محرمہ حرام، اور اصوات طاعات کی نفس ذات کا مقتضا تو اشتراک حکم ہی تھا مگر ایک عارض سبب اس میں تفصیل ہوگئی اور وہ عارض ان آلات کا لہو کے لئے موضوع ہونا یا نہ ہونا ہے اور وہ تفصیل یہ

ہے کہ جو آلہ تلہی کے لئے موضوع ہے ان اصوات طاعت کے استماع کے لئے استعمال ناجائز ہے اور جو تلہی کے لئے موضوع نہیں اس کا استعمال ان اصوات طاعات کے لئے جائز ہے اب اس کی تعیین باقی رہی سودو کی حالت تو ہمیں پہلے سے معلوم ہے یعنی ٹیلیفون کا تلہی کے لئے موضوع نہ ہونا اور گراموفون کا تلہی کے لئے موضوع ہونا، سو ان کا حکم بھی ظاہر ہے کہ ٹیلیفون کا استعمال ان اصوات طاعت میں جائز ہے اور گراموفون کا ناجائز، اور قواعد سے یہ حکم ظاہر ہے مگر تبرعاً ایک خاص حدیث بھی اس کی تشدید و تائید کے لئے مع تقریر استدلال نقل کئے دیتا ہوں۔

حدیث یہ ہے...... في المشكوة، باب اعلان النكاح الفصل الاول برواية البخاری عن الربيع بنت معوذ بن عفراء قالت جاء النبي ﷺ فدخل حسين بن علي فجلس علي فراشي كمجلسك مني وجعلت جو يريات لنا يضربن بالدف ويندبن من قتل من أبائي يوم بدر اذ قالت احدهن و فينا نبي يعلم ما في غدٍ فقال دعي هذه و قولي بالذی كنت تقولين، قال الشيخ الدهلویؒ فی اشعة اللمعات فی شرح الحديث۔

وگفتہ اند کہ منع آں حضرت ازیں قول بجہت آنست کہ کہ درو ے اسناد علم غیب است بآنحضرت پس آں حضرت را نا خوش آمد وبعضے گویند بجہت آنست کہ ذکر شریف وے در اثنائے لہو مناسب نباشد اھ۔ میں کہتا ہوں کہ گو اس حدیث کی توجیہ میں دونوں احتمال ہیں اور غور کرنے سے توجیہ ثانی راجح بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر احتمال اول اس کی بناء ہوتی تو ممانعت شدید زجر کے صیغہ سے ہوتی لیکن اس ترجیح سے قطع نظر کر کے بھی علماء امت کا دونوں کا تجویز کرنا واضح دلیل ہے دونوں بناؤں کے فی نفسہ صحیح ہونے کی گو یہاں متحقق ایک ہی ہو، پس دوسری توجیہ پر تقریر استدلال یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے صرف مجلس لہو میں ذکر طاعت پر نکیر فرمایا حالانکہ یہاں آلہ ذکر یعنی زبان لہو کے لئے موضوع نہیں صرف اقتران فی المجلس کو منع میں مؤثر قرار دیا، سو جہاں خود آلۂ ان اذکار کا لہو کے لئے موضوع ہو وہاں تو قبح و شناعت بہت زیادہ ہوگی، اس تقریر سے گراموفون اور ٹیلیفون میں قرآن مجید اور دیگر اذکار طاعات تعبد یہ کے استماع کا حکم ہو گیا کہ اول میں اس علت مذکورہ کی بناء پر عدم جواز ہے اور ثانی میں جواز جبکہ اور کوئی علت منع کی نہ ہو، سو ان دونوں کی حالت تو ہم کو پہلے سے معلوم ہے اس لئے ان کا حکم بھی معلوم ہے باقی ریڈیو کی حالت اب تک معلوم نہ تھی اس لئے قبل تحقیق تو اس کے حکم میں تشقیق ہوگی یعنی اگر وہ گراموفون کے مشابہ ہے تو اس کا حکم گراموفون کے مثل ہے اور اگر وہ ٹیلیفون کے

مشابہ ہے تو اس کا حکم ٹیلیفون کے مثل ہے، پہلے فتویٰ کی تصدیق کئے ہوئے مدت ہوگئی یاد نہیں اس کی کیا بنا ہوگی مگر غالباً اس وقت ذہن میں یہی ہوگا کہ وہ گراموفون کے مشابہ ہے جیسا کہ جواب کی بعض عبارات سے مفہوم بھی ہوتا ہے، اب دوسرے سوال میں اس کی حالت ٹیلیفون کے مشابہ ظاہر کی گئی ہے سو اگر ایسا ہے تو اس کا حکم ٹیلیفون کی مثل ہوگا یعنی اس میں اصوات طاعت تعبد یہ کے استماع کا جواز، البتہ اگر باوجود آلۂ تلہی نہ ہونے کے کوئی دوسرا عارض مانع جواز ہوگا تو اس عارض کے سبب پھر منع کیا جاوے گا، مثلاً قاری کو اجرت دینا یا مسمع یا مستمع کا غیر طاعت کے قصد سے سنانا یا سننا جیسا فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ تاجر کا فتح متاع کے وقت ترویج سلعہ یا ترغیب مشترین کی غرض سے درود شریف پڑھنا یا حارس کا ایقاظ نائمین کی غرض سے تہلیل کا جہر کرنا ان سب عوارض کی وجہ سے ممانعت کا حکم کیا جاوے گا، یہ سب تفصیل اس بناء پر ہے کہ ریڈیو لہو کے لئے موضوع نہ ہو، لیکن اگر کسی وقت میں باوجود موضوع للتلہی نہ ہونے کے عام طور پر یا غالب طور پر لہو کے لئے مستعمل ہونے لگے تو اس وقت بھی اس کا حکم مثل موضوع للتلہی کے ہو جاوے گا کیونکہ اہل شہر کے اعتیاد بدرجۂ لزوم تشبہ کو بھی فقہاء نے احکام میں مؤثر مانا ہے بعض اہل خبرت سے سنا گیا ہے کہ اب اس کی حالت ایسی ہی ہوگئی ہے سوال کے بعض الفاظ سے بھی اس کا شبہ ہوتا ہے سو اس کو اہل استعمال تدین کے ساتھ خود دیکھ لیں اور یہ سب احکام ہیں آلات مذکورہ سوال کے ان کی مناسبت اور ضرورت وقت سے تھے ایک چوتھے آلہ کا حکم بھی لکھ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے گو اس سوال میں اس کا ذکر نہیں مگر دوسرے سائلین اس کے متعلق بھی سوال کرتے ہیں اور وہ آلہ ہے لاؤڈ اسپیکر یعنی مکبّر الصوت جس میں آواز بڑھ جاتی ہے اس کا اجمالی حکم یہ ہے کہ تقریرات میں اس کا استعمال جائز ہے اور عیدین و جمعہ کے خطبہ میں بدعت اور تکبیرات صلوٰۃ میں اس کا اتباع مفسد صلوٰۃ، اس وقت سب کے دلائل کی گنجائش نہیں اور تکبیرات صلوٰۃ کے حکم مذکور کے دلائل میں احقر کا ایک مستقل رسالہ ہے (التحقیق الفرید فی آلۃ التقریب الصوت البعید) اس کا ملاحظہ کافی ہے یہ سب تحقیقات اپنے معلومات کی موافق لکھی گئیں اگر کسی کو اس سے زیادہ یا اس کے خلاف تحقیق ہو وہ اپنی تحقیق پر عمل کرے اور اگر ہم کو بھی مطلع کردے تو ماجور ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ تمت رسالۃ المقالات المفیدہ۔

کتبہ اشرف علی تھانہ بھون۔

۱۵ محرم الحرام ۱۳۵۷ھ۔

ضمیمہ امداد الفتاویٰ جلد اول

بابت مسئلہ مکبّر الصَّوت

(از احقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آلۂ مکبر الصوت .... کے متعلق سب سے پہلا فتویٰ حضرت سید حکیم الامۃ قدس سرہ کے قلم سے ۱۳؍رمضان ۱۳۴۶ھ میں نکلا ہے جو اس کتاب کے ص ۵۸۱ میں پورا درج ہے، یہ وہ وقت تھا جبکہ یہ آلہ نیا نیا چل کر خاص خاص شہروں میں آیا تھا عام طور پر اس کی شکل و ہیئت اور طریق استعمال سے بھی لوگ واقف نہ تھے اس وقت جو جواب لکھا گیا اس کا منشاء یہ تھا کہ اس کو بھی گراموفون کی طرح ایک ایسا آلہ سمجھا گیا جو مجالس لہو وطرب میں استعمال کیا جاتا ہے اور کوئی ضرورت اس پر موقوف نہ تھی کہ جواب سے پہلے مزید تحقیق و تفتیش کا انتظار کیا جاتا اس لئے عام حالات کے تابع اس کو لہو ولعب میں استعمال ہونے والا ایک آلہ قرار دے کر عام وعظ تقریر میں بھی اس کے استعمال کو منع کیا گیا اور مسجد میں اس کے داخلہ کو ممنوع فرمایا۔

اس کے بعد دوسرا فتویٰ چند ماہ بعد ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ میں ایک صاحب سے طویل مراسلت و مکاتبت کے ضمن میں لکھا گیا اسی زمانہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ نے دارالعلوم دیوبند سے ایک سوال کے جواب میں اس کے استعمال فی الصلوٰۃ کو مفسد نماز قرار دیا اور حضرت قدس سرہ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ یہ مفصل مکاتبت اور فتویٰ ”التحقیق الفرید فی استعمال آلۃ تقریب الصوت البعید“ کے نام سے النور میں شائع ہوا جو اس کتاب کے ص ۵۸۲ پر درج ہے اس میں بھی اس آلہ کے مطلقاً استعمال کی ممانعت تھی اور نماز میں استعمال کو مفسد نماز قرار دیا گیا تھا۔

اس کے گیارہ سال بعد محرم ۱۳۵۷ھ میں پھر کسی صاحب نے ریڈیو وغیرہ آلات جدیدہ

کے متعلق سوال کیا جبکہ اس کا استعمال عام ہو چکا تھا، سوال میں اس حقیقت کو واضح بھی کر دیا گیا تھا کہ ریڈیو نہ لہو وطرب کا کوئی آلہ ہے اور نہ مجالس لہو ولعب کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ اس سے بہت مفید کام بھی لئے جاتے ہیں وہ ہر ملک میں حکومت کے زیر انتظام ہوتا ہے، اس میں حضرتؒ نے ریڈیو کے حکم کے ساتھ آلۂ مکبّر الصوت کا حکم بھی تحریر فرما دیا۔

یہ فتویٰ بھی ایک مستقل رسالہ کی صورت میں بنام **''المقالات المفیدہ فی حکم استماع آلات الجدیدہ''** جس میں عام وعظ وتقریر وغیرہ میں اس آلہ کے استعمال کی اجازت دی گئی اور خطبہ واذان میں بدعت لکھا گیا اور نماز میں مفسد نماز۔

اسی زمانہ میں احقر نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء سے ایک مستقل رسالہ بنام آلۂ مکبّر الصوت کے شرعی احکام لکھا جس میں حضرت قدس سرہ کی ان تینوں تحریروں کو جمع کر دیا گیا تھا، میرا یہ رسالہ جب حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے پاس ڈابھیل ضلع سورت پہونچا تو موصوف نے ایک مفصل خط میں فساد نماز کے حکم سے اختلاف کا اظہار کچھ دلائل کے ساتھ فرمایا، احقر نے اس کا ذکر حضرت قدس سرہ سے کیا تو فرمایا کہ خط کتابت میں بہت طول ہو جاتا ہے جب مولانا یہاں تشریف لاویں گے اس وقت زبانی گفتگو سے مسئلہ کو طے کر لیا جائے گا، اتفاق سے اس کے بعد کوئی ایسا موقع نہ ملا کہ حضرت کی خدمت میں مولانا موصوف کی معیت میں اس مسئلہ پر گفتگو ہوتی، یہاں تک کہ رجب ۱۳۶۲ھ میں حضرت قدس سرہ کی وفات کا سانحہ پیش آ گیا، پھر مولانا موصوف اور یہ احقر تحریک پاکستان کی مساعی میں مصروف ہوگئے اور بالآخر رمضان ۱۳۶۷ھ میں مولانا موصوف پاکستان میں منتقل ہوگئے، پھر آٹھ ماہ کے بعد جمادی الثانیہ ۱۳۶۸ھ میں احقر بھی ہجرت کر کے پاکستان آ گیا، اس وقت آلۂ مکبّر الصوت کا استعمال عام مساجد میں اور نمازوں میں عام ہو چکا تھا اس کے متعلق سوالات کی کثرت ہوئی احقر حضرت قدس سرہ کے فتویٰ کے مطابق اس کو مفسد نماز لکھتا رہا۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اگرچہ احقر کے استاذ اور مربی تھے مگر غایت تواضع سے فتویٰ کا کام احقر کے سپرد فرماتے تھے اس مسئلہ میں اگرچہ ان کو اختلاف تھا مگر اختلاف کا اظہار نہ فرماتے تھے کیونکہ احتیاط کا تقاضا بہرحال اسی میں تھا کہ نماز میں اس کو استعمال نہ کیا جائے،

یہاں تک کہ حرمین شریف میں اس آلہ کا استعمال سب نمازوں میں ہونے لگا اور اطراف

عالم سے سوالات کا تانتا بندھا اور اب سوال صرف یہ نہ رہا کہ لوگوں کو احتیاطاً اس سے منع کیا جائے بلکہ لاکھوں مسلمانوں کی نماز کی صحت وفساد کا مسئلہ بن گیا خصوصاً وہ نماز جو بڑی مشکل سے کسی خوش نصیب کو حرمین میں نصیب ہوتی ہے:

• اس وقت مولانا موصوف نے مجھ سے فرمایا کہ اگر چہ میرے نزدیک فساد نماز کا حکم پہلے بھی صحیح نہیں تھا جس کی اطلاع میں اسی وقت دے چکا تھا، لیکن یہ سمجھ کر اختلاف کا اظہار نہ کرتا تھا کہ بہرحال نماز میں اس آلہ کا استعمال کسی درجہ میں بھی ضروری تو ہے نہیں اور احتیاط اجتناب ہی میں ہے تو سکوت بہتر سمجھا مگر اس ابتلاء عام کے بعد مسئلہ کا رخ بدل گیا اب یہ کروڑوں مسلمانوں کی نماز کی صحت وفساد کا مسئلہ بن گیا اس لئے اب میں احتیاط اس میں نہیں سمجھتا کہ مفسد نماز نہ سمجھتے ہوئے محض احتیاطی طور پر اس کو مفسد نماز کہنے سے اتفاق کروں۔

اس لئے اب ضروری ہوگیا کہ اس مسئلہ پر از سرنو نظر کی جائے، فساد نماز کا حکم دو چیزوں پر مبنی تھا، اول یہ کہ اس آلہ کی آواز بعینہ امام کی آواز نہیں بلکہ اس کی نقل و حکایت ہے دوسرے یہ کہ بحالت نماز کسی ایسے شخص کا اتباع جو شریک نماز نہ ہو مفسد نماز ہے، مولانا موصوف کو ان دونوں جزؤں میں اشتباہ اور اختلاف تھا۔ پہلا مسئلہ تو سائنس کا مسئلہ تھا جس کو اس کے ماہرین ہی کی رائے سے حاصل کرنا تھا۔

دوسرا مسئلہ خالص فقہی تھا، چنانچہ یہ کیا گیا کہ پہلے مسئلہ کے متعلق پاکستان کے محکمۂ ریڈیو اور صوتیات کے ماہرین کے پاس سوالات بھیجے گئے اور دوسرے مسئلہ میں کئی روز تک باہم بحث وتمحیص کا سلسلہ جاری رہا، اس بحث وتمحیص کے دوران میں مجھے یہ تو اندازہ ہوگیا کہ فقہی طور پر اس معاملہ میں فساد صلوٰۃ حکم اتنا واضح اور جلی نہیں ہے کہ اس میں دوسروں کی رایوں کو نظر انداز کیا جائے، مگر ابھی تک شرح صدر کسی جانب نہ ہوا اور بہت سے وقتی مسائل نے اس بحث کو پھر التواء میں ڈال دیا، میں نے اس دوران میں اپنے فتویٰ فساد نماز کا حکم لکھنے کے بجائے یہ لکھنا شروع کردیا کہ نماز میں اس سے اجتناب کیا جائے، اور افسوس کہ اسی دوران میں اچانک یہ آخری یادگار سلف بھی صفر ۱۳۶۹ھ کو ہم سے رخصت ہوگئی، اس حادثہ نے رہی سہی ہمت بھی توڑدی اور پھر یہ مسئلہ التواء ہی میں پڑا رہا، مگر فقہی اصول اور جزئیات جو اس وقت زیر بحث آئی اور ان سے مسئلہ میں گنجائش کے پہلو نظر آئے ان کے پیش نظر اس ابتلاء عام کے زمانہ میں فساد نماز کا حکم کرکے لاکھوں مسلمانوں کی نماز کو فاسد کہہ دینا کوئی احتیاط کا پہلو نہ رہا، مگر ہنوز جواز

صلوٰۃ کا حکم بھی اپنی تنہا رائے سے لکھنے کی ہمت نہ ہوئی تھی، یہاں تک کہ جن محکموں میں اس آلہ کی آواز کے متعلق سوالات بھیجے تھے وہاں سے متفقہ طور پر یہ جواب ملا کہ اس آلہ کی آواز بعینہ متکلم (امام) کی آواز ہوتی ہے اس تحقیق نے فساد نماز کے حکم کی بنیاد ہی منہدم کر دی تو اس وقت احقر نے شعبان ۱۳۷۲ھ میں بنام خدا تعالیٰ اس موضوع پر ایک جدید رسالہ مرتب کیا جس میں یہ لکھا گیا کہ نماز میں اس آلہ کے استعمال پر بہت مفاسد پیش آتے ہیں ان عوارض اور مفاسد کے پیش نظر نماز میں اس سے اجتناب ہی کیا جانا چاہئے لیکن اگر کسی وجہ سے نماز میں استعمال کر لیا گیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اس غور وفکر کے زمانہ میں یہ بھی سوچتا رہا کہ آج حکیم الامت قدس سرہ دنیا میں تشریف فرما ہوتے اور اس میں ابتلا عام کا مشاہدہ کرتے ہوئے یہ فقہی توسع بھی سامنے آتا جواب بحث و تمحیص کے بعد آیا ہے خصوصاً جبکہ ماہرین آواز نے بھی اس کو بعینہ آواز متکلم قرار دیدیا تو کیا وہ اپنے سابق فتوی پر جمے رہتے یا اپنی اس خداداحق پرستی اور عوام کے لئے سہولت کوشی کے پیش نظر جو عمر بھر آپ کے فتاویٰ میں ترجیح الراجح کے عنوان سے مشاہدہ ہوتی رہی ہے آپ اپنے اس فتویٰ کو بدلتے، مجھے اپنے ناقص غور وفکر اور حضرت قدس سرہ کے ذوق کا جس قدر حصہ حاصل تھا اس نے یہی جواب دیا کہ ان حالات میں ضرور حضرت قدس سرہ فساد نماز کے فتویٰ سے رجوع فرما لیتے، مگر اس وقت بھی تنہا اپنی رائے پر بھروسہ نہیں کیا رسالہ کا مسودہ قبل از اشاعت دارالعلوم دیوبند، مظاہرالعلوم سہارنپور، خیر المدارس ملتان، جامعہ اشرفیہ لاہور، ٹنڈوالہیار سندھ وغیرہ کے مرکزی مدارس میں بھیج کر وہاں کے علماء سے رجوع کیا، مصر میں اس وقت علامہ زاہد کوثری بحیات تھے جو اپنے وقت میں فقہ حنفی کے امام سمجھے جاتے تھے ان کی خدمت میں سوالات بھیجے موصوف نے پورے جزم کے ساتھ جواز صلوٰۃ کا فیصلہ کیا، دارالعلوم دیوبند کے سب اکابر نے جن میں سب سے پہلے فساد نماز کا فتویٰ لکھنے والے حضرت مولانا مدنی قدس سرہ بھی شامل تھے اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع کر کے احقر کی تحریر سے پورا پورا اتفاق فرمایا۔

مظاہر علوم سہارنپور کے علماء نے بعض اجزاء سے اختلاف کے باوجود فساد نماز کے حکم سے رجوع فرمایا، اسی طرح دوسرے دینی مراکز سے بھی اسی طرح کے جوابات موصول ہوئے تب احقر نے اس رسالہ کو شائع کیا، رسالہ کی اشاعت کے بعد چند علماء کی طرف سے اس کے خلاف کچھ تحریریں موصول ہوئیں ان کو دیکھ کر مسئلہ پر پھر از سر نو نظر کی اور مزید فقہی تحقیق کے ساتھ محرم

۱۳۸۲ھ میں یہ رسالہ پھر شائع ہوا، جس میں مسئلہ کی پوری تاریخ بھی ہے اور اپنے علم وبصیرت کی حد تک تحقیق بھی جن حضرات کو تحقیق مطلوب ہو اس رسالہ کو دیکھ لیں، اس رسالہ کے آخر میں ایک بات لکھی ہے اس کا یہاں بھی اعادہ کرتا ہوں کہ یہ جو کچھ لکھا گیا اپنی ناتمام معلومات اور ناقص رائے سے لکھا گیا ہے اگر دوسرے اکابر تصدیق نہ فرماتے تو اشاعت کی ہمت بھی نہ ہوتی مگر یہ بندۂ عاجز بقدر طاقت اپنی کوشش خرچ کر کے تھک چکا جن حضرات کو اس سے اطمینان نہ ہو وہ دوسرے علماء سے رجوع فرماویں۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

کراچی نمبر ۵۔ ۱۵ر صفر ۱۳۸۲ھ

☆☆☆

ضمیمہ: نمبر ۱

حاشیہ سوال نمبر:(۳۴۲)

صفحہ نمبر: (۴۰۴)

جواب سوالات اربعہ متعلقہ بأحکام اللاحق والمسبوق

سوال ۱:۔ حضرت حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی صاحب قدس سرہ نے دعوات عبدیت میں کسی جگہ یہ فرمایا تھا کہ اگر مسافر امام کے پیچھے کوئی مقتدی ایسے وقت آ کر شامل ہو جبکہ اس کی ایک رکعت نکل چکی ہو تو ایسا شخص لاحق بھی ہے اور مسبوق بھی۔ اور اس کے لئے افضل طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے ان رکعتوں کو ادا کرے جن میں لاحق ہے لہٰذا پہلی دو رکعتوں کو بغیر قراءت کے پڑھے۔ پھر وہ رکعت ادا کرے جس میں مسبوق تھا۔ اور اس میں قراءت کرے۔

اس پر سائل نے یہ اعتراض کیا کہ اس ترتیب کو صرف افضل قرار دینا درست معلوم نہیں ہوتا، بلکہ اس کو واجب کہنا چاہئے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ:۔

مسبوق کی حیثیت سے چھٹی ہوئی رکعت کو ادا کرنے کا صحیح محل وہ ہے جب اقتداء سے فارغ ہو چکا ہو۔ اور جس شخص کے ذمہ بحیثیت لاحق کچھ رکعتیں باقی ہوں اس کو اقتداء سے فارغ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ لاحق بحکم مقتدی ہوتا ہے، اور ترتیب بین الرکعات واجب ہے۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ:۔

میرے افضل کہنے کا مبنیٰ ایک قیاس ہے۔ اور وہ یہ کہ شامی میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ مسبوق کے لئے صحیح ترتیب یہ ہے کہ پہلے امام کی متابعت کرے۔ پھر اس حصہ کو ادا کرے جس میں وہ مسبوق ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس کے برعکس کرے (مثلاً کوئی شخص پہلی رکعت کے سجدہ کے وقت آ کر شامل ہوا تو اس کو چاہئے کہ تحریمہ کے بعد امام کے ساتھ سجدہ میں چلا جائے۔ اور چھٹی ہوئی رکعت امام کے سلام کے بعد ادا کرے، لیکن اگر کسی شخص نے تحریمہ کے بعد پہلے چھٹی ہوئی رکعت پڑھ لی پھر امام کے ساتھ شامل ہوا) تو اس کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں اور دونوں کی تصحیح کی گئی ہے۔ لیکن متاخرین نے اس کے جائز ہونے پر فتویٰ دیا ہے۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ فرماتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ بعض حضرات اس صورت

میں نماز کے فساد کے قائل ہیں پھر بھی جواز پر فتویٰ دیا گیا۔ تو صورت مسئولہ میں بطریقہ اولیٰ جواز ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہاں پر فساد صلوٰۃ کا کوئی قائل نہیں، نیز مسبوق کی مذکورہ بالا صورت میں بلویٰ عام نہیں۔ اور زیر بحث صورت میں بلویٰ عام ہے۔ لہٰذا یہاں بطریقہ اولیٰ جواز کا حکم دینا چاہئے۔

اس پر سائل نے دوبارہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کو تحریر کیا کہ مسبوق والے مسئلہ میں متاخرین نے جواز کا فتویٰ دیا ہے وہ کراہت تحریمی کے ساتھ مقید ہے۔ لہٰذا زیر بحث صورت میں بھی کراہت تحریمی ہوگی۔ اور اس کو محض خلاف اولیٰ کہنا درست نہ ہوگا۔ پھر کراہت تحریمی کی دلیل میں سائل نے کبیری شرح منیہ کی ایک عبارت بھی پیش کی۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے سائل کی اس دلیل کو قبول فرمایا۔ تاہم عموم بلوی کی وجہ سے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ عوام کے لئے سہولت کی صورت نکل سکے تو بہتر ہے۔

اس کے بعد واقعہ یہ ہوا کہ زیر بحث صورت میں جبکہ مقیم خلف المسافر کم از کم ایک رکعت کے بعد آ کر شریک ہو۔ اس کے بارے میں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کے فتویٰ میں اختلاف ہوگیا۔ دیوبند کے فتویٰ میں وہی مشہور بات کہی تھی کہ ایسا شخص لاحق بھی ہے مسبوق بھی ہے۔ لیکن سہارنپور کے فتویٰ میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ ایسا شخص مسبوق ہے لاحق نہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ میں تو شامی وغیرہ کی یہ عبارت بطور دلیل پیش کی گئی ہے کہ **وقدیکون (ای المقیم الموتم بالمسافر) مسبوقاً أیضا کمااذا فاته اول صلوة امامه المسافر** جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مقیم موتم بالمسافر کی اگر کوئی رکعت چھوٹ جائے تو وہ مسبوق بھی ہوتا ہے اور لاحق بھی۔

اور مظاہر العلوم کے فتویٰ میں فتاوی عالمگیری کے ایک جزئیہ سے استدلال کیا گیا ہے جس میں صلوٰۃ الخوف کے احکام بیان کرتے ہوئے یہ صورت بیان کی گئی ہے کہ اگر صلوٰۃ الخوف کا امام مسافر ہو اور مقتدی مقیم ہو تو اس صورت میں امام ہر طائفہ کو ایک رکعت پڑھائے گا۔ پھر ہر ایک طائفہ تین تین رکعتیں اپنی طور پر پوری کرے گا، اور طائفہ ثانیہ کے لئے تین رکعتیں پوری کرنے کا طریقہ فتاویٰ عالمگیری میں اس طرح بیان کیا ہے کہ **و تجئی الطائفة الثانية الی مکان صلوتهم فیصلون ثلث رکعات الاولیٰ بفاتحة الکتاب وسورة لانهم مسبوقون فیها والاخریین بفاتحة**

الکتاب اس سے معلوم ہوا کہ امام کی دوسری رکعت میں آ کر ملنے والا مقیم خلف المسافر تینوں رکعتوں میں قرأت کریگا۔ گویا اس کو تینوں رکعتوں میں مسبوق قرار دیا ہے، اگر لاحق ہوتا تو قرأت نہ کرتا۔ یہ اور بات ہے کہ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورت پڑھے گا۔ اور باقی رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھے گا، کیونکہ اخریین میں ضم سورت نہیں ہے، لیکن نفس قرأت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو لاحق نہیں سمجھا گیا بلکہ مسبوق قرار دیا۔ اور جب یہاں اس کو لاحق کے بجائے مسبوق کہا گیا تو صلوٰۃ الخوف کے علاوہ دوسری نمازوں میں بھی یہی حکم ہوگا۔ کیونکہ صلوٰۃ الخوف کی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں۔

مظاہر العلوم کی اس دلیل پر حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے امدادالفتاویٰ کے ص:۳۴۹ ،ج:۱ کے حاشیہ پر یہ اعتراض ذکر فرمایا ہے کہ نہر کے ایک جزئیہ میں کہا گیا ہے کہ والمسبوق ان ادرک رکعة من الشفع الاول فهو من اهل الاولیٰ والا فمن الثانية جس کا حاصل یہ ہے کہ شفع اول کی دوسری رکعت میں شریک ہونے والا طائفہ اولیٰ میں داخل ہے۔ اور طائفہ اولیٰ میں داخل ہونے کا معنی یہ ہیں کہ وہ لاحق ہونے کی وجہ سے کسی بھی رکعت میں قرأت نہیں کرے گا، حالانکہ ایک رکعت میں وہ حقیقتاً مسبوق تھا لیکن اس کے باوجود اس کو حکماً لاحق کہا گیا۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آیا صلوٰۃ الخوف کی مذکورہ صورت کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص مسبوق ہو تو وہ ہمیشہ بحکم لاحق ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ الخوف اور غیر صلوٰۃ الخوف میں یہ فرق کیا گیا ہے کہ غیر صلوٰۃ الخوف میں مسبوق قرأت کرتا ہے۔ اور صلوٰۃ الخوف میں طائفہ اولیٰ کا مسبوق باوجود مسبوق ہونے کے قرأت نہیں کرتا اور لاحق کے حکم میں ہوتا ہے۔ اسی قیاس پر عالمگیری کے جزئیہ کی بھی توجیہ کی جاسکتی ہے۔ وہاں طائفہ ثانیہ اگر چہ دو رکعتوں میں حقیقتاً لاحق ہے لیکن اس کو حکماً تمام رکعتوں میں مسبوق قرار دیا۔ لیکن اس سے لازم نہیں آتا کہ صلوٰۃ الخوف کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص لاحق ہو تو ہمیشہ بحکم مسبوق ہوگا۔ بلکہ نہر اور عالمگیری دونوں کے جزئیات میں یہ بات قدر مشترک ہے کہ یہ احکام صلوٰۃ الخوف کے ساتھ مختص ہیں کہ نہر کی صورت میں مسبوق ہونے کے باوجود اس پر لاحق کا حکم جاری کیا گیا اور صلوٰۃ الخوف کی خصوصیت کی کوئی ایسی مخفی وجہ ہے جس کا سمجھ میں آنا ضروری نہیں۔ خلاصہ یہ کہ عالمگیری کا جزئیہ صلوٰۃ الخوف کے ساتھ خاص ہوسکتا ہے۔ اور اس سے ہر مقیم مقتدی بالمسافر کا عام حکم نہیں نکالا جاسکتا۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے اس اعتراض پر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب

رحمۃ اللہ علیہ نے امدادالفتاویٰ کے حاشیہ میں یہ تبصرہ فرمایا ہے کہ حضرت تھانوی قدس سرہ کے استدلال کی بناء اس بات پر ہے کہ انہوں نے نہر کے جزئیہ کو بھی مقیم خلف المسافر سے متعلق سمجھا ہے حالانکہ وہ مقیم خلف المسافر سے متعلق نہیں ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ **والا فمن الثانیة** کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر مقتدی شفع اول کی ایک رکعت بھی نہ پائے (گویا دوسرے شفع میں شریک ہو) تو اسے طائفہ ثانیہ میں سے سمجھا جائے گا، اب ظاہر ہے کہ اگر امام مسافر ہو تو دوسرے شفع میں شامل ہونے کے کوئی معنی بھی نہیں کیونکہ امام مسافر کا دوسرا شفع ہوگا ہی نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ یہ امام مسافر سے متعلق نہیں بلکہ امام مقیم سے متعلق ہے۔

اور دوسری رکعت میں شریک ہونے والے کو طائفہ اولی میں داخل کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ تمام رکعات میں لاحق ہے اور کسی رکعت میں قرأت نہیں کرے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ طائفہ اولیٰ کے ساتھ جائے گا اور انہی کے ساتھ لوٹ کر اپنی نماز پوری کریگا۔ جہاں تک قرأت کا تعلق ہے تو جس رکعت میں وہ مسبوق ہو اس میں قرأت کریگا۔ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ حقیقتاً مسبوق ہونے کے باوجود اس پر لاحق کے احکام جاری ہوئے بلکہ اس پر مسبوق ہی کے احکام جاری ہونگے۔ لہٰذا نہر کی بنیاد پر حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے مظاہر العلوم کے استدلال پر جو نقض وارد کیا تھا وہ درست نہ رہا۔ اور مظاہر العلوم والوں کی دلیل کی قوت ظاہر ہوگئی۔

مظاہر العلوم کا جواب حضرت خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ کا لکھا ہوا تھا اور انہوں نے بعد میں ایک مفصل تحریر میں اپنے پورے موقف کو واضح فرمایا ہے۔ یہ تحریر احسن الفتاویٰ جلد ۳ صفحہ:۳۸۸ پر بلفظہ منقول ہے۔

حضرت سہارنپوری قدس سرہ کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ مقیم مقتدی بالمسافر حقیقت میں نہ لاحق ہے نہ مسبوق بلکہ امام کی نماز کے پورے ہونے کے بعد درحقیقت منفرد ہے۔ البتہ اس پر بعض احکام لاحق کے جاری ہوتے ہیں اور بعض احکام مسبوق کے۔ جہاں احکام لاحق کے جاری ہوتے ہیں وہاں اس کو کالمسبوق یا مثل المسبوق قرار دیا مثلاً یہ کہ مقیم خلف المسافر کی اگر کوئی رکعت امام کے پیچھے چھٹی نہ ہو تو امام کے سلام کے بعد وہ اپنی جو دو رکعتیں ادا کریگا ان میں منفرد ہوگا نہ کہ لاحق اور مسبوق۔ البتہ اس صورت میں ترک قراءت کی یہ وجہ نہیں ہے کہ وہ حقیقتاً لاحق ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ جن دو

رکعتوں میں قراءت فرض تھی وہ امام کے ساتھ ادا ہو چکیں اب جو دو رکعتیں خود پڑھ رہا ہے ان میں قراءت صرف مستحب ہے۔

دوسری طرف مقیم خلف المسافر تحریمہ کے اعتبار سے مقتدی کی مشابہت رکھتا ہے اور فعل کے اعتبار سے غیر مقتدی کی۔ اگر تحریمہ کا اعتبار کیا جائے تو اس کا قرأت کرنا مکروہ تحریمی ہونا چاہئے۔ اور اگر فعل کا اعتبار کیا جائے تو قرأت مستحب ہونی چاہئے۔ اور جب کوئی فعل مکروہ تحریمی اور مستحب کے درمیان دائر ہو تو اس کا ترک لازم ہوتا ہے (کیونکہ مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ ہے لیکن مستحب کے ترک پر گناہ نہیں ہے) چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ **اذا صلی المقیم بالمسافر رکعتین سلم و أتم المقیمون صلاتهم لأن المقتدی التزم الموافقة فی الرکعتین فینفرد فی الباقی کالمسبوق الانه لا یقرأ فی الاصح لانه مقتد تحریمة لا فعلا والفرض صار مؤداً فیترکها احتیاطا**۔ اس سے واضح ہو گیا کہ مقیم خلف المسافر حقیقتاً لاحق نہیں۔ البتہ ترک قرأت کے حق میں اس کو بحکم لاحق اس لئے قرار دیا گیا کہ احتیاط کا تقاضا قرأت کے حق میں یہی تھا، لیکن احتیاط کا مقتضیٰ اسی صورت میں ہے جبکہ مقیم مقتدی نے مسافر امام کی پہلی رکعت پائی ہو۔ اگر پہلی رکعت نہیں پائی تو اس میں تحریمۂ اقتداء کا احتمال ختم ہو گیا اور یہی احتمال احتیاط ترک قرأت کا موجب تھا۔ دوسری طرف چونکہ اس نے ایک رکعت کی قرأت نہیں پائی اس لئے اس کی ابھی ایک قرأت مفروضہ بھی باقی ہے۔ لہٰذا ایک رکعت میں قرأت فرض ہوگی اور دو رکعتوں میں مستحب ہوگی۔ اور اس مستحب کے معارض کوئی اثر یہاں اس لئے موجود نہیں کہ تحریمۂ اقتداء کا احتمال موجود نہیں۔ لہٰذا اس مستحب پر عمل کرنا چاہئے۔ اور چونکہ مقیم خلف المسافر حقیقتاً نہ تو لاحق تھا اور نہ مسبوق لیکن مدرک اولیٰ تھا۔ لہٰذا اس صورت میں صرف ترک قرأت کے حق میں اس کو لاحق کہا گیا تھا۔ اور وہ جب مدرک اولیٰ نہ رہا تو قرأت کا حکم بدل گیا۔ اور وہ اب قرأت میں مسبوق کے مشابہ ہو گیا۔

جہاں تک شامی کی اس عبارت کا تعلق ہے جس میں مقیم خلف المسافر کو لاحق قرار دینے کے بعد اس کو مسبوق بھی کہا ہے۔ تو اس کے بارے میں حضرت سہارنپوری قدس سرہ نے یہ فرمایا کہ یہ عبارت شامی نے طحطاوی سے نقل کی ہے اور طحطاوی کی اصل عبارت میں ایضاً کا لفظ نہیں ہے۔ بلکہ عبارت یوں ہے کہ **ومقیم ائتم بمسافر فهو لاحق بالنظر للاخیرتین و قدیکون مسبوقاً**

کما اذا فاته اول صلوٰۃ امامه المسافر پھر شامی نے اس عبارت کونقل کرتے ہوئے **ایضاً** کالفظ بڑھادیا۔

حضرت مولانا سہارنپوری قدس سرہ کی یہ تحقیق دقیق اس بات پر مبنی ہے کہ مقیم خلف المسافر حقیقتاً لاحق نہیں لیکن اس کو صرف قرأت کے حق میں بحکم لاحق قرار دیا گیا۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ بدائع میں لاحق کی تعریف یہ کی گئی ہے **وهو المدرک لاول صلوٰۃ الامام اذا فاته بعضها بعد الشروع** ۔ص:۱۷۵ج:۱

لیکن اس پر اشکال ہوسکتا ہے کہ علامہ ابن ہمامؒ نے اس تعریف کو صحیح قرار نہیں دیا چنانچہ فرماتے ہیں کہ **تعریف اللاحق بمن ادرک اول صلوٰۃ الامام تساهل بل هو من فاته بعد مادخل مع الامام بعض صلوٰۃ الامام فتح القدیر** ص:۳۴۰ ج:۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص امام کے ساتھ نماز کا اول نہ پائے وہ بھی لاحق ہوسکتا ہے؟

اس اشکال کے دو جواب ہیں:۔

(۱) علامہ ابن ہمامؒ کی اس تعریف کی رو سے بھی مقیم خلف المسافر لاحق نہیں بنتا کیونکہ اس تعریف لاحق کے لئے یہ شرط قرار دیا گیا ہے کہ امام کی نماز کا کچھ حصہ اس سے فوت ہوگیا اور مقیم خلف المسافر جو زائد دو رکعتیں پڑھتا ہے وہ امام کی نماز کا حصہ نہیں ہوتا۔

(۲) علامہ ابن نجیمؒ نے علامہ ابن ہمامؒ کی تعریف پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ **لکن یرد علیه المقیم اذا اقتدی بمسافر فانه لاحق ولم یشمله تعریفه الا ان یقال انه ملحق به ولیس هو حقیقة۔ البحر الرائق** ص:۳۵۶ ج:۱۔ اس سے صاف واضح ہوگیا کہ مقیم خلف المسافر حقیقتاً لاحق نہیں بلکہ اسے قرأت کے حق میں اس وقت لاحق کے حکم سے ملحق کیا گیا ہے جب وہ امام کی تمام رکعتیں پالے۔ اور جب کوئی رکعت امام کے ساتھ چھوٹ جائے تو وہ منفرد ہے۔ اور قرأت کے حق میں مسبوق کی طرح سمجھا جائیگا۔ اور تینوں رکعتوں میں قرأت کریگا۔ لہٰذا ماسبق بہ اور مالحق فیہ کی ترتیب کا سائل نے پوچھا تھا وہ یہاں پیدا ہی نہیں ہوتا کیونکہ یہ مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کوئی شخص حقیقتاً لاحق اور حقیقتاً مسبوق ہو۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص امام کے ساتھ ایک رکعت کے بعد شامل ہوا پھر امام کے پیچھے سوگیا یہاں تک کہ امام نے ایک رکعت پڑھ لی تو اب یہ حقیقتاً

لاحق بھی ہے اور مسبوق بھی ہے۔ یہاں مفتی بہ قول کی بناء پر یہ ترتیب واجب ہے کہ مالحق فیہ کی قضاء کو مقدم کرے اور ماسبق بہ کی قضاء کو مؤخر کرے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

محمد تقی عثمانی